بہجۃ السالک

یعنی

مؤطا امام مالک مترجم

مبنی بر اوجز المسالک



از

شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول

بُغیۃ السالک

یعنی

مؤطا امام مالک مترجم

عربی ۱۷۹ھ

کا

مکمل عربی متن

مع بامحاورہ اُردو ترجمہ

وعام فہم مفصل شرح مبنی براوجز المسالک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

از

مولانا منظور احمد دامت فیوضہم

مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ



۱۶۔ اُردو بازار، لاہور

نام کتاب ــــــــــــ بغیۃ السالک ـــ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

شرح ــــــــــــ مبنی بر اوجز المسالک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح ــــــــــــ شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم فاضل دار العلوم دیوبند
استاد دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ناشر ــــــــــــ المصباح ۱۶- اُردو بازار، لاہور

فون: 042-7124656,7223210 ، info@almisbah.net ، www.almisbah.net

تقسیم کنندگان

بک لینڈ

ہیڈ آفس: ۱۶- اُردو بازار، لاہور
042-7223210-7124656
Fax-042-7231377

برانچ آفس: سٹی پلازا، کالج روڈ، راولپنڈی
051-5773341-5557926
Fax 051-5557926

info@bookland.com.pk
www,bookland.com.pk

بُغیۃ السالک شرح اُردو موطاء امام مالکؒ

فہرست

بُغیۃُ السّالک اِلٰی مُوطّأ مالک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ حَمْدًا لَّكَ یَا مَنْ اَنْزَلَ سُوْرَۃَ الْحَمْدِ عَلٰی مَنْ کَانَ اِسْمُہٗ فِی الْاَرْضِ مُحَمَّدٌ وَّ فِی السَّمَاءِ اَحْمَدُ۔ وَصَلٰوۃً وَّ سَلَامًا عَلٰی مَنْ رَفَعَ اللّٰہُ ذِکْرَہٗ فَکُلَّمَا ذُکِرَ اللّٰہُ ذُکِرَ هُوَ مَعَہٗ، سَیِّدِ الْعٰلَمِیْنَ اِمَامِ الْمُرْسَلِیْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمُنْتَخَبِیْنَ وَالْمُنْتَجَبِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ

اللہ رب العٰلمین کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم اور خاص رحمت سے اس ہیچ میرز و ہیچ مدان کو سنن ابی داؤد کی شرح لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ شرح بفضلہٖ تعالیٰ افراط وتفریط سے بالکل پاک اور ایجاز وتفصیل کے بَین بَین نظر آئے گی اور ملک کے اس طبقے کے لئے جو سُنّت وحدیث کو خلوص قلب کے ساتھ سمجھنا چاہتا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا داعیہ رکھتا ہے، ایک رفیق و رہنما ثابت ہو گی۔ اس کتاب کے طابع وناشر "ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور" کی حوصلہ افزائی بلکہ اصرار پر اب میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر موطّائے مالک کی اس قسم کی شرح لکھنا چاہتا ہوں، جیسی کہ شرح ابی داؤد یعنی فضل المعبود ہے۔ اس شرح کے لئے میرے پیش نظر قدیم وجدید کئی شروح ہیں۔ مگر زیادہ تر انحصار واعتماد میں نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی شرح اوجز المسالک پر کیا ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ تعصّب وتحزّب کی کارفرمائی کو بالائے طاق رکھ کر مسائل پر بالخصوص اجتہادی و اختلافی فرعی مسائل پر گفتگو کروں گا۔ یہ حقیقت بڑی افسوسناک ہے کہ اس زمانے کے بعض لوگوں نے کتاب وسنّت اور شرعی علوم کا کماحقہٗ علم نہ ہونے کے باوجود ائمہ اسلام بالخصوص امام الائمہ، سراج الامّۃ حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ پر بلا سبب بلا جواز زبانِ طعن وتشنیع دراز کی ہے۔ یہ لوگ اب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچ چکے ہیں۔ اور وہی ان کے اعمال و افعال کی بازپرس فرمائے گا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ بیانِ مسائل اور تحقیق دلائل میں عدل وتوازن کو برقرار رکھنے کی پوری سعی کروں گا۔ جس مسلک کو میں دلائل کے ساتھ حق جانتا ہوں، اس کے احقاق کی کوشش کے باوجود ادب واحترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا۔ واللہ ولیّ التوفیق۔ اس شرح کا نام میں نے کافی غور وخوض اور دعاء استخارہ کے بعد **بُغْیَۃُ السَّالِكِ اِلٰی مُوَطَّاءِ مَالِكٍ** رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور رحمت سے اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ مجھے سنت نبویؐ کی خدمت کی مزید ہمت عطا کرے اور اس کوشش کو مقبول فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

۱۔ تدوین حدیث

جہاں تک کتابتِ حدیث کا تعلق ہے، یہ بات قوی دلائل سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ کام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر مبارک میں شروع ہو چکا تھا۔ ابتدائے اسلام میں کتاب وسنت میں خلط ملط ہو جانے کے اندیشہ سے نیز اس سبب سے کہ ماہر لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کی کتابت سے

سے روکا گیا تھا مگر بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی۔ قرآن و حدیث کا فرق واضح ہو چکا تھا اور اسلام کی ایک ہمہ جہتی علمی و تعلیمی تحریک کی کامیابی کے باعث پہلے جیسی صورت باقی نہ رہی تھی۔ لہٰذا اس ممانعت کو اُٹھا لیا گیا۔ تاہم حدیث کے سلسلے میں لوگوں کا زیادہ تر انحصار حافظے پر ہی رہا۔ جب صحابہؓ کا دور اختتام پذیر ہوا تو خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز اموی نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور علمائے امصار و اطراف کو حدیث و آثار کی تدوین و کتابت پر مائل کیا۔

علماء میں یہ مسئلہ معرکۃ الآرا رہا ہے کہ تدوین حدیث کا کام سب سے کس نے سرانجام دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں، محدث عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اور علامہ سیوطیؒ نے الفیۃ میں اس پر کلام کیا ہے جن اوّلین مؤلفین حدیث و آثار کا نام اس سلسلہ میں لیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ الربیعؒ بن صبیح ۱۶۰ھ
۲۔ سعیدؒ بن ابی عروبہ ۱۵۶ھ
۳۔ مالکؒ بن انس اصبحی
۴۔ عبدالملکؒ بن جُریج ۱۵۰ھ
۵۔ عبدالرحمٰن الاوزاعی ۱۵۷ھ
۶۔ سفیانؒ ثوری ۱۶۱ھ
۷۔ حمادؒ بن سلمہ ۱۶۷ھ
۸۔ ہشیمؒ بن بشیر ۱۸۳ھ
۹۔ معمرؒ بن راشد ۱۵۲ھ
۱۰۔ عبداللہؒ المبارک ۱۸۱ھ
۱۱۔ جریرؒ بن عبدالحمید ۱۸۸ھ
۱۲۔ ابویوسفؒ یعقوب
۱۳۔ محمدؒ بن الحسن الشیبانی

پہلے دو حضرات کا زمانہ باقی سب پر مقدم ہے اور ان کے وقت تک حدیث کی کتابت چھوٹے چھوٹے رسائل و صحائف کی صورت میں ہوتی تھی۔ باقی حضرات نے بہت سے ابواب میں شرعی احکام اور حلّت و حرمت کی ہدایات کو جمع کیا۔ امام سیوطیؒ نے لکھا ہے، تدوینِ کتابِ حدیث میں کام کرنے والا پہلا شخص مسلم بن شہاب زہریؒ ۱۲۵ھ تھا۔ فتح الباری میں حافظ صاحب نے بھی اسی کو تقویت دی ہے۔ بعض ائمہ کے خیال میں پہلا مدوّنِ حدیث ابوبکرؒ بن محمد بن عمرو بن حزم تھا۔ یہ رائے امام بخاریؒ کے علاوہ علامہ قسطلانی کی بھی ہے۔ لیکن شاید اسی سبب سے کہ ان حضرات کے مجموعے بعد والوں کو نہ مل سکے، دوسرے حضرات کو اولیّت کی مسند پر فائز کر دیا گیا۔ اس دور کے بعد مسانید و مصنفات کا دور شروع ہوا اور بڑے بڑے مجموعے مرتب ہو گئے۔ انہی کو کھنگال کر اربابِ صحاح بالخصوص بخاریؒ و مسلمؒ نے صحیح احادیث کے مجموعے تیار کر لئے۔

مالکؒ بن انس اصبحی

امام مالکؒ کا نسب نامہ یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خُثیل بن عمرو بن ذی اصبح الحارث۔ ذو اصبح رؤساو ملوک یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ امام مالکؒ کا جدِ اعلیٰ الحارث حمیرؔ کے ایک قبیلے الاصبح میں سے تھا۔ اس بنا پر ذی اصبح کہلاتا تھا۔ یہ قبیلہ قحطانی عربوں کی ایک مشہور شاخ تھی۔ امام صاحب کے آباؤ اجداد میں سے اولین مسلم ابو عامر تھا، جو مالکؒ کا پردادا تھا۔ جسے قاضی ابوبکر قشیری نے جلیل القدر صحابیؓ لکھا ہے۔ اور سیوطیؒ نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ امام مالکؒ کا دادا مالک بن ابی عامر بالاتفاق تابعی تھا۔ یہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ایک افریقی مہم کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے غسل اور تجہیز و تکفین میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ امام مالکؒ کا سنِ پیدائش ۹۰ھ ۹۳ھ ۹۴ھ ۹۵ھ آیا ہے۔ صحیح ترین ۹۳ھ ہے۔ مشہور ہے کہ امام مالکؒ کی مدتِ حمل تین سال تھی۔ مگر اس پر از روئے طب اعتراض کیا گیا ہے۔ بعض نے دو سال بتائی ہے۔

ان کی وفات ۱۱ یا ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں واقع ہوئی۔ ان کی قبر بقیع میں ہے۔ وہ نہایت وجیہہ و شکیل، ستواں ناک سفید رنگ کے خوبصورت شخص تھے۔ لمبی اور بھری بھری داڑھی تھی۔ مونچھیں لبوں پر سے کٹواتے تھے۔ مگر ادھر اُدھر کو بڑھاتے تھے۔ ان کے کان بڑے بڑے تھے۔ خوبصورت قیمتی عمامہ باندھتے تھے۔ اور یمنی اعلیٰ درجے کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ بہت خوش لباس تھے اور فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری میں اچھا لباس پہنتا ہوں۔ اولاد میں دو یا چار بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔

امام مالکؒ کی جلالتِ قدر، علم و تقویٰ، عقل و فضل اور فہم و ذکاء پر امت کا اجماع ہے۔ وہ شاہانہ جاہ و جلال اور سلطانی عز و وقار کے مالک تھے۔ ان کے زمانے میں طلب حدیث کے لئے جو اجتماع ان کے دروازے پر ہوتا تھا وہ کسی اور کے حصے میں نہ آیا۔ کثرت اژدحام کے باعث دربان رکھا ہوا تھا۔ جو لوگوں کو باری باری خدمت میں باریاب کرتا تھا۔ سب سے پہلے باری خاص کو دی جاتی تھی جنھیں امام مالکؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے کہتے تھے۔ اور ان کا اکرام کرتے تھے۔

امام مالکؒ کے درس کے دو حلقے تھے۔ پہلا فقہ کے لئے جس کے لئے وہ زیادہ اہتمام نہ کرتے تھے۔ دوسرا حلقہ درسِ حدیث کا تھا۔ جس کے لئے غسل کر کے نیا جوڑا پہننے اور خوشبو لگا کر خشوع و خضوع سے بیٹھنے کا اہتمام تھا۔ مجلسِ درسِ حدیث میں خوشبو برابر مہکتی رہتی تھی۔ شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ علم کا وقار اور تقویٰ کا خضوع و خشوع مل کر عجیب بہار دکھاتا تھا۔ مدینہ منورہ میں عمر بھر کوئی مکان نہیں بنایا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان میں ہمیشہ کرائے پر رہے۔ مسجد میں ان کی بیٹھک وہی ہوتی تھی، جہاں اپنے دورِ خلافت میں عمر فاروقؓ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہی وہ جگہ تھی، جہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں استراحت فرماتے تھے۔

امام مالکؒ عجیب و غریب قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ جس کی تعریف ابن شہاب زہری نے بھی کی ہے۔ امامِ جرح و تعدیل یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے کہ مالک امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ یحییٰ بن معین نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ مالکؒ خدا کی مخلوق پر اس کی حجت ہیں۔ مالکؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور حاکمؒ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، عنقریب لوگ طلبِ علم میں اونٹوں کے جگر پھاڑ ڈالیں گے۔ مگر انہیں مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کوئی نہ ملے گا۔ ترمذی نے اسے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے اس کا مصداق امام مالکؒ تھے۔ یہی قول عبدالرزاق کا بھی ہے۔ امام مالکؒ کی دینی غیرت مشہور ہے۔ انہوں نے ابوجعفر منصور عباسی کی سلطنت میں اس کے عامل مدینہ جعفر بن سلیمان سے تیس سے سو تک کوڑے کھائے مگر اپنا فتویٰ نہیں بدلا۔ مدینہ کا احترام اس قدر تھا کہ عمر بھر باوجود کبر سنی کے اور ضعف کے حدودِ مدینہ میں سوار نہ ہوئے۔

امام مالکؒ کے مشہور اساتذہ بقول غافقی ۹۵ اشخاص تھے۔ جن میں سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، القاسمؒ بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ، حمیدؒ اور سالمؒ جیسے جبال علم و روایت زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ان شاگردوں میں زہریؒ، ابو الاسودؒ، ایوب سختیانیؒ، ربیعہ اور یحییٰ بن سعید انصاری جیسے لوگ بھی ہیں۔ تین بادشاہوں نے امام مالکؒ سے مؤطا سن کر اس کی روایت کی۔ ہارون رشید۔ امین اور مامون۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے زمانے کے مشہور محدثین سے مؤطا کا درس لیا تھا۔ امام محمدؒ بن الحسن الشیبانی اور محمدؒ بن ادریس الشافعی جیسے اساطین اُمت امام مالکؒ کے شاگرد تھے۔

۷۔ مؤطا امام مالکؒ کتب و ذخائرِ حدیث میں بقول امام ابوبکر بن العربی مؤطا اصلِ اول اور صحیح بخاری اصلِ ثانی ہے۔

دیگر صحاح کے مولّفین نے انہی کی بنیاد پر کام کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ کا قول ہے (المسوّیٰ میں) کہ بنظر انصاف دیکھنے والا اسی فیصلے پر پہنچتا ہے کہ مؤطّا چاروں سُنّی فقہی مذاہب (مالکی، شافعی، حنبلی اور حنفی) کی اصل بنیاد ہے۔ یہ چاروں مکاتب فقہ مؤطّا کے متن کی شروح ہیں۔ مؤلّفین صحاح مثلاً مسلمؒ، ابو داؤدؒ اور نسائیؒ اسی عظیم کتاب کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ بخاریؒ کی احادیث میں سے جن کا تعلق خالص فقہی و قانونی مسائل سے ہے، ان کی اساس بھی مؤطّا ہی ہے۔ ان حضرات نے مؤطّا کے مرسلات کو موصول کیا۔ موقوفات کو مرفوع کیا اور جو احادیث مؤطّا میں نہیں آئیں انہیں درج کیا۔ پھر انہوں نے مؤطّا کی روایات کے متابعات وشواہد بیان کرکے ان کی توثیق و تائید کی ہے۔ اس جلالت شان کے باوجود امام مالکؒ کے تقویٰ اور حق شناسی کا یہ عالم تھا کہ ہارون رشید نے مؤطّا کو سلطنت کا قانونی دستور العمل بنانا چاہا۔ اور کہا کہ میں چاہتا ہوں مؤطّا کو کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور لوگوں کو حکم دیا جائے کہ اس پر عمل کریں۔ امام مالکؒ نے اس سے بدیں سبب اختلاف کیا کہ فروع میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہم مختلف ہوئے اور حضورؐ کے بعد وہ ممالک کے اطراف وجوانب میں پھیل گئے تھے، وہ سب برسرحق تھے۔ اس اختلاف کو اسی طرح رہنے دیا جائے۔ ہارون نے اس جواب کو بہت سراہا تھا۔ کہا گیا ہے کہ امام مالکؒ نے مؤطّا کی تالیف ابوجعفر منصور کی ترغیب بلکہ درخواست پر کی تھی۔ مگر اس کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی المنصور کی وفات واقع ہوگئی۔ امام شافعیؒ کا قول ہے، کہ کتاب اللہ کے بعد مؤطّا مالکؒ سے صحیح تر کتاب اور کوئی نہیں۔ ایک روایت کے مطابق موطّا سب کتابوں کی نسبت قرآن سے اقرب ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ سے صائب تر اور نافع تر کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے صحاحِ ستہ میں مؤطّا کو سُنن ابن ماجہ کے بجائے داخل کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے کتبِ حدیث کے پانچ طبقے شمار کئے ہیں۔ اور بخاری، مسلم اور موطّا کو پہلے طبقے میں رکھا ہے۔ درحقیقت کتب حدیث کی درجہ بندی کئی لحاظ سے کی گئی ہے اور اس میں زمان ومکان، علاقے و فقہی و اجتہادی آراء وخیالات کو بھی دخل حاصل ہے۔ مؤطّا میں کچھ پانچ سو سے اوپر احادیث مسند، تین سو مرسلات اور ستّر سے کچھ اُوپر احادیث ایسی ہیں، جن پر بوجوہ امام مالکؒ نے خود بھی عمل ترک کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں کچھ احادیث ایسی بھی آگئی ہیں، جنہیں جمہور علماء نے ضعیف و واہی قرار دیا ہے۔ ان پر مستزاد وہ آثار و آراء اور فتاویٰ ہیں، جو امام مالکؒ نے جگہ جگہ بیان کئے ہیں اور ان کی تعداد اصل احادیث سے زیادہ ہے۔ امام مالکؒ سے قبل یا خود ان کے زمانہ میں احادیث کے مجموعوں کا نام جامع، مصنّف یا مؤلّف رکھا جاتا تھا۔ موطّاء کا یہ نام امام مالکؒ نے سب سے پہلے رکھا۔ وجہ تسمیہ خود یہ بیان کی ہے کہ میں نے اسے مدینہ کے ستّر فقہاء کے سامنے پیش کیا اور ان سب نے میری تائید وموافقت کی۔ لہٰذا میں نے اس کتاب کا نام موطّا رکھا۔ اس کا لفظی معنیٰ ہے "جس کی تائید کی گئی"۔

سُنّت و حدیث میں کچھ فرق و امتیاز بھی کیا گیا ہے۔ حسب بیان شاہ ولی اللہؒ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا ہے، کہ سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں اور امام اوزاعیؒ سُنّت کے۔ مگر امام مالکؒ ان دونوں کے امام ہیں۔ اس قول کی شرح یہ ہے کہ سلف صالحین مسائلِ شرع کے استنباط میں دو طریقے اختیار کرتے تھے (الف) آیات و احادیث اور آثار کو محفوظ کرکے ان میں سے مسائل نکالتے تھے۔ (ب) مآخذ کا اعتبار کئے بغیر ائمہ اسلام اور سلف صالحین کے کلام سے قواعد و اصول کا استنباط کرتے اور ان اصولِ شرعیہ میں سے احکام نکالتے تھے۔ پہلا طریقہ محدثین کا تھا اور دوسرا فقہا کا۔ پس امام مالکؒ ان دونوں طریقوں پر عملدرآمد رکھتے تھے۔ وہ جب موطّا میں کہتے ہیں کہ "ہمارے نزدیک یہ سنّت متفق علیہا ہے" تو اس سے ان کی مراد یہی دوسرا طریقہ ہوتا ہے۔ پس پہلا طریقہ جاننے اور اختیار کرنے والے امام فی الحدیث ہوئے اور دوسرا طریقہ اپنانے والے امام فی السُّنّت

ٹھیرے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اپنے فقہی مذہب کی بنیاد ان چیزوں پر رکھی ہے۔
(۱) احادیث مرفوعہ خواہ وہ متصل ہوں خواہ مرسل (۲) حضرت عمر فاروقؓ کے فیصلے (۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتاویٰ (۴) فقہاء یعنی سعید بن المسیبؒ، عروہؒ، قاسمؒ، سالمؒ، سلیمانؒ بن یسار، ابو سلمہؒ بن عبدالرحمٰن، ابوبکرؒ بن عبدالرحمٰن، ابوبکرؒ بن محمد بن عمرو بن حزم، عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہم۔ امام مالکؒ فقہائے مدینہ اور فقہائے سبعہ کے اقوال و آراء و فتاویٰ کو "سُنّت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام مالکؒ سے موطّا پڑھنے والوں کی تعداد بقول شاہ عبدالعزیزؒ ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ موطّا کی روایت کرنے والوں میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کا کافی اختلاف ہے۔ غافقی کے بقول موطّا کی ۱۲ روایات اس تک پہنچی تھیں، جن کے رواۃ کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبداللہ بن وہب (۲) عبدالرحمٰن بن القاسم (۳) القعنبی یعنی عبداللہ بن مسلمہ (۴) عبداللہ بن یوسف تنّیسی۔ (۵) معن بن عیسٰی (۶) سعید بن عُفیر (۷) یحیٰی بن عبداللہ بن بُکیر (۸) ابو مصعب احمد بن ابی بکر (۹) ابو مصعب الزہری (۱۰) محمد ابن المبارک الصوری (۱۱) سلیمان بن برد (۱۲) یحیٰی بن یحیٰی مصمودی۔ امام سیوطیؒ نے ان بارہ پر دو کا اضافہ کیا ہے (۱۳) سوید بن سوید۔ (۱۴) محمد بن الحسن الشیبانی صاحبِ ابی حنیفۃؒ النعمان۔ اس آخری موطا میں دیگر تمام موطّات پر کچھ اضافے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی نے فرمایا کہ ان کے علاوہ بھی موطا کے کچھ اور نسخے پائے گئے ہیں۔ بقول شاہ ولی اللہ ان کی تعداد تیس تک پہنچتی ہے۔ علامہ ابو عمرؒ ابن اُسید اندلسی نے اپنی شرح موطا التمہید اور دوسری شرح الاستذکار کی بنیاد ۱۲ نسخوں پر رکھی تھی۔ امام مالکؒ چونکہ ہر سال موطا کی تہذیب و تنقیح میں لگے رہتے تھے۔ لہٰذا مختلف سالوں میں ان کے شاگردوں نے ان سے جو کتاب پڑھی، اس میں بہت کچھ کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ علامہ ابوالقاسم شافعی نے امام مالکؒ سے مروی موطّآت کی تعداد ۱۱ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ ان میں سے مستعمل چار ہیں۔ امام سیوطیؒ نے تنویر الحوالک میں ۱۴ نسخے پائے ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں ۱۶ قرار دیئے ہیں۔ پس گزشتہ ۱۴ نسخوں کے علاوہ دیگر نسخے یہ ہیں (۱۵) مصعب بن عبداللہ زبیری کا نسخہ (۱۶) ابو حذافہ سہمی کا نسخہ (۱۷) یحیٰی بن تمیمی نیشاپوری کا نسخہ۔

ہمارے ملک میں موطا کا جو نسخہ رائج اور موطّائے مالکؒ کہلاتا ہے، یہ یحیٰی بن یحیٰی مصمودی اندلسی کا نسخہ ہے۔ امام سیوطیؒ، زرقانی، الباجی اور شاہ ولی اللہ نے اسی کی شرح لکھی ہے۔ علامہ ابو بکر ابہری نے کہا ہے کہ موطا میں کل ۱۷۲۰ روایات ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند، ۲۲۲ مرسل، ۶۱۳ موقوف اور ۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ مسند دارمی اس لئے تصنیف کی گئی کہ موطا کی غیر مسند احادیث کو مسند کیا جائے اور یہ کتاب کفایت کرتی ہے۔

موطّا کی شرح و حواشی

قاضی عیاض مالکی نے، جن کا دور ہم سے بہت پہلے کا ہے، لکھا ہے کہ جس قدر شروح و حواشی موطّا کے لکھے گئے ہیں، اتنے کسی اور کتاب کے نہیں لکھے گئے۔ اس سے موطّا کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نوّے شارحین کے نام قاضی صاحب نے گنوائے ہیں۔ قاضی صاحب کے بعد جو شروح و حواشی لکھے گئے وہ اس عدد پر مستزاد ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے ان میں جن مشہور تر شارحین کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:۔

(۱) ابو محمد عبداللہ بطلیوسی اندلسی ۵۲۱ھ نے موطا کی شرح لکھی اور اس کا نام المقتبس رکھا۔ (۲) ۴۶۲ھ ابن رشیق مالکی قیروانی کی شرح (۳) ۲۳۸ھ عبدالملک بن حبیب قرطبی نے اپنی شرح کا نام تفسیر الموطّا رکھا (۴) ۴۶۳ھ حافظ ابو عمر و یوسف بن عبداللہ جو ابن عبدالبر کی کنیت سے مشہور تر ہوئے۔ انہوں نے التمہید، الاستذکار اور التقصی کے نام سے شروح لکھیں۔

(۵) ۳۰۲ھ احمد بن نصر داؤدی نے طرابلس میں مؤطا کی شرح لکھی جسے النامی کے نام سے موسوم کیا۔ (۶) ۳۰۵ھ ابوالطاہر احمد بن عمر نے مؤطا بروایتِ ابن وہب کی شرح لکھی۔ (۷) شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد (۸) ۴۹۴ھ قاضی امام ابوالولید الباجی نے الاستیفاء، الایماء اور المنتقیٰ نامی شرحیں لکھیں (۹) قاضی امام ابوبکر بن العربی المالکی ۵۴۶ھ نے القبس اور المسالک نام کی دو شرحیں لکھیں (۱۰) ۳۸۸ھ حافظ ابوسلیمان خطابی شافعی نے مؤطا کی تلخیص و انتخاب کیا (۱۱) ۲۵۶ھ مشہور مالکی فقیہ محمد بن سحنون نے چار جلدوں میں مؤطا کی شرح لکھی (۱۲) محمد بن یحییٰ بن عمر القرافی مصری نے بھی مؤطا کی شرح لکھی (۱۳) ۱۸۶ھ عبداللہ بن نافع الصائغ نے تفسیر المؤطا لکھی (۱۴) ابوالولید بن القصار قرطبی نے الوعب کے نام سے شرح مؤطا لکھی (۱۵) قاضی محمد سلیمان نے المحلّی کے نام سے شرح لکھی (۱۶) ۵۸۶ھ محمد بن سعید بن احمد بن زرقون نے موطا کی شروح المنتقیٰ اور الاستذکار کو یکجا کرکے ایک نئی شرح بنا دیا (۱۷) ابوبکر بن سابق صقلی نے المسالک نام کی شرح ترتیب دی۔ (۱۸) ابن ابی صفرہ جو مشہور فاتح مجاہد تبع تابعی ۸۳ھ مہلب ابن ابی صفرہ کا بھائی تھا، اس نے مؤطا کی تلخیص القابسی کا اختصار لکھا (۱۹) ابوعبداللہ بن الحجاج (۲۰) ابوالولید بن العواد (۲۱) ابوالقاسم بن امجد الکاتب (۲۲) ۵۶۱ھ ابوالحسن اشبیلی نے موطا کی مقطوع احادیث پر المدارک نامی کتاب لکھی (۲۳) ابن شراحیل (۲۴) ۵۳۷ھ ابوعبداللہ محمد بن خلف نے مؤطا کی مشکلات پر کتاب لکھی (۲۵) ۷۶۳ھ ابومحمد عبداللہ الفرحون تونسی نے کشف الغطاء نامی شرح تالیف کی (۲۶) ۴۱۳ھ ابوالمطرف عبدالرحمٰن قرطبی نے تفسیر المؤطا لکھی (۲۷) ۶۳۳ھ ابوالحسن علی بن ابراہیم الجذامی المعروف با بن القفاص نے حافظ ابن عبدالبر کی شرح الاستذکار کی تلخیص لکھی (۲۸) ۶۰۹ھ ابوالحسن علی بن ابراہیم غستانی نے نہج المسالک کے نام سے شرح لکھی (۲۹) ۶۰۸ھ ابوالمجد عقیل بن عطیہ قضاعی نے بھی موطا کی شرح لکھی (۳۰) ابوعمر طلمنکی نے غریب المؤطا کی شرح لکھی (۳۱) عاصم النحوی (۳۲) ۲۵۹ھ یحییٰ بن مزین نے المستقیصہ کے نام سے شرح لکھی (۳۳) ۳۹۹ھ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نے المقرب کے نام سے شرح لکھی (۳۴) الامام الحافظ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ نے تنویر الحوالک نامی شرح لکھی۔ احادیث مؤطا کی تجرید لکھی اور اسعاف المبطّا کے نام سے رجال پر قابل قدر تالیف کی (۳۵) ۱۱۲۲ھ علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی نے بھی مؤطا کی شرح لکھی (۳۶) شیخ سلام اللہ حنفی دہلوی ۱۲۲۹ھ کی شرح جو المحلّیٰ کے نام سے مشہور ہے (۳۷) ۱۱۷۶ھ حضرت شاہ ولی اللہ نے مصفّیٰ و مسوّیٰ نامی دو شرحیں لکھیں۔ اول بزبانِ فارسی و دوم بزبان عربی (۳۸) ۲۳۸ھ عبدالملک بن مروان بن علی کی شرح کشف المؤطا (۳۹) ابوعمران موسیٰ زنانی (۴۰) شیخ زین الدین عمر بن احمد شجاع کی شرح بنام الانتقاء (۴۱) قاضی ابوعبداللہ بن عیسیٰ ۴۱۸ھ کی شرح بنام الاستنباط (۴۲) ۱۰۱۴ھ علامہ محمد علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے دیگر مشہور کتب حدیث کے علاوہ المؤطا کی شرح بھی لکھی (۴۳) ۱۰۹۳ھ شیخ بیری زادہ حنفی نے الفتح الرحمانی نامی شرح لکھی (۴۴) شیخ عثمان بن یعقوب کرخی ترکمانی نے ۱۱۶۶ھ میں مؤطائے امام مالکؒ بروایت محمد بن الحسن شیبانی کی شرح بنام کشف اسرار المؤطا لکھی (۴۵) مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی نے اسی مؤطائے محمدؒ کی شرح بنام التعلیق الممجد لکھی۔ جو اس کے حواشی پر طبع ہو چکی ہے (۴۶) ۱۴۰۲ھ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اوجز المسالک کے نام سے مؤطائے مالکؒ کی شرح لکھی، جو دیگر مواد کے علاوہ خاص طور پر ہمارے پیش نظر ہے۔

ان شارحین کے علاوہ علماء و فضلاء کی ایک جماعت نے غریبِ مؤطا کی شروح لکھیں۔ ان میں سے پانچ کا ذکر شیخ الحدیث نے کیا ہے۔ ان کے علاوہ کئی علماء نے مؤطا کی مسندات لکھیں۔ ابوالحسن دارقطنی اور ابوالولید الباجی کے علاوہ اور کئی لوگوں نے مختلف مؤطات کے اختلاف پر کتابیں لکھیں۔ بعض نے اطرافِ مؤطا پر، بعض نے مرسلات مؤطا پر، بعض نے مؤطا میں وارد شدہ

آثار پر کتابیں تصنیف کیں۔ کئی محدثین نے مؤطا کے رواۃ پر کام کیا۔
آخر میں یہ عرض کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ میں نے مؤطا امام مالکؒ اور مؤطا امام محمدؒ کے بعض اہم مقامات کو کبھی قرأت کر کے اور کبھی قراءۃً علیہ وأنا أسمع اور بعض دفعہ خود استاد کی قراءت سے حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی ثم پاکستانی سے پڑھا تھا۔ اور ان کی طرف سے نیز شیخ الاسلام عثمانیؒ اور محدث بلیاویؒ اور محدث سہارنپوریؒ کی طرف سے مجھے ہر دو مؤطا کی اجازت ہے۔ ان کی سند حضرت شاہ ولی اللہؒ تک الیانع الجنی میں چھپ چکی ہے جو خود حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اسناد ان کے رسالہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں چھپ چکی ہیں۔
والحمد للہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

خادم حدیث: (پروفیسر) میاں منظور احمد
شیخ الحدیث و صدر مدرس دار العلوم الشہابیہ
سیالکوٹ

بُغیۃُ السّالِک

یعنی

مؤطّا اِمام مالِک مترجم
عَربی اُردو

کا

مکمل عربی متن

مع بامحاورہ اُردو ترجمہ

عام فہم مفصل شرح مبنی بر اوجز المسالک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت العلامہ محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

از

مولانا منظور احمد دامت فیوضہم

مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ



۱۶- اُردو بازار۔ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ

١- كِتَابُ وُقُوْتِ الصَّلٰوةِ

١- بَابُ وُقُوْتِ الصَّلٰوةِ

اوقاتِ نماز کا باب

١- قَالَ: حَدَّثَنِيْ يَحْيَى بْنُ يَحْيَى اللَّيْثِيُّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، فَاَخْبَرَهٗ اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ اَخَّرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْكُوْفَةِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا مُغِيْرَةُ؟ اَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّ جِبْرِيْلَ نَزَلَ فَصَلّٰى، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ثُمَّ صَلّٰى فَصَلّٰى رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ثُمَّ صَلّٰى، فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ثُمَّ قَالَ: بِهٰذَا اُمِرْتُ؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ: اِعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ بِهٖ يَا عُرْوَةُ، اَوَ اِنَّ جِبْرِيْلَ هُوَ الَّذِيْ اَقَامَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الصَّلٰوةِ؟ فَقَالَ عُرْوَةُ كَذٰلِكَ كَانَ بَشِيْرُ بْنُ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيُّ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ.

ترجمہ: ابن شہاب (زہری) سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک دن نماز (عصر) میں تاخیر کر دی تو عروہؒ بن زبیر ان کے پاس گئے اور انہیں خبر دی کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے، جب کہ وہ کوفہ میں تھے، ایک دن نماز میں تاخیر کی تو ابو مسعودؓ انصاری ان کے پاس گئے اور کہا، اے مغیرہ! یہ کیا ہے؟ (یہ تاخیر کیسی ہے؟) کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جبریلؑ نے نازل ہو کر نماز (ظہر) پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر جبریلؑ نے نماز (عصر) پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر جبریلؑ نے نماز (مغرب) پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی

پھر جبریلؑ نے نماز (عشاء) پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ پڑھی۔ پھر جبریلؑ نے نماز (فجر) پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑھی۔ پھر جبریلؑ نے کہا کہ آپ کو اسی کا حکم (من جانب اللہ) دیا گیا ہے۔ اس پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا اے عروہ! دیکھ تو کیا بیان کرتا ہے۔ کیا جبریلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوقاتِ نماز قائم کر کے بتائے تھے؟ عروہ نے کہا کہ بشیر بن ابی مسعود انصاری اپنے باپ سے اسی طرح روایت کرتے تھے۔ عروہ نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے۔ درآنحالیکہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی اور اور ابھی اوپر نہیں چڑھی ہوتی تھی۔

شرح: موطائے امام محمدؒ میں اس حدیث کا صرف آخری حصہ اس باب میں مروی ہے اور پہلا حصہ وہاں نہیں آیا۔ لفظِ صلوٰۃ کا معنیٰ اہل لغت میں دعا اور رحمت ہے اور نماز جنازہ کو اسی وجہ سے صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ۔ نمازِ ظہر کا اول وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ اور بقولِ زرقانی اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ظہر کا آخری وقت امام مالکؒ اور بعض دیگر لوگوں کے نزدیک سایہ کے دو مثل ہونے تک باقی رہتا ہے۔ گو ان حضرات کے نزدیک نماز عصر کا وقت بھی ایک مثل پر داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ایک اور دو مثل کا درمیانی وقت ظہر اور عصر کا مشترک وقت ہے۔ اگر کسی نے ایک مثل کے اختتام تک ظہر نہ پڑھی ہو تو وہ اس وقت میں پڑھ لے لیکن یہ وقت صرف بقدر چار رکعات کے ہے۔ ان حضرات کی دلیل صحاح کی وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے ایک سائل کو اوقاتِ نماز کی عملی تعلیم دو دن فرمائی۔ پہلے دن میں عصر کی نماز کا جو وقت مذکور ہے وہ دوسرے دن کی ظہر کا وقت تھا۔ جمہور علماء ان دونوں نمازوں کے وقت میں اشتراک نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک سایہ ایک مثل ہو جانے پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسینؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں اور ایک روایت امام اعظمؒ سے بھی یہی ہے۔ مگر ظاہر روایت میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک سایہ کے دو مثل ہو جانے تک نہ ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے نہ عصر کا وقت ہوتا ہے۔ پھر جمہور کے نزدیک عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک باقی رہتا ہے۔ گو اس کا آخری حصہ یعنی سورج زرد ہو جانے سے غروب تک مکروہ وقت ہے۔ مغرب کے اول وقت پر ائمہ کا اجماع ہے کہ وہ غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور اس کے آخری وقت پر بھی اجماع ہے کہ وہ غروب شفق تک ہے۔ ہاں الشفق میں اختلاف ہے کہ وہ سرخی ہے یا اس کے بعد والی سفیدی۔ عشاء کا اول وقت غروبِ شفق سے شروع ہوتا ہے۔ علیٰ اختلافِ التوشیق فی الشفق۔ اور اس کا آخری وقت رات کا ⅓ یا ½ علیٰ اختلاف الاحادیث ہے۔ مگر بعض دیگر دلائل سے اس کا آخری وقت — اس کے لئے جو بروقت نہ پڑھ سکے — حنفیہ نے طلوعِ فجر تک بتایا ہے۔ شیخ ابن قدامہ حنبلی نے فرمایا ہے کہ وقتِ مختار رات کے ½ تک اور وقتِ ضرورت طلوعِ فجر ثانی تک ہے (المغنی) فجر کے متعلق اس بات پر اجماع ہے کہ اس کا اول طلوعِ فجر ثانی سے شروع ہوتا ہے۔ آخری وقت امام مالکؒ اور شافعیؒ کے بعض روایات میں اسفار تک ہے۔ مگر دلائل کتاب وسنت طلوعِ شمس تک ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔ اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ امام طحاویؒ نے اس پر ائمہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ یہ حقیقت بھی معلوم رہنی چاہئے کہ کسی نماز کا وقت ایک چیز ہے اور وقتِ مختار و مسنون دوسری چیز۔ اول وقت سے مراد از روئے احادیث اوّل وقتِ مسنون ہے۔ ورنہ بہت ساری احادیث کا ترک لازم آئے گا۔

اس حدیث میں جس امامتِ جبریلؑ کا ذکر ہے یہ واقعہ معراج کی رات سے اگلے دن پیش آیا تھا۔ اس دن جبریلؑ کی آمد وقتِ ظہر ہوئی تھی۔ اسی لئے اسے پیشیں یعنی پہلی نماز کہتے ہیں اور عصر کو دیگر یعنی دوسری نماز۔ امامتِ جبریلؑ بحکم الٰہی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس دن

یہ نمازیں جبریلؑ پر بھی فرض تھیں۔ اس حدیث سے از روئے انصاف نمازِ عصر کی تعجیل یا تاخیر پر استدلال واضح نہیں ہوتا۔ امّ المومنین کے حجرے کا دروازہ جانبِ مغرب تھا اور دیواریں زیادہ بلند نہ تھیں۔ لہٰذا غروبِ آفتاب تک بھی اس میں دھوپ کا رہنا ممکن تھا۔ احادیث و آثار سے سورج کے زرد ہونے سے قبل تک عصر کا وقت مختار و مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو مراسلہ بھیجا تھا، اس میں یہ الفاظ تھے۔ نمازِ عصر پڑھو جب کہ سورج سفید اور صاف ہو، قبل اس کے کہ اس میں زردی آئے۔ مسند احمد اور ترمذی میں ہے کہ حضرت امّ سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز تمہاری نسبت جلدی اور عصر کی نماز تمہاری نسبت دیر سے پڑھتے تھے۔

۲۔ قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ، زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ۔

ترجمہ: عروہؓ نے کہا کہ الخ اس کا ترجمہ اور مختصر شرح اوپر گزری ہے۔ ہمارے زیر استعمال نسخے میں چونکہ اس ٹکڑے پر علیحدہ نمبر شمار دیا گیا ہے، اس لئے حساب درست رکھنے کی خاطر یہ نمبر دیا گیا ہے۔

۳۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الصُّبْحِ۔ قَالَ: فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ، صَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ۔ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ مِنَ الْغَدِ بَعْدَ أَنْ أَسْفَرَ ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ قَالَ: هَا أَنَذَا يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: "مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ"۔

ترجمہ: عطاء بن یسار نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نمازِ صبح کا وقت پوچھا تو آپ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ جب اگلے دن فجر طلوع ہوئی تو آپ نے نماز پڑھی (یعنی پڑھائی) پھر اس سے اگلے دن آپ نے نمازِ فجر اس وقت پڑھی، جب کہ روشنی ہو چکی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ نماز کا وقت پوچھنے والا کہاں ہے؟ وہ بولا یا رسول اللہ میں یہ ہوں۔ فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان وقت ہے۔ (موطاء امام محمد کے باب وقوت الصلاۃ میں یہ حدیث نہیں ہے)

شرح: مؤطاء میں یہ روایت مرسل آئی ہے کہ مسند بزار میں حضرت انسؓ سے، طبرانی میں عبدالرحمن بن یزید سے اور مسند ابی یعلیٰ میں زید بن حارثہؓ کی روایت سے موصولاً وارد ہوئی ہے۔ راوی نے سوال کو مختصر کر دیا ہے۔ مگر دراصل سائل نے تمام نمازوں کا وقت پوچھا تھا اور بالخصوص نمازِ فجر کا۔ حضورؐ کے جواب سے واضح ہوتا ہے کہ سائل تمام وقت کی حد بندی پوچھ رہا تھا کہ پہلا، درمیانہ یا آخری وقت۔ علیٰ ہذا القیاس اس حدیث میں وقتِ مختار و مسنون کا بھی ذکر ہی نہیں کیا۔ یہ سوال جحفہ کے مقام پر نمرہ نامی جگہ میں ہوا تھا۔ جیسا کہ زیدؓ بن حارثہ کی حدیث میں صراحت موجود ہے۔ یہ ایک سفر کا واقعہ ہے لیکن دوسرے دن جب حضورؐ نے خوب روشنی میں نماز پڑھائی تو اس وقت مقام ذی طویٰ میں تھے۔ زیدؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ دوسرے دن کی نمازِ فجر طلوعِ آفتاب کے کچھ پہلے پڑھائی تھی۔ سائل کو حضورؐ نے جو مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ وَقْتٌ فرمایا تو اشارہ اس طرف تھا، کہ پہلے دن کی ابتداءِ صلوٰۃ اور دوسرے دن کی انتہاءِ صلوٰۃ کے درمیان نمازِ فجر کا وقت ہے۔ غور کیا جائے تو اس کے سوا اس

حدیث کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مطلقاً اول وقت پر زور دینا اور نماز فجر کو ہمیشہ اندھیرے میں مسنون ماننا خلافِ سنت ہے۔

۴۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتیں، اندھیرے کے باعث پہچانی نہ جاتی تھیں۔ (موطا بروایت محمد میں یہ حدیث نہیں آئی)

شرح: پہچانی جانے سے مراد ان کے اعیان کی پہچان کہ یہ فلاں خاتون ہے اور یہ فلاں ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ مراد اعیان کی پہچان نہیں بلکہ یہ ہے کہ اندھیرے کے باعث یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ جانے والا شخص مرد ہے یا عورت۔ زرقانی نے نووی کی توجیہہ کو رد کیا ہے۔ کیونکہ اگر مراد وہ ہوتی جو نوویؒ نے کہا تو مَا يُعْرَفْنَ کے مَا يُعْلَمْنَ کہا جاتا۔ معرفتِ اعیان اشخاص کی ہوتی ہے۔ اس حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے اُوپر کی حدیث کو بھی مدِّنظر رکھنا لازم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کبھی اندھیرے میں پڑھتے تھے اور کبھی خوب روشنی میں۔ بخاری و مسلم میں ابو برزہ اسلمی کی روایت ہے کہ حضورؐ جب نماز فجر سے فارغ ہوتے تو لوگ آس پاس والوں کو پہچان لیتے تھے۔ اس دور میں مسجدوں کے اندر آج کل جیسی روشنی نہ ہوتی تھی بلکہ تیل کے معمولی چراغ جلتے تھے جن سے ذرا سی روشنی ہو جاتی تھی۔ اس نماز کے وقت میں جو اختلاف ہے وہ صرف افضلیت میں ہے۔ امام ابو یوسفؒ، امام ابو حنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ نے اِسفار کو افضل کہا ہے۔ اور ان کا استدلال حضورؐ کی قولی و فعلی احادیث کے علاوہ آثارِ صحابہؓ سے بھی ہے سُنن اربعہ میں رافع بن خدیج کی مرفوع حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا فجر کے ساتھ اسفار کرو۔ کیونکہ وہ اجر میں عظیم تر ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور یہ ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ صحیح ابن حبان، طبرانی، طحاوی، ابن ابی شیبہ، مسند اسحاق بن راہویہ، طبرانی اور کتاب الحج محمد ابن الحسن میں آئی ہے۔ کہیں رافعؓ بن خدیج سے، کہیں انسؓ سے، کہیں بلالؓ سے، کہیں جابرؓ سے آئی ہے۔ اُوپر بخاری و مسلم کی حدیث ابی برزہؓ اسلمی کا ذکر گزرا ہے، جو اسی مضمون کی مؤید ہے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ کی حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں نماز فجر کو وقتِ معتاد سے قبل اندھیرے میں ادا فرمایا تھا یعنی عام عادت مبارکہ یہ نہ تھی کہ اس نماز کو اندھیرے میں پڑھتے۔ حنفیہ میں سے امام طحاویؒ نے ہر قسم کی احادیث کو جمع کر کے کہا ہے کہ نمازِ فجر کو اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم کیا جائے۔ محدثین حنفیہ مثلاً طحاوی اور حافظ زیلعی وغیرہما نے حضرت علیؓ، جناب عمر فاروقؓ، جناب ابو بکر صدیقؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو الدرداءؓ سے واضح آثار روایت کئے ہیں۔ جن سے اِسفار کی اولیت ثابت ہوتی ہے۔ اسفار تکثیرِ جماعت کا ذریعہ بھی ہے جو مطلوب شرع ہے۔

۵- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ وَعَنِ الْأَعْرَجِ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُونَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصُّبْحِ، قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ"

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے طلوع آفتاب سے قبل صبح کی نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کو پالیا اور جس نے غروب آفتاب سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کو پالیا۔ (یہ حدیث موطاء امام محمد میں باب الرجل یصلی عن الصلوٰۃ الخ میں وارد ہوئی ہے۔)

شرح: حدیث کے ظاہری الفاظ کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ فجر اور عصر کی نمازوں کی ایک رکعت بھی جو وقت پر پالے بس اس کی پوری نماز ادا ہوگئی اور دوسری رکعت ساتھ ملانا ضروری نہیں۔ مگر بقول نوویؒ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث کے ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہے۔ حدیث کی تاویل میں مالکؒ، شافعیؒ اور احمد رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے وقت کے اندر ایک رکعت مل گئی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے۔ گو دوسری رکعت بعد از وقت ہوگی۔ مگر اس کی نماز ہوگئی۔ ان کا استدلال اسی حدیث کی بعض ان روایات سے ہے جن میں فَلْيُتِمَّ صَلوٰتَهٗ اور فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرٰى کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن ان معنی کی رُو سے یہ حدیث ان صریح و صحیح احادیث کے خلاف پڑے گی جن میں سورج کے طلوع و غروب اور نصف النہار کے وقت نماز کی صریح ممانعت آئی ہے۔ اس تعارض اور اختلاف سے بچنے کے لئے علمائے احناف نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر نمازِ فجر و عصر کا وقت اتنا باقی ہو کہ اس میں ایک ہی رکعت پڑھی جا سکتی ہو اور اس وقت میں بچہ بالغ ہوگیا، حائضہ عورت کا عذر جاتا رہا، کافر اسلام لے آیا، تو چونکہ انہوں نے ان نمازوں کا کم سے کم وقت پالیا ہے، لہٰذا بروئے آیت إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ "نماز مومنوں پر بقیدِ وقت فرض ہے" ان پر یہ نماز واجب ہوگئی۔ عدم ادا کی صورت میں قضاء لازم ہوجائے گی۔ اور ان دو نمازوں کے بالخصوص ذکر کا سبب یہ ہے کہ ان اوقات میں ذرا سی دیر بعد ہی طلوع وغروبِ آفتاب کے باعث اوقاتِ مکروہہ شروع ہوجاتے ہیں۔ کسی کے دل میں خیال آسکتا تھا کہ اس کراہت کے باعث اتنے کم وقت میں شاید نماز کی فرضیت کا حکم عائد نہ ہوتا ہو۔ یہ معنی مراد لینے سے اوقاتِ نہی کی صحیح و صریح احادیث سے اس حدیث کا تعارض نہیں رہتا۔ اور کوئی دور دراز کی تاویل نہیں کرنی پڑتی۔ اصولِ حدیث کا یہ ایک مسلّم قاعدہ ہے کہ احادیث کے تعارض کے وقت قیاس سے ترجیح دی جاتی ہے۔ اس قاعدے کو ذرا مختلف عنوان و انداز سے امام ابو داؤد نے سنن میں دھڑلے سے بیان کیا ہے۔ پس اگر وہی معنی مراد لیا جائے جو امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ نے لیا ہے تو قیاس سے اس مسلک کی ترجیح ہوتی ہے جسے علمائے حنفیہ نے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک رکعت پڑھ چکنے پر جب سورج طلوع ہوگیا، تو نماز باطل ہوگئی احادیث نہی کی بنا پر۔ اور اس صورت میں اگر سورج غروب ہوگیا تو نماز سورج کی زردی کے وقت شروع ہوئی ہے جو بروئے حدیث مکروہ وقت تھا۔ اور غروب کے دوران میں یا اس کے بعد ختم ہوئی کہ وہ بھی مکروہ وقت ہے۔ پس اس وقت کی نماز جس طرح واجب ہوئی تھی، اسی طرح ادا ہوگئی۔ اگر کسی کو یہ مطلب سُن کر تعجب ہو تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حدیث بالاجماع

اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر امام نوویؒ کی صراحت گزر چکی ہے۔ اور جس نے بھی اس کا کوئی مطلب بیان کیا ہے اس نے ظاہر سے ہٹ کر تاویل کا سہارا ضرور لیا ہے۔

۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ: إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِي الصَّلَوٰةُ فَمَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا، حَفِظَ دِينَهُ. وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ. ثُمَّ كَتَبَ: أَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ، إِذَا كَانَ الْفَيْءُ ذِرَاعًا، إِلَى أَنْ يَكُونَ ظِلُّ أَحَدِكُمْ مِثْلَهُ. وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ. وَالْمَغْرِبَ، إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ. وَالْعِشَاءَ، إِذَا غَابَ الشَّفَقُ، إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ. فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ. فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ. فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهُ، وَالصُّبْحَ، وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کے غلام نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عاملوں (حکام اور گورنروں) کو لکھا کہ میرے نزدیک تمہارا اہم ترین کام نماز ہے۔ سو جس نے اسے محفوظ کیا اور اس کی نگرانی کی، اس نے اپنے دین کو محفوظ کیا۔ اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اس کے علاوہ اور فرائض کو زیادہ تر ضائع کرے گا۔ پھر لکھا کہ نماز ظہر اس وقت پڑھو، جب کہ سایہ ایک ہاتھ ہو جائے اس وقت تک کہ تم میں سے کسی کا سایہ اس کی مثل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو کہ سورج بلند ہو، سفید ہو، اس میں زردی نہ آئی ہو، اس مقدار پر کہ سوار دو یا تین فرسنگ غروب آفتاب سے قبل جا سکے۔ اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور نماز عشاء شفق غائب ہونے کے بعد رات کے تیسرے حصے تک پڑھو۔ پس جو سو جائے تو (خدا کرے کہ) اس کی آنکھ نہ سوئے، پس جو سو جائے تو اس کی آنکھ نہ سوئے، پس جو سو جائے تو اس کی آنکھ نہ سوئے۔ اور صبح کی نماز پڑھو اس حال میں کہ ستارے ظاہر ہوں۔ اور باہم ملے جلے ہوں۔ (یہ حدیث موطاء امام محمد میں نہیں ہے)

شرح: نافع نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔ لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ اس حدیث میں ظہر کی نماز کا جو وقت آیا ہے، اس سے مراد موسم سرما کا وقت ہے اور ذراع کا لفظ محض اندازہ ظاہر کرتا ہے کیونکہ صحیح احادیث میں موسم گرما کی نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم واضح اور صریح طور پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں اگر حدیث کا کوئی یہ معنیٰ لے کہ ظہر کا وقت سایہ ایک ہاتھ ہونے سے لے کر ایک مثل تک شروع ہوتا ہے تو یہ مطلب غلط نہیں ہے بلکہ بظاہر یہی مطلب واضح نظر آتا ہے۔ بصورتِ دیگر ماننا پڑے گا کہ جناب عمرؓ نے اپنے عُمّال کو نماز ظہر آخری وقت میں ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث کی بنا پر مالکیہ میں سے ابوالولید الباجی نے کہا کہ جامع مسجدوں میں نماز ظہر کی تاخیر مستحب ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے جن عمال کو یہ حکم نامہ جاری کیا تھا۔ وہی امام جمعہ وعیدین تھے۔ اور جامع مساجد میں وہی نماز پڑھاتے تھے۔ اور سوار کے دو تین فرسنگ تک جانے کا ذکر اندازاً ہے۔ ورنہ سواریاں تیز رفتار بھی ہو سکتی ہیں اور سست بھی۔ علاوہ ازیں ایک سوار یہ فاصلہ دو ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں بآسانی طے کر سکتا ہے۔ نماز عشاء سے پہلے قصداً یا عادۃً سو جانا مذموم ہے۔ عذر یا مرض

وغیرہ کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ امام طحاویؒ حنفی نے کہا ہے کہ نمازِ فجر میں لمبی قرارت مسنون ہے۔ پس احادیث کو جمع کرنے کے لئے اسے اندھیرے میں شروع کرنا اور خوب روشنی میں ختم کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنْ صَلِّ الظُّهْرَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ. وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا صُفْرَةٌ وَالْمَغْرِبَ، إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ. وَأَخِّرِ الْعِشَاءَ مَا لَمْ تَنَمْ. وَصَلِّ الصُّبْحَ، وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ. وَاقْرَأْ فِيهَا بِسُورَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ مِنَ الْمُفَصَّلِ۔

ترجمہ: مالک بن ابی عامر اصبحی (امام مالکؒ کے دادا) سے روایت ہے کہ جناب عمرؓ بن الخطاب نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا، ظہر کی نماز اس وقت پڑھ، جب کہ آفتاب ڈھل جائے اور عصر اس وقت جب کہ آفتاب سفید و صاف ہو قبل اس کے کہ اس میں زردی داخل ہو۔ اور مغرب اس وقت جب کہ سورج غروب ہو جائے۔ اور عشا کو اس وقت تک مؤخر کر کہ تو سو نہ جائے۔ اور صبح کی نماز اس وقت جب کہ ستارے ظاہر اور مجتمع ہوں اور اس میں مفصل کی دو لمبی سورتیں پڑھ۔ (یہ روایت بھی موطا۔ امام محمد میں نہیں ہے۔)

شرح: امام محمد نے موطا میں فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک عصر کی تاخیر تعجیل سے افضل ہے۔ جب کہ تو ایسے وقت میں پڑھے کہ سورج صاف ہو زرد نہ ہوا ہو۔ عام آثار اسی مضمون کے وارد ہوئے ہیں اور ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بلکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک نمازِ فجر کی قرارت طویل ہے اور مفصل بحث اس پر انشاء اللہ تعالیٰ ابواب القراءت میں آئے گی اور اسی مضمون کی احادیث صحاح میں آئی ہیں۔

۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ: أَنْ صَلِّ الْعَصْرَ، وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ ثَلَاثَةَ فَرَاسِخَ. وَأَنْ صَلِّ الْعِشَاءَ، مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ. فَإِنْ أَخَّرْتَ فَإِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ عصر کی نماز اس وقت پڑھ جب کہ سورج سفید ہو زرد نہ ہوا ہو۔ اس مقدار پر کہ اس کے بعد سوار تین فرسنگ جا سکے اور نماز عشا رات کے تیسرے حصے تک پڑھ اور اگر تو اس سے مؤخر کرے تو نصف رات تک اور غفلت کرنے والوں میں سے مت ہو۔ (یہ حدیث بھی موطا امام محمد میں نہیں ہے۔)

شرح: امام طحاویؒ حنفی نے وقتِ عشاء کے بارے میں کئی آثار نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان سے یہ نتیجہ نکلا کہ نماز عشا کا وقت شفق کے غائب ہونے سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ مگر اس کے وقت کے تین درجے اور حصے ہیں (۱)

افضل وقت پہلا ہے جو شفق غائب ہونے سے لے کر رات کے تیسرے حصے تک ہے (۲) جائز وقت جو فضیلت میں پہلے سے کم ہے، وہ نصف رات ہے (۳) تیسرے درجے کا وقت، یعنی جس میں کراہت بھی ہے، وہ نصف رات سے طلوع فجر تک ہے۔ زیر نظر حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ غافلوں میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عشا کو نصف رات سے بھی مؤخر کر دیا جائے۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ عشاء پڑھے بغیر مت سو۔ ورنہ اس کا وقت نیند کی غفلت میں جاتے رہنے کا اندیشہ ہوگا۔ اس کی تائید نمبر ۹ کے الفاظ سے ہوتی ہے کہ جو نماز عشا پڑھے بغیر سو گیا تو خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔

۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَافِعٍ، مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ. فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا أُخْبِرُكَ. صَلِّ الظُّهْرَ، إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ. وَالْعَصْرَ، إِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ. وَالْمَغْرِبَ، إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ. وَالْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ. وَصَلِّ الصُّبْحَ بِغَبَشٍ، يَعْنِي الْغَلَسَ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ بن رافعؒ نے ابو ہریرہ سے نماز کے وقت کا مسئلہ پوچھا تو ابو ہریرہ نے کہا کہ میں تجھے بتاتا ہوں۔ ظہر کی نماز اس وقت پڑھ جب تیرا سایہ تیری مثل ہو جائے۔ اور عصر اس وقت پڑھ جب تیرا سایہ تجھ سے دوگنا ہو جائے۔ اور مغرب اس وقت پڑھ، جب سورج غروب ہو جائے اور عشا کی نماز تہائی رات سے پہلے پہلے اور صبح کی نماز اندھیرے منہ پڑھ۔ (موطا امام محمدؒ میں یہ روایت اس باب کی ابتدا میں وارد ہے)۔

شرح: یہ روایت مسلکِ ابی حنیفہؒ کی تائید میں صریح ہے کہ نماز ظہر ایک مثل پر اور عصر دو مثل پر پڑھی جائے۔ بالفاظِ دیگر ظہر کا وقت دو مثل تک پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے مؤطا میں اس روایت کو ابو حنیفہؒ کا مستدل ٹھہرایا ہے۔ اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک مثل اور دو مثل کے درمیان کا وقت ظہر اور عصر کا مشترک وقت ہے۔ اور دو مثل پر نما لعصر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ شافعی حضرات نے مشترک وقت تو نہیں مانا، مگر ظہر اور عصر کے درمیان ایک فاصلہ قرار دیا ہے یعنی ایسا وقت جو ان دونوں میں سے کسی نماز کا بھی نہیں۔ حنفی ائمہ میں سے ابو یوسفؒ اور محمد اس مسئلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ ظہر ایک مثل سے قبل اور عصر دو مثل کے بعد پڑھی جائے اور اس پر احناف کا عمل ہے۔

۱۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، فَيَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ۔

ترجمہ: انس بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ ہم نماز عصر پڑھتے تھے۔ پھر انسان بنی عمرو بن عوف کی طرف نکلتا تو انہیں عصر پڑھتے ہوئے پاتا تھا۔ (یہ حدیث موطا امام محمدؒ کے اسی باب میں نمبر ۴ پر درج ہے۔)

شرح: اس حدیث کو نسائیؒ نے روایت کیا تو انسؓ کے یہ الفاظ نقل کئے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھتے تھے الخ پس یہ حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہے۔ حدیث موقوف کے حکم میں اختلاف ہے۔ حافظ

ابن حجر نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ ایسی حدیث لفظاً موقوف اور حکماً مرفوع ہے۔ یعنی جس میں صحابی یہ بیان کرے کہ ہم یوں کہا یا کیا کرتے تھے۔ حدیث زیرِ نظر سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں نمازِ عصر مسجد بنی عمرو بن عوف کی نسبت پہلے پڑھی جاتی تھی۔ شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ہر مسجد کے اوقاتِ صلوٰۃ وہاں کے نمازیوں کی سہولت کے پیشِ نظر آگے پیچھے رکھے جا سکتے ہیں۔ بنی عمرو بن عوف میں مسجدِ نبوی کے بعد نماز عصر پڑھنے والے صحابہ کرام ہی تھے۔ اور بظاہر ان کا یہ فعل حضورؐ کے علم اور اذن ہی سے تھا۔ بنی عمرو بن عوف کی آبادی مدینہ کی ایک بیرونی ملحقہ بستی تھی۔

۱۱- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى قُبَاءٍ، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔

ترجمہ: انس بن مالک نے فرمایا کہ ہم نمازِ عصر پڑھتے اور پھر جانے والا قباء میں جاتا تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا (موطا امام محمد میں یہ حدیث اس باب میں گزشتہ روایت سے پہلے آئی ہے)۔

شرح: اس حدیث سے حنفیہ کے مسلک کے خلاف استدلال نہیں ہو سکتا۔ دو مثل کے بعد نماز عصر پڑھیں، تو کافی وقت غروب آفتاب سے قبل ہوتا ہے اور سوار یا پیدل دو تین میل چلا جائے تو بآسانی سورج کے زرد ہونے سے قبل اتنا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔

۱۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ مَا أَدْرَكْتُ النَّاسَ إِلَّا وَهُمْ يُصَلُّونَ الظُّهْرَ بِعَشِيٍّ۔

ترجمہ: القاسم بن محمد نے کہا کہ میں نے ہمیشہ لوگوں کو نمازِ ظہر کو زوال کے بعد دیر سے پڑھتے پایا۔ (موطاء محمد میں یہ اثر مروی نہیں ہے۔)

شرح: القاسم بن محمد جناب صدیق اکبرؓ کے پوتے ایک جلیل القدر تابعی اور فقہائے مدینہ میں سے تھے۔ انہوں نے اس بارے میں جن لوگوں کا عمل نقل کیا ہے وہ صحابہ کبار تھے۔ عشی کا لفظ بعد زوال سے غروبِ آفتاب تک اور ایک قول کے مطابق صبح تک کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں ظاہر ہے بعد از زوال ہی مراد ہے۔ مگر مطلب اس کا یہ ہے کہ صحابہ کرام نمازِ ظہر کو کچھ تاخیر سے پڑھتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں امام مالکؒ سے اس اثر کی یہ شرح نقل کی ہے کہ صحابہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے۔ اور یہ مضمون صحاح کی مسند و مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔

۲- بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے وقت کا بیان

۱۳- حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَرَى طِنْفِسَةً لِعَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، تُطْرَحُ إِلَى جِدَارِ الْمَسْجِدِ الْغَرْبِيِّ۔ فَإِذَا غَشِيَ الطِّنْفِسَةَ

عُلْمَاطِلُ الْجِدَارِ، خَرَجَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ، وَصَلَّى الْجُمُعَةَ. قَالَ مَالِكٌ (وَالِدُ اَبِي سُهَيْلٍ): ثُمَّ نَرْجِعُ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ فَنَقِيْلُ قَائِلَةَ الضَّحَاءِ۔

ترجمہ: (موطّاءِ امام محمد میں یہ باب ترتیب میں ۷۵ نمبر پر ہے)۔ مالک ابن ابی عامرؒ (امام مالکؒ کے دادا) نے کہا کہ میں عقیل بن ابی طالب کی ایک چٹائی کو بروز جمعہ دیکھا کرتا تھا جو مسجد کی مغربی دیوار کے پاس بچھائی جاتی تھی۔ پس جب دیوار کا سایہ ساری چٹائی پر چھا جاتا تھا تو عمر بن الخطابؓ برآمد ہوتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے تھے۔ مالک نے کہا کہ پھر ہم نمازِ جمعہ کے بعد لوٹتے تو دوپہر کی نیند سوتے تھے۔ (موطّاءِ امام محمد میں یہ حدیث اسی باب میں ہے۔)

شرح: یہ دری یا چٹائی عقیل بن ابی طالب کے لئے بچھائی جاتی تھی تاکہ اس پر بیٹھ کر خطبہ سنیں اور نماز پڑھیں۔ اس روایت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ نمازِ جمعہ بعد از زوال ہوتی تھی۔ اور یہی مذہب جمہور علما کا ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ قبل از زوال نمازِ جمعہ کو جائز رکھتے تھے۔ اس حدیث سے یہ استدلال غلط ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے جائز ہے کہ یہ خود الفاظِ حدیث کے خلاف ہے۔ ہاں! اس سے اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز بعد از زوال آفتاب جلد ہی ادا ہوتی تھی۔ اور اس دن لوگ جمعہ کی مصروفیت کے باعث دوپہر کا قیلولہ نماز کے بعد کرتے تھے۔

۱۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنِ ابْنِ اَبِيْ سَلِيْطٍ، اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ صَلَّى الْجُمُعَةَ بِالْمَدِيْنَةِ. وَصَلَّى الْعَصْرَ بِمَلَلٍ. قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ لِلتَّهْجِيْرِ وَسُرْعَةِ السَّيْرِ۔

ترجمہ: ابن ابی سلیط سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ مدینہ میں پڑھا اور عصر مقام ملل میں۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ زوال کے جلد ہی جلدی نماز پڑھتے اور تیز رفتاری کے باعث تھا۔ (موطا امام محمد میں یہ روایت نہیں آئی۔)

شرح: امام مالکؒ نے یہ روایت نمازِ جمعہ کی تعجیل کے اثبات کے لئے درج کی ہے۔ اس میں کوئی فقہی اختلاف نہیں ملل کا مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے صرف سترہ، اٹھارہ یا بائیس میل پر واقع ہے۔ عربوں کی سواریاں تیز رفتار ہوتی ہیں، اس لئے اس میں کوئی تعجب نہیں۔

۳۔ بَابُ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ

نماز کا کچھ پانے والے کا باب

۱۵۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلٰوةِ، فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز میں سے ایک رکعت پالی تو اس

نے نماز کو پالیا۔ (موطا۔ امام محمد میں یہ حدیث اس باب میں نہیں ہے۔)

شرح: یہاں پر اس روایت کو لانے کی غرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ جماعت کی نماز کی ایک رکعت پالے تو اسے جماعت کا ثواب مل گیا۔ امام محمد نے ان آثار کو بابِ فِی الرَّجُلِ یُسْبَقُ بِبَعْضِ الصَّلٰوۃِ میں درج کیا ہے۔ ائمہ حنفیہ میں جو باہم اختلاف ہوا ہے کہ نماز جمعہ کا کس قدر حصہ پالینے والا جمعہ پڑھنے والا شمار ہوگا۔ اس پر ہم نے سنن ابی داؤد کی شرح فضل المعبود میں مفصل و مدلل گفتگو کی ہے۔ اس روایت میں چونکہ جمعہ کی صراحت نہیں، لہذا یہاں اس کا ذکر کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ابن الملک نے کہا ہے کہ یہ حدیث کچھ تاویل کی محتاج ہے۔ کیونکہ اجماعاً وہ شخص پوری نماز پانے والا نہیں ہوتا۔ ہاں اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس حدیث کی وہ روایت جو مالکؒ سے ابوعلی الحنفی نے کی ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کا لفظ ہے فَقَدْ اَدْرَكَ اَلْفَضْلَ۔ اور ابوہریرہؓ سے بھی یہ الفاظ مروی ہیں کہ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوۃَ وَفَضْلَهَا۔ امام محمد نے اس حدیث کو جس باب میں رکھا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہاں نماز کو پالینے سے مراد جماعت کا ثواب پالینا ہے۔ عمار بن مطر نے امام مالک سے اس حدیث میں فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوۃَ وَوَقْتَهَا کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ ان سے حنفیہ کی اس تاویل کا ثبوت ملتا ہے کہ جو شخص نماز کا اہل نہ تھا اور اس نے ایسے وقت میں یہ اہلیت پائی جب کہ وہ ایک رکعت پڑھ سکتا ہو تو اس پر یہ نماز فرض ہوگئی۔ اس اثر سے اگلا اثر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر رکعت سے مراد رکوع اور صلوٰۃ سے نماز کی پوری ایک رکعت لی جائے تو یہ معنیٰ بھی درست ہے۔

۱۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، كَانَ يَقُولُ: اِذَا فَاتَتْكَ الرَّكْعَةُ فَقَدْ فَاتَتْكَ السَّجْدَةُ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے، جب تجھ سے رکوع فوت ہوگیا تو تجھ سے سجدہ فوت ہوگیا۔ (امام محمد نے یہ اثر بَابُ الرَّجُلِ یُسْبَقُ بِبَعْضِ الصَّلٰوۃِ میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔)

شرح: اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے امام کے ساتھ رکوع مل گیا اس کی وہ رکعت پوری ہوگئی۔ اس سے ثابت ہوگیا، کہ سورہ فاتحہ کی قراءت رکنِ صلوٰۃ نہیں ہے ورنہ رکوع پانے والے کی رکعت شمار نہ ہوسکتی تھی۔ یہ جس نماز کا ذکر ہے وہ واضح ہے کہ خلف الامام ہے۔ اور جس کے سورہ فاتحہ کے بغیر رکعت مکمل ہو جانے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ یہ گو حدیث موقوف ہے مگر دلائلِ اصول کے مطابق مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور سجدہ فوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ گو تو نے سجدہ امام کے ساتھ پا لیا مگر اس کے باعث رکعت مکمل نہ ہوئی۔ گویا رکعت فوت ہوگئی۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے ساتھ دو سجدے کر لئے، یعنی رکعت میں شامل ہوئے بغیر، تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ وہ امام کے سلام کے بعد پوری رکعت دونوں سجدوں سمیت قضا کرے گا۔ اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ابوالولید الباجی مالکی نے کہا ہے کہ امت میں اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے امام کے ساتھ سجدے میں شمولیت کی تو اس کی رکعت نہ ہوئی۔ پوری رکعت تب شمار ہوگی جب کہ وہ رکوع کو پالے۔ زرقانی نے کہا کہ اسی پر اتفاق مقرر ہوگیا ہے گو اس میں پہلے کچھ شاذ اختلاف بھی تھا۔

۱۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، كَانَا يَقُولَانِ: مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ کو عبداللہ بن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ فرماتے تھے جس نے رکوع پالیا، اس نے سجدہ بھی پالیا۔ یعنی اس کی رکعت بھی پوری ہوگئی۔ (یہ اثر موطا امام محمد کے متعلقہ باب میں نہیں آیا۔)

شرح: اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے کہ رکوع کو پالینے سے مراد یہ ہے کہ امام کے سر اٹھالینے سے قبل مقتدی رکوع میں اس کے ساتھ شامل ہو جائے۔

۱۸- وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ السَّجْدَةَ۔ وَمَنْ فَاتَهُ قِرَاءَةُ أُمِّ الْقُرْآنِ، فَقَدْ فَاتَهُ خَيْرٌ كَثِيرٌ۔

ترجمہ: مالکؒ نے فرمایا کہ انہیں ابوہریرہؓ سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے، جس نے رکوع پالیا، اس نے سجدہ پالیا اور جس کی سورہ فاتحہ کی قرأت فوت ہوگئی تو اس سے بہت سی خیر فوت ہوگئی۔ (یہ اثر بھی موطا امام محمد میں نہیں ہے۔)

شرح: بخاریؒ نے رسالہ قرأت خلف الامام میں ابوہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب تو نے لوگوں کو رکوع میں پالیا تو تیری اس رکعت کا اعتبار نہیں ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ ہم فقہاء میں سے کسی کو نہیں جانتے جس نے اس قول کی موافقت کی ہو۔ اور اس کی سند میں گفتگو ہے۔ پس ابوہریرہؓ کے اس قول کو ترجیح حاصل ہے جو زیر شرح ہے۔ اس سے سورہ فاتحہ کی فرضیت ورکنیت کی نفی ہوتی ہے۔ ابوہریرہؓ نے یہی کہا ہے کہ سورہ فاتحہ فوت ہوجانے سے خیر کثیر فوت ہوگئی اور اس سے ہمارا بھی اتفاق ہے۔ مگر اس حد تک کہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔ پس جس سے امام کی قرأت فوت ہوگئی، بلکہ رکعت کا جس قدر حصہ بھی وہ نہ پا سکا تو اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی۔

۴- بَابُ مَا جَاءَ فِي دُلُوكِ الشَّمْسِ وَغَسَقِ اللَّيْلِ

دلوک الشمس اور غسق اللیل کا باب

۱۹- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: دُلُوكُ الشَّمْسِ مَيْلُهَا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے دلوک الشمس سورج کا ڈھلنا ہے۔ (مجھے یہ اثر موطائے محمد میں نہیں ملا۔)

شرح: سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دلوک الشمس سے لے کر غسق اللیل تک نماز قائم کر۔ اس باب کی احادیث میں ان الفاظ کی شرح آئی ہے۔ آیت کی تفسیر میں کئی قول ہیں جن میں سے ایک یہ ہے، جو یہاں مذکور ہے اور اس تفسیر پر مطلب یہ ہوگا کہ آیت میں پہلے نماز ظہر کا اول وقت بتایا گیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور جناب علیؓ سے دلوک کا معنیٰ غروب آیا ہے زوال اور غروب دونوں لغوی معانی کے بھی مطابق ہیں۔ دلوک کی تیسری تفسیر اگلے اثر میں آرہی ہے۔

۲۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، قَالَ أَخْبَرَنِي مُخْبِرٌ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: دُلُوكُ الشَّمْسِ إِذَا فَاءَ الْفَيْءُ وَغَسَقُ اللَّيْلِ اجْتِمَاعُ اللَّيْلِ وَظُلْمَتِهِ۔

ترجمہ: داؤد بن الحصین نے کسی خبر دینے والے کے حوالے سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے، دلوک الشمس کا مطلب ہے کہ جب سایہ پھیل جائے اور غسق اللیل کا معنیٰ ہے رات کا اجتماع اور اس کی ظلمت۔ (یہ اثر بھی موطائے امام محمد میں نہیں آیا۔)

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا کہ سایہ پھیلنے کا مطلب یہ ہے، اس کا ایک ہاتھ بڑھ جانا۔ اس تفسیر کی بنا پر یہ دلوک کا تیسرا معنیٰ ہوا۔ اور اس سے جو وقت نکلتا ہے وہ نمازِ ظہر کا اول مستحب وقت ہے۔ دلوک کا اگر عام لغوی معنیٰ دیکھیں تو وہ زوال ومیلان اور سائے کا ڈھلنا پھیلنا سب کو مشتمل ہے۔ اور یہ تیسری تفسیر بھی اول تفسیر کے مطابق ہے۔ غسق اللیل میں بھی کئی اقوال ہیں، جنہیں آسانی جمع کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ بَابُ جَامِعِ الْوُقُوتِ

اوقات نماز کا جامع باب

۲۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ۔"

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی تو گویا اس کے گھر والے اور مال اس سے چھین گئے۔ (موطا امام محمد میں یہ حدیث باب فضل العصر میں وارد ہوئی ہے۔)

شرح: فوت ہونے سے اس کی جماعت کا فوت ہونا بھی مراد لیا گیا ہے۔ ابن مندہ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ ابوداؤد نے سنن میں اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ فوت ہونے سے مراد سورج کا زرد ہوجانا ہے۔ نافع سے اس کی تفسیر غروب آفتاب آئی ہے اور راوی حدیث جب فقیہ ہو تو اس کی تفسیر اولیٰ تر ہوتی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے۔ زرقانی نے کہا کہ امام مالکؒ سے اس کی تفسیر "وقت کا نکل جانا" آئی ہے۔ اس میں وقتِ مختار اور غیر مختار دونوں کا احتمال ہے۔ پھر سالم سے مروی ہے کہ اس حدیث کا مصداق وہ شخص ہے جس کی نماز نسیان کے باعث فوت ہوجائے۔ ترمذی نے اسی مضمون کا باب اسی حدیث پر جمایا ہے یعنی جب وہ نمازیوں کا ثواب دیکھے گا تو اسے اس قدر غم والم لاحق ہوگا گویا اس کا مال ومنال لُٹ گیا۔ داؤدی کا قول ہے کہ یہ عمداً ترک کرنے والے کے لئے ہے۔ نوویؒ نے اس کو اظہر قرار دیا ہے۔ بخاری میں مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ کے الفاظ ہیں جو اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ نمازِ عصر کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ درمیانی نماز (الصلوٰۃ الوسطیٰ) ہے اور شدید اشتغال کے وقت میں واقع ہوتی ہے۔

۲۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَلَقِيَ رَجُلًا لَمْ يَشْهَدِ الْعَصْرَ۔ فَقَالَ عُمَرُ: مَا حَبَسَكَ عَنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ، فَذَكَرَ لَهُ الرَّجُلُ عُذْرًا فَقَالَ عُمَرُ طَفَّفْتَ۔

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: وَيُقَالُ لِكُلِّ شَيْءٍ، وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو ایک آدمی سے ملے جو عصر میں حاضر نہ تھا۔ آپ نے فرمایا، نماز عصر سے تجھ کو کس چیز نے روکا تھا؟ اس آدمی نے کوئی عذر بیان کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو نے اپنے اجر میں کمی کر دی۔ مالکؒ نے کہا کہ ہر چیز میں وفا اور تطفیف ہوتی ہے۔

شرح: تطفیف کا لفظ وفاء کے مقابلہ میں ہے۔ عدل و وسط سے زائد بھی تطفیف یعنی ظلم اور کمی بھی تطفیف ہے یعنی نقصان اور خسارہ۔

۲۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الْمُصَلِّيَ لَيُصَلِّي الصَّلَاةَ وَمَا فَاتَهُ وَقْتُهَا۔ وَلَمَا فَاتَهُ مِنْ وَقْتِهَا أَعْظَمُ أَوْ أَفْضَلُ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ۔

قَالَ يَحْيَى قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَدْرَكَ الْوَقْتَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ، فَأَخَّرَ الصَّلَاةَ سَاهِيًا أَوْ نَاسِيًا، حَتَّى قَدِمَ عَلَى أَهْلِهِ، أَنَّهُ إِنْ كَانَ عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ فِي الْوَقْتِ، فَلْيُصَلِّ صَلَاةَ الْمُقِيمِ۔ وَإِنْ كَانَ قَدْ قَدِمَ وَقَدْ ذَهَبَ الْوَقْتُ، فَلْيُصَلِّ صَلَاةَ الْمُسَافِرِ۔ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَقْضِي مِثْلَ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا الْأَمْرُ هُوَ الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ، وَأَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

وَقَالَ مَالِكٌ: الشَّفَقُ الْحُمْرَةُ الَّتِي فِي الْمَغْرِبِ۔ فَإِذَا ذَهَبَتِ الْحُمْرَةُ، فَقَدْ وَجَبَتْ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَخَرَجْتَ مِنْ وَقْتِ الْمَغْرِبِ۔

ترجمہ: مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے۔ نمازی کبھی اس حال میں نماز پڑھتا ہے کہ اس کا وقت فوت نہیں ہوتا۔ اور جب نماز کا وقت فوت ہو گیا تو وہ اس کے اہل اور مال سے افضل تھا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص پر حالتِ سفر میں کسی نماز کا وقت آ گیا اور اس نے اسے بھول کر یا کسی شغل کے باعث مؤخر کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر آ پہنچا۔ اگر وہ نماز کے وقت کے اندر اندر گھر پہنچا ہو تو وہ مقیم کی نماز پڑھے گا اور اگر نماز کا وقت نکل جانے کے بعد پہنچا ہو تو اسے مسافر کی نماز پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ وہ اسی نماز کو قضا کرے گا جو اس کے ذمہ تھی۔ مالک نے کہا کہ یہ وہی امر ہے جس پر میں نے اپنے شہر کے لوگوں اور اہل علم کو پایا۔ مالکؒ نے کہا کہ شفق وہ سرخی ہے جو مغرب میں ہوتی ہے۔ پس جب سرخی جاتی رہے تو نماز عشاء واجب ہو گئی۔ اور مغرب کا وقت نکل گیا۔

شرح: حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب مسافر مقیم ہو جائے تو جو نماز اس نے ابھی سفر میں ادا نہ کی تھی گو اس کا وقت داخل ہو گیا تھا لیکن عدم ادائیگی کے باعث وجوب وقت کے اگلے حصے کی طرف منتقل ہو گیا تھا، وہ اسے مقیم کی حیثیت سے ادا کرے گا۔ اگر نماز کا وقت ختم ہو چکا تھا تو چونکہ اس کی نماز حالتِ سفر میں فوت ہوئی تھی، لہٰذا وہ مسافر کی نماز قضا کرے گا۔ شفق کے مسئلہ میں حنفیہ کا فتویٰ گو اسی پر ہے کہ وہ اُفق کی سُرخی ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں، جبکہ دوسری میں وہ جمہور کے ساتھ ہیں، اور وہی قول ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسن کا ہے، اس بات کے قائل ہیں کہ شفق سرخی کے بعد والی سفیدی

ہے۔ یہی قول عمر بن عبدالعزیزؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، اوزاعیؒ، زفر بن ھذیلؒ، اور ایک روایت میں مالکؒ کا ہے۔ ابوبکر الصدیقؓ، عائشہ الصدیقہؓ اُم المؤمنینؓ، ابوہریرہؓ، معاذ بن جبلؓ، اُبی بن کعبؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے مصنف عبدالرزاق میں ان میں سے بعض کی اور کچھ اور اسلاف کی روایات وارد ہیں۔ زرقانی نے کہا کہ امام مالکؒ نے اس روایت میں مغرب کا جو وقت بیان کیا ہے وہ اس کا وقتِ مختار ہے ورنہ مالکیہ کے نزدیک اس کا وقت ساری رات ہے۔ پس مغرب کے وقت میں یہ بھی مالکیہ کا ایک قول ہُوا۔

۲۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اُغْمِیَ عَلَیْهِ، فَذَهَبَ عَقْلُهٗ فَلَمْ یَقْضِ الصَّلٰوةَ۔ قَالَ مَالِكٌ وَ ذٰلِكَ فِیْمَا نُرٰی، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ، اَنَّ الْوَقْتَ قَدْ ذَهَبَ۔ فَاَمَّا مَنْ اَفَاقَ فِی الْوَقْتِ فَاِنَّهٗ یُصَلِّیْ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور ان کی عقل جاتی رہی تو انہوں نے نماز قضاء نہ کی۔ مالکؒ نے کہا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے، پر ہماری دانست میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت گزر چکا تھا۔ مگر جس شخص کو وقت میں ہوش آجائے تو وہ نماز پڑھے۔ (موطائے امام محمد میں یہ اثر باب صلوٰۃ المُغمٰی علیہ میں آیا ہے۔)

شرح: روایت میں یہ صراحت نہیں کہ ابن عمرؓ کی بے ہوشی کتنی دیر رہی تھی۔ اور ان کی کتنی نمازیں اس حالت میں فوت ہوئی تھیں۔ ائمہ شرع کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ مالکؒ اور شافعیؒ رحمہما اللہ نے فرمایا کہ جب ایک پوری نماز کا وقت بیہوشی میں گزرے تو اس نماز کی قضا نہیں۔ حنفیہ نے کہا کہ بے ہوشی اگر ایک دن رات سے زیادہ دیر رہے تو قضا نہیں، کم میں قضا ہے۔ حنابلہ نے کہا کہ اگر ہزار نماز بھی اس حالت میں چھوٹ گئی ہو تو انہیں قضا کرنا لازم ہوگا۔ امام محمدؒ نے اپنے موطا میں کہا ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ عمار بن یاسر چار نمازوں میں بے ہوش رہے اور ہوش آنے پر انہیں قضا کیا۔ امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں ابن عمرؓ سے روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے ایک دن رات بے ہوش رہنے والے کو نماز قضا کرنے کا فتویٰ دیا تھا مسئلہ چونکہ اجتہادی ہے اور صحابہ میں بھی اس کے متعلق اختلاف ہے۔ لہٰذا ہر ایک کے پاس فقہی واصولی دلائل موجود ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔ بَابُ النَّوْمِ عَنِ الصَّلٰوةِ

نماز سے سو رہنے کا باب

۲۵۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ قَفَلَ مِنْ خَیْبَرَ اَسْرٰی۔ حَتّٰی اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ، عَرَّسَ۔ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَاْ لَنَا الصُّبْحَ" وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ۔ وَكَلَاَ بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ۔ ثُمَّ اسْتَنَدَ اِلٰی رَاحِلَتِهٖ، وَهُوَ مُقَابِلُ الْفَجْرِ، فَغَلَبَتْهُ عَیْنَاهُ، فَلَمْ یَسْتَیْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا بِلَالٌ، وَلَا اَحَدٌ مِّنَ الرَّكْبِ، حَتّٰی ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ۔ فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ بِلَالٌ:

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَخَذَ بِنَفْسِی الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِكَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِقْتَادُوْا"۔ فَبَعَثُوْا رَوَاحِلَهُمْ، وَاقْتَادُوْا شَیْئًا۔ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلَالًا، فَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ، فَصَلّٰی بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ۔ ثُمَّ قَالَ حِیْنَ قَضَی الصَّلٰوۃَ: "مَنْ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ، فَلْیُصَلِّهَا اِذَا ذَکَرَهَا، فَاِنَّ اللّٰہَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی، یَقُوْلُ فِیْ کِتَابِهٖ ۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ"۔

ترجمہ: سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر سے واپس لوٹے تو رات بھر چلتے رہے۔ حتیٰ کہ جب رات کا آخری وقت ہوا تو آرام فرمایا اور بلالؓ سے فرمایا صبح تک ہماری نگرانی کر۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سو گئے۔ اور بلالؓ نے جب تک اس کے لئے مقدر تھا، نگرانی کی۔ پھر اس نے اپنے اونٹ سے سہارا لگایا اور اس کا منہ مشرق کی طرف تھا۔ پھر اس پر نیند کا غلبہ ہوا۔ پس نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نہ بلالؓ اور نہ قافلے میں سے کوئی اور جاگا۔ حتیٰ کہ ان پر دھوپ آگئی۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو گئے اور بلالؓ نے کہا یا رسول اللہؐ مجھ پر اس ذات نے نیند ڈال دی جس نے آپ پر ڈالی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، چلو۔ پس انہوں نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور کچھ آگے چلے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر نماز قضا کر کے فرمایا کہ جو نماز کو بھول جائے وہ اسے اس وقت پڑھ لے جب یاد آ جائے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، نماز کو میری یاد کے لئے قائم کر۔ (موطا امام محمد میں بھی یہ حدیث باب "رجل" ینسی الصلوٰۃ او رتفوتہ عن وقتہا میں آئی ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا اسی پر عمل ہے۔ لیکن اگر کسی کو نماز ایسے وقت میں یاد آئے یا بیدار ہونے کے بعد ایسا وقت آ جائے) کہ اس میں نماز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یعنی طلوع آفتاب، غروب آفتاب، نصف النہار اور غروب سے پہلے جب سورج سرخ ہو جائے، سوائے اس دن کی عصر کے تو وہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھے۔ اور یہی قول ابوحنیفہؒ کا ہے۔ لیلۃ التعریس کے واقعہ کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ زیر بحث حدیث میں خیبر سے واپسی کا واقعہ آیا ہے۔ جو مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری، مسلم، اور ابوداؤد کی حدیث عمرانؓ و ابی قتادہؓ میں صرف ایک سفر کا ذکر ہے، صراحت نہیں کہ کون سا سفر تھا۔ مسلم اور ابوداؤد نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں حدیبیہ کے دنوں کا ذکر کیا ہے۔ زید بن اسلم کی مرسل حدیث میں مکہ کا ذکر آیا ہے۔ عبدالرزاق نے عطاء کے مرسل میں، بیہقی نے عقبہؓ بن عامر سے اور طبرانی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ یہ تبوک کے راستے کا واقعہ ہے۔ ابوداؤد نے ابوقتادہؓ کی روایت میں جیش الامراء کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے تمام روایات کو اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنگ خیبر کا زمانہ صلح حدیبیہ کے قریب کا زمانہ تھا، اور اس پر مکہ کی راہ کے لفظ بھی صادق آتے ہیں۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسے محض تکلف قرار دیا ہے۔ اور علامہ نوویؒ اور قاضی عیاضؒ نے واقعہ کے تعدد کو ترجیح دی ہے۔ یہی رائے امام سیوطیؒ کی ہے اور اکثر محدثین کا میلان اسی طرف ہے۔ امام ابوبکر بن العربیؒ نے یہ تین مختلف واقعات بتائے ہیں۔ ایک ابوقتادہؓ کی روایت کا جس میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما موجود تھے۔ دوسرا واقعہ حدیث عمرانؓ کا ہے جس میں یہ دونوں حضرات تھے۔ اور تیسرے واقعہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بلالؓ موجود تھے۔ بقول علامہ عینیؒ یہی زرقانیؒ کی رائے بھی ہے موطا کی

روایت میں کافی اختصار ہے۔ اور دوسری احادیث میں بعض تفصیلات موجود ہیں۔ احادیث سے حضورؐ کی یہ خصوصیت ثابت ہے کہ آپ کی آنکھ سوتی تھی دل نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک سُنت قائم کرانے کی خاطر حضورؐ کو اس واقعہ میں پوری طرح سُلا دیا۔ تاکہ بعد والوں کے لئے باعث عبرت ہو اور ایک عظیم مسئلہ آپ سے عملاً حل کرایا جائے۔ حسب بیان سابق یہ قصہ متعدد بار پیش آیا تھا۔ ایک بار تو اس لئے حضورؐ نے وہاں سے آگے بڑھنے کا حکم دیا کہ وقت کی کراہت ختم ہو جائے۔ ایک بار اس لئے کہ لوگ اس جگہ کو منحوس جاننے لگے تھے۔ اور وہاں شیطان بھی خوش ہو کر آ موجود ہوا تھا۔ جیسا کہ خود ایک روایت میں موجود ہے۔ آگے بڑھ کر اذان و اقامت دونوں ہوئی تھیں اور فجر کی سنت بھی قضا کی گئی تھی۔ اس سے بعض غیر فرض نمازوں کی قضا باعث تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں صرف نسیان کا ذکر ہے لیکن بعض دوسری احادیث میں نوم کا ذکر بھی آیا ہے۔ واضح ہو کہ فضل المعبود شرح ابی داؤد میں ہم نے اس حدیث پر مفصل گفتگو کی ہے، جو لائق دید ہے۔

۲۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ قَالَ: عَرَّسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، بِطَرِيقِ مَكَّةَ. وَوَكَّلَ بِلَالًا أَنْ يُوقِظَهُمْ لِلصَّلَاةِ. فَرَقَدَ بِلَالٌ، وَرَقَدُوا. حَتَّى اسْتَيْقَظُوا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ. فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ، وَقَدْ فَزِعُوا. فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْكَبُوا حَتَّى يَخْرُجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي. وَقَالَ: "إِنَّ هَذَا وَادٍ بِهِ شَيْطَانٌ" فَرَكِبُوا حَتَّى خَرَجُوا مِنْ ذَلِكَ الْوَادِي. ثُمَّ أَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ، أَنْ يَنْزِلُوا، وَأَنْ يَتَوَضَّئُوا. وَأَمَرَ بِلَالًا أَنْ يُنَادِيَ بِالصَّلَاةِ أَوْ يُقِيمَ. فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ. ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ، وَقَدْ رَأَى مِنْ فَزَعِهِمْ فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا، وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هَذَا. فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ، أَوْ نَسِيَهَا، ثُمَّ فَزِعَ إِلَيْهَا، فَلْيُصَلِّهَا، كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا فِي وَقْتِهَا."

ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: "إِنَّ الشَّيْطَانَ أَتَى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، فَأَضْجَعَهُ، فَلَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهُ، كَمَا يُهَدَّأُ الصَّبِيُّ حَتَّى نَامَ." ثُمَّ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا. فَأَخْبَرَ بِلَالٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِثْلَ الَّذِي أَخْبَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ.

ترجمہ: زید بن اسلم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی راہ میں رات کے پچھلے پہر استراحت فرمائی اور بلالؓ کو مقرر فرمایا کہ لوگوں کو صبح کی نماز کے لئے جگائے۔ پس بلالؓ بھی سو گئے اور دوسرے سب لوگ بھی سو گئے۔ حتیٰ کہ اس وقت اُٹھے جب کہ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پس لوگ جاگے تو نماز فوت ہو جانے کے باعث گھبرائے۔ پس ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حکم دیا کہ سوار ہوں، یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جائیں۔ اور فرمایا کہ یہ ایک ایسی وادی ہے جس میں ایک شیطان ہے۔ پس لوگ سوار ہو کر اس وادی سے نکل گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اترنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ وضو کریں اور بلالؓ کو حکم دیا کہ نماز کے لئے اذان اور اقامت کہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے نماز پڑھائی، پھر ان کی طرف منہ پھیرا۔ اور ان کی گھبراہٹ کو دیکھا۔ تو فرمایا، اے لوگو، اللہ تعالیٰ نے ہی ہماری روحوں کو روکے رکھا اور اگر چاہتا تو اس وقت کے علاوہ اور وقت میں انہیں واپس فرما دیتا۔ پس جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اسے بھول جائے۔ پھر اسے تنبہ ہو تو اسے اسی طرح پڑھے، جس طرح اسے اس کے وقت پر پڑھا کرتا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ بلالؓ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان اس کے پاس آیا۔ پھر اسے لٹا دیا اور برابر اسے تھپکتا رہا۔ جیسے بچے کو تھپکا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ سو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو بلایا تو بلالؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو بتایا تھا۔ پس ابوبکرؓ نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (یہ مرسل حدیث موطائے محمد میں نہیں آئی۔)

شرح: سورج کے طلوع و غروب اور عین دوپہر کو شیطان کا وہاں پر موجود ہونا صحاح میں موجود ہے۔ پس ممکن ہے اس حدیث میں حضورؐ نے جو شیطان کا ذکر فرمایا ہے وہ دوسرے پیرائے میں اسی کا اظہار ہو۔ اور اس سے حنفیہ کے اس قول کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ ان اوقات میں کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلال کو سلانے کا جو ذکر اس میں ہے وہی مراد ہو۔ کہ شیطان نے اس شخص کو غافل کر دیا، جو جگانے پر مامور تھا۔ لہٰذا جس جگہ یہ غفلت ہوئی، اس سے آگے نکل چلو۔ اس روایت میں صحابہ کا سوار ہو کر وہاں سے نکلنا مذکور ہے اور پچھلی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آگے سے پکڑ کر اونٹوں کو آگے کی طرف چلایا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض سوار اور بعض اس طرح گئے ہوں۔ علامہ عزالدینؒ بن عبدالسلام نے کہا ہے کہ ہر انسان میں دو قسم کی روح ہے ایک بیداری اور نیند کی روح اور دوسری حیات و موت والی روح پہلی جب خارج ہو جائے تو انسان سو جاتا ہے مگر دوسری نکل جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ حضورؐ کی صحابہؓ سمیت یہ نماز فوت تو ہوئی مگر اس میں بے شمار مصلحتیں اور امت کے لئے رخصت و سہولت ہے۔

۷۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ بِالْهَاجِرَةِ

دوپہر کے وقت نماز سے ممانعت کا باب

۲۷ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا عَنِ الصَّلٰوةِ۔" وَقَالَ: "اشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: يَا رَبِّ! اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا۔ فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ فِيْ كُلِّ عَامٍ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ، وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ"۔

ترجمہ: عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک سے ہے۔ اس لئے جب گرمی سخت ہو جائے تو (نماز کو موخر کرکے) ٹھنڈا کرو۔ اور فرمایا کہ جہنم نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور کہا کہ اے میرے مالک! میرے بعض حصوں نے بعض کو کھا لیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی۔ ایک سانس موسم سرما میں، اور

ایک موسم گرما میں۔ (موطا امام محمد میں اس باب کی اگلی مرفوع حدیث وارد ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا عمل اسی پر ہے۔ ہم موسم گرما میں ظہر کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ اور مؤخر کرتے ہیں۔ اور سرما میں زوال ہوتے ہی پڑھتے ہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ جمہور کے نزدیک گرمی اور سردی کی شدت میں جہنم کا اثر ہوتا ہے۔ کیفیت اس کی دیگر مغیبات کی مانند نامعلوم ہے۔ مگر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، لہذا برحق ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ حدیث کی اگلی عبارت اسی کی مؤید ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے یہ ایک مجازی تشبیہ ہے۔ شدت گرما کو جہنم سے تشبیہ دینا محاورات اضافی میں شائع ہے۔ قاضی عیاضؒ نے دو معنوں کو ظاہر قرار دیا ہے مگر حقیقت کو اولیٰ کہا ہے۔ جہنم کی شکایت زبانِ قال سے بھی ہو سکتی ہے کیونکہ ہر چیز کی زبان اور گفتگو اس کی شان و حال کے مناسب ہوتی ہے۔ قرآن میں ہُدہُد اور چیونٹی کی بات چیت کا ذکر موجود ہے اور یہ بھی کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ، قاضی عیاضؒ، نوویؒ، ابن المنیرؒ وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ یا یہ شکایت زبانِ حال سے تھی۔ بیضاویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ آگ کے بعض حصوں کا بعض کو کھا جانا حرارت کی شدت سے اور جہنم کے فی الحال اہل جہنم سے خالی ہونے کے باعث تھا۔ قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقیٰ میں یہی معنیٰ بیان کیا ہے۔ مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ موسم گرما میں سموم کی شدت جہنم کی گرمی کے باعث اور سردیوں میں سردی کی شدت اس کے زمہریر کے باعث ہے۔ جہنم کے مختلف طبقے ہیں، کہیں شدتِ حرارت کا عذاب ہوگا تو کہیں شدتِ برودت کا۔ اعاذنا اللہ عنہما۔

۲۸۔ وَحَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ، مَوْلَى الْأَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلٰوةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ"۔

وَذَكَرَ "أَنَّ النَّارَ اشْتَكَتْ إِلٰى رَبِّهَا، فَأَذِنَ لَهَا فِي كُلِّ عَامٍ بِنَفَسَيْنِ: نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب گرمی شدید ہو جائے تو نماز پڑھنے میں دیر کرو کیونکہ حرارت کی شدت جہنم کی تیزی سے ہے۔ اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ جہنم کی آگ نے اپنے رب سے شکایت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہر سال دو سانس لینے کا اذن فرمایا۔ ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں۔ (یہ مرفوع مسند روایت موطاء امام محمد میں بھی آئی ہے۔)

۲۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ، فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلٰوةِ۔ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب گرمی شدید ہو تو نماز پڑھنے میں دیر کرو۔ کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کے باعث ہوتی ہے۔

۸۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ دُخُولِ الْمَسْجِدِ بِرِيحِ الثُّومِ وَتَغْطِيَةِ الْفَمِ

مسجد میں لہسن کی بُو کے ساتھ جانے اور مُنہ کو نماز میں ڈھانپنے کی ممانعت کا باب

۳۰۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ. فَلَا يَقْرَبْ مَسَاجِدَنَا. يُؤْذِينَا بِرِيحِ الثُّومِ"

ترجمہ: سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس پودے میں سے کھائے، وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔ مبادا ہمیں لہسن کی بُو سے اذیت دے۔

شرح: ہر بُودار چیز کا یہی حکم ہے۔ مثلاً پیاز، گندنا، حقّہ اور سگریٹ وغیرہ۔ کیونکہ اذیت کی علّت ان سب میں موجود ہے اور احادیث میں لہسن کے ساتھ پیاز کا حکم بھی آیا ہے۔ ہاں اگر پکا کر ان کی بدبُو کو ختم کر دیا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت کسی اور ترکیب سے بدبو زائل ہو چکی ہو تو علّت مرتفع ہو جانے کے باعث ان کے استعمال میں حرج نہیں۔ کیونکہ احادیث میں بعینہٖ یہی مضمون آ چکا ہے۔ یہ سعید بن المسیب کی مرسل روایت ہے۔ اور موطا کی بعض روایات کے علاوہ دیگر کتب حدیث مثلاً مسلم اور ابن ماجہ میں موصول آئی ہے۔ ہر مسجد کا یہی حکم ہے اور بالخصوص مسجد نبوی کا۔

۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْمُجَبَّرِ، أَنَّهُ كَانَ يَرَى سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ إِذَا رَأَى الْإِنْسَانَ يُغَطِّي فَاهُ، وَهُوَ يُصَلِّي، جَبَذَ الثَّوْبَ عَنْ فِيهِ جَبْذًا شَدِيدًا، حَتّٰى يَنْزِعَهُ عَنْ فِيهِ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہ جب کسی انسان کو حالتِ نماز میں مُنہ ڈھانپتے دیکھتے تو کپڑے کو شدید جھٹکا دے کر اس کے مُنہ سے اتار دیتے تھے۔

شرح: یہ غیر مسلموں کا بوقتِ عبادت شعار تھا، اس میں کبر بھی پایا جاتا ہے جو نماز کے خشوع و خضوع کے منافی ہے۔

۲۔ كِتَابُ الطَّهَارَةِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْوُضُوءِ

اعمالِ وضو کا باب

۳۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ، وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ

ابْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ: نَعَمْ. فَدَعَا بِوَضُوْءٍ. فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدِهِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ، وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا. ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا. ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلٰى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا، حَتّٰى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

ترجمہ: عمرو بن یحییٰ نے اپنے والد یحییٰ بن عمارہ سے روایت کی کہ اس نے عبداللہ بن زید بن عاصم سے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے کہ کیا آپ مجھے دکھا سکتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر وضو فرماتے تھے؟ عبداللہ نے زید سے کہا، کہ ہاں! پھر انہوں نے پانی منگوایا۔ اور اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا، اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے۔ پھر کلّی کی اور ناک صاف کی تین بار۔ پھر اپنا منہ تین بار دھویا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار کہنیوں تک دھوئے۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا دونوں ہاتھ کے ساتھ۔ پس انہیں آگے پیچھے پھیرا۔ سر کے آگے سے شروع کیا پھر انہیں گُدّی کی طرف لے گئے۔ پھر انہیں اسی جگہ واپس لائے۔ جہاں سے واپس لائے، جہاں سے شروع کیا تھا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (امام محمد نے موطا میں اس حدیث کو باب ابتداء الوضوء میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ اچھا ہے۔ اور وضو تین تین بار کرنا بہت ہی اچھا ہے۔ اور دو دو بار کافی ہے۔ اور ایک بار بھی کافی ہے، جب کہ تو پانی خوب پہنچائے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اس حدیث کی بخاری کی روایت میں ہے کہ عبداللہؓ بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہاں آنے اور وضو کرنے کا قصہ بھی سُنایا تھا۔ شارحینِ حدیث نے کہا کہ یہ عبارت وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی یا اس کے نیچے کے راوی کا قول ہے۔ جو وہم پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ واقعات کے خلاف ہے۔ یہ عبداللہ بن زید وہی خواب میں اذان دیکھنے والا صحابی ہے۔ وضو میں دھوئے جاتے والے اعضاء اور کلّی و استنشاق کے متعلق تین تین، دو دو، ایک ایک بار کی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ بلکہ ایک ہی وضو میں بعض اعضاء کی تثلیث، بعض کا تثنیہ اور بعض کا ایک بار دھونا بھی وارد ہے۔ اس مسئلے پر ہم نے فضل المعبود شرح ابی داؤد میں مفصل کلام کیا ہے۔ امام محمد بن الحسن کا قول جو اوپر درج ہُوا، یہ تمام احادیث کا خلاصہ ہے۔ عبداللہؓ بن زید کی حدیث دوسری کتبِ حدیث میں آئی ہے۔ تو اس غسل اعضاء کی تعداد میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ سارے سر کا مسح علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ بلکہ مالکیہ اسے واجب کہتے ہیں۔ شافعیہ نے بعض حصّے کا واجب بتایا اور امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک چوتھے حصّے کا مسح واجب اور سارے سر کا مستحب ہے۔ حنفیہ کی دلیل مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث ہے۔ جسے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور جس میں ناصیہ کا لفظ ہے۔ پھر ائمہ فقہ کے نزدیک مسح کی تکرار جیسے کہ اس حدیث میں ہے مستحب ہے۔ یعنی ایک ہی بار کے پانی سے آگے پیچھے مسح کرنا۔

۳۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِيْ أَنْفِهِ مَاءً، ثُمَّ لِيَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ۔"

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی وضو کرے تو اپنی ناک میں پانی ڈالے پھر اسے جھاڑے۔ اور جو ڈھیلوں سے استنجا کرے تو طاق عدد سے کرے۔ (موطا امام محمد میں بھی باب ابتداء الوضوء میں یہ حدیث موجود ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ اس پر ہمارا عمل ہے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔)

شرح: استنشاق اور استنثار دو الگ الگ عمل ہیں۔ پہلے کا معنیٰ ہے ناک میں پانی لینا۔ اور دوسرے کا معنی ہے ناک کو جھاڑ کر اور سِنک کر صاف کرنا۔ پچھلی حدیث میں استنشاق کا ذکر نہ تھا۔ شاید اسی لئے امام مالکؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ جس میں ناک میں پانی ڈالنا اور اس کی صفائی دونوں کا حکم ہے۔

۳۴- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ تَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ".

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص وضو کرے تو وہ ناک سُنکے اور جو ڈھیلے لے تو طاق لے۔

۳۵- قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ فِي الرَّجُلِ يَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْثِرُ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ: إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ۔

ترجمہ: یحیٰی نے کہا کہ میں نے مالکؒ کو کہتے سُنا کہ جو شخص ایک ہی چلو کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی ڈالے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (امام مالکؒ کا یہ قول موطائے محمد میں نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ امام مالکؒ نے بھی صرف جواز کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ افضل یہ ہے کہ تین الگ الگ چلوؤں سے تین بار کلی اور اسی طرح تین بار ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا جائے۔)

۳۶- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ قَدْ دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَوْمَ مَاتَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، فَدَعَا بِوَضُوءٍ۔ فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! أَسْبِغِ الْوُضُوءَ۔ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ"۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں داخل ہوئے۔ اسی دن سعدؓ بن ابی وقاص فوت ہوئے تھے۔ عبد الرحمٰن نے وضوء کے لئے پانی منگوایا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اے عبد الرحمٰن! وضوء خوب اچھی طرح کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا، کہ سوکھی ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ (یہ حدیث موطائے امام محمد میں نہیں آئی۔)

شرح: احادیث میں ہے کہ یہ ارشاد ایک سفر کے موقع پر حضورؐ نے اس وقت فرمایا تھا، جب کچھ لوگوں نے جلدی جلدی سے ایک جنگلی تالاب سے وضو کیا اور ان کی سوکھی ایڑیاں چمک رہی تھیں۔ تمام دھوئے جانے والے اعضاء کا یہی حکم ہے۔ دلائل شرح سے ثابت ہے کہ اعضاءِ وضو کو آگ نہیں چھوئے گی چونکہ لوگوں نے پاؤں کے دھونے میں غلطی کا ارتکاب کیا تھا اور ایڑیاں سوکھی رہ گئی تھیں۔ لہذا یہ فرمایا گیا۔

۳۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَحْلَاءَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَتَوَضَّأُ بِالْمَاءِ لِمَا تَحْتَ إِزَارِهِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عثمانؓ تیمی نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو کہتے سُنا کہ وضو کرنے والے کو اپنے ازار کے نیچے پانی کے ساتھ صفائی کرنی چاہیے۔ (یہ روایت موطائے امام محمد میں باب الوضوء فی الاستنجاء میں آئی ہے۔)

شرح: مقصد تو صرف طہارت کا حصول ہے۔ اگر صرف ڈھیلوں سے حاصل ہو جائے تو جائز ہے لیکن افضل اس کے بعد پانی کا استعمال ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ ہم بھی اسی حکم کو اختیار کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک دوسری چیزوں کی نسبت پانی سے استنجا کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ پانی اور ڈھیلے کو جمع کرنا افضل ہے۔ اس کے بعد پانی سے طہارت کا درجہ ہے۔ اور اس کے بعد صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرنا۔ اور یہ سب طریقے مسنون ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ استنجا کے لئے پانی استعمال فرماتے تھے۔ ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، معاویہؓ بن الحکمؓ اور کئی اصحاب سے یہ روایات صحاح میں موجود ہیں۔

۳۸۔ قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ فَنَسِيَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ، أَوْ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَ وَجْهَهُ، فَقَالَ: أَمَّا الَّذِي غَسَلَ وَجْهَهُ قَبْلَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ، فَلْيُمَضْمِضْ وَلَا يُعِدْ غَسْلَ وَجْهِهِ۔ وَأَمَّا الَّذِي غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ قَبْلَ وَجْهِهِ، فَلْيَغْسِلْ وَجْهَهُ ثُمَّ لِيُعِدْ غَسْلَ ذِرَاعَيْهِ حَتّٰى يَكُونَ غَسْلُهُمَا بَعْدَ وَجْهِهِ، إِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِي مَكَانِهِ، أَوْ بِحَضْرَةِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے پوچھا گیا ایسے شخص کے متعلق جس نے کُلّی سے پہلے مُنہ دھولیا تھا یا مُنہ دھونے سے پہلے بازوؤں کو دھولیا۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ جس نے کُلّی سے مُنہ دھولیا تھا وہ کلّی کرلے اور مُنہ کو دوبارہ نہ دھوئے۔ مگر جس نے مُنہ دھونے سے پہلے بازو دھولئے تھے۔ وہ از سرِ نو مُنہ دھوئے اور پھر بازو دھوئے تاکہ بازوؤں کا غسل مُنہ کے بعد ہو یہ تب ہے کہ وہ وضو کی جگہ پر ہو یا اس کے قریب ہی ہو۔

شرح: مالکی اور حنفی فقہا کے درمیان اعضائے وضو میں ترتیب مسنون ہے، فرض نہیں۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے۔ مگر دائیں اور بائیں ہاتھ اور اسی طرح پاؤں میں ترتیب واجب نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ میں صرف اَيْدِيَكُمْ اور اَرْجُلَكُمْ ہے۔ وہاں پر دائیں بائیں کا ذکر نہیں۔

۳۹۔ قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ أَنْ يَتَمَضْمَضَ وَيَسْتَنْثِرَ حَتّٰى صَلّٰى۔ قَالَ لَيْسَ عَلَيْهِ

اَنْ يُعِيدَ صَلَاتَهُ وَلْيُمَضْمِضْ وَيَسْتَنْثِرْ مَا يَسْتَقْبِلُ، إِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يُصَلِّيَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھول گیا، حتیٰ کہ اس نے نماز بھی پڑھ لی۔ جواب دیا کہ اس پر نماز لوٹانا واجب نہیں۔ مگر وہ آئندہ نماز پڑھنا چاہے تو کلی کرے اور ناک صاف کرے۔

شرح: کلی اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرنا سنت ہے۔ فرائض میں داخل نہیں۔ لہذا وضو ہو گیا۔ گو اس میں قدرے نقص رہا۔

۲۔ بَابُ وُضُوءِ النَّائِمِ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ

سوکر اُٹھنے والے کا وضوء جبکہ وہ نماز ادا کرے

۳۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے جب کوئی نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنا ہاتھ دھوے۔ کیونکہ تم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا تھا۔ (موطا امام محمد میں یہ حدیث باب غَسْلِ الْيَدَيْنِ فِي الْوُضُوْءِ میں آئی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ امر مستحسن کام ہے اور اسی طرح کرنا مناسب ہے۔ مگر یہ کوئی واجب امر نہیں کہ اس کے ترک سے کوئی گناہ گار ٹھہرے۔ اور یہی قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔ عامۃ فقہاء کے نزدیک۔ یہ حکم استحباب کے لیے ہے۔ ہاں امام احمدؒ کے نزدیک رات کی نیند کے بعد ہاتھ دھونا واجب ہے۔ اور دن کی نیند کے بعد واجب نہیں ہے۔ حسن بصریؒ کے نزدیک مطلقاً نیند کے بعد ہاتھ دھو کر برتن میں داخل کرنا واجب ہے۔

۴۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: إِذَا نَامَ أَحَدُكُمْ مُضْطَجِعًا فَلْيَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی چت لیٹ کر سو جائے تو وضو کرے۔ (امام محمد بن الحسن نے یہ موقوف روایت بَابُ الرَّجُلِ يَنَامُ هَلْ يَنْقُضُ ذٰلِكَ وُضُوْءَهُ میں درج کی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ابن عمرؓ کا فعل نافع سے روایت کیا ہے کہ بیٹھ کر سو جاتے تھے تو وضو نہ کرتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ہمارا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔)

۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ تَفْسِيرَ هٰذِهِ الْآيَةِ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ أَنَّ ذٰلِكَ إِذَا قُمْتُمْ مِنَ الْمَضَاجِعِ، يَعْنِي النَّوْمَ۔

ترجمہ: مالکؒ نے زید بن اسلمؒ سے آیت وضوء نقل کرکے اس کی تفسیر لکھی ہے۔" اے ایمان والو، جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ اور اپنے پاؤں گٹوں تک دھوؤ۔" اس کا مطلب یہ ہے، کہ جب تم خوابگاہوں سے نیند سے بیدار ہو۔

شرح: یعنی زید بن اسلم کے نزدیک قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃ کا معنیٰ یہ نہیں کہ نماز کا ارادہ کرو۔ بلکہ یہ کہ تم سوکر اُٹھو۔" وجہ" کی حد سر کے بالوں کے نیچے سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور دائیں بائیں دونوں کانوں کی لوؤں تک۔ کہنی غسل کے حکم میں ہاتھ کے اندر داخل ہے۔ سارے سر کا مسح اتفاقِ فقہا سے مستحب ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں واجب کی مقدار ناصیہ یعنی سر کا اگلا چوتھائی حصّہ ہے آیت کا ظاہر ہر نماز کے لئے وضو کا وجوب بتلاتا ہے۔ مگر ایک ہی وضو سے کئی نمازیں جمہور علما کے نزدیک جائز ہیں۔ داؤد ظاہریؒ کا مذہب ہر نماز کے لئے وضو کے وجوب کا ہے۔ جمہور کے نزدیک آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو اور طہارت نہ ہو، تو وضو واجب ہے۔ جنابت میں غسل واجب ہے۔

۴۲۔ قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّهُ لَا يَتَوَضَّأُ مِنْ رُعَافٍ، وَلَا مِنْ دَمٍ، وَلَا مِنْ قَيْحٍ يَسِيلُ مِنَ الْجَسَدِ، وَلَا يَتَوَضَّأُ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ يَخْرُجُ مِنْ ذَكَرٍ، أَوْ دُبُرٍ، أَوْ نَوْمٍ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک نکسیر سے، خون سے اور پیپ سے وضو کرے۔ اور وضو کا وجوب اسی حدث یعنی نجاست سے ہے جو پچھلی طرف سے یا اگلی طرف سے نکلے اور وضو نیند سے بھی واجب ہے۔

شرح: موطا امام محمدؒ ابن عمر اور سعید بن المسیب کے آثار بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الرُّعَافِ میں مروی ہے کہ یہ نکسیر سے وضو کرتے تھے۔ یعنی ان کے نزدیک نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام مالکؒ نکسیر کو ناقضِ وضو نہیں مانتے۔ حنفیہ کا عمل اس مسئلہ میں اس پر ہے کہ وضو نکسیر، خون اور پیپ سے ٹوٹ جاتا ہے۔ جب کہ یہ چیزیں اپنے مخرج سے بہ نکلیں۔ احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، علقمہؒ، عطاءؒ، قتادہ اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے فضل المعبود من ال المجود سے نقل کی ہے۔

۴۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَنَامُ جَالِسًا، ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: نافع نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ بیٹھ کر سو جاتے تھے پھر وضو نہ کرتے تھے، اور نماز پڑھ لیتے تھے۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ موطائے محمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ اس پر مختصر گفتگو ہو چکی ہے۔)

شرح: حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں وضو نہ ٹوٹنے کی علت سہارے کا نہ ہونا ہے اور مالکیہ کے نزدیک نیند کی خفت۔ گویا ان کے نزدیک نیند صرف اس حال میں ناقضِ وضو ہے جب کہ اس میں ثقالت پائی جائے۔

۳- بَابُ الطَّهُورِ لِلْوُضُوءِ

وضو کے پانی کا باب

۴۴- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ، مِنْ آلِ بَنِي الْأَزْرَقِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، وَهُوَ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ. أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ، وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ، فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا، أَفَنَتَوَضَّأُ بِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ، الْحِلُّ مَيْتَتُهُ".

ترجمہ: مغیرہ بن ابی بردہ نے ابو ہریرہ کو کہتے سنا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم سمندر میں جہازوں) پر سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی اٹھاتے ہیں پھر اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہ جائیں گے پس کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر لیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کا پانی پاک اور پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردار حلال ہے۔ (امام محمدؒ نے اس کو موطا میں بابُ الوضوءِ بماءِ البحرِ میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث کی روایت کے بعد فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ سمندر کا پانی بھی دوسرے پانیوں کی طرح ہے۔ اور یہی ابو حنیفہ کا قول ہے۔ سوال کا منشا غالبًا یہ تھا، کہ سمندر کا پانی نہایت کڑوا ہوتا ہے اور اس میں بے شمار جانور مرتے رہتے ہیں۔ نیز اس کا رنگ بھی عام پانی سے مختلف ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس میں صرف سائل کے سوال کو ہی مدِّنظر نہیں رکھا بلکہ دوسرے سبب سے پیدا ہونے والے خدشات کو بھی ملحوظ رکھا۔ الطہورُ کا لفظ پاک اور پاک کنندہ دونوں معانی پر مشتمل ہے۔ اور اس میں وضو، غسل، کپڑے دھونا، برتن پاک کرنا وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔ میتہ سے مراد مچھلی ہے۔ کیونکہ حدیث میں آچکا ہے اُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ" ہمارے لئے دو مُردار حلال کئے گئے، مچھلی اور ٹڈی"۔ ان دونوں میں خون نہیں ہوتا۔ لہٰذا ذبح کی ضرورت نہیں پڑتی۔ میتہ کی شرعی تعریف یہ ہے کہ جس جانور کا کھانا شرعًا حلال ہے، اس کی روح ذبح کے بغیر نکل جائے تو وہ میتہ ہے۔ کبھی کسی انجام پر نظر رکھ کر حرام جانور پر بھی میتہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ سمندری جانوروں کی حلت و حرمت میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے۔ حنفی ائمہ نے مچھلی کے سوا کسی اور جانور کو حلال نہیں جانا اور یہ حدیث، جو ابھی گزری، ان کی دلیل ہے۔ شافعیہ کا ایک قول یہی ہے جو حنفیہ کا ہے۔ دوسرے قول میں سب جانور جو سمندر میں رہتے ہیں، وہ حلال ہیں۔ تیسرے قول میں صرف وہ جانور حلال ہیں، جن کی نظیر بری حلال جانوروں میں موجود ہے۔ پہلا اور تیسرا قول متقارب ہے۔ مالکیہ کا فتویٰ شافعیہ کے دوسرے قول کی طرح ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک، تمساح مینڈک اور کوسج کے سوا سب حلال ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بیانِ مذاہب کے بعد فرمایا کہ اکثر ائمہ شرع نے اس زیرِ بحث حدیث کو مخصوص البعض مانا ہے اور اسی طرح حنفیہ نے بھی۔ اس حدیث کا ایک معنیٰ اور بھی ہے وہ یہ کہ سمندر میں بے شمار جانور مرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس کا پانی نجس نہیں ہوتا پس اس طرح اس سے وضو اور طہارت جائز ہے۔ گویا اَلْحِلُّ کا معنی الطَّاہِرُ ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ حدیث ان اختلافات سے نکل جاتی

ہے جو اُوپر حلت وحرمت میں بیان ہوئے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ، عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ أَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ فَرْوَةَ، عَنْ خَالَتِهَا، كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهَا: أَنَّ أَبَاقَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوْءًا۔ فَجَاءَتْ هِرَّةٌ لِتَشْرَبَ مِنْهُ، فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ۔
قَالَتْ كَبْشَةُ: فَرَآنِيْ أَنْظُرُ إِلَيْهِ۔ فَقَالَ: أَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ أَخِيْ؟ قَالَتْ: فَقُلْتُ، نَعَمْ۔ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَّافَاتِ"۔ قَالَ يَحْيٰى: قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِهِ، إِلَّا أَنْ يُرٰى عَلٰى فِيْهَا نَجَاسَةٌ۔

ترجمہ: کبشہ بنت کعبؓ نے جو ابوقتادہ کی بہو تھیں، بیان کیا کہ ابوقتادہؓ میرے ہاں تشریف لائے اور کبشہ نے ان کے لئے پانی ڈالا کہ وضو کریں۔ ایک بلی پانی پینے کو آئی تو ابوقتادہؓ نے برتن جھکا دیا اور اس نے پانی پی لیا۔ پھر ابوقتادہؓ نے دیکھا کہ کبشہ ازراہ تعجب دیکھ رہی تھی۔ پس فرمایا، اے میری بھتیجی! تو حیران ہو رہی ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ نجس نہیں۔ کیونکہ ہر وقت ہر جگہ تمہارے آتی جاتی رہتی ہے۔ (موطائے امام محمد میں یہ حدیث باب الوضوء بسؤر الہرۃ میں وارد ہوئی ہے)۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر بلی کے منہ پر نجاست نہ دکھائی دے تو اس کے سؤر میں حرج نہیں ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث کے ضمن میں فرمایا کہ بلی کے جھوٹے پانی سے وضوء کرنے میں حرج نہیں۔ گو زیادہ مستحب یہی ہے کہ پانی صاف ہوا اور جھوٹا نہ ہو۔ یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ درمختار میں ہے کہ بلی کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے مگر ضرورت کی وجہ سے پاک ہے۔ ایسی احادیث وآثار موجود ہیں، جن سے بلی کا درندہ ہونا ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں، الہرۃ سبع۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں بعض احادیث درج کی ہیں، جن میں بلی کے برتن کو جھوٹا کرنے کے بعد سات بار دھونے کا حکم موجود ہے۔ دونوں قسم کے آثار کو جمع کریں تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ بلی کا جھوٹا دراصل نجس ہے۔ کیونکہ یہ درندہ ہے۔ ہاں شرع نے ضرورت کی بنا پر اس کی نجاست کو رفع فرما دیا ہے۔ یہ دلیل کراہت تنزیہی کی ہے۔ ہم نے اس مسئلہ پر فضل المعبود میں مفصل کلام کیا ہے۔ اور آثار نقل کر دیئے ہیں۔ جامع ترمذی میں بلی کے منہ ڈال جانے کے باعث ایک بار دھونے کا حکم موجود ہے اور ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کے آخر میں امام مالکؒ کا جو قول مذکور ہے اس سے بھی حنفی مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

۴۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِيْ رَكْبٍ، فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، حَتَّى وَرَدُوْا حَوْضًا۔ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِصَاحِبِ الْحَوْضِ۔ يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ، هَلْ

تَرِدُ حَوْضَكَ السِّبَاعُ ؟ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : يَا صَاحِبَ الْحَوْضِ ! لَا تُخْبِرْنَا ، فَإِنَّا نَرِدُ عَلَى السِّبَاعِ ، وَتَرِدُ عَلَيْنَا ۔

ترجمہ : حضرت عمرؓ بن الخطابؓ سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے ۔ عمرو بن العاصؓ بھی ساتھ تھے حتیٰ کہ وہ ایک جوہڑ پر اُترے پس عمرو بن العاصؓ نے اس حوض کے مالک سے پوچھا ، اے حوض والے ! کیا تیرے حوض پر درندے وارد ہوتے ہیں ؟ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا ، اے حوض والے ! ہمیں مت بتاؤ کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر وارد ہوتے ہیں ۔ (موطائے امام محمد میں یہ روایت بَابُ الْوُضُوءِ مِمَّا يَشْرَبُ مِنْهُ السِّبَاعُ وَتَلِغُ فِيهِ میں آئی ہے ۔)

شرح : امام محمدؒ نے اس حدیث کی روایت کے بعد فرمایا ہے کہ حوض اتنا بڑا ہو کہ ایک طرف سے پانی ہلانے سے فوراً دوسری طرف نہ ہلے ۔ تو جب تک اس کے اوصاف یعنی بُو اور مزہ نہ بدلیں ، تب تک وہ درندوں کے پینے سے فاسد نہیں ہوتا نہ کسی گندگی کے گرنے سے ناپاک ہوتا ہے لیکن وہ چھوٹا حوض جس کے ایک طرف کو ہلانے سے دوسری طرف ہلنے لگے (یعنی فوراً ہلنے لگے ، کیونکہ لہریں جب اُٹھیں گی تو وہ تو بڑے حوض کے دوسرے کنارے تک بھی جا پہنچیں گی ۔) تو اس کا پانی درندوں کے پینے ، مُنہ ڈالنے اور گندگی گرنے بغیر پانی کے اوصاف کی تبدیلی کے فاسد ہو جائے گا ۔ دلیل اس کی اس اثر میں بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوہڑ والے سے فرمایا کہ ہمیں مت بتاؤ ۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے بتانے سے اس کے استعمال کا ترک لازم ہو جائے گا ۔ پانی کی نجاست کے متعلق علماء کا اختلاف ہے ۔ ظاہریہ اور مالکؒ نے کہا کہ جب تک پانی کے تین اوصاف میں سے ایک (یعنی رنگ و بُو ، مزہ میں سے ایک) نہ بدلے ۔ وہ نجاست کی ملاقات سے نجس نہیں ہوتا ۔ شافعیہ ، حنابلہ اور حنفیہ کے نزدیک تھوڑا پانی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا کوئی وصف بھی نہ بدلے ۔ پھر ان میں قلیل کی مقدار میں اختلاف ہے ۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ نے اس کی تحدید قُلَّتَین کے ساتھ کی ۔ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے جو اُوپر امام محمد کی روایت سے گزرا ۔ متاخرین حنفیہ نے اس کی تحدید ۱۰×۱۰ یعنی دہ دردہ سے کی ہے ۔ اس روایت کا ظاہر حنفیہ کی تائید کرتا ہے ۔ ورنہ عمرو بن العاصؓ کے سوال اور جناب عمرؓ کے اس قول کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا کہ اے حوض والے ہمیں مت بتاؤ ۔ قلتین کی حدیث پر مفصل گفتگو ہم نے فضل المعبود میں کی ہے ۔ وللہ الحمد ۔

یاد رہے کہ قلتین میں سخت ابہام ہے اور حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر ان کا پانی اتنا ہو کہ کسی جوہڑ وغیرہ میں ڈال کر ایک طرف کو ہلانے سے نہ ہلے تو وہ "ماءِ کثیر" ہے ۔ ورنہ نہیں ۔

۱۴ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : إِنْ كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، لَيَتَوَضَّئُونَ جَمِيعًا ۔

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے ۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ حدیث بَابُ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ يَتَوَضَّآنِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ میں آئی ہے ۔)

شرح : امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں ۔ اور یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے ۔ نسائی وغیرہ کی بعض احادیث میں عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کی کراہت معلوم ہوتی ہے ۔ امام محمدؒ نے موطا میں باب الرَّجُلِ يَغْتَسِلُ أَوْ يَتَوَضَّأُ بِسُؤْرِ الْمَرْأَةِ میں ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنبی یا حائضہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو مکروہ ہے اور

پھر اس پر وہ صحیح حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک ہی برتن سے بحالت جنابت غسل کرتے تھے۔ پس یہ جنبی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل ہوا اور اس میں کوئی حرج ثابت نہ ہوا، یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ یہ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ نزول حجاب سے قبل اگر عام مرد و عورتیں اکٹھا وضو کرتے تو حرج نہ تھا۔ مگر نزول حجاب کے بعد یہ حکم صرف محرم مرد و عورتوں کے ساتھ خاص ہو گیا یعنی باہم وضو کرنے کا معاملہ۔ ابوداؤد نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ اَلْمَاءُ لَا یَجْنُبُ، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر جنبی عورت نہا چکی ہو اور برتن میں کچھ پانی بچ جائے تو وہ طاہر ہے اور اس سے مرد وضو یا غسل کر سکتا ہے۔ صحیح احادیث کی روشنی میں ابن عمرؓ کے اس قول کا کہ عورت جنبی یا حائضہ نہ ہو، یہ مطلب لیا جانا مناسب ہوگا کہ ابن عمر کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۔ بَابُ مَا لَا یَجِبُ مِنْهُ الْوُضُوءُ

ان چیزوں کا باب جن سے وضو واجب نہیں ہوتا

۴۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي، وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ. قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ".

ترجمہ: ابن عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی ایک اُمّ ولد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جس کی چادر کا پلّو طویل ہے۔ اور میں نجس جگہ میں چلتی ہوں تو اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کا مابعد اسے پاک کر دیتا ہے۔

شرح: اس حدیث میں نجس جگہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پر خشک نجاست پڑی ہو۔ چنانچہ امام نوویؒ نے یہی کہا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد خشک جگہ ہے۔ جہاں خشک نجاست ہو۔ ورنہ اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ نجاست کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتے۔ امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اُمّ ولد مجہول ہے۔ لہذا اس پر کلام کیا گیا ہے۔ اگر اس عورت سے مراد وہ اشہلی عورت ہے جس نے بارش کے وقت کا مسئلہ پوچھا تھا تو کہا جائے گا کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کی نجاست یقینی نہیں ہوتی صرف شک ہوتا ہے۔ اس حدیث کی مناسبت اگر باب کے عنوان سے نکالی جائے تو تکلف کرنا پڑے گا۔

۴۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ رَأَى رَبِيعَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقْلِسُ مِرَارًا، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا يَنْصَرِفُ، وَلَا يَتَوَضَّأُ، حَتَّى يُصَلِّيَ۔
قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ قَلَسَ طَعَامًا، هَلْ عَلَيْهِ وُضُوءٌ؟ فَقَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ

وُضُوْءٌ، وَلْيَتَمَضْمَضْ مِنْ ذٰلِكَ، وَلْيَغْسِلْ فَاهُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو کئی بار مسجد میں پانی کی قے کرتے دیکھا۔ مگر وہ جا کر وضو نہ کرتے تھے، اور اسی طرح نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام مالکؒ سے ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے طعام کی قے کی۔ تو انہوں نے کہا کہ اس پر وضوء واجب نہیں۔ وہ کلی کرے اور اپنا مُنہ صاف کرے۔

شرح: حافظ ابن قدامہ نے المغنی میں حنابلہ کا مذہب مسئلہ قے میں یہ بتایا ہے کہ منہ بھر کر آ جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حنفیہ کا مذہب بھی اس مسئلہ میں یہی ہے۔ حافظ زیلعیؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس مرفوع حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ جس کو قے آ جائے یا نکسیر پھوٹے یا مذی آ جائے یا منہ کی راہ سے پانی خارج ہو جائے، تو وہ نماز چھوڑ کر جائے۔ وضو کرے اور واپس آ کر اپنی نماز پر بنا کرے۔ یعنی جس قدر پہلے پڑھ لی تھی، اس سے آگے پڑھے۔ یہ حدیث ابن ماجہ، دارقطنی، ابن عدی اور بیہقی نے روایت کی ہے۔ اور اس کے کئی طُرق ہیں۔ حافظ زیلعیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس باب میں ابو الدرداءؓ کی حدیث بھی ہے جسے ترمذی نے اَصَحُّ شَیْءٍ فِی الْبَاب کہا ہے۔ اور حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَنَّطَ ابْنًا لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَحَمَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

قَالَ يَحْيَى: وَسُئِلَ مَالِكٌ، هَلْ فِي الْقَيْءِ وُضُوْءٌ؟ قَالَ: لَا۔ وَلٰكِنْ، لِيَتَمَضْمَضْ مِنْ ذٰلِكَ، وَلْيَغْسِلْ فَاهُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ وُضُوْءٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے سعید بن زیدؓ کے ایک (مردہ) بیٹے کو حنوط (خوشبو) لگائی اور اسے اٹھایا۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا قے میں وضو واجب ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ لیکن اس سے کلی کرے۔ اور اپنا مُنہ دھوئے۔ اس کے ذمہ وضو نہیں۔

شرح: قاضی ابو الولید الباجی نے المنتقیٰ میں لکھا ہے کہ میت کو خوشبو لگانے اور اُٹھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔ اور وہ حدیث جو غسل میت سے غسل اور اسے اٹھانے کے باعث وضو واجب ہونے کی ہے وہ ثابت نہیں ہے (المنتقیٰ ص۶۵) شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے اس اثر کو بخاری نے کتاب الجنائز میں بیان کیا ہے جو بقول حافظ ابن حجرؒ عسقلانی اس بات کا اشارہ ہے کہ بخاری کے نزدیک ابوداؤد کی وہ حدیث ضعیف ہے جو اوپر بیان ہوئی۔

۵۔ بَابُ تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

آگ چھوئی چیزوں سے ترک وضو کا باب

۵۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکَلَ کَتِفَ شَاۃٍ، ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا، پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھی۔ (امام محمدؒ نے موطا میں یہ حدیث بَابُ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ میں بیان کی ہے۔ باب کے آخر میں کہا ہے، کہ کھانے پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، چاہے اس کھائی یا پی جانے والی چیز کو آگ نے چھوا ہو یا نہ چھوا ہو۔ یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ صحابہ اور تابعین میں یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا۔ مگر بعد میں اس پر اجماع ہو گیا کہ آگ چھوئی چیزوں سے وضو واجب نہیں ہوتا۔ اونٹ کے گوشت میں امام احمدؒ کا اختلاف ہے۔ اور ابن خزیمہؒ وغیرہ بعض شافعی محدثین نے امام احمدؒ کی مانند کہا ہے کہ اس سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ المہلب نے کہا کہ پہلے پہل حکم دیا گیا کہ آگ چھوئی چیزوں کے استعمال سے وضو کیا کریں۔ وجہ اس کی یہ تبائی کہ زمانہ جاہلیت میں صفائی کا اتنا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ پھر جب اسلام کے نظافت وطہارت کے حکم عام ہو گئے اور لوگ ان پر عامل ہو گئے۔ تو پہلا حکم منسوخ کیا گیا اور آگ چھوئی چیزوں سے وضو واجب نہ رہا۔ قاضی ابوالولید الباجیؒ مالکی نے یہ اجماع نقل کیا ہے (المنتقیٰ ص۶۵) اباجی نے کہا ہے کہ آگ چھوئی چیزوں سے وضو کا مطلب ہاتھ منہ دھو کر صاف کرنا تھا نہ کہ شرعی وضو۔ اور اگر یہ شرعی وضو تھا تو منسوخ ہے۔ کیونکہ جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں آخری امر یہ تھا کہ آگ چھوئی چیزوں سے وضو ترک کر دیا گیا۔

۵۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ بُشَیْرِ بْنِ یَسَارٍ، مَوْلٰی بَنِیْ حَارِثَۃَ، عَنْ سُوَیْدِ بْنِ النُّعْمَانِ، اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، عَامَ خَیْبَرَ، حَتّٰی اِذَا کَانُوْا بِالصَّہْبَاءِ، وَھِیَ مِنْ اَدْنٰی خَیْبَرَ، نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّی الْعَصْرَ۔ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ، فَلَمْ یُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِیْقِ، فَاَمَرَ بِہٖ فَثُرِّیَ۔ فَاَکَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَکَلْنَا۔ ثُمَّ قَامَ اِلَی الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا۔ ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: سوید بن النعمان نے بتایا کہ جنگ خیبر کے سال میں وہ (یعنی راوی سُوَیدؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ خیبر کے مقام صہباء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری سے اُتر کر نماز عصر پڑھی اور پھر آپؐ نے کھانے کا سامان طلب فرمایا ستو کے سوا کچھ نہ لایا گیا۔ آپؐ نے اسے گھولنے کا حکم دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور ہم نے بھی کھایا۔ پھر نماز مغرب کے لئے اُٹھے، تو آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلیاں کیں۔ پھر آپؐ نے نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھائی۔ (امام محمدؒ نے موطا میں یہ حدیث بَابُ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ کے آخر میں روایت کی ہے۔)

شرح: ستو گندم اور جو سے بنتے ہیں اور انہیں آگ چھو چکی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگ چھوئی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۵۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ، وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ، اَنَّہُمَا اَخْبَرَاہُ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهُدَيْرِ، أَنَّهُ تَعَشَّى مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: ربیعہ بن عبداللہ بن الہدیر سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ شام کا کھانا کھایا پھر انہوں نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ (موطا امام محمدؒ میں یہ روایت اسی گزشتہ بیان شدہ باب کی دوسری روایت ہے بظاہر رات کے کھانے سے مراد ایسا طعام ہوگا، جو آگ سے پکایا گیا ہوگا۔ اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ پھل ہوں۔ مثلاً کھجور یا کشمش وغیرہ)۔

۵۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَكَلَ خُبْزًا وَلَحْمًا، ثُمَّ مَضْمَضَ، وَغَسَلَ يَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: ابان بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے روٹی اور گوشت کھایا۔ پھر کُلّی کی ، دونوں ہاتھ دھوئے اور منہ پر پھیر لئے۔ پھر نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھی۔ (امام محمد نے اسے بَابُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ میں تیسرے نمبر پر درج کیا ہے۔ اس میں تو وضاحت آگئی کہ روٹی اور گوشت، جو آگ سے پکتے ہیں، ان سے کھانے سے وضو ہرگز واجب نہیں ہوتا۔

۵۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، كَانَا لَا يَتَوَضَّآنِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ کو خبر ملی کہ علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہ بن عباسؓ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہیں کرتے تھے۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں نہیں ہے اور اس کے بجائے باب الوضوء مما غیرت النار کی سب سے پہلی روایت میں حضرت ابوبکر صدیق کا اس مضمون کا اثر مروی ہے۔ جو موطائے مالکؒ میں آگے نمبر ۵۷ پر آتا ہے۔)

۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الرَّجُلِ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ يُصِيبُ طَعَامًا قَدْ مَسَّتْهُ النَّارُ، أَيَتَوَضَّأُ؟ قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَلَا يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے پوچھا کہ آدمی اگر نماز کے لئے وضو کرکے کھانا کھالے جو آگ میں پکایا گیا ہو تو کیا اُسے وضو کرنا چاہیے؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کو ایسا کرتے دیکھا تھا مگر وہ وضو نہ کرتے تھے۔ (یہ اثر بھی موطا امام محمد میں موجود ہے۔)

۵۷۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ

الْاَنْصَارِيَّ، يَقُولُ: رَأَيْتُ اَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ، اَكَلَ لَحْمًا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ انصاری کہتے تھے کہ میں نے دیکھا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوشت کھایا اور پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھی۔ (اس اثر کا حوالہ ہم نے اوپر نمبر ۵۵ میں دیا ہے۔)

۵۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُعِيَ لِطَعَامٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَلَحْمٌ، فَاَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَصَلَّى۔ ثُمَّ اُتِيَ بِفَضْلِ ذٰلِكَ الطَّعَامِ، فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

ترجمہ: محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کھانے میں بلایا گیا اور آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں سے کھایا۔ پھر وضو کیا، پھر نماز پڑھی۔ اس کے بعد اس کھانے کا بقیہ پیش کیا گیا۔ تو آپ نے اس میں سے کھایا اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا فرمائی۔ (موطائے امام محمد میں یہ حدیث نہیں آئی۔ یہاں پر مُرسل ہے مگر ابوداؤد اور ترمذی نے اسے موصول بیان کیا ہے۔ یہاں سے یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو واجب نہیں۔ یا تو منسوخ ہے اگر اسے وضوئے شرعی مانا جائے۔ اور یا پھر وضو سے مراد صرف منہ صاف کرنا اور ہاتھ منہ دھونا ہے۔ اس صورت میں نسخ ماننے کی ضرورت نہیں رہتی۔)

۵۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ الْاَنْصَارِيِّ۔ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَدِمَ مِنَ الْعِرَاقِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَقَرَّبَ لَهُمَا طَعَامًا قَدْ مَسَّتْهُ النَّارُ، فَاَكَلُوْا مِنْهُ۔ فَقَامَ اَنَسٌ فَتَوَضَّأَ۔ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: مَا هٰذَا يَا اَنَسُ؟ اَعِرَاقِيَّةٌ؟ فَقَالَ اَنَسٌ: لَيْتَنِيْ لَمْ اَفْعَلْ۔ وَقَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَصَلَّيَا وَلَمْ يَتَوَضَّآ۔

ترجمہ: انس بن مالکؓ عراق سے آئے تو ابوطلحہؓ اور اُبیّ بن کعب ان سے ملنے آئے۔ انسؓ نے انہیں کھانا پیش کیا جس انہوں نے کھایا کھایا۔ پھر انسؓ وضو کرنے کو اُٹھے تو ابوطلحہؓ اور اُبیّ بن کعبؓ نے کہا۔ اے انس یہ کیا ہے؟ کیا یہ خصلت عراقی ہے؟ انسؓ بولے کہ کاش میں ایسا نہ کرتا اور ابوطلحہؓ اور اُبیّ بن کعب نے نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھی۔ (یہ اثر بھی موطائے امام محمد میں نہیں ہے۔)

شرح: حضرت انس بصرہ جا بسے تھے اور وہیں سے مدینہ آئے تھے۔ حضرات ابوطلحہؓ اور اُبیّ بن کعبؓ نے اسی بنا پر فرمایا تھا کہ کیا یہ عادت تم نے عراق سے سیکھی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اہل عراق کا مسلک آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو واجب ہونے کا تھا یاد رہے کہ دور صحابہ کا تھا اور ابھی عراقی، حجازی، شامی اور یمنی وغیرہ مسالک کا نام ونشان نہ تھا۔

۸۔ بَابُ جَامِعِ الْوُضُوْءِ

وضو کے باقی ماندہ مختلف مسائل کا باب

۶۰۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْاِسْتِطَابَةِ، فَقَالَ: "اَوَلَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ ثَلَاثَةَ اَحْجَارٍ؟"

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصولِ طہارت (استنجاء) کے متعلق پوچھا گیا۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا، کیا تم میں سے کسی کو تین پتھر (ڈھیلے) نہیں ملتے؟

شرح: اس سے قبل یہ گزر چکا ہے کہ ڈھیلوں کے بعد پانی کا استعمال احسن اور اولیٰ ہے۔ گو ایک ہی چیز پر اکتفا جائز ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ دونوں مسنون اور شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک واجب ہیں۔ تین کا عدد مزید طہارت و نظافت کے لئے ہے۔

۶۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَرَجَ اِلَى الْمَقْبُرَةِ، فَقَالَ: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ۔ وَدِدْتُ اَنِّیْ قَدْ رَاَيْتُ اِخْوَانَنَا" فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلَسْنَا بِاِخْوَانِكَ؟ قَالَ "بَلْ اَنْتُمْ اَصْحَابِیْ، وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ۔ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ" فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ يَاْتِیْ بَعْدَكَ مِنْ اُمَّتِكَ؟ قَالَ "اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ لِرَجُلٍ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ، فِیْ خَيْلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ، اَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهٗ؟" قَالُوْا: بَلٰى، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ، مِنَ الْوُضُوْءِ۔ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔ فَلَا يُذَادَنَّ رِجَالٌ عَنْ حَوْضِیْ، كَمَا يُذَادُ الْبَعِيْرُ الضَّالُّ، اُنَادِيْهِمْ: اَلَا هَلُمَّ! اَلَا هَلُمَّ! اَلَا هَلُمَّ! فَيُقَالُ: اِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوْا بَعْدَكَ۔ فَاَقُوْلُ: فَسُحْقًا فَسُحْقًا۔ فَسُحْقًا۔"

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے اور فرمایا، سلام ہو تم پر اے ایمان والوں کے مسکن۔ اور خدا نے چاہا تو ہم تم سے آملنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا بلکہ تم تو میرے ساتھی ہو (یعنی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو) اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے اور میں حوض پر ان سے پہلے پہنچ کر ان کا انتظار کروں گا۔ پس لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اپنی اُمت میں سے بعد میں آنے والوں کو آپؐ کیسے پہچانیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے سفید پیشانی والے سفید ٹانگوں والے گھوڑے ہوں اور

وہ بہت کالے سیاہ گھوڑوں میں ملے جُلے ہوں، توکیا وہ اپنے گھوڑوں کو پہچان نہیں لیتا؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیوں نہیں پہچان لیتا۔ فرمایا میری اُمت کے لوگ قیامت کے دن وضو کے باعث پنج کلیان آئیں گے اور میں حوضِ کوثر پر ان سے پہلے موجود ہوں گا۔ سو مبادا میرے حوض سے کسی شخص کو اس طرح ہٹا دیا جائے، جیسے گم شدہ اونٹ کو ہٹایا جاتا ہے۔ اور میں انہیں پکاروں کہ ارے ادھر آؤ۔ اور پھر کہا جائے کہ انھوں نے آپ کے بعد آپ کا دین اور آپ کا طریقہ بدل ڈالا تھا۔ تو میں کہوں پس دُور کرو، پس دُور کرو، پس دُور کرو۔

شرح: یہ لوگ جنہیں آپ کے حوض سے ہانک کر ہٹایا جائے گا منافقین، مرتدین اور اہل بدعت و اشراک ہوں گے۔ معاذ اللہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ اعضائے وضو کا میدان قیامت میں چمکدار ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ حُمْرَانَ، مَوْلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ جَلَسَ عَلَى الْمَقَاعِدِ. فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ فَآذَنَهُ بِصَلَاةِ الْعَصْرِ. فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ: وَاللّٰهِ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا، لَوْلَا أَنَّهُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُكُمُوْهُ. ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "مَا مِنِ امْرِئٍ يَتَوَضَّأُ، فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهُ، ثُمَّ يُصَلِّي الصَّلَاةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ الْأُخْرٰى حَتّٰى يُصَلِّيَهَا."

قَالَ يَحْيٰى: قَالَ مَالِكٌ: أُرَاهُ يُرِيْدُ هٰذِهِ الْآيَةَ. أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِيْنَ.

ترجمہ: حضرت عثمانؓ بن عفان کے آزاد کردہ غلام حمران نے کہا، حضرت عثمان بن عفان اپنے گھر سے باہر دکان پر بیٹھے تھے کہ مؤذن آیا اور آپ کو نماز عصر کی اطلاع دی۔ پس انھوں نے پانی منگوایا اور وضو کیا۔ پھر فرمایا، واللہ میں تمہیں ایک حدیث سُناتا ہوں۔ اگر وہ کتاب میں نہ ہوتی تو میں تمہیں نہ سناتا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو آدمی وضو خوب اچھی طرح کرے، پھر نماز پڑھے تو اس کے اور آئندہ نماز کے درمیانی گناہ اس کو بخش دیئے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ دوسری نماز پڑھ لے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرے خیال میں حضرت عثمانؓ کی مراد یہ آیت تھی۔ دن کے دونوں اطراف میں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم کر۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت کو قبول کرنے والوں کے لیے۔

شرح: بخشے جانے والے گناہوں سے مراد از روئے دلائل شرع صغیرہ گناہ ہیں۔ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے اور کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اپنا حق کسی خاص مصلحت سے یوں بھی بخش سکتا ہے۔ بندوں کے حقوق صرف بندے بخش سکتے ہیں۔ اگر کسی نے وضو کے بعد مسنون دعائیں پڑھ لیں اور خلوص کے ساتھ استحضار قلب ہو گیا تو اس نے سچی توبہ اور ندامت بھی ظاہر کر دی تو کبائر بھی بخشے جا سکتے ہیں۔ دن کے اطراف کی نمازوں سے مراد فجر، ظہر اور عصر کے اوقات

ہیں۔اور رات کے کچھ حصے سے مراد مغرب اور عشا۔ حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ بخاری ومسلم نے عروہ سے روایت کی ہے کہ آیت سے مراد اِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ الخ (البقرہ) یعنی علم کو چھپانا بہت بڑا سنگین گناہ ہے گویا حضرت عثمانؓ کا مطلب یہ تھا کہ موقع کی ضرورت کے مطابق میرا فرض ہے کہ علم کا اظہار کروں۔

۴۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عن عَبْدِ اللهِ الصُّنَابِحِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ، فَتَمَضْمَضَ، خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيهِ. وَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ أَنْفِهِ. فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ. حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَشْفَارِ عَيْنَيْهِ. فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ. حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ يَدَيْهِ. فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهِ حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ أُذُنَيْهِ. فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ. حَتَّى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِ رِجْلَيْهِ". قَالَ: "ثُمَّ كَانَ مَشْيُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ، وَصَلَاتُهُ نَافِلَةً لَهُ".

ترجمہ: عبداللہ صنابحی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن بندہ وضو کرے اور کلی کرے تو گناہ اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ ناک جھاڑے تو گناہ اس کی ناک سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنا منہ دھوئے تو گناہ اس کے چہرے سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے پپوٹوں سے نکل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوئے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ پھر جب وہ اپنے سر کا مسح کرے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے کانوں سے بھی۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوئے تو گناہ اس کے پاؤں سے نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے پیروں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ فرمایا کہ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کے اجر کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے۔

شرح: یہاں بھی گناہوں سے مراد وہی صغائر ہیں۔ پچھلی حدیث میں وضو مع نماز کو باعث مغفرت فرمایا گیا اور اس میں وضو کو یعنی یہ دونوں ہی مغفرت کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ وضو اعضائے وضو کے لئے اور نماز باقی اعضا کے لئے۔ یہ جو فرمایا کہ پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز اس کے لئے نافلہ ہوگی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اجر کی زیادتی کا باعث ہوگی۔ ورنہ فریضہ تو ہر حال میں فریضہ ہے۔ وہ نفل نہیں ہوتا۔ عبداللہ صنابحی تابعی ہے۔ لہذا یہ حدیث مرسل ہے۔

۴۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ (أَوِ الْمُؤْمِنُ)، فَغَسَلَ وَجْهَهُ، خَرَجَتْ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ). فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ، خَرَجَتْ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ

خَطِيئَةٍ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ)۔ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ (أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ)۔ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوبِ"۔

ترجمہ: ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مسلم بندہ (یا مومن کا لفظ بولا) وضو کرے اور اپنا منہ دھوئے تو اس کے چہرے سے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں، جن کی طرف اس نے نظر کی تھی، پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطروں کے ساتھ، یا اس طرح کی کوئی اور بات فرمائی (راوی کو شک ہے)۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوئے تو اس کے ہاتھوں سے ہر وہ خطا نکل جاتی ہے جو اس کے ہاتھوں نے کی، پانی کے ساتھ یا فرمایا کہ پانی کے آخری قطروں کے ساتھ حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلتا ہے (یہ ملحوظ رہے کہ خطاؤں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں)۔

۶۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَانَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ وَضُوءًا فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ فِي إِنَاءٍ۔ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ يَدَهُ۔ ثُمَّ أَمَرَ النَّاسَ يَتَوَضَّؤُونَ مِنْهُ۔ قَالَ أَنَسٌ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ۔ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ۔

ترجمہ: انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور نماز عصر کا وقت آگیا تھا۔ لوگوں نے پانی ڈھونڈا تو نہ ملا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس برتن میں رکھ دیا۔ پھر لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔ انسؓ نے کہا کہ میں نے آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی کو اُبلتے دیکھا، پس لوگوں نے وضو کیا۔ حتیٰ کہ آخری شخص نے بھی وضو کر لیا۔

شرح: صحیحین کی احادیث کے مطابق یہ ستر اسی آدمی تھے جنہوں نے وضو کیا۔ بعض صحاح میں زیادہ تعداد آئی ہے۔ یہ معجزہ کئی بار پیش آیا تھا۔ ایک دفعہ غزوہ تبوک میں، ایک دفعہ غزوہ بنی مصطلق میں، ایک تیسری بار یہ ہے جو مدینہ کے قریب کا واقعہ ہے۔ پانی یا تو باذن اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلتا تھا، یا کم پانی میں بحکم خداوندی برکت ہوئی۔ اور وہ انگلیوں کے نیچے سے جوش مارتا ہوا دکھائی دیا۔ پتھر کی چٹان سے پانی کا عصائے موسیٰ سے نکلنا یقیناً معجزہ تھا۔ مگر یہ معجزہ اس سے عظیم تر تھا۔ پتھروں میں سے پانی کا نکلنا عادت کے مطابق تھا مگر انگلیوں سے پانی نہیں نکلا کرتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

۶۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمَدَنِيِّ الْمُجْمِرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الصَّلٰوةِ فَإِنَّهُ فِي صَلٰوةٍ مَادَامَ يَعْمِدُ إِلَى الصَّلٰوةِ۔

وَاِنَّهُ يُكْتَبُ لَهُ بِاِحْدَى خُطْوَتَيْهِ حَسَنَةٌ، وَيُمْحَى عَنْهُ بِالْأُخْرَى سَيِّئَةٌ. فَإِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمُ الْإِقَامَةَ فَلَا يَسْعَ. فَإِنَّ أَعْظَمَكُمْ أَجْرًا أَبْعَدُكُمْ دَارًا. قَالُوا: لِمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: مِنْ أَجْلِ كَثْرَةِ الْخُطَا.

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ جس نے وضو کیا اور اچھی طرح سے وضو کیا۔ پھر وہ نماز کے ارادے سے نکلا۔ پس جب تک وہ یہ ارادہ رکھے گا، نماز ہی میں ہوگا۔ اور اس کے ایک قدم اٹھانے سے نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم سے بُرائی مٹائی جاتی ہے۔ پھر جب تم میں سے کوئی اقامت سُنے تو دوڑے نہیں۔ کیونکہ تم میں سے سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جس کا گھر سب سے بعید تر ہو۔ لوگوں نے کہا، اے ابو ہریرہؓ یہ کیوں؟ اس نے کہا زیادہ اقدام کے باعث۔

شرح: نعیم بن عبداللہ راوی ابوہریرہؓ کی روایات کو بقول حافظ ابن عبدالبر اکثر موقوف بیان کرتا تھا۔ اس قسم کی بات کہ جو حدیث میں ہے کوئی اپنی رائے سے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر اس جیسی احادیث صحاح میں موجود ہیں۔ لہذا اسے موقوف ہونے کے باوجود مسند و مرفوع ہی سمجھا جاتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضورؐ نے بنی سلمہ کے لوگوں سے فرمایا تھا تم اپنے محلے میں ہی رہو۔ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔ ایک حدیث صحیح مرفوع میں بھاگ کر نماز میں شامل ہونے سے روکا گیا ہے اور یہی علت بتائی گئی ہے کہ نماز کے ارادے سے آنے والے نماز ہی میں سمجھے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ آدمی اگر نماز کی خاطر رُکا رہے تو برابر نماز ہی سمجھا جاتا ہے۔

۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ مِنَ الْغَائِطِ بِالْمَاءِ. فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنَّمَا ذَلِكَ وُضُوءُ النِّسَاءِ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عورتوں کی عادت ہے۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ امام مالکؒ اور اکثر اہل علم کی یہ رائے نہیں جو سعیدؒ کی ہے۔ پانی کی طہارت بہرحال افضل و اولیٰ ہے۔ اوپر دو جگہ یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ صحیح احادیث میں حضورؐ کا پانی استعمال کرنا ثابت ہے۔ یہ احادیث ابن عباسؓ، جابرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، انس بن مالکؓ، معاویہؓ بن حکم سلمی سے صحاح میں مروی ہے۔

۶۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کُتا تم میں سے کسی کے برتن سے پانی پئے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔

شرح: احادیث میں دھونے کی تعداد تین، پانچ، سات تک آئی ہے۔ احادیث کے اختلاف کے باعث فقہا میں اختلاف واقع ہوا۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ نے سات مرتبہ کہا۔ امام احمدؒ نے ایک آٹھویں بار بھی دھونے کا حکم دیا ہے جو مٹی سے ہو۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک میں اس مسئلہ میں چار روایات ہیں۔ جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ ابوحنیفہؒ

نے کہا ہے کہ کوئی خاص عدد واجب نہیں۔ اس قدر دھویا جائے کہ پاکیزگی کا ظن غالب ہو جائے۔ ان کا استدلال دارقطنی کی اس مرفوع حدیث سے ہے، جس میں تین یا چار یا پانچ بار دھونے کا حکم ہے۔ شیخ نیموی نے اس کی اس سند کو صحیح کہا ہے جو ابوہریرہؓ پر موقوف ہے۔ ابن العربی نے بھی دارقطنی والی حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ابتداء میں کتوں کے معاملے میں بھی بڑی شدت رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ جس میں بعد ازاں نرمی کی گئی۔ پس اُس زمانے کی احادیث میں سات آٹھ بار دھونے کا حکم تھا۔ پھر اس میں نرمی ہوئی اور کتے کے مُنہ ڈالے ہوئے برتن کو بھی عام نجس چیزوں جیسا حکم دیا گیا۔ ہم نے اس مسئلہ میں فضل المعبود میں مفصل گفتگو کی ہے۔ مالکیہ کے نزدیک کتا نجس نہیں ہے اور اس کے مُنہ ڈالے ہوئے برتن کو دھونے کا حکم محض تعبدی ہے۔ ورنہ برتن نجس نہیں ہوتا۔ جمہور کے نزدیک کتا نجس ہے اور اس کے مُنہ ڈالنے سے برتن نجس ہو جاتا ہے۔ ابن العربی مالکی نے ترمذی کی شرح میں اس مسئلہ میں مفصل کلام کیا ہے۔

۶۹- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا، وَاعْمَلُوا، وَخَيْرُ أَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ"۔

ترجمہ: امام مالک کو خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دین کی راہ پر سیدھے قائم رہو۔ گو تم حق استقامت ہرگز ادا نہیں کر سکتے۔ اور عمل کرو اور تمہارا بہترین عمل نماز ہے۔ اور وضو کی نگرانی مومن کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔

شرح: استقامت سے مراد عقائد و اعمال اور معاملات میں اور آداب میں ہر مامور کا بجا لانا اور ہر منہی عنہ سے پرہیز کرنا ہے۔ راہِ حق پر چلنے کی اپنی سی کوشش کرتے رہنا مومن کا فرض ہے۔ حق استقامت ادا کرنا مشکل ہے۔ اس راہ میں کئی گڑھے، بے شمار کانٹے، اور رکاوٹیں ہیں۔ یہ سمجھ بیٹھنا محض حماقت و غرور اور خود پسندی ہے کہ میں نے حق استقامت ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں اپنے رسولِ پاک کو حکم دیا کہ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔ حضورؐ نے شاید اسی لئے فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ نماز عبادات میں سے بہترین اور جامع عبادت ہے۔ وضو نماز کا مقدمہ اور اس کی شرط ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس حدیث میں ان دونوں کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

۷- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ بِالرَّأْسِ وَالْأُذُنَيْنِ

سر اور کانوں کے مسح کا باب

۷۰- حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَأْخُذُ الْمَاءَ بِأُصْبُعَيْهِ لِأُذُنَيْهِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کانوں کے مسح کے لئے دو انگلیوں سے پانی لیتے تھے۔

شرح: اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ۔ حدیث میں آ چکا ہے۔ جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ کانوں کا مسح سر کے ساتھ اسی پانی سے کیا جائے۔ جو ہاتھوں کو لگا ہوا ہو۔ نیا پانی نہ لیا جائے۔ حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا ثابت نہیں ہوا۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک جدید پانی سے کانوں کا مسح کیا جائے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کی روایات

میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ میرے نزدیک راجح تر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ابو حنیفہؒ اور احمدؒ ایک طرف ہیں کہ سر کے پانی سے ہی کانوں کا مسح کیا جائے۔ مگر مالکؒ و شافعیؒ کا مسلک جدید پانی سے کانوں کا مسح کرنے کا ہے۔ پہلے مسلک کی تائید میں بہت سی مرفوع و موقوف احادیث و آثار موجود ہیں۔ اس زیر نظر اثر میں بیان شدہ ابن عمرؓ کے فعل سے نئے پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ دوسری طرف بہت سے صحابہ و تابعین کا قول و فعل اس کے خلاف ہے، جیسا کہ صحابہ، تابعین اور فقہا میں سے کئی حضرات جدید پانی لینے کے قائل ہیں۔ جب مسئلے کی نوعیت یہ ہے تو ابن عمرؓ کے اثر سے حنفیہ کے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۱۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيَّ، سُئِلَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ، فَقَالَ: لَا. حَتَّى يُمْسَحَ الشَّعْرُ بِالْمَاءِ۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ انصاری سے عمامہ پر مسح کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، نہیں مسح نہیں ہوتا۔ جب تک کہ بالوں کو پانی سے نہ چھوا جائے (امام محمدؒ نے موطا میں اس روایت کو بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخِمَارِ میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ عمامہ کا مسح پہلے تھا مگر پھر ترک کر دیا گیا یعنی یہ منسوخ ہے۔ تمام ائمہ فقہا کا یہی مذہب ہے۔ امام خطابیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سر کا مسح فرض کیا ہے اور مسح عمامہ کی حدیث میں تاویل کا احتمال ہے۔ لہٰذا اس کے باعث یقینی فرض کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَنْزِعُ الْعِمَامَةَ وَيَمْسَحُ رَأْسَهُ بِالْمَاءِ۔

ترجمہ: عروہ بن زبیرؒ اپنا عمامہ اتار دیتے تھے۔ اور سر کا مسح کرتے تھے۔

۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ رَأَى صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ امْرَأَةَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، تَنْزِعُ خِمَارَهَا، وَتَمْسَحُ عَلَى رَأْسِهَا بِالْمَاءِ. وَنَافِعٌ يَوْمَئِذٍ صَغِيرٌ۔

ترجمہ: نافع نے عبداللہ بن عمرؓ کی بیوی صفیہ بنت ابی عبید کو دیکھا کہ وہ اپنا دوپٹہ اتار کر سر کا مسح پانی کے ساتھ کرتی تھیں اور نافع ان دنوں چھوٹا بچہ تھا۔ (یہ اثر بھی موطائے امام محمد میں موجود ہے۔)

۴۔ وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْخِمَارِ. فَقَالَ: لَا يَنْبَغِي أَنْ يَمْسَحَ الرَّجُلُ وَلَا الْمَرْأَةُ عَلَى عِمَامَةٍ وَلَا خِمَارٍ، وَلْيَمْسَحَا عَلَى رُءُوسِهِمَا

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّأَ، فَنَسِيَ أَنْ يَمْسَحَ عَلَى رَأْسِهِ، حَتَّى جَفَّ وَضُوءُهُ؟ قَالَ: أَرَى أَنْ يَمْسَحَ بِرَأْسِهِ. وَإِنْ كَانَ قَدْ صَلَّى، أَنْ يُعِيدَ الصَّلَاةَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے عمامہ اور اوڑھنی پر مسح کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ مرد کے لئے عمامے پر اور عورت کے لئے اوڑھنی پر مسح کرنا جائز نہیں۔ بلکہ انہیں اپنے سروں پر مسح کرنا چاہئے۔ امام مالکؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے وضو کیا مگر سر کا مسح وہ بھول گیا حتیٰ کہ اس کا وضو خشک ہو گیا۔ امام مالکؒ نے فرمایا، میری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے سر پر مسح کرے اور اگر وہ نماز پڑھ چکا ہو، تو نماز کو لوٹالے۔

شرح: جب تک نماز نہیں پڑھی تو چھوٹا ہوا فرض یعنی سر کا مسح ادا کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ نماز پڑھنے کی صورت میں چونکہ وضو کا ایک فرض رہ گیا تھا، لہذا نماز کا اعادہ واجب ہوا۔ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا باب

۷۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ زِيَادٍ، مِنْ وَلَدِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ لِحَاجَتِهِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ. قَالَ الْمُغِيرَةُ: فَذَهَبْتُ مَعَهُ بِمَاءٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَبْتُ عَلَيْهِ الْمَاءَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ. ثُمَّ ذَهَبَ يُخْرِجُ يَدَيْهِ مِنْ كُمَّيْ جُبَّتِهِ. فَلَمْ يَسْتَطِعْ مِنْ ضِيقِ كُمَّيِ الْجُبَّةِ. فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ. فَغَسَلَ يَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يَؤُمُّهُمْ، وَقَدْ صَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّكْعَةَ الَّتِي بَقِيَتْ عَلَيْهِمْ فَفَزِعَ النَّاسُ. فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَحْسَنْتُمْ".

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے (مغیرہؓ نے کہا کہ میں پانی لے کر حضورؐ کے ساتھ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور آپؐ نے اپنا چہرہ مبارک دھویا۔ پھر اپنے جُبّے کی آستینوں سے اپنے ہاتھ نکالنے کی کوشش کی۔ مگر آستینیں تنگ ہونے کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ لہذا جُبّے کے نیچے سے ہاتھ باہر نکال لئے اور انہیں دھویا اور اپنے سر کا مسح فرمایا اور دونوں موزوں پر بھی مسح فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر گاہ میں واپس تشریف لائے تو عبدالرحمٰن بن عوف لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دوسری رکعت کو ان کے ساتھ ادا کیا۔ (اور رہ جانے والی کو امام کے سلام کے بعد اُٹھ کر ادا فرمایا۔ مسلم۔ ابوداؤد) پس لوگ گھبرا گئے (کہ انہوں نے حضورؐ کا انتظار کیوں نہ کیا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پوری کی تو فرمایا: تم نے اچھا کیا۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ روایت باب المسح علی الخفین میں آئی ہے۔

شرح: مسح علی الخفین کے جواز میں تمام سُنّی فقہاء کا اتفاق ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہؓ میں کوئی اختلاف مروی نہیں۔ محدثین کے نزدیک موزوں پر مسح کی احادیث متواتر ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسرے اصحاب پر فضیلت کو ماننا، عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کرنا اہل سنت وجماعت کی شرائط و علامات میں داخل ہے۔ بالکل یہی الفاظ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہیں۔ ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ مسح علی الخفین کے دلائل دن کی روشنی کی مانند ہیں۔ خوارج و روافض کے سوا اس کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ امام محمدؒ نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ مقیم کے لئے مسح علی الخفین کے قائل نہ تھے۔ مگر حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ امت میں صرف دو خوش قسمت انسان ایسے تھے جن کی اقتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ ایک ابوبکر صدیق اور دوسرے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما۔ یہ ایک بہت عظیم فضیلت تھی، جو انہیں حاصل ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ کو امامت کے لئے کھڑا کرنے کا باعث یہ تھا کہ اندھیرا دور ہو چکا تھا اور ڈر تھا کہ مزید انتظار کے باعث نماز ہی میں سورج طلوع ہو جائے گا۔

۴۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، اَنَّهُمَا اَخْبَرَاهُ اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَدِمَ الْكُوفَةَ عَلَى سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ، وَهُوَ اَمِيرُهَا، فَرَاٰهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ. فَاَنْكَرَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ. فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: سَلْ اَبَاكَ اِذَا قَدِمْتَ عَلَيْهِ. فَقَدِمَ عَبْدُ اللهِ، فَنَسِيَ اَنْ يَسْاَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ، حَتّٰى قَدِمَ سَعْدٌ. فَقَالَ: اَسَاَلْتَ اَبَاكَ؟ فَقَالَ: لَا. فَسَاَلَهُ عَبْدُ اللهِ. فَقَالَ عُمَرُ: اِذَا اَدْخَلْتَ رِجْلَيْكَ فِي الْخُفَّيْنِ، وَهُمَا طَاهِرَتَانِ، فَامْسَحْ عَلَيْهِمَا. قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَاِنْ جَاءَ اَحَدُنَا مِنَ الْغَائِطِ؟ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ. وَاِنْ جَاءَ اَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص کے پاس گئے جب کہ وہ وہاں امیر تھے اور عبداللہ نے سعدؓ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ تو اس کی بنا پر ان پر معترض ہوئے۔ سعدؓ نے کہا کہ جب تم مدینہ جاؤ تو اپنے والد سے پوچھنا۔ پس عبداللہ واپس آئے تو حضرت عبداللہؓ حضرت عمرؓ سے یہ پوچھنا بھول گئے۔ حتیٰ کہ سعدؓ مدینہ میں آئے تو ان سے سوال کیا کہ کیا تم نے اپنے باپ سے پوچھا؟ عبداللہؓ نے کہا کہ نہیں۔ پھر عبداللہ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب تو اپنے پاؤں موزوں میں اس حالت میں داخل کرے کہ وہ پاک ہوں (یعنی پورا وضو کر لیا ہو) تو پھر ان پر مسح کرتا رہ۔ عبداللہؓ نے کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے لوٹے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! اگرچہ تم میں سے کوئی رفع حاجت کرنے کے بعد آئے۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمدؒ میں بھی متعلقہ باب میں مروی ہے۔)

شرح: جلیل القدر، قدیم الہجرت اور عظیم المرتبت صحابی ہونے کے باوجود عبداللہ بن عمرؓ پر یہ مشہور و معروف سنت مخفی رہی اس کا مطلب یہ ہے کہ امت میں سے ہر شخص کو ہر مسئلے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ خود عبداللہ بن عمرؓ سے حضور کے سفر میں موزوں پر مسح کرنے کی روایت ابن شیبہ نے مصنف میں بیان کی ہے۔ عینی اور قسطلانی نے شروح بخاری میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ابن عمرؓ کا انکار حضر کے بارے میں تھا نہ کہ سفر کے متعلق۔ لیکن یہ مشکل پھر بھی باقی رہتی ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات موزوں کی مسح کی مدت روایت کی ہے (طبرانی) بہرحال مسح علی الخفین کی بہت سی صحیح

روایات کے مقابلے میں زیر نظر مرسل حدیث کی اتنی اہمیت نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بَالَ فِي السُّوْقِ۔ ثُمَّ تَوَضَّاَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ رَاْسَهُ۔ ثُمَّ دُعِيَ لِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا حِيْنَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ، ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے بازار میں پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا اور اپنا مُنہ دھویا اور ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا۔ پھر انہیں ایک جنازے کی نماز پڑھانے کے لئے بلایا گیا جب کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ پس انہوں نے موزوں پر مسح کیا۔ اور نماز جنازہ پڑھائی۔ (یہ اثر موطا امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔ اس اثر میں یہ صراحت نہیں کہ جنازہ کی نماز داخل مسجد میں تھی یا خارج میں۔)

شرح: بازار میں بول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ایسی جگہ بول کیا جو اس کام کے لئے بنائی گئی تھی۔ موطائے امام محمدؒ کی روایت میں سر کے مسح کا ذکر بھی موجود ہے۔ وقت کی قلت یا کسی اور ضرورت کے باعث ابن عمرؓ نے صرف فرائض وضو پر اکتفا کیا۔ اسی طرح موزوں کا مسح بھی یا تو بھول گئے یا کسی عذر سے مؤخر کیا۔ مسجد کے اندر موزوں کے مسح میں کوئی کراہت نہیں۔ لیکن وضو مکروہ ہے۔ ہاں اگر کوئی جگہ اس مقصد کے لئے مقرر ہو تو جائز ہے۔ جیسا کہ ہمارے دیار میں ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ابن عمرؓ نے اعضاء وضو میں موالات کو ملحوظ نہ رکھا۔ مالکیہ اور حنابلہ موالات کو فرض کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ اثر ان کے مسلک کے خلاف ہے۔

۷۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رُقَيْشٍ، اَنَّهُ قَالَ: رَاَيْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَتٰى قُبَاءَ فَبَالَ۔ ثُمَّ اُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ۔ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ وَمَسَحَ بِرَاْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔ ثُمَّ جَاءَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى۔

۷۹۔ قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّاَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ، ثُمَّ لَبِسَ خُفَّيْهِ، ثُمَّ بَالَ، ثُمَّ نَزَعَهُمَا، ثُمَّ رَدَّهُمَا فِي رِجْلَيْهِ۔ اَيَسْتَاْنِفُ الْوُضُوْءَ؟ فَقَالَ لِيَنْزِعْ خُفَّيْهِ، وَلْيَغْسِلْ رِجْلَيْهِ۔ وَاِنَّمَا يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ مَنْ اَدْخَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ بِطُهْرِ الْوُضُوْءِ۔ وَاَمَّا مَنْ اَدْخَلَ رِجْلَيْهِ فِي الْخُفَّيْنِ وَهُمَا غَيْرُ طَاهِرَتَيْنِ بِطُهْرِ الْوُضُوْءِ، فَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

قَالَ: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَوَضَّاَ وَعَلَيْهِ خُفَّاهُ، فَسَهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، حَتّٰى جَفَّ وُضُوْءُهُ وَصَلّٰى۔ قَالَ: لِيَمْسَحْ عَلٰى خُفَّيْهِ، وَلْيُعِدِ الصَّلٰوةَ وَلَا يُعِيْدُ الْوُضُوْءَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ غَسَلَ قَدَمَيْهِ، ثُمَّ لَبِسَ خُفَّيْهِ، ثُمَّ اسْتَاْنَفَ الْوُضُوْءَ۔ فَقَالَ: لِيَنْزِعْ

خُفَّيْهِ، ثُمَّ لِيَتَوَضَّأْ، وَلْيَغْسِلْ رِجْلَيْهِ۔

ترجمہ: انس بن مالکؓ قباء ہیں گئے اور بول کیا۔ پھر پانی لایا گیا اور انہوں نے وضو کیا۔ پس مُنہ اور ہاتھ دھوئے کہنیوں سمیت۔ اور اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر مسجد میں گئے اور نماز پڑھی۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں موجود ہے۔)

شرح: اس اثر کی روایت ہیں گزشتہ اثر کی طرح شاید راوی نے اختصار سے کام لیا اور صرف فرائضِ وضو کا ذکر کیا۔ یا ان حضرات نے صرف فرائض پر اکتفا کیا تھا کیونکہ وضو تو اس طرح بھی ہو جاتا ہے۔ ان آثار سے معلوم ہوا کہ خوارج نے جو مسح علی الخفین کو منسوخ کیا ہے۔ یہ محض ان کا زعم باطل ہے۔ حضرات صحابہ حضورؐ کے بعد بھی اس پر عامل رہے۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر آدمی نماز کا وضو کرے اور موزے پہن لے۔ پھر بول کرے اور موزے اتار دے۔ پھر دوبارہ انہیں پہن لے، تو کیا ازسرِ نو وضو کرے؟ امام نے جواب دیا کہ وہ موزے اتار دے پھر وضو کرے۔ اور پاؤں دھوئے اور موزوں پر مسح صرف وہ شخص کرے جو پاؤں کو وضو کی طہارت سے پاک کر کے موزوں میں داخل کرے لیکن جو شخص پاؤں کو غیر طاہر ہونے کی حالت میں، یعنی مکمل وضو کی طہارت کے بغیر موزوں میں داخل کرے تو وہ موزوں پر مسح نہ کرے۔

امام مالکؒ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر کسی نے وضو کیا اور اس نے موزے پہنے ہوئے تھے اور وہ موزوں پر مسح کرنا بھول گیا حتیٰ کہ اس کا وضو سوکھ گیا، اور اس نے نماز پڑھ لی۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ موزوں پر مسح کرے اور نماز لوٹائے، وضو نہ لوٹائے۔

اور امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے پاؤں دھوئے اور موزے پہن لئے پھر شروع سے وضو کیا۔ امام نے کہا کہ وہ موزے اتار دے پھر وضو کرے اور پاؤں دھوئے۔ (امام مالک کے یہ فتاویٰ موطا امام محمدؒ میں نہیں آئے۔ البتہ وہاں عروہؓ کا ایک اثر موجود ہے جس میں موزوں کے اوپر کی طرف اور عمامہ اٹھا کر سر پر مسح کا ذکر ہے۔ یہ اثر موطائے مالکؒ میں اگلے باب میں آتا ہے۔)

شرح: ان مسائل میں حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ جو امام مالکؒ کے جوابات ہیں ہے۔ سوائے آخری مسئلے کے کہ حنفیہ کے نزدیک وضو میں موالات نہیں۔ گو مسنون ہے۔ پس اس کا وضو مع سمیت کامل ہو گیا۔ ہاں آخر میں موزوں پر مسح کرے۔

۹۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کے عمل کا باب

۸۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّهُ رَأَى أَبَاهُ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

قَالَ: وَكَانَ لَا يَزِيدُ إِذَا مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى أَنْ يَمْسَحَ ظُهُورَهُمَا وَلَا يَمْسَحُ بُطُونَهُمَا۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔ وہ موزوں کے مسح کے وقت صرف ان کے اوپر کی جانب مسح کرتے تھے نہ کہ نچلی جانب۔ (جیسا کہ اوپر گزرا یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: حنفی وحنبلی فقہا اس کے قائل ہیں کہ مسح موزوں کے صرف اوپر کی جانب کیا جائے۔ حضرت علیؓ سے ایک حدیث مرفوع اسی مضمون کی آئی ہے کہ اگر دین کا انحصار فقط عقل پر ہوتا تو موزوں کے باطن کو ظاہر کی نسبت مسح کا زیادہ مستحق جانتا۔ مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہرِ خفین پر ہی مسح فرماتے دیکھا تھا (ابوداؤد)۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ سے موزوں کے ظاہر و باطن ہر دو پر مسح منقول ہے

لیکن اگر کسی نے صرف باطن پر مسح کیا اور ظاہر کو چھوڑ دیا تو ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کے ایک قول میں صرف باطن کے مسح سے مسح ہو جاتا ہے اور یہی زہری سے منقول ہے مغنی ابن قدامہ میں کئی روایات مروی ہیں۔ جن سے موزوں کے صرف ظاہر کے مسح کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک ہاتھ کی اکثر یعنی تین انگلیوں سے مسح ہو جاتا ہے۔

۸۱ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ كَيْفَ هُوَ؟ فَأَدْخَلَ ابْنُ شِهَابٍ إِحْدَى يَدَيْهِ تَحْتَ الْخُفِّ، وَالْأُخْرَى فَوْقَهُ، ثُمَّ أَمَرَّهُمَا۔

قَالَ يَحْيَى: قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ ابْنِ شِهَابٍ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے ابن شہابؒ زہری سے مسح کی کیفیت دریافت کی تو ابن شہابؒ نے اپنا ایک ہاتھ موزے کے نیچے ڈالا اور ایک ہاتھ اس کے اُوپر۔ پھر ان دونوں کو پھیرا۔ امام مالکؒ نے فرمایا ابن شہابؒ کا قول موزوں سے متعلق سُنی ہوئی صورتوں میں سے مجھے محبوب تر ہے۔

شرح: مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اس پر مختصر گفتگو ہو چکی ہے۔

۱۰۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّعَافِ

نکسیر کا باب

۸۲ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا رَعَفَ، انْصَرَفَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى وَلَمْ يَتَكَلَّمْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کو جب نکسیر پھوٹ پڑتی تو باہر چلے جاتے اور وضو کرتے۔ پھر آکر پہلی پڑھی ہوئی نماز سے آگے پڑھتے اور کلام نہ کرتے۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مسلک ان روایات پر مبنی ہے جنہیں امام مالکؒ نے بیان فرمایا ہے۔ مگر خود امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اگر کسی کو نماز میں نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ خون کو دھوئے اور نماز کو از سرِ نو شروع کرے۔ حنفیہ کا مسلک ابن عمرؓ اور سعید المسیبؒ کے آثار پر ہے کہ نکسیر پھوٹنے والا باہر جا کر وضو کرے اور واپس آکر اپنی پہلی نماز پر بنا کرے۔ بشرطیکہ اس نے بات نہ کر لی ہو۔ امام مالکؒ کے مسلک کی تفصیل میں کچھ اور باتیں بھی کہی گئی ہیں جو ہمارے موضوع سے اس وقت خارج ہیں۔

۸۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، كَانَ يَرْعُفُ فَيَخْرُجُ فَيَغْسِلُ الدَّمَ عَنْهُ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَبْنِي عَلَى مَا قَدْ صَلَّى۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کو جب نکسیر پھوٹتی تو مسجد سے باہر نکل جاتے، خون دھوتے اور واپس آکر اپنی

پہلی نماز پر بنا کرتے تھے۔

شرح: یہ اثر وضو سے ساکت ہے۔ لہٰذا یہ سمجھا گیا ہے کہ ابن عباسؓ کا مذہب اس مسئلہ میں امام مالک جیسا ہے۔ علمائے ابن عباسؓ کے مذہب کے بیان میں اختلاف کیا ہے مُغنی اور الشرح الکبیر میں ان کا مذہب یہ بیان ہُوا ہے کہ نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ خون کی قلت وکثرت بیں مختلف حکم کے قائل تھے پہلی صورت میں وضو باقی ہے مگر دوسری میں ٹوٹ گیا۔

۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّهُ رَأَى سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ رَعَفَ وَهُوَ يُصَلِّي، فَأَتَى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ. ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى عَلَى مَا قَدْ صَلَّى۔

ترجمہ: سعید المسیبؒ کو نماز پڑھتے ہوئے نکسیر پھوٹ پڑی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں آئے۔ پس ان کے پاس پانی لایا گیا تو انھوں نے وضو کیا۔ پھر واپس گئے اور اپنی پہلی پڑھی نماز پر بنا کی۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں موجود ہے۔)

نوٹ۔ المغنی اور الشرح الکبیر میں سعیدؒ کا مذہب یہی بیان ہُوا ہے کہ نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

شرح: اُمّ المومنینؓ اس وقت زندہ نہ تھیں۔ سعیدؒ اس خیال سے کہ زیادہ آمد و رفت نہ ہو، وہاں چلے گئے۔ کیونکہ وہ جگہ مسجد کے بالکل قریب تھی۔ مصنف عبدالرحمٰن میں سعید کا قولی اثر بھی مروی ہے۔ جو ان کے اس فعل کا مؤید ہے۔ معلوم ہُوا کہ نکسیر سعیدؒ کے نزدیک ناقضِ وضو تھی۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل فضل المعبود میں ملے گی۔

۱۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الرُّعَافِ

نکسیر کے کچھ اور مسائل کا باب

۴۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ سَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ يَرْعُفُ، فَيَخْرُجُ مِنْهُ الدَّمُ حَتَّى تَخْتَضِبَ أَصَابِعُهُ مِنَ الدَّمِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنْ أَنْفِهِ ثُمَّ يُصَلِّي، وَلَا يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن حرملہ اسلمی نے کہا کہ میں نے سعید بن المسیب کی نکسیر پھوٹتی دیکھی۔ پس اُن کا خون نکل آتا حتیٰ کہ ناک سے نکلنے والے خون سے ان کی انگلیاں رنگین ہو جاتیں۔ مگر پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھ لیتے۔

شرح: اس باب میں امام مالکؒ نے اپنے مذہب کے معمول میں کچھ مسائل کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق نکسیر سے ہے۔ سعیدؒ کا مذہب اوپر بیان ہو چکا۔ اوپر کی روایت کا راوی یزید عبداللہ اس اثر کے راوی عبدالرحمٰن بن حرملہ سے ثقہ تر ہے۔ لہٰذا اس کی روایت کو اس وجہ سے بھی ترجیح حاصل ہے۔ سعیدؒ کا قولی و فعلی مذہب یہی تھا کہ نکسیر ناقض وضو ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔

۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْمُجَبَّرِ، أَنَّهُ رَأَى سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَخْرُجُ

مِنْ اَنْفِهِ الدَّمُ حَتّٰى تَخْتَضِبَ اَصَابِعُهُ، ثُمَّ يَفْتِلُهُ، ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہ کی ناک سے خون نکلتا حتیٰ کہ اس کی انگلیاں رنگی جاتیں۔ پھر وہ اسے مل دیتے، پھر نماز پڑھتے، اور وضو نہ کرتے۔ (موطا امام محمد کی روایت کے مطابق راوی نے سالم بن عبداللہ کو اپنی ناک میں انگلی ڈالتے دیکھا۔ پھر جب انہوں نے انگلی نکالی تو اس پر کچھ خون تھا۔ لہذا انہوں نے اسے انگلیوں میں مل دیا اور پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔)

شرح: امام محمد نے اس اثر کے متعلق فرمایا ہے کہ انگلی ناک میں ڈال کر کچھ خون کا نشان انگلی پر لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ خون بہنے والا اور ٹپکنے والا نہیں اور اس سے وضو نہیں جاتا۔ یہ دو روایات حنفیہ اور مالکیہ میں اس بنا پر متفق علیہما ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک تو قلت خون کی بنا پر وضو نہیں ٹوٹتا اور مالکیہ نکسیر سے وضو ٹوٹنے کے قائل ہی نہیں۔ اثر نمبر ۵۰ کو ہم قلت پر اس لئے محمول کرتے ہیں کہ سعید کی دیگر قولی و فعلی روایات کے خلاف نہ رہے۔

١٢۔ بَابُ الْعَمَلِ فِيْمَنْ غَلَبَهُ الدَّمُ مِنْ جُرْحٍ اَوْ رُعَافٍ

باب جس شخص پر زخم یا نکسیر کے خون کا غلبہ ہو جائے

٨٠۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَهُ، اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِيْ طُعِنَ فِيْهَا۔ فَاَيْقَظَ عُمَرَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ۔ فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ۔ وَلَاحَظَّ فِي الْاِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ۔ فَصَلّٰى عُمَرُ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَمًا۔

ترجمہ: جس دن حضرت عمر بن الخطاب زخمی ہوئے، مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ وہ ان کے ہاں گئے اور جناب عمر کو صبح کی نماز کے لئے جگایا۔ حضرت عمر نے فرمایا، ہاں نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حال میں نماز پڑھی کہ ان کے زخم سے بکثرت خون بہ رہا تھا۔

شرح: ایک شقی ازلی ابولؤلؤ فیروز نامی مجوسی نے نماز فجر میں حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور کئی اور اشخاص کو بھی زخمی کیا تھا۔ جب اسے قابو میں آ جانے کا یقین ہو گیا تو اسی دو دھاری خنجر سے خودکشی کر کے داخل جہنم ہو گیا تھا۔ حضرت عمر کا خون بہت بہ گیا تھا۔ لہذا ان پر غشی طاری تھی۔ لیکن جب پکارا گیا، اَلصَّلٰوةُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، تو وہ فوراً ہوش میں آ کر وہ نقرہ فرمائے جو اوپر درج ہیں۔ جناب عمر کی یہ حالت معذوری کی تھی۔ اور اس سے وضو کے جانے نہ جانے کا سوال خارج از بحث ہے۔ عنوان باب میں غلبۂ دم کے لفظ میں خود یہ واضح صراحت موجود ہے۔

٨١۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِيْمَنْ غَلَبَهُ الدَّمُ مِنْ رُعَافٍ فَلَمْ يَنْقَطِعْ عَنْهُ؟ قَالَ مَالِكٌ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ: ثُمَّ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: اَرٰى اَنْ يُّوْمِئَ بِرَاْسِهِ اِيْمَاءً۔

قَالَ يَحْيٰى: قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ، اِلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب نے کہا کہ جس پر نکسیر کے خون کا غلبہ ہو جائے اور وہ بند نہ ہو سکے، اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ پھر سعیدؒ نے کہا کہ میری رائے ہیں وہ سر کے اشارے سے نماز پڑھے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلے میں یہ پسندیدہ ترین بات ہے جو میں نے سُنی۔ (الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ یہ روایت موطا امام محمدؒ میں موجود ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے ان روایات پر جو کلام فرمایا ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر سر کے اشارے سے خون تھم جاتے یا نہ آئے تو اشارہ کرے۔ اگر خون کسی طرح نہ تھمے تو پھر اشارہ نہ کرے۔ (کیونکہ اس سے مقصد حاصل نہ ہوگا۔)

١٣۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَذْيِ

مذی سے وضو کا باب

٨٩۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ، مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ، اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اَمَرَهٗ اَنْ يَّسْاَلَ لَهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ، اِذَا دَنَا مِنْ اَهْلِهٖ، فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْيُ، مَاذَا عَلَيْهِ؟ قَالَ عَلِيٌّ: فَاِنَّ عِنْدِيْ اِبْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْاَلَهٗ. قَالَ الْمِقْدَادُ: فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: "اِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهٗ بِالْمَاءِ، وَلْيَتَوَضَّاْ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ".

ترجمہ: مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالبؓ نے اسے حکم دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھوں کہ آدمی جب اپنی بیوی کے قریب جائے اور اس کی مذی خارج ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟ علیؓ نے کہا کہ میرے ہاں حضورؐ کی بیٹی ہے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ مقدادؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی یہ چیز پائے تو اپنی شرمگاہ کو پانی سے دھو ڈالے پھر نماز کے وضو جیسا وضو کرے۔ (موطا امام محمد میں یہ حدیث بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَذْيِ میں آئی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہی ہمارا مسلک ہے۔ مذی جہاں لگی ہو اسے دھو ڈالے اور نماز کے لئے وضو کرے۔ یعنی مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر غسل کی حاجت نہیں ہوتی۔

٩٠۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: اِنِّيْ لَاَجِدُهٗ يَنْحَدِرُ مِنِّيْ مِثْلَ الْخُرَيْزَةِ. فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْيَغْسِلْ ذَكَرَهٗ، وَلْيَتَوَضَّاْ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ. يَعْنِي الْمَذْيَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں مذی کو اپنے سے موتی کی مانند گرتا ہوا پاتا ہوں۔ پس تم سے کوئی جب اسے پائے تو اپنی شرمگاہ کو دھو ڈالے اور وضو کرے جیسا کہ نماز کے لئے کرتا ہے۔ (موطا امام محمد میں بھی یہ اثر موجود ہے۔)

۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ جُنْدُبٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْمَذْيِ، فَقَالَ: إِذَا وَجَدْتَهُ، فَاغْسِلْ فَرْجَكَ، وَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: جندب نے عبداللہ بن عمرؓ سے مذی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب تو اسے پائے تو اپنی شرمگاہ کو دھو ڈال اور نماز کے وضو جیسا وضو کرلے۔ (موطا امام محمد میں بھی متعلقہ باب میں یہ اثر موجود ہے۔)

۱۴۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْوُضُوءِ مِنَ الْوَدْيِ

ودی سے وضوء نہ کرنے کی رخصت کا بیان

۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ سَمِعَهُ وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ: إِنِّي لَأَجِدُ الْبَلَلَ وَأَنَا أُصَلِّي، أَفَأَنْصَرِفُ؟ فَقَالَ لَهُ سَعِيدٌ: لَوْ سَالَ عَلَى فَخِذِي مَا انْصَرَفْتُ حَتّٰى أَقْضِيَ صَلَاتِي۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ نے سُنا کہ سعید بن المسیب سے ایک آدمی پوچھ رہا تھا کہ میں تری پاتا ہوں جب کہ نماز پڑھتا ہوا ہوں کیا میں نماز کو ترک کردوں؟ سعید نے کہا اگر وہ میری ران پر بہ جائے تو بھی نماز پوری کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔

شرح: اس سے مراد یہی لیا جاسکتا ہے کہ اس شخص کو محض شک تھا نہ کہ یقین۔ جیسا کہ آئندہ اثر میں آرہا ہے اور شک سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بغوی نے یہی کہا ہے۔ امام مالکؒ نے اسے سلسل المذی پر محمول کیا ہے، یعنی وہ بیماری جس میں مذی مسلسل بہتی رہے اور بند نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ شخص معذور ہوگا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن المسیب کا مذہب یہی تھا کہ مذی گو ٹپک پڑے یا بہ جائے، اس سے طہارت زائل نہیں ہوتی۔ امام مالکؒ کے نزدیک سلسل البول یا سلسل المذی سے وضو نہیں ٹوٹتا جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر بوجہ معذوری شافعیؒ کے نزدیک وہ شخص ہر نماز کے لئے اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے۔ اور آئندہ نماز تک وہ اس سے ہر عبادت ادا کرسکتا ہے۔ جمہور کا مذہب ان احادیث پر مبنی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استحاضہ کے متعلق وارد ہیں۔

۹۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ زُيَيْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنِ الْبَلَلِ أَجِدُهُ، فَقَالَ: انْضَحْ مَا تَحْتَ ثَوْبِكَ بِالْمَاءِ، وَالْهُ عَنْهُ۔

ترجمہ: صلت بن زبید نے کہا کہ میں نے سلیمان بن یسار سے تری کے متعلق پوچھا جس کو میں پاؤں۔ پس اس نے کہا کہ اپنے کپڑے

(یہ اثر موطائے امام محمد میں موجود ہے۔)
کے نیچے پانی سے دھو ڈال اور اس سے غافل ہو جا۔

شرح: امام محمد نے اس پر لکھا ہے کہ جب یہ صورت زیادہ بار پیش آئے اور اس کے متعلق اسے شیطان شک میں ڈالے تو اس کا یہی علاج ہے۔ النضح کا لفظ غسل کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس سے مراد غسل خفیف بھی ہے اور یہ بھی کہ دفع وسوسہ کے لئے کپڑے یا اس سے نیچے جسم پر پانی چھڑک دیں اور پھر اسے بھلانے کی سعی کریں۔ اس اثر میں مذی کی صراحت نہیں۔ اس کے باوجود اسے اس باب میں رکھا گیا ہے۔ شاید امام مالکؒ کے نزدیک تری سے مراد مذی کی تری ہو۔ یا ان کے نزدیک مذی اور بول کی تری کا ایک ہی حکم ہو۔

١٥۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الْفَرْجِ

شرم گاہ کو چھونے سے وضوء کا باب

٩٤۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، اَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ: دَخَلْتُ عَلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، فَتَذَاكَرْنَا مَا يَكُوْنُ مِنْهُ الْوُضُوْءُ. فَقَالَ مَرْوَانُ: وَمِنْ مَسِّ الذَّكَرِ الْوُضُوْءُ. فَقَالَ عُرْوَةُ: مَا عَلِمْتُ هٰذَا. فَقَالَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ: اَخْبَرَتْنِيْ بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: "اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّاْ"

ترجمہ: عروہ بن زبیرؓ کہتے تھے کہ میں مروان بن الحکم کے پاس گیا اور ہم نے باہم ان چیزوں کا ذکر کیا جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو مروان نے کہا کہ مجھ کو بسرہ بنتِ صفوان نے بتایا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ جب تم میں کوئی اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔ موطا امام محمد میں یہ حدیث نہیں آئی۔ مصعب بن سعدؓ اور ابن عمرؓ کے آثار آئے ہیں جن سے مسِ ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر امام محمدؒ نے اس کے خلاف ایک مرفوع حدیث اور پندرہ آثار روایت کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وضو واجب نہیں ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔)

شرح: شاہ ولی اللہؒ نے اس حکم وضو کو استحباب اور احتیاط پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ بہت سے اصحابؓ کے آثار اس کے برعکس ہیں۔ اس روایت کی سند پر کافی گفتگو ہوئی ہے۔ مروان بن الحکم کی روایت کے قابلِ اعتبار ہونے میں بھی کلام ہے۔ یہ حدیث عروہ نے بسرہؓ سے نہیں سُنی، بلکہ مروان کے واسطے سے سنی ہے۔ عروہ کا سماع مروان سے ہوا ہے یا نہیں، یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے پھر امام مالکؒ نے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت کی ہے جو متکلم فیہ ہے۔ اگر یہ روایت ثابت بھی ہو تو یہ چیز مشکوک ہے کہ ایک ایسا مسئلہ جو خالصتہً مردوں سے متعلق ہے۔ اس کی روایت ایک عورت کرتی ہے۔ یہ مسئلہ ایسا تھا کہ اس میں لوگ بالعموم مبتلا ہوتے ہیں اور اس میں اس قسم کی خبرِ واحد جیسی کہ یہ ہے از روئے اصولِ فقہ وحدیث لائق اعتبار نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں بہت سے دلائل اس کے خلاف موجود ہیں۔ آخر ذکر کو ہی کیوں ناقض وضو قرار دیا گیا ہے؟ کیا ایک عورت اپنی شرمگاہ کو اگر چھوئے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا؟ پھر یہ سوال بھی ہے کہ کیا ذکر رانوں سے اور دیگر اعضائے

جسم سے مَس کرتا ہے یا نہیں؟ پھر اس سے وضو کیوں نہیں ٹوٹ جاتا؟ نیز عضو ہونے کے لحاظ سے اس میں اور دیگر اعضاء میں کیا فرق وامتیاز ہے؟ پھر احادیث میں سے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ اگر مرد اپنی دُبُر کو مَسّ کرے یا عورت اپنی قُبُل کو مَس کرے تو ان کے وضو کا کیا حال ہوگا؟ امام محمدؒ نے اپنے موطا میں اپنی روایت سے ایک مرفوع حدیث طلق بن علیؓ سے درج کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسِ ذکر کا مسئلہ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تیرے جسم کا ہی ایک حصّہ ہے۔ پھر امام محمدؒ نے ابن عباسؓ سعید بن المسیبؒ، عطاءؒ بن ابی رباح، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابراہیم نخعی، حذیفہ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوالدرداءؓ سعد بن ابی وقاصؓ کے آثار وفتاوی روایت کئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسِ ذکر سے وضو نہیں۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں لغت کا سہارا لے کر یہ کہا ہے کہ فرج کا لفظ ذکر دُبُر اور عورت کی شرم گاہ کو مشتمل ہے۔ مگر یہ بات واضح ہے کہ احادیث وآثار میں کہیں ذکر کے سوا اور لفظ نہیں آیا۔ اس حدیث کے مصداق میں بھی فقہاء ومحدثین کا بے پناہ اختلاف ہے۔ جس کی موجودگی میں اس پر عمل ممکن نہیں ہے۔ ہم نے سنن ابی داؤد کی شرح فضل المعبود میں اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

۹۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ مُصْعَبِ ابْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُمْسِكُ الْمُصْحَفَ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَاحْتَكَكْتُ۔ فَقَالَ سَعْدٌ: لَعَلَّكَ مَسِسْتَ ذَكَرَكَ؟ قَالَ: فَقُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ: قُمْ فَتَوَضَّأْ. فَقُمْتُ، فَتَوَضَّأْتُ ثُمَّ رَجَعْتُ۔

ترجمہ: مصعب بن سعدؓ بن ابی وقاص نے کہا ہے کہ میں سعد بن ابی وقاص کے لئے قرآن کا نسخہ تھامے رہتا تھا۔ پس ایک بار میں نے کھجلایا۔ تو سعدؓ نے کہا کہ شاید تُو نے اپنی شرم گاہ کو چھوا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ سعدؓ نے کہا کہ اُٹھ اور وضو کر۔ پس میں اُٹھا اور وضو کیا اور واپس آیا۔ (امام محمدؒ نے اپنے موطا میں یہ اثر درج کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے سعدؓ سے اس باب میں ایک روایت درج کی ہے کہ ایک شخص کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر تو سمجھتا ہے کہ تیرے جسم کا کوئی عضو نجس ہے تو اسے قطع کردے۔ امام طحاویؒ نے اسی مصعب بن سعدؓ سے دو روایات نقل کی ہیں ایک میں ہے کہ سعدؓ نے مصعبؒ کو مٹی سے ہاتھ صاف کرنے کو حکم دیا۔ اور دوسری میں ہے کہ ہاتھ دھونے کا حکم دیا۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ موطا کی روایت میں جو وضو کا لفظ ہے، اس سے مراد لغوی وضو ہوگا یعنی ہاتھ دھونا۔ پس زرقانی کا یہ قول کہ یہاں بظاہر وضو شرعی ہی مراد ہے، اتنا وزنی نہیں ہے۔ احادیث میں معنی شائع ہے۔ جیسا کہ آگ چھوئی ہوئی چیزوں سے وضو کے ذکر میں گزرا کہ اس سے مراد ہاتھ دھونا اور اچھی طرح کلی کرنا ہے۔ اکہ گوشت وغیرہ کی چربی زائل ہو جائے۔

۹۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے، جب تم میں سے کوئی اپنی شرمگاہ کو مَس کرے تو وہ وضوء کرے، کیونکہ اس پر وضو واجب ہوگیا۔

۹۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ۔

ترجمہ: عروہؒ کہتے تھے کہ جو اپنے ذکر کو مس کرے اس پر وضو واجب ہے۔

۹۸۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ أَبِي، عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، يَغْتَسِلُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ۔ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَتِ! أَمَا يُجْزِئُكَ الْغُسْلُ مِنَ الْوُضُوءِ؟ قَالَ: بَلٰی۔ وَلٰكِنِّي أَحْيَانًا أَمَسُّ ذَكَرِي، فَأَتَوَضَّأُ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہؒ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ عبداللہؓ کو غسل کرتے پھر وضو کرتے دیکھا۔ میں نے کہا: ابا جان، کیا غسل کے ہوتے ہوئے وضو بے ضرورت نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ لیکن کبھی کبھی میں اپنے ذکر کو مس کرتا ہوں، لہذا میں وضو کرتا ہوں۔

۹۹۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ، فَرَأَيْتُهُ، بَعْدَ أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ، تَوَضَّأَ ثُمَّ صَلّٰی۔ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّ هٰذِهِ لَصَلَاةٌ مَا كُنْتَ تُصَلِّيهَا۔ قَالَ: إِنِّي بَعْدَ أَنْ تَوَضَّأْتُ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ مَسِسْتُ فَرْجِي۔ ثُمَّ نَسِيتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ فَتَوَضَّأْتُ، وَعُدْتُ لِصَلَاتِي۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہ نے کہ میں ایک سفر میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد میں نے انہیں وضو کرتے پھر نماز پڑھتے دیکھا، تو کہا، آپ یہ نماز پہلے تو نہ پڑھتے تھے۔ پس انہوں نے کہا کہ میں نے نماز صبح کے وضو کے بعد اپنی شرم گاہ کو چھو لیا تھا۔ پھر وضو کرنا بھول گیا تھا۔ پس اب میں نے وضو کر کے اپنی نماز لوٹائی ہے۔

شرح: اوپر ہم نے مؤطائے امام محمدؒ سے ایک مرفوع حدیث اور ابن عباسؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، عمار بن یاسرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو الدرداؓ کے علاوہ سعیدؒ، عطاؒ، ابراہیم نخعی جیسے تابعین کے آثار بیان کیے ہیں۔ منصف مزاج دیکھ سکتے ہیں کہ زیادہ وزن کس طرف ہے۔ امام مالکؒ نے سعدؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عروہؒ کے آثار بیان کیے ہیں۔

۱۶۔ بَابُ الْوُضُوءِ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ

مرد اپنی بیوی کا بوسہ لے، تو اس سے وضو ٹوٹنے کا باب

۱۰۰۔ حَدَّثَنِی يَحْيٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِيهِ عَبْدِ اللّٰهِ

ابنِ عُمَرَ، اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَاتَهُ، وَجَسُّهَا بِيَدِهِ، مِنَ الْمُلَامَسَةِ. فَمَنْ قَبَّلَ امْرَاتَهُ، اَوْجَسَّهَا بِيَدِهِ، فَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ مرد کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ سے چھونا ملامسہ میں سے ہے۔ جو اپنی عورت کا بوسہ لے یا اسے اپنے ہاتھ سے چھوئے تو اس پر وضو واجب ہے۔

شرح: یہ مسئلہ بھی علماء میں مختلف فیہ ہے۔ الشرح الکبیر میں اور المغنی میں ہے کہ اس مسئلہ میں امام احمدؒ سے تین روایات ہیں۔ اور انہی پر علماء کے مذاہب بیان کئے جا سکتے ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ عورت کے مَس سے وضو مطلقاً ٹوٹ جاتا ہے اور یہ مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ مس کرنے سے ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ بقولِ ابن قدامہ یہی حنابلہ کا مشہور مذہب ہے۔ امام مالکؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور سفیان ثوریؒ کا یہی مذہب ہے۔ تیسری روایت کے مطابق اس سے وضو بالکل نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی اور سبب پایا جائے مثلاً مذی وغیرہ، تو باعث وہ ہوگا نہ کہ مس۔ امام ابوحنیفہؒ کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی مذہب ہے مسئلے کی اصل بنیاد قرآنی الفاظ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ ہیں۔ ان کی تفسیر پر ہی اس مسئلے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے اس کی تفسیر دو طرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ مُلَامَسَتْ سے مراد صرف چھونا ہے اور چھیڑنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجامعت ہے۔ کیونکہ یہ لفظ مُلَامَسَتْ بابِ مفاعلہ سے ہے اور وہ ہر دو طرف سے ہوتا ہے۔ یہ معنیٰ ابن عباسؓ، علیؓ، حسنؒ، قتادہؒ سے مروی ہے۔ جیسے کہ تفسیر خازن میں ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا، اللہ تعالیٰ حیادار ہے۔ کریم ہے اور جماع کو بطور کنایہ مُلَامَسہ کے لفظ سے بیان کرتا ہے۔ شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس تفسیر کو کئی وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔ ایک یہ کہ حبر الامت، ترجمان القرآن، بحر تفسیر ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔ دوسری یہ کہ یہ تفسیر بابِ مفاعلہ کی حقیقت پر مبنی ہے اور تیسری یہ کہ بہت سی احادیث اس کی مؤید ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث اُمّ المومنین عائشہ سلام اللہ علیہا کی ہے، جو صحاح میں مروی ہے کہ حضورؐ صلوٰۃ اللیل پڑھتے تھے اور میں آپ کے سامنے جنازے کی مانند پڑی ہوتی تھی۔ جب وتر کا ارادہ کرتے تو مجھے چھوتے تھے۔ (نسائی۔ اس کی سند صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اور حافظ زیلعی نے کہا)۔ ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ بعض ازواج کا بوسہ لیتے اور پھر وضو کئے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اس معنیٰ کی حدیث ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے اور ابوداؤد نے اسے عروۃ المزنی کی روایت سے بھی نقل کیا ہے، جو اس کا دوسرا طریق ہے۔ صحاح کی کئی روایات میں صلوٰۃ اللیل میں حضورؐ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پاؤں سے مس کرنا وارد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی ئی روایات میں جو صحیح ہیں، یہ مضمون وارد ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اسے حضورؐ کی خصوصیت کہنا بے دلیل ہے اور تکلف کی بات ہے۔

۱۰۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَاتَهُ الْوُضُوْءُ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتے تھے، مرد اپنی عورت کا بوسہ لے تو وضو کرنا آتا ہے۔

شرح: شاید بطورِ احتیاط و اولویت کہا ہوگا۔ تفصیل اوپر گزری۔

۱۰۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ الْوُضُوْءُ۔ قَالَ نَافِعٌ: قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ۔

ترجمہ: ابن شہابؒ کہتے تھے کہ مرد کا اپنی عورت کا بوسہ لینا وضو کو لازم کرتا ہے۔

۱۷۔ بَابُ الْعَمَلِ فِیْ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

غسل جنابت کے عمل کا باب

۱۰۳۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ، إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ، بَدَأَ بِغَسْلِ يَدَيْهِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ، ثُمَّ يُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ، فَيُخَلِّلُ بِهَا أُصُوْلَ شَعْرِهِ۔ ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ۔

ترجمہ: عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو شروع میں ہاتھ دھو کر نماز کے وضو جیسا وضو کرتے۔ پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈال کر اپنے بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے۔ پھر اپنے ہاتھوں سے تین بار سر پر پانی ڈالتے۔ اور پھر اپنے تمام جسم پر پانی بہاتے تھے۔ (امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں غسل جنابت کی ترکیب میں ابن عمرؓ کا ایک فعلی اثر روایت کیا ہے جس میں کچھ زائد تفصیل آئی ہے۔ اور آنکھوں میں چھینٹے مارنے کا ذکر بھی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور مالک بن انسؒ اور عامۃ علما کا یہی مذہب ہے سوائے آنکھوں میں پانی ڈالنے کے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ابن عمرؓ میں بعض مسائل کے متعلق کچھ غلو اور تشدّد تھا۔ شاید آنکھوں کے اندر تک پانی ڈالنا اسی جہت سے ہو۔)

۱۰۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ إِنَاءٍ، هُوَ الْفَرَقُ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ: عائشہ اُمّ المومنینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل جنابت فرماتے تھے۔ یہ برتن ... ہوتا تھا۔

شرح: یہ حدیث اس بات سے خاموش ہے کہ پورا برتن پانی سے بھر کر خرچ کر ڈالتے تھے یا برتن بھرا ہوا نہ ہوتا تھا۔ یا اگر بھرا ہوتا تھا تو اس میں کتنا پانی استعمال فرماتے تھے۔ یہ برتن بعض روایات کے مطابق گلٹ کا (ملی جلی دھاتوں کا) تھا۔ ابن عمرؓ پیتل کے اس قسم کی دھات کے برتن سے پانی کے استعمال کی کراہت آئی ہے۔ شاید اس کی ایک خاص بُو کے باعث تنزیہاً ایسا کرتے ہوں۔ محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ وضو یا غسل میں کسی معیّن مقدار کا وجوب بالاجماع مشروط نہیں ہے۔ لیکن وضو میں ایک مُد سے کم اور غسل میں ایک صاع سے کم مقدار پانی کی نہ ہو۔

۱۰۵- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَاَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدِهِ الْيُمْنٰى، فَغَسَلَهَا. ثُمَّ غَسَلَ فَرْجَهُ. ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ. ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَنَضَحَ فِيْ عَيْنَيْهِ. ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى، ثُمَّ الْيُسْرٰى. ثُمَّ غَسَلَ رَاْسَهُ. ثُمَّ اغْتَسَلَ، وَاَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب جنابت سے غسل کرتے تو ابتداءً دائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اسے دھوتے۔ پھر اپنی شرمگاہ کو دھوتے۔ پھر کلی کرتے اور ناک صاف کرتے۔ پھر منہ دھوتے اور آنکھوں کے اندر پانی کے چھینٹے مارتے۔ پھر دایاں ہاتھ دھوتے پھر بایاں ہاتھ دھوتے (یعنی کہنیوں سمیت) پھر اپنا سر دھوتے۔ پھر غسل کرتے اور اپنے اُوپر پانی بہاتے۔ (مؤطا امام محمدؒ میں یہ اثر مروی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ امام مالکؒ سے بھی منقول ہے کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالنے میں اس اثر پر عمل نہیں ہے۔)

۱۰۶- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَائِشَةَ سُئِلَتْ عَنْ غُسْلِ الْمَرْاَةِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَتْ لِتَحْفِنْ عَلٰى رَاْسِهَا ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ مِنَ الْمَاءِ، وَلْتَضْغَثْ رَاْسَهَا بِيَدَيْهَا.

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ اُم المومنین عائشہؓ سے عورت کے غسل جنابت کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالے اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے ملے۔

شرح: تین چلو پانی کا عدد معین نہیں ہے۔ بعض احادیث میں عورتوں کے لئے پانچ چلو کا ذکر آیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ حسب ضرورت ایسا کیا جائے۔ عورتوں کے سر کے بال کم وبیش ہوتے ہیں۔ اور مینڈھیاں وغیرہ بھی بعض حالات میں ہوتی ہیں۔

۱۸- بَابُ وَاجِبُ الْغُسْلِ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

دو شرمگاہوں کے ملاپ سے غسل واجب ہونے کا باب

۱۰۷- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَعَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: اِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہا کرتے تھے، جب دو شرمگاہوں کا ملاپ ہوگیا تو غسل واجب ہوگیا۔ (امام محمدؒ نے مؤطا میں باب اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ هَلْ يَجِبُ الْغُسْلُ میں یہ فتویٰ بیان فرمایا ہے کہ جب دو شرمگاہیں مل جائیں، ایک دوسری میں گھل مل جائیں اور مرد کے ذکر کا سر غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوگیا۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

شرح: دوسری احادیث کی رُو سے التقاء سے یہاں مراد تجاوز ہے کہ ایک دوسرے میں غائب ہوجائے۔ اگر صرف مَس ہو اور تجاوز نہ ہو تو بالاجماع غسل واجب نہیں ہوتا۔ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کی رخصت پہلے تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ جماع حقیقی سے ہی غسل اور بصورتِ زنا حدّ شرعی واجب ہے بعض لوگوں کو نسخ معلوم نہ تھا پھر حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس مسئلہ پر اجماع ہوگیا۔ اب سوائے داؤد ظاہریؒ کے کسی کا اس میں اختلاف نہیں اور اس اختلاف کی اجماع کے آگے کوئی حقیقت نہیں ہے۔

۱۰۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا يُوجِبُ الْغُسْلَ؟ فَقَالَتْ: هَلْ تَدْرِي مَا مَثَلُكَ يَا أَبَا سَلَمَةَ؟ مَثَلُ الْفَرُّوجِ، يَسْمَعُ الدِّيَكَةَ تَصْرُخُ، فَيَصْرُخُ مَعَهَا۔ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھا کہ غسل کس چیز سے واجب ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا اے ابوسلمہ! تجھے معلوم ہے کہ تیری مثال کیا ہے؟ تیری مثال چُوزے کی مانند ہے۔ جو مرغوں کو چیختا دیکھے تو ان کے ساتھ چیخنا شروع کردے۔ جب مرد کی شرم گاہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہوجائے تو غسل واجب ہوگیا۔ (یہ روایت بھی مؤطائے محمد میں موجود ہے۔)

شرح: حضرت اُم المومنینؓ نے یہ اس لئے کہا ہے کہ تیرے جیسے کم عمروں کو ایسے مسائل پوچھنا روا نہیں۔ تُو تو ایک چھوٹا سا چوزہ ہے۔ جو مرغوں کو چلاتا دیکھ کر شور مچاتا ہے۔ چھوٹوں کو بڑوں کے خاص مسائل میں دخل دینا اچھا نہیں۔ پھر اسے مسئلہ بتا بھی دیا۔ شاید کسی قرینے سے اُمّ المومنینؓ نے معلوم فرما لیا تھا کہ سائل کا منشا یہ ہے اور سائل وجوب غسل کی ہر صورت نہیں پوچھتا۔ بعض مدّعیانِ عدم تقلید نے حافظ ابن عبدالبرؒ کی اندھی تقلید میں جو مطلب بیان کیا ہے، گو طرزِ بیان تمسخر اور تعقب پر مبنی ہے۔ مگر وہ خود ان کے مقلّدِ جامد ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ مجتہد کے سوا ہر کوئی مقلّد ہے۔ ہم نے ایسا کوئی غیر مقلّد نہیں دیکھا جو عملاً اپنے فرقے کے چند متعصب ملّاؤں کا مقلّد نہ ہو۔ اگر کوئی حقیقی غیر مقلّد ہے تو ہم اس کی زیارت سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔

۱۰۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ أَتَى عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهَا: لَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ اخْتِلَافُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرٍ، إِنِّي لَأُعْظِمُ أَنْ أَسْتَقْبِلَكِ بِهِ۔ فَقَالَتْ: مَا هُوَ؟ مَا كُنْتَ سَائِلًا عَنْهُ أُمَّكَ فَسَلْنِي عَنْهُ۔ فَقَالَ: الرَّجُلُ يُصِيبُ أَهْلَهُ ثُمَّ يُكْسِلُ وَلَا يُنْزِلُ؟ فَقَالَتْ إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔ فَقَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ: لَا أَسْأَلُ عَنْ هٰذَا أَحَدًا بَعْدَكِ أَبَدًا۔

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں حاضر ہوئے اور

کہا کہ ایک معاملے میں مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف شاق گزرتا ہے۔ میں وہ بات آپ سے بالمشافہ پوچھنے کو بھی سنگین بات سمجھتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، وہ بات کیا ہے؟ جس بات کو تو اپنی ماں سے پوچھ سکتا ہے وہ مجھ سے پوچھ (کہ میں اہل ایمان کی ماں ہوں اور اس رشتے میں تو میرا بیٹا ہے) ابو موسیٰؓ نے کہا کہ مرد جب اپنی گھر والی سے خاص ملاقات کرے پھر سستی پڑ جائے اور انزال نہ ہو (تو اس کا کیا حکم ہے) اُم المومنینؓ نے فرمایا، جب شرم گاہ (یعنی مرد کی) عورت کی شرم گاہ میں چلی گئی تو غسل واجب ہو گیا۔ پس ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ میں (یہ مسئلہ) آپ کے بعد کسی اور سے کبھی نہ پوچھوں گا۔

شرح: یعنی آپ حضورؐ کی خلوت وجلوت کی رازدان ہیں۔ اور یہ مسئلہ آپ سے بڑھ کر اور کوئی کیا بتائے گا؟ لہٰذا یہ فتویٰ حرفِ آخر ہے۔

۱۱۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ، مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، أَنَّ مَحْمُودَ بْنَ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيَّ، سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ أَهْلَهُ ثُمَّ يُكْسِلُ وَلَا يُنْزِلُ؟ فَقَالَ زَيْدٌ: يَغْتَسِلُ۔ فَقَالَ لَهُ مَحْمُودٌ: إِنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ، كَانَ لَا يَرَى الْغُسْلَ۔ فَقَالَ لَهُ زَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ: إِنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ نَزَعَ عَنْ ذٰلِكَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ۔

ترجمہ: محمود بن لبید انصاریؓ نے زید بن ثابت انصاریؓ سے اس مرد کے متعلق پوچھا جو اپنے گھر والوں سے جماع کرے پھر سستی پڑ جائے اور انزال نہ ہو (تو اس کا حکم کیا ہے؟) زیدؓ نے کہا کہ وہ غسل کرے۔ محمودؓ نے کہا کہ اُبی بن کعبؓ کے نزدیک اس سے غسل نہ آتا تھا۔ اس پر زیدؓ نے کہا کہ اُبی بن کعبؓ نے اس خیال سے موت سے قبل رجوع کر لیا تھا۔ (یہ اثر مؤطائے محمد میں بھی مروی ہے۔)

۱۱۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ، فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔

ترجمہ: نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے، جب شرم گاہ شرم گاہ میں تجاوز کر گئی تو غسل واجب ہو گیا۔

شرح: شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جن احادیث میں التقائے ختانین کا لفظ آیا ہے ان سے مراد یہی ہے جو اس اثر میں اور دوسرے آثار میں وارد ہے۔ اسی طرح مس کا معنی بھی یہی ہے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ میں مُلامست سے بھی حنفیہ دلائلِ شرع کی بنا پر ہی جماع مراد لیتے ہیں۔ بحث اوپر گزری۔

۱۹۔ بَابُ وُضُوءِ الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ أَوْ يَطْعَمَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ

جب جنبی غسل سے پہلے سونا چاہے یا کھانا چاہے تو اس کے وضو کا باب

۱۱۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ

ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ يُصِيبُهُ جَنَابَةٌ مِنَ اللَّيْلِ. فَقَالَ لَهُ
فَقَالَ رَسُولُ اللهِ "تَوَضَّأْ، وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ، ثُمَّ نَمْ"

ترجمہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ رات کو انہیں جنابت ہوتی ہے۔ (تو کیا کریں) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کر، اپنی شرم گاہ کو دھو ڈال اور پھر سو جا۔ (موطا سے امام محمدؒ میں یہ حدیث بَابُ الرَّجُلِ يُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ آئی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی نے وضو نہ کیا اور شرم گاہ کو نہ دھویا تو اس میں بھی حرج نہیں۔ پھر عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کی حدیث درج کی جس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ پس اس حدیث کا حکم اولیٰ و استحباب پر مبنی ہے اور دوسری حدیث پر عوام کے لئے عمل کرنا آسان تر ہے۔ وضو سے مراد شرعی نہ ہو تو احادیث میں بالکل ہی اختلاف نہ رہے گا۔ جیسا کہ ابن عمرؓ کا عمل ابھی آیا چاہتا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ پانی چھوئے بغیر حالت جنابت میں سو جاتے تھے۔ (یعنی احیاناً)۔

۱۱۳۔ وحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: إِذَا أَصَابَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ، فَلَا يَنَمْ حَتَّى يَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ و مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ جب تم میں سے کوئی عورت سے مقاربت کرے۔ پھر غسل سے قبل سونا چاہے تو نماز کے وضو جیسا وضو کئے بغیر نہ سوئے۔ (یعنی استحباباً جمہور کے نزدیک۔)

۱۱۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ، أَوْ يَطْعَمَ وَهُوَ جُنُبٌ، غَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ طَعِمَ، أَوْ نَامَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب حالت جنابت میں سونا یا کھانا چاہتے تو اپنا منہ اور ہاتھ دھو لیتے کہنیوں سمیت اور سر کا مسح کر لیتے۔ پھر کھاتے یا سو جاتے۔

شرح: ابن عمرؓ کے پاؤں دھونے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ گویا یہ شرعی وضو نہ تھا محض لغوی وضو تھا اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پاؤں کسی عذر سے نہ دھوئے ہوں گے۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

۲۰۔ بَابُ إِعَادَةِ الْجُنُبِ الصَّلٰوةَ، وَغُسْلُهُ إِذَا صَلَّى وَلَمْ يَذْكُرْ، وَغُسْلُهُ ثَوْبَهُ

جنبی بھول کر نماز پڑھے تو یاد آنے پر غسل کرے اور کپڑا دھوئے

۱۱۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، کَبَّرَ فِی صَلٰوۃٍ مِنَ الصَّلَوٰتِ ثُمَّ اَشَارَ اِلَیْھِمْ بِیَدِہٖ اَنِ امْکُثُوْا۔ فَذَھَبَ، ثُمَّ رَجَعَ وَعَلٰی جِلْدِہٖ اَثَرُ الْمَآءِ۔

ترجمہ: عطا بن یسارؒ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں تکبیر تحریمہ کہی پھر لوگوں کو ہاتھ کا اشارہ فرمایا کہ ٹھہر جائیں۔ پھر تشریف لے گئے اور جب واپس ہوئے تو آپؐ کے جسم پر پانی کی علامات تھیں۔ (مؤطا محمد میں باب الحدث فی الصلوٰۃ میں آئی ہے۔)

شرح: یہ فجر کی نماز تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد اور ابن حبان کی روایت میں صراحت ہے۔ مؤطا کی یہ روایت مرسل ہے۔ جسے ابوداؤد نے ابوبکرہ کی حدیث سے متصل کیا ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم اور ابوداؤد ونسائی میں زہری کے طریق سے ابوہریرہؓ سے مروی ہے صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے ابھی تکبیر کہی ہی نہ تھی۔ صرف اس کا ارادہ فرمایا تھا۔ اب یا تو یہ دو واقعے تھے۔ یا یہ کہا جائے گا کہ مؤطا کی روایت میں کَبَّرَ سے مراد ہے اَرَادَ اَنْ یُکَبِّرَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المعصومین تھے۔ مگر کبھی کبھی امت کی رہنمائی کے لئے اور سنت قائم فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات ہونے دیتا تھا۔ پھر حضورؐ کو جلد ہی یاد آگیا اور پھر طہارت کے بعد برآمد ہوئے۔ امام محمد کے نزدیک اس حدیث کا تعلق جنابت سے نہیں بلکہ نماز میں وضو ٹوٹ جانے کے ساتھ ہے۔ چنانچہ وہ اس روایت کو باب الحدث فی الصلوٰۃ میں لائے ہیں۔ اور اس میں امر کی صراحت بھی نہیں کہ آپ نے جنبی ہونے کا ذکر کیا ہو۔ اور جسم پر پانی کے آثار غسل کی مانند وضو سے بھی ہو سکتے ہیں۔ علامہ قرطبی مالکی نے کہا کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ حدیث چونکہ اصل صلوٰۃ کے خلاف ہے لہذا انہوں نے اسے حضورؐ کی خصوصیت بتایا ہے۔ پس اس حدیث کا قصہ وہ نہیں ہے جو صحیحین کی احادیث کا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ نے نماز شروع کر دی تھی اور صحابہ کو نماز میں ہی ٹھہرے رہنے کا حکم دیا تھا اور واپس تشریف لا کر پہلی نماز پر بنا کی تھی تو یہ اصول صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ کیونکہ پہلی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ جب امام غیر طاہر ہو تو نہ اس کی نماز ہوتی ہے نہ مقتدی کی اور تمام دلائل شرع کا یہی تقاضا ہے۔

۱۱۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ھِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ، عَنْ زُبَیْدِ بْنِ الصَّلْتِ، اَنَّہٗ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِلَی الْجُرُفِ، فَنَظَرَ فَاِذَا ھُوَ قَدِ احْتَلَمَ، وَصَلّٰی وَلَمْ یَغْتَسِلْ۔ فَقَالَ وَاللّٰہِ مَا اَرَانِیْ اِلَّا احْتَلَمْتُ وَمَا شَعَرْتُ، وَصَلَّیْتُ وَمَا اغْتَسَلْتُ، قَالَ: فَاغْتَسَلَ، وَغَسَلَ مَا رَاٰی فِیْ ثَوْبِہٖ وَنَضَحَ مَا لَمْ یَرَ، وَاَذَّنَ اَوْ اَقَامَ، ثُمَّ صَلّٰی بَعْدَ ارْتِفَاعِ الضُّحٰی مُتَمَکِّنًا۔

ترجمہ: زبید بن صلت نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ جُرف کی طرف نکلا تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ انہیں احتلام ہوا تھا اور انہوں نے غسل کے بغیر نماز پڑھی۔ پس انہوں نے کہا۔ واللہ میرا خیال یہ ہے کہ مجھے احتلام ہوا تھا اور اس کا علم نہ ہوا۔ لہذا بلا غسل ہی نماز پڑھ لی۔ راوی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے غسل فرمایا اور جو کچھ اپنے کپڑے پر دیکھا، اُسے دھو ڈالا اور جہاں کوئی چیز نظر نہ آئی وہاں چھینٹے مارے۔ پھر اذان اور اقامت کہلائی اور آفتاب بلند ہونے پر اطمینان سے نماز ادا کی۔

شرح: جہاں کچھ نظر نہ آیا وہاں چھینٹے دینا از راہِ احتیاط و استحباب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احتلام کا شک

کپڑا دیکھ کر پڑا تھا۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ جسے احتلام یاد نہ ہو، مگر کپڑا دیکھ کر اس کا ظن غالب ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہے۔ اس میں صرف امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک ایسی صورت میں غسل مستحب ہے۔ جمہور کے نزدیک منی نجس ہے اور کپڑے سے دھوئی جائے گی صحاح کی احادیث میں اس کے کپڑے سے دھونے کا اور اگر خشک ہو اور غلیظ ہو تو کھرچ دینے کا حکم ہے حضورؐ کے غسل کے ذکر میں صحاح میں صراحت ہے کہ خاص مقامات دھونے کے بعد مزید طہارت و نظافت کی غرض سے مٹی پر ہاتھ ملتے تھے۔ اگر منی پاک ہوتی تو اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اوپر حضرت عمرؓ کی حدیث گزری ہے کہ حضورؐ نے انہیں شرمگاہ دھونے اور وضو کرکے رات کو بحالتِ جنابت سونے کا حکم دیا تھا۔ اگر منی پاک ہوتی تو اس حکم کا مطلب کیا ہے؟ مرفوع احادیث کے علاوہ بہت سے آثار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل دیکھئے فضل المعبود میں۔

۱۱۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَدَا إِلَى أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ، فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَامًا. فَقَالَ: لَقَدِ ابْتُلِيتُ بِالِاحْتِلَامِ مُنْذُ وُلِّيتُ أَمْرَ النَّاسِ. فَاغْتَسَلَ، وَغَسَلَ مَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ مِنَ الِاحْتِلَامِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام جُرف میں اپنی زمین کی طرف تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے اپنے کپڑے میں احتلام دیکھا تو فرمایا، جب سے لوگوں کے معاملات کا منتظم ہوا ہوں (گھر والوں سے قلتِ ملاقات کے باعث) احتلام میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ پھر آپ نے غسل کیا اور کپڑے پر جہاں احتلام کا اثر تھا، اسے دھویا۔ پھر سورج چڑھ آنے کے بعد نماز ادا کی۔

شرح: جُرف مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک وادی تھی۔ لوگوں کے معاملات میں دن رات کی مصروفیت کے باعث حضرت عمرؓ کو گھر والوں سے ملنے کا موقع کم ملتا تھا۔ یہی چیز انہوں نے فرمائی ہے۔

۱۱۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّى بِالنَّاسِ الصُّبْحَ. ثُمَّ غَدَا إِلَى أَرْضِهِ بِالْجُرُفِ. فَوَجَدَ فِي ثَوْبِهِ احْتِلَامًا. فَقَالَ: إِنَّا لَمَّا أَصَبْنَا الْوَدَكَ لَانَتِ الْعُرُوقُ. فَاغْتَسَلَ، وَغَسَلَ الِاحْتِلَامَ مِنْ ثَوْبِهِ وَعَادَ لِصَلَاتِهِ.

ترجمہ: سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ پھر مقام جُرف میں اپنی زمین پر گئے اور اپنے کپڑے پر احتلام (کا نشان) پایا۔ تو فرمایا کہ جب ہم گوشت کی چربی (یا چکنائی) استعمال کریں تو رگیں نرم ہو جاتی ہیں۔ پس انہوں نے غسل کیا اور اپنے کپڑے سے احتلام کا اثر دھویا اور نماز دہرائی۔

شرح: ان آثار میں جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعادہ صلوٰۃ کا ذکر ہے مگر مقتدیوں کے حکم سے یہ خاموش ہیں۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب حضرت علیؓ، محمد بن سیرینؒ اور شعبی سے مروی ہے کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔ مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ

کا مذہب یہ ہے کہ امام کی نماز باطل اور مقتدیوں کی صحیح ہوگئی۔ (گو یہ اصولِ صلوٰۃ کی رُو سے تعجب خیز مسلک ہے؟ جب جڑ ہی نہیں تو فروع کا سوال کیا ہے؟) امام شافعیؒ نے تو یہاں تک کہا کہ اگر بالفرض امام عمداً ایسا کرے، تب بھی مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی۔ اس اثر کی جو روایت مصنف عبدالرزاق میں ہے، اس میں اس امر کی تصریح ہے کہ مقتدیوں سے نماز دوبارہ پڑھوائی گئی تھی۔ ابن مسعودؓ کا قول بھی یہی ہے۔ غرض زیربحث آثار زیادہ سے زیادہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ مقتدیوں کے اعادے سے خاموش ہیں اور بس۔ اور اتنی سی بات سے اتنا بڑا مسئلہ طے نہیں ہو جاتا کہ امام کی نماز باطل ہو تو مقتدیوں کی صحیح ہو جاتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ "امام ذمہ دار ہے"۔ جب امام کی نماز جڑ سے نہ ہو تو اس کی ذمہ داری کیا رہی؟ یہ حدیث مسند احمد، سنن ابی داؤد، اور جامع ترمذی میں ہے۔ بعض نے اس کی سند میں اضطراب بتایا ہے۔ مگر اسی سند سے مسلم نے ۱۴ حدیثیں روایت کی ہیں۔ کیا وہ سب مضطرب ہیں؟ ہم نے شرح ابی داؤد میں مزید گفتگو کی ہے۔

۱۱۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَاطِبٍ، أَنَّهُ اعْتَمَرَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فِي رَكْبٍ فِيهِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ۔ وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَرَّسَ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ، قَرِيبًا مِنْ بَعْضِ الْمِيَاهِ۔ فَاحْتَلَمَ عُمَرُ، وَقَدْ كَادَ أَنْ يُصْبِحَ، فَلَمْ يَجِدْ مَعَ الرَّكْبِ مَاءً۔ فَرَكِبَ، حَتّٰى جَاءَ الْمَاءَ۔ فَجَعَلَ يَغْسِلُ مَا رَأَى مِنْ ذٰلِكَ الْاِحْتِلَامِ، حَتّٰى أَسْفَرَ۔ فَقَالَ لَهُ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: أَصْبَحْتَ وَمَعَنَا ثِيَابٌ، فَدَعْ ثَوْبَكَ يُغْسَلُ۔ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: وَاعَجَبًا لَكَ يَا عَمْرُو بْنَ الْعَاصِ! لَئِنْ كُنْتَ تَجِدُ ثِيَابًا أَفَكُلُّ النَّاسِ يَجِدُ ثِيَابًا؟ وَاللّٰهِ لَوْ فَعَلْتُهَا لَكَانَتْ سُنَّةً۔ بَلْ أَغْسِلُ مَا رَأَيْتُ، وَأَنْضِحُ مَا لَمْ أَرَ۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروقؓ نے سواروں کی ایک جماعت سمیت جس میں عمرو بن العاص بھی تھے، عمرہ ادا کیا۔ ان حضرات نے کسی چشمے کے قریب پچھلی رات کو آرام کیا اور حضرت عمرؓ کو احتلام ہوگیا۔ صبح ہونے کو تھی پانی جماعت کے پاس نہ تھا۔ حضرت عمرؓ سوار ہو کر ایک چشمے پر پہنچے اور احتلام کے اثرات کو کپڑے سے دھونے لگے۔ حتیٰ کہ خوب روشنی ہوگئی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ آپ نے بہت صبح کر دی اور ہمارے پاس کپڑے ہیں۔ کپڑا رہنے دیجئے پھر دھل جائے گا۔ پس حضرت عمر بن الخطابؓ نے خطاب فرمایا، اے ابن العاص! تجھ پر تعجب ہے۔ اگر تیرے پاس کپڑے ہیں تو کیا سب لوگوں کو کپڑے مل جاتے ہیں؟ واللہ اگر میں ایسا کروں (تیری بات مان لوں) تو یہ ایک سنت بن جائے گی۔ بلکہ میں جو نشان دیکھتا ہوں، اسے دھو ڈالتا ہوں اور جو نظر نہ آئے اسے خفیف طور پر دھو ڈالتا ہوں (یا دفع وسواس کے لئے پانی پھینک دیتا ہوں۔)

شرح: یہ اثر منی کی نجاست کو روز روشن کی طرح ثابت کر رہا ہے۔ اس سے امام شافعی کا وہ مسئلہ بھی کالعدم ہو گیا کہ امام اگر اس حالت میں عمداً بھی نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہے۔ یحییٰ بن عبدالرحمٰن راوی حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا یہاں یہ اثر منقطع ہے۔ مگر یہی اثر مصنف عبدالرزاق میں وارد ہے اور اس میں یحییٰ کی روایت اپنے باپ سے ہے اور وہ

اس واقعہ کا راوی ہے۔ پس انقطاع نہ رہا۔

۱۲۰۔ قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ وَجَدَ فِي ثَوْبِهِ أَثَرَ احْتِلَامٍ، وَلَا يَدْرِي مَتَى كَانَ، وَلَا يَذْكُرُ شَيْئًا رَأَى فِي مَنَامِهِ. قَالَ: لِيَغْتَسِلْ مِنْ أَحْدَثِ نَوْمٍ نَامَهُ. فَإِنْ كَانَ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّوْمِ، فَلْيُعِدْ مَا كَانَ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ النَّوْمِ. مِنْ أَجْلِ أَنَّ الرَّجُلَ رُبَّمَا احْتَلَمَ، وَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَرَى وَلَا يَحْتَلِمُ. فَإِذَا وَجَدَ فِي ثَوْبِهِ مَاءً، فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ. وَذٰلِكَ أَنَّ عُمَرَ أَعَادَ مَا كَانَ صَلَّى، لِآخِرِ نَوْمٍ نَامَهُ وَلَمْ يُعِدْ مَا كَانَ قَبْلَهُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص اپنے کپڑے پر احتلام کا نشان پائے اور اسے نہیں معلوم کہ کب لگا تھا، اور اسے خواب میں کچھ دیکھنا بھی یاد نہیں تو وہ غسل کرے اور سمجھے کہ یہ اس نیند میں ہؤا ہے جو میری موجودہ بیداری سے قبل تھی۔ اگر اس نے اس نیند کے بعد نماز پڑھی ہو تو اسے بھی لوٹائے۔ کیونکہ بارہا مرد کو احتلام ہوتا ہے اور وہ کچھ نہیں دیکھتا۔ اور کپڑوں وغیرہ پر نشان دیکھتا ہے مگر احتلام (یاد) نہیں ہوتا۔ پس جب وہ اپنے کپڑے پر منی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے وہ نماز لوٹائی تھی، جو اپنی بیداری سے پہلے کی آخری نیند تھی، اور انہوں نے پہلے کی کوئی نماز نہ لوٹائی تھی۔

۲۱۔ بَابُ غُسْلِ الْمَرْأَةِ إِذَا رَأَتْ فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ

عورت جب مرد جیسا خواب دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے

۱۲۱۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَرْأَةُ تَرَى فِي الْمَنَامِ مِثْلَ مَا يَرَى الرَّجُلُ، أَتَغْتَسِلُ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَعَمْ، فَلْتَغْتَسِلْ" فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ: أُفٍّ لَكِ! وَهَلْ تَرَى ذٰلِكِ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "تَرِبَتْ يَمِينُكِ. وَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟"

ترجمہ: اُمّ سلیمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر عورت خواب میں اس طرح دیکھے جس طرح مرد دیکھتا ہے تو کیا وہ غسل کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں وہ بھی غسل کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُمّ سلیم سے فرمایا، تجھ پر افسوس اور نفرین ہے۔ کیا عورت بھی یہ کچھ دیکھتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرا بھلا ہو، اگر ایسا نہیں تو والدہ سے بچے کی مشابہت کہاں سے ہوتی ہے؟

شرح: اس حدیث کہیں صرف حضرت عائشہؓ کا، کہیں صرف اُمّ سلمہؓ کا اور کہیں ہر دو کا ذکر آتا ہے۔ مسئلہ جو اس میں مذکور ہے وہ تو واضح ہے مگر امہات المومنینؓ کا انکار شاید اس لئے تھا کہ وہ احتلام سے محفوظ تھیں۔ یا عورتوں میں اس کا وقوع بالکل شاذ و نادر ہے۔ یا انھوں نے اُمّ سلیمؓ کو اس لئے ڈانٹا کہ اس بات پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی یا کم از کم نہیں ہونی چاہئے۔ پھر یہ بھی

یاد رہے کہ احتلام کا باعث صرف یہ نہیں کہ کوئی خواب میں وطی کا فعل دیکھے۔ اس کا باعث بسیار خوری، کسی وقت زیادہ گرم چیز کھا لینا، جسمانی کمزوری، اور تھکن وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنی بات تو ضرور ہے کہ امہات المومنینؓ کو سب ایسا نادروں کی مائیں قرار دیا گیا۔ لہٰذا وہ اس چیز سے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام اور اپنے عظیم مقام کے باعث محفوظ ہوں گی۔ ابن ماجہ کی روایت میں حضرت اُم سلمہؓ کا یہ قول، کہ اے اُم سلیم! تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا ہے، یہ بتاتا ہے کہ خواتین میں احتلام شاذ و نادر ہوتا ہوگا۔ اور بعض کو بالکل ہی نہ ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حضورؐ نے جو جواب دیا، اس کا منشا یہ تھا کہ اس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح مرد کا پانی نکلتا ہے اسی طرح عورت کا بھی نکلتا ہے اور بچے کی مشابہت کبھی باپ سے کبھی ماں سے اور کبھی ہر دو سے اسی سبب سے ہوتی ہے۔

۱۲۲۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ، إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ: "نَعَمْ. إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ"

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ابو طلحہ انصاریؓ کی بیوی اُم سلیم، رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ حق بیان کرتے ہوئے نہیں شرماتا۔ کیا اگر عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں جب وہ پانی دیکھے۔

شرح: حلّت و حرمت اور طہارت و نجاست کے مسائل بعض دفعہ نازک بھی اور باعث حیا بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے بعض دفعہ صراحتہً اور بعض دفعہ اشارے کنائے کے ساتھ بیان کرنے کی شرعی ضرورت ہوتی ہے۔ اُم سلیمؓ نے یہی بات کہی کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرتا ہے اور بندوں کو بھی حکم دیتا ہے کہ مسائل کو سمجھنے میں بے جا شرم و حیا کو کام میں نہ لائیں۔ گویا ایک نازک مسئلہ پوچھنے کا یہ عذر پہلے بیان کر دیا۔ تاکہ پتہ چلے کہ اس کا پوچھنا ناگزیر ہے۔

۲۲۔ بَابُ جَامِعِ غُسْلِ الْجَنَابَةِ

جنابت کی متفرق جامع احادیث

۱۲۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُغْتَسَلَ بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ، مَا لَمْ تَكُنْ حَائِضًا، أَوْ جُنُبًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ وہ حائضہ یا جنبی نہ ہو۔

شرح: امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں امام مالکؒ کی روایت سے بَابُ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ يَتَوَضَّآنِ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ میں عبداللہ بن عمرؓ کی ایک روایت درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرد عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے۔ اس پر کچھ گفتگو

اور گر رہی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ عورت کا مرد کے ساتھ ایک برتن سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان میں پہل کون کرے۔ غسل کے متعلق ابن عمرؓ کا جو فتویٰ زیر نظر اثر میں بیان ہوا ہے۔ اس پر شعبیؒ اور احمدؒ اور اوزاعیؒ کے سوا ائمہ فقہ و حدیث میں سے کسی نے صاد نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کو جائز کہا ہے۔ زیر بحث اثر کو امام محمدؒ نے مؤطا میں بَابُ الرَّجُلِ يَغْتَسِلُ أَوْ يَتَوَضَّأُ بِسُؤْرِ الْمَرْأَةِ میں روایت کرکے کہا ہے، کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل کرنے اس کے جھوٹے پانی سے غسل یا وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ عورت جنبی یا حائضہ ہو۔ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔ اور وہ بچے بعد دیگرے پانی لیتے تھے۔ پس یہ جُنبی عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل تھا۔ اور یہی قول ابوحنیفہؒ کا ہے۔ حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مسلم و کافر ہر دو کا بچا ہُوا پانی استعمال ہو سکتا ہے۔

۱۲۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَعْرَقُ فِي الثَّوْبِ وَهُوَ جُنُبٌ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کو بحالتِ جنابت کپڑوں میں پسینہ آتا تھا۔ پھر وہ اسی میں نماز پڑھتے تھے۔

شرح: جنابت والے کا پسینہ بالاتفاق پاک ہے۔ کیونکہ جنابت ایک حکمی نجاست ہے جس کا کپڑوں کو ملوث کرنا بے معنی ہے۔ صحیحین میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجَسُ۔ یہ ارشاد اس وقت ہُوا جبکہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے بحالتِ جنابت آپؐ کے پاس بیٹھنا پسند نہ کیا۔ المغنی میں ہے کہ عائشہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا دیگر فقہا سمیت یہی مذہب ہے۔

۱۲۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَغْسِلُ جَوَارِيهِ رِجْلَيْهِ وَيُعْطِينَهُ الْخُمْرَةَ، وَهُنَّ حُيَّضٌ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ لَهُ نِسْوَةٌ وَجَوَارٍ، هَلْ يَطَؤُهُنَّ جَمِيعًا قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِأَنْ يُصِيبَ الرَّجُلُ جَارِيَتَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَغْتَسِلَ۔ فَأَمَّا النِّسَاءُ الْحَرَائِرُ، فَيُكْرَهُ أَنْ يُصِيبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ الْحُرَّةَ فِي يَوْمِ الْأُخْرَى۔ فَأَمَّا أَنْ يُصِيبَ الْجَارِيَةَ، ثُمَّ يُصِيبُ الْأُخْرَى وَهُوَ جُنُبٌ، فَلَا بَأْسَ بِذٰلِكَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ جُنُبٍ، وُضِعَ لَهُ مَاءٌ يَغْتَسِلُ بِهِ، فَسَهَا، فَأَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِيهِ لِيَعْرِفَ حَرَّ الْمَاءِ مِنْ بَرْدِهِ۔ قَالَ مَالِكٌ: إِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَ إِصْبَعَهُ أَذًى، فَلَا أَرَى ذٰلِكَ يُنَجِّسُ عَلَيْهِ الْمَاءَ۔

ترجمہ: نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ کی لونڈیاں ان کے پاؤں دھوتی تھیں اور انہیں مصلیٰ پکڑاتی تھیں۔ حالانکہ وہ حالت حیض میں ہوتی تھیں۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی کی بیویاں اور لونڈیاں ہوں اور وہ غسل سے قبل سے وطی کرے تو کیسا ہے؟ مالک نے کہا کہ غسل سے پہلے لونڈی سے جماع کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر آزاد عورتوں کو ایک دوسری کی باری میں چھیڑنا مکروہ ہے۔ ایک لونڈی سے مقاربت کرکے پھر بحالت جنابت دوسری لونڈی سے جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی جنبی کے نہانے کے لئے پانی رکھا گیا اور اس نے بھول کر اس میں انگلی ڈال دی تاکہ یہ معلوم کرے کہ پانی گرم ہے یا ٹھنڈا ہے۔ تو امام مالکؒ نے کہا کہ اس کی انگلی نجس نہ ہو تو پانی خراب نہیں ہوتا۔ (کیونکہ جنابت نجاست حکمی ہے نہ کہ حقیقی۔)

شرح: اوپر گزر چکا ہے کہ ابن عمرؓ کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ زیر نظر اثر اس کے خلاف ہے شاید ابن عمرؓ کے نزدیک ہاتھ لگانا شہوت کے مقیّد ہو یا مرد کا عورت کو ہاتھ لگانا ممنوع ہو۔ اور عورت اسے لگائے تو جائز ہو۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جنابت اور حائضہ ہونا ایک حکمی نجاست ہے۔ ان سے ہر عضو نجس نہیں ہو جاتا۔ امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں یہ اثر روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرفوع حدیث درج کی ہے کہ وہ ماہواری ایام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کرتی تھیں۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ہمارے عام فقہا کا یہی قول ہے۔ امام مالکؒ کے فتوے کا مطلب صاف ہے کہ وہ کئی لونڈیوں کے ساتھ ایک غسل سے جماع جائز ٹھہراتے ہیں۔ مگر آزاد عورتوں میں چونکہ عدل واجب ہے۔ لہذا ان میں یہ سوال خارج از بحث ہے۔ صحیح احادیث میں بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت ہوا ہے۔ سو بعض نے کہا کہ حضورؐ پر عدل بین الازواج واجب نہ تھا گو آپ نے ہمیشہ عدل کیا اور یہ مذکورہ صورت اس سے مستثنیٰ تھی۔ جو کسی ضرورت سے مثلاً بعض احوال میں بیان جواز کے لئے تھی)۔ بعض کے نزدیک بصورت وجوب عدل یہ ان کی رضا سے ہوا تھا جس میں حرج نہیں۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ایک گھڑی ایسی تھی، جب کہ آپ سب ازواج کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور یہ صورت اس میں پیش آئی تھی۔ مگر صحیح احادیث کے ظاہری الفاظ اس آخری تاویل کے خلاف ہیں۔ اصل مسئلے میں حنفیہ و مالکیہ کا اتفاق ہے۔

۲۳۔ هٰذَا بَابٌ فِي التَّيَمُّمِ

تیمّم کا باب

بطور مجاز تیمّم کا لفظ ایک خاص قسم کے قصد وارادے کے لئے بولا جاتا ہے۔ ورنہ اصل لغت میں اس کا معنیٰ قصدٌ ارادہ ہے۔ شرع نے اسے ایک قسم کے ارادے اور فعل کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے چونکہ اس کے لغوی معنیٰ میں ہی قصد پایا جاتا ہے۔ لہذا حنفیہ کے نزدیک تیمّم میں نیّت شرط ہے۔ گو اس کے دونوں اصل یعنی وضو اور غسل میں نیّت شرط نہیں، صرف مسنون ہے۔ نیز تیمّم چونکہ ایک مکمل طہارت ہے، جو حقیقی طہارت یعنی غسل اور وضو کی بوقت حاجت شرعیہ قائم مقام ہے۔ لہذا اس میں نیت واجب ہوئی۔ تیمّم میں نیّت کی فرضیت پر اوزاعی کے سوا سب فقہا کا اجماع ہے۔ تیمّم کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور بروئے حدیث صحیح حضورؐ کی اُمت کے خصائص میں سے ہے۔ اس اُمّت سے پہلے کسی کے لئے تیمّم روا نہ تھا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا۔ پھر چاہے غسل کی حاجت کا قائم مقام ہو چاہے وضو کا، اس پر اتفاق ہے کہ تیمّم چہرے اور بازوؤں کے ساتھ خاص ہے۔ بعض ضمنی اختلافات کا ذکر آگے آتا ہے۔

١٢٦ حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ، أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ، انْقَطَعَ عِقْدٌ لِي. فَأَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ. وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ. وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ. فَقَالُوا: أَلَا تَرَى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ؟ أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِالنَّاسِ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ. وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي، قَدْ نَامَ. فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ. قَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ. وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، فَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَأْسِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى فَخِذِي. فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَى غَيْرِ مَاءٍ. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى آيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوا. فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ. قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ، فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے ایک سفر میں نکلے۔ حتیٰ کہ جب ہم بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے۔ تو میرا ایک ہار گم ہوگیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش کے لئے ٹھہر گئے وہاں پر پانی کا کوئی چشمہ نہ تھا اور لوگوں کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ پس لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کیا آپ دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے۔ وہ کسی پانی کے تالاب پر نہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر میری ران پر رکھ کر سوئے ہوئے تھے۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا اور اور لوگوں کو بھی۔ درآنحالیکہ نہ یہاں کوئی پانی کا چشمہ وغیرہ ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے عتاب کیا اور کہا جو اللہ نے چاہا۔ اور میرے پہلو میں کچوکے دیئے۔ اور میں صرف اس لئے حرکت نہ کرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک سوئے اور پانی موجود نہ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم اُتاری۔ اور لوگوں نے تیمم کیا۔ پھر اسید بن الحضیر نے کہا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر والو! یہ تمہاری پہلی برکت ہی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم نے اونٹ کو اٹھایا تو ہار اس کے نیچے پایا۔ (موطا امام محمد میں یہ حدیث "باب التیمم بالصعید" میں مروی ہے۔ امام محمد نے کہا کہ یہی ہمارا

مختار ہے اور تیمم دو ضربیں ہیں۔ ایک چہرے کے لئے اور دوسری ہاتھوں کے لئے۔)

شرح : اس حدیث پر ہم نے سنن ابی داؤد کی شرح میں مفصل گفتگو کی ہے۔ جو لائق دید ہے۔ یہ سفر غزوہ بنی المصطلق کا تھا جو شعبان ۵ھ میں یا بقول بخاری عن ابن اسحاق ۶ھ میں ہوا اور موسیٰ بن عقبہ نے اسے ۴ھ کا واقعہ بنایا ہے۔ اور واقعہ افک بھی اس غزوہ کے بعد پیش آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہار کی گم شدگی اس غزوہ میں دو مرتبہ ہوئی تھی۔ یا شاید یہ غزوہ ذات الرقاع کا قصہ تھا۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ یہ واقعہ دو غزوات میں پیش آیا۔ مگر اس صورت میں یہ بات تحقیق طلب رہے گی کہ آیا غزوہ ذات الرقاع میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ساتھ تھیں؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ اس غزوہ میں وہ ہمراہ نہ تھیں۔ واللہ اعلم شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ یہ بھی بعید نہیں کہ یہ قصہ مریسیع کا ہو۔ بیداء اس بلند سطح کا نام ہے جو ذوالحلیفہ کے سامنے واقع ہے۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے قصہ میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ ذات الجیش مدینہ سے ایک برید پر مقام عقیق سے سات میل پر واقع ہے۔ اور یہ شک کسی نچلے راوی کا ہے۔ یہ ہار دراصل ام المومنینؓ نے اپنی بہن اسماءؓ سے عاریۃً لے کر پہنا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد ادا نہیں فرمائی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تہجد آپ پر بھی فرض نہ تھی بلکہ نفل تھی۔ آیت تیمم سے مراد اگر آیت وضو (المائدہ کی آیت وضو) ہے تو اس کا پچھلا حصہ اترا ہوگا۔ جس میں تیمم کا ذکر ہے۔ اگر مراد سورۃ نساء کی آیت ہے، تو کوئی اشکال نہیں۔ بخاری نے تفسیر میں آیت مائدہ کا نزول بتایا ہے۔ اُسید بن حضیر کے قول کا مطلب یہ تھا کہ اے ابوبکرؓ کی بیٹی! تجھ پر جب بھی کوئی الجھن پڑی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے ایمان والوں کے لئے کسی آسان یا رخصت کے نزول کا سبب بنا دیا۔ قصہ افک میں بھی یہی ہوا تھا کہ بظاہر وہ اُم المومنینؓ پر ایک بڑی مصیبت کا باعث تھا۔ مگر انجام اس کا نہایت مبارک ہوا۔ اسحاق المسیبی کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ ہار کی برکت کتنی اچھی رہی۔

۱۲۶ (الف) وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَيَمَّمَ لِصَلٰوةٍ حَضَرَتْ صَلٰوةٌ أُخْرٰى، أَيَتَيَمَّمُ لَهَا أَمْ يَكْفِيهِ تَيَمُّمُهُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: بَلْ يَتَيَمَّمُ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔ لِأَنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَبْتَغِيَ الْمَاءَ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔ فَمَنِ ابْتَغَى الْمَاءَ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَإِنَّهُ يَتَيَمَّمُ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَيَمَّمَ، أَيَؤُمُّ أَصْحَابَهُ وَهُمْ عَلٰى وُضُوءٍ؟ قَالَ: يَؤُمُّهُمْ غَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ۔ وَلَوْ أَمَّهُمْ هُوَ لَمْ أَرَ بِذٰلِكَ بَأْسًا۔

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ تَيَمَّمَ حِينَ لَمْ يَجِدْ مَاءً، فَقَامَ وَكَبَّرَ، وَدَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ۔ فَطَلَعَ عَلَيْهِ إِنْسَانٌ مَعَهُ مَاءٌ؟ قَالَ: لَا يَقْطَعُ صَلٰوتَهُ، بَلْ يُتِمُّهَا بِالتَّيَمُّمِ، وَلْيَتَوَضَّأْ لِمَا يُسْتَقْبَلُ مِنَ الصَّلَوٰتِ۔

قَالَ يَحْيٰى قَالَ مَالِكٌ: مَنْ قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ، فَلَمْ يَجِدْ مَاءً، فَعَمِلَ بِمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهِ مِنَ التَّيَمُّمِ،

فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ. وَلَيْسَ الَّذِي وَجَدَ الْمَاءَ بِأَطْهَرَ مِنْهُ، وَلَا أَتَمَّ صَلٰوةً. لِأَنَّهُمَا أُمِرَا جَمِيعًا. فَكُلٌّ عَمِلَ بِمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهِ. وَإِنَّمَا الْعَمَلُ بِمَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْوُضُوءِ، لِمَنْ وَجَدَ الْمَاءَ. وَالتَّيَمُّمُ، لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ. قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ فِي الصَّلٰوةِ.

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ الْجُنُبِ: إِنَّهُ يَتَيَمَّمُ، وَيَقْرَأُ حِزْبَهُ مِنَ الْقُرْآنِ، وَيَتَنَفَّلُ، مَا لَمْ يَجِدْ مَاءً. وَإِنَّمَا ذٰلِكَ فِي الْمَكَانِ الَّذِي يَجُوزُ لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ بِالتَّيَمُّمِ.

ترجمہ: امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جس شخص نے ایک نماز کے لئے تیمّم کیا ہو، جب دوسری نماز کا وقت آئے تو آیا وہ از سرِ نو تیمّم کرے یا پہلا تیمّم اس کے لئے کافی ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ وہ ہر نماز کے لئے تیمّم کرے۔ کیونکہ اس پر لازم ہے کہ ہر نماز (کے وضو کے لئے) کے وضو کی خاطر پانی تلاش کرے۔ پانی تلاش کر کے جب نہ پائے تو تیمّم کرے۔

امام مالکؒ سے یہ بھی پوچھا گیا کہ تیمّم کرنے والا وضو کرنے والوں کا امام بن سکتا ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے پسند تر بات تو یہ ہے کہ کوئی دوسرا امام بنے۔ لیکن اگر وہی امام بنے تو میں اس کوئی حرج نہیں دیکھتا۔

امام مالکؒ نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے پانی نہ ملنے کے باعث تیمّم کیا۔ پھر نماز میں کھڑا ہوا اور تکبیر کہی اور نماز میں داخل ہو گیا۔ پھر ایک انسان اچانک وارد ہوا جس کے پاس پانی تھا تو مالکؒ نے کہا کہ وہ اپنی نماز قطع نہ کرے۔ بلکہ اسے تیمّم کے ساتھ ہی پورا کرے۔ اور آئندہ نماز کے لئے وضو کرے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے نماز کا ارادہ کیا اور پانی نہ پایا، پھر اللہ کے حکم کے مطابق تیمّم کر لیا۔ تو اس نے اللہ عزّ وجلّ کی اطاعت کی اور جس نے پانی پایا وہ اس سے زیادہ طاہر نہیں ہے۔ اور نہ اس کی نماز کامل تر ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو اللہ کا حکم ملا تھا۔ اور دونوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کے مطابق عمل کیا ہے اور وضو کا حکم صرف اس کے لئے ہے جو پانی کو پالے اور تیمّم کا حکم اس کے لئے جو پانی نہ پائے نماز میں داخل ہونے تک۔

امام مالکؒ نے جنبی شخص کے متعلق کہا کہ وہ تیمّم کرے اور قرآن میں سے اپنا وِرد پڑھے۔ اور جب تک پانی نہ پائے نفل بھی پڑھے یہ حکم اس کے لئے ہے جو ایسی جگہ پر ہو۔ جہاں اسے تیمّم سے نماز ادا کرنا جائز ہو۔

شرح: ایک تیمّم کے ساتھ دو فرض دو وقتوں میں ادا کرنے کو امام ابو حنیفہؒ نے جائز بتایا ہے۔ کیونکہ تیمّم وضو کا قائم مقام ہے اور مذکورہ صورت وضو میں بالاتفاق جائز ہے۔ امام احمدؒ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس سے روکا ہے۔ دو فرضوں کے ایک وقت میں ادا کرنے کا حکم بھی ان حضرات کے نزدیک مذکور، فتاویٰ کے مطابق ہے۔ پس ان عبارات میں سے پہلا مسئلہ اسی صورت کے بارے میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے نزدیک تیمّم چونکہ ایک طہارت ہے جس سے نماز جائز ہے۔ لہٰذا دوسری طہارتوں کے مانند اسے بھی نماز پر مقدم کرنا جائز ہے۔ بقول امام احمدؒ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ تیمّم طہارت جیسا ہے۔ جب تک آدمی پانی نہ پائے یا تیمّم ٹوٹ نہ جائے یہی ابن عباسؓ اور ابو جعفرؒ سے مروی ہے۔ اور [illegible] بن المسیب، الحسن، الزہری، اصحاب [illegible] ئے کا یہی مذہب ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب [illegible] ہے کہ تیمّم وضو کی مانند نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے بھی جائز ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ اور اسے ردّ کرنے والی کوئی دلیل نہیں [illegible] الی الصّلوٰۃ میں ارادہ صلوٰۃ مراد ہے۔ جو وقت میں اور اس سے قبل بھی ہو سکتا ہے

صحیح بخاری میں حسن بصریؒ کا قول مروی ہے کہ جب تک طہارت نہ ٹوٹے، تیمم کافی ہے۔ حدیث مرفوع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مٹی مسلم کا طہور ہے خواہ دس سال تک ہو۔ یہ حدیث ابوذرؓ سے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کی ہے۔ اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے مستدرک میں روایت کرکے اسے صحیح کہا ہے۔ یہی حدیث ابوہریرہؓ سے مسند بزار اور معجم طبرانی میں مروی ہے۔ تیمم کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ بتاتا ہے کہ تیمم بھی طہارت ہے جیسا کہ وضو ہے۔ اور حدیث جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا بھی یہی کہتی ہے کہ تیمم وضو کی مانند طہارت ہے۔

تیمم والا وضو والوں کی امامت کرسکتا ہے، حنفیہؒ کا یہی قول ہے۔ بخاری سے ثابت ہے کہ ابن عباسؓ نے تیمم کرکے امامت کی۔ اور ثوریؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ، احمدؒ، ابوثورؒ کا مذہب ہے۔ حنفیہ میں سے محمد بن الحسنؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ نماز کے بعد تیمم والے کو پانی مل جائے تو نماز ہوگئی۔ اس کا اعادہ واجب نہیں۔ یہ ائمہ کا مذہب ہے۔ وسط صلوٰۃ میں پانی مل جائے تو حنفیہؒ، احمدؒ اور ثوریؒ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی۔ وضو کرکے از سر نو پڑھی جائے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ بروئے حدیث پانی نہ ملنے کے باعث جب تیمم کیا ہو تو پانی مل جانے سے طہارت باطل ہو جائے گی۔ حدیث کے لفظ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ کا یہی مطلب ہے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ امام مالکؒ ایک طرف فرماتے ہیں کہ تیمم بالکل وضو کی مانند امر الٰہی کی اطاعت ہے۔ لہٰذا حالت نماز میں پانی پالینے سے نماز پر اثر نہیں پڑتا۔ مگر دوسری طرف فرماتے ہیں کہ نماز کا وقت نکل جانے سے تیمم باطل ہوجاتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً کا مفاد یہی ہے کہ جونہی پانی مل گیا، تیمم جاتا رہا۔

۲۴۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي التَّيَمُّمِ

تیمم کے عمل کا باب

۱۲۷۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّهٗ اَقْبَلَ هُوَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، مِنَ الْجُرُفِ، حَتّٰى اِذَا كَانَا بِالْمِرْبَدِ، نَزَلَ عَبْدُ اللّٰهِ فَتَيَمَّمَ صَعِيْدًا طَيِّبًا، فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى۔

ترجمہ: نافع اور عبداللہ بن عمرؓ مقام جرف سے واپس آئے۔ جب مربد کے مقام پر پہنچے تو عبداللہؓ سواری سے اترے۔ پاک مٹی پر تیمم کیا۔ اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ پھر نماز پڑھی۔ (امام محمدؒ نے بھی مؤطا میں یہ اثر روایت کیا ہے۔)

شرح: یہ اثر اس سے خاموش ہے کہ آیا ابن عمرؓ نے دو ضربات سے تیمم کیا یا ایک سے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ سنن ابی داؤد کی احادیث دونوں طرح آئی ہیں۔ اور ہم نے فضل المعبود میں ان پر بذل المجہود کی روشنی میں مفصل کلام کیا ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ (ایک روایت میں) کے نزدیک چہرے اور بازوؤں پر مسح ایک ہی ضرب سے ہوگا۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، شافعیؒ اور ایک روایت میں مالکؒ بھی دو ضربات کے قائل ہیں۔ ابن المسیب اور ابن سیرینؒ نے کہا کہ تین ضربات ہیں۔ ایک چہرے کے لئے، ایک ہتھیلیوں کے لئے اور ایک بازوؤں کے لئے۔ المغنی میں ابن قدامہ نے کہا کہ احمدؒ کے نزدیک مسنون ایک ضرب ہے۔ اور دو ضرب بھی جائز ہیں۔ پھر تیمم میں ہاتھوں کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔ مالکؒ (ایک روایت میں) شافعیؒ (قول قدیم میں) اور احمدؒ کے نزدیک صرف ہتھیلیوں کا مسح فرض ہے۔ حنفیہؒ، شافعیؒ (حسب قول جدید) اور مالکؒ (ایک روایت میں) کے نزدیک کہنیوں تک مسح فرض ہے۔ ابن شہاب زہریؒ کے نزدیک بغلوں تک مسح فرض ہے۔ دارقطنی اور مستدرک حاکم کی روایت جو ابن عمرؓ سے ہے، اس میں ایک ضرب

چہرے کے لئے اور ایک ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت کے الفاظ آئے ہیں یہی مضمون حضرت عائشہؓ اور جابرؓ کی احادیث میں آیا ہے اور عمارؓ، ابن عمرؓ کی احادیث سے بھی یہی ثابت ہے تفصیل فضل المعبود میں دیکھیے۔

۱۲۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَيَمَّمُ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ وَسُئِلَ مَالِكٌ كَيْفَ التَّيَمُّمُ وَأَيْنَ يَبْلُغُ بِهِ؟ فَقَالَ: يَضْرِبُ ضَرْبَةً لِلْوَجْهِ، وَضَرْبَةً لِلْيَدَيْنِ وَيَمْسَحُهُمَا إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہنیوں تک تیمّم کرتے تھے۔ اور امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ تیمم کی کیفیت کیا ہے اور آدمی اس کے مسح کو کہاں تک کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے اور انہیں کہنیوں تک مسح کرے۔

۲۵۔ بَابُ تَيَمُّمِ الْجُنُبِ

جنبی کے تیمّم کا باب

۱۲۹ حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ؛ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، عَنِ الرَّجُلِ الْجُنُبِ يَتَيَمَّمُ ثُمَّ يُدْرِكُ الْمَاءَ؛ فَقَالَ سَعِيدٌ: إِذَا أَدْرَكَ الْمَاءَ، فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ لِمَا يُسْتَقْبَلُ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِيمَنِ احْتَلَمَ وَهُوَ فِي سَفَرٍ وَلَا يَقْدِرُ مِنَ الْمَاءِ، إِلَّا عَلَى قَدْرِ الْوُضُوءِ، وَهُوَ لَا يَعْطَشُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمَاءَ۔ قَالَ: يَغْسِلُ بِذٰلِكَ فَرْجَهُ، وَمَا أَصَابَهُ مِنْ ذٰلِكَ الْأَذَى، ثُمَّ يَتَيَمَّمُ صَعِيدًا طَيِّبًا، كَمَا أَمَرَهُ اللهُ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ جُنُبٍ أَرَادَ أَنْ يَتَيَمَّمَ فَلَمْ يَجِدْ تُرَابًا إِلَّا تُرَابَ سَبَخَةٍ، هَلْ يَتَيَمَّمُ بِالسِّبَاخِ؟ وَهَلْ تُكْرَهُ الصَّلَاةُ فِي السِّبَاخِ؟ قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ فِي السِّبَاخِ وَالتَّيَمُّمِ مِنْهَا۔ لِأَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ فَكُلُّ مَا كَانَ صَعِيدًا فَهُوَ يُتَيَمَّمُ بِهِ۔ سِبَاخًا كَانَ أَوْ غَيْرَهُ۔

ترجمہ: ایک شخص نے سعید بن المسیب سے پوچھا کہ جنبی آدمی تیمم کرے اور پھر پانی پالے تو کیا حکم ہے؟ سعیدؒ نے کہا کہ جب وہ

پانی کو پالے تو آئندہ نمازوں کے لئے اس پر غسل واجب ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس شخص کو سفر میں احتلام ہو جائے اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جس سے وضو کرے اور وہ پانی تک پہنچنے کے وقت میں پیاسا ہوگا۔ تو وہ اس پانی کے ساتھ اپنی شرمگاہ کو دھولے اور جس بدن یا جس چیز کو نجاست لگی ہو، اسے دھولے پھر وہ اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق تیمم کرلے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جنبی آدمی اگر تیمم کرنا چاہے اور اسے شور نمکین مٹی کے علاوہ مٹی نہ مل سکے تو کیا وہ اسی شور مٹی سے تیمم کرلے؟ اور کیا شور زمین میں نماز مکروہ ہے؟ مالکؒ نے فرمایا شور زمین پر نماز پڑھنے اور تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پاک مٹی سے تیمم کرو۔ پس ہر وہ چیز جو مٹی کہلائے اس پر تیمم جائز ہے خواہ وہ نمکین شور زمین ہو یا کچھ اور۔

شرح: سعیدؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کو تیمم کے بعد نماز سے قبل پانی مل جائے وہ پانی سے طہارت اختیار کرے۔ اگر نماز پڑھ چکا ہو اور بعد میں پانی ملے تو کسی کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ دوسری صورت میں طاؤسؒ وغیرہ کا اختلاف ہے اور پہلے مسئلہ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا۔ امام مالکؒ کے زیر نظر فتویٰ پر حنفیہ نے بھی اظہار اتفاق کیا ہے۔ اور بقول قاضی ابوالولید الباجی جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے مگر کے بعض جزئیات مختلف فیہ ہیں۔ تیسرے مسئلہ میں بھی حنفیہ مالکؒ سے متفق ہیں اور جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔

۲۵۔ بَابُ مَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ

حالت حیض میں بیوی سے کیا حلال ہے؟

۱۳۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا يَحِلُّ لِي مِنِ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "لِتَشُدَّ عَلَيْهَا إِزَارَهَا، ثُمَّ شَأْنَكَ بِأَعْلَاهَا۔"

ترجمہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جب میری بیوی حیض سے ہو تو مجھے اس سے کیا حلال ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اپنے اوپر اپنا ازار کس کر باندھ لے۔ پھر اس کے اوپر سے تو جان اور تیرا کام۔ (مؤطا امام محمد میں یہ حدیث بَابُ الرَّجُلِ يُصِيبُ مِنِ امْرَأَتِهِ وَيُبَاشِرُهَا وَهِيَ حَائِضَةٌ" میں وارد ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہی ہمارا مختار ہے اور ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے اور اس سے زیادہ رخصت حضرت عائشہؓ سے وارد ہے کہ انہوں نے فرمایا، خون کی جگہ سے اجتناب کرے اور اس کے سوا جو چاہے کرے۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہی مسلک ہمارے عامۃ فقہا کا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ یہ قول محمد بن الحسنؒ، احمد بن حنبلؒ، ثوریؒ اور اسحٰقؒ کا ہے اور طحاوی نے اس کو ترجیح دی ہے۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ ازروئے دلیل یہی قوی تر ہے۔ مالکؒ اور شافعیؒ اور ابوحنیفہؒ نے اسے ناجائز بتایا ہے۔ اور ما فوق الازار کو ترجیح دی ہے۔ سائل کے سوال کا منشا یہ تھا کہ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ کا وہ مطلب جاننا چاہتا تھا۔ یہودی حیض کے دنوں میں عورتوں کو الگ مکان میں رکھتے اور ان کے ساتھ سلسلۂ کلام اور کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ انسؓ کی حدیث اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ سے امام محمد اور ان کے ساتھی فقہائے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ اگر اس سے گریز کیا جائے تو وہ بطور استحباب ہوگا نہ کہ بطور وجوب۔

۱۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَتْ مُضْطَجِعَةً مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ. وَإِنَّهَا قَدْ وَثَبَتْ وَثْبَةً شَدِيدَةً فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَالَكِ؟ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ يَعْنِي الْحَيْضَةَ. فَقَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: شُدِّي عَلَى نَفْسِكِ إِزَارَكِ، ثُمَّ عُودِي إِلَى مَضْجَعِكِ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کپڑے میں لیٹی ہوئی تھیں کہ وہ تیزی کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہوا؟ شاید تمہیں حیض آ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے ازار (نچلے کپڑے) کو اپنے اوپر اچھی طرح باندھ لے اور پھر اپنی آرام گاہ پر واپس لوٹ آ جا۔ (اس سے خاص دنوں میں عورتوں کو ساتھ سُلانے کا جواز بلکہ استحباب ثابت ہوا۔)

۱۳۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ، يَسْأَلُهَا: هَلْ يُبَاشِرُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ؟ فَقَالَتْ: لِتَشُدَّ إِزَارَهَا عَلَى أَسْفَلِهَا، ثُمَّ يُبَاشِرُهَا إِنْ شَاءَ.

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ سوال پوچھنے کے لئے آدمی بھیجا کہ عورت کے حیض کے دنوں میں مرد اس کے ساتھ ہم آغوشی کر سکتا ہے؟ پس حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عورت اپنے نیچے اپنی پہننے کی چیز کو کس کر باندھ لے۔ پھر اگر مرد چاہے تو اس سے مباشرت کرے۔ (اس حدیث کو بیان کر کے امام محمدؒ نے مذکورہ بالا باب میں فرمایا کہ یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور ہمارے عام فقہا کا مختار ہے۔)

۱۳۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَسُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، سُئِلَا عَنِ الْحَائِضِ، هَلْ يُصِيبُهَا زَوْجُهَا إِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ قَبْلَ أَنْ تَغْتَسِلَ؟ فَقَالَا: لَا. حَتَّى تَغْتَسِلَ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ سالم بن عبداللہؒ اور سلیمان بن یسارؒ سے پوچھا گیا کہ جب عورت حیض سے فارغ ہو جائے تو خاوند کیا غسل سے پہلے اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ جب تک غسل نہ کرے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ (موطائے امام محمدؒ میں بھی یہ اثر دی ہے۔ اس پر امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ جب تک عورت کے لئے نماز حلال نہ ہو یا اس پر واجب نہ ہو، اس وقت تک خاوند اس کے قریب نہیں جا سکتا یعنی جماع کے لئے۔)

شرح: حنفی مسلک میں اس مسئلہ کی کچھ تفصیل بھی ہے، جسے امام محمدؒ نے بیان نہیں کیا۔ وہ یہ کہ حیض اگر دس دن پر جا کر بند ہو تو عورت سے بلا غسل مقاربت جائز ہے۔ اس سے کم میں اگر خون کا انقطاع ہو تو مقاربت جائز نہیں۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقاربت کی شرط حَتّٰى يَطْهُرْنَ فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ الخ پس طہر تو اس وقت ہو گا جب اکثر مدتِ حیض (دس دن تک) پر جا کر خون کا انقطاع ہو۔ اور اس پہلے لفظ کی دلیل سے مقاربت جائز ہو گی۔ جب کم مدت میں انقطاع ہو گا تو فَإِذَا تَطَهَّرْنَ کے مطابق جب تک عورت غسل نہ کرے، مقاربت جائز نہیں۔ باقی ائمہ کے نزدیک یہ فرق نہیں۔ اور اس مسئلہ میں امام زفرؒ بھی دوسرے ائمہ کے ساتھ ہیں۔ صاحبِ ہدایہ کی تصریح کے مطابق احتیاط و استحباب کا تقاضا بہرحال یہی ہے کہ غسل سے قبل مقاربت نہ کی جائے جو خون اکثر مدت پر منقطع ہوا ہو۔

۲۷۔ بَابُ طُهْرِ الْحَائِضِ

حیض والی کی پاکیزگی کا باب

۱۳۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، مَوْلَاةِ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ النِّسَاءُ يَبْعَثْنَ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، بِالدِّرَجَةِ فِيهَا الْكُرْسُفُ، فِيهِ الصُّفْرَةُ مِنْ دَمِ الْحَيْضَةِ، يَسْأَلْنَهَا عَنِ الصَّلَاةِ. فَتَقُولُ لَهُنَّ: لَا تَعْجَلْنَ حَتَّى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَاءَ. تُرِيدُ، بِذَلِكَ، الطُّهْرَ مِنَ الْحَيْضَةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی (مرجانہ) سے روایت ہے کہ عورتیں اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ڈبیا بھیجتیں تھیں۔ جس میں روئی ہوتی اور اس میں حیض کے خون کی زردی ہوتی تھی۔ وہ پوچھتی تھیں کہ کیا اب ہم پر نماز فرض ہے۔ (رحم کے خارج شدہ مادہ زرد رنگ کا ہو گیا ہے) وہ فرماتی تھیں کہ جلدی مت کرو۔ جب تک کہ سفید پانی نہ دیکھو۔ مطلب یہ کہ جب تک حیض سے پوری پاک نہ ہو جاؤ، صبر کرو۔ (موطائے امام محمد میں یہ حدیث بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ میں آئی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں عورت جب تک سرخ، زرد یا مٹیالے رنگ کا مادہ دیکھے گی وہ حیض شمار ہوگا حتیٰ کہ خالص سفیدی دیکھے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۱۳۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَمَّتِهِ، عَنِ ابْنَةِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُ بَلَغَهَا، أَنَّ نِسَاءً كُنَّ يَدْعُونَ بِالْمَصَابِيحِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَنْظُرْنَ إِلَى الطُّهْرِ. فَكَانَتْ تَعِيبُ ذَلِكَ عَلَيْهِنَّ. وَتَقُولُ: مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصْنَعْنَ هَذَا

ترجمہ: زید بن ثابت کی بیٹی (اُمّ سعد یا اُمّ کلثوم) کو پتہ چلا کہ عورتیں رات کو طہر دیکھنے کے لئے چراغ منگاتی ہیں۔ اس نے ان عورتوں کے کام کو برا جانا اور کہنے لگی کہ عورتیں ایسا نہ کیا کرتی تھیں۔ (موطائے امام محمد میں بھی یہ روایت موجود ہے۔)

شرح: اُمّ سعد یا اُمّ کلثوم (جو بھی نام تھا) نے اس تکلف کو غلو جان کر یہ الفاظ کہے۔ دین کا مدار سہولت و یُسر پہ ہے۔ مسائل میں اتنی شدت و تکلف برتنا غیر مشروع ہے۔ اس اثر سے یہ بھی پتہ چلا کہ صحابہؓ کے دور میں عموم بلویٰ کے باوجود جو چیز واقع نہ ہو یا مشہور نہ ہو، وہ دین نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس دور میں جو چیز شائع و ذائع ہوا اور اس پر نکیر نہ ہوئی ہو وہ سنت ہے۔ حدیث میں حضورؐ کی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین المہدیینؓ کی سنت کے اتباع کا بھی حکم موجود ہے۔

۱۳۶۔ وَسُئِلَ مَالِكٌ، عَنِ الْحَائِضِ تَطْهُرُ فَلَا تَجِدُ مَاءً، هَلْ تَتَيَمَّمُ؟ قَالَ: نَعَمْ لِتَتَيَمَّمْ فَإِنَّ مِثْلَهَا مِثْلُ الْجُنُبِ، إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً تَيَمَّمَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ حیض والی عورت جب پاک ہوا اور پانی نہ پائے تو کیا تیمم کر سکتی ہے؟ کہا کہ ہاں۔ اُسے تیمم کرنا چاہئے کیونکہ اس کی مثال جنبی آدمی جیسی ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمم کرے۔ (یہی مذہب تمام فقہا اور جمہور علما کا ہے۔)

۲۸۔ بَابُ جَامِعِ الْحَيْضَةِ

حیض کے مختلف و متفرق مسائل کا باب

۱۳۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ فِي الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ تَرَى الدَّمَ: أَنَّهَا تَدَعُ الصَّلَوٰةَ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حاملہ عورت اگر خون دیکھے تو نماز ترک کردے۔

ترجمہ: شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حضرت عائشہ سے مختلف روایات آئی ہیں۔ ایک تو یہ ہے جو زیر نظر ہے۔ ایک روایت جو دارمی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ اس میں ہے کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ لہذا جب خون دیکھے تو غسل کرلے اور نماز ادا کرے۔ ابن القیمؒ سے الہدیٰ میں دارقطنی میں ہے کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ ابن القیمؒ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے یہ جو روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، وہ عورت نماز نہ پڑھے، سو اس سے مراد وہ خون ہے جو ولادت کے قریب ہو مثلاً دو دن یا کچھ کم و بیش پہلے۔ اس مسئلہ میں مالکؒ (مشہور قول کے مطابق) اور شافعیؒ (قولِ جدید میں) کا قول یہ ہے کہ یہ حیض کا خون ہے۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب احمدؒ اور ثوریؒ نے کہا حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ لہذا یہ بیماری کا خون ہے، حیض کا نہیں۔ المغنی میں ہے کہ جمہور تابعین کا یہی قول ہے۔ ابن قدامہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی لونڈیوں کے متعلق فرمایا کہ حاملہ کو بچہ جننے دیا جائے اور دوسری عورتوں کو ایک حیض سے رحم کی براءت (استبرا) کراؤ۔ پس حضورؐ نے حیض کے خون کو رحم کی صفائی کا سبب اور علامت فرمایا۔ لہذا حمل اور حیض کا خون جمع نہیں ہو سکتا۔ پھر ابن عمرؓ کو حضورؐ نے حکم دیا کہ مطلقہ بیوی سے رجوع کرے۔ اور پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دے۔ اس میں بھی حضورؐ نے حمل کو عدم حیض کا سبب فرمایا ہے اور طہر کو حیض کا سبب۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ عورتوں کو حمل کا پتہ ہی حیض کے نہ آنے سے چلتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ زرقانی نے حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے برخلاف خود ان کی روایات کے باوجود اور جمہور (ابوحنیفہؒ، احمدؒ، ثوریؒ، سعید بن المسیبؒ عطاءؒ، الحسنؒ، جابر بن زیدؒ، عکرمہؒ، محمد بن المنکدرؒ، شعبیؒ، مکحولؒ، حمادؒ، اوزاعیؒ، ابن المنذرؒ، ابو عبیدؒ اور ابوثورؒ) کے اس کے خلاف ہونے کے باوجود اس بات پر "اجماع سکوتی" نقل کیا ہے کہ حاملہ کو حیض آتا ہے۔ اللہ اکبر، یہ کیسا اجماع سکوتی ہے۔ جس کے خلاف ان اساطینِ علم اور جبالِ فقہ و حدیث کی زبانیں کھلی ہیں۔

۱۳۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ تَرَى الدَّمَ؟ قَالَ تَكُفُّ عَنِ الصَّلَوٰةِ۔

قَالَ يَحْيَى قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا

ترجمہ: مالکؒ نے ابن شہابؒ سے پوچھا اس عورت کے متعلق جو حالتِ حمل خون دیکھے (اس کا حکم کیا ہے) تو زہریؒ نے کہا کہ وہ نماز سے رُکے۔ (بحث اُوپر دیکھئے) امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارا قول مختار یہی ہے۔ دھیان پھر زرقانی نے اجماع اہلِ مدینہ کا نام لیا ہے۔ اس مسئلے کو اعلام الموقعین حافظ ابن القیم میں دیکھنا چاہیئے۔ جہاں انہوں نے "اجماع اہل مدینہ" کے تمام پہلو صاف کئے ہیں۔)

۱۳۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَنَّهَا كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ عائشہؓ نے فرمایا کہ حالتِ حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔ شرح: مؤطا امام محمدؒ کے باب اَلْمَرْأَۃُ تَغْسِلُ بَعْضَ اَعْضَاءِ الرَّجُلِ وَھِیَ حَائِضٌ میں یہ حدیث وارد ہے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ اس حدیث سے کئی مسائل اخذ ہوتے ہیں۔ (۱) نظافت وطہارت مقصودِ شرع ہے حسب توفیق اچھا لباس پہننا، سر اور بالوں اور جسم کی صفائی کرنا، بشرطیکہ حدِ کبر واسراف کو نہ پہنچے، تقاضائے ایمان ہے۔ (۲) حائضہ عورت کا جسم نجس نہیں ہے اور اس کے قرب سے گریز کرنا خلافِ اسلام ہے۔ (۳) بیوی کی رضا سے غسل وغیرہ میں مدد حاصل کرنا جائز ہے۔

۱۴۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا، إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ، كَيْفَ تَصْنَعُ فِيهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضِحْهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيهِ"۔

ترجمہ: اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض کا خون تم میں سے کسی کے کپڑے کو لگ جائے تو اسے انگلیوں کے ساتھ خوب رگڑ رگڑ کر ملے پھر اسے پانی سے دھوئے اور پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

شرح: قرص کا معنیٰ انگلیوں سے مل کر پانی ڈال کر دھونا ہے اور آخر میں اسی پر پانی ڈال دے۔ نضح سے مراد غسل ہے نہ کہ پانی چھڑک دینا۔ کیونکہ صرف پانی چھڑکنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجاست دُور کرنے کا ذریعہ پانی سے دھونا ہے کیونکہ نجاستوں کا ازالہ اسی سے ہوتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں تیل اور چکنی چیزوں کے علاوہ ہر مائع چیز ازالۂ نجاست کر سکتی ہے۔ اور یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

٢٩ بَابُ الْمُسْتَحَاضَهِ

مستحاضہ کا باب

١٣١ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي لَا أَطْهُرُ، أَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ، وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ، فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلٰوةَ۔ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا، فَاغْسِلِي الدَّمَ عَنْكِ وَصَلِّي۔"

ماہوار فطری خون کے علاوہ جوان عورت کو جو خون آئے، وہ استحاضہ ہے اور ایسی عورت کو مستحاضہ کہا جاتا ہے۔ عبادات میں اس عورت کا حکم اجماعاً طُہر والی کی مانند ہے اور اسی طرح وطی میں بھی جمہور کے نزدیک وہ اسی حکم میں ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ مستحاضہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، متعارض ہیں اور ان کا جمع کرنا دشوار ہے۔ اس سبب سے اس باب کو نہایت مشکل سمجھا گیا ہے۔ ہر شخص نے ایک قسم کی روایات کو لے کر باقی کو منسوخ ٹھیرایا ہے۔ بعض نے مختلف روایات کو مختلف حالات والی عورتوں پر منطبق کیا ہے (جیسا کہ مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے اور اس کے لئے ہماری کتاب فضل المعبود کا مطالعہ کیجیے) ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحاضہ کی چار اقسام ہیں۔ (١) معتادہ (٢) ممیزہ (٣) جو بیک وقت معتادہ و ممیزہ ہو۔ (٤) جس کی نہ کوئی عادت ہو نہ تمیز۔ پہلی قسم کی عورت وہ ہے جو حیض اور استحاضہ میں خون کے رنگ وغیرہ سے امتیاز نہ کر سکے مگر حیض اور استحاضہ میں اس کی ایک معلوم عادت ہے۔ یہ عورت حیض کے دنوں کے گزر جانے کے بعد غسل کرے۔ اور پھر ہر نماز کے لئے وضو کیا کرے۔ ابو حنیفہ، شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ نے عادت کا اعتبار نہیں کیا۔ دوسری قسم کی عورت وہ جس کے خون میں حیض اور استحاضہ ہونے کے لحاظ سے امتیاز کیا جا سکے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حیض کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ جب اس کا وقت گزر جائے تو وہ غسل کرے اور پھر ہر نماز کے وضو کرے۔ حنفیہ نے رنگ کا اعتبار نہیں کیا اور اس قسم کو بھی چوتھی قسم کی ایک صورت مانا ہے۔ جس کا بیان آگے آتا ہے۔ تیسری قسم کی عورت یعنی معلوم عادت اور تمیز والی، اگر دونوں متفق ہوں تو کوئی اشکال نہیں ہے۔ ورنہ حنفیہ عادت کو ترجیح دیتے ہیں۔ چوتھی قسم کی عورت وہ ہے جس کی کوئی عادت نہ ہو۔ اور نہ کسی طرح سے حیض اور استحاضہ میں تمیز کر سکے۔ اگر وہ جوانی کی ابتدا ہی سے اس طرح ہو تو وہ دس دن کے خون کو حیض اور باقی کو استحاضہ شمار کرے گی۔ اور ہر ماہ یہی حساب رکھے گی۔ اگر وہ معتادہ تھی اور پھر عادت بھول گئی تو یہ متحیرہ ہے۔ ایسی عورت کو تحری یعنی اٹکل کرنے کا حکم ہے۔ جب اسے حیض و طہر میں اور حیض کے ایام آجانے میں تردد ہو تو ہر نماز کے لیے وضو کرے اور جب حیض و طہر اور طہر آجانے میں تردد ہو تو ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں۔ مبتدیہ، متحیرہ اور معتادہ۔ خون کے رنگ کے باعث تمیز میں کوئی صحیح حدیث نہیں آئی۔ لہٰذا انہوں نے ممیزہ بالّلون کا اعتبار نہیں کیا۔ مزید تفصیل فضل المعبود میں ملاحظہ ہو۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، فاطمہ بنت ابی حبیش نے کہا یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی۔ پس کیا نماز ترک کر دوں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا یہ تو صرف ایک

رگ سے (جس کے کھل جانے سے خون جاری ہوتا ہے۔) یہ حیض نہیں ہے۔ پس جب حیض آئے تو نماز ترک کر دے۔ اور جب اس کی مقدار ختم ہو جائے تو اپنے سے خون دھو ڈال اور نماز پڑھ۔

شرح: حدیث کے الفاظ "جب حیض آئے"، اور "جب اس کی مقدار جاتی رہے"، اس باب میں صریح ہیں کہ یہ عورت معتادہ تھی جس کا حکم ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ جب اس کے معلوم دن گزر جائیں تو اگلے خون کو استحاضہ شمار کرے گی۔ اور ہر نماز کے لئے وضو کر کے نماز پڑھے گی۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا ہے کہ وہ ایام حیض کے گزر جانے پر غسل کر کے ہر نماز کے لئے وضو کرے گی اور نماز پڑھے گی حتیٰ کہ پھر وہ ایام حیض آ جائیں تو ان میں نماز نہیں پڑھے گی۔ اور اس خون کو حیض شمار کرے گی۔ حدیث زیر نظر میں گو غسل کا ذکر نہیں آیا مگر وہ تو متعین و معلوم ہے لہذا ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ علامہ عینیؒ، ابن ارسلانؒ اور ابن دقیق العیدؒ نے یہی کہا ہے۔ نیز دوسری روایات میں غسل کا ذکر موجود ہے۔ لہذا اگلی روایت دیکھئے۔

۱۴۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدِّمَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: "لِتَنْظُرْ إِلٰى عَدَدِ اللَّيَالِيْ وَالْأَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِيْ أَصَابَهَا، فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ. فَإِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ، ثُمَّ لِتُصَلِّيْ."

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک عورت کو بہت خون آتا تھا۔ پس اس کی خاطر اُمّ سلمہؓ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا، وہ مہینے کے ان دن راتوں کو دیکھے جن میں اسے حیض آتا تھا قبل اس بیماری کے جو اسے لگی ہے۔ پس مہینے میں ان دنوں کی مقدار نماز ترک کر دے۔ جب ان ایام کو گزار لے تو غسل کرے۔ اور ایک کپڑے کا لنگوٹ باندھے پھر نماز پڑھے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں موجود ہے۔)

شرح: اس حدیث کی بعض اور روایات میں یہ صراحت ہے کہ جس عورت کا یہاں ذکر ہے۔ یہ وہی فاطمہ بنت ابی حبیشؓ ہے جو گزشتہ روایات میں مذکور ہے۔ فاطمہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ اور اسماء بنت عمیسؓ کی معرفت مسئلہ پوچھا تھا اور پھر خود بھی پوچھا۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں گزرا۔ اس حدیث میں تو حضورؐ کے الفاظ میں ہی صراحت آگئی ہے کہ یہ عورت معتادہ ہے۔ اسی لئے اسے یہ حکم دیا گیا کہ حیض کے دنوں میں نماز ترک کرے۔ اور اس کے بعد غسل کر کے نماز ادا کرے۔ امام محمدؒ نے اس حدیث کی روایت کے بعد فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے اور آخر وقت تک نماز پڑھے۔ یعنی فرائض و سنن و نوافل سب کچھ اس وضو سے ادا کر سکتی ہے۔

۱۴۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِيْ سَلَمَةَ، أَنَّهَا رَأَتْ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ، الَّتِيْ كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَكَانَتْ تُسْتَحَاضُ، فَكَانَتْ

تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي۔

ترجمہ: زینب بنت ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ اس نے زینب بنت جحش کو دیکھا تھا جو عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی تھی، اور اُسے استحاضہ ہوتا تھا۔ اور وہ غسل کرتی اور نماز پڑھتی تھی۔

شرح: زینب بنت جحش پہلے زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں۔ زید نے طلاق دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خود کر دیا۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں ہے۔ پس یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں کبھی نہ تھیں۔ ہاں عبدالرحمٰن کے ہاں زینبؓ کی بہن اُمّ حبیبہ تھی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے مؤطا کی اس روایت کو خطا قرار دیا ہے کیونکہ ابوداؤد وغیرہ میں روایت میں اس عورت کا نام نہیں آیا۔ صرف یہ آیا ہے کہ "ایک عورت"۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ مؤطا کی روایت درست ہے۔ یہ واقعہ زینب بنت جحش کا ہے جن کی کنیت اُمّ حبیبہ تھی۔ اُمّ المومنین کا نام پہلے برّہ تھا جسے بدل کر حضورؐ نے شاید اس کی بہن کے نام پر ہی زینب رکھ دیا تھا۔ اور اس وقت تک اصل زینبؓ اپنی کنیت اُمّ حبیبہ سے مشہور ہو چکی تھی۔ ان کی ایک بہن حمنہؓ بھی تھی۔ اور ان دونوں بہنوں یعنی اُمّ حبیبہؓ اور حمنہؓ کو استحاضہ کی تکلیف تھی۔ اس حدیث میں یہ جو لفظ ہیں کہ فَکَانَتْ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي۔ ان کا مطلب اوپر کی حدیث کے مطابق یہی ہے کہ ایام حیض گزار کر غسل کرتی تھی اور پھر حسب معمول نماز پڑھتی تھی۔

۱۴۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ الْقَعْقَاعَ بْنَ حَكِيمٍ، وَزَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ أَرْسَلَاهُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، يَسْأَلُهُ كَيْفَ تَغْتَسِلُ الْمُسْتَحَاضَةُ؟ فَقَالَ تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ، وَتَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ، فَإِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ۔

ترجمہ: قعقاع بن حکیم اور زید بن اسلم دونوں نے سُمیؒ کو سعید بن المسیبؒ کے پاس بھیجا کہ یہ پوچھے کہ مستحاضہ کیونکر غسل کرے۔ پس سعیدؒ نے کہا کہ وہ طُہر سے طُہر تک غسل کرے۔ اور ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ پھر اگر اس پر خون کا غلبہ ہو تو لنگوٹ باندھے۔ (یہ اثر مؤطائے محمدؒ میں موجود ہے۔ مگر اس کی روایت میں "طہر سے طہر تک غسل کرے" کے الفاظ ہیں۔ اور امام محمدؒ نے اس پر یہی لکھا ہے کہ مستحاضہ ایام حیض گزرنے کے بعد ایک غسل کرے اور ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر کے نماز پڑھے۔)

شرح: حافظ ابن عبدالبر کے بقول خود امام مالکؒ نے فرمایا کہ میری روایت مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ ہے اور جس نے من ظہر الی ظہر روایت کی، اس نے وہم کیا۔ مالک کی صحیح تر روایت مِنْ طہر الی طہر ہے۔ یعنی نقطوں کے بغیر۔ گو بعض نسخوں میں ظہر کے الفاظ بھی آئے ہیں اور سنن ابی داؤد میں قعنبی کی روایت میں مِنْ ظہر الی ظہر کے الفاظ مروی ہیں۔ شرح ابی داؤد میں ہم نے مولانا سہارنپوری سے اس مسئلہ پر ایک لطیف بحث نقل کی ہے۔ ابو داؤد نے بھی نقطوں کے بغیر والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ خطابی نے امام مالکؒ کے قول کی تحسین کی ہے۔ اور کہا ہے کہ ظہر سے ظہر تک غسل کرنے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ مستحاضہ کے ہر نماز کے لئے وضو کرنے کی کثیر روایات ہیں جن میں حضورؐ کا امر موجود ہے۔ لہذا اس کے لئے وضو واجب ہے مستحب نہیں، جیسا کہ مالکؒ نے کہا۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے یعنی مثلاً فرض پڑھ چکی تو اب نوافل کے لئے وضو کرے۔ مگر اس میں جو مشقت ہے وہ ظاہر ہے اور اگر یہ حکم دیا جائے تو مستحاضہ کے لئے آسانی کیا رہی؟ مسند احمد، ترمذی اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حَتّٰى يَجِيءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ۔

۱۴۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَحَاضَةِ

إِلَّا أَنْ تَغْتَسِلَ غُسْلًا وَاحِدًا، ثُمَّ تَتَوَضَّأُ بَعْدَ ذٰلِكَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا، أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ إِذَا صَلَّتْ، أَنَّ لِزَوْجِهَا أَنْ يُصِيبَهَا. وَ كَذٰلِكَ النُّفَسَاءُ، إِذَا بَلَغَتْ أَقْصٰى مَا يُمْسِكُ النِّسَاءَ الدَّمُ، فَإِنْ رَأَتِ الدَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ يُصِيبُهَا زَوْجُهَا، وَ إِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْتَحَاضَةِ۔

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ مستحاضہ پر صرف ایک ہی غسل واجب ہے۔ پھر اس کے بعد ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ مستحاضہ جب نماز ادا کرے تو اس کا خاوند اس سے خاص ملاقات کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح نفاس والی عورت کا حکم ہے، جب کہ وہ عورتوں کو خون آنے کی مدت کی انتہا کو پہنچ چکی ہو۔ اس کے بعد اگر وہ خون دیکھے تو خاوند اس سے مقاربت کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ عورت بھی مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ (موطائے امام محمد میں اس روایت میں سے صرف عروہ کا قول مروی ہے۔)

شرح: جمہور علما کے نزدیک نفاس کی انتہائی مدت چالیس دن ہے۔ ترمذی نے اس پر صحابہ اور تابعین کا اجماع نقل کیا ہے۔ یہ انتہائی مدت ہے۔ اگر عورت اس سے قبل ہی پاک ہو جائے تو وہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔ امام مالکؒ نے اس مسئلہ کو کسی علاقے کی عورتوں کی عادت پر محمول کیا ہے اور بعض عورتوں کی عادت بھی اس کے خلاف ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ سے اکثر مدت دو ماہ منقول ہے۔ کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تفصیل کے لئے فضل المعبود کی طرف رجوع کیجئے۔

۱۴۵ (الف) قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْمُسْتَحَاضَةِ، عَلٰى حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ۔ وَهُوَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ مستحاضہ کے بارے میں ہمارے ہاں کا عمل ہشام بن عروہ عن ابیہ کی حدیث پر ہے اور میرے نزدیک اس باب میں یہ پسندیدہ ترین روایت ہے۔

شرح: ممکن ہے اس حدیث سے مالکؒ کی مراد عروہ کا فتویٰ ہو، جو اوپر ۱۴۵ نمبر پر گزرا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد اس باب کی پہلی مرفوع روایت ہو۔ مفاد دونوں کا ایک ہے۔

۳۰۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي بَوْلِ الصَّبِيِّ

بچے کے پیشاب کا باب

۱۴۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک

بچے کو لایا گیا اور اس نے حضورؐ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر پانی بہا یا۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث اپنے مؤطا میں روایت کی ہے۔ اور مطلب یہ بتایا کہ حضورؐ نے معمولی طور پر کپڑا دھویا۔ زیادہ شدت سے نہیں۔ مگر کپڑا پاک کر دیا یہی ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔)

شرح: اس سے قبل ہم ایک حدیث (باب جامع الحیضۃ کی آخری حدیث) میں بتا چکے ہیں کہ غسل خفیف کے لئے حدیث میں نضح کا لفظ آتا ہے۔ یہاں پر فَاَتْبَعَهُ اِيَّاهُ کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب بھی غسل خفیف ہے۔ ورنہ اگر دھونا مراد نہ ہو تو پانی ڈالنے کا کوئی مطلب یا فائدہ نہیں۔ صرف چھینٹے دینے سے تو پیشاب اور بھی دُور تک پھیل جائے گا۔ ہاں لڑکی کے پیشاب میں غسل شدید کا حکم حدیث اُمّ قیس (ابن ماجہ میں) میں موجود ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کاندھلوی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں علماء کے تین مختلف قول ہیں۔ اور انہی کے مطابق حضرات شوافع کی تین روایات ہیں۔ (۱) لڑکے کے بول کو معمولی طور پر دھونا (جب تک کہ اس کا گزارہ صرف دودھ پر ہو۔) اور لڑکی کے بول میں غسل شدید۔ یہ احمدؒ، اسحاقؒ، داؤد ظاہریؒ اور ایک روایت میں ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کا مذہب ہے۔ (۲) اوزاعیؒ کا مذہب اور ایک روایت میں مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہ ہے کہ دونوں کے بول میں غسل خفیف کافی ہے۔ (۳) دونوں کا دھویا جانا ضروری ہے اور مذکر مؤنث کا کوئی فرق نہیں۔ یہ مذہب امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور اس کی بنیاد ان عام احادیث پر ہے جن میں بول کی نجاست کا بیان وارد ہے۔ زیر نظر حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں میں جو نضح، اتباع الماء وغیرہ لفظ آئے ہیں، ان سے مراد یہ ہے کہ زیادہ نچوڑنے اور ملنے دلنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو اس کپڑے کا حکم ہے جس پر یہ پیشاب گرا ہے۔ خود پیشاب بالاجماع نجس ہے۔ اجماع کے خلاف صرف داؤد ظاہری کا قول آیا ہے۔ جس بچے کے بول کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ وہ اُمّ قیس کا بیٹا تھا۔ احادیث میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کرنے والوں کے نام یہ آئے ہیں الحسنؓ۔ الحسینؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ سلیمان بن ہشامؓ اور اُمّ قیسؓ کا بیٹا۔ یہ کل پانچ ہوئے بچوں کو برکت دینے اور گھٹی دینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا تھا۔

۱۴۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ، اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ، لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ، اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاَجْلَسَهُ فِيْ حَجْرِهٖ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔

ترجمہ: اُمّ قیس بنت محصنؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے کو جس نے ابھی کھانا نہ کھایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ پس اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اُسے پانی بہا کر (معمولی طور پر) دھویا اور اسے مَل مَل کر نہیں دھویا۔ (یہ روایت مؤطا امام محمد میں بھی آئی ہے اور اس پر انہوں نے کہا ہے کہ بچے نے جب تک کھانا نہ کھایا ہو تو اس کے پیشاب میں رخصت آئی ہے اور بچی کے پیشاب کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان دونوں کو دھونا ہمیں پسندیدہ تر ہے اور یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔)

شرح: شیخ کاندھلویؒ نے فرمایا ہے کہ نضح کا لفظ پانی چھڑکنے، پانی بہانے اور دھونے کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ مذی

والی حدیث میں گزرا۔ ایک حدیث میں ہے کہ میں ایک سرزمین کو جانتا ہوں، جس کے ایک طرف سمندر نضح کرتا ہے۔ حدیث اسماءؓ میں خون دھونے کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے اسے نضح کرو۔ حدیث ابن عباسؓ میں حضورؐ کے وضو کی کیفیت کے بیان میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے دائیں پاؤں پر پانی رش کیا۔ حتیٰ کہ اسے دھویا۔ بچے کے پیشاب کے بارے میں حدیث کے مختلف طرق میں صب، اتباع الما کا لفظ ہے۔ پس بقول طحاویؒ نضح کا یہی معنیٰ ہے کہ پانی ڈالا، نہ یہ کہ چھڑکا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَوْلِ قَائِمًا وَغَيْرِهٖ

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے وغیرہ کا باب

۱۴۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهٗ قَالَ: دَخَلَ اَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ، فَكَشَفَ عَنْ فَرْجِهٖ لِيَبُوْلَ، فَصَاحَ النَّاسُ بِهٖ، حَتّٰى عَلَا الصَّوْتُ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اُتْرُكُوْهُ" فَتَرَكُوْهُ، فَبَالَ۔ ثُمَّ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوْبٍ مِنْ مَاءٍ، فَصُبَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْمَكَانِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ایک صحرائی آدمی مسجد میں داخل ہوا اور اپنی شرمگاہ کھول کر پیشاب کرنے لگا۔ پس لوگ اس پر چیخے، حتیٰ کہ آواز بلند ہو گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے چھوڑ دو۔ پس لوگوں نے اسے کچھ نہ کہا، اور اس نے پیشاب کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور پانی کا بڑا ڈول بھر کر اس جگہ پر بہا دیا گیا۔

شرح: باب کے عنوان میں وغیرہ کا لفظ ہے۔ مطلب یہ کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم اور اس کے متعلقہ دیگر مسائل۔ مثلاً زمین کا حکم اور استنجا کا حکم۔ کھڑے ہو کر (بلا ضرورت شرعیہ) پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ مگر یہ کراہت تنزیہی ہے بشرطیکہ چھینٹے نہ پڑیں اور بے پردگی نہ ہو۔ اس حدیث میں تو نہیں، مگر اس کے بعض دوسرے طرق میں ہے کہ اس اعرابی نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے نجس مٹی نکال کر پھینک دینے اور پھر اس جگہ کو دھونے کا حکم دیا تھا۔ اور اس شخص کو نرمی سے فہمائش کر دی تھی کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں ہیں۔

۱۴۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، اَنَّهٗ قَالَ: رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَبُوْلُ قَائِمًا۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ غَسْلِ الْفَرْجِ مِنَ الْبَوْلِ وَالْغَائِطِ، هَلْ جَاءَ فِيْهِ اَثَرٌ؟ فَقَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ بَعْضَ مَنْ مَضٰى كَانُوْا يَتَوَضَّئُوْنَ مِنَ الْغَائِطِ۔ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَغْسِلَ الْفَرْجَ مِنَ الْبَوْلِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تھا۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا رفع حاجت کے بعد پانی کے ساتھ شرمگاہ کو دھونے میں کوئی اثر آیا ہے؟ تو فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بعض گزرے ہوئے بزرگ پانی استعمال کرتے تھے اور مجھے یہ پسند ہے کہ پانی سے طہارت کی جائے۔

شرح: صحاح کی روایات سے حضورؐ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بالعموم ثابت نہیں۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے

ملتا ہے۔ مگر ساتھ ہی معذوری بھی بیان کی گئی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے فعل کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ شاید وہ اس کے بعد کراہت جواز کے قائل تھے۔ جہاں تک استنجا میں پانی کے استعمال کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ باب الاستنجا میں گزر چکا ہے۔ کئی صحیح احادیث میں حضورؐ سے پانی کا استعمال ثابت ہے۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسجد قبا کے نمازیوں کی اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں اس لئے مدح فرمائی تھی کہ وہ ڈھیلوں کے بعد پانی بھی استعمال کرتے تھے۔

۳۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ

مسواک کا باب

۱۵۰۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ: "يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ! اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا۔ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ۔ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ"۔

(مسواک کا لفظ سوک سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہلانا اور ملنا ہے۔ مسواک کو ہلایا اور دانتوں پر ملا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔ علمائے اُمت کے اجماع سے مسواک سُنت ہے اور احادیث میں اس کی فضیلت و تاکید آئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کے ستر فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت کا تذکرہ ہوگا۔ اس کے برخلاف افیون کے ستر نقصان ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا معاذ اللہ منہ۔ امام احمدؒ، اسحاقؒ اور ابن حزم ظاہری مسواک کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں)

ترجمہ: ابن السباق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جمعہ (کے خطبہ) میں فرمایا: اے اہلِ اسلام! اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید قرار دیا ہے۔ پس تم غسل کیا کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو ہو، اُسے اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ اور مسواک کو لازم پکڑو۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث بَابُ الْاِغْتِسَالِ يَوْمَ الْجُمُعَۃِ میں روایت کی ہے۔

۱۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِي لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی اُمت کو مشقت میں ڈالنے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں مسواک کا حکم دیتا۔

شرح: بخاری کی روایت میں اضافہ ہے: "ہر نماز کے ساتھ"۔ مؤطا کی معین بن عیسیٰ کی روایت عِنْدَ كُلِّ صَلٰوۃٍ آیا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہی لفظ ہے۔ اور مسند احمد میں مَعَ الْوُضُوْءِ کا لفظ ہے۔ یہاں پر یہ حدیث مختصر ہے۔ دیگر صحاح میں تاخیرِ عشا اور ہر نماز کے لئے مسواک کا ذکر دونوں چیزیں وارد ہیں۔ اس حدیث سے مسواک کی فضیلت و تاکید (بلا وجوب و فرضیت) ثابت ہوتی۔

۱۵۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّهُ قَالَ: لَوْلَا اَنْ يَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِهِ لَاَمَرَهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی اُمت کے لئے شاق نہ جانتے تو ہر وضو کے ساتھ انہیں مسواک کا حکم دیتے۔ یہ حدیث موقوف ہے مگر از روئے اصولِ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور کئی مرفوع احادیث کا یہی مضمون ثابت ہے نیز خود اس حدیث کے کئی طُرق مرفوع آئے ہیں۔ جنہیں شیخ الحدیث کاندھلوی نے بیان کر دیا ہے۔ صحیح تر اور اولیٰ تر یہ ہے کہ مسواک وضو کے ساتھ کی جانی چاہیئے۔ جن احادیث میں عِندَ کُلِّ صلٰوۃٍ یا مَعَ کُلِّ صَلٰوۃٍ کے لفظ آئے ہیں، ان سے بھی مراد ارادہ صلٰوۃ ہے، جیسا کہ قرآن نے کہا: اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الخ۔

۳۔ کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی النِّدَاءِ لِلصَّلٰوۃِ

نماز کے لئے اذان کا باب

۱۵۳۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَرَادَ اَنْ یَّتَّخِذَ خَشَبَتَیْنِ، یُضْرَبُ بِهِمَا لِیَجْتَمِعَ النَّاسُ لِلصَّلٰوۃِ۔ فَاُرِیَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَیْدٍ الْاَنْصَارِیُّ، ثُمَّ مِنْ بَنِی الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، خَشَبَتَیْنِ فِی النَّوْمِ۔ فَقَالَ اِنَّ هَاتَیْنِ لَنَحْوٌ مِمَّا یُرِیْدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقِیْلَ: اَلَا تُؤَذِّنُوْنَ لِلصَّلٰوۃِ؟ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، حِیْنَ اسْتَیْقَظَ فَذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ۔ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَذَانِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا تھا کہ دو لکڑیاں لی جائیں (یعنی ناقوس) اور انہیں بجایا جائے تا کہ لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ پس عبداللہ بن زیدؓ انصاری خزرجی کو خواب میں ناقوس دکھایا گیا تو اس نے کہا کہ یہ تو اسی طرح کی چیز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں۔ تو کہا گیا (فرشتے کی طرف سے) کہ تم نماز کے لئے اذان کیوں نہیں دیتے۔ جب وہ بیدار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا حکم دیا۔

شرح: یہاں پر یہ حدیث مرسل ہے اور مختصر بھی۔ ورنہ صحیحین اور ابوداؤد وغیرہ میں اس کی تفصیل آئی ہے۔ اور حدیث متصل ہے۔ یہ ہجرت کے بعد مسجد نبوی کے تیار ہو چکنے کے بعد کا قصہ ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ سلہ میں پیش آیا تھا۔ حضورؐ نے لوگوں سے مشورہ کیا تھا۔ تو کسی نے نماز کے وقت جھنڈا لہرانے کا، کسی نے آگ جلانے کا اور کسی نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا۔ ابھی فیصلہ نہ ہوا تھا کہ عبداللہ بن زیدؓ کو یہ خواب دکھائی دیا۔ ہم نے اس کے کئی ضمنی مسائل پر فضل المعبود میں مفصل گفتگو کی ہے۔ عبداللہ بن زیدؓ کی طرح کا خواب حضرت عمرؓ کو بھی دکھائی دیا۔ مگر عبداللہ اس کے حضورؐ کے سامنے ذکر کرنے میں سبقت لے گیا۔ پھر حضورؐ کے حکم سے عبداللہ بن زیدؓ نے بلال کو اذان سکھائی اور وہ مؤذن مقرر کئے گئے۔ اذان باقاعدہ دیئے جانے سے قبل صحاح کی احادیث کے مطابق لوگ

گلی کوچوں میں دوسرے لوگوں کو نماز کے لئے پکارا کرتے تھے۔ اور یہ حضرت عمرؓ کے مشورہ سے ہُوا تھا۔ اذان کے الفاظ وہی ہیں، جو احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہیں اور اللہ اکبر سے شروع ہو کر لا الٰہ الّا اللہ پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ حضورؐ کے تلقین فرمودہ ہیں، جن میں کوئی اضافہ جائز نہیں۔ سفر و حضر میں حضورؐ نے یہی اذان دلوائی تھی۔ بعض بدعتی فرقوں نے اذان کے الفاظ میں کسی نہ کسی بہانے سے جو اضافے کئے ہیں، وہ محض ایجاد بندہ اور بدعت ہیں۔ اس طرح اگر لوگوں کی مرضی سے عبادات میں اضافہ ہونے لگے تو دین کا چہرہ بگڑ جائے گا۔ معاذ اللہ منہ۔

۱۵۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ "إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ"۔

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے (یہ حدیث مؤطا امام محمد میں بَابُ الْأَذَانِ وَالتَّثْوِيبِ میں مروی ہے۔)

شرح: دوسری صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ الخ پڑھا جائے اور فجر کی اذان کے لفظ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے بعد صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ پڑھ لیا جائے۔ اس میں کوئی فقہی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔

۱۵۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ، لَاسْتَهَمُوا۔ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ۔ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان میں اور پہلی صف میں کتنا ثواب ہے اور پھر قرعہ اندازی کے بغیر فیصلہ نہ ہو سکے تو وہ قرعہ اندازی کریں۔ اور اگر انہیں معلوم ہو کہ ظہر اور جمعہ کی نماز کے لئے جلدی آنے میں کتنا اجر ہے تو اس کی طرف ایک دوسرے سے سبقت کریں۔ اور اگر انہیں معلوم ہو کہ عشا اور صبح کی نماز میں کتنا اجر ہے تو ان کی طرف گھٹنوں پر چل کر آئیں۔

شرح: ظہر کے لئے جلدی آنے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے ہمیشہ اول وقت پر پڑھا جائے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں موسم گرما میں ظہر کو ٹھنڈا کرنے کا حکم صراحتہً آتا ہے۔ پس مطلب یہ ہُوا کہ وقت مسنون کو پانے کے لئے جلدی کی جائے۔

۱۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ، وَإِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ، فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ۔ وَأْتُوهَا، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ۔ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا۔ وَمَا فَاتَكُمْ

فَاَتِمُّوا۔ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ فِی صَلٰوۃٍ، مَا کَانَ یَعْمِدُ اِلَی الصَّلٰوۃِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب نماز کی اقامت ہو جائے تو دوڑتے ہوئے اس کی طرف مت آؤ۔ بلکہ اس حال میں آؤ کہ تم پُرسکون و پُر وقار ہو۔ پھر جتنی نماز پالو، اُسے پڑھ لو، اور جو تمہیں نہ مل سکی اُسے پورا کر لو۔ کیونکہ جو شخص نماز کی طرف آرہا ہو، وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے موطّا میں روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ رکوع میں اور نماز شروع کرنے میں جلدی مت کر حتیٰ کہ توصف میں جا کر مل جائے اور اس میں کھڑا ہو جائے۔ اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔)

شرح: مطلب یہ ہے کہ اسی طرح تیز چل کر مت آؤ، جس سے خضوع و خشوع کا اظہار نہ ہو، جو نماز کی اصل روح ہے۔ بہت سی احادیث میں ثُوِّبَ کے بجائے اُقِیمَ کا لفظ ہے۔ اقامت پر تثویب کا لفظ اس لئے بولا گیا کہ تثویب کا لفظی معنیٰ لوٹانا اور دُہرانا ہے۔ اقامت چونکہ اذان کے کلمات کو ہی دُہرانا ہے، اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔ چونکہ لوگ اقامت کے بعد ہی بھاگ دوڑ کرتے ہیں اس لئے یہ فرمایا گیا۔ ورنہ اِذَا اَتَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ کے لفظ بھی مروی ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ مطلقاً نماز میں آنے کے لئے سکون و وقار درکار ہے۔ جمعہ کے لئے جو فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب نماز کی چل پڑنا اور اس کا اہتمام کرنا ہے نہ کہ دوڑ کر آنا۔ اس حدیث میں مَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوا کے لفظ آئے ہیں۔ جو ائمہ حنفیہ میں سے امام محمدؒ کے قول کی تائید کرتے ہیں کہ مسبوق کی جو نماز رہ جائے وہ قرأت کے لحاظ سے اوّل اور تشہد کے لحاظ آخر ہے۔ مسئلہ کی تفصیل فضل المعبود میں ہے۔ دوسری کئی احادیث میں مَا فَاتَکُمْ فَاقْضُوا کے لفظ آئے ہیں۔ سلف و خلف کے جمہور ائمہ اہل سُنّت کا مذہب ہے کہ رکوع کو امام کے ساتھ پالینے والا رکعت کو پالیتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث ہے۔ جنہوں نے صف میں داخل ہونے سے قبل ہی رکوع کر دیا تھا۔ اور اسی حالت میں صف کے اندر جا کر ملے تھے۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تیری نماز یا رکعت نہیں ہوئی۔ بلکہ فرمایا تھا کہ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ یا وَلَا تُعِدْ۔ اللہ تیری حرص کو بڑھائے اور نماز کو نہ لوٹا کہ وہ مکمل ہوگئی۔ یا آئندہ ایسا مت کرنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرأۃ فاتحہ رُکن صلوٰۃ نہیں، ورنہ اس کے بغیر ابوبکرہؓ کی نماز کیسے ہوگئی؟ ابن عبدالبر نے استذکار میں کہا ہے کہ جمہور فقہا نے یہی کہا ہے اور مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں ثوریؒ۔ اوزاعیؒ۔ ابوثورؒ۔ احمدؒ اور اسحاق کا مذہب ہے اور یہی علیؓ۔ ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ ہم نے ان کی اسانید کو التمہید میں بیان کر دیا ہے۔ اس زمانے میں بعض وہ لوگ جو حدیث نہ جانتے ہوئے اہل حدیث ہونے کا اور شدید قسم کے غالی مقلد ہونے کے باوجود غیر مقلد ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ان کا یہ مسلک جمہور علما کے خلاف ہے۔ جو اس مسئلے میں انہوں نے محض از راہ تعصب و تعسّف اختیار کیا ہے۔

۱۵۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِکٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَۃَ الْاَنْصَارِیِّ ثُمَّ الْمَازِنِیِّ، عَنْ اَبِیْہِ، اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ: اَنَّ اَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَہٗ: اِنِّیْ اَرَاکَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِیَۃَ، فَاِذَا کُنْتَ فِیْ غَنَمِکَ، اَوْ بَادِیَتِکَ، فَاَذَّنْتَ بِالصَّلٰوۃِ، فَارْفَعْ صَوْتَکَ بِالنِّدَاءِ، فَاِنَّہٗ "لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ، وَلَا شَیْءٌ، اِلَّا شَہِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ"۔ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ: سَمِعْتُہٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ نے عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ سے کہا میں دیکھتا ہوں کہ تجھے بھیڑ بکریوں سے اور صحرا سے محبت ہے پس جب تو اپنی بھیڑ بکریوں میں یا اپنے صحرا میں ہو اور نماز کی اذان دے تو اپنی آواز کو بلند کر۔ کیونکہ مؤذن کی آواز کی انتہا کو کوئی جن یا انسان یا اور کوئی چیز جو سنتی ہے وہ بروز قیامت اس کے حق میں گواہی دے گی۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔

شرح: جنگل اور صحرا میں اکیلے آدمی کا اذان دینا مستحب ہے۔ تمام فقہاء اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ جو مرفوع ہے بخاری، نسائی، مسند احمد اور ابن ماجہ میں مروی ہے۔

۱۵۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ، لَهُ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ النِّدَاءَ. فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ. حَتّٰى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ أَدْبَرَ. حَتّٰى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ، أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ. يَقُوْلُ اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ. حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ إِنْ يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى".

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگتا ہے اس کے گوز نکلتے ہیں۔ اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اذان کو نہ سن سکے۔ پھر جب اذان ختم کی جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اقامت کہی جاتی ہے پھر بھاگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اقامت ختم کی جاتی ہے تو آجاتا ہے۔ حتیٰ کہ آدمی اور اس کے جی کے درمیان وسوسے ڈالتا ہے۔ اس سے کہتا ہے فلاں بات یاد کر، فلاں کام یاد کر۔ یعنی جن باتوں کو وہ یاد نہیں رکھتا تھا، (یاد دلاتا ہے) حتیٰ کہ آدمی کو یہ نہیں یاد رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔

شرح: شیطان کا گوز مارنا حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شعائر دین کا برملا با آواز بلند اعلان اس پر بہت شاق اور ثقیل ہوتا ہے۔ پس جس طرح زیادہ بوجھ کے باعث گدھے کے پیچھے سے آوازیں نکلتی ہیں، اسی طرح شیطان کی آوازیں نکلتی ہیں۔ یا یہ گوز مارنا پسپائی اور شکست کی محاوراتی تعبیر ہے کہ وہ اظہار شعار اسلام سے نہایت خائف و مایوس ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں شیطان کو بھگانے کی تاثیر رکھی گئی ہے۔

۱۵۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَاعَتَانِ يُفْتَحُ لَهُمَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَقَلَّ دَاعٍ تُرَدُّ عَلَيْهِ دَعْوَتُهُ: حَضْرَةُ النِّدَاءِ لِلصَّلٰوةِ، وَالصَّفُّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النِّدَاءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، هَلْ يَكُوْنُ قَبْلَ أَنْ يَحِلَّ الْوَقْتُ؟ فَقَالَ: لَا يَكُوْنُ إِلَّا

بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ تَثْنِيَةِ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ، وَمَتٰى يَجِبُ الْقِيَامُ عَلَى النَّاسِ حِيْنَ تُقَامُ الصَّلٰوةُ؛ فَقَالَ: لَمْ يَبْلُغْنِيْ فِي النِّدَاءِ وَالْاِقَامَةِ اِلَّا مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ عَلَيْهِ۔ فَاَمَّا الْاِقَامَةُ، فَاِنَّهَا لَا تُثَنّٰى۔ وَذٰلِكَ الَّذِيْ لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ اَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔ وَاَمَّا قِيَامُ النَّاسِ، حِيْنَ تُقَامُ الصَّلٰوةُ، فَاِنِّيْ لَمْ اَسْمَعْ فِيْ ذٰلِكَ بِحَدٍّ يُقَامُ لَهٗ۔ اِلَّا اَنِّيْ اَرٰى ذٰلِكَ عَلٰى قَدْرِ طَاقَةِ النَّاسِ۔ فَاِنَّ مِنْهُمُ الثَّقِيْلَ وَالْخَفِيْفَ۔ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ يَكُوْنُوْا كَرَجُلٍ وَاحِدٍ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ قَوْمٍ حُضُوْرٍ اَرَادُوْا اَنْ يَجْمَعُوا الْمَكْتُوْبَةَ، فَاَرَادُوْا اَنْ يُقِيْمُوْا وَلَا يُؤَذِّنُوْا قَالَ مَالِكٌ: ذٰلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُمْ۔ وَاِنَّمَا يَجِبُ النِّدَاءُ فِيْ مَسَاجِدِ الْجَمَاعَاتِ الَّتِيْ تُجْمَعُ فِيْهَا الصَّلٰوةُ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ تَسْلِيْمِ الْمُؤَذِّنِ عَلَى الْاِمَامِ وَدُعَائِهٖ اِيَّاهُ لِلصَّلٰوةِ، وَمَنْ اَوَّلُ مَنْ سُلِّمَ عَلَيْهِ؟ فَقَالَ: لَمْ يَبْلُغْنِيْ اَنَّ التَّسْلِيْمَ كَانَ فِي الزَّمَانِ الْاَوَّلِ۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ مُؤَذِّنٍ اَذَّنَ لِقَوْمٍ، ثُمَّ انْتَظَرَ هَلْ يَاْتِيْهِ اَحَدٌ، فَلَمْ يَاْتِهٖ اَحَدٌ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ. وَصَلّٰى وَحْدَهٗ۔ ثُمَّ جَاءَ النَّاسُ بَعْدَ اَنْ فَرَغَ، اَيُعِيْدُ الصَّلٰوةَ مَعَهُمْ؟ قَالَ: لَا يُعِيْدُ الصَّلٰوةَ۔ وَمَنْ جَاءَ بَعْدَ انْصِرَافِهٖ، فَلْيُصَلِّ لِنَفْسِهٖ وَحْدَهٗ۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ مُؤَذِّنٍ اَذَّنَ لِقَوْمٍ۔ ثُمَّ تَنَفَّلَ۔ فَاَرَادُوْا اَنْ يُّصَلُّوْا بِاِقَامَةِ غَيْرِهٖ؟ فَقَالَ: لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ۔ اِقَامَتُهٗ، وَاِقَامَةُ غَيْرِهٖ سَوَاءٌ۔

قَالَ يَحْيٰى: قَالَ مَالِكٌ: لَمْ تَزَلِ الصُّبْحُ يُنَادٰى لَهَا قَبْلَ الْفَجْرِ۔ فَاَمَّا غَيْرُهَا مِنَ الصَّلَوٰتِ، فَاِنَّا لَمْ نَرَهَا يُنَادٰى لَهَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ يَحِلَّ وَقْتُهَا۔

ترجمہ: سہل بن سعد ساعدی نے کہا کہ دو وقت ایسے ہیں، جن میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ان میں دعا کرنے والے کی دعا کم ہی رد ہوتی ہے۔ ایک تو نماز کی اذان کے وقت ہے اور دوسرا راہِ خدا میں صف بندی کا وقت (یہاں یہ روایت موقوف ہے۔ مگر ابو داؤد اور دارمی نے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آیا جمعہ کے دن اذان وقت سے پہلے ہونی چاہیے؟ مالکؒ نے کہا کہ جمعہ کی اذان زوال آفتاب کے بعد ہوتی ہے۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے کہ اذان نماز کا وقت داخل ہو جانے کا اعلان و اطلاع ہے۔ لہٰذا وقت سے پہلے مشروع نہیں۔ اس میں امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا اختلاف ہے)۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اذان کے اور اقامت کے کلمات کو دو دو کہا جائے (یا ایک ایک کر کے) اور جب اقامت ہی جائے تو لوگوں پر نماز کے لئے کھڑا ہونا کب واجب ہے۔ مالکؒ نے فرمایا کہ مجھ کو اذان اور اقامت میں صرف وہی خبر ملی ہے جس پر میں نے لوگوں کو پایا ہے۔ پس اقامت دُہری نہ کہی جائے یہی وہ عمل ہے جس پر ہمارے شہر کے اہل علم برابر عمل پیرا رہے ہیں۔ اور جہاں تک اقامتِ صلوٰۃ کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو میں نے اس میں کوئی حد بندی نہیں سُنی۔ لیکن میرے خیال میں یہ لوگوں کی طاقت کی مقدار پر منحصر ہے کیونکہ ان میں سے بعض لوگ بوجھل ہوتے ہیں، اور بعض ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ اور سب لوگ ایک ہی شخص کی مانند نہیں ہو سکتے۔ (اذان کے کلمات مشہور ہیں اور صحیح احادیث میں وارد ہیں صبح کی اذان میں اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ثابت شدہ سُنّت ہے اور ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ جیسا کہ طحاویؒ نے بیان کیا۔ جہاں تک شہادتین کی ترجیع کا سوال ہے۔ یہ عبداللہ بن زیدؓ کی اذان میں نہیں آئی اور یہی اذان اصل ہے جو حضورؐ کے حکم سے بلالؓ کو یہی سکھائی گئی اور اس نے سفر و حضر میں ہمیشہ یہی اذان کہی۔ جیسا کہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اقامت کے الفاظ بھی حنفیہ کے نزدیک اذان جیسے ہیں۔ عبداللہ بن زید سے اذان سیکھ کر بلال نے اذان دی اور اقامت میں وہی کلمات دُہرائے (ابوداؤد)۔ ہاں اقامت میں قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰۃ دو بار کا اضافہ ہے۔ ابو محذورہؓ کی اقامت کی روایات میں بھی زیادہ یہی آیا ہے کہ اقامت اذان کی مانند ہے۔ اس کے ثبوت میں مرفوع احادیث کے علاوہ بے شمار آثار بھی ہیں، جنہیں ابن ابی شیبہؒ، طحاویؒ نخعیؒ، ابن الجوزی نے روایت کیا ہے۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات نے کہا ہے کہ اقامت کے الفاظ میں کمی شاہان بنی اُمیّہ کے دَور میں ہوئی تھی۔ جہاں تک اقامت کے وقت اُٹھنے کا تعلق ہے۔ اس امر میں وسعت موجود ہے)۔

اور یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کچھ لوگ کہیں جمع ہوں، یعنی مسجد کے علاوہ، تو اگر صرف ایک اقامت کہہ لیں اور اذان نہیں ترک کیا ہے۔ مالکؒ نے فرمایا کہ یہ کافی ہے کیونکہ اذان کا وجوب (یا سنت مؤکدہ) ان مسجدوں میں ہے جہاں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ (اذان سُنّت مؤکدہ یا عملی طور پر واجب ہے اور یہ ایک عملی شعار ہے۔ جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔ داؤد ظاہری نے دونوں کو فرض کہا ہے۔ گھر میں یا کسی اور اجتماع میں نماز با جماعت پڑھیں تو صرف اقامت کافی ہے۔ اذان ہو جائے تو بھی حرج نہیں۔ احادیث و آثار سے یہی ثابت ہے)۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ مؤذن امام کو سلام کہے اور اسے نماز کی اطلاع دے؟ اور وہ کون پہلا شخص تھا جسے سلام کہا گیا؟ تو مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ سلام پہلے زمانے میں ہوتی تھی۔ (یعنی نماز کی اطلاع تو خیر ثابت ہے، مگر سلام اور دعا کے وہ خاص کلمات جن کا ملوک و سلاطین کے ہاں رواج تھا، یہ ثابت نہیں، نہ حضورؐ سے نہ خلفائے راشدین سے۔ یہ رواج ملوکِ بنی اُمیّہ کے ہاں شروع ہوا تھا)۔

اور امام مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی مؤذن لوگوں کو بلانے کے لئے اذان دے، پھر کسی آنے والے کا انتظار کرے مگر کوئی شخص نہ آئے، پھر وہ خود ہی اقامت کہہ کر اکیلا نماز پڑھ لے۔ پھر اس کی نماز سے فراغت کے بعد لوگ آ جائیں تو کیا وہ ان کے ساتھ نماز لوٹائے؟ امام مالکؒ نے کہا کہ نہیں وہ نماز نہ لوٹائے اور جو لوگ اس کی فراغت کے بعد آئیں تو وہ اکیلے نماز پڑھیں۔ (ہو سکتا ہے کہ ایک مسجد کا امام ہی مؤذن ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مؤذن اذان دے کر امام اور دوسرے لوگوں کا جماعت کے لئے انتظار کرے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی تکرار جماعت اسی طرح مکروہ ہے جیسے حنفیہ کے نزدیک۔ حدیث کے بعض شاذ و نادر یا اتفاقیہ پیش آجانے والے واقعات سے استدلال کرکے اصل جماعت کے بعد کئی کئی جماعتوں کا رواج ڈالنا یقیناً خلافِ سنت ہے۔ اس سے اصل جماعت بے معنی اور بے وقعت ہوکر رہ جاتی ہے۔ امام مالکؒ کے قول کا مطلب پہلی صورت میں یہ ہے کہ امام نے اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ لہٰذا بعد میں آنے والے اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔ مدونہ میں بھی یہی صورت آئی ہے۔ دوسری صورت میں جو شخص پہلے پڑھ چکا ہے اور وقت پر کوئی آیا نہ تھا۔ تو بعد میں آنے والوں کے ساتھ اس کے لئے نماز پڑھنا ضروری نہ رہا۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک مؤذن نے کسی قوم کے لئے اذان دی اور پھر نفل پڑھنے میں مصروف ہو گیا، لوگ نماز پڑھنا چاہیں، تو کسی اور کی اقامت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ مؤذن کی اقامت اور دوسرے کی اقامت برابر ہے۔ (یہی مذہب ابوحنیفہؒ کا بھی ہے۔ کیونکہ سب سے پہلی اذان حضورؐ کے حکم سے بلالؓ نے دی تھی اور اقامت عبداللہ بن زید نے کہی تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ حدیث الصدائی کی حدیث سے سند میں احسن تر ہے۔ صدائی کی حدیث مَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ کا ایک راوی عبدالرحمٰن افریقی اس میں منفرد ہے۔ اور محدثین کے نزدیک وہ حجت نہیں ہے۔ ہاں حنفیہ نے اس میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس سے مؤذن کو اذیت نہ ہو۔ ورنہ کسی اور کی اقامت مکروہ رہے گی۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ صبح کی اذان ہمیشہ سے فجر سے پہلے دی جاتی رہی ہے۔ لیکن دوسری نمازوں کے متعلق ہم نے نہیں دیکھا (یا ان میں ہماری یہ رائے نہیں) کہ ان کی اذان وقت آجانے سے پہلے دی جاتی ہو۔ (امام ابوحنیفہؒ، محمد بن الحسنؒ، سفیان ثوریؒ، زفر بن الہذیلؒ نے کہا کہ فجر کا وقت داخل ہونے سے پہلے اس کی اذان جائز نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رمضان میں دو اذانیں حضورؐ کے وقت میں ہوتی تھیں۔ ایک سحری کے لئے اور دوسری نماز فجر کے لئے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ طلوعِ فجر سے پہلے فجر کی نماز کے لئے اذان رمضان میں جائز ہے۔ آگے پیچھے نہیں۔ امام شافعیؒ، مالکؒ اور ابویوسفؒ (حسبِ قولِ اخیر) فجر کی اذان کو جائز کہتے ہیں مفصل بحث آگے آتی ہے)

۱۶۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُؤْذِنُهٗ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ، فَوَجَدَهٗ نَائِمًا فَقَالَ: الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ. فَاَمَرَهٗ عُمَرُ اَنْ يَّجْعَلَهَا فِيْ نِدَاءِ الصُّبْحِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ مؤذن حضرت عمر بن الخطاب کے پاس نمازِ صبح کی اطلاع دینے آیا تو آپ کو سوتے ہوئے پایا۔ پس کہا اے امیر المؤمنین نماز نیند سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا کہ یہ کلمہ فقط صبح کی اذان میں کہا کرو۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں بھی بَابُ الْاَذَانِ وَالتَّثْوِيْبِ میں مروی ہے۔)

شرح: کئی احادیث میں ہے کہ یہ کلمہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بلالؓ صبح کی اذان میں کہا کرتے تھے۔ پس حضرت عمرؓ یا اور کوئی صحابی اس سے بے خبر نہیں ہوسکتا تھا۔ بقول حافظ ابن البرؒ، قاضی ابو الولید الباجیؒ اور شارح زرقانی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن نے یہ کلمہ غیر اذان میں استعمال کیا تھا۔ پس جناب عمرؓ نے تنبیہ فرمائی کہ اسے صرف فجر کی اذان میں کہو ورنہ یہ اس کلمہ کا بے محل استعمال ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر مؤذن، فرض کیجئے صبح کے علاوہ کسی اور اذان میں یہ کلمہ کہنے لگے تو جائز نہ ہوگا۔ المنتقی ج۱ ص۱۳۹ پر الباجی مالکیؒ کے قول کا یہی مفاد ہے۔ امام سیوطیؒ نے تنویر الحوالک ص۷۱ میں وہ مرفوع روایات (ابن ماجہ، بقی بن مخلد، دارقطنی) درج کردی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اذان فجر میں رکھا گیا تھا۔

۱۶۰ (الف) وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ، إِلَّا النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ۔

ترجمہ: مالک بن ابی عامر (امام مالک کے دادا) نے کہا کہ میں نے لوگوں کو جس حالت میں پایا تھا، اب میں اس میں سے صرف اذان ہی دیکھتا ہوں۔

شرح: یعنی اکثر امور شرع میں سستی، تبدیلی اور سہل انگاری پیدا ہو چکی ہے۔ ہاں اذان وہی ہے جو پہلے تھی۔ نمازوں میں خشوع وخضوع نہیں رہا، مسجدوں میں شور وغل ہے اور اسی طرح تمام شعائر دین کا حال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہی رضائے الٰہی کا طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شہر یا علاقے کا عمل حجت شرعیہ نہیں۔ جب تک کہ اس کی دلیل کتاب وسنت میں نہ ہو۔ بعد کے سلاطین و ائمہ نے آہستہ آہستہ تغیر وتبدل شروع کر دیا تھا۔ مگر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہے اور اس پر ہر شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے۔

۱۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ سَمِعَ الْإِقَامَةَ وَهُوَ بِالْبَقِيعِ، فَأَسْرَعَ الْمَشْيَ إِلَى الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ بقیع میں تھے کہ انہوں نے اقامت کی آواز سنی تو مسجد کی طرف اپنی چال کو تیز کر دیا (یعنی دوڑنے کی حد تک نہیں، صرف ذرا قدم تیز اور جلدی اٹھانے لگے۔ کیونکہ دوڑ کر آنا بروئے حدیث صحیح ممنوع ہے۔ اگر صرف تیز رفتاری ہو، جو سکون ووقار کے خلاف نہ ہو تو جائز ہے۔)

بَابُ النِّدَاءِ فِي السَّفَرِ وَعَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ

سفر کی اذان اور بے وضو اذان دینے کا باب

۱۶۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ۔ فَقَالَ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ۔ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ، إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ بَارِدَةٌ، ذَاتُ مَطَرٍ، يَقُولُ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سرد اور آندھی والی رات میں اذان دی۔ پھر کہا: اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔ اے لوگو! اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ لو۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈی، بارش والی رات کو مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ کہے: اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔

شرح: سفر کی اذان کا ذکر تو اس باب کی احادیث میں آیا ہے۔ مگر بے وضو اذان دینے کی کوئی حدیث نہیں آئی۔ یہی سبب ہے کہ زرقانی کے اس باب میں وَعَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ کا اضافہ یحییٰ بن یحییٰ کا مانا گیا ہے۔ سو ایسے بے وضو اذان کے جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اس حدیث میں بارش کے عذر کے سبب سے مؤذن کا یہ قول کہنا اور ڈیروں پر نماز پڑھنا مشروع ثابت ہوتا ہے۔ ابن عمرؓ نے آندھی کو اس پر قیاس کیا تھا۔ فقہ میں ۱۰ عذر مذکور ہیں۔ جن سے جماعت کی حاضری ساقط ہو سکتی ہے اور بارش اور شدید سردی ان میں داخل ہیں۔

۱۶۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَزِیْدُ عَلَى الْاِقَامَةِ فِی السَّفَرِ اِلَّا فِی الصُّبْحِ۔ فَاِنَّهٗ كَانَ یُنَادِیْ فِیْهَا، وَیُقِیْمُ۔ وَكَانَ: اِنَّمَا الْاَذَانُ لِلْاِمَامِ الَّذِیْ یَجْتَمِعُ النَّاسُ اِلَیْهِ

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سفر میں فجر کی نماز کے سوا باقی نمازوں کی جماعت کے لئے صرف اقامت کہلاتے تھے۔ فجر میں اذان اور اقامت دونوں کہتے (یا کہلاتے) تھے۔ اور کہتے تھے کہ اذان تو صرف اس امام کی خاطر ہے جس کی طرف لوگ جمع ہوں۔

شرح: یہ حدیث اوپر والی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں رات کی اذان کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کبھی اذان دلواتے اور کبھی صرف اقامت پر اکتفا کرتے۔ یہ احوال و ظروف پر منحصر ہے۔

۱۶۴۔ وَحَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، اَنَّ اَبَاهُ قَالَ لَهٗ: اِذَا كُنْتَ فِیْ سَفَرٍ، فَاِنْ شِئْتَ اَنْ تُؤَذِّنَ وَتُقِیْمَ فَعَلْتَ۔ وَاِنْ شِئْتَ فَاَقِمْ وَلَا تُؤَذِّنْ۔

ترجمہ: عروہؓ نے اپنے بیٹے ہشام سے کہا کہ جب تو سفر میں ہو تو چاہے تو اذان اور اقامت دونوں کہہ اور چاہے تو صرف اقامت کہہ لے۔ اور اذان نہ دے۔ (عطاء بن ابی رباح کے سوا سب علماء کے نزدیک مسافر کے لئے اذان مستحب ہے۔ عطاءؒ کے نزدیک اذان اور اقامت دونوں واجب ہیں۔ عطاءؒ نے صحاح کی حدیث اَذِّنَا وَاَقِیْمَا کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ مجاہد اور داؤد ظاہری کا مذہب اس سے ملتا جلتا ہے۔ حنفیہ نے کہا کہ مسافر اذان اور اقامت دونوں کہے۔ ہاں صرف اقامت پر اکتفا جائز ہے۔ مگر ہر دو کا ترک مکروہ ہے)

۱۶۴ (الف)۔ قَالَ یَحْیٰی: سَمِعْتُ مَالِكًا یَقُوْلُ: لَا بَاْسَ اَنْ یُؤَذِّنَ الرَّجُلُ وَهُوَ رَاكِبٌ۔

ترجمہ: یحییٰؒ نے امام مالکؒ سے سنا کہ آدمی اگر سواری کی حالت میں اذان دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (حنفیہ کا بھی یہی قول ہے)

۱۶۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَى بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ، اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى بِاَرْضِ فَلَاةٍ، صَلّٰى عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ۔ فَاِذَا اَذَّنَ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ اَوْ اَقَامَ، صَلّٰى وَرَاءَهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اَمْثَالُ الْجِبَالِ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب کہتے تھے کہ جو شخص صحرا میں نماز پڑھے تو ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا بائیں طرف نماز پڑھتا ہے۔ اگر وہ اذان اور اقامت کے بعد نماز قائم کرے یا صرف اقامت کے بعد۔ تو اس کے پیچھے پہاڑوں کی مانند فرشتوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہوتے ہیں۔

شرح: یہاں یہ حدیث موقوف ہے مگر نسائی نے سلمان فارسیؓ سے اس مضمون کی مرفوع حدیث اور بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے سلمانؓ پر موقوف حدیث روایت کی ہے۔ اگر یہ روایت موقوف ہی ہوتی تو بھی مرفوع کے حکم میں تھی۔ کیونکہ اس قسم کی بات سعیدؒ جیسا شخص اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ دو مقتدی ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ صحاح میں انسؓ کی روایت سے یہی ثابت ہے مگر اس زیر نظر اثر سے معلوم ہوا کہ دونوں مقتدی امام کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے۔ ابو رشتؒ نے

عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح ہی کہا ہے۔ مگر یہاں پر مقتدی انسان نہیں فرشتے ہیں۔ لہٰذا جمہور کا مذہب اقویٰ ہے۔

۳۔ بَابُ قَدْرِ السَّحُوْرِ مِنَ النِّدَاءِ

سحری کی حد بندی کے لئے اذان دینا

۱۶۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ، فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ".

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلال رات رہے اذان دیتا ہے۔ پس تم کھاؤ پیو، جب تک کہ ابن اُمِّ مکتومؓ اذان نہ دے۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے ابواب الصیام میں بَابُ مَتٰی یَحْرُمُ الطَّعَامُ عَلَی الصَّائِمِ میں روایت کیا ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ بلالؓ لوگوں کو سحری کی اطلاع دینے کے لئے رات رہے اذان دیتا تھا۔ اور ابن مکتومؓ طلوعِ فجر کے بعد نمازِ فجر کے لئے اذان دیتا تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک ام مکتوم اذان نہ دے، کھاتے پیتے رہو۔ اس سے قبل سالم کی حدیث میں لفظ ہیں کہ ابن اُمِّ مکتوم اس وقت تک اذان نہ دیتا تھا، جب تک لوگ یہ نہ کہتے کہ صبح ہوگئی ہے۔ اس حدیث سے نابینا کی اذان کا جواز ثابت ہوا، جب کہ اسے وقت بتانے والا موجود ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت ایک سے زیادہ مؤذن ایک ہی مسجد کے لئے مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ دونوں بیک وقت اذان دیں تو بھی جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ طلوعِ فجر میں شک ہو تو رمضان میں اس وقت کھانا پینا جائز ہے۔

۱۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ، فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ. قَالَ وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا أَعْمٰى، لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهُ: أَصْبَحْتَ. أَصْبَحْتَ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلالؓ رات رہے اذان دیتا ہے پس تم اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک کہ ابن اُمِّ مکتوم اذان نہ دے۔ سالم نے کہا کہ ابن اُمِّ مکتوم نابینا شخص تھا۔ اس وقت تک اذان نہ دیتا تھا جب تک کہ نہ کہا جاتا، صبح ہوگئی ہے، صبح ہوگئی۔ (جیسا کہ اُوپر کہا گیا یہ حدیث مؤطا ئے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: بقول حافظ ابن عبد البرؒ اور دار قطنی یہ روایت کئی طرق سے موصول ثابت ہو چکی ہے لہٰذا مرسل نہیں رہی۔ گو مؤطا میں یہاں پر مرسل ہے۔ صحاح اور دیگر کتبِ حدیث کی بعض اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں بلالؓ اور ابن اُمِّ مکتوم کی نوبتیں مقرر تھیں۔ یعنی بعض ایام میں یہ پہلے اور وہ بعد میں اذان دیتا تھا۔ اور بعض میں اس کے برعکس ہوتا تھا۔ مسند احمد، ابن خزیمہ اور ابن حبان کے علاوہ اس کا ثبوت مصنف ابن شیبہ سے ملتا ہے۔ بعض محدثین نے ان روایات کو جن میں ام مکتومؓ کے پہلے اذان دینے کا اور بلالؓ کے بعد میں فجر کے لئے اذان دینے کا ذکر ہے مقلوب بنایا ہے۔ لیکن حافظ ابن

نے اس تاویل کا رد لکھا ہے۔ اور خوب لکھا ہے۔ محدث ابن القطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ دو اذانیں صرف رمضان میں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ مسلم میں حضورؐ کا ارشاد مروی ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتا ہے کہ تہجد پڑھنے والے گھر آجائیں اور وہ (بلالؓ) سونے والوں کو جگاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک فجر کی یا کسی اور نماز کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے بلال کو حکم دیا کہ جب تک فجر طلوع واضح نہ ہو جائے، اذان نہ دے۔ طحاوی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا، جب موذن فجر کے لئے اذان دیتا تو حضورؐ اٹھ کر فجر کی دو رکعات پڑھتے اور مسجد تشریف لے جاتے۔ ابوداؤد، طحاوی اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ بلالؓ نے قبل از وقت اذان دے دی تو حضورؐ نے اسے حکم دیا کہ واپس جا کر باآواز بلند کہے، لوگو! بندہ سو گیا تھا یعنی غلطی سے اذان قبل از وقت ہو گئی ہے۔

۴۔ بَابُ افْتِتَاحِ الصَّلوٰةِ

نماز کے شروع کرنے کا باب

۱۶۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلوٰةَ، رَفَعَ یَدَیْهِ حَذْوَ مَنْكِبَیْهِ۔ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ، رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ اَیْضًا۔ وَقَالَ "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ"۔ وَكَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِكَ فِی السُّجُوْدِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی اسی طرح ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور کہتے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اور سجدے میں اس طرح نہ کرتے تھے۔ (مؤطائے امام محمدؒ میں یہ حدیث الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مروی ہے)۔

شرح: ابتدائے صلوٰۃ میں رفع الیدین پر ساری امت کا اجماع ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ سنت اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک فرض۔ داؤد حمیدیؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک واجب ہے۔ مگر کسی نے اپنے اس قول کے باوجود یہ نہیں کہا کہ اس کے ترک سے نماز باطل ہے سوائے اوزاعی اور حمیدی کے۔ ابن عبدالبرؒ نے ان کے قول کو شاذ اور خطا ٹھہرایا ہے۔ یہاں کندھوں تک کا ذکر ہے۔ اور دوسری احادیث میں کانوں کا ذکر ہے۔ دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔ کیونکہ کانوں تک ہاتھ اٹھائیں تو کندھے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تنویر الحوالک ص۲۷ میں سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث مرفوع بروایت وائل بن حجر لکھی ہے کہ عورت سینے تک ہاتھ اٹھائے۔ اس حدیث میں رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ یحییٰ کے علاوہ قعنبی، شافعی معن، یحییٰ نیشاپوری وغیرہم کی روایت میں رکوع کرتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں آیا۔ طبرانی اوسط میں ابن عمرؓ کی حدیث مروی ہے مگر اس میں رکوع جاتے وقت اور سجدہ کے لئے جھکتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔ حافظ ہیثمی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ ابن عمرؓ کی حدیث گو بخاری اور مسلم دونوں میں ہے مگر مضطرب ہے۔ اس میں مقامات رفع الیدین میں اختلاف وارد ہے۔ شاید اسی لئے امام مالکؒ کا قول مشہور یہی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اختیار نہیں کیا۔

مدوّنہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا: میرے نزدیک نماز کی تکبیرات میں اوپر اُٹھتے یا نیچے جاتے وقت سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین غیر معروف وضعیف ہے۔ (المنتقیٰ ج ۱ صفحہ ۱۴۲)۔ نوویؒ نے کہا کہ یہی مالکؒ کی مشہور ترین روایت ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین پر اتفاق کے بعد علما کا اس میں اختلاف ہے کہ کس کس جگہ پر رفع الیدین مسنون ہے۔ رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع الیدین کے مسنون ہونے پر شافعیؒ۔ احمدؒ اور اسحاق کا اتفاق ہے۔ اور جیسا کہ ترمذی نے کہا کہ یہی قول اور بعض تابعین کا ہے۔ گو اس کی بعض جزئیات میں ان کا بھی اختلاف ہے۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے جائیں۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی جو ان کے اصحاب میں معمول بہ ہے یہی ہے۔ المنتقیٰ صفحہ ۱۴۲ میں ابو الولید الباجی نے مدوّنہ سے امام مالکؒ کی روایت لی ہے کہ تکبیر افتتاح کے علاوہ کہیں اور رفع یدین ضعیف ہے۔ یہی مذہب ثوری۔ نخعی۔ ابن ابی لیلہ، علقمہ، اسود، شعبی۔ ابو اسحٰق سبیعی خیثمہ، مغیرہ، وکیع، عاصم بن کلیب، زفر، عبداللہ بن مسعودؓ، جابر بن سمرہؓ۔ ابرٰاء۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ابو سعید خدری کا ہے (عینی)۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ، علیؓ اور ان کے اصحاب سے ترکِ رفع کی روایت کی ہے۔ البدائع میں ابن عباس سے مروی ہے کہ عشرہ مبشرہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ المیمونی کے نزدیک سجدوں میں اور ہر بلند وپست میں رفع یدین کیا جائے۔ نسائی کی مالک بن الحویرث کی روایت میں جو بقول حافظ ابن حجرؒ صحیح ہے سجدوں کے اندر بھی رفع یدین ثابت ہے۔ مسند ابی یعلیٰ میں انس کی روایت سے رکوع اور سجود میں رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔ پھر بقول ابن القطان دو سجدوں کے اندر اور دوسری رکعت کے لئے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین صحیح طور پر مرفوعاً ثابت ہے۔ یہ حدیثیں مالک ابن الحویرث اور ابن عباسؓ سے (نسائی وطحاوی) اور وائل بن حجرؓ سے (ابو داؤد) مروی ہیں اور صحیح ہیں (ابن رسلان)۔ دوسری رکعت کی ابتدا میں حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث میں رفع یدین ثابت ہے (ترمذی۔ ابو داؤد۔ مسند احمد۔ نسائی۔ ابن ماجہ) اس کے لفظ: إِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ کی کچھ لوگوں نے تاویل کی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث ان کے مسلک ومختار کے خلاف ہے۔ دوسری رکعت سے اُٹھ کر رفع یدین بخاری میں ابن عمرؓ سے، ابو حمید ساعدی سے ابو داؤد اور ترمذی میں آیا ہے۔ مگر شافعیؒ اس کے قائل نہیں ہوئے۔ (خطابی)

اوپر کی بحث سے مواضع میں رفع یدین ثابت ہوا۔ مگر شافعیؒ اور جمہور نے اسے صرف تین مقامات میں تسلیم کیا۔ اور باقی تمام احادیث کو بلا دلیل وحجت چھوڑ دیا۔ تکبیر تحریمہ، رکوع کے وقت، قومہ کے وقت۔ خاص کر تیسری رکعت کی ابتدا میں تو رفع یدین بہت سی روایات میں ثابت ہے۔ سجدے کے وقت دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے بعد بھی رفع یدین کی حدیثیں صحیح ہیں لیکن مقام حیرت واستعجاب ہے کہ محض خود رائی کے ساتھ ان تمام احادیث کو بیک قلم ترک کرنے والے تو عامل بالحدیث کے مدعی کہلائیں اور دوسروں کو ترکِ حدیث کا قصور وار گردانیں حدیث وسنت پر کسی کی اجارہ داری تو نہیں حنفیہ اور مالکیہ نے اگر تکبیر تحریمہ کے سوا اور مواضع میں رفع یدین ترک کر دیا ہے تو ان کے پاس بھی ترجیح وقبول یا عدم قبول کے دلائل موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رفع یدین کی احادیث کثرت سے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بالکل ٹھیک۔ مگر سوال یہ ہے کہ کتنی بار رفع یدین کی؟ بس اسی کے جواب پر تنازعہ ختم کرنے کا دارومدار ہے۔ آپ نے رفع یدین کی بہت سی احادیث کو ترک کیا اور صرف دو بار والی حدیث کو اپنایا۔ ہم نے اگر شرعی وحدیثی دلائل سے اسے بھی ترک کیا تو کون سا گناہ کیا؟

ترکِ رفع یدین کی احادیث

(۱) ترمذی کی حدیثِ ابن مسعودؓ کہ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھاتا ہوں اور صرف تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا۔ (ترمذی۔ مؤطا امام محمدؒ۔ طحاوی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ دارقطنی، بیہقی۔ ابن ابی شیبہ۔ المحلیٰ۔ ابن حزم نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابن القطان، دارقطنی اور احمد نے اسے صحیح کہا۔ حافظ زیلعی نے اس میں ثُمَّ لَا يَعُودُ کا اضافہ دلائل سے ثابت کیا ہے)۔ اسی حدیث کو امام ابو حنیفہؒ نے امام اوزاعی کے مناظرے میں پیش کیا تھا۔

اس کی سند یہ ہے، ابوحنیفہؒ، حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ، علقمہؒ و الاسودؒ، ابن مسعودؓ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ کوئی منصف شخص ان میں سے کسی راوی میں کوئی کلام نہیں کرسکتا۔ ابن عدی، دارقطنی اور بیہقی نے حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن مسعود مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی۔ انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے تھے (۲) براء بن عازب کی حدیث جسے طحاوی صہ۱۳ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اور پھر نہیں اُٹھاتے تھے۔ یہ ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کی ہے۔ ابوداؤد صہ۱۰۹ نے اسے روایت کرکے اس پر اعتراض کیا ہے۔ مگر تنسیق النظام میں اس اعتراض کو رد کر دیا گیا ہے۔ (۳) ابوہریرہ کی مرفوع حدیث جو ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے، ابوداؤد اس پر خاموش رہے ہیں۔ (۴) ابن عباسؓ کی حدیث جو ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاتھ صرف سات جگہوں پر اُٹھائے جاتے ہیں۔ ان مواضع میں رکوع و قومہ وغیرہ نہیں۔ طبرانی نے اسے ابن عباسؓ سے مرفوعاً اور ابن ابی شیبہ نے موقوفاً بیان کیا۔ بخاری نے جزء رفع الیدین میں اسے ابن عباسؓ سے تعلیقاً اور ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ البزار نے دونوں سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کی۔ اسی طرح بیہقی اور حاکم نے دونوں سے مرفوعاً روایت کی (نصب الرایۃ صہ۳۸۹)۔ (۵) جابر بن سمرہ کی حدیث (مسلم، ابوداؤد، نسائی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سیخ پا گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اُٹھائے دیکھتا ہوں۔ نماز میں ساکن رہو۔ نماز میں کا لفظ اس تاویل کو رد کر دیتا ہے کہ یہ ممانعت رفع الیدین عندالسلام سے تھی۔ شوکانی کا یہ دعویٰ عجیب ہے کہ رفع یدین متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ائمہ مجتہدین کا اختلاف کیا خدانخواستہ اس بات پر تھا کہ متواتر کو مانا جائے یا نہ مانا جائے؟ (۶) عباد بن زبیرؓ کی حدیث مرفوع (گو مرسل ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے، پھر نہیں۔ مرسل جمہور کے نزدیک حجت ہے، بالخصوص جب کہ اس کی متابعت و تائید دوسری احادیث سے ہو جائے۔

ترک رفع یدین کے بے شمار آثار موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے فضل المعبود میں کیا ہے۔ تفصیل کے لئے بذل المجہود اور اوجز المسالک اور طحاوی اور موطا امام محمد کا مطالعہ مفید رہے گا۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، بیہقی، زیلعی نے بھی کئی آثار روایت کئے ہیں۔ ترکِ رفع یدین قرآن کی آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ نماز میں جس قدر حرکات کم ہوں گی، اتنا ہی خشوع و خضوع زیادہ ہوگا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بہت سے امور نماز میں پہلے جائز تھے (مثلاً بات چیت، سلام وجواب، التفات وغیرہ) جن کی بعد میں ممانعت کی گئی۔ قائلین رفع یدین نے بھی بے شمار احادیث و آثار کو ترک کرکے صرف بعض بلکہ ایک حدیث پر اپنا مذہب مبنی کیا ہے۔

۱۶۹- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلَاةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ۔ فَلَمْ تَزَلْ تِلْكَ صَلَاتُهُ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔

ترجمہ: علی بن حسینؒ (یعنی زین العابدین) نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پستی و بلندی میں تکبیر کہتے تھے اور اللہ کے پاس پہنچ جانے تک آپ کی یہی نماز رہی۔ (موطائے امام محمدؒ میں بھی یہ روایت باب افتتاح الصلوٰۃ میں موجود ہے)

روایت مُرسل ہے۔ کیونکہ علیؓ بن حسینؓ صحابی نہیں تھے۔)
شرح: رکوع سے قومہ کی طرف سر اُٹھاتے وقت صحیح احادیث سے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ثابت ہے۔ لہٰذا وہ اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ ہے۔

۱۷۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ۔
ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ (کسی موضع کا ذکر نہیں کیا۔)

۱۷۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ، فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَإِذَا انْصَرَفَ، قَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
ترجمہ: ابوہریرہؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے اور ہر پستی و بلندی میں تکبیر کہتے تھے۔ نماز کے اختتام کے بعد کہتے کہ واللہ میری نماز تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے۔ (موطائے امام محمد میں بھی یہ حدیث موجود ہے اور ابوہریرہؓ کے قول کا مطلب دوسرے لفظوں میں حدیث مرفوع ہے کہ میں اسی طرح نماز پڑھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے تھے۔ اور یہ مشابہت یہاں پر لفظ تکبیرات میں مراد ہے۔ اور سبب اس کا حسب روایت بخاری عن عکرمہ یہ تھا کہ اس وقت بعض ائمہ یہ تکبیرات نہیں کہتے تھے۔ یا آواز بلند نہ کہتے تھے۔)

۱۷۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلٰوةِ، كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ۔
ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نماز میں ہر پستی و بلندی میں تکبیر کہتے تھے۔

۱۷۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ، رَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ۔ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوعِ، وَرَفَعَهُمَا دُونَ ذٰلِكَ۔
ترجمہ: عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر ہاتھ اُٹھاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اس سے کچھ نیچے تک اُٹھاتے تھے۔ (امام محمدؒ نے اپنے موطا میں یہ اثر روایت کیا ہے۔ اس میں بھی نمبر ۱۶۹ کی طرح تکبیر تحریمہ کے علاوہ ایک بار قومہ کو اُٹھتے رفع یدین کا ذکر ہے۔ اور ایک فرق یہ ہے کہ دوسرے رفع میں ہاتھوں کو ذرا کم اٹھانا آیا ہے۔ مفصل بحث اوپر گزر چکی ہے۔)

۱۷۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ، وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهٗ

كَانَ يُعَلِّمُهُمُ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلٰوةِ- قَالَ: فَكَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُكَبِّرَ كُلَّمَا خَفَضْنَا وَرَفَعْنَا-

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ اپنے شاگردوں کو نماز کی تکبیر سکھاتے اور حکم دیتے تھے کہ ہم جب بھی نیچے کو جائیں یا اوپر کو اُٹھیں تو تکبیر کہیں۔ (یہ اثر بھی موطائے محمد میں مروی ہے) جیساکہ اوپر گزرا، قومہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۷۵ـ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا أَدْرَكَ الرَّجُلُ الرَّكْعَةَ فَكَبَّرَ تَكْبِيرَةً وَاحِدَةً، أَجْزَأَتْ عَنْهُ تِلْكَ التَّكْبِيرَةُ-

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ إِذَا نَوَى، بِتِلْكَ التَّكْبِيرَةِ، افْتِتَاحَ الصَّلٰوةِ-

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ مَعَ الْإِمَامِ، فَنَسِيَ تَكْبِيرَةَ الْافْتِتَاحِ، وَتَكْبِيرَةَ الرُّكُوعِ، حَتّٰى صَلّٰى رَكْعَةً- ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ كَبَّرَ تَكْبِيرَةَ الْافْتِتَاحِ، وَلَا عِنْدَ الرُّكُوعِ- وَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، قَالَ: يَبْتَدِئُ صَلَاتَهُ أَحَبُّ إِلَيَّ- وَلَوْ سَهَا مَعَ الْإِمَامِ عَنْ تَكْبِيرَةِ الْافْتِتَاحِ وَكَبَّرَ فِي الرُّكُوعِ الْأَوَّلِ، رَأَيْتُ ذٰلِكَ مُجْزِيًا عَنْهُ، إِذَا نَوَى بِهَا تَكْبِيرَةَ الْافْتِتَاحِ-

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يُصَلِّي لِنَفْسِهِ فَنَسِيَ تَكْبِيرَةَ الْافْتِتَاحِ: إِنَّهُ يَسْتَأْنِفُ صَلَاتَهُ-

وَقَالَ مَالِكٌ، فِي إِمَامٍ يَنْسٰى تَكْبِيرَةَ الْافْتِتَاحِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ- قَالَ: أَرٰى أَنْ يُعِيدَ وَيُعِيدُ مَنْ خَلْفَهُ الصَّلٰوةَ- وَإِنْ كَانَ مَنْ خَلْفَهُ قَدْ كَبَّرُوا، فَإِنَّهُمْ يُعِيدُونَ-

ترجمہ: ابن شہاب کہتے تھے کہ جب کسی شخص نے رکوع کو پالیا اور ایک ہی تکبیر کہہ دی تو اس کے لئے وہی تکبیر کافی ہے (یعنی یہی تکبیر تحریمہ ہوجائے گی۔ اور یہی تکبیر رکوع کی اور تکبیر کی ضرورت نہ رہے گی۔ زرقانی نے کہا کہ بظاہر اگر وہ تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کرے۔ تب بھی یہی حکم ہے۔)

امام مالک نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس تکبیر سے نماز کے افتتاح (تکبیر تحریمہ) کی نیت کرے۔ (اوپر گزرچکا ہے کہ یہ تکبیر رکن صلوٰۃ یا ائمہ اربعہ کے نزدیک شرط صلوٰۃ ہے۔ اور ابن شہاب کے نزدیک فرض نہیں۔ اس خاص مسئلہ میں جو اختلاف ہے، وہ تو رہا ایک طرف۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ ابن شہاب زہریؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قرات رکن صلوٰۃ نہیں۔ ورنہ اس کے بغیر رکعت کیسے ہوجاتی؟ رکوع پانے سے رکعت کا مکمل ہوجانا مرفوع صحیح احادیث سے ثابت ہوچکا ہے۔ جسے نہ ماننا محض زیادتی ہے، اور تعصب ہے۔)

امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا، جو امام کے ساتھ نماز میں داخل ہُوا۔ اور تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع بھول گیا۔ حتیٰ کہ اس نے ایک رکعت پڑھ لی۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس نے تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی۔ اور نہ رکوع کی تکبیر، اور اس نے دوسری رکعت کی تکبیر کہہ دی تھی۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک مستحب تو یہ ہے کہ نماز ازسرنو پڑھے۔ اور اگر وہ امام کے ساتھ تھا۔ لیکن

اس شخص کو تکبیر تحریمہ سے سہو ہوگیا اور پہلے رکوع کی تکبیر کہہ لی۔ تو میرے نزدیک اس کی نماز ہوگئی۔ بشرطیکہ اس تکبیر سے اس نے تکبیر تحریمہ کی نیت کی ہو۔ واحبّ یعنی مستحب کا معنیٰ یہاں وجوب کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ لفظ کبھی وجوب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ زرقانی) امام مالکؒ نے یہ دراصل زہریؒ کے گزشتہ قول کی شرح بیان کی ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ منفرد اگر تکبیر تحریمہ کو بھول جائے تو وہ نماز کو از سرِ نو شروع کرے۔ (کیونکہ تکبیر تحریمہ تو ائمہ اربعہ کے نزدیک فرض ہے۔ امام کے ساتھ اگر مقتدی کو یہ پیش آتا تو امام اس کی طرف سے بوجہ ضامن ہونے کے کافی تھا۔ المدونہ میں ہے کہ مقتدی کے ساتھ اگر ایسا واقعہ پیش آ جائے تو اس کی نماز میں کوئی نقص نہیں آتا۔ کیونکہ امام کی قرأت اور فعل مقتدی کے لئے شمار ہوتا ہے۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ کا یہی مطلب ہے۔)

امام مالکؒ نے اس امام کے متعلق جو تکبیر تحریمہ بھول جائے، حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے، فرمایا کہ وہ بھی اور اس کے مقتدی بھی نماز کو لوٹائیں۔ مقتدی گو تکبیر کہہ چکے تھے، پھر بھی اعادہ کریں۔ (کیونکہ جماعت کی نماز میں مقتدی امام کے تابع ہے اور اس کا برعکس نہیں ہے۔)

۵۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قرأت کا باب

۱۷۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ بِالطُّورِ فِي الْمَغْرِبِ۔

ترجمہ: جبیر بن مطعم نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورہ والطور پڑھتے سُنا۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے بَابُ طُولِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّخْفِيفِ میں روایت کیا ہے کہ عامۃ علماء کا مسلک یہ ہے کہ نماز مغرب میں قرأت میں تخفیف کی جائے اس میں قصارِ مفصل پڑھی جائیں۔ اور ہمارے خیال لمبی قرأت پہلے ہوتی تھی۔ پھر ترک کر دی گئی یا شاید حضورؐ لمبی قرأت پڑھ کر رکوع کرتے تھے۔)

شرح: جبیر بن مطعمؓ نے جب یہ قرأت سنی تھی، اس وقت وہ مشرک تھا اور جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا۔ بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ اس وقت پہلے پہل میرے دل میں ایمان نے جڑ پکڑی تھی۔ طبرانی میں ہے کہ آپ کی قرأت سے تلملا اٹھا۔ سعید بن منصور کی روایت میں ہے کہ جب میں قرآن سُنا تو گویا میرا دل پھٹ گیا۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے کہ کسی نماز میں قرآن کے کسی حصے کی قرأت کی تعیین واجب نہیں ہے۔ اور یہ کہ صبح کی نماز میں طوالِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل کی قرأت مستحب ہے۔ پھر بعض فروعی مسائل میں اس بارے میں ان کا اختلاف ہے۔ حنفیہ نے ظہر کی قرأت کو فجر جیسا اور عصر و عشا کی قرأت میں اوساطِ مفصل کو مستحب کہا ہے۔

۱۷۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ: وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا

فَقَالَتْ لَهُ: يَا بُنَيَّ! لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّورَةَ. إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ان کی والدہ) اُمّ الفضل بنت الحارثؓ نے انہیں (عبداللہ کو) وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا پڑھتے سُنا۔ تو کہا، میرے پیارے بیٹے تونے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا ہے کہ یہ آخری سورت جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سُنا تھا۔ آپ نے اسے نمازِ مغرب میں پڑھا تھا۔ (یعنی با جماعت، حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ دگھر میں) آپ نے اپنے اصحاب کو آخری نماز جو پڑھائی وہ ظہر تھی۔ اگر ساری سورت مراد لی جائے تو احیاناً حضورؐ نے ایسا کیا ہوگا۔ ورنہ آپؐ کا غالب عمل اس پر تھا کہ مغرب کی قرأت مختصر ہو۔ اُمّ الفضلؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے ساری سورہ والمرسلات تو نہیں سُنی ہوگی۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ حضورؐ سے بھی انہوں نے اس سورت کا کچھ حصہ ہی سُنا ہوگا۔)

۱۷۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، مَوْلَى سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ، عَنْ قَيْسِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَصَلَّيْتُ وَرَاءَهُ الْمَغْرِبَ، فَقَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَسُورَةٍ سُورَةٍ مِنْ قِصَارِ الْمُفَصَّلِ. ثُمَّ قَامَ فِي الثَّالِثَةِ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنَّ ثِيَابِي لَتَكَادُ أَنْ تَمَسَّ ثِيَابَهُ فَسَمِعْتُهُ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِهٰذِهِ الْآيَةِ. رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.

ترجمہ: ابوعبداللہ صنابحی نے کہا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں مدینہ آیا تو ان کے پیچھے نمازِ مغرب پڑھی۔ انہوں نے پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قصارِ مفصل کی ایک ایک سورۃ پڑھی۔ پھر وہ تیسری رکعت میں کھڑے ہوئے تو میں ان کے قریب ہوا، حتیٰ کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں کو چھونے ہی والے تھے۔ پس میں انہیں سورہ فاتحہ اور یہ آیت پڑھتے سُنا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

شرح: سورہ الحجرات سے لے کر البرج کے آخر تک طوال مفصّل ہیں۔ وہاں سے لے کر لم یکن کے آخر تک اوساطِ مفصّل ہیں اور باقی قصار ہیں۔ راویٔ حدیث اس وقت نو مسلم تھے۔ لہٰذا شاید یہ معلوم کرنے کو آگے بڑھ گئے ہوں گے کہ امام اب کیا پڑھ رہا ہے۔ تیسری رکعت میں قرأت سے مراد دعا تھی۔

۱۷۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا صَلَّى وَحْدَهُ، يَقْرَأُ فِي الْأَرْبَعِ جَمِيعًا. فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَسُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ. وَكَانَ يَقْرَأُ أَحْيَانًا بِالسُّورَتَيْنِ وَالثَّلَاثِ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ مِنْ صَلَاةِ الْفَرِيضَةِ. وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ كَذٰلِكَ، بِأُمِّ

الْقُرْاٰنِ وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب اکیلے نماز پڑھتے تو چاروں رکعتوں میں قرأت کرتے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی قرآنی سورت پڑھتے اور کبھی کبھی فرض کی ایک رکعت میں دو یا تین سورتیں پڑھتے تھے۔ (مؤطائے امام محمد میں یہ اثر بَابُ الرَّجُلِ يَقْرَأُ السُّوَرَ فِي الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ میں مروی ہوا ہے۔ اور اس میں يَقْرَأُ فِي الْاَرْبَعِ جَمِيْعًا مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ کے الفاظ آئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرائض کا ذکر ہو رہا ہے نہ کہ سنن و نوافل کا۔ اور اس اثر کے آخر میں یہ عبارت بھی ہے۔ وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ كَذٰلِكَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَسُوْرَةٍ سُوْرَةٍ۔ اور مغرب کی دو رکعات میں اسی طرح سورہ فاتحہ اور ایک ایک سورت اور پڑھتے تھے۔

شرح: یہ ابن عمرؓ کا اجتہاد تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ جمہور اس مسئلے میں ابن عمرؓ کے ساتھ متفق نہیں۔ بلکہ وہ آخری رکعات میں فاتحۃ الکتاب کے سوا کچھ نہیں پڑھتے۔ امام محمدؒ نے اس اثر کی روایت کے بعد فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک سُنّت یہ ہے کہ فریضہ میں پہلی دو رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھی جائے۔ دوسری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ اگر ان میں بالکل خاموش رہو تو بھی جائز ہے۔ اور تسبیح کرتے رہو تو بھی جائز ہے۔ اور یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں ابوقتادہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلی رکعات میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملانا خلافِ افضل ہے۔

۱۸۰- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ، اَنَّهٗ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ. فَقَرَاَ فِيْهَا بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔

ترجمہ: البراء ابن عازبؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھی۔ پس آپ نے اس میں وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ کی قرأت فرمائی۔ (یعنی ایک رکعت میں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ والتین اور دوسری میں سورۂ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ پڑھی۔ یہ سورتیں اوساط مفصل میں سے ہیں۔ اور واقعہ سفر کا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔)

۷- بَابُ الْعَمَلِ فِي الْقِرَاءَةِ

قراءت کے طریقے کا باب

۱۸۱- حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ، وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ، وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ۔

ترجمہ: علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی دھاریوں والے کپڑے سے اور سرخ رنگ والے کپڑے سے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ (امام محمدؒ نے یہ روایت بَابُ الرَّجُلِ يَرْكَعُ دُوْنَ الصَّفِّ اَوْ يَقْرَأُ فِيْ رُكُوْعِهٖ میں درج کی ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔)

شرح: قَسِّیّ اگر قَسّ نامی علاقے کی طرف منسوب ہو تو یہ مطلب ہے کہ جس کپڑے میں ریشم غالب ہو وہ مردوں کے لئے حرام ہے کیونکہ اس مقام کے بُنے ہوئے کپڑے ایسے ہی تھے۔ اگر یہ لفظ قزّی سے بدلا ہے تو قز یا خَز کا معنیٰ ہے ریشم (ایک خاص قسم کا)۔ اس روایت میں معصفر کا لفظ امام محمدؒ سے مروی ہے۔ رکوع سجود بندے کی عاجزی اور تذلّل کے مقامات ہیں۔ لہٰذا ان میں کلام خدائے جلیل وعزیز پڑھنا ممنوع ہوا۔ سونے کی انگوٹھی یا اور کوئی زیب و زینت کا سامان اور زیور مردوں کے لئے حرام ہے۔

۱۸۲- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ التَّمَّارِ، عَنِ الْبَيَاضِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ، وَقَدْ عَلَتْ أَصْوَاتُهُمْ بِالْقِرَاءَةِ. فَقَالَ: "إِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهُ، فَلْيَنْظُرْ بِمَا يُنَاجِيْهِ بِهِ. وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ، بِالْقُرْاٰنِ."

ترجمہ: بیاضی (فروہ بن عمروؓ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور قراءت میں ان کی آوازیں بلند تھیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ اس سے کیا بات کر رہا ہے۔ اور تم قرآن پڑھنے میں ایک دوسرے پر آواز کو بلند مت کرو۔ (یعنی نماز میں خشوع و خضوع ہونا ضروری ہے۔ اور ایک دوسرے کو اذیت نہ دی جائے۔)

۱۸۳- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: قُمْتُ وَرَاءَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ. فَكُلُّهُمْ كَانَ لَا يَقْرَأُ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: انس بن مالک نے کہا کہ میں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ نماز کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قراءت نہ کرتے تھے۔

شرح: بخاری نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نماز کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع کرتے تھے۔" ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ کو مخفی پڑھا جائے نہ کہ بآوازِ بلند۔

۱۸۴- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِيْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا نَسْمَعُ قِرَاءَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عِنْدَ دَارِ أَبِيْ جَهْمٍ، بِالْبَلَاطِ.

ترجمہ: مالک بن ابی عامر (امام مالکؒ کے دادا) نے کہا کہ ہم لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کی قراءت کو بلاط نامی جگہ پر ابوجہمؓ کے گھر کے پاس سنتے تھے۔ (یعنی بلند آواز ہونے کے باعث ان کی قراءت مسجد سے باہر دُور تک سنائی دیتی تھی۔ موطا امام محمد میں یہ اثر باب الجهر بالقراءة في الصلوة میں مروی ہوا ہے۔)

۱۸۵- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا فَاتَهُ شَيْءٌ مِنَ الصَّلٰوةِ

مَعَ الْإِمَامِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ الْإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ، أَنَّهُ إِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ، قَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، فَقَرَأَ لِنَفْسِهِ فِيمَا يَقْضِي، وَجَهَرَ۔

ترجمہ: جب عبداللہ بن عمرؓ کی نماز کا کچھ حصہ امام کے ساتھ ادا کرنے سے رہ جاتا اور وہ نماز جہری ہوتی تو امام کے سلام کے بعد عبداللہؓ اُٹھتے اور فوت شدہ نماز کی قراءت بآواز بلند کرتے تھے۔ (اس میں ان علماء کی تائید ہے، جن کے نزدیک فوت شدہ نماز پہلی ہے اور اسے اسی طرح قضا کریں گے جیسے فرض تھی۔)

۱۸۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي إِلَى جَانِبِ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، فَيَغْمِزُنِي، فَأَفْتَحُ عَلَيْهِ، وَنَحْنُ نُصَلِّي۔

ترجمہ: یزید بن رومان نے کہا کہ میں نافع بن جبیر بن مطعم کے پہلو میں نماز پڑھتا تھا۔ اور وہ مجھے ہاتھ کا اشارہ کرتے یا ہاتھ چھوتے تو میں ان کی قراءت کی غلطی بتاتا تھا۔ درآنحالیکہ ہم دونوں نماز میں ہوتے تھے۔ (یہ وضاحت نہیں کہ کونسی نماز میں یہ ہوتا تھا۔ نفل میں تو کافی نرمی ہے اور فرض میں بھی امام کو لقمہ دینے کی اجازت ہے۔ گو اس میں کچھ کراہت ہے۔ جواز اور کراہت ہر دو ابوداؤد کی دو روایتوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ تفصیل فضل المعبود میں ہے۔

۷۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الصُّبْحِ

صبح کی قراءت کا باب

۱۸۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيهَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ، فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔

ترجمہ: عروہؓ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس کی دونوں رکعتوں میں سورۃ البقر پڑھی۔ (مصنف عبدالرزاق میں اس کی روایت حضرت انس سے ہوئی ہے۔ اور یہ کہ جب نماز ختم ہوئی تو آفتاب طلوع ہونے ہی والا تھا۔ اتنی طویل قراءت احیاناً ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بالعموم بڑے حدیث صحیح مَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ جماعت کا معاملہ تخفیف پر مبنی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نماز خوب اندھیرے میں شروع ہوئی اور خوب روشنی میں ختم ہوئی۔ جیسا کہ امام طحاوی نے تغلیس واسفار کی روایتوں کو جمع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مستحب ہے۔)

۱۸۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ يَقُولُ: صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ۔ فَقَرَأَ فِيهَا بِسُورَةِ يُوسُفَ وَسُورَةِ الْحَجِّ، قِرَاءَةً بَطِيئَةً۔ فَقُلْتُ: وَاللهِ، إِذًا، لَقَدْ كَانَ يَقُومُ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔ قَالَ: أَجَلْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کہتے تھے کہ ہم نے صبح کی نماز حضرت عمر بن الخطابؓ کے پیچھے پڑھی۔ پس آپ نے اس میں سورہ یوسف اور سورہ حج ترتیل وتجوید کے ساتھ پڑھیں۔ پس میں نے (عروہ نے) کہا کہ تب وہ طلوع فجر کے ساتھ ہی کھڑے ہوتے ہوں گے۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں (اور اس صورت میں نماز کا اختتام لازماً اسفار میں ہوگا۔)

۱۸۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّ الْفُرَافِصَةَ بْنَ عُمَيْرٍ الْحَنَفِيَّ قَالَ: مَا أَخَذْتُ سُورَةَ يُوسُفَ إِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ إِيَّاهَا، فِي الصُّبْحِ. مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا لَنَا۔

ترجمہ: الفرافصہ بن عمر حنفی نے کہا کہ میں نے سورۂ یوسف کو حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ صبح کی قراءت سے یاد کیا تھا۔ کیونکہ وہ اسے اکثر نمازِ فجر میں پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ایک آنے والی مصیبت پر جنت کی بشارت دی تھی۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسفؑ کے مصائب و آلام اور ان کے صبر و ثبات کا ذکر ہے۔ اس مناسبت کی رعایت سے وہ اس سورت کی قراءت کرتے تھے۔ صحابہ چونکہ قراءت کی تطویل پر حریص تھے، لہذا حضرات خلفائے راشدینؓ طویل قراءت فرماتے تھے۔ ورنہ اماموں کو بروئے صحیح احادیث تخفیف کا حکم ہے۔ ائمہ اربعہ فجر میں طوال مفصّل کو پڑھنا مستحب جانتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

۱۹۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ، فِي السَّفَرِ، بِالْعَشْرِ السُّوَرِ الْأُوَلِ مِنَ الْمُفَصَّلِ. فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، بِأُمِّ الْقُرْآنِ، وَسُورَةٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سفر میں صبح کی نماز میں مفصّل کی پہلی دس سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت۔ یہ اثر موطائے امام محمد میں باب القراءۃ فی الصلوٰۃ فی السفر میں آیا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں نماز فجر کے اندر وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ اور وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ اور ان جیسی سورتیں پڑھی جائیں۔ یعنی سفر میں جب نماز کے اندر قصر ہوگیا اور کئی اور سہولتیں ہوگئیں تو قراءت میں بھی تخفیف ہونی چاہئے۔)

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آنجناب نے سفر کی نمازوں میں معوّذتین کی قراءت فرمائی تھی۔ ابن عمرؓ کے فعل کی توجیہہ ہوسکتی ہے کہ جب سفر میں جلدی نہ ہو یا آدمی کہیں عارضی طور پر ٹھہرا ہوا ہے تو طوال مفصّل کا پڑھنا افضل ہے ورنہ نہیں۔

۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي أُمِّ الْقُرْآنِ

سورہ فاتحہ کی فضیلت و حکم کا بیان

۱۹۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ، مَوْلَى عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ، أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَادَى أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَهُوَ يُصَلِّي. فَلَمَّا

فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهٖ لَحِقَهُ. فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى يَدِهٖ. وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَّخْرُجَ مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ. فَقَالَ: "اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَا تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَعْلَمَ سُوْرَةً، مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِي التَّوْرٰةِ، وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ، وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ، مِثْلَهَا." قَالَ اُبَيٌّ: فَجَعَلْتُ اُبْطِئُ فِي الْمَشْيِ، رَجَاءَ ذٰلِكَ. ثُمَّ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلسُّوْرَةَ الَّتِيْ وَعَدْتَنِيْ. قَالَ: "كَيْفَ تَقْرَاُ اِذَا افْتَتَحْتَ الصَّلٰوةَ؟" قَالَ: فَقَرَاْتُ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. حَتّٰى اَتَيْتُ عَلٰى اٰخِرِهَا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هِيَ هٰذِهِ السُّوْرَةُ. وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ، الَّذِيْ اُعْطِيْتُ."

ترجمہ: ابوسعید مولائے عامر بن کُریز نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبیّ بن کعب کو آواز دی، جب کہ اُبیّ نماز پڑھ رہا تھا۔ پس وہ نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کے پاس آیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کے ہاتھ پر رکھا۔ اس وقت آپؐ مسجد کے دروازے سے باہر نکلنے کا ارادہ فرما رہے تھے حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اُمید ہے کہ تو مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت سیکھ لے گا جس کی مانند کوئی سورت تورات، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں ہوئی۔ اُبیّ نے کہا کہ میں اس امید میں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ وہ سورت جس کا آپ نے وعدہ فرمایا تھا (مجھے سکھا دیجے)۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو نماز کا افتتاح کرے تو کس سورت کی قرأت کرتا ہے؟ اُبیّ نے کہا کہ اس پر میں نے حضورؐ کے سامنے الحمد للہ رب العالمین (کی سورت) پڑھی۔ حتیٰ کہ آخر تک جا پہنچا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہی سورت ہے (جس کا میں نے وعدہ کیا تھا) اور یہی سات دُہرائی جانے والی آیات ہیں اور یہ وہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

شرح: علامہ حافظ عینیؒ نے سورہ فاتحہ کے ۱۲ نام گنوائے ہیں۔ اُمّ القرآن۔ الکنز۔ الوافیہ۔ الحمد۔ سورۃ الصلوٰۃ۔ السبع المثانی۔ الشفاء الشافیہ۔ الکافیہ۔ الاساس۔ السوال۔ الشکر۔ سورۃ الدعاء۔ فاتحۃ الکتاب۔ اس حدیث کی روایت جو ابوہریرہؓ نے کی اس میں ہے کہ اُبیؓ نے نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچ کر سلام عرض کیا۔ حضورؐ نے جواب دیا اور پوچھا کہ جب میں نے بلایا تھا تب کیوں نہ بولے؟ کیا قرآن میں حکم نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ بلائیں تو لبیک کہو؟ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی اور بقول خطابیؒ تحریم کلام فی الصلوٰۃ کے عموم سے خارج ہے۔ یہ مسئلہ طویل الذیل ہے۔ لہٰذا اسے ترک کیا گیا۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ بسم اللہ الخ سورہ فاتحہ کا جُز نہیں ہے۔

۱۹۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِيْ نُعَيْمٍ، وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ، اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ: مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَاْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ، فَلَمْ يُصَلِّ. اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ.

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ کہتے تھے کہ جس شخص نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی، مگر اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (موطائے امام محمد میں یہ اثر باب القراءۃ خلف الامام میں مروی ہُوا ہے۔)

شرح: ظاہر حدیث بالکل حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ اس میں مقتدی کی نماز کے سرّی یا جہری ہونے کا بھی کوئی ذکر نہیں بلکہ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ کا لفظ عام ہے۔ جو دونوں حالتوں پر مشتمل ہے۔ یعنی امام کے پیچھے بہرحال سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ حنفی فقہا کے

نزدیک فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کی آیت اور ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ حدیث کے مطابق قراءت قرآن تو فرض ہے اور احادیث کی رُو سے سورہ فاتحہ کی تعیین واجب ہے۔ یاد رہے کہ حنفیہ نے فرض اور واجب میں بھی فرق کیا ہے اور ہمارا یہ قول حنفی اصطلاح کے مطابق ہے۔ صحیح احادیث میں سورہ فاتحہ اور مازاد یعنی اس پر کچھ زائد (مثلاً کوئی سُورت) کی ایک ہی حیثیت آئی ہے۔ لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا زَادَ۔ ابوداؤد میں ہے لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِقُرْاٰنٍ وَلَوْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا وجوب منفرد ہے اور امام کے لئے ہر رکعت میں ہے۔ اور اس جزئیہ میں دلائل کے اختلاف کے باعث دیگر فقہا کی مانند حنفی فقہاء و ائمہ میں بھی اختلاف ہے۔

۹۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيمَا لَا يُجْهَرُ فِيهِ بِالْقِرَاءَةِ

غیر جہری (سری) نمازیں امام کے پیچھے قرات کا باب

۱۹۳۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا السَّائِبِ، مَوْلٰى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ۔ هِيَ خِدَاجٌ۔ هِيَ خِدَاجٌ۔ غَيْرُ تَمَامٍ" قَالَ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! إِنِّي أَحْيَانًا أَكُونُ وَرَاءَ الْإِمَامِ۔ قَالَ فَغَمَزَ ذِرَاعِي، ثُمَّ قَالَ: اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ يَا فَارِسِيُّ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ" قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْرَءُوا۔ يَقُولُ الْعَبْدُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي۔ وَيَقُولُ الْعَبْدُ: الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ يَقُولُ اللّٰهُ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي۔ وَيَقُولُ الْعَبْدُ: مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔ يَقُولُ اللّٰهُ: مَجَّدَنِي عَبْدِي۔ يَقُولُ الْعَبْدُ: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ فَهٰذِهِ الْاٰيَةُ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ يَقُولُ الْعَبْدُ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ فَهٰؤُلَاءِ لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔"

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نامکمل ہے، نامکمل ہے وہ نامکمل ہے، پوری نہیں ہے۔ ابوالسائب نے کہا کہ اے ابوہریرہؓ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں

ابوالسائب نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے میرا بازو دبایا اور کہا: اے فارسی اسے اپنے جی میں پڑھ۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصفاً نصف بانٹ لیا ہے۔ پس وہ نصف میری ہے اور نصف میرے بندے کی ہے۔ اور میرا بندہ جو مانگے گا، اسے ملے گا۔ (یا یہ کہ میرے بندہ کا وہ ہے جس میں دعا ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پڑھو، بندہ پڑھتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے میری حمد کی۔ بندہ کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرے بندے نے میری ثنا کی۔ بندہ کہتا ہے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعظیم بیان کی۔ بندہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ پس یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے سوال کیا۔ بندہ کہتا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۙ پس یہ آیات میرے بندے کے لئے ہیں اور میرے بندے کے لئے جو اس نے مانگا۔ (امام محمدؒ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔م)

شرح: اس حدیث سے مقتدی کی قراءت کا ثبوت نہیں نکلتا۔ امام مالکؒ نے تو اسے سرّی نماز پر محمول کیا ہے۔ گو اس کی صراحت بھی اس میں نہیں۔ پھر سورہ فاتحہ کی فرضیت و رکنیت کی تو اس سے واضح نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اسے مقتدی کے لئے بھی مانیں تو زیادہ سے زیادہ اس حدیث کی رُو سے اس کی نماز عدم قرأت فاتحہ کے باعث ناقص اور غیر مکمل ہوگی نہ کہ باطل۔ نیز اس کے الفاظ، اسے اپنے دل میں پڑھ، سے تو واضح ہے کہ مقتدی سورہ فاتحہ کا تلفظ نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے معانی کا دل میں تدبّر و تفکّر کرے گا اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سورہ فاتحہ کی ۳½ آیات اللہ کے لئے اور ۳½ بندہ کے لئے ہیں۔ اور ان کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر ہے۔ پس وہ الفاظ کا جزء نہیں ہے۔ معلوم نہیں اس حدیث سے امام مالکؒ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کا ثبوت کیسے نکالا ہے۔ جب تک دوسری روایات کو ساتھ نہ ملایا جائے اس سے یہ تخصیص ثابت نہیں ہو سکتی۔

۱۹۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ كَانَ یَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْمَا لَا یَجْهَرُ فِیْهِ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ وہ امام کے پیچھے سرّی نمازوں میں قرأت کرتے تھے۔

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں ان بزرگوں سے مطلقاً عدم قراءت خلف الامام کی روایت کی ہے۔ ابن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ (دو مرفوع حدیثیں) القاسم بن محمد (جن سے ترک و عدم ترک دونوں روایتیں آئی ہیں۔) کا اپنا عمل ترکِ قرأت کا تھا۔ عبداللہ بن مسعودؓ علقمہ بن قیسؒ، ابراہیم نخعیؒ۔ عبداللہ بن شدادؓ کی مرفوع حدیث، سعد بن ابی وقاصؓ، عمر بن الخطابؓ، زید بن ثابتؓ۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ عام آثار عدمِ قرأت خلف الامام میں ہیں۔ چاہے جہری نماز ہو یا سرّی۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

۱۹۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، وَعَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ كَانَ یَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِیْمَا لَا یَجْهَرُ فِیْهِ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ۔

ترجمہ: القاسم بن محمد سرّی نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ (دیکھیے اوپر کی شرح)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں یہ آثار مجھے اپنی سُنی ہوئی روایات میں پسندیدہ تر ہیں۔ (یعنی ان آثار میں جہری اور سرّی

نمازوں میں قرأت خلف الامام کے بارے میں فرق و امتیاز ہے۔ امام مالکؒ کا مذہب اس مسئلے میں اسی فرق و امتیاز پر مبنی ہے۔)
زیر بحث مسئلہ میں شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے مطلقاً عدم قرأت پر ان حضرات کے آثار کا اضافہ کیا ہے۔ علی بن ابی طالبؓ، ابوالدرداءؓ، ابن عباسؓ۔ یہ مسئلہ کتاب وسنت سے روز روشن کی مانند ثابت ہے۔ قرآن کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا مقتدی کو قرآن کو غور سے سننے (اور جب آواز نہ آئے یا سری نماز ہو تو) خاموش رہنے کا صریح حکم دیتی ہے۔ اس آیت کا نزول بہت سی روایات کے مطابق قرأت خلف الامام میں ہوا تھا۔ امام احمدؒ اور حافظ ابن عبد البر سے اس پر اجماع منقول ہے۔ جہاں تک مرفوع احادیث کا سوال ہے۔ اگرچہ اوپر کے آثار بھی از روئے اصول حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ سماعی ہے۔ تاہم مسلم نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے اور مالکؒ، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہم نے ابوہریرہؓ سے وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا کی حدیث روایت کی ہے۔ مؤطائے امام محمدؒ میں جابر بن عبد اللہؓ کی مرفوع حدیث ہے مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔ یہ ایک مشہور حدیث ہے جو ابن عمرؓ، ابوسعیدؓ خدری، ابن عباس اور انس بن مالکؓ سے بھی مروی ہے۔ تفصیل کے لئے فصل المعبود دیکھئے اسی طرح بیہقی نے ابوسعیدؓ خدری کی روایت نقل کی ہے کہ مقتدی اگر امام کے پیچھے قرأت نہ کرے تو اس کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح بیہقی نے المعرفہ میں اسی مضمون کی حدیث علیؓ سے روایت کی ہے۔ حضورؐ آخری مرض میں مسجد تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں تک قرأت کر چکے تھے، اس سے آگے قراءت شروع کرنے کی حدیث کئی طریقوں سے ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ علامہ عینی نے کہا، کہ منع قرأت کی روایات کبار صحابہ میں سے اسی حضرات سے مروی ہیں جن میں علیؓ اور عبادلہ ثلاثہؓ شامل ہیں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ دس اصحاب رسولؐ نے قرأت خلف الامام سے شدید طور پر منع کیا ہے۔ چاروں خلفائے راشدینؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ۔

۱۹۶- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ، اَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، كَانَ يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْمَا لَا يَجْهَرُ فِيْهِ بِالْقِرَاءَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ اِلَیَّ فِیْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: نافع بن جبیر بن مطعم سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا تھا۔ مالک نے کہا کہ اس بارے میں جو میں نے سُنا مجھے یہ بات ان میں سب سے زیادہ پسند ہے۔

۱۰- بَابُ تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ

امام کے پیچھے جہری نمازوں میں ترک قرأت کا باب

۱۹۷- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَاُ اَحَدٌ خَلْفَ الْاِمَامِ؟ قَالَ: اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ فَحَسْبُهٗ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ۔ وَاِذَا صَلّٰی وَحْدَهٗ فَلْيَقْرَاْ۔
قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ۔

قَالَ یَحْیٰی: سَمِعْتُ مَالِکًا یَقُوْلُ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا اَنْ یَقْرَاَ الرَّجُلُ وَرَاءَ الْاِمَامِ، فِیْمَا لَا یَجْھَرُ فِیْہِ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَۃِ، وَیَتْرُکُ الْقِرَاءَۃَ فِیْمَا یَجْھَرُ فِیْہِ الْاِمَامُ بِالْقِرَاءَۃِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے جب پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قراءت کرے؟ تو وہ کہتے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قراءت کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو قراءت کرے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: عبداللہ بن عمرؓ کا اتباعِ سنت میں مبالغہ بلکہ ایک حد تک تشدد و غلو اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس روایت کے مطابق وہ نہ خود قراءتِ خلف الامام پر عامل تھے اور نہ کسی اور کو اس کے خلاف فتویٰ دیتے۔ بلکہ واضح طور پر فرماتے کہ امام کی قراءت مقتدی کو کافی ہے۔ اس حدیث میں جہری و سری نماز کے اندر بھی کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ ابن عمرؓ کا ترکِ قراءت خلف الامام و الا مذہب مشہور ہے معلوم نہیں اس زمانے کے جدید مجتہدین جن کے نزدیک ان کے سوا کسی کی نماز نہیں ہوتی، عبداللہ بن عمرؓ کی نماز کے بارے میں کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ نے اس اثر کو اپنے بعض دیگر دلائل کی بنا پر جہری نماز کے ساتھ خاص کیا ہے۔ چنانچہ وہ اس اثر کی روایت کے بعد فرماتے ہیں "کہ ہمارے نزدیک راجح امر یہ ہے کہ آدمی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرے اور جہری نمازوں میں امام کے قراءت نہ کرے۔" مگر خود اس اثر میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور یہ بات کیسے نہیں معلوم کہ امام تو جہری اور سری ہر نماز میں قراءت کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو" مقتدی کو بہرحال خاموش رہنا لازم ہے۔

۱۹۸۔ وَحَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، عَنِ ابْنِ اُکَیْمَۃَ اللَّیْثِیِّ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَاءَۃِ۔ فَقَالَ: "ھَلْ قَرَاَ مَعِیْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اٰنِفًا" فَقَالَ رَجُلٌ: نَعَمْ۔ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ" فَانْتَھَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَۃِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَۃِ، حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِکَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہری نماز کو جب ختم کیا تو فرمایا کہ کیا ابھی تھوڑی دیر پہلے تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی تھی؟ تو ایک شخص بولا کہ ہاں یا رسول اللہؐ میں نے قراءت کی تھی۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کہہ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں تنازع کیا جاتا ہے۔ پس لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہری میں قراءت کرنے سے باز آگئے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی وارد ہے۔)

شرح : امام مالکؒ نے یہ حدیث اپنے مذہب کی بنیاد پر بنائی اور دیگر سب احادیث و آثار کا مطلب اس کی روشنی میں لیا ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک "پس لوگ باز آ گئے" سے لے کر آخر تک ابن شہاب زہری کا قول ہے۔ یہ زہری کا اپنا خیال ہے۔ اصل حدیث میں اس کی کوئی دلیل نہیں اور قرآن میں نزاع حضورؐ کے ساتھ جیسے جہری نمازیں ہوتا تھا۔ اسی طرح سری میں بھی ہوتا تھا۔ بلکہ سری میں نسبتاً زیادہ تھا۔ حضورؐ لطافت طبع کی بنا پر اور صاحبِ وحی و کشف پیغمبر ہونے کی بنا پر بروئے حدیث صحیح مقتدیوں کو اپنے پیچھے بھی اس طرح دیکھتے تھے جیسے کہ سامنے دیکھتے تھے۔ پس یہ حدیث بھی ترکِ قرارت میں مطلق ہی رہی۔ اور یہ حنیفہ کا مذہب ہے۔ اور ابوہریرہؓ یہ نہیں بتاتے کہ جس شخص نے حضورؐ کے پیچھے قرارت کی تھی وہ بالجہر تھی۔ بلکہ ابوہریرہؓ یا کسی اور کو، بلکہ حضورؐ کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ قرارت کرنے والا کون ہے۔ پس یہ قرارت آہستہ ہی تھی۔

۱۱۔ بَابُ مَاجَاءَ فِي التَّامِينِ خَلْفَ الْإِمَامِ

امام کے پیچھے آمین کہنے کا باب

۱۹۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔
قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "آمِينَ"

ترجمہ : ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ابن شہابؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے تھے۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے مؤطا میں باب آمین فی الصّلوٰۃ میں روایت کیا ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ جب امام سورہ فاتحہ سے فارغ ہو تو وہ بھی اور مقتدی بھی آمین کہیں اور اسے بآوازِ بلند نہ کہیں۔ ابوحنیفہؒ کا قول ہے مقتدی آمین کہیں امام نہ کہے۔)

شرح : اس حدیث میں آمین کا حکم ہے مگر بآوازِ بلند کہنے کا نہیں۔ بلکہ غور سے دیکھیں تو یہ مخفی آمین کہنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کی رُو سے فرشتوں کی آمین موافقت مطلوب ہے۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ فرشتے آمین بالجہر نہیں کہتے۔ یا کم از کم ان کی آواز ہم نہیں سنتے ہیں بھی آمین مخفی کہنا چاہئے۔ آمین کہنے میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ آمین قرآن کا حصہ نہیں ہے اور یہ امر بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ سری نمازوں میں بھی ایک دو آیتیں بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اس سے مقصود تعلیم یا تنبیہ و اعلام تھا کہ امام قرارت میں مصروف ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امام کا کام صرف قرآن ہے اور آمین کہنا مقتدیوں کا کام ہے۔ یہی ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ حنفیہؒ مالکیہ، اور امام شافعیؒ (قول جدید) کا مسلک مقتدیوں کے لئے بہر صورت مخفی آمین کہنا ہے۔ امام احمدؒ اور قولِ قدیم میں شافعیؒ کا مذہب جہری نمازوں میں مقتدیوں کے لئے آمین جہراً کہنا ہے۔ ان ضمنی اختلافات کے باوجود

آمین کہنا سب علما کے نزدیک مستحب ہے۔ سوائے ظاہریہ کے جنہوں نے اسے واجب کہا ہے۔ ابن حزم ظاہریؒ نے کہا کہ امام کا آمین کہنا سنت اور مقتدیوں کا کہنا فرض ہے۔ جمہور کی دلیل زرقانی کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے جس میں نماز میں غلطی کرنے والے کو حضورؐ نے فرائض تو بتائے مگر آمین کا ذکر نہ فرمایا۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ آمین میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ مزید گفتگو آگے آتی ہے۔

۲۰۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ الْإِمَامُ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ۔ فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ۔ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہوا، اس کے گزشتہ گناہ معاف ہو گئے۔

شرح: اس حدیث کی رُو سے امام کا وظیفہ آمین نہیں ہے بلکہ قراءت ہے اور مقتدی آمین کہیں گے۔ جہر کا حکم اس میں بھی نہیں آیا۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ "امام آمین کہتا ہے"۔ یعنی وہ بھی مخفی کہتا ہے۔ تم بھی مخفی کہو۔ اگر امام آمین بالجہر پر مامور ہوتا تو اس ارشاد کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔ دراصل امام مالکؒ نے اس باب میں کوئی حدیث ایسی روایت نہیں کی۔ جس میں آمین کے بالجہر یا مخفی ہونے کی صراحت ہو۔ مخفی آمین کی احادیث جن سے جمہور نے استدلال کیا ہے، یہ ہیں۔ (۱) یہی زیر نظر حدیث جس میں مقتدی کی آمین کو امام کی قراءت فاتحہ کے اختتام کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ اور امام اگر آمین بالجہر کہتا ہو، تو پھر اس قول کا کوئی معنی نہیں بنتا کہ جب امام ولا الضالین کہے۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ جب امام زور سے آمین کہے تو تم بھی کہو۔ یہ حدیث صحاح ستہ کی ہے مسلم وغیرہ نے اس مضمون کی ایک حدیث ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی روایت کی ہے (۲) ابوہریرہؓ کی حدیث کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ کیونکہ امام بھی اسے کہتا ہے۔ یہ احمدؒ، نسائیؒ، دارمی اور ابن حبان نے روایت کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس میں آمین کے (امام کی طرف سے) مخفی ہونے کی صریح دلیل ہے۔ ورنہ اس قول کی ضرورت نہ ہوتی کہ "امام بھی آمین کہتا ہے کیونکہ جہر کی صورت میں سب اس کی آمین کو سُن لیتے۔ (۳) وائل بن حجر کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت فاتحہ کے اختتام پر آمین آہستہ کہی۔ اسے احمد، ابوداؤد، طیالسی، ابویعلی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا۔ اور اسے صحیح الاسناد قرار دیا۔

ان احادیث کے علاوہ اس باب میں بہت سے آثار ہیں۔ اور سب سے پہلے حنفیہ کی دلیل قرآن سے ہے۔ اہل لغت کا اس پر اجماع ہے کہ آمین دعا ہے۔ قرآن نے دعا کے متعلق فرمایا اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعا کرو۔ حدیث زیر بحث سے حافظ ابن عبدالبر نے استدلال کیا ہے کہ مقتدی پر قراءت لازم نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں فرمایا جاتا "امام جب قراءت سے فارغ ہو جائے تو تم بھی قراءت سے فارغ ہو کر آمین کہو"۔ وجہ یہ کہ سنت یہی ہے کہ جو فاتحہ کی قراءت کرے۔ وہ اس کے اختتام پر ہی آمین کہے۔ مسئلے کی مزید تفصیل فضل المعبود میں ملاحظہ ہو۔

۲۰۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ: آمِيْنَ۔ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِيْنَ۔

فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں۔ پھر یہ ایک دوسرے کے موافق ہو جائیں تو اس کے پچھلے گناہ بخشے گئے۔

۲۰۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ فَقُولُوا: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔ کیونکہ جس کا قول ملائکہ کے موافق ہو جائے، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (اس حدیث میں آمین کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ اس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ جس طرح سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ امام کا وظیفہ اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مقتدی کا وظیفہ ہے۔ اسی طرح امام کا وظیفہ قراءت اور مقتدی کا آمین ہے۔ اور جس طرح مقتدی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کو آہستہ کہتا ہے اسی طرح اسے آمین بھی آہستہ ہی کہنی چاہیے۔ تحمید کے کئی الفاظ احادیث صحاح میں ثابت ہیں۔ اور سب درست ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بقول علامہ شامی اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنا افضل ہے۔

۱۲۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْجُلُوسِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں بیٹھنے کے طریقے کا باب

۲۰۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُعَاوِيِّ أَنَّهُ قَالَ: رَآنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَنَا أَعْبَثُ بِالْحَصْبَاءِ فِي الصَّلَاةِ۔ فَلَمَّا انْصَرَفْتُ نَهَانِي۔ وَقَالَ: اصْنَعْ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ۔ فَقُلْتُ: وَكَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ؟ قَالَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ، وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى، وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ، وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى۔ وَقَالَ: هٰكَذَا كَانَ يَفْعَلُ۔

ترجمہ: علی بن عبدالرحمٰن المعاوی نے کہا کہ مجھ کو عبداللہ بن عمرؓ نے نماز میں کنکریوں سے کھیلتے دیکھا۔ جب میں فارغ ہوا تو مجھے منع کیا اور کہا کہ اسی طرح کر جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بحالت جلوس کیا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنی داہنی ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے اور تمام انگلیوں کو بند کر لیتے اور

انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کے ساتھ اشارہ فرماتے، اور اپنی بائیں ہتھیلی کو اپنی بائیں ران پر رکھتے۔ اور فرمایا کہ حضورؐ یوں کیا کرتے تھے (امام محمد بن الحسنؒ نے یہ حدیث اپنے مؤطا میں باب العبث بالحصٰی فی الصلوٰۃ الخ میں درج کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو ہی اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ کا قول ہے۔ جہاں تک کنکریاں درست کرنے کا سوال ہے تو انہیں ایک بار درست کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ایسا نہ کرنا افضل ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے)۔

شرح: حنفیہ کے نزدیک نماز میں جلوس کی سنت یہ ہے کہ دایاں پاؤں پنجے پر کھڑا کریں اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھیں بقول ترمذی امام ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارک بھی اس کے قائل ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک نماز کے تمام جلسوں میں دایاں پاؤں کھڑا کیا جائے، بایاں بچھایا جائے۔ اور زمین پر بیٹھا جائے۔ شافعیہ کے نزدیک آخری قعدے میں مالکیہ کے مانند اور اس سے قبل تمام جلسوں میں حنفیہ کی مانند سنت ہے۔ حنابلہ کے نزدیک جس نماز میں دو تشہد ہوں، اس میں مالکیہ جیسا جلوس اور جس نماز میں ایک تشہد ہو، یعنی وہ دو رکعت کی نماز ہو، اس میں حنفیہ کی مانند بیٹھنا سنت ہے۔ جس شخص نے نماز غلط پڑھی تھی اور حضورؐ نے اس سے بار بار پڑھوا کر پھر پڑھنے کا طریقہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں ہے کہ تو جب بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔ (احمد و ابوداؤد) اس میں حضورؐ نے کسی بھی جلسے کی تفریق نہیں بتائی۔ یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے۔

حدیث زیرِ نظر میں ابن عمرؓ نے کنکریوں سے کھیلنے والے کو منع تو کیا مگر نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ عمل جب تک کثیر نہ ہو وہ نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ میں اجماعی ہے۔ جیسا کہ حنفی کتب کے علاوہ ابن رشدؒ کے مقدمات میں، ابن قدامہؒ کی المغنی میں اور ابن ارسلانؒ اور نوویؒ کی شرح میں صراحتہً موجود ہے۔ انگشتِ شہادت کے ساتھ اشارہ بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ گو اس کی کیفیت میں کچھ اختلاف بھی ہے۔

۲۰۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، وَصَلَّى إِلَى جَنْبِهِ رَجُلٌ. فَلَمَّا جَلَسَ الرَّجُلُ فِي أَرْبَعٍ، تَرَبَّعَ وَثَنَى رِجْلَيْهِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ عَبْدُ اللهِ، عَابَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ. فَقَالَ الرَّجُلُ: فَإِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: فَإِنِّي أَشْتَكِي.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کے پہلو میں ایک شخص نے نماز پڑھی اور چوتھی رکعت کے جلوس میں چوکڑی مار لی۔ اور دونوں پاؤں موڑ لئے۔ جب عبداللہؓ نے نماز ختم کی تو اس شخص کو یوں بیٹھنے پر نکیر کی۔ اس شخص نے کہا کہ آپ بھی تو یہی کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں ایک مرض کے باعث یہ کرتا ہوں۔ (یہ حدیث مؤطا میں امام محمدؒ نے باب الجلوس فی الصلوٰۃ میں روایت کی۔)

شرح: قاضی ابوالولید الباجی المالکیؒ نے چوکڑی مارنے کی ایک کیفیت تو یہی لکھی ہے۔ جسے عموماً اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ دونوں پاؤں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دائیں کو بائیں ران کے نیچے اور بائیں کو دائیں ران کے نیچے رکھ کر سرینوں پر بیٹھا جائے اس کیفیت جلوس کی کراہت (بلا عذر) تو ظاہر و باہر ہے کہ یہ متکبرین کا جلسہ ہے۔ دوسری کیفیت جو قاضی صاحب نے لکھی ہے (المنتقی ج ۱ ص ۱۶۵)۔ مگر دوسری کیفیت کو تورک کہا جاتا ہے کہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر پشت کے سہارے بیٹھیں۔ شاید قاضی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ بلا عذر یوں بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

۲۰۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ حَكِيمٍ، أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللهِ

ابْنَ عُمَرَ يَرْجِعُ فِي سَجْدَتَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ، عَلٰى صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ ذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ. فَقَالَ: إِنَّهَا لَيْسَتْ سُنَّةَ الصَّلٰوةِ. وَإِنَّمَا أَفْعَلُ هٰذَا مِنْ أَجْلِ أَنِّي أَشْتَكِي.

ترجمہ: مغیرہ بن حکیم نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ دونوں سجدوں میں اپنے قدموں کے پنجوں پر سہارا لیتے تھے۔ جب انہوں نے نماز ختم کی تو مغیرہ نے ان سے اس کا ذکر کیا تو عبداللہؓ نے کہ یہ نماز کی سُنت نہیں ہے اور میں اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ بیمار ہوں۔ (یہ اثر موطّا امام محمد میں بھی مروی ہے۔ مگر آخری لفظ یہ ہیں "میں جب سے بیمار ہؤا ہوں تو یوں کرتا ہوں"۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ سجدہ میں اس طرح بیٹھنا درست نہیں۔ بلکہ جلوس اسی طرح ہونا چاہیئے جو نماز کی سُنت ہے۔ یعنی دایاں پاؤں کھڑا کرکے اور بایاں بچھا کر اس پر بیٹھنا۔)

۲۰۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهٗ أَخْبَرَهٗ أَنَّهٗ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ إِذَا جَلَسَ. قَالَ فَفَعَلْتُهٗ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ. فَنَهَانِي عَبْدُ اللّٰهِ. وَقَالَ: إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى. فَقُلْتُ لَهٗ: فَإِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ. فَقَالَ إِنَّ رِجْلَيَّ لَا تَحْمِلَانِّي.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھتے دیکھا تھا۔ میں ان دنوں کم عمر تھا۔ پس میں نے ویسا ہی کیا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا۔ اور کہا نماز کی سُنت (جلوس میں) یہ ہے کہ تو اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔ میں نے کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو عبداللہ نے کہا کہ میرے پاؤں (بیماری اور ضعف کے باعث) مجھے برداشت نہیں کرتے۔ (امام محمدؒ نے کہا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ مگر مالک بن انسؒ پہلے تشہد میں تو اس پر عمل کرتے تھے۔ مگر چوتھی رکعت میں ان کا قول یہ تھا کہ آدمی اپنے سُرین زمین پر ٹکائے اور دونوں پاؤں دائیں جانب کو نکالے۔)

شرح: حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اکثر محدثین کے نزدیک صحابی کا اس قسم کا قول کہ فلاں امر سنت ہے یا یہ کہ ہمیں فلاں حکم دیا گیا تھا، حدیث مرفوع ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ امام نوویؒ نے التقریب میں صحابی کے اس قول کو حدیث مرفوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے۔ اس روایت سے حسب قول ابن عمرؓ صراحتہً معلوم ہوگیا کہ ابن عمرؓ کے اس فعل سے حجت پکڑنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ بیماری اور عذر کے باعث تھا۔ اور اصل چیز اس باب میں ان کا قول ہے۔

۲۰۷۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فِي التَّشَهُّدِ. فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى، وَثَنٰى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَجَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْأَيْسَرِ، وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمِهٖ. ثُمَّ قَالَ: أَرَانِي هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ. وَحَدَّثَنِي أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: القاسم بن محمد نے لوگوں کو تشہد میں جلوس کا طریقہ دکھایا، پس دایاں پاؤں کھڑا کیا اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے سرین پر بیٹھے اور قدم پر نہ بیٹھے اور پھر کہا کہ مجھے یہ طریقہ عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر نے دکھایا اور بیان کیا کہ ان کے والد یوں کیا کرتے تھے (اور یہ اوپر گزر گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک "سنتِ صلوٰۃ" کیا تھی۔)

شرح: نسائی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک سنتِ صلوٰۃ یہ تھی کہ یَنْصِبَ الْیُمْنٰی وَیَجْلِسَ عَلَی الْیُسْرٰی۔ یہ صراحت موطا اور بخاری کی روایت میں نہیں آئی۔ مطلب یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرنا اور بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا ہی سنتِ صلوٰۃ ہے۔

۱۳۔ بَابُ التَّشَهُّدِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں تشہد کا طریقہ

۲۰۸۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يُعَلِّمُ النَّاسَ التَّشَهُّدَ. يَقُوْلُ: قُوْلُوْا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، اَلزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَلطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ. اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ لوگوں کو تشہد کی تعلیم دے رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ کہو "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ اَلزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" سلامیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ پاکیزہ عمل اللہ ہی کے لئے ہے۔ پاکیزہ نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔"

شرح: امام مالکؒ کے نزدیک تشہد پڑھنا سنت ہے لیکن مالکیہ میں سے ابن العربی نے اُسے ارکانِ صلوٰۃ میں سے ایک رکن قرار دیا ہے۔ ایسا رکن جو واجب نہیں اور نہ اس کا محل واجب ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک پہلا تشہد واجب اور دوسرا آخری تشہد رکن ہے۔ لیثؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک ہر دو تشہد واجب ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلا سنت اور دوسرا واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک پہلا تشہد سنت اور دوسرا واجب ہے۔ مگر ان کے ہاں واجب اور فرض میں فرق کیا گیا ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک واجب بمعنی فرض ہے اور حنفیہ سنت اور فرض کے درمیان ایک اور درجہ ثابت کرتے ہیں جسے واجب کہتے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے پہلا تشہد پڑھنا ظاہر روایت کے مطابق واجب ٹھیرایا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آخری تشہد جمہور فقہا کے نزدیک پہلے کی نسبت مؤکد تر ہے اور اس مسئلے کا اختلاف ان کے درمیان ہلکا سا ہے۔

یہ حدیث بعض روایت میں مرفوع آئی ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس قسم کا موقوف عامّۂ علمائے حق کے نزدیک

مرفوع کے حکم ہوتا ہے بعض روایات میں تشہد سے قبل بسم اللہ الخ بھی آئی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں پر بسم اللہ الخ ثابت نہیں ہوئی۔ تحیات سے مراد ہر قسم کا سلام ہے جس میں آفاتِ دارین سے سلامتی بھی داخل ہے۔ زاکیات کا معنیٰ پاک اعمال اور نیک افعال ہیں صلوات میں سب عبادتیں اور دعائیں داخل ہیں۔ تشہد میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیؐ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ رسولؐ کا لفظ جامع اور وسیع کو بھی شامل تھا۔ سبب یہ کہ نبوت مقدم تھی اور رسالت بعد میں آئی۔ یعنی اِقْـرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ پہلے نازل ہوئی تھی اور یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ بعد میں اُتری تھی، جب تک دوسروں کو خبردار کرنے کا حکم نہ ملا تھا حضورؐ صرف نبیؐ تھے۔ تبلیغ احکام کے حکم کے نزول کے بعد آپ رسولؐ ہوئے۔

تشہد کے الفاظ میں اَیُّھَا النَّبِیُّ کا لفظ بصیغۂ خطاب وارد ہے اور اکثر روایات میں ایسا ہی ہے۔ مگر بعض صحابہؓ مثلاً عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ بصیغۂ غائب کہتے تھے۔ مگر جمہور صحابہ اور فقہاء یہاں پر صیغۂ خطاب پر متفق ہیں۔ سبب یہ کہ حضورؐ نے انہیں یہی لفظ سکھایا تھا۔ اور اس میں قبل از وفات یا بعد از وفات اور حاضر یا غائب کا کوئی فرق نہیں بتایا تھا۔ باہر کی آبادیوں کے لوگ، صحابہ جب جنگوں میں اور دیگر اسفار میں ہوتے تھے تو یہی الفاظ ادا کرتے تھے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ابی داؤد میں فرمایا ہے کہ نماز میں غیر اللہ سے بصیغۂ خطاب مخاطب ہونے کی ممانعت کے باوجود تشہد میں یہ صیغہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں داخل ہے۔ پھر یہ ایک گزشتہ واقعہ کی یاددہانی مطلوب ہے کہ شبِ معراج میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری ایک نور کے بادل میں بحضورِ خداوندی ہوئی تو آپ نے اَلتَّحِیَّاتُ النَّمَا رَکَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّیِّبَاتُ کہہ کر سلام کی نذر گزرانی۔ بارگاہِ خداوندی سے جواب ملا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ اس پر حضورؐ نے اپنی اُمت کے صالحین کو بھی اس میں شامل کر کے کہا، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ پھر اہلِ سماوات کی آواز گونجی، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پس اوپر کی بحث سے واضح ہو گیا کہ خطاب کے اس لفظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے۔ حاضر و ناظر صرف اللہ عالم الغیب والشہادت کی شان ہے اور کسی اور کو ایسا جاننا۔ گو وہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں، ایک شرکیہ عقیدہ ہے جو زمانۂ حال اور ماضیٔ قریب کے بعض عجمی اربابِ بدعت کی ایجاد ہے معاذ اللہ منہ۔ دراصل یہ غالی روافض کے عقائد میں سے ہے۔ اور انہی کی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

تشہد کے الفاظ جو احادیث میں وارد ہیں، ان میں سے کسی کو بھی اختیار کر لینا کافی ہے۔ تشہدات کی تعداد کم و بیش دس تک پہنچتی ہے اور تشہد کی روایت ۲۴ صحابہ کرام نے کی ہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ عمر بن الخطابؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عائشہ صدیقہ اُمّ المؤمنینؓ۔ جابر بن عبداللہؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ۔ سمرہ بن جندبؓ۔ علی بن ابی طالبؓ۔ عبداللہ ابن زبیرؓ۔ ان کا تشہد حدیث کی متداول و مشہور کتابوں میں موجود ہے۔ ان میں سے پہلے تین کا تشہد مشہور تر ہے اور ائمہ فقہ نے اسی کو باختلافِ الفاظ اختیار کیا ہے۔ باقی اصحاب کے نام یہ ہیں، ابوبکر الصدیقؓ۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ سلمان فارسیؓ۔ ان کا تشہد ابن مسعودؓ کے تشہد کے مطابق ہے۔ ابوحمیدؓ۔ طلحہؓ۔ انسؓ۔ ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ۔ الفضل بن عباسؓ۔ اُمّ سلمہؓ۔ حذیفہؓ۔ مطلب بن ربیعہؓ۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ۔ الحسین بن علیؓ۔

امام مالکؒ نے تشہد عمر بن الخطابؓ کو اختیار کیا۔ امام شافعیؒ اور ہمارے اکابر نے تشہد ابن عباسؓ کو اختیار کیا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ہر دو کے اصحاب نے تشہد ابن مسعودؓ کو اختیار کیا ہے۔ اس کی روایت صحاح ستہ، طحاوی۔ بیہقی۔ طبرانی

اور بزار نے کی ہے۔ اور بقول امام ترمذیؒ اکثر اہل علم صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہ نے اسے اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ امام محمد بن الحسن نے مؤطا میں تشہد کی روایات حضرت عائشہؓ، جناب عمرؓ بن الخطابؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ سے درج کی ہیں۔ اور ان سب کو اختیار کرنا حسن قرار دیا ہے۔ پھر تشہد ابن مسعودؓ کی روایت درج کی اور بتایا کہ ہمارا مختار یہی ہے اور ہمارے نزدیک عامۃ اہل علم کا مختار یہی ہے جیسا کہ اوپر ترمذی کا قول گزر رہا۔

۲۰۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَتَشَهَّدُ فَيَقُوْلُ: بِسْمِ اللّٰهِ، اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، اَلصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، اَلزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ يَقُوْلُ هٰذَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ۔ وَيَدْعُوْ، إِذَا قَضٰى تَشَهُّدَهُ، بِمَا بَدَا لَهُ۔ فَإِذَا جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ صَلَاتِهِ، تَشَهَّدَ كَذٰلِكَ أَيْضًا۔ إِلَّا أَنَّهُ يُقَدِّمُ التَّشَهُّدَ، ثُمَّ يَدْعُوْ بِمَا بَدَا لَهُ۔ فَإِذَا قَضٰى تَشَهُّدَهُ، وَأَرَادَ أَنْ يُّسَلِّمَ، قَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ عَنْ يَّمِيْنِهِ، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَى الْإِمَامِ۔ فَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ أَحَدٌ عَنْ يَّسَارِهِ، رَدَّ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ تشہد میں یہ پڑھا کرتے تھے بِسْمِ اللّٰهِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ پہلی دو رکعتوں کا تشہد ہے اور اس کے بعد وہ جو چاہتے دعا کرتے تھے۔ پھر جب نماز کے آخری جلسے میں ہوتے تو یہی تشہد پڑھتے۔ اور اس کے بعد جو دعا چاہتے تھے، مانگتے تھے۔ جب تشہد ختم کر کے سلام کہنے کا ارادہ کرتے تو کہتے: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ پھر وہ اپنے دائیں طرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہتے تھے۔ پھر امام کے سلام کا جواب دیتے تھے۔ (مؤطائے امام محمدؒ میں بھی یہ روایت انہی الفاظ میں موجود ہے۔ الفاظ تشہد کا ترجمہ اوپر کی روایت میں گزر چکا ہے اور اس روایت کا اس سے بہت کم لفظی اختلاف ہے۔ لہٰذا ترجمے کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔

شرح: سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمرؓ سے تشہد کی روایت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد سے ملتی جلتی ہے۔ صرف وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ کا اضافہ ہے۔ زیر نظر حدیث میں التحیات سے قبل لفظ بسم اللہ کا اضافہ بھی صرف ابن عمرؓ کی اسی روایت میں ہے۔ ورنہ انہی کے اس لفظ کے بغیر بھی تشہد منقول ہے۔ اور کسی تشہد میں اس لفظ کا اضافہ نہیں آیا۔ البتہ جابرؓ کی روایت مرفوعہ میں (نسائی ابن ماجہ، ترمذی) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ کا لفظ التحیات سے پہلے مروی ہوا ہے۔ یہ اضافہ صحابہ کو پسند نہ تھا۔ اور ابوموسیٰؓ کی حدیث مرفوع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قعدے میں تمہارا پہلا قول اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ ہونا چاہیے (عبدالرزاق، مسلم)۔ اس حدیث میں تین بار سلام کا ذکر ہے مسلم اور ترمذی وغیرہما میں حضورؐ کا عمل دو سلام کا مروی ہے۔ اور اس حدیث کو ابن عمرؓ کے نقل پر بہرحال فوقیت حاصل ہے۔

۱۱۰ - وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ، اِذَا تَشَهَّدَتْ: اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ - وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ - اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ -

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشہد میں کہتی تھیں۔ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ -

شرح: اس تشہد کے الفاظ گزشتہ دونوں تشہدوں سے ایک حد تک مختلف ہیں۔ آخری سلام اس حدیث میں صرف ایک آیا ہے۔ شاید اُمّ المومنین کا مذہب اس مسئلے میں یہی تھا کہ سلام فقط ایک کہا جائے۔ پھر اس حدیث میں کچھ تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ جو واضح ہے۔

۱۱۱ - وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ الْاَنْصَارِیِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ تَقُوْلُ، اِذَا تَشَهَّدَتْ: اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ - اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ - اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ -

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ تشہد میں یوں کہا کرتی تھیں۔ اَلتَّحِیَّاتُ الطَّیِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِیَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ - اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ - (اس روایت میں وحدہٗ لا شریک لہٗ کے الفاظ نہیں آئے۔ گو موطا کے بعض نسخوں میں موجود بھی ہیں۔)

۱۱۱ (ب) وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ شِهَابٍ، وَنَافِعًا، مَوْلَی ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فِی الصَّلٰوةِ - وَقَدْ سَبَقَهُ الْاِمَامُ بِرَكْعَةٍ - اَیَتَشَهَّدُ مَعَهٗ فِی الرَّكْعَتَیْنِ وَالْاَرْبَعِ، وَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ لَهٗ وِتْرًا؟ فَقَالَا: لِیَتَشَهَّدْ مَعَهٗ -

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الْاَمْرُ عِنْدَنَا -

ترجمہ: امام مالکؒ نے ابن شہاب زہریؒ اور نافعؒ (ابن عمرؓ کے غلام) سے پوچھا کہ جو شخص امام کے ساتھ اس کے ایک رکعت پڑھ چکنے کے بعد نماز میں شامل ہوا ہو، آیا ہو، وہ امام کے ساتھ دوسری اور چوتھی رکعت (یعنی امام کی دوسری اور چوتھی) تشہد پڑھے گا؟ حالانکہ اس کی یہ دراصل پہلی اور تیسری رکعت ہے۔ دونوں نے کہا کہ ہاں! اسے تشہد پڑھنا چاہئے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے ہاں اسی پر عمل درآمد ہے۔ (دوسرے تینوں ائمہ یعنی ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا قول بھی یہی ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔)

۱۴۔ بَابُ مَا يَفْعَلُ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ

امام سے پہلے سر اٹھانے والے کا باب

۲۱۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ مَلِيحِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّعْدِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: اَلَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، فَإِنَّمَا نَاصِيَتُهُ بِيَدِ شَيْطَانٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: فِيمَنْ سَهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ فِي رُكُوعٍ أَوْ سُجُودٍ: إِنَّ السُّنَّةَ فِي ذٰلِكَ، أَنْ يَرْجِعَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا، وَلَا يَنْتَظِرُ الْإِمَامَ. وَذٰلِكَ خَطَأٌ مِمَّنْ فَعَلَهُ. لِأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ" وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اَلَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَخْفِضُهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، إِنَّمَا نَاصِيَتُهُ بِيَدِ شَيْطَانٍ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا یا اسے جھکاتا ہے تو اس کی پیشانی کے بال شیطان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو سہو ہوا اور اس نے رکوع یا سجدے میں امام سے پہلے سر اٹھا لیا تو اس امر میں سنت یہ ہے کہ وہ دوبارہ رکوع میں یا سجدے میں چلا جائے۔ اور امام کا انتظار نہ کرے۔ اور امام سے پہلے سر اٹھانا خطا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس تم اس سے اختلاف مت کرو۔ اور ابو ہریرہؓ نے کہا ہے کہ جو اپنا سر امام سے جھکاتا یا اٹھاتا ہے تو اس کی پیشانی کے بال شیطان کے ہاتھ میں ہیں۔

شرح: امام مالکؒ کے قول سے پہلے ابو ہریرہؓ کی موقوف حدیث ہے مگر امام مالکؒ نے اپنے قول کے آخر میں اسے مرسلاً مرفوع بیان کیا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو بھی از روئے اصول حدیث یہ قول مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ امام پر پیش قدمی کرنے والا شیطانی حرکت کا مرتکب ہے۔ گویا اسے شیطان سر کے بالوں سے گھسیٹ کر اس گناہ میں پھینک رہا ہوتا ہے۔ بخاریؒ نے اس مضمون سے ملتی جلتی حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر میں یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت میں تبدیل کر دے؟ علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں (ابو ہریرہؓ کی روایت سے) اور معجم طبرانی کبیر میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے مرفوعاً مروی ہے۔ امام کے انتقالات پر سبقت کرنا فعل حرام ہے۔ مگر جمہور علما کے

کے نزدیک ایسا شخص گنہگار ہونے کے باوجود مقتدی ہی شمار ہوگا۔ اور اس کی نماز ہو جائے گی۔ اس مسئلہ میں ابن عمرؓ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوگئی۔ امام محمدؒ نے ایک روایت کے مطابق یہی فتویٰ دیا ہے۔ اور ظاہری حضرات کا یہی مذہب ہے۔ اگر امام پر سبقت لے جانے کا مسئلہ پھیلایا جائے تو وہ طویل الذیل ہے۔ بقول حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی اصولاً یہاں تین مسائل ہیں جن میں امام پر سبقت کرنے سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تکبیر تحریمہ، دوسرا سلام اور تیسرا دیگر ارکانِ صلوٰۃ۔ تکبیر تحریمہ میں امام پر سبقت کرنے والے کی نماز عامہ فقہاء کے نزدیک باطل ہے۔ امام سے قبل سلام کہنے والا اگر تشہد کی مقدار پر جلوس کر چکا ہو یا تشہد پڑھ چکا ہو تو اس کا فعل ناجائز و مکروہ ہے۔ مگر نماز اس کی ہوگئی۔ اسی طرح دیگر ارکان صلوٰۃ میں امام پر سبقت کرنے والا فعل حرام کا مرتکب ہے۔ اور اس کی نماز ناقص ہو جاتی ہے۔ مگر باطل نہیں ہوتی۔ یہاں پر اس مسئلہ کی تفصیل کا محل نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵- بَابُ مَا يَفْعَلُ مَنْ سَلَّمَ مِنْ رَكْعَتَيْنِ سَاهِيًا

بھول کر دو رکعت پر سلام کرنے والا کیا کرے؟

۲۱۳- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ اَبِيْ تَمِيْمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنِ اثْنَتَيْنِ۔ فَقَالَ لَهٗ ذُو الْيَدَيْنِ: اَقَصُرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِيْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ"؟ فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ۔ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر نماز ختم کر دی تو ذوالیدین نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ کیا نماز میں کمی کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ذوالیدین نے سچ کہا؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور پچھلی دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام کہا، پھر تکبیر کہی پھر اپنے عام سجدے کی مانند یا اس سے طویل تر سجدہ کیا۔ پھر تکبیر کہی اور عام سجدے کی مانند یا اس سے طویل تر سجدہ کیا۔ پھر سر اٹھایا۔

شرح: امام محمد بن الحسنؒ نے اس حدیث سے اگلی حدیث اپنے مؤطا میں درج کی ہے۔ جسے امام مالکؒ نے داؤد بن الحصین سے روایت کیا ہے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہو کا ذکر ہے۔ علمائے حدیث نے کہا کہ ان میں پانچ احادیث ثابت ہیں۔ (۱) حدیثِ ابوہریرہؓ جس میں عدد رکعات کا شک مذکور ہے اور یہ حکم کہ شک کرنے والا دو سجدے کرے۔ مگر سجدوں کا محل مذکور نہیں۔ (۲) حدیثِ ابی سعیدؓ میں بھی عددِ رکعات کا شک مذکور ہے اور یہ کہ حضورؐ نے دو سجدے آخری سلام سے قبل کئے تھے (۳) حدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں رکعت میں کھڑے ہو گئے تھے۔ (۴) حدیث ذوالیدین جو اس وقت زیر نظر ہے۔ (۵) حدیث ابن بحینہؓ جس میں دو رکعت پر کھڑا ہو جانا مذکور ہے۔ شیخ ابن قدامہؒ حنبلی نے امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ چیزیں محفوظ آئی ہیں۔ (۱) یہ کہ دو رکعت پر سلام کہہ دیا تو سجدہ سہو کیا۔ (۲) یہ کہ تین رکعات پر سلام کہہ دیا تو سجدہ سہو کیا۔ (۳) نماز میں زیادتی (۴) اور نقصان واقع ہوا (۵) تشہد کے بغیر امام دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہو گیا۔

حدیث زیر بحث میں نماز کی تعیین کا ذکر نہیں۔ نہ یہ کہ ابو ہریرہؓ خود واقعہ میں حاضر تھے یا نہیں؟ ہم نے اس حدیث پر فضل المعبود میں مفصل گفتگو کی ہے۔ امام طحاوی نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے ذوالیدین کی حدیث کا ذکر ہوا۔ تو انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہؓ کا اسلام (جنگ خیبر ۷ھ) ذوالیدین کے قتل (جنگ بدر ۲ھ) کے بعد ہوا تھا۔ ذوالیدین اور ذوالشمالین اصحاب رجال کے نزدیک ایک ہی شخصیت کے القاب ہیں۔ اور زہری جو حدیث و مغازی کے ارکان میں سے ہیں۔ ان کے بقول ذوالیدین کا قصہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے۔ پس یہ حدیث جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، یہ مراسیل صحابہ میں سے ہے۔ جیسے کہ بخاری کی حدیث بدء الوحی حضرت عائشہ صدیقہ سے از قبیل مراسیل صحابہ ہے۔ یہ واقعہ جو حدیث ذی الیدین میں مذکور ہے، اس زمانے کا ہے جبکہ نماز میں بات چیت، سلام اور اس کا جواب وغیرہ اور اس قسم کے امور جائز تھے۔ بعد میں کلام، چلنے پھرنے اور سلام و جواب کی ممانعت ہوگئی تھی۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں (مثلاً حدیث ابن مسعودؓ جس میں ان کی حبشہ سے واپسی اور حضورؐ کو سلام کہنے کا ذکر ہے) آچکا ہے کہ اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلًا یعنی نماز کا خضوع و خشوع ان تمام باتوں سے مانع ہے۔

ذوالیدین کا نام خرباق تھا۔ ان کے ہاتھ نسبتاً طویل تھے۔ اور وہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتا تھا۔ اسی سبب سے بقول علامہ بدرالدین عینیؒ اسے ذوالشمالین بھی کہتے تھے۔ خرباق کے علاوہ انہیں عمیر اور عبداللہ بھی کہا جاتا تھا۔ نسائی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخصیت کے لقب تھے۔ نسائی کے علاوہ البزار اور طبرانی کی روایات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں ذوالشمالین حضورؐ سے ملا اور حضورؐ سے عرض کیا کہ نماز میں کمی کا حکم آگیا ہے یا آنجناب بھول گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہا ہے؟ ابن سعد نے طبقات میں، العدنی نے اپنی مسند میں، المبرد نے الکامل میں، ابن حبان نے ثقات میں، سمعانی نے الانساب میں اور قاضی عیاض، امام نووی اور ابن الاثیر نے تصریح کی ہے۔ کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص تھا۔ ابن ارسلان نے شرح ابی داؤد میں لکھا ہے کہ ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہوا تھا۔

سجدۂ سہو کی کیفیت میں فقہا کا اختلاف ہوا ہے حنفیہ نے قبل السلام اور بعد السلام کی احادیث کو جمع کیا اور کہا کہ سجدہ سہو کے لئے سلام کہا جائے۔ دو سجدے کر کے پھر تشہد کیا جائے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے اور اس کے بعد پھر آخری سلام کہہ کر نماز تمام کی جائے۔ سجدہ سہو کے بعد والے تشہد پر حدیث عمرانؓ، حدیث ابن مسعودؓ، حدیث مغیرہؓ سے استدلال کیا گیا ہے۔ نسائی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی امر دوسرے تشہد کے لئے ثابت ہے۔ بیہقی میں مغیرہؓ کی حدیث میں حضورؐ کا فعل بیان ہوا ہے کہ آپؐ نے دوسرا تشہد کیا۔

۲۱۴۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ، فَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيْنِ. فَقَامَ ذُوالْيَدَيْنِ، فَقَالَ: أَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْ نَسِيتَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ" فَقَالَ: قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "أَصَدَقَ ذُوالْيَدَيْنِ؟" فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَمَّ

مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلٰوةِ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ التَّسْلِيْمِ، وَهُوَ جَالِسٌ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر سلام کہہ دیا۔ پس ذوالیدین اٹھا اور بولا، یارسول اللہؐ کیا نماز میں قصر ہو گیا ہے یا آپ کو نسیان ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس نے کہا، یا رسول اللہؐ ان میں سے کوئی بات تو ضرور ہوئی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور باقی ماندہ نماز پوری کی۔ پھر بحالت جلوس سلام کے بعد دو سجدے کئے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہوئی ہے۔)

شرح: ذوالیدین کی گفتگو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اور پھر آنحضورؐ کا لوگوں کے ساتھ سوال وجواب عمداً نہ تھا بلکہ سہو ونسیان کے ساتھ۔ پس اس کو اس بات کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ نماز میں بھول چوک سے کلام ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی۔ اگر حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے کا شوق ہے تو پھر نماز میں گفتگو کو جائز قرار دیا جائے۔ یا اس قسم کے واقعات میں جیسا کہ یہ تھا، بات چیت کو فسادِ صلوٰۃ کا باعث نہ ٹھہرایا جائے۔ ایسی تاویلات کرنا جو کہ

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

کا مصداق ہوں سوائے کھینچا تانی کے اور اپنے مسلک کی پنچ میں غلط تاویلات کا سہارا لینے کے اور کچھ نہیں ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نماز میں گفتگو جائز نہیں ہے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس حدیث کو منسوخ کہا جائے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ ورنہ صحاح کی اس حدیث کو جو معاویہؓ بن حکم سلمی سے مروی ہے، حدیثِ ذوالیدین کی بنا پر منسوخ کہا جائے اور عمداً کلام کو نماز کے باطل یا فاسد ہونے کا باعث نہ مانا جائے۔ مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھو فضل المعبود۔ سجدہ سہو کے لئے احادیث میں قبل التسلیم اور بعد التسلیم دونوں الفاظ آئے ہیں۔ لہذا حنفیہ نے انہیں جمع کر کے کہا ہے کہ سجدہ سہو پہلے سلام کے بعد اور آخری سلام سے پہلے کیا جائے۔

۲۱۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ إِحْدَى صَلَاتَيِ النَّهَارِ، الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ، فَسَلَّمَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الشِّمَالَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمْ نَسِيْتَ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا قَصُرَتِ الصَّلَاةُ، وَمَا نَسِيْتُ" فَقَالَ ذُو الشِّمَالَيْنِ: قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟" فَقَالُوْا: نَعَمْ. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. فَأَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا بَقِيَ مِنَ الصَّلٰوةِ، ثُمَّ سَلَّمَ۔

ترجمہ: ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہؓ نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کی دو نمازوں ظہر یا عصر میں سے کسی ایک میں دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ پس بنی زہرہ بن کلاب کے ایک شخص ذوالشمالین نے آپ سے کہا، یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر ہو گیا ہے۔ یا آپ بھول گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ نماز میں قصر ہوا ہے اور نہ میں بھولا ہوں۔ ذوالشمالین نے کہا یارسول اللہؐ ان میں سے کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا ذوالیدین نے سچ کہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی نماز کو پورا کیا، پھر سلام کہا
شرح: اس حدیث سے (گو یہ منقطع ہے) ثابت ہوا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک شخص کے لقب تھے۔ اور نسائی میں بھی حدیث مرفوع میں (عن الزہری عن ابی سلمۃ و ابی بکر بن سلیمان عن ابی ہریرۃؓ) بھی آیا ہے۔ اور اس کی سند مرفوع متصل ہے۔ اور زہری کی متابعت اسی روایت عمران بن انس نے کی ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس سند کو صحیح علیٰ شرط مسلم قرار دیا ہے۔ حدیث زیر نظر میں زہری اور ان کا استاد ابوبکر ہر دو ثقہ راوی ہیں۔ زہری تو بہر حال زہری ہے، ابوبکر بن سلیمان بھی ابن ماجہ کے علاوہ سب صحاح کا راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کی ایک حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ جن لوگوں نے ذوالشمالین اور ذوالیدین کو ایک شخص قرار دینے سے اختلاف کیا ہے، وہ اسے بلا دلیل زہری زہری کا وہم ٹھیراتے ہیں۔ ان کا یہ قول اگر تعسف نہیں تو وہم ضرور ہے۔ اس حدیث میں سجدہ سہو کا ذکر نہیں ہے۔ مگر دیگر حفاظِ حدیث کی روایات میں موجود ہے۔ پس اس میں اختصار ہو گیا ہے۔

۲۱۶- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: كُلُّ سَهْوٍ كَانَ نُقْصَانًا مِنَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّ سُجُودَهُ قَبْلَ السَّلَامِ۔ وَكُلُّ سَهْوٍ كَانَ زِيَادَةً فِي الصَّلٰوةِ، فَإِنَّ سُجُودَهُ بَعْدَ السَّلَامِ۔

ترجمہ: ابن شہاب زہریؒ نے سعید بن المسیبؒ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ہر دو سے اسی طرح کی روایت کی ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ سہو جو نماز میں نقصان کا باعث بنے تو اس کا سجدہ سلام سے پہلے ہے۔ اور ہر وہ سہو جو نماز میں زیادتی کا سبب بنے تو اس کا سجدہ (سہو) سلام کے بعد ہے۔

شرح: امام مالکؒ کے اس قول میں قبل السلام اور بعد السلام سے مراد آخری سلام ہے۔ جس پر نماز کو ختم کیا جاتا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے شوکانی سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلے میں علماء و فقہا کے نو قول ہیں۔ حنفیہ نے احادیث کی بنا پر سجدہ سہو کو بعد از سلام رکھا ہے۔ مگر ابوداؤد کی حدیث کے مطابق سجدہ سہو کے بعد اس کا تشہد اور آخری سلام رکھا ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے قبل السلام اور بعد السلام کی احادیث کو عملاً جمع کر دیا ہے۔ محقق ابن ہمامؒ نے یہی لکھا ہے۔

۱۶- بَابُ إِتْمَامِ الْمُصَلِّي مَا ذَكَرَ إِذَا شَكَّ فِي الصَّلٰوةِ

نمازی کو جب شک ہو جائے تو یاد آنے پر نماز کو پورا کرنے کا باب

۲۱۷- حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى، أَثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا؟ فَلْيُصَلِّ رَكْعَةً، وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، قَبْلَ التَّسْلِيمِ۔ فَإِنْ كَانَتِ الرَّكْعَةُ الَّتِي صَلّٰى خَامِسَةً، شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ۔ وَإِنْ كَانَتْ رَابِعَةً، فَالسَّجْدَتَانِ تَرْغِيمٌ لِلشَّيْطَانِ"۔

ترجمہ: عطا بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی یا چار، تو ایک رکعت پڑھ لے اور بیٹھے بیٹھے آخری سلام سے قبل دو سجدے کر لے۔ پس اگر اس نے یہ رکعت جو پڑھی ہے پانچویں ہے تو ان دو سجدوں کے ساتھ اس نے گویا دو رکعات بنا لیں۔ اور اگر یہ چوتھی رکعت تھی تو دو سجدے شیطان کی تذلیل کا باعث ہوں گے۔ (امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ حدیث بَابُ السَّهْوِ فِي الصَّلٰوةِ میں روایت کی ہے۔)

شرح: امام محمد بن الحسنؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کو یہ صورت پہلی مرتبہ پیش آئی ہو تو وہ نماز کو از سرِ نو پڑھے۔ اگر یہ صورت اسے بہت دفعہ پیش آتی ہو، تو غلبہ ظن پر نماز جاری رکھے۔ ورنہ دوسری طرح سے وہ شیطانی وسوسہ سے نجات نہ پا سکے گا۔ حدیث زیرِ نظر کو مؤطا کے راویوں میں سے ولید بن مسلم نے موصول بیان کر کے صحابی کا نام ابو سعیدؓ بتایا ہے اور اسی طرح یہ حدیث مرفوع مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ پس یہ ایک حدیثِ مرفوع ہے اور سنداً صحیح ہے۔ اس میں شک سے مراد ایسا تردد ہے جس میں کسی ایک طرف کا رجحان نہ ہو۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو شک کہتے ہیں۔ جب ایک طرف کا رجحان قوی ہو مگر تردد پھر بھی باقی ہو، تو اسے ظن کہتے ہیں۔ ایک ظن ہو اور دوسری طرف کے تردد کو ترک کر دیا جائے تو یہ غلبہ ظن ہے۔ اس باب میں حدیث زیرِ بحث کے علاوہ اور کئی احادیث وارد ہیں جنہیں حنفی فقہانے جمع کیا ہے۔ وہ اس طور پر کہ اگر یہ صورت پہلی بار پیش آئی ہو تو نمازی از سرِ نو نماز پڑھے۔ اگر اسے شک ہوتا ہے تو غلبۂ ظن (اکبرِ رائے) پر عمل کرے۔ اگر اس کی کوئی رائے نہیں تو یقین پر بنا کرے۔ اس طور پر تمام احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔ اور سب پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جو صورت بھی اختیار کریں گے، بعض احادیث کو ترک کرنا پڑے گا۔ پہلی صورت کہ نماز کو از سرِ نو پڑھا جائے، ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ كَمْ صَلّٰى فَلْيَسْتَقْبِلِ الصَّلٰوةَ "جب تم میں سے کسی کو شک ہو کہ کتنی نماز پڑھی ہے تو از سرِ نو نماز پڑھے۔" اور ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ان کا یہی فتویٰ تھا۔ طبرانی نے عبادہ بن ثابتؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جسے نماز میں سہو ہو گیا تھا اور وہ نہ جانتا تھا کہ کتنی نماز پڑھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اپنی نماز لوٹائے اور بیٹھ کر دو سجدے کرے۔ شوکانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسحاق راوی نے اپنے دادا عبادہ بن صامت سے سماع نہیں کیا۔ لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ مگر اس کے استدلال کرنے والوں کے پاس صرف یہی دلیل نہیں، لہٰذا اعتراض باطل ہے۔ طبرانی نے ایک اور روایت بیان کی ہے جو میمونہ بنت سعد سے ہے۔ اور اس کا مضمون بھی یہی ہے کہ ایسے شک والے کو از سرِ نو نماز پڑھنی چاہیے۔ اس کے راوی عثمان بن عبدالرحمٰن طرائفی پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مگر وہ نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کا راوی ہے جسے ابن معین اور ابن شاہین وغیرہما نے ثقہ کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ابن عمرؓ کا فتویٰ بالکل اس گزشتہ روایت کے مطابق بیان کیا ہے۔ اور اسی طرح کے فتاویٰ اس نے سعید بن جبیرؒ، محمد بن الحنفیہؒ اور قاضی شریح سے روایت کئے ہیں۔ امام محمدؒ نے اس قسم کا قول کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح کثرتِ شک کے عادی کے لئے تحری کرنے کا ثبوت حنفیہ نے ابن مسعودؓ کی مرفوع حدیث سے دیا ہے کہ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلَاثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا فَلْيَتَحَرَّ اَقْرَبَهٗ اِلَى الصَّوَابِ وَلْيَبْنِ عَلَيْهِ "جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو تحری کرے۔ (غور سے سوچے) کہ درستی سے قریب تر کیا امر ہے اور اس پر نماز کو مبنی کرے۔" یہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہم کی حدیث ہے۔ طحاویؒ نے ابن عمرؓ اور ابو سعید خدریؓ سے اس قسم کے اقوال نقل کئے ہیں۔ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ اسی کے مطابق بیان کیا ہے۔ یہ صورت غالب ظن اور اکبرِ رائے پر بنا کرنے کی ہوئی۔

تیقن پر بنیاد رکھنے کی دلیل حنفیہ نے ابو سعید خدریؓ کی حدیث کو قرار دیا ہے۔ جسے مسلم، ابوداؤد، احمد، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی روایت متصل و مرسل دونوں طرح سے ہوئی ہے کہ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِكَمْ صَلّٰى فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ "جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو کہ کتنی پڑھی ہے تو شک کو پرے پھینک دے اور یقین پر بنا رکھے۔" اسی طرح کی ایک حدیث عبدالرحمٰن بن عوف سے مرفوعاً مروی ہے۔ جسے احمد۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی اس کی تصحیح کی ہے۔

پس اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک نہایت معتدل، متوازن اور احادیث صحیحہ سے مُدلّل ہے۔ اور بفضل خدا انہوں نے اس باب کی تمام احادیث کے صحیح محل بتا کر سب پر عمل کیا ہے۔

۲۱۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَوَخَّ الَّذِي يَظُنُّ اَنَّهُ نَسِيَ مِنْ صَلٰوتِهٖ۔ فَلْيُصَلِّهٖ۔ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ، وَهُوَ جَالِسٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے تو جتنی نماز میں بھول ہوئی ہے، اس کے لئے تحری (سوچ بچار) کرے اور اس کو پڑھ کر آخری قعدہ میں سہو کے دو سجدے کرلے۔ (حنفیہ کا مذہب عبداللہ بن عمرؓ کے اس فتویٰ کے مطابق ہے تفصیل اُوپر گزری۔ اور ابو سعید خدری کا قول بھی یہی ہے۔ حنفیہ نے دیگر احادیث کے باعث یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس شخص کا ہے جسے بار بار شک ہوتا ہو۔ اور جیسا کہ اوپر مدلل گزرا ہے۔ اگر اس کے شک کی دونوں اطراف برابر ہوں تو کم از کم رکعات پر بنا کرے جن کا یقین ہے۔

۲۱۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَفِيفِ بْنِ عَمْرٍو السَّهْمِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّهُ قَالَ: سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَكَعْبَ الْاَحْبَارِ، عَنِ الَّذِي يَشُكُّ فِي صَلَاتِهٖ فَلَا يَدْرِي كَمْ صَلّٰى اَثَلَاثًا اَمْ اَرْبَعًا؟ فَكِلَاهُمَا قَالَ: لِيُصَلِّ رَكْعَةً اُخْرٰى۔ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ النِّسْيَانِ فِي الصَّلٰوةِ، قَالَ: لِيَتَوَخَّ اَحَدُكُمُ الَّذِي يَظُنُّ اَنَّهُ نَسِيَ مِنْ صَلٰوتِهٖ، فَلْيُصَلِّهٖ۔

ترجمہ: عطاء بن یسار نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور کعب الاحبار سے اس شخص کے متعلق پوچھا، جسے اپنی نماز میں شک ہے کہ معلوم نہیں اس نے چار رکعات پڑھی ہیں یا تین۔ ان دونوں نے کہا کہ وہ ایک اور رکعت پڑھے اور جلوس کی حالت میں سہو کے دو سجدے کرے۔ نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے جب نماز میں بھول جانے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم میں سے کوئی گمان کو پختہ کرے کہ اس کی کتنی نماز میں بھول ہوا ہے۔ پھر اسے ادا کرے۔ (یہ دونوں اثر موطأ محمد میں مروی ہیں۔

شرح : عبداللہ بن عمرؓ کے قول پر اوپر گفتگو ہو چکی۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جواب تعیین پر مبنی اور رکھنے والی حدیث کی تائید میں ہے۔ مگر اوپر کی بحث سے معلوم ہو چکا کہ اس سلسلے میں مختلف اقوال کا مختلف حکم ہے۔ شوکانی نے عبداللہ بن عمروؓ کا جو مذہب اس مسئلہ میں بیان کیا ہے۔ وہ وہی ہے جسے حنفیہ نے اختیار کیا کہ اگر اس شخص کو پہلی بار شک ہوا ہے تو نماز کا اعادہ کرے۔ کعب الاحبار ایک زمرہ تابعی تھے۔ ان کے قول پر گفتگو کی حاجت نہیں۔

۱۷۔ بَابُ مَنْ قَامَ بَعْدَ الْإِتْمَامِ أَوْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ

جو شخص نماز پوری کرکے یا دو رکعت پر کھڑا ہو جائے اس کا بیان

۲۲۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ قَامَ فَلَمْ يَجْلِسْ. فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ. فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، وَنَظَرْنَا تَسْلِيمَهُ، كَبَّرَ. ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ التَّسْلِيمِ. ثُمَّ سَلَّمَ۔

ترجمہ : عبداللہ بن بُحینہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دو رکعتیں پڑھائیں اور پہلے قعدے میں بیٹھے بغیر اُٹھ کھڑے ہوئے اور لوگ بھی آپؐ کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب آپؐ نے نماز پوری کرلی اور ہم نے آپؐ کے سلام کا انتظار کیا تو آپؐ نے تکبیر کہہ کر پھر دو سجدے کئے اور آپؐ (آخری قعدہ میں) بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سجدے آخری سلام سے پہلے تھے۔ پھر آپؐ نے سلام کہا۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں مروی ہے۔)

شرح : اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کئی چیزوں سے سہو ہو تو متعدد سجدۂ سہو نہ آئے گا۔ اس حدیث کی رُو سے پہلے قعدے اور اس کے تشہد دو چیزوں سے سہو ہوا تھا۔ مگر سجدۂ سہو ایک بار کیا گیا یعنی دو سجدے کئے گئے، زیادہ نہیں۔ علامہ عینی نے کہا کہ اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ مگر اوزاعیؒ کے نزدیک ایسی حالت میں چار سجدے واجب ہوں گے۔ طریقۂ سلام پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

۲۲۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الظُّهْرَ. فَقَامَ فِي اثْنَتَيْنِ وَلَمْ يَجْلِسْ فِيهِمَا. فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ. ثُمَّ سَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ فِيمَنْ سَهَا فِي صَلَاتِهِ، فَقَامَ بَعْدَ إِتْمَامِهِ الْأَرْبَعَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ رُكُوعِهِ، ذَكَرَ أَنَّهُ قَدْ كَانَ أَتَمَّ: إِنَّهُ يَرْجِعُ، فَيَجْلِسُ وَلَا يَسْجُدُ۔ وَلَوْ سَجَدَ إِحْدَى السَّجْدَتَيْنِ لَمْ أَرَ أَنْ يَسْجُدَ الْأُخْرَى. ثُمَّ إِذَا قَضَى صَلَاتَهُ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ، بَعْدَ التَّسْلِيمِ۔

ترجمہ : عبداللہ بن بُحینہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی تو دو رکعت پر قعدہ کرنے کے

بجائے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر جب نماز پوری کر لی تو دو سجدے کر لئے۔ اور اس کے بعد سلام کہا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو نماز میں سہو ہو گیا اور چار رکعتیں پڑھنے کے بعد اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر قرأت کی اور رکوع سے سر اُٹھایا یا تو اسے یاد آگیا کہ وہ تو چار رکعات پڑھ چکا تھا سو وہ پھر بیٹھ جائے اور سجدہ نہ کرے۔ اور اگر اس نے ایک سجدہ کر لیا تو دوسرا نہ کرے۔ پھر نماز کو ختم کر کے سلام کے بعد بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرے۔

شرح: ابن بُحینہ کی حدیث تو پیچھے گزری۔ اس روایت میں فقط یہ اضافہ ہے کہ وہ نماز ظہر کی تھی۔ امام مالکؒ کے جواب سے حنفی مذہب کچھ مختلف ہے۔ ان کے نزدیک چونکہ بربنائے دلائل آخری قعدہ فرض ہے۔ لہذا جس شخص نے سہواً اسے ترک کر دیا تھا اور اسے سجدے سے قبل اپنی غلطی یاد آگئی تھی۔ تو واپس ہو کر بیٹھ جائے۔ اور نماز مکمل کر کے حسب قاعدہ سجدہ سہو کرے۔ اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو فرض (قعدۂ اخیرہ) چھوٹ جانے کے باعث اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اگر فرض تھی تو نفل کا ثواب مل جائے گا۔ وہ از سرِ نو نماز پڑھے۔ اگر یہ شخص آخری قعدہ بقدرِ تشہد کر چکا تھا تو سہواً اُٹھ جانے کی صورت میں اگر سجدہ بھی کر لے تو ایک رکعت اور ساتھ ملا لے۔ تاکہ چار فرض اور دو نفل ہو جائیں اور آخری قعدے میں حسب الحکم سجدۂ سہو کرے۔

۱۸۔ بَابُ النَّظَرِ فِي الصَّلٰوةِ اِلٰى مَا يَشْغَلُكَ عَنْهَا

نماز پڑھتے ہوئے کسی غافل کرنے والی چیز کو دیکھنا

۲۲۲۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ اَبِيْ عَلْقَمَةَ، عَنْ اُمِّهٖ، اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: اَهْدٰى اَبُوْ جَهْمِ بْنُ حُذَيْفَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَمِيْصَةً شَامِيَّةً، لَهَا عَلَمٌ۔ فَشَهِدَ فِيْهَا الصَّلٰوةَ۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: "رُدِّيْ هٰذِهِ الْخَمِيْصَةَ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ۔ فَاِنِّيْ نَظَرْتُ اِلٰى عَلَمِهَا فِي الصَّلٰوةِ۔ فَكَادَ يَفْتِنُنِيْ"۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ابوجہمؓ بن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ ایک نرم و نازک شامی چادر دی جس میں نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ پس حضورؐ اسے اوڑھ کر نماز میں تشریف لے گئے، جب واپس ہوئے تو فرمایا، یہ چادر ابوجہمؓ کو واپس بھیج دو۔ کیونکہ میں نے نماز میں اس کے نقش و نگار کی طرف نگاہ ڈالی تو قریب تھا کہ مجھے نماز سے غافل کر دے۔ (یعنی یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اس چادر کے حسین نقش و نگار اپنی طرف متوجہ کر کے خشوع و خضوع میں حائل نہ ہو جائیں۔ ابوجہم کپڑے کا کاروبار کرتے تھے)۔

۲۲۳۔ وَحَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَمِيْصَةً لَهَا عَلَمٌ، ثُمَّ اَعْطَاهَا اَبَا جَهْمٍ۔ وَاَخَذَ مِنْ اَبِيْ جَهْمٍ اَنْبِجَانِيَّةً لَهٗ۔ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ وَلِمَ؟ فَقَالَ: "اِنِّيْ نَظَرْتُ اِلٰى عَلَمِهَا فِي الصَّلٰوةِ"۔

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ فام نرم شامی چادر پہنی، جس میں نقش و نگار تھے۔ پھر وہ

چادر ابوجہم کو عطا فرمادی اور اس سے اس کی ایک موٹی کثیف چادر لے لی۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ یہ کیوں؟ فرمایا کہ میں نے نماز میں اس کا نقش و نگار دیکھا تھا۔

شرح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں صرف نظریں گھما کر دیکھنے سے فساد پیدا نہیں ہوتا۔

۲۲۴۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ، كَانَ يُصَلِّي فِي حَائِطِهِ۔ فَطَارَ دُبْسِيٌّ، فَطَفِقَ يَتَرَدَّدُ يَلْتَمِسُ مَخْرَجًا۔ فَأَعْجَبَهُ ذَلِكَ۔ فَجَعَلَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ سَاعَةً ثُمَّ رَجَعَ إِلَى صَلَاتِهِ فَإِذَا هُوَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى؟ فَقَالَ: لَقَدْ أَصَابَتْنِي فِي مَالِي هَذَا فِتْنَةٌ۔ فَجَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ لَهُ الَّذِي أَصَابَهُ فِي حَائِطِهِ مِنَ الْفِتْنَةِ۔ وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ۔ هُوَ صَدَقَةٌ لِلّٰهِ۔ فَضَعْهُ حَيْثُ شِئْتَ۔

ترجمہ: ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کھنڈ ریچہ پرندہ اڑا اور ادھر ادھر پھڑ پھڑاتا رہا۔ تاکہ نکلنے کی جگہ پاسکے۔ ابوطلحہؓ کو وہ پسند آیا اور کچھ دیر تک وہ اپنی نگاہیں اس کے پیچھے ڈالتے رہے۔ پھر نماز کا خیال آیا اور یہ یاد نہ رہا کہ کتنی پڑھی تھی۔ پس کہنے لگے کہ مجھے میرے اس مال میں فتنہ پہنچا ہے پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور باغ والا یہ واقعہ عرض کیا۔ اور کہا کہ یا رسول اللہؐ یہ باغ اللہ تعالیٰ کے لئے صدقہ ہے۔ آپ جہاں چاہیں، اسے خرچ کر ڈالیں۔

شرح: ابوطلحہؓ کا یہ قول ارشادِ ربانی إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ کے پیش نظر تھا۔ اس واقعہ سے ان کا تقویٰ اور سیر چشمی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ بزرگ عبادتِ خداوندی کے سامنے ہر چیز کو ہیچ جانتے تھے۔

۲۲۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يُصَلِّي فِي حَائِطٍ لَهُ بِالْقُفِّ۔ وَادٍ مِنْ أَوْدِيَةِ الْمَدِينَةِ۔ فِي زَمَانِ الثَّمَرِ۔ وَالنَّخْلُ قَدْ ذُلِّلَتْ، فَهِيَ مُطَوَّقَةٌ بِثَمَرِهَا۔ فَنَظَرَ إِلَيْهَا، فَأَعْجَبَهُ مَا رَأَى مِنْ ثَمَرِهَا۔ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى صَلَاتِهِ فَإِذَا هُوَ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى؟ فَقَالَ: لَقَدْ أَصَابَتْنِي فِي مَالِي هَذَا فِتْنَةٌ۔ فَجَاءَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ خَلِيفَةٌ۔ فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ وَقَالَ: هُوَ صَدَقَةٌ، فَاجْعَلْهُ فِي سُبُلِ الْخَيْرِ۔ فَبَاعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ بِخَمْسِينَ أَلْفًا۔ فَسُمِّيَ ذَلِكَ الْمَالُ، الْخَمْسِينَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ ایک انصاری مدینہ کی وادیوں میں سے قف نامی ایک وادی کے اندر واقع اپنے ایک باغ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ وقت کھجور کے پکنے کا تھا۔ کھجوریں جھکی ہوئی تھیں اور پھل سے لدی کھڑی تھیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھا تو وہ اسے بہت اچھی لگیں۔ پھر وہ اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ پڑھی نماز کی مقدار اسے معلوم نہ رہی تھی۔

اس نے کہا کہ مجھ کو میرے اس مال میں یہ آزمائش آئی ہے (کہ اسے دیکھ کر تعداد رکعات بھول گیا ہوں)۔ پس وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا، جو اس وقت خلیفہ تھے۔ اور ان کے سامنے یہ سب کچھ بیان کیا اور کہا کہ وہ باغ صدقہ ہے۔ آپ اسے کسی اچھائی کے کام میں لگا دیں۔ پس حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پچاس ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ اسی لئے اس مال کا نام الخمسین پڑ گیا۔ (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آسانی کی خاطر اس مال کو بیچ کر مستحقین میں اس کی قیمت تقسیم کی ہوگی یا اسے بیت المال کی کسی خاص مد میں جمع کیا ہوگا کہ بوقت ضرورت کام میں لایا جا سکے۔)

۴۔ کِتَابُ السَّهْوِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي السَّهْوِ

نماز میں سہو کا بیان

۲۲۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي، جَاءَهُ الشَّيْطَانُ، فَلَبَسَ عَلَيْهِ۔ حَتّٰى لَا يَدْرِي كَمْ صَلّٰى؟ فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ، فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو شیطان اس کے پاس آ کر گڑبڑ پیدا کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کتنی نماز پڑھی ہے۔ جب تم میں سے کوئی یہ چیز پائے تو بیٹھ کر دو سجدے کرے (یہ حدیث مؤطا کے امام محمد میں بَابُ السَّهْوِ فِي الصَّلٰوةِ میں مروی ہے۔)

شرح: اس حدیث کو بخاری نے کئی طرق سے روایت کیا ہے۔ کہیں طویل کہیں مختصر۔ ابن ارسلان نے کہا کہ یہ شیطان عام شیاطین سے الگ ہے اور اس کا نام حدیث میں خنزب آیا ہے۔ احمد۔ داؤد اور نسائی کی روایت میں وَهُوَ جَالِسٌ کے علاوہ لَعْدَ مَا يُسَلِّمُ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اور گزشتہ احادیث سجدۂ سہو کا محل، تعداد اور طریقہ وغیرہ گزر چکا ہے۔

۲۲۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنِّي لَأَنْسَى أَوْ أُنَسّٰى لِأَسُنَّ"۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس لئے بھولتا ہوں یا بھلایا جاتا ہوں تاکہ سنت قائم کروں۔

شرح: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مبادا کوئی آپ کے نسیان کو منافیٔ عصمت جان کر معترض ہو۔ آپ کی بھول چوک بھی کارِ نبوت و رسالت ہی کا حصہ تھی۔ وہ اس طرح کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اُمت کو وہ مسائل سمجھا دیتا تھا جو کسی اور طریقے سے معلوم نہ ہوسکتے تھے۔ اور جن کا جاننا ضروری تھا۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضورؐ کا نسیان و سہو بھی رحمتِ حق ہے کہ اس میں اُمت کی تعلیم مدِّ نظر تھی۔ بعض دفعہ کسی مقتدی کی طہارت نامکمل ہونے کے باعث بھی حضورؐ پر ثقل ہوتا اور سہو واقع ہو جاتا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ آپ اس کوتاہی پر لوگوں کو تنبیہ فرماتے۔ اور ان کی اصلاح ہو جاتی تھی۔

۲۲۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ، اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، فَقَالَ: اِنِّيْ اَهِمُ فِيْ صَلَاتِيْ. فَيَكْثُرُ ذٰلِكَ عَلَيَّ. فَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: اِمْضِ فِيْ صَلَاتِكَ. فَاِنَّهٗ لَنْ يَذْهَبَ عَنْكَ حَتّٰى تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ: مَا اَتْمَمْتُ صَلَاتِيْ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ ایک شخص نے القاسم بن محمد سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ مجھے نماز میں وہم ہوتا ہے اور بار بار ہوتا ہے۔ القاسم نے کہا کہ تو اپنی نماز میں لگا رہ۔ کیونکہ یہ وہم تو تجھ سے کبھی نہ جائے گا۔ تو نماز ختم کر چکا ہوگا تو پھر بھی کہے گا کہ میں نے نماز پوری نہیں کی۔

شرح: ظاہر ہے کہ اس وہم سے مراد عام سہو و نسیان نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک لاعلاج سا مرض ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ نماز پڑھتے جاؤ اور اس سے توجہ ہٹا لو کہ وہم کیا کہتا ہے۔

۵۔ كِتَابُ الْجُمُعَةِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِيْ غُسْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن غسل کرنے کا باب

۲۲۹۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ، ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْاُوْلٰى، فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ، فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا اَقْرَنَ. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ، فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً. وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ. فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً. فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ، حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ، يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسلِ جنابت کی مانند غسل کیا۔ پھر وہ پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ قربان کیا۔ اور جو دوسری گھڑی میں گیا تو گویا اس نے گائے قربان کی۔ اور جو تیسری گھڑی میں گیا تو گویا اس نے مینڈھا قربان کیا اور جو چوتھی گھڑی میں گیا تو گویا اس نے مرغی قربان کی۔ اور جو پانچویں گھڑی میں گیا تو گویا اس نے انڈا قربان کیا۔ پھر جب امام باہر آجاتے تو فرشتے غور سے ذکر سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

شرح: شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ جمعہ کے دو غسل ہیں۔ ایک یومِ جمعہ کا غسل، جو ہر ایک مسلم کے لئے مستحب ہے۔ خواہ بالغ یا نابالغ۔ اور خواہ اس پر جمعہ فرض ہو یا نہ ہو۔ دوسرا غسل نمازِ جمعہ کا ہے، جو ان لوگوں کے لئے سُنّت مؤکدہ ہے جن پر جمعہ فرض ہو۔ انھیں نہا دھوکر نماز میں حاضر ہونا چاہئے۔ غسل الجنابہ سے مراد وہ غسل ہے (یعنی اس حدیث میں) جو طہارت ونظافت کے حصول میں غسلِ جنابت کی مانند ہو۔ پس تشبیہ کیفیتِ غسل میں ہے حکمِ غسل میں نہیں۔ بقول حافظ بدرالدین عینیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اکثر شارحین نے یہی مراد لیتے ہیں۔ اگر اس سے واقعی غسل مراد لیا جائے تو بہت سے لوگ اس حدیث میں بیان شدہ فضیلت سے صرف اس وجہ سے محروم قرار دینے پڑیں گے کہ انہوں نے جمعہ کے دن غسل نہیں کیا ہوگا۔ ساعات سے مراد یا تو طلوعِ آفتاب سے لے کر آگے تک ساعت (یعنی متعارف گھڑیاں یا گھنٹے) مراد ہیں۔ اور بقول علامہ عینیؒ زوالِ آفتاب کے بعد لطیف لحظے مراد ہیں۔ میرے خیالِ ناقص میں قریب سے آنے والوں کے لئے دوسرا معنی اور دُور سے آنے والوں کے لئے پہلا معنی مراد لینا مناسب ہوگا۔ اگر دوسرا معنی مراد ہو تو ساعات کے لفظ سے مجازِ عرفی مراد ہوگا۔ عرف میں ساعت یا گھڑی کا لفظ وقت مخصوص مگر غیر معین کے لئے بولا جاتا ہے پھر جانوروں کی قربانی کا جو ذکر یہاں آیا ہے۔ اس سے مراد صدقہ نافلہ اور کثرت وقلتِ ثواب ہے۔ اس حدیث کو عید الاضحیٰ کی قربانی کے جواز کی دلیل بنانا محض کھینچا تانی ہے۔ یہاں پر وہ قربانی جو عید الاضحیٰ میں واجب ہے، زیرِ بحث نہیں بلکہ اجر وثواب زیرِ بحث ہے۔ ذکر سے مراد امام کا خطبہ اور وعظ ونصیحت ہے۔

۲۳۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ، كَغُسْلِ الْجَنَابَةِ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے، غسلِ جنابت کی طرح۔ (یہ حدیث مؤطا امام محمد میں بابُ الاغتسالِ یومِ الجُمُعۃ میں مروی ہے۔)

شرح: اس حدیث موقوف کے الفاظ بظاہر یومِ جمعہ کے غسل کا وجوب ثابت کرتے ہیں۔ غسلِ جنابت کے ساتھ تشبیہ کا سبب اوپر گزر رہا ہے۔ مگر اس روایت سے تشبیہ کا باعثِ وجوب ہی نکلتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا مذہب حقیقۃً یومِ جمعہ کے غسل کا وجوب کا تھا۔ صحاح کی احادیث اس کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے کہ اس حدیث سے اگلی روایت صراحۃً یہی بتاتی ہے کہ یہاں واجب بمعنی فرض نہیں بلکہ بمعنی مؤکد ہے۔ ظاہریہ کا مذہب وجوب کا ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ جمہور کے نزدیک جمعہ کا غسل سنت مؤکدہ ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے الاستذکار میں فرمایا ہے کہ ظاہریہ کے سوا کسی اور کو نہیں جانتا جس نے یومِ جمعہ کے غسل کو واجب کہا ہو۔ ابن وہب نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ امام مالکؒ نے اس غسل کو سنت کہا ہے۔ اور واجب کا معنیٰ سنتِ مؤکدہ ہی بیان کیا ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ سلف وخلف کے جمہور علماء اور فقہائے امصار کے نزدیک یہ غسل مستحب ہے۔ اس غسل کے متعلق جو الفاظ تاکید وتشبیہ احادیث میں وارد ہیں، ان سے مراد صرف تاکید ہے۔ ابن عباسؓ

کی روایت (ابوداؤد) کے مطابق شروع میں یہ غسل واجب تھا۔ مگر بعد اس کا وجوب منسوخ ہو کر صرف سنت رہ گیا۔ اس روایت کے مطابق شروع میں لوگ موٹی اون پہنتے تھے اور اپنا سارا کام کاج خود انجام دیتے تھے۔ مسجد تنگ تھی اور اس کی چھت پست تھی۔ تو ان لوگوں کو پسینہ آیا، اور بدبو پھیل گئی۔ اس پر حضورؐ نے غسل کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اچھے کپڑے میسر آگئے، کام کاج کے لئے لونڈی غلام مل گئے۔ اور مسجد بھی توسیع ہو گئی۔ تو وہ پہلا حکم نرم ہو گیا۔ کامل ابن عدی میں انسؓ کی روایت ہے کہ موسم سرما میں لوگوں نے سردی کی شکایت کی، تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ غسل کرے تو بہت اچھا ہے اور جو نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔ حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کر کے صحیح علیٰ شرط البخاری کہا ہے۔ اسی طرح ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، بیہقی، دارمی، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ اور طحاوی نے سمرہؓ کی حدیث مرفوع روایت کی اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو بہت اچھا کیا مگر غسل کرنے والا افضل ہے۔ اسی مضمون کی اور بھی کئی احادیث موجود ہیں۔ یہ حدیث سمرہؓ کے علاوہ انسؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ ابوہریرہؓ۔ جابرؓ۔ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اور محدثین میں مشہور ہے۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں کہا ہے کہ جمعہ کے دن غسل افضل ہے مگر واجب نہیں اور اس میں بہت سے آثار وارد ہیں۔

۱۴۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَخْطُبُ۔ فَقَالَ عُمَرُ: أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ؟ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، انْقَلَبْتُ مِنَ السُّوقِ، فَسَمِعْتُ النِّدَاءَ، فَمَا زِدْتُ عَلَى أَنْ تَوَضَّأْتُ۔ فَقَالَ عُمَرُ: وَالْوُضُوءَ أَيْضًا؟ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِالْغُسْلِ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا جب کہ حضرت عمر بن الخطابؓ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ آنے کا کون سا وقت ہے؟ (یعنی تم دیر سے کیوں آنے ہو؟) اس شخص نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین! میں بازار سے واپس آیا تو اذان سنی، پس میں نے صرف اتنی دیر لگائی کہ وضو کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اچھا! اور وضو بھی!! حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں باب الاغتسال یوم الجمعہ میں مروی ہے۔

شرح: ابن وہب اور ابن القاسم ہر دو نے اپنے اپنے مؤطا میں امام مالکؒ سے روایت کر کے اس ذرا دیر سے آنے والے شخص کو عثمان بن عفانؓ بتایا ہے۔ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ساتھی جو اولین مہاجرین میں سے تھا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی انہی کا نام لیا گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث میں بھی ساعت کے لفظ سے مراد مطلقاً وقت آیا ہے۔ جناب عمرؓ نے یہ لفظ بول کر اس حدیث کی یاد دلائی۔ جس میں جلدی آنے کی ساعت کا ذکر ابھی گزرا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام خطبہ میں کلام کر سکتا ہے۔ اور یہاں تو یہ کلام بھی تعلیم اور تبلیغ کے لئے تھا۔ حدیث سے یہ بھی ہو گیا کہ امر ہمیشہ وجوب و فرضیت کے لئے نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ انہیں حکم دیتے کہ واپس جاؤ اور حکم رسولؐ کے مطابق غسل کر کے آؤ۔ ورنہ تمہاری نماز نہ ہوگی۔ وہ یہ جانتے

تھے کہ امر تو ہے اور اس میں ترغیب وترہیب بھی ہے۔ مگر اس کا مفاد یہاں پر فرضیت کا نہیں ہے۔ مزید گفتگو ہم نے فضل المعبود شرح ابی داؤد میں کی ہے۔

۲۳۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بابُ الاغتسالِ یومَ الجمعۃ میں مروی ہے۔)

شرح: اسی مضمون کی ابوہریرہؓ کی موقوف حدیث اوپر اسی باب میں گزر چکی ہے۔ زیر نظر حدیث مرفوع ہے اور جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھا گیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ واجب کا لفظ ہر حدیث میں واجب شرعی واصطلاحی کے معنوں میں نہیں آتا۔ یعنی اس سے مراد مطلق تاکید وترغیب بھی ہوتی ہے۔ یوم جمعہ کا غسل دن کی خاطر نہیں بلکہ نماز جمعہ کی خاطر ہے۔ یوم کا لفظ اس لئے آتا ہے کہ یہ نماز اس دن میں واقع ہوتی ہے۔ (قاضی ابوالولید الباجی المالکی۔ المنتقیٰ جلد اول ص۱۸۲) ابوہریرہؓ کی روایت میں واجب کے بجائے حق کا لفظ بھی آیا ہے۔ قاضی ابوالولید نے کہا کہ حق کبھی وجوب کے لئے اور کبھی استحباب کے لئے بولا جاتا ہے۔ کیونکہ حقوق اللہ کی یہ دونوں اقسام ہیں۔

۲۳۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ، فَلْيَغْتَسِلْ"۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلَ نَهَارِهِ، وَهُوَ يُرِيدُ بِذَلِكَ غُسْلَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّ ذَلِكَ الْغُسْلَ لَا يُجْزِي عَنْهُ، حَتَّى يَغْتَسِلَ لِرَوَاحِهِ۔ وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ "إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ"۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، مُعَجِّلًا أَوْ مُؤَخِّرًا۔ وَهُوَ يَنْوِي بِذَلِكَ غُسْلَ الْجُمُعَةِ۔ فَأَصَابَهُ مَا يَنْقُضُ وُضُوءَهُ۔ فَلَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا الْوُضُوءُ۔ وَغُسْلُهُ ذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے، تو غسل کرلے۔ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل دراصل نماز جمعہ کی خاطر ہے)۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس نے جمعہ کے دن صبح کو غسل کیا اور اس سے جمعہ کے غسل کا ارادہ کرے تو یہ غسل اس کے لئے کافی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ نماز جمعہ کے لئے جانے کے وقت غسل کرے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ابن عمرؓ میں فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو غسل کرے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص جمعہ کے دن جلدی آنے کی خاطر جلدی غسل کرے یا کچھ دیر سے آنے کے باعث دیر سے غسل کرے اور اس کی نیت اس سے جمعہ کی خاطر غسل

ہو۔ پھر اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس پر صرف وضو فرض ہے اور غسل وہی کافی ہے، جو کیا تھا۔

شرح: یعنی پہلی صورت میں تو اس کا غسل دن کی ابتدا میں ہوا تھا اور وہ نماز جمعہ کے لئے نہ تھا۔ لہذا وہ کافی نہ تھا۔ اس صورت میں غسل نماز جمعہ سے متصل ہوا ہے، لہذا کافی ہے۔ (ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث کو امام محمدؒ نے بھی موطا میں روایت کیا ہے)

٢- بَابُ مَاجَاءَ فِي الْإِنْصَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

جمعہ کے دن امام کے خطبے کے وقت خاموش رہنے کا باب

٢٣٤- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَدْ لَغَوْتَ"

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب جمعہ کے دن امام کے خطبے کے دوران میں تو نے اپنے ساتھی سے کہا کہ "خاموش رہ"، تو تو نے لغو کام کیا (موطائے امام محمد میں یہ حدیث بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الصَّمْتِ میں مروی ہے)۔

شرح: امام کا خطبہ جمعہ کے دن دو رکعت کا قائم مقام ہے۔ لہذا بقول حافظ بدرالدین عینی خطبے کو نماز کا حکم حاصل ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک بہت بڑا شرعی فریضہ ہے۔ لیکن جس طرح یہ نماز میں ممنوع ہے۔ اسی طرح بحالت خطبہ بھی ممنوع ہے۔ سامعین کا فریضہ فقط غور سے سننا اور خاموش رہنا ہے۔ یہ حکم اس وقت سے نافذ ہو جاتا ہے جبکہ امام باہر نکل کر منبر پر آجائے کیونکہ حدیث میں آچکا ہے کہ جب امام باہر آجائے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ دیتے ہیں۔ اور ذکر کو سننے ہیں۔ بخاری میں سلمان فارسی کی حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ "پھر جب امام باہر آجائے تو خاموش ہو جائے"۔ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے اور تو اپنے ہم نشین سے کہے "خاموش"، تو یہ بھی کافی لغو بات ہے۔ ابن ابی شیبہ کے مصنف میں ہے کہ علیؓ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ امام کے خروج کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ ٹھیراتے تھے۔ طبرانی میں ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث وارد ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو اور امام منبر پر ہو، تو نہ نماز پڑھے اور نہ بات کرے۔ فَقَدْ لَغَوْتَ کا لفظ جو اس حدیث میں ہے، یہ دراصل ایک قرآنی آیت سے ماخوذ ہے کہ کفار نے کہا تھا، لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ" اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور و غل مچاؤ"۔ پس لغو کا معنیٰ یہاں دخل اندازی اور گڑ بڑ ہے۔ خطبے کے دوران میں کان لگانے اور خاموش رہنے کی فرضیت پر جمہور فقہاء و علماء متفق ہیں۔

٢٣٥- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ الْقُرَظِيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُمْ كَانُوا فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، يُصَلُّونَ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، حَتَّى يَخْرُجَ عُمَرُ. فَإِذَا خَرَجَ عُمَرُ وَجَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَأَذَّنَ الْمُؤَذِّنُونَ (قَالَ ثَعْلَبَةُ) جَلَسْنَا نَتَحَدَّثُ. فَإِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ، وَقَامَ عُمَرُ يَخْطُبُ، أَنْصَتْنَا، فَلَمْ يَتَكَلَّمْ مِنَّا أَحَدٌ۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَخُرُوجُ الْإِمَامِ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ - وَكَلَامُهُ يَقْطَعُ الْكَلَامَ -

ترجمہ: ثعلبہ بن ابی مالک قرظی نے بتایا کہ مسلمان جمعہ کے دن حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں نماز نفل پڑھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر بن الخطابؓ برآمد ہوں پس جب وہ باہر آجاتے اور منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن دیتے تو ثعلبہ نے کہا کہ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے جب مؤذن خاموش ہو جاتے اور حضرت عمرؓ خطبہ دینے کھڑے ہوتے تو ہم خاموش ہو جاتے اور ہم میں سے کوئی نہ بولتا۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ روایت اوپر بیان شدہ باب میں آئی ہے مگر وہاں پر مؤذن کا لفظ مفرد ہے۔ جبکہ موطائے مالکؒ میں یہ لفظ بعینہٖ جمع ہے۔ دونوں مؤطاؤں میں اس روایت کے بعد ابن شہاب زہری کا یہ قول درج ہے کہ امام کا باہر آنا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام لوگوں کی گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔)

شرح: صحاح ستہ سے ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے، جب آپ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے۔ حتیٰ کہ مؤذن فارغ ہو جاتا تو اُٹھتے اور خطبہ دیتے۔ پھر بیٹھ جاتے پھر اُٹھ کر خطبہ دیتے تھے۔ پس اس حدیث سے اور اس مضمون کی دوسری تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام منبر پر بیٹھ کر سلام نہ کہے۔ مؤذن کی اذان کے وقت امام کا منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔ تمام فقہا کا یہی مذہب ہے۔ زیر نظر روایت میں "مؤذنون" بلفظ جمع آیا ہے۔ اس کا معنیٰ شاید یہ ہے کہ امام کے سامنے ایک سے زیادہ آدمی اذان دے سکتے ہیں لیکن عام روایات میں مؤذن کا لفظ مفرد آیا ہے۔ خطبہ حالتِ قیام میں ہونا مسنون ہے۔ مگر عذر کی حالت میں امام بیٹھ کر خطبہ دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عثمان سے یہ فعل ثابت ہے۔ صحابہ کی جماعت نے اس پر نکیر نہیں کی تھی۔ جو اس کے جواز میں دلیل ہے۔ اس سے پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام کے برآمد ہونے کے بعد نماز اور کلام ہر دو ممنوع ہیں اور حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔

۲۳۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَبِيْ عَامِرٍ، أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَقُوْلُ، فِيْ خُطْبَتِهِ، قَلَّ مَا يَدَعُ ذٰلِكَ إِذَا خَطَبَ: إِذَا قَامَ الْإِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاسْتَمِعُوْا وَأَنْصِتُوْا - فَإِنَّ لِلْمُنْصِتِ، الَّذِيْ لَا يَسْمَعُ، مِنَ الْحَظِّ، مِثْلَ مَا لِلْمُنْصِتِ السَّامِعِ - فَإِذَا قَامَتِ الصَّلٰوةُ فَاعْدِلُوا الصُّفُوْفَ، وَحَاذُوْا بِالْمَنَاكِبِ - فَإِنَّ اعْتِدَالَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ - ثُمَّ لَا يُكَبِّرُ، حَتّٰى يَأْتِيَهُ رِجَالٌ قَدْ وَكَّلَهُمْ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ فَيُخْبِرُوْنَهُ أَنْ قَدِ اسْتَوَتْ، فَيُكَبِّرُ -

ترجمہ: مالک بن ابی عامرؓ نے کہا کہ حضرت عثمان بن عفان اپنے خطبے میں کہا کرتے تھے اور یہ کہنا کم ہی ترک کرتے تھے کہ جب امام جمعہ کے دن خطبہ دینے کھڑا ہو تو غور سے سُنو اور خاموش رہو کیونکہ وہ خاموش رہنے والا جس کو خطبہ سُنائی نہ دے۔ اس کا ثواب بھی اسی قدر ہے جتنا کہ خاموش رہ کر سننے والے کا ہے (یعنی جس کو سُنائی دے رہا ہو۔) پھر جب نماز کھڑی ہو تو صفیں سیدھی کرو۔ اور کندھوں سے کندھا ملاؤ۔ کیونکہ صفیں سیدھی کرنا نماز کے کمال کا حصہ ہے۔ پھر حضرت عثمانؓ تکبیر نہ کہتے تھے جب تک کہ ان کے مقرر کردہ لوگ آکر یہ نہ بتاتے کہ صفیں درست ہو چکی ہیں۔ جب صفوں کی درستی کی اطلاع ملتی تو وہ تکبیر کہتے تھے۔

شرح : یہ حدیث مؤطا امام محمد کے بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ الخ میں مروی ہے۔ اس کا راوی مالک بن ابی عامر اصبحی امام مالکؒ کا دادا ہے۔ صفیں درست کرنا بہت سی احادیث و آثار میں وارد ہے۔ بخاری کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ امام احمدؒ اور ابوثورؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا، کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے والے کی نماز باطل ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

۲۳۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَاٰى رَجُلَيْنِ يَتَحَدَّثَانِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ فَحَصَبَهُمَا، اَنِ اصْمُتَا۔

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ نے دو مردوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت امام جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔ عبداللہؓ نے انہیں کنکری ماری کہ خاموش رہیں۔

شرح : حنفی فقہا نے کہا ہے کہ خطبہ کے وقت کسی ضرورت شرعی کی بنا پر اگر اشارہ کریں، تاکہ غلط کام کرنے سے متوجہ ہو کر باز آجائے یا زبان سے کلام کے علاوہ کوئی اور حرکت کریں جس سے مقصد حاصل ہو جائے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔

۲۳۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ، فَشَمَّتَهٗ اِنْسَانٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔ فَسَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ۔ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ۔ وَقَالَ: لَا تَعُدْ۔

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الْكَلَامِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، اِذَا نَزَلَ الْاِمَامُ عَنِ الْمِنْبَرِ، قَبْلَ اَنْ يُكَبِّرَ۔ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ۔

ترجمہ : مالک کو خبر ملی کہ ایک آدمی نے امام کے خطبۂ جمعہ کے دوران میں چھینک ماری اور پاس والے نے اسے دعا دی۔ پھر اس نے سعید بن المسیبؒ سے پوچھا تو سعیدؒ نے اسے اس سے منع کیا اور کہا کہ پھر ایسا مت کرنا۔ امام مالکؒ نے ابن شہاب زہریؒ سے پوچھا کہ جمعہ کے دن جب امام منبر سے نیچے اتر آئے اور ابھی اس نے تکبیر تحریمہ نہ کہی ہو تو کیا اس وقت کلام جائز ہے یا نہیں؟ ابن شہاب نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح : امام احمدؒ اور اسحاقؒ نے سلام کا جواب دینے اور چھینک مارنے والے کا جواب دینے کی رخصت دی ہے۔ امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے مگر انہوں نے اس حالت میں سلام کہنے کو مکروہ کہا ہے۔ حنفی اور مالکی فقہا نے سلام کہنے، اس کا جواب دینے اور چھینک والے کو دعا دینے سے منع کیا ہے۔ ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے اور ردّ سلام کو فرض کہہ کر اس حالت میں بھی جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام کے خطبے کے بعد اس کے منبر سے اتر آنے اور نماز کے افتتاح کے دوران میں کلام کو حنفی فقہاء میں سے ابو حنیفہؒ نے مکروہ کہا ہے اور صاحبین نے غیر مکروہ کہا ہے لیکن مسئلہ جب اختلافی ہو جائے تو حتی الوسع اس کے باعث سے بچنا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٣- بَابُ فِيمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن ایک رکعت پالینے والے کا باب

۲۳۹- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ أَدْرَكَ مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً، فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرٰى. قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَهِيَ السُّنَّةُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلٰى ذٰلِكَ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا. وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً، فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ."

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يُصِيبُهُ زِحَامٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَيَرْكَعُ وَلَا يَقْدِرُ عَلٰى أَنْ يَسْجُدَ، حَتّٰى يَقُومَ الْإِمَامُ، أَوْ يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ صَلَاتِهِ: أَنَّهُ، إِنْ قَدَرَ عَلٰى أَنْ يَسْجُدَ، إِنْ كَانَ قَدْ رَكَعَ، فَلْيَسْجُدْ إِذَا قَامَ النَّاسُ. وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى أَنْ يَسْجُدَ، حَتّٰى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ صَلَاتِهِ، فَإِنَّهُ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَبْتَدِئَ صَلَاتَهُ ظُهْرًا أَرْبَعًا.

ترجمہ: ابن شہاب کہتے تھے کہ جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی تو وہ اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملالے۔ ابن شہاب نے کہا کہ یہی سنت ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز کو پا لیا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ بھیڑ کے باعث جو شخص جمعہ کے دن رکوع تو کرسکے مگر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، حتیٰ کہ امام (پہلی رکعت کے بعد) کھڑا ہو جائے یا امام اپنی نماز سے فارغ ہو جائے (دوسری رکعت میں)، تو وہ اگر رکوع کر چکا ہو، تو اگر ممکن ہو تو لوگوں کے بعد سجدہ کرے۔ اور اگر امام کے فارغ ہونے سے پہلے سجدے پر قادر نہ ہو تو میرے نزدیک یہ ہے کہ اب وہ ظہر کی نیت سے چار رکعت ادا کرے۔

شرح: اس مسئلے میں مجاہدؒ، عطا اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ چونکہ اس کا خطبہ فوت ہوچکا ہے۔ لہٰذا وہ امام کے ساتھ ایک ہی رکعت پانے کی صورت میں ظہر کی نیت سے چار رکعات پڑھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے کہ امام اگر جمعہ کا خطبہ نہ دے تو مقتدیوں کو نماز ظہر پڑھنی واجب ہے۔ مگر دنیائے اسلام کے فقہائے امصار نے کہا ہے کہ اس صورت میں وہ دوسری رکعت ساتھ ملالے۔ اور اس کا جمعہ ہو گیا۔ ایک رکعت سے کم اگر امام کے ساتھ پائے تو ان میں اختلاف ہے۔ لیثؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور مالکؒ نے کہا کہ ایک رکعت سے کم پانے والا ظہر کی چار رکعات پڑھے۔ ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ اور فقہا کی ایک جماعت نے کہا کہ امام کے سلام سے قبل جو آملا ہو۔ وہ امام کے سلام کے بعد دو رکعت پڑھے۔ ابراہیم نخعیؒ، الحکمؒ، حمادؒ اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے۔ یہی ابن مسعودؓ اور معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے۔ حنفیہ میں سے محمد بن الحسنؒ اور زفرؒ اس مسئلہ میں مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کے ساتھ ہیں۔

ابوبکر جصاص حنفی نے کہا کہ اس مسئلہ میں فیصلہ کن ارشاد نبی کریم صلی اللہ کا ہے کہ مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا "تم نے جتنی نماز پالی، اسے پڑھ لو اور جو فوت ہوئی اسے پورا کر لو"۔ اس صورت میں مسبوق سے فوت ہونے والی نماز جمعہ ہے۔ لہٰذا وہی پڑھے گا۔

امام مالکؒ نے دوسرے جو دو مسائل بیان کئے ہیں۔ ان میں حنفیہ کے نزدیک مقتدی کی یہ نماز صحیح ہوگئی۔ اس کا حکم لاحق کا ہے۔

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيْمَنْ رَعَفَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن جس کی نکسیر پھوٹے اس کا بیان

۲۴۰۔ قَالَ مَالِكٌ: مَنْ رَعَفَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ، فَخَرَجَ فَلَمْ يَرْجِعْ، حَتّٰى فَرَغَ الْإِمَامُ مِنْ صَلَاتِهِ، فَإِنَّهُ يُصَلِّيْ أَرْبَعًا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِيْ يَرْكَعُ رَكْعَةً مَعَ الْإِمَامِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، ثُمَّ يَرْعُفُ فَيَخْرُجُ، فَيَأْتِيْ وَقَدْ صَلَّى الْإِمَامُ الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا: أَنَّهُ يَبْنِيْ بِرَكْعَةٍ أُخْرٰى مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلٰى مَنْ رَعَفَ، أَوْ أَصَابَهُ أَمْرٌ لَا بُدَّ لَهُ مِنَ الْخُرُوْجِ، أَنْ يَسْتَاْذِنَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ۔

ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ جمعہ کے دن امام کے خطبے کے دوران میں جس کی نکسیر پھوٹی اور وہ باہر چلا گیا اور امام کے نماز سے فارغ ہونے سے قبل واپس نہ آیا۔ تو وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے جمعہ کے دن امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، پھر اس کی نکسیر پھوٹی اور باہر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو امام دونوں رکعتیں پڑھ چکا تھا تو جب تک وہ کلام نہ کرے اپنی پہلی رکعت پر ایک اور رکعت کی بنا کرے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس کی نکسیر پھوٹی ہو یا کوئی ایسا امر پیش آگیا ہو کہ اس کے لئے باہر جائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ہو تو وہ باہر جانے کے لئے امام کی اجازت کا محتاج نہیں ہے۔ (حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ ان میں سے پہلا مسئلہ اجماعی ہے اور دوسرے مسائل میں بھی جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے، کوئی اختلاف نہیں۔ اذنِ امام کے مسئلے کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ جہاد و قتال اور شوریٰ کے متعلق ہے۔ ہاں جمعہ میں بھی استیذان کا ذکر روایات میں آتا ہے۔ مگر جس کا وضو نہ رہے اس کے لئے اذن لینے کی حاجت نہیں اور نہ امام اس حالت میں اسے روک سکتا ہے۔)

۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن سعی کا باب

۲۴۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ۔ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: كَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ يَقْرَؤُهَا۔ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا السَّعْيُ فِي كِتَابِ اللهِ الْعَمَلُ وَالْفِعْلُ۔ يَقُولُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى۔ وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ۔ وَقَالَ تَعَالَى۔ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى۔ وَقَالَ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعٰى۔ وَقَالَ إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى۔

قَالَ مَالِكٌ: فَلَيْسَ السَّعْيُ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ بِالسَّعْيِ عَلَى الْأَقْدَامِ، وَلَا الْاِشْتِدَادِ وَ إِنَّمَا عَنَى الْعَمَلَ وَالْفِعْلَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے ابن شہابؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق سوال کیا، اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو۔ ابن شہابؒ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اسے یوں پڑھا کرتے تھے۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اللہ عزّ وجلّ کی کتاب میں سعی کا مطلب عمل اور فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَمَّا مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰی وَھُوَ یَخْشٰی۔ اور اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰی اور اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا، اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی۔ امامؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس سعی کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد پاؤں پر دوڑنا، تیز بھاگنا اور تیز رفتاری سے چلنا نہیں بلکہ اس سے مراد عمل اور فعل ہے۔

شرح: امام مالکؒ کی مراد اس سے یہ ہے کہ احادیث میں نماز کی طرف دوڑ کر آنے کی ممانعت آ چکی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز کی طرف دوڑتے ہوئے مت آؤ۔ پس سورۂ جمعہ کی آیت فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کا معنیٰ یہ نہیں کہ ذکرِ خداوندی کی طرف بھاگتے چلے آؤ، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اذان سُن کر جمعہ کی تیاری میں لگ جاؤ اور مسجد کی طرف چل دو۔ گویا سعی کا معنیٰ مضی ہے۔

ذکر اللہ سے مراد خطبہ یا نماز یا دونوں ہیں سعید بن المسیبؒ نے ذکر سے مراد امام کی موعظت لی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جمعہ کی نماز میں قصر صرف خطبہ کے باعث ہوا ہے اس قول سے پتہ چلا کہ آیت میں ذکر سے خطبہ مراد ہے اذان کے بعد خطبہ ہی ہوتا ہے جس کی طرف سعی کا حکم دیا گیا ہے۔ بدایۃ المجتہد میں علامہ ابن رشد مالکی نے کہا کہ جمہور کے نزدیک خطبہ شرط اور رکن ہے۔ اسی طرح حنبلی فقہا کے نزدیک بھی خطبہ شرط ہے۔ اور ذکر سے مراد خطبہ ہے۔ قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ شافعیؒ، ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک جمعہ کا خطبہ فرض ہے۔ لیکن داؤد ظاہریؒ اور حسن بصریؒ کے نزدیک خطبہ صرف مستحب ہے۔

حضرت عمرؓ کی قراءت سے آیا یہ مراد ہے کہ فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ قول خداوندی ہے یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے فاسعوا کا معنیٰ فامضوا بتایا ہے؟ یہ بات واضح نہیں ہو سکی۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے تفسیر سمجھا جائے۔ گو اس کے لئے یقرؤُہا کا لفظ وارد ہوا ہے پھر یہی قراءت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے جمہور فقہا وعلمائے اُمّت نے یہاں پر سعی کا معنیٰ مشی لیا ہے اس میں ابن عمرؓ اور کچھ اور لوگ منفرد ہیں جو سعی کا لغوی معنیٰ ہی مراد لیتے ہیں۔ یہ اثر بظاہر منقطع ہے کیونکہ زہریؒ نے حضرت عمرؓ کا دور نہیں پایا۔ مگر مسند عبد بن حمید میں اسے از زہری عن سالم عن ابیہ کی سند سے موصول کیا گیا ہے۔

۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاِمَامِ يَنْزِلُ بِقَرْيَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي السَّفَرِ

امام کا جمعہ کے دن سفر میں کسی بستی میں منزل کرنا

۲۴۲۔ قَالَ مَالِكٌ: إِذَا نَزَلَ الْإِمَامُ بِقَرْيَةٍ تَجِبُ فِيهَا الْجُمُعَةُ، وَالْإِمَامُ مُسَافِرٌ. فَخَطَبَ وَجَمَّعَ بِهِمْ، فَإِنَّ أَهْلَ تِلْكَ الْقَرْيَةِ وَغَيْرَهُمْ يُجَمِّعُونَ مَعَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنْ جَمَّعَ الْإِمَامُ وَهُوَ مُسَافِرٌ، بِقَرْيَةٍ لَا تَجِبُ فِيهَا الْجُمُعَةُ، فَلَا جُمُعَةَ لَهُ، وَلَا لِأَهْلِ تِلْكَ الْقَرْيَةِ. وَلَا لِمَنْ جَمَّعَ مَعَهُمْ مِنْ غَيْرِهِمْ. وَلْيُتِمَّ أَهْلُ تِلْكَ الْقَرْيَةِ وَغَيْرُهُمْ، مِمَّنْ لَيْسَ بِمُسَافِرٍ، الصَّلَاةَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا جُمُعَةَ عَلَى مُسَافِرٍ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب امام کسی ایسی آبادی میں منزل کرے کہ جہاں جمعہ واجب ہو اور امام مسافر ہو۔ پس اس نے خطبہ دیا، اور لوگوں کو جمعہ پڑھایا تو اس آبادی کے لوگ اور دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اگر مسافر امام نے کسی ایسی بستی میں جمعہ پڑھایا۔ جہاں پر جمعہ واجب نہیں، تو اس کا جمعہ ہوا نہ اس بستی والوں کا، اور ان دوسروں کا جنہوں نے ان کے ساتھ جمعہ پڑھا، پس اس بستی والوں اور دوسرے لوگوں میں سے جو مسافر نہیں تھے وہ نماز ظہر پوری کریں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ مسافر پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

شرح: جمعہ کی نماز کون سی آبادی میں فرض ہے؟ اس کے جواب میں مالکیہ اور حنفیہ کی روایات مختلف ہیں۔ اتنی بات تمام ائمہ وفقہا میں متفق علیہ ہے کہ جمعہ نماز پنجگانہ کی مانند نہیں کہ اسے ہر مسجد اور ہر بستی میں قائم کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا نہیں ہوا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ لوگ جمعہ کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ جب کہ نماز پنجگانہ کو سب اپنے اپنے محلہ اور آبادیوں کی مسجدوں میں قائم کرتے تھے خلفائے راشدین کے دور میں بھی اسی پر عمل درآمد رہا۔ بلکہ بعد کی مسلم حکومتوں میں بھی یہی سُنّت جاری رہی مجتہدین کرام نے جمعہ کی جو مخصوص شرائط بیان کی ہیں۔ انہیں وہ اپنے گھر سے نہیں لے آئے، بلکہ دلائل شرع سے نکال کر لائے ہیں۔ جمعہ کا لفظ ہی اجتماعیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس نماز میں شرعًا اجتماع کا ایسا اہتمام مطلوب ہے جو دوسری نمازوں میں مطلوب نہیں۔

ائمہ اربعہ اور فقہائے امصار نے اس مسئلہ پر اجماع کیا ہے کہ جمعہ کی فرضیت و ادائیگی کی کچھ خاص شرائط ہیں۔ وہ باہم اس پر متفق ہیں کہ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کا حکم مطلق نہیں ہے۔ کیونکہ جمعہ کی اقامت صحراؤں اور جنگلوں میں بالاتفاق جائز نہیں۔ اسی طرح صحرائی لوگوں کی اجتماع گاہوں مثلاً پانی کے چشموں، تالابوں اور جانوروں کو چرانے کے مقامات پر بھی جمعہ قائم نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا کہ امتِ اسلامیہ نے معنوی طور پر اس دلیل کو حاصل کر کے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت (اجتماع) اور ایک قسم کی شہریت (تمدن) درکار ہے۔ دَورِ نبویؐ و خلفائے راشدینؓ میں جمعہ شہروں میں قائم ہوتا تھا، نہ کہ صحراؤں، دیہات اور دُور دراز کی منتشر آبادیوں میں۔ ائمہ مجتہدین نے اس حقیقت سے یہ مسئلہ جان لیا کہ جمعہ کے لئے اجتماع اور تمدن شرط ہے۔ خیر القرون میں لوگ دُور دراز کے علاقوں سے جمعہ کی خاطر شہروں آیا کرتے تھے۔ اگر یہ جمعہ کی شرط نہ ہوتی تو وہ دوسری نمازوں کی مانند اسے بھی اپنی آبادیوں اور قیام گاہوں میں پڑھتے۔ اور اس قدر مشقت نہ اُٹھاتے۔ حافظ ابن القیم نے جمعہ کی خصائص میں سے ۱۲ ویں خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ یہ نماز بلکہ سب فرض نمازوں میں سے اجتماع، عددِ مخصوص، اقامت (حضریت جو سفر کی ضد ہے) اور توطن کی شرائط سے مشروط ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے المسویٰ میں لکھا ہے کہ علما اس پر متفق ہیں کہ جمعہ شہر کی بیرونی منتشر بستیوں میں قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اجتماع کی شرط ہے۔ امام ابوبکر الجصاص الرازی نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک جمعہ کا قیام شہروں سے مخصوص ہے اور بیرونی بستیوں میں نہیں ہو سکتا۔ اور یہی قول ثوری اور عبیداللہ بن الحسن کا ہے۔

جمعہ کی شرائط میں بعض ضمنی و فروعی اختلافات کے سوا اس بات پر سب متفق ہیں کہ اس کے لئے اجتماع و تمدن و توطن لازم ہے فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب الہدایہ میں ہے کہ جمعہ صحیح نہیں ہوتا سوائے جامع شہر کے یا شہر کی عید گاہ کے۔ اور اس کی شرائط میں وقت خطبہ اور جماعت بھی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے الاملا میں، ابوبکر الجصاصؒ نے احکام القرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مرفوع حدیث درج کی ہے کہ لَاجُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ۔ ابو یوسفؒ فقہ و حدیث کے امام اور بخاریؒ کے اساتذہ کے اُستاد ہیں۔ اگر یہ حدیث موقوف بھی ہو تو مُضر نہیں۔ کیونکہ اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ صحابی کا اس قسم کا قول مرفوع کے حکم میں ہے (شرح الفیۃ عراقی، الرازی فی المحصول۔ تدریب السیوطی) مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اور بیہقی کی المعرفہ میں یہ حدیث حضرت علیؓ سے موقوفاً آئی ہے۔ الاسرار میں ہے کہ بقول امام محمد بن الحسن یہ حدیث معاذؓ اور سراقہ بن مالکؓ سے مرفوعاً ثابت ہے۔

اگر جمعہ صحراؤں، چھوٹی بستیوں اور دیہات میں جائز ہوتا تو خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت ملتا۔ جو بالکل نہیں ہے۔ باوجودیکہ حاجت شدید تھی، کسی نے دیہات وغیرہ میں اسے قائم نہیں کیا۔ حجاج بن یوسف نے جب اہواز میں جمعہ شروع کیا تو حسن بصریؒ نے فرمایا، اللہ حجاج پر لعنت کرے۔ وہ شہروں میں جمعہ ترک کرتا ہے۔ اور دُور دراز بستیوں میں قائم کرتا ہے۔ خیر القرون میں لوگ لشکروں میں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ جمعہ کے لئے مصر کی شرط علیؓ۔ عطاؒ۔ حذیفہؓ۔ حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ۔ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ۔ ابراہیم نخعیؒ اور مجاہدؒ کے آثار میں صراحۃً موجود ہے۔ کئی مرفوع اور موقوف روایات میں آتا ہے کہ جو شخص جمعہ پڑھ کر گھر واپس آ سکے، اس پر جمعہ فرض ہے۔ (مطلب یہ کہ بیرونی آبادیوں کے لوگ شہروں میں جمعہ پڑھیں) حضرت انسؓ زاویہ سے جو بصرہ سے دو فرسنگ پر تھا، جمعہ پڑھنے بصرہ آتے تھے۔ بہت سے صحابہ و تابعین دُور دراز سے جامع مسجدوں میں جمعہ پڑھنے آتے تھے۔ تطویل کے خوف سے ہم نے ان کے نام و مقام نہیں لکھے۔ اوجز المسالک میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن کی خاص گھڑی کا باب

۲۴۳ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: "فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ" وَأَشَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الجمعہ کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک گھڑی ایسی ہے جس میں جو مسلمان نماز پڑھتے اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرے گا تو اللہ اسے وہ چیز عطا فرما دے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے اس گھڑی کا کم ہونا ظاہر کیا۔

شرح: مسند احمد کی حدیث (عن سعد بن عبادہ) میں ہے کہ بشرطیکہ وہ دعا گناہ کی یا قطع رحمی کی نہ ہو یعنی ابن ماجہ میں ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ بشرطیکہ وہ سوال حرام کا نہ ہو۔ مزید گفتگو اگلی حدیث کی شرح میں دیکھئے۔

۲۴۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى الطُّورِ، فَلَقِيتُ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهُ۔ فَحَدَّثَنِي عَنِ التَّوْرَاةِ، وَحَدَّثْتُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا حَدَّثْتُهُ، أَنْ قُلْتُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ، يَوْمُ الْجُمُعَةِ۔ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ۔ وَفِيهِ أُهْبِطَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ وَفِيهِ تِيبَ عَلَيْهِ۔ وَفِيهِ مَاتَ۔ وَفِيهِ تَقُومُ السَّاعَةُ۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصِيخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، مِنْ حِينِ تُصْبِحُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، شَفَقًا مِنَ السَّاعَةِ۔ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ۔ وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ" قَالَ كَعْبٌ: ذَلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ۔ فَقُلْتُ: بَلْ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ۔ فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ، فَقَالَ: صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَلَقِيتُ بَصْرَةَ بْنَ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيَّ، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ؟ فَقُلْتُ: مِنَ الطُّورِ۔ فَقَالَ: لَوْ أَدْرَكْتُكَ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ إِلَيْهِ، مَا خَرَجْتَ۔ سَمِعْتُ رَسُولَ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَإِلَى مَسْجِدِي هٰذَا، وَإِلَى مَسْجِدِ إِيلْيَاءَ، أَوْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ". يَشُكُّ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: ثُمَّ لَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلَامٍ، فَحَدَّثْتُهُ بِمَجْلِسِي مَعَ كَعْبِ الْأَحْبَارِ، وَمَا حَدَّثْتُهُ بِهِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ. فَقُلْتُ: قَالَ كَعْبٌ: ذٰلِكَ فِي كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ. قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبَ كَعْبٌ. فَقُلْتُ: ثُمَّ قَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ، فَقَالَ: بَلْ هِيَ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: صَدَقَ كَعْبٌ. ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: قَدْ عَلِمْتُ أَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ لَهُ: أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضَنَّ عَلَيَّ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: وَكَيْفَ تَكُونُ آخِرَ سَاعَةٍ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي" وَتِلْكَ السَّاعَةُ سَاعَةٌ لَا يُصَلَّى فِيهَا؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي صَلَاةٍ حَتَّى يُصَلِّيَ"؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقُلْتُ: بَلَى. قَالَ: فَهُوَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، میں طور کی طرف گیا تو کعب احبار سے ملا اور اس کے ساتھ بیٹھا۔ پس اس نے مجھے تورات کے متعلق باتیں بتائیں اور میں نے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنائیں۔ جو حدیثیں میں نے سنائیں، ان میں یہ بھی تھی کہ میں نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوا، وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں آدمؑ کو پیدا کیا گیا۔ اور اسی میں اسے زمین میں اتارا گیا اور اسی میں ان کی توبہ قبول کی گئی۔ اور اسی میں ان کی موت واقع ہوئی۔ اور اسی میں ان کی موت واقع ہوئی۔ اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ اور ہر جاندار جمعہ کے دن قیامت کے خوف سے صبح سے طلوع آفتاب تک کان لگائے رہتا ہے انسانوں اور جنوں کے سوا۔ اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں مسلم بندہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ سے سوال کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مانگی ہوئی چیز عطا کر دیتا ہے۔ کعب نے کہا کہ یہ دن سال میں صرف ایک بار ہوتا ہے، میں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہر جمعہ میں۔ پھر کعب نے تورات کو پڑھا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاریؓ سے ملا۔ تو اس نے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ طور سے آیا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر تم کو تمہارے جانے سے پہلے ملتا تو تم وہاں نہ جاتے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ صرف تین مساجد کی طرف جانے کے لئے سواریوں کا اہتمام کیا جائے۔ ایک مسجد حرام کی طرف۔ دوسرے میری اس مسجد کی طرف اور تیسرے ایلیا یعنی بیت المقدس کی مسجد کی طرف۔ (راوی کو شک ہے کہ ایلیا کا لفظ بولا یا بیت المقدس کا)۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر میں عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور کعب الاحبار کے ساتھ اپنی مجلس کا ذکر کیا۔ اور جو کچھ میں نے اسے جمعہ کے دن کے متعلق بتایا تھا، اس کا ذکر کیا۔ پس میں نے کہا کہ کعب نے کہا کہ یہ دن

(قبولیت دعا والا) سال بھر میں ایک دفعہ آتا ہے۔ پس عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ کعب نے غلط کہا۔ پھر میں نے کہا پھر کعب نے تورات پڑھی، اور کہا کہ واقعی وہ ساعت ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ کعب نے درست کہا۔ پھر عبداللہ بن سلامؓ نے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی گھڑی ہے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے کہا مجھے بھی وہ ساعت بتایئے اور مجھ پر بخل مت کیجئے۔ پس عبداللہ بن سلام نے کہا کہ وہ جمعے دن کی آخری گھڑی ہے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے کہا وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیونکر ہوسکتی ہے۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مسلم اس گھڑی کی موافقت کرتا ہوا نماز پڑھے اور یہ تو وہ گھڑی ہے (یعنی قبل از غروبِ شمس) جس میں نماز نہیں پڑھی جاسکتی (بروئے حدیث ممنوع ہے) پس عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز میں انتظار میں بیٹھا ہو تو وہ نماز پڑھنے تک نماز میں ہی (یعنی نمازی کے حکم میں ہی) ہوتا ہے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے کہا کیوں نہیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ اس حدیث میں نماز سے یہی مراد ہے۔

شرح: اس حدیث میں جمعہ کے دن کی فضیلت سب ایام پر مطلقاً ثابت ہوتی ہے۔ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ کے الفاظ یہی بتاتے ہیں۔ اُدھر یوم عرفہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اس بنا پر علما میں اختلاف ہوگیا کہ ان میں سے کون سا دن افضل ہے۔ سو حدیث زیر بحث سے جمعہ کی افضلیت ظاہر ہوتی ہے۔ زرقانی، حافظ ابن القیم، علی القاری، طیبی اور حافظ بدرالدین نے کہا ہے کہ سال کے ایام میں سے افضل عرفہ کا دن ہے۔ اور ہفتہ کے ایام میں سے افضل جمعہ کا دن۔

آدمؑ کی پیدائش جمعہ کے دن کی آخری ساعت میں ہوئی تھی۔ اس پیدائش کا مقام جنت تھا۔ اور یہ بات کسی پختہ دلیل سے معلوم نہیں ہوسکتی کہ ان کی پیدائش میں اور جنت سے زمین کی طرف اتارے جانے میں کتنا فاصلہ تھا۔ ابن عباسؓ سے بعض روایات میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں مقام نصف دن یا اس سے بھی کم تھا۔ مگر یہ دن دنیا جیسے نہیں بلکہ آخرت کے دنوں جیسے تھے۔ آدمؑ کو ہندوستان کے قریب جزیرۂ سراندیپ میں اور حواؑ کو جدہ میں اتارا گیا تھا۔ آدمؑ کی وفات کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں۔ کسی میں ہے کہ وہ حج کے بعد مکہ میں فوت ہوئے اور ان کی نماز جنازہ شیثؑ نے پڑھائی۔ کسی میں ہے کہ وہ سراندیپ میں فوت ہوئے اور وہیں ان کی قبر بنی۔ واللہ اعلم۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ جمعہ کے دن واقع ہونے والے حوادث سب کے سب ہی اس کی فضیلت کا باعث نہیں ہیں۔ کیونکہ جنت سے اخراج اور قیامت کا آنا فضیلت کا سبب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسی دن میں بعض بڑے بڑے امور پیش آچکے ہیں۔ اور بعض آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ ابن العربی نے کہا کہ آدمؑ کا زمین پر اتارا جانا بھی اس لحاظ سے فضیلت کا باعث تھا کہ دنیا میں نسل انسانی پھیلی اور ان میں انبیاء و مرسلین اور صالحین پیدا ہوئے۔ قیامت قائم ہونا اس جہت سے فضیلت کا باعث ہے کہ اس دن نیکو کاروں کی جزا اور ثواب کا اظہار ہوگا اور انہیں جنت میں داخل کیا جائے۔

بصرہ ابن ابی بصرہ غفاریؓ اور ان کا والد ابوبصرہؓ ہر دو صحابی تھے۔ زرقانی نے کہا کہ محفوظ یہ ہے کہ یہ حدیث ابوبصرہ کی ہے کسی نیچے کے راوی نے غلطی سے بصرہؓ کا نام لیا ہے۔ اس صحابی کی حدیث کے الفاظ کی ابوسعیدؓ و ابوہریرہؓ کی حدیث سے مختلف ہیں۔ بخاری میں ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الرَّسُوْلِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ اس حدیث میں صرف مساجد کا ذکر ہے اور یہ ہرگز مراد نہیں کہ کسی اور مقصد کے لئے کسی اور جگہ کا سفر جائز نہیں۔ اگر یہ معنیٰ مراد لیا جائے تو مسلمان دنیا و آخرت کا شاید کوئی بھی ایسا کام نہ کرسکیں گے جس کے لئے سفر کی ضرورت پیش آئے۔ اس سے تو تبلیغ دین، طلب علم، لقائے اصحاب، کاروبار، جہاد، زیارتِ قبور، ہجرت فی سبیل اللہ وغیرہ وغیرہ کے لئے جانے والے اسفار سب ناجائز ٹھیریں گے۔ ظاہر ہے

کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ابو ہریرہؓ خود بھی طُور پہ نماز پڑھنے اور اس مقدس مقام سے برکت حاصل کرنے گئے تھے۔ درآنحالیکہ وہ خود بھی اس حدیث کے راوی تھے۔ مسند احمد، مسند بزار اور معجم طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ ابو ہریرہؓ اس مقام پہ نماز پڑھنے گئے تھے۔ طحاویؒ نے بھی مشکل الآثار میں ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ وہاں پر نماز پڑھنے گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ تقی الدین سبکی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین میں کوئی ٹکڑا ایسا نہیں ہے جسے ایسی ذاتی فضیلت حاصل ہو کہ اس کی فضیلت کے باعث سفر کیا جائے سوائے ان تین مساجد کے کہ ان میں ذاتی طور پر یہ فضیلت موجود ہے۔ دوسرے مقامات کا سفر علم یا جہاد وغیرہ کی خاطر تو ہو سکتا ہے مگر ذاتی فضیلت کے باعث نہیں۔ دوسری جگہوں کا سفر مکان کے باعث نہیں بلکہ مکین کے باعث ہوگا۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ ان تین مساجد کی جو فضیلت اس حدیث میں ہے وہ اس لئے ہے کہ یہ انبیا علیہم السلام کی مسجدیں ہیں۔ مسجد الحرام تو انسانوں کا قبلہ ہے اور حج کا مقام ہے۔ مسجد نبوی وہ مسجد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ پر مبنی فرمایا ہے اور بیت المقدس پر گزشتہ اُمتوں کا قبضہ رہا ہے۔ پس بقول نوویؒ ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف شدِ رحال (کجاوے کسنا، اہتمام سفر) اسی باعث نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ علما کے نزدیک اس حدیث کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر نہیں کی جا سکتی۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو جہاں سوائے سفر کا اہتمام کرنے کے نہ پہنچ سکے تو وہ اپنے ہی شہر میں نماز پڑھ لے۔ سوائے ان تین مساجد کے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس۔ کیونکہ ان میں نماز کی نذر ماننے والا وہیں پر جا کر نماز پڑھنے پر مامور ہے۔ لیکن بطور نفل اگر کوئی شخص صالحین کی مساجد میں جا کر نماز پڑھنا چاہے اور وہاں بطور تبرک عبادت کے لئے جائے تو یہ مباح ہے۔ دوسری مساجد میں سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا جس مسجد میں بھی نماز پڑھے گا، کافی ہوگا۔ اگر ان میں نماز کی نذر مانے تو وہ نذر لازم نہ ہوگی کیونکہ سب مساجد، ان تین کے سوا، اجر و ثواب میں مساوی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس حدیث میں فقط مساجد کا حکم ہے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی اور کی فضیلت حاصل کرنے کی خاطر کجاوے نہ کسے جائیں لیکن مساجد کے علاوہ طلب علم کا سفر، تجارت، سیاحت، سیر و تفریح، صالحین کی زیارت، مشاہد کی زیارت وغیرہ اس نہی میں داخل نہیں ہے۔ اور یہ معنی مسند احمد کی ایک روایت میں ابو سعید الخدریؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ مسجد حرام، بیت المقدس اور میری اس مسجد کے سوا نماز پڑھنے کی خاطر کجاوے کسنا مناسب نہیں (یعنی جائز نہیں)۔

اس حدیث کی شرح کے ضمن میں زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ جسے مختصراً بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض مالکی اور ظاہری علما نے اسے واجب کہا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وہ واجب کے قریب ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اسے غیر مشروع کہا ہے اور بعض حنابلہ اور مالکیہ سے بھی یہی مروی ہے (شوکانی) محدث علی القاری نے شرح شفا میں کہا ہے کہ یہ سُنن مرسلین میں سے ایک سُنت ہے۔ اس کے مسنون ہونے پر اجماع ہے۔ جیسا کہ نوویؒ اور ابن الہمام نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے۔ اور امام مالکؒ نے اس قول کو مکروہ کہا ہے کہ کوئی کہے ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ علامہ علی القاریؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو غیر مشروع کہہ کر تفریط کا ارتکاب کیا اور ان کا بعض رَدّ کرنے والوں نے اس کو ضروریاتِ دین میں سے ٹھیرا کر افراط کا ارتکاب کیا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ جمہور نے قبر شریف کی زیارت کی خاطر سفر کو مشروع و مستحب قرار دینے کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

تَرْحِيمًا - اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد قبر میں زندہ ہیں جیسا کہ بیہقی نے حدیث روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے کہ نبی اپنی قبر میں زندہ ہیں - اور اس مضمون پر کئی صحیح اور حسن احادیث دلالت کرتی ہیں پس جب آپؐ اپنی قبر میں زندہ ہیں تو قبر پر جانا بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ وفات سے قبل آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونا تھا - اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الخ پس جس طرح آپؐ کی زندگی میں آپؐ کے حضور میں پہنچنا ہجرت تھا، اسی طرح اب بھی ہے - اور جمہور نے وارد شدہ احادیث سے استدلال کیا ہے اور اسی طرح ان احادیث سے بھی جو آپؐ کی قبر شریف کی زیارت میں بالخصوص آئی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) دارقطنی وغیرہ کی حدیث مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ - اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جنہیں السبکی نے شفاء الاسقام میں بیان کیا ہے - (۲) ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ (ابن خزیمہ، البزار، طبرانی) اس کے کئی طرق اور شواہد ہیں - جن کے باعث ذہبی نے اسے حسن قرار دیا - دارقطنی وغیرہ کی روایت میں حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ (ابو الشیخ، ابن ابی الدنیا) - (۳) ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ (بیہقی، سعید بن منصور، دارقطنی، طبرانی، ابویعلیٰ، ابن عساکر) - (۴) ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا تَعْمَلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (دارقطنی، طبرانی، ابن المقری) - سعید بن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے - (۵) ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ (ابن عدی، دارقطنی، ابن حبان) - (۶) علیؓ کی حدیث مرفوع مَنْ زَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ لَّمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ (اخبار المدینہ، الدرۃ الثمینہ، شرف المصطفیٰ) (۷) عائشہ صدیقہؓ کی حدیث مرفوع جو حاطب کی حدیث (یعنی نمبر ایک) کے لفظوں میں ہے (طبرانی) - (۸) ابن عباسؓ کی مرفوع جو حاطب کی حدیث کی طرح ہے (العقیلی) - (۹) انسؓ کی مرفوع حدیث جس کا مضمون حدیث نمبر ۲ اور ۵ کی مانند ہے (ابن ابی الدنیا) - اسی طرح کی احادیث ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہیں - حضرت بلالؓ دور دراز کا سفر کرکے دیار سے مدینہ آئے اور زیارت سے مشرف ہوئے - شوکانی نے کہا ہے کہ ہر دور کے مسلمان　　حج کے بعد ہمیشہ سے مدینہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہے ہیں - اور باوجود اختلافِ ممالک و مذاہب کے اس عمل میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے - بلکہ وہ اسے ہمیشہ افضلِ اعمال میں سے شمار کرتے رہے ہیں - واللہ اعلم بالصواب -

۸ - بَابُ الْهَيْئَةِ، وَتَخَطِّي الرِّقَابِ، وَاسْتِقْبَالُ الْاِمَامِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن اچھا لباس پہننے، گردنیں پھاندنے اور امام کی طرف منہ کرنے کا باب

۲۴۵ (الف) حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ لَوِ اتَّخَذَ ثَوْبَيْنِ لِجُمُعَتِهٖ سِوٰى ثَوْبَيْ مَهْنَتِهٖ"-

ترجمہ: یحییٰ بن سعید انصاری کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے کہ اگر وہ عام کام کاج کے کپڑوں کے سوا دو اور کپڑے جمعہ کے لئے بنا رکھے۔

شرح: اس بلاغی روایت کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے موصول بیان کیا ہے - نماز جمعہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام اور اچھا لباس زیب تن کرنا احادیث میں وارد ہوا ہے - صحاح میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اچھا

جو آخر رجمعہ کے دن پہننے کی گزارش کی تھی۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جمعہ کے دن اچھا لباس پہنا جائے اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ ابوداؤد کی روایات میں خوشبو کی ترغیب آئی ہے۔

۲۴۵ (ب) ۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ لَا يَرُوحُ إِلَى الْجُمُعَةِ إِلَّا ادَّهَنَ. وَتَطَيَّبَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَرَامًا۔

ترجمہ: ابن عمرؓ جمعہ کی نماز کے لئے تیل اور خوشبو کا استعمال کئے بغیر نہ جاتے تھے۔ اِلّا یہ کہ حالتِ احرام میں ہوں ۔ (یہ اثر مؤطّائے امام محمد میں بَابُ وَقْتِ الْجُمُعَةِ وَمَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الطِّيْبِ وَالدِّهَانِ میں مروی ہے)۔

۲۴۶ ۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَمَّنْ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لَأَنْ يُصَلِّيَ أَحَدُكُمْ بِظَهْرِ الْحَرَّةِ، خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَقْعُدَ، حَتَّى إِذَا قَامَ الْإِمَامُ يَخْطُبُ جَاءَ يَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنْ يَسْتَقْبِلَ النَّاسُ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْطُبَ، مَنْ كَانَ مِنْهُمْ يَلِي الْقِبْلَةَ وَغَيْرَهَا۔

ترجمہ: ابوہریرہ کہتے تھے کہ تم میں سے کسی کا حرہ کی پتھریلی زمین پر نماز پڑھنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ جب جمعہ کے دن امام خطبہ دینے کھڑا ہو تو وہ لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آئے۔

شرح: یہ بدعادت اس زمانے میں کئی لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ کبھی وقت پر حاضر نہیں ہوتے اور ہمیشہ گردنیں پھاند کر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حدیث کے لفظوں سے پتہ چلا کہ خروجِ امام سے قبل اس کی گنجائش موجود ہے۔ بشرطیکہ دوسروں کو اذیت نہ ہو۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک سُنّت یہ ہے کہ لوگ جمعہ کے دن امام کی طرف منہ کریں، جب امام خطبے کا ارادہ کرے تو ان میں جو قبلہ رُخ ہوں، وہ بھی اور دوسرے بھی ایسا ہی کریں۔

شرح: یعنی سامعین کا رُخ امام کی طرف ہو، چاہے وہ امام کے سامنے بیٹھے ہوں، چاہے دائیں اور بائیں طرف۔ جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے اور لوگوں کا عمل شروع سے اسی پر رہا ہے۔ وجہ یہ کہ جب امام نے ایک عُذر (قبلے) کے باعث قبلہ کا استقبال ترک کردیا ہو، تو دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہی مسنون ہے۔ بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب رکھا ہے بَابُ اِسْتِقْبَالِ النَّاسِ الْإِمَامَ إِذَا خَطَبَ۔ اور اس میں ابن عمرؓ اور انسؓ کے اثر اور ابوسعید خدری کی مرفوع حدیث اس مطلب میں درج کی ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ مسجد نبوی کے اس حصے میں جو حضرت عثمانؓ نے بنوایا تھا۔ لوگ قبلہ رُخ ہوں، تو امام ان کے پیچھے منبر پر ہوتا ہے۔ کیونکہ منبر مسجد کے اس حصے میں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی۔ پس امام کے خطبے کے وقت یہ سب لوگ اس کی طرف رُخ کرلیتے ہیں۔

۹۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ، وَالِاحْتِبَاءِ، وَمَنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ

نماز جمعہ میں قرأت اور احتباء اور بلا عذر نماز جمعہ ترک کرنے والے کا باب

۲۴۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ الضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ، سَأَلَ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ: مَاذَا كَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، عَلٰى إِثْرِ سُورَةِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: كَانَ يَقْرَأُ۔ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ۔

ترجمہ: ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن سورۂ جمعہ کے بعد کیا پڑھتے تھے؟ نعمانؓ نے کہا کہ سورۃ الغاشیہ پڑھتے تھے۔ (یہ حدیث مؤطا امام محمدؒ میں باب القراءۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ الخ میں درج کی ہے) سورۂ جمعہ کے بعد سے مراد دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد۔

شرح: بعض احادیث میں خطبہ کے وقت احتبا کی ممانعت آئی ہے لیکن وہ کراہتِ تنزیہی پر محمول ہے۔ کیونکہ بروئے آثار صحابہؓ کا عمل اس کے خلاف تھا۔ پھر آثار واردہ میں تو دو خطبوں کا ذکر ہے۔ مگر عنوان میں نہیں۔ شاید یہ کسی کاتب کا سہو ہے۔ نماز جمعہ کی قراءت میں مختلف روایات ہیں۔ ایک میں ہے کہ حضورؐ نماز جمعہ میں سورہ اعلیٰ اور الغاشیہ پڑھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے، سورہ جمعہ اور المنافقون پڑھتے تھے۔ اختلاف کا منشا یہ ہے کہ خاص نماز کے لئے کوئی سورت اس طور پر مقرر و متعین نہیں ہے کہ اور کوئی سورت جائز نہ ہو۔ حضورؐ نے کبھی کوئی سورت اور کبھی کوئی پڑھی۔ جن سورتوں کا ذکر صحاح میں آگیا ہے ان کا پڑھنا سنت کے اتباع میں باعثِ فضیلت ہے۔ مگر یہ سمجھنا درست نہیں کہ بس یہی سورتیں جائز ہیں۔

۲۴۷۔ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَحْتَبِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ۔

ترجمہ: امام مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جمعہ کے دن احتبا کرتے تھے۔ درآنحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہوتا تھا۔ احتبا کا معنی ہے سرینوں پر بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کرنا اور ان کے گرد ہاتھوں یا کسی کپڑے کا حلقہ بنا لینا۔ بعض نسخوں میں یہ اثر نہیں آیا۔ لفظ اوپر نذری ہے۔

۲۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ (قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي أَعَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْ لَا) أَنَّهُ قَالَ: "مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ وَلَا عِلَّةٍ، طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهِ"

ترجمہ: امام مالکؒ نے صفوان بن سلیم سے روایت کرکے کہا کہ مجھے نہیں معلوم یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ہے یا

نہیں بلکہ انہوں نے فرمایا جس نے کسی عذر یا بیماری کے بغیر تین بار جمعہ چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دی۔

شرح: اس حدیث کو امام شافعی، نسائی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے موصولاً روایت کیا۔ امام مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاد نے شاید اسے مسند کیا تھا۔ اس مضمون کی احادیث کئی صحابہ سے مروی ہیں جن کا ذکر تفصیل سے شوکانی نے کیا ہے۔ تین جمعے ترک کرنے سے بظاہر انہیں متواتر ترک کرنا ہے۔ اور امام شافعی، مسند احمد اور حاکم کی روایت میں ثلاث متراتٍ کا لفظ آیا ہے۔ ابوہریرہ کی حدیث میں متواتر تین جمعے کا لفظ آیا ہے۔ ابویعلیٰ نے ابن عباسؓ سے ثلاث جمعات متوالیات کا لفظ ہے۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کو نیکی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے روک دیا جاتا ہے۔ اس میں جہالت، کمزور اپن، سنگ دلی اور غفلت آ جاتی ہے اور یہ ایک اہم فریضے کی ادائیگی سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ جمعہ کی نماز ائمہ اربعہ کے نزدیک فرض عین ہے۔ مگر دلائل شرع سے اس کے کچھ شرائط ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

۲۴۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ خُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَجَلَسَ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ: جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن دو خطبے دیئے۔ اور ان کے درمیان بیٹھ گئے۔

شرح: امام مالکؒ کے استاد اس حدیث میں جعفر (صادق) بن محمدؒ (الباقر) ہیں۔ محمد الباقر حضرت علیؒ (زین العابدین) ابن حسینؓ کے فرزند تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ مگر اسی مضمون کی بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس مضمون میں کوئی قول حدیث نہیں ہے۔ جس سے دونوں خطبوں کا وجوب (فرضیت) ثابت ہو سکتی۔ ہاں البتہ دو خطبے ہی ظاہر کرتا ہے۔ جس سے دونوں کا سنت موکدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر فی نفسہٖ خطبہ واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک دونوں سنت ہیں۔ مگر شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک دونوں فرض ہیں۔ اسی طرح دونوں کے درمیان کا جلسہ جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ مگر امام شافعیؒ اسے واجب ٹھہراتے ہیں۔

۶۔ كِتَابُ الصَّلَاةِ فِي رَمَضَانَ

۱۔ بَابُ التَّرْغِيبِ فِي الصَّلَاةِ فِي رَمَضَانَ

نماز تراویح کی ترغیب کا باب

۲۵۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ۔ ثُمَّ صَلَّى اللَّيْلَةَ الْقَابِلَةَ، فَكَثُرَ النَّاسُ۔ ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ: "قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ

نہیں کہ انھوں نے فرمایا جس نے کسی عذر یا بیماری کے بغیر تین بار جمعہ چھوڑ دیا ، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دی۔

شرح : اس حدیث کو امام شافعی، نسائی، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ نے موصولاً روایت کیا۔ امام مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ میرے استاد نے شاید اسے مسند کیا تھا۔ اس مضمون کی احادیث کئی صحابہ سے مروی ہیں جن کا ذکر تفصیل سے شوکانی نے کیا ہے۔ تین جمعے ترک کرنے سے بظاہر انہیں متواتر ترک کرنا ہے۔ اور امام شافعی، مسند احمد اور حاکم کی روایت میں ثلاث مرات کا لفظ آیا ہے۔ ابوہریرہ کی حدیث میں متواتر تین جمعے کا لفظ آیا ہے۔ ابویعلیٰ نے ابن عباسؓ سے ثلاث جمعات متوالیات کا لفظ ہے۔ مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کو نیکی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے روک دیا جاتا ہے۔ اس میں جہالت، کھردراپن، سنگ دلی اور غفلت آ جاتی ہے اور یہ ایک اہم فریضے کی ادائیگی سے اعراض کا نتیجہ ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ جمعہ کی نماز ائمہ اربعہ کے نزدیک فرضِ عین ہے۔ مگر دلائل شرع سے اس کے کچھ شرائط ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

۲۴۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ خُطْبَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَجَلَسَ بَيْنَهُمَا۔

ترجمہ : جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی　　کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن دو خطبے دیے۔ اور ان کے درمیان بیٹھ گئے۔

شرح : امام مالکؒ کے استاد اس حدیث میں جعفر (صادق) بن محمدؒ (الباقر) ہیں۔ محمد الباقر حضرت علیؓ (زین العابدین) ابن حسینؓ کے فرزند تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ مگر اسی مضمون کی بخاری و مسلم میں ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس مضمون میں کوئی قول حدیث نہیں ہے۔ جس سے دونوں خطبوں کا وجوب (فرضیت) ثابت ہو سکتی۔ فعل البتہ دو خطبے ہی ظاہر کرتا ہے۔ جس سے دونوں کا سنت موکدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر فی نفسہٖ خطبہ واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک دونوں سنت ہیں۔ مگر شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک دونوں فرض ہیں۔ اسی طرح دونوں کے درمیان کا　　جلسہ جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ مگر امام شافعیؒ اسے واجب ٹھہراتے ہیں۔

۶۔ كِتَابُ الصَّلٰوةِ فِي رَمَضَانَ

۱۔ بَابُ التَّرْغِيبِ فِي الصَّلٰوةِ فِي رَمَضَانَ

نماز تراویح کی ترغیب کا باب

۲۵۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي الْمَسْجِدِ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ۔ ثُمَّ صَلَّى اللَّيْلَةَ الْقَابِلَةَ، فَكَثُرَ النَّاسُ۔ ثُمَّ اجْتَمَعُوا مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَصْبَحَ، قَالَ: قَدْ رَأَيْتُ الَّذِي صَنَعْتُمْ، وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ

الْخُرُوجِ اِلَيْكُمْ، اِلَّا اَنِّي خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ" وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر آپ نے اگلی رات کو نماز پڑھی تو لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہو گئے۔ پھر لوگ تیسری یا چوتھی رات کو جمع ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس باہر تشریف نہ لائے۔ صبح کو آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا تھا میں نے دیکھا مگر تمہاری طرف نکلنے سے مجھے صرف اس خوف نے روکا کہ مبادا یہ تم پر فرض ہو جائے۔ اور یہ واقعہ رمضان کا تھا۔

شرح: الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ روایت موطائے امام محمدؒ میں بھی بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ الخ میں مروی ہے۔ یہ روایت بخاری میں بھی امام مالکؒ کی سند سے روایات کی ہے۔ ام المؤمنینؓ جس پہلی رات کے واقعہ کا ذکر فرماتی ہیں، بظاہر یہ ۲۲ رمضان تھا۔ یعنی ۲۳ ویں رات۔ حضورؐ نے یہ نماز بحالتِ اعتکاف حضرت عائشہؓ کے گھر کے سامنے مسجد میں چٹائی کے ایک مصنوعی حجرے میں ادا فرمائی تھی۔ نفل نماز کو گھر میں افضل فرمائی گئی ہے مگر نماز تراویح اس سے مستثنیٰ کی گئی ہے۔ دوسری رات جس میں یہ نماز پڑھی گئی، وہ بظاہر ۲۵ ویں تھی۔ مؤطا کی اس روایت میں کچھ اختصار معلوم ہوتا ہے۔ دوسری احادیث کی رُو سے آپ نے ناغوں کے ساتھ تین راتوں میں یہ نماز پڑھائی تھی۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضورؐ تشریف نہ لائے۔ لوگوں نے آوازیں بلند کیں، کھانسے، حتیٰ کہ دروازے پر کنکریاں پھینکیں مگر آپؐ باہر نہ نکلے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے نسائی کی نعمان بن بشیر سے مروی حدیث کے مطابق کہا ہے کہ پہلے ۲۳ ویں رات کو آپ نے ⅓ رات پڑھائی تک نماز پڑھائی۔ ۲۵ ویں کو نصف رات تک نماز پڑھائی۔ پھر ۲۷ ویں کو اتنا طویل قیام رہا کہ صحابہؓ کو سحری نہ کھا سکنے کا خوف لاحق ہوا۔

ابو داؤد، ترمذیؒ اور نسائیؒ نے ابو ذرؓ سے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انسؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ اس سے قبل خود قیام رمضان کرتے تھے اور بعض دفعہ کچھ اصحاب بھی ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ ان تین راتوں کی نماز کی رکعات کا عدد کیا تھا؟ زرقانی نے ابنِ حبان کی حدیثِ جابرؓ کو جس میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے، ابن عباسؓ کی بیس رکعات علاوہ وتر والی حدیث سے صحیح تر کہا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ زرقانی کے اس قول میں تامل ہے۔ کیونکہ اس روایت کا مدار عیسیٰ بن جاریہ پر ہے۔ جسے نسائی اور ابن معین نے منکر الحدیث کہا ہے۔ نسائی نے ایک دفعہ اسے متروک الحدیث بھی کہا ہے۔ ابو داؤد بھی اسے منکر الحدیث کہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی روایت جو صحابہ کے آثار سے مؤید ہے، حدیثِ جابر سے اولیٰ ہے۔ گو اس میں بھی کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ جمہور صحابہ ۲۰ رکعات تراویح پر متفق تھے۔ ابن عبد البر نے کہا یہی صحیح ہے کہ اُبی بن کعب سے بھی ثابت ہے اور جمہور علما کا یہی قول ہے۔ عینی نے کہا کہ صحابہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ قاضی عیاض نے اسے جمہور علما سے نقل کیا ہے اور ترمذی نے اکثر صحابہؓ سے۔ شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں کہ یہ ساری بحث اس بنیاد پر ہے کہ اس قصے کو واحد مانا جائے۔ ورنہ روایات کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ قصے متعدد تھے۔ جابرؓ کی حدیث کا قصہ کسی اور رمضان کا تھا، جو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱ ویں رمضان کو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے تھے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے ⅓ رات تک۔ پھر انہیں ۲۲ ویں کو جمع کرتے اور نصف رات تک نماز پڑھاتے تھے۔ پھر انہیں ۲۳ ویں کو جمع کرتے اور انہیں ⅔ رات تک نماز پڑھاتے تھے۔ پھر انہیں ۲۴ ویں کو غسل کرنے کا حکم دیتے اور صبح تک نماز پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد انہیں جمع نہ کرتے۔ اس حدیث میں اور اس مضمون کی دوسری احادیث میں تین بار نماز پڑھاتے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس خوف سے باہر نہ نکلنا مذکور ہے کہ مبادا یہ نماز فرض ہو جائے اور امت پر شاق گزرے۔ صحاح کی روایات سے بھی

معلوم ہوتا ہے۔ حدیث معراج میں صراحۃً آتا ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ نمازیں ہیں اور اجر و ثواب میں پچاس ہیں۔ میرا قول تبدیل نہ ہوگا۔ اس قول کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تراویح کی فرضیت کا خدشہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس پر مداومت فرماتے تو خدشہ تھا کہ اُمّت اسے فرض نہ سمجھ لے اور یہ جان کر اس پر مداومت کرنا چاہے اور شاق گزرے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ اللیل واجب تھی۔ اگر اُمّت قیام رمضان پر مداومت کرنے لگتی تو اس بات کا خدشہ تھا کہ اُمّت کو صلوٰۃ اللیل کے وجوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملا دیا جاتا۔ مگر اس جواب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے اور دونوں پختہ نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ صلوٰۃ اللیل آیا واقعی حضورؐ پر واجب تھی؟ اس پر بحث و تحیص کی گنجائش موجود ہے۔ دوسری یہ کہ آیا صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان ایک ہی نماز ہے یا دو الگ الگ ہیں؟ دلائلِ حدیث دوسری بات کے حق میں ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ فرضیت سے مراد اس حدیث میں فرضیت کفایہ ہے نہ کہ فرضیت عین۔

۲۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَ بِعَزِيمَةٍ. فَيَقُولُ: "مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ".

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے۔ مگر تاکیدی حکم نہ دیتے تھے پس آپ فرماتے تھے جس نے ایمان و خلوص کے ساتھ قیام رمضان کیا، اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ابن شہاب نے کہا کہ اس پر عملدرآمد رہا، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوگئی۔ پھر ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے حصے میں اسی پر عمل رہا۔

شرح: مؤطا امام محمدؒ میں یہ حدیث ابو سلمہ سے مرسل آئی ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ مؤطا کے اکثر راوی اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔ نسائی کی روایت بھی مرسل ہے۔ زرقانی نے کہا کہ اس کا اتصال راجح تر ہے۔ کرمانی نے کہا ہے کہ علماء اس پر متفق ہیں کہ قیام رمضان سے مراد صلوٰۃ تراویح ہے۔ کیونکہ اگر یہ نماز صلوٰۃ اللیل ہوتی تو سال بھر پڑھی جاتی اور رمضان کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی۔ رمضان کی نسبت بتاتی ہے کہ یہ نماز صلوٰۃ اللیل کے علاوہ ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ یہ نماز بہت اچھی ہے مگر جس سے تم سو رہتے ہو (صلوٰۃ اللیل) وہ اس سے افضل ہے، واضح کرتا ہے کہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ بعض صحیح روایات میں قیام رمضان کے ساتھ صیام رمضان کا ذکر بھی موجود ہے۔ بعض میں صرف قیام کا ذکر ہے۔ جن گناہوں کی بخشش کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ حسبِ دلائل شرع صغائر ہیں اور ان سے مراد صرف وہ صغائر ہیں جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔

ابن شہاب نے جو یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں اور حضرت عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی حصے میں اسی پر عملدرآمد رہا۔ اس سے مراد جناب عمرؓ کا تراویح کی ایک بڑی جماعت کا اہتمام ہے جس میں سب لوگ شامل ہوں۔ ورنہ صحابہؓ مسجد میں، گھروں میں تراویح با جماعت پڑھتے تھے۔ گو جماعت کا التزام نہ تھا۔ بعض منفرد ہوتے کسی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی اور تیسرے کے ساتھ اس سے زیادہ لوگ ہوتے۔ پس تراویح باجماعت حضورؐ کے وقت میں اور سب خلفاءؓ کے وقت میں ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے صرف یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو ایک بڑی جماعت میں تبدیل کر دیا۔ اُبی بن کعبؓ کا اپنے گھر کے لوگوں کو اور احیاناً کچھ صحابہ کو مسجد میں نماز پڑھانا احادیث سے ثابت ہے اور حضورؐ کی تصویب و تصدیق بھی ثابت ہے۔

۲۔ بَابُ مَاجَاءَ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ

قیام رمضان کا باب

۲۵۲۔ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ، اَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فِي رَمَضَانَ إِلَى الْمَسْجِدِ، فَإِذَا النَّاسُ أَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُونَ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهِ. وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّي بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ. فَقَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرَانِي لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ أَمْثَلَ. فَجَمَعَهُمْ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ. قَالَ: ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ لَيْلَةً أُخْرٰى. وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ. فَقَالَ عُمَرُ: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ، وَالَّتِي تَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي تَقُومُونَ. يَعْنِي آخِرَ اللَّيْلِ. وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبد القاری نے کہا کہ میں رمضان میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو لوگ جدا جدا ٹکڑیوں میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کسی کے ساتھ ایک ٹولی تھی۔ پس حضرت عمرؓ نے کہا کہ واللہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو ایک امام پر جمع کر دوں تو اچھا ہو گا۔ پھر انہوں نے لوگوں کو اُبی بن کعب پر جمع کر دیا۔ راوی نے کہا کہ پھر میں ان کے ساتھ ایک اور رات میں نکلا اور لوگ اپنے امام کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ (ایک بڑی جماعت) ایک اچھی نئی چیز ہے اور جس نماز سے تم سو رہتے ہو (یعنی تہجد) وہ اس سے بہتر ہے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ کی مراد آخر شب کی نماز تھی۔ اور وہ تراویح کو اول شب میں پڑھتے تھے۔ (موطائے امام محمد میں یہ روایت موجود ہے۔ بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ الخ)

شرح: حافظ ابو عمر ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کوئی نئی چیز نہیں نکالی تھی بلکہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رات باجماعت پڑھا چکے تھے اور اس سے راضی تھے۔ اور پھر فرضیت کے خوف سے اس کی جماعت ترک کر دی تھی۔ اس نماز کو انہوں نے قائم کیا۔ حضرت ابوبکرؓ عمر بن کا دور خلافت مرتدین اور مدعیان نبوت کی سرکوبی میں گزر گیا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے حصے میں بھی بڑے بڑے اجتماعی کاموں نے اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ اب وقت آچکا تھا کہ اس سنت کو از سر نو قائم کیا جائے۔ یہ ۱۴ھ کا واقعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں۔ اور میں نے قیام رمضان کی سنت قائم کی ہے۔ پس جو شخص اس کا

روزے رکھے اور اس میں قیام کرے۔ اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوئے۔

کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے اور اس پر علما کا اتفاق ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی مالکی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے وہ نماز ہی مراد ہو سکتی ہے جو رمضان سے خاص ہے۔ ورنہ اگر یہ کوئی ایسی نماز ہوتی جو سال بھر پڑھی جاتی ہے تو یہ نسبت واضافت بے معنی تھی۔ (المنتقی ج ۱ ص ۲۰۸) پھر قاضی صاحب نے حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث درج کی ہے جس میں حضورؐ کی صلوٰۃ اللیل (تہجد) کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پر (بالعموم) اضافہ نہ فرماتے تھے۔ اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ نماز رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ سال بھر پڑھی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ راحت پہنچانا ہے۔ اس نماز کو تراویح اس لئے کہا گیا ہے کہ لوگ ابتدا میں قیام رمضان میں ہر دو سلام کے بعد کچھ دیر آرام کرتے تھے۔

البرہان میں ہے کہ تراویح کے شروع ہونے پر ساری امت متفق ہے اور روافض کے سوا اس نماز کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ راجح تر یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تراویح سنت مؤکدہ ہے اور مردوں اور عورتوں سب کے لئے ہے۔ فقہ حنفیہ متون و شروح کی کتب اس کے سنت مؤکدہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قدوری نے جو مستحب کا لفظ لکھا ہے اس سے مراد اجتماع ہے نہ کہ نفس صلوٰۃ تراویح۔ اور اس کی تعداد بیس رکعت ہے۔

فقہ شافعی کی کتب مثلاً التوشیح، الروضہ، الاقناع، الانوار الساطعہ وغیرہا میں اس کا بیس رکعت سنت مؤکدہ ہونا وضاحت و صراحت سے لکھا ہے۔ اسی طرح فقہ مالکیہ کی کتب الشرح الکبیر، الانوار الساطعہ میں بھی تراویح کا سنت مؤکدہ ہونا اور تعداد کا بیس رکعت ہونا صراحت سے لکھا ہے۔ حنبلی فقہ کی کتب نیل المآرب، الروض، الانوار میں تراویح کا بیس رکعت سنت مؤکدہ ہونا صاف طور پر آیا ہے۔ پس فقہائے امصار سب کے سب اس مسئلہ پر متفق ہیں۔ آج کل کے بعض ترقی پسند اور رخصت پسند فرقہ بازوں کا انکار محض بے کار شئے ہے۔ انہوں نے تراویح کی سنت کا روافض کی دیکھا دیکھی انکار کیا ہے۔ اور ساری امت کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے علما و صلحا کے خلاف ایک نیا راز نکالا ہے۔ ہر مسئلہ میں آسانی ڈھونڈی ہے۔ تراویح پر صحابہ کا اجماع اس کی سنیت و مشروعیت کی روشن دلیل ہے اور ان کے خلاف دوسری روش اختیار کرنا بدعت ہے۔

جناب عمر فاروقؓ نے ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر کیا۔ کیونکہ حسب حدیث اَقْرَؤُهُمْ اُبَیٌّ وہی اس اعزاز کے حقدار تھے۔ اُبیؓ بن کعبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہی تراویح پڑھاتے تھے کبھی گھر میں اور کبھی مسجد میں۔ کبھی کم آدمیوں کو کبھی زیادہ کو۔ حضرت عمرؓ اس دن خود جماعت میں شامل نہ تھے کیونکہ زیادہ اہم اجتماعی کام میں مصروف رہتے تھے۔ چونکہ تراویح اہل سنت کا شعار بن چکی ہے۔ لہذا فقہائے مذاہب نے لکھا ہے کہ اس کا مسجد میں با جماعت ادا کرنا افضل بلکہ یہی سنت ہے جناب عمرؓ نے نِعْمَتِ الْبِدْعَۃ کا جو لفظ بولا وہ صرف ایک جماعت پر سب کو اکٹھا کرنے کو لغوی معنوں میں بولا تھا، ورنہ معاذ اللہ خود عمرؓ اور صحابہ کبار بدعت کو رائج اور اختیار کرنے والے کیونکر ہو سکتے تھے؟ پھر تراویح کا منقول ہونا، اس کی ترغیب و تاکید اور برابر دور نبوی سے اس کا انفرادی طور پر اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں قائم چلے آنا سب پر ظاہر و باہر تھا۔ کثیر احادیث میں قیام رمضان کی ترغیب وارد ہے۔ پس اس لفظ سے کوئی بدعت کا متوالا کوئی اور استدلال نہیں کر سکتا۔

۲۵۳- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّهُ قَالَ: وَقَدْ كَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِالْمِئِينَ، حَتَّى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعِصِيِّ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلاَّ فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ

ترجمہ: السائب بن یزیدؒ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُبی بن کعب کو اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ راوی نے کہا کہ قاری لمبی سورتیں پڑھتا تھا، حتیٰ کہ ہم طولِ قیام کے باعث ڈنڈوں کا سہارا لیتے تھے، اور ہم نماز سے فارغ نہ ہوتے تھے مگر اوائلِ فجر میں۔

شرح: محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ پہلے گیارہ رکعت کا حکم ملا تھا پھر زیادہ کا۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ مالکؒ کی روایت میں اِحْدٰی عَشْرَۃَ کا لفظ آیا ہے۔ مگر مالکؒ کے سوا اس حدیث کے دوسرے روایت کرنے والے اس میں اِحْدٰی وَ عِشْرُوْنَ روایت کرتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ اور مالکؒ کے سوا اس حدیث میں کسی نے اِحْدٰی عَشْرَۃَ کا لفظ نہیں بولا۔ اگر اس روایت میں اس لفظ گیارہ کو ہی صحیح سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ۱۱ رکعت پڑھتے تھے مگر اس میں قیام لمبا ہوتا تھا۔ جیسا کہ خود اس روایت میں ہے۔ پھر طولِ قیام کو گھٹا کر تعدادِ رکعات کو بڑھا دیا گیا اور انہیں ۲۱ یا ۲۳ کیا گیا۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ میرے اغلب خیال میں گیارہ کا لفظ وہم ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ مسنف کی روایت میں جو داؤد بن قیس وغیرہ نے محمد بن یوسف سے اور اس نے السائب بن یزید سے روایت کی ہے، ۲۱ رکعات آیا ہے۔ حارث بن عبدالرحمٰن نے سائب بن یزید سے ۲۳ رکعت کی روایت کی ہے۔ محمد بن نصر نے قیام اللیل میں یزید بن حفیفہ عن السائب بن یزید ۲۰ رکعت کی روایت کی ہے۔ اور یہ اختلاف وتر کے اختلاف پر محمول ہے۔

۱ المنتقیٰ ج ۱ ص ۲۰۸ میں قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ السائب بن یزید کی روایت میں ۱۱ رکعت ہے۔ یزید بن رومان کی روایت ۲۳ ہے۔ نافع مولیٰ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے لوگوں کو ۳۹ رکعت پڑھتے پایا۔ ان میں سے تین وتر تھے۔ مالک نے اسی کو اختیار کیا ہے اور شافعیؒ نے وتر کے علاوہ ۲۰ رکعت کو اختیار کیا یعنی یزید بن رومان کی حدیث کو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے ۱۱ رکعت کا حکم تطویلِ قراءت کے ساتھ دیا گیا ہو اور جب یہ مشکل نظر آیا تو بطورِ تخفیف ۲۳ رکعت کا حکم دیا گیا۔ واقعہ حرّہ تک یہی صورت رہی اور پھر تراویح کی تعداد ۳۶ + ۳ وتر تک کر دی گئی۔ اہلِ سنت جماعت کا عمل اسی پر رہا ہے۔ اور ائمہ اسی پر متفق ہیں۔ کیونکہ اس میں تخفیف پائی جاتی ہے۔

شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ السائب بن یزید کی روایت میں وہم کی نسبت محمد بن یوسف کی طرف کی جانی مناسب ہے نہ کہ امام مالک کی طرف۔ احدیٰ عشرۃ کی ایک اور تاویل بھی ممکن ہے اور وہ بعض دوسری روایات کے مطابق ہے۔ وہ یہ کہ پہلے اُبی بن کعب ۱۱ رکعت پڑھاتے تھے اور پھر تمیم داری بھی ۱۱ رکعت پڑھاتے تھے۔ مطلب یہ کہ دونوں حضرات ۱۰ + ۱۰ رکعات پڑھاتے اور وتر کبھی یہ کبھی وہ پڑھاتے تھے۔ لہٰذا اس کی نسبت دونوں کی طرف کرنا صحیح ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کیا جو ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے حسن بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ اُبیؓ رمضان میں لوگوں کو مدینہ میں ۲۰ رکعت پڑھاتے تھے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ بیہقی نے روایتوں کو یوں جمع کیا کہ پہلے ۱۱ رکعت تراویح پڑھتے تھے (یعنی وتر سمیت)۔ پھر ۲۰ + ۳ پڑھنے لگے۔ سیوطیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں معاملہ جو قرار پایا، اس پر اجماع ہے۔

۲۵۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فِیْ رَمَضَانَ، بِثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔

ترجمہ: یزید بن رومان نے کہا کہ لوگ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں رمضان میں ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔

شرح: بعض جہلائے زمان نے یزید بن رومان کی ثقاہت پر کلام کیا ہے جو بخاری کا راوی بھی ہے۔ حیرت ہے کہ یزید بن رومان جب

بخاری میں آئے تو ثقہ ہے اور جب موطا میں ۲۳ رکعت تراویح مع وتر کی روایت کرے تو غیر ثقہ ہے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کو نہیں پایا۔ لیکن یہ روایت بے شمار مشہور روایات سے تائید حاصل کرتی ہے۔ ان روایات پر اگر تواتر معنوی کا لفظ بولا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اوپر کی حدیث کی شرح میں ہم نے السائب بن یزید کی روایات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں بیس رکعات کا ذکر ہے۔ السائب کی حدیث بیہقی نے بھی روایت کی ہے (الکبیر میں) اس میں بھی ۲۰ تراویح وارد ہوئی ہیں پھر اس کے ساتھ قاضی ابوالولید باجی اور ابن عبدالبر کی گفتگو کو بھی ذہن میں رکھا جائے جو اُوپر گزر چکی ہے۔ السائب بن یزید کی روایت وہم ہے۔ اسی لئے ائمہ میں سے کسی نے اسے نہیں لیا۔ اہل اسلام کے تمام ائمہ فقہ یعنی مالکؒ، ابوحنیفہ، شافعیؒ اور احمدؒ نے السائب بن یزید ۱۱ رکعت والی روایت نہیں لی۔ باعث اس کا اوپر مذکور ہوا۔ حافظ عینیؒ نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ حضرت عمرؓ اور علیؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے بیس رکعات منقول ہیں اور ترمذی نے اسے اکثر اہل علم کا قول قرار دیا ہے۔ حنفیہ اور دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یہی جمہور علما کا قول ہے اور فقہائے کوفہ، شافعی اور اکثر فقہا اسی کے قائل ہیں۔ صحابہؓ کے کسی اختلاف کے بغیر یہی اُبی بن کعبؓ سے ثابت ہے۔ المغنی میں ابن قدامہؒ نے کہا ہے کہ ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) کا مختار بیس رکعت تراویح ہیں۔ اور ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی کا یہی قول ہے۔ اور مالک نے ۳۶ رکعات کہی ہیں۔

شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ بیس رکعت تراویح کی تحدید اصولِ محدثین کے لحاظ سے کسی حدیث مرفوع میں ثابت نہیں۔ ابن عباسؓ کی جو مرفوع روایت آئی ہے اس پر کلام ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت عمر بن الخطابؓ کے فعل سے اور صحابہ کی اس پر خاموشی سے یہ مسئلہ اجماعی ہو چکا ہے۔ اصولِ شرع کی رُو سے صحابہ کی غیر شرعی بات پر خاموش رہنے والے (بلکہ اس کی تائید کرنے والے جیساکہ تراویح میں ہوا۔) ہرگز نہ تھے، پس یہ معنوی طور پر ابن عباسؓ کی روایت کو تقویت دینے والی چیز ہے۔ خلفائے راشدینؓ کی سُنت بھی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے۔ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِھَا وَعَضُّوْا عَلَیْھَا بِالنَّوَاجِذِ (ابوداؤد عن العرباض بن ساریہؓ)۔ تراویح کے بارے میں خلفائے راشدینؓ کی سنت بیس رکعت ہے۔ اس بارے میں آثار بے شمار ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

(۱) مالکؒ کی زیرِ نظر روایت جس کی سند مرسل قوی ہے (۲) بیہقی کی روایت عن السائب بن یزید جو اسی مضمون کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (۳) ابن ابی شیبہ کا مرسل قوی جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ۲۰ رکعت قائم کرائی تھیں (۴) ابن ابی شیبہ میں عطا کا اثر کہ میں نے لوگوں کو ۲۳ رکعت پڑھتے پایا ہے۔ (۵) بیہقی میں ابوالخصیب کا اثر جس کی سند حسن ہے کہ سوید بن غفلہ ہمیں ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (۶) ابن ابی شیبہ میں نافع عمرؒ کا اثر کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں ۲۰ تراویح پڑھاتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ (۷) سعید بن عبید کا اثر ابن ابی شیبہ میں کہ علی بن ربیعہؒ انہیں رمضان میں ۲۰ رکعت پڑھاتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی روایات ہیں۔ جن میں کچھ کمزوری ہے مگر وہ ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں۔

۲۵۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَیْنِ، اَنَّهٗ سَمِعَ الْاَعْرَجَ یَقُوْلُ: مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ اِلَّا وَھُمْ یَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِیْ رَمَضَانَ۔ قَالَ: وَكَانَ الْقَارِئُ یَقْرَاُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِیْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ۔ فَاِذَا قَامَ بِھَا فِی اثْنَتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً رَاَی النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خَفَّفَ۔

ترجمہ: الاعرج کہتے تھے کہ میں نے لوگوں کو نہیں پایا مگر وہ رمضان میں کافروں پر لعنت کرتے تھے۔ یہ بھی کہا کہ قاری سورۃ البقرۃ آٹھ رکعت میں پڑھتا تھا اور جب اسے بارہ رکعات میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ اس نے تخفیف کی ہے۔

شرح: اس سے مراد وتر کی قنوت ہے اور حنفیہ کے نزدیک وتر میں قنوت پڑھی جانی چاہیئے۔ امام مالکؒ نے اس سے منع کیا۔ اور شافعیؒ کے ایک قول میں رمضان کے نصفِ آخر میں پڑھی جائے گی۔ یہ اثر حنفیہ کا مؤید ہے۔ آٹھ رکعت میں البقرۃ کی قرات کے بعد بارہ کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح آٹھ رکعت ہوتی تھی۔ اس اثر میں عدد رکعت کا بیان مطلوب نہیں۔ بلکہ طول قراءت کا ذکر مدِّنظر ہے اور یہ دو عدد صرف اس غرض سے بیان ہوئے ہیں۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔ اس پر مفصل بحث آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: كُنَّا نَنْصَرِفُ فِي رَمَضَانَ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ، مَخَافَةَ الْفَجْرِ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ ذَكْوَانَ، أَبَا عَمْرٍو وَكَانَ عَبْدًا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَعْتَقَتْهُ، عَنْ دُبُرٍ مِنْهَا، كَانَ يَقُومُ يَقْرَأُ لَهَا فِي رَمَضَانَ۔

ترجمہ: ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری کا بیان ہے کہ ہم لوگ رمضان میں جب نماز تراویح سے فارغ ہو کر آتے تو فجر کے خوف سے خادموں کو جلدی کھانا لانے کو کہتے تھے (کیونکہ ان کا قیام طویل ہوتا تھا اور دیر تک مصروف رہتے تھے)۔

ابو عمرو ذکوان جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہؓ کا مدبّر غلام تھا۔ وہ رمضان میں نماز تراویح میں حضرت اُم المؤمنینؓ کی امامت کیا کرتا تھا۔ (ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامِ رمضان لوگوں میں مشہور و معروف تھا۔ حتیٰ کہ خواتین بھی اس پہ عمل پیرا تھیں۔ اور یہ کوئی نئی چیز نہ تھی۔ دوسری احادیث کے مطابق عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اپنی ہمشیرہ مکرمہ حضرت عائشہؓ کو تراویح پڑھاتے تھے اور جس دن وہ موجود نہ ہوتے تھے تو اس دن ان کا غلام ذکوان پڑھاتا تھا۔

۷۔ كِتَابُ صَلٰوةِ اللَّيْلِ

۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلٰوةِ اللَّيْلِ

نماز تہجد کا باب

۲۵۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ رَجُلٍ عِنْدَهُ رِضًا، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ۔ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنِ امْرِئٍ تَكُونُ لَهُ صَلٰوةٌ بِلَيْلٍ، يَغْلِبُهُ عَلَيْهَا نَوْمٌ، إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَ

صَلَاتِهِ، وَكَانَ نَوْمُهُ عَلَيْهِ صَدَقَةً ـ"

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی رات کو نماز پڑھتا ہو اور اس پر نیند کا غلبہ ہو جائے جس کے باعث نہ پڑھ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کا اجر اس کے لئے لکھ دے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوگی۔

شرح: یہ حدیث مؤطا امام محمدؒ میں بھی باب قیام اللیل میں مروی ہے۔ نیند کا غلبہ ہونے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی رات کو تہجد کے لئے آنکھ ہی نہ کھلے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھ رہا ہو تو اسے نیند آئے اور وہ نماز کو جاری نہ رکھ سکے۔ نماز تہجد افضل النوافل ہے۔ اس کی ترغیب اور فضیلت میں بہت سی احادیث ثابت ہوئی ہیں حضورؐ نے ارشاد فرمایا، فریضہ کے بعد افضل نماز تہجد ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ارشاد ہوا، رات کی نماز کا التزام رکھو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیکو کاروں کا طریقہ رہا ہے اور وہ گناہوں کا کفارہ بننے والی تمہارے پروردگار کے قرب کا سبب اور گناہ سے باز رکھنے والی ہے۔ ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ہمیشہ پڑھی، لہذا یہ سُنت ہے۔ جن لوگوں نے کہا کہ حضورؐ پر واجب تھی۔ ان کے پاس کوئی پختہ دلیل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ۔ اور اس پر تو اجماع ہو چکا ہے کہ یہ اُمّت کے حق میں اب واجب نہیں ہے پہلے واجب تھی۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ آپؐ پر واجب تھی، انہوں نے نافلۃ کا معنی اس آیت میں "ایک زائد فریضہ" بتایا ہے۔ مگر یہ بات دل کو نہیں لگتی۔

اس حدیث کی سند میں جو مجہول و مبہم راوی ہے، نسائی نے اپنی روایت میں اسے الاسود بن یزید نخعی ظاہر کیا ہے۔ جو ایک نہایت ثقہ عالم اور مشہور تابعی تھے۔

۲۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ. فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي، فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ. فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا. قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی تھی اور میرے پاؤں آپ کے قبلہ میں ہوتے تھے۔ پس جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے چھُوتے اور میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی تھی اور جب آپ کھڑے ہوتے تھے تو میں انہیں پھیلا لیتی تھی۔ فرماتی ہیں کہ ان دنوں گھروں میں دیئے نہیں جلائے جاتے تھے۔

شرح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عورت کا سامنے ہونا نماز کو فاسد نہیں کرتا اور اس کے مس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جن احادیث میں عورت کا نماز کو قطع کر دینا آیا ہے ان سے مراد تنزیہہ ہے یا یہ کہ اس سے خشوع وخضوع پر اثر پڑنے کا احتمال ہے۔ اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ جمہور فقہا مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

۲۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ، فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ اَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ، لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهُ."

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں اونگھ جائے تو سو رہے حتیٰ کہ اس کی نیند (یعنی اس کا غلبہ) جاتی رہے۔ کیونکہ اونگھنے کی حالت میں جب کوئی نماز پڑھے تو کیا پتہ کہ استغفار کی بجائے اپنے لئے بد دعا ہی کرنے لگے۔ (یعنی عبادت کا مقصد تعذیب نہیں ہے اور جائز فطری تقاضوں کو کچلنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔)

۲۶۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ حَكِيمٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ امْرَاَةً مِنَ اللَّيْلِ تُصَلِّي. فَقَالَ: "مَنْ هٰذِهِ؟" فَقِيلَ لَهُ: هٰذِهِ الْحَوْلَاءُ، بِنْتُ تُوَيْتٍ، لَا تَنَامُ اللَّيْلَ فَكَرِهَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى عُرِفَتِ الْكَرَاهِيَةُ فِي وَجْهِهِ. ثُمَّ قَالَ "إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا. اِكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا لَكُمْ بِهِ طَاقَةٌ."

ترجمہ: اسماعیل بن ابی حکیم کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے متعلق سُنا کہ وہ رات کو تہجد پڑھتی ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ وہ حولاء بنت تُویت ہے۔ وہ رات بھر نہیں سوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ حتیٰ کہ کراہیت کے آثار آپ کے مبارک چہرے پر پہنچائے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نہیں اُکتا تا تم لوگ ہی اکتا جاتے ہو اتنا عمل کرو جس کی تم میں طاقت ہے۔

شرح: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ جسم و جان کے تقاضوں اور حقوق العباد کو مد نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ پچھلی قوموں میں رہبانیت چلی مگر چونکہ یہ ایک غیر فطری چیز تھی لہٰذا وہ لوگ اس پر عمل پیرا نہ رہ سکے۔ دین انسانوں کی اصلاح کا ضابطہ ہے۔ اس کے ساتھ دھینگا مشتی کرنا غلط ہے اور ایسا کرنے والے خائب و خاسر ہوتے ہیں۔ انسانوں کی اصلاح کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور نوافل کی ادائیگی کے لئے ہر شخص کے احوال، جسمانی و دماغی قوت اور صبر و ہمت کا پیمانہ الگ الگ ہے۔ اور اس کے لئے کوئی ایک ضابطہ وضع نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا انہیں ہر شخص کی صوابدید اور ہمت پر چھوڑا گیا ہے۔

۲۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِيهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ. حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، اَيْقَظَ اَهْلَهُ لِلصَّلٰوةِ. يَقُولُ لَهُمْ: اَلصَّلٰوةَ، اَلصَّلٰوةَ. ثُمَّ يَتْلُو هٰذِهِ الْآيَةَ. وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

ترجمہ: اسلم نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ رات کو جتنی اللہ چاہتا نماز پڑھتے۔ حتیٰ کہ جب رات کا پچھلا پہر ہوتا تو گھر والوں کو نماز کے لیے جگاتے تھے۔ ان سے کہتے، نماز! نماز!! پھر یہ آیت پڑھتے، اور حکم دے تو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی اس پر جما رہ۔ ہم تجھ سے رزق طلب نہیں کرتے۔ ہم ہی تجھے رزق دیتے ہیں اور انجام کار خوف خدا کے لئے ہے۔ (یہ اثر موطائے امام محمد میں بھی باب قیام اللیل میں مروی ہے۔)

۲۶۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: يُكْرَهُ النَّوْمُ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثُ بَعْدَهَا۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ سعید بن المسیب کہا کرتے تھے نماز عشا سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات چیت کرنا مکروہ ہے۔

شرح: بخاری و مسلم کی حدیثِ مرفوع میں یہی مضمون وارد ہے شرعی اور جائز ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے۔ اور اس کا ثبوت احادیث میں وارد ہے۔

۲۶۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى. يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔ ہر دو رکعت پر سلام کیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہی مسنون ہے۔

شرح: اس سے مراد نوافل ہیں، ورنہ فرائض و سنن اور وتر کا حکم تو معلوم ہے۔ اور اس سے کچھ مختلف ہے۔ ابن عمرؓ کی حدیث باختلافِ الفاظ مسلم میں بھی آئی ہے۔ نسائی نے اس کے طُرق تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور ان پر کلام کیا ہے۔ امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نفل کی اکیلی رکعت پڑھنا بھی جائز ہے اور زیادہ کی حد نہیں۔ لیکن دو دو کرکے پڑھنا افضل ہے اور انہوں نے حدیث زیرِ نظر کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سے زیادہ رکعات کو ایک سلام میں نماز تہجد میں پڑھنا ثابت ہے۔ بالخصوص عائشہ صدیقہؓ کی احادیث ہیں۔ گو ان کی تاویل بھی کی گئی ہے۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں کہا ہے کہ صلوٰۃ اللیل ہمارے نزدیک دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ چاہو تو دو دو پڑھو، چاہو تو چار چار، چاہو تو چھ چھ کرکے پڑھو اور چاہو تو آٹھ رکعت ایک سلام میں پڑھو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جس قدر چاہو۔ اور افضل چار چار ہے۔ اور وتر میں ہمارا اور ابوحنیفہؒ کا قول واحد ہے۔ یعنی تین رکعت ایک سلام سے پڑھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر سے قبل چار رکعت ایک سلام سے کئی احادیث میں آیا ہے۔ اسی طرح جمعہ کے بعد دو دو یا چار دو رکعات بھی آپ نے ادا فرمائیں۔ ایک حدیث میں ابن عباسؓ سے اور دوسری میں ابن الزبیرؓ سے آپ کا چار رکعت بیک سلام پڑھنا ثابت ہے۔

۲۔ بَابُ صَلٰوۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْوِتْرِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز وتر

۲۶۴ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، کَانَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ اِحْدٰی عَشْرَۃَ رَکْعَۃً یُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَۃٍ۔ فَاِذَا فَرَغَ، اضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْمَنِ۔

نمازِ تہجد مع وتر پر کبھی صلوٰۃ اللیل اور کبھی وتر کا اطلاق ہوتا ہے۔ سبب اس کا واضح ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ احادیث میں ایک، تین، پانچ، سات، نو، گیارہ بلکہ اس سے زیادہ پر وتر کا لفظ آتا ہے۔ بقول حافظ ابن حجرؒ ۱۳ سے زیادہ وتر (صلوٰۃ اللیل معہ وتر) ثابت نہیں ہوئے اور نہ سات سے کم۔ اور یہ مختلف احوال پر مبنی رہا۔ مگر ابن المبارکؒ کی کتاب الزہد میں سترہ رکعات کی روایت موجود ہے۔ شاید حافظ صاحب نے اپنے مسلک کے باعث (کہ مرسل لائق حجت نہیں) اس حدیث کو تسلیم نہیں کیا۔

حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ صلوٰۃ اللیل میں کل ۱۶ صحابہ کی روایات موجود ہیں۔ پس زید بن خالدؓ، ابن عباسؓ، جابرؓ اور امّ سلمہؓ نے تیرہ رکعت کی روایت کی۔ فضلؓ، صفوان بن معطلؓ، معاویہ بن الحکمؓ، ابن عمرؓ اور ایک روایت میں ابن عباسؓ نے، اور عائشہ صدیقہؓ نے گیارہ رکعات کی روایت کی۔ حضرت عائشہؓ کی روایات میں تعداد کم و بیش ہے۔ انسؓ نے ۸ رکعات کی روایت کی۔ حذیفہؓ کی حدیث میں ۷ کا ذکر ہے اور ابوایوبؓ نے چار رکعات بیان کی ہیں۔ حذیفہؓ کی بعض مرویات میں بھی چار کا ذکر موجود ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث میں ۱۶ رکعات بھی آئی ہیں۔ حافظ عینی نے حجاج بن عمروؓ، خباب بن الارتؓ اور ایک مبہم صحابی کی روایات میں کسی عدد کا نہ ہونا لکھا ہے جن احادیث میں تعداد کا ذکر ہے۔ ان میں ہر صاحب نے (مثلاً عائشہ صدیقہ۔ ابن عباسؓ اور زیدؓ) اپنا اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کوئی شرعی حد ایسی نہیں آئی جس پر عدد رکعات کا زائد ہونا ممنوع ہو۔ اسی طرح کمی کا بھی حال ہے۔ اختلاف صرف حضورؐ کے مختلف اوقات و احوال کے فعل میں مذکور ہوا ہے۔

ترجمہ: زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بناتے تھے۔ اور فارغ ہونے کے بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ (امام محمدؒ نے باب صلوٰۃ اللیل میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔)

شرح: ایک رکعت کے ساتھ وتر بنانے کا مطلب حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ رات کی نماز پڑھتے پڑھتے جب طلوع فجر کا خوف ہوتا تو آخری دو رکعتوں کے ساتھ ایک اور رکعت ملا دیتے اور تین وتر ہو جاتے تھے پیچھے گزر چکا ہے کہ ساری صلوٰۃ اللیل پر بھی وتر کا اطلاق ہوتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تین وتر کی روایت وضاحۃً آئی ہے۔ انہی سے پانچ، سات، نو، گیارہ تک وتر کا بیان موجود ہے۔

دائیں کروٹ پر لیٹ جانا استراحت کے لئے تھا۔ طبرانی عن عائشہؓ۔ اطبا نے اسی کروٹ پر لیٹنے کو صحت کے لئے مفید بتایا ہے بقول زرقانی موطا کے راوی متفق ہیں کہ یہ اضطجاع (لیٹنا) وتر کے ہوتا تھا۔ لیکن زہری کے اصحاب نے اس روایت میں اضطجاع

کو فجر کی دو رکعت کے بعد بیان کیا ہے۔ ذہلی نے اس دوسری کیفیت کو صحیح کہا ہے لیکن ابن القیم نے مالک کی روایت کی تصویب کی ہے۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں زہری کے اصحاب عقیل، یونس، شعیب، ابن ابی ذئب اور اوزاعی وغیرہم جو روایت کی ہے وہی درست ہے۔

۲۶۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ، وَلَا غَيْرِهِ، عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً. يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ. ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ. ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: "يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ، وَلَا يَنَامُ قَلْبِي".

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عائشہ صدیقہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے (یعنی تہجد) آپ چار رکعت پڑھتے تھے۔ پس تو ان کی خوبی اور طول کے متعلق سوال مت کر (یعنی حد سے زیادہ حسین و طویل رکعات تھیں) پھر چار پڑھتے تھے۔ پس تو ان کی خوبی اور طول کے متعلق سوال مت کر۔ پھر آپ تین رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی وتر) حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا آپ وتر پڑھنے سے قبل سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔

شرح: جیسا کہ اوپر گزرا صلوٰۃ اللیل کی کیفیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی تھی۔ اب اس حدیث میں وتر سے پہلے مذکور ہے۔ حالانکہ اوپر کی حدیث میں وتر کے بعد سونے کا ذکر تھا۔ اور دوسری اکثر روایات میں سنت فجر کے بعد سونا آتا ہے۔ اس حدیث میں ایسی نماز مذکور ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر جاری رہتی تھی یعنی نماز تہجد۔ اسے صلوٰۃ التراویح پر منطبق کرنا کوتاہی فکر و نظر کی دلیل ہے۔ تراویح رمضان کی نماز ہے اور اس کا غیر رمضان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تراویح کا ذکر دوسری احادیث میں ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ آپ رمضان میں اتنی عبادت کرتے تھے جتنی اور وقتوں میں نہ کرتے تھے۔ اسی طرح دوسری روایات میں ۱۳ رکعات کا ذکر ہے۔ (ابن عباسؓ، عائشہؓ، ام سلمہؓ، جابرؓ، زید بن خالد جہنیؓ) مسند احمد میں جناب علیؓ سے ۱۶ رکعات مذکور ہیں۔ اس حدیث سے حضورؐ کا چار چار رکعت پڑھنا اور تین وتر پڑھنا بھی صراحت سے ثابت ہے۔

۲۶۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً. ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ، رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.

ترجمہ: عائشہ اُمّ المؤمنین سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ۱۳ رکعات پڑھتے تھے۔ پھر جب صبح کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔

شرح: ام المؤمنین عائشہؓ کی ایک حدیث اُوپر ۱۱ رکعات کی گزری ہے اور زیرِ نظر حدیث میں ۱۳ کا عدد آیا ہے۔ یہ روایت کا اضطراب نہیں، جیسا کہ بعض سطحی نظر کے لوگ کہتے ہیں۔ یہ مختلف احوال و اوقات تھے جن میں حضورؐ کی نمازِ تہجد مختلف ہوتی رہی ہے۔ عائشہؓ مدت العمر حضورؐ کی حرکات و سکنات اور عبادات وغیرہ کا بچشم خود مشاہدہ کرتی رہیں۔ وہ احفظ الصحابہؓ تھیں۔ صحابہؓ ان کی اس فضیلت کے معترف تھے۔ خدانخواستہ اگر ان کی روایت ایک ایسے امر میں مضطرب ہو، جس کا وہ اکثر مشاہدہ کرتی تھیں، تو پھر ان کی خدانخواستہ کوئی روایت بچ نہیں سکے گی۔ پچھلی حدیث میں جو فرمایا کہ رمضان شریف میں اور غیر رمضان میں ۱۱ رکعات پڑھتے تھے۔ تو اس سے مراد اکثر احوال ہیں۔ زیرِ بحث حدیث میں انہوں نے صلوٰۃ اللیل کی زیادہ سے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ مسروق کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صلوٰۃ اللیل کی تعداد سات، نو اور گیارہ بتائی ہے۔ زیرِ نظر حدیث میں سنتِ فجر سمیت ۱۵ رکعات بنتی ہیں۔

۲۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ. قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا. فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ، أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ. ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ. ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ. ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ. ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا. فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ أَوْتَرَ. ثُمَّ اضْطَجَعَ، حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ. فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ، فَصَلَّى الصُّبْحَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے بتایا کہ انہوں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں رات گزاری، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ ابن عباسؓ نے بتایا کہ میں تو تکیئے (یا گدے) کی چوڑائی کے بل پر لیٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ اس کے طول کے بل لیٹے۔ پس رسول اللہ علیہ وسلم نصف رات تک سوئے یا اس سے کچھ کم یا زیادہ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور اپنی آنکھیں ملیں اور سورہ آلِ عمران کی دس آخری آیات پڑھیں۔ پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کی طرف بڑھے اور

اس سے بہت اچھی طرح وضو کیا۔ پھر نماز میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں بھی اُٹھا اور آپ کی طرح کیا پھر میں گیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں دستِ مبارک میرے سر پر رکھا اور میرا کان پکڑا اور اسے مروڑا۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں۔ پھر وتر پڑھے اور لیٹ گئے۔ حتیٰ کہ مؤذن آپ کے پاس آیا تو دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ پھر باہر تشریف لے گئے اور نمازِ فجر پڑھائی۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: ابن عباس کو ان کے والدِ محترم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کام سے بھیجا تھا۔ اس لئے وہ بطور مہمان اپنی خالہ میمونہ بنت الحارثؓ کے ہاں ٹھہرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس رات کو میمونہؓ کے ہاں تھے۔ ابن عباسؓ حضورؐ اور میمونہؓ کے پاؤں کی طرف یا سروں کی طرف گدّے پر عرض کے بل سوئے۔ جیسا کہ بچوں کو ایسے مواقع پر سلایا جاتا ہے۔ یا وہ دونوں بزرگوار تکیے پر طول کے بل سر رکھ کر سوئے اور ابن عباسؓ اپنا کپڑا بچھا کر ایک طرف سوئے۔ اور تکیے پر چوڑائی کے بل سر رکھا۔ ابن عباسؓ کی عمر ان دنوں بقول قاضی الباجی دس سال تھی مسلم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ سونے سے قبل کچھ دیر گھر والوں سے باتیں کرتے رہے۔ اور پھر سوئے۔

ابن عباسؓ بعد میں آکر نماز میں داخل ہوئے تھے۔ امام کے لئے ضروری نہیں کہ مردوں کی امامت کی نیت کرے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک ابتدائے صلوٰۃ میں امام مقتدیوں کی امامت کی نیت نہ کرے، اس کی اقتدا کرنا درست نہیں۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے اس حدیث کے مطابق کہا کہ امام نے اگر شروع میں مقتدی کی اقتدا کی نیت نہ کی ہو تب بھی اقتدا درست ہے۔ عورت مقتدی ہو تو اس میں حنفیہ کا قول شافعیؒ کے مطابق ہے۔ مگر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں شافعی مسلک بھی حنفیہ اور مالکیہ کی مانند ہے۔

اس روایت میں اختصار ہو گیا ہے۔ اس کے دوسرے طُرق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو جو بائیں طرف آکر کھڑے ہو گئے، پیچھے سے پھیر کر دائیں طرف کر دیا۔ یہ عمل قلیل تھا۔ اور معاملہ نفل کا تھا۔ لہٰذا اس سے نماز میں کوئی نقص نہیں واقع ہوا۔ اور تعلیم و تربیت کا مقصد بھی پیش نظر تھا جس کی اہمیت واضح ہے۔ مسلم اور نسائی کی روایت میں دو دو کر کے ۱۲ رکعات کے ذکر کے بعد ہے کہ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ پھر آپ نے تین وتر پڑھے۔ اس طرح حضورؐ کی ساری نماز اس رات کو ۱۵ رکعات ہوئی اور اگر فجر کی سنت کو شامل کیا جائے تو تعداد ۱۷ ہو گئی۔

۲۶۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ، عَنْ اَبِيهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَهُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، اَنَّهُ قَالَ: لَاَرْمُقَنَّ اللَّيْلَةَ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ، اَوْ فُسْطَاطَهُ۔ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ. ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا۔ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا۔ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا۔ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا۔ ثُمَّ اَوْتَرَ۔ فَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

ترجمہ: زید بن خالدؓ نے کہا کہ میں آج رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں گا۔ زیدؓ نے کہا کہ میں نے حضورؐ کے

دروازے کی دہلیز کو، یا یہ کہا کہ آپ کے خیمے کی دہلیز کو تکیہ بنایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دو لمبی لمبی لمبی رکعتیں پڑھیں پھر آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ اپنے سے پہلی دو رکعتوں سے کم لمبی تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اپنے سے پہلی دو رکعتوں سے چھوٹی تھیں۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے پہلی دو رکعات سے چھوٹی تھیں پھر وتر پڑھے۔ پس یہ تیرہ رکعات تھیں۔ (مؤطا امام محمد میں یہ حدیث ہے ۔ مگر آخری لفظ وہاں نہیں آیا۔ یعنی فَتِلْكَ ثَلٰثَ عَشَرَ رَكْعَةً ۔ اور اس میں طَوِيْلَتَيْنِ کا لفظ بھی ایک ہی بار وارد ہوا ہے اور ابتداً دو خفیف رکعات سے ہوئی اور ان کے بعد چھ رکعات ۔)

شرح: یہ حدیث سنن کی کتب میں مالک کی سند سے آئی ہے۔ بظاہر یہ واقعہ سفر کا معلوم ہوتا ہے اور دہلیز کا تکیہ ہو یا خیمے کی دہلیز کا۔ بات دونوں صورتوں میں ایک ہے کہ خیمے سے باہر جو مٹی کی آڑ سی کھودی جاتی ہے وہ مراد ہے۔ مسلم کی روایت میں پہلی دو رکعتوں کا خفیف ہونا اور دوسری دو رکعتوں کا بہت طویل ہونا آیا ہے۔ اور وہاں بھی طَوِيْلَتَيْنِ کا لفظ تین بار آیا ہے۔ مؤطا کے بعض نسخوں میں یہ لفظ دو بار آیا ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اس حدیث کی روایت میں دو جگہ منفرد ہے۔ ایک یہ کہ اس نے پہلی دو رکعتوں کا بہت طویل ہونا روایت کیا ہے۔ جبکہ مؤطا کے دوسرے راوی امام مالکؒ سے پہلی دو رکعتوں کے خفیف ہونے کی روایت کرتے ہیں۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ یحییٰ کی روایت میں طَوِيْلَتَيْنِ کا لفظ تین بار ہے۔ حالانکہ باقی راوی اسے دو بار روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ دو خفیف پہلی رکعتوں سے نماز کی ابتدا ثابت ہے۔ طَوِيْلَتَيْنِ کے لفظ کا عدد حافظ ابن عبدالبرؒ نے قاضی الباجی کے برعکس لکھا ہے کہ یحییٰ نے دو بار روایت کیا۔ اور دوسرے راوی تین بار کرتے ہیں۔ زرقانی نے ابن عبدالبر کی تصویب اور الباجی کی تغلیط کی ہے۔ لیکن زرقانی کا یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ یحییٰ بن یحییٰ کے سب نسخوں میں تین بار یہ لفظ موجود ہے۔ مؤطا امام محمد میں البتہ یہ لفظ ایک ہی بار ہے۔

پھر دو رکعت کا ذکر پہلی طویل ترین دو رکعات کے بعد ہمارے ہاں کے نسخوں پانچ بار ہے۔ اب ان کے ساتھ طویل تر دو طویل تر دو رکعات کو اور دو خفیف رکعات کو (جو سہواً چھوٹ گئی ہیں) ملایا جائے تو ایک وتر کی صورت میں ۱۵ اور تین رکعت ہیں، ۱۷ رکعات بن جائیں گی۔ شاید آخری الفاظ فَتِلْكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً کسی راوی کا مدرج کلام ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ مؤطا امام محمد میں یہ لفظ نہیں ہے خطیب بغدادی کے بقول ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا کے الفاظ ان کتب میں چار مرتبہ آئے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح، صحیح مسلم، افراد مسلم للحمیدی، مؤطائے مالک، سنن ابی داؤد اور جامع الاصول۔ اسی طرح ابن ماجہ کے بعض نسخوں میں یہ الفاظ تین بار اور بعض میں چار بار آئے ہیں۔ مؤطائے امام محمد میں رکعات کی مقدار اس طرح ہے۔ پہلے دو خفیف رکعتیں، پھر دو طویل، پھر دو۔ پھر دو رکعات اور آخر میں وتر جن کی مقدار نہیں بتائی اور نہ آخر میں کل نماز کی تعداد کا ذکر آیا ہے۔ اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ اس روایت سے رکعات کے کسی عدد پر استدلال مشکل ہے۔ کیونکہ ۱۳، ۱۵، ۱۷ تک رکعات بن جاتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳- بَابُ الْاَمْرِ بِالْوِتْرِ

وتر کے حکم کا باب

نماز وتر پر کئی جہات سے بحث ہوتی ہے مگر یہاں پر صرف اس کا وجوب و عدم وجوب زیر بحث ہے۔ حدیث وفقہ پر گفتگو کرنے والے جانتے ہیں کہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق ہے۔ جبکہ دوسرے فقہا دونوں کی وحدت کے قائل ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک

واجب کا مرتبہ فرض اور سنت کے درمیان ہے۔ بالفاظ دیگر ان کے ہاں واجب ثابت تو حدیث و سنت سے ہوتا ہے اور وہ عقیدۃً فرض نہیں ہوتا مگر عمل اور مواظبت و تاکید کے لحاظ سے فرض ہوتا ہے۔ گویا اعتقادی فریضہ کو فرض اور عملی فرض کو واجب کہتے ہیں۔ پس حنفیہ بھی دوسرے حضرات کی طرح واجب بمعنی فرض صرف پانچ نمازوں کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی وتر کوئی ایسی چھٹی نماز نہیں، جسے فرض کہا جائے بلکہ فرض نمازیں صرف وہی پانچ ہیں جو شب معراج میں فرض ہوئی تھیں۔ پس حدیث معراج سے یا دیگر صحاح سے جن میں یہ صراحت ہے کہ فرض نمازیں صرف پانچ ہیں، حنفیہ کے اس موقف کے خلاف استدلال کرنا غلط ہے کہ وہ وتر کو واجب ٹھہراتے ہیں۔

دراصل بنیادی طور پر نمازِ پنجگانہ کے علاوہ باقی تمام نمازیں تطوع یعنی نوافل ہیں۔ پھر شرعی دلائل کی بنا پر ان میں درجہ بندی ہے بعض واجب ہیں مثلاً وتر۔ بعض سنتِ مؤکدہ ہیں مگر واجب کے قریب مثلاً فجر کی دو سُنت۔ بعض صرف سنتِ مؤکدہ ہیں، مثلاً ظہر کی چار پہلی اور دو پچھلی رکعات، مغرب کی دو اور عشا کی دو رکعات۔ یہ کل ۱۲ سُنن رواتب ہیں۔ جن میں فجر کی سنت شامل ہے۔ حنفیہ نے ان رواتب کے بارے میں حضورؐ کے قول و فعل سے یہی درجہ بندی کی ہے۔ جو اصول فقہ کے عین مطابق ہے۔ بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں حنفیہ پر جو لے دے کی ہے وہ حنفی مسلک کو نہیں سمجھ سکے۔ بعض نوافل ایسے بھی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ترغیب و تاکید تو ثابت ہے۔ لیکن ان کا درجہ پھر بھی سُنن کا ہی ہے۔ مثلاً نمازِ تہجد اور تحیۃ المسجد کی دو رکعات۔ ان کے علاوہ صلوٰۃ الضحیٰ، تحیۃ الوضو اور بعض ہنگامی نوافل ہیں۔ مثلاً خسوفِ قمر کی نماز۔ کسوف شمس کی نماز وغیرہما بھی ہیں۔ جن کی حیثیت سُنن غیر مؤکدہ کی ہے دلائل ان سب کے کتب فقہ میں ملیں گے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہا جو فرض اور واجب کو ہم معنی جانتے ہیں، ان میں سے بعض نے (مثلاً ظاہریہ) تحیۃ المسجد کو۔ بعض نے نمازِ عید کو واجب کہا ہے۔ امام احمدؒ نے تو نمازِ عید کو فرض کفایہ کہا ہے۔ اس پر اجماع ہے کہ امت کے لئے تہجد پہلے واجب تھی اور بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے تہجد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر تک فرض رہنا لکھا ہے۔ بقول حافظ عینیؒ قاضی ابوالطیب نے کہا ہے کہ سب علما وتر کو سُنت کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ابویوسفؒ اور محمدؒ بھی۔ صرف ابوحنیفہؒ نے اسے واجب کہا ہے مگر فرض نہیں۔ حافظ عینیؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ وتر کو واجب کہنے میں منفرد نہیں۔ سحنون مالکی اور اصبغ بھی اسے واجب کہتے ہیں۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جو وتر کو ترک کرے اسے سزا دی جائے اور اس کی شہادت قبول نہیں۔ ابن قدامہ نے المغنی میں امام احمد سے بھی اس کا وجوب نقل کیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے بھی اس کا وجوب منقول ہے۔ ابن عمرؓ سے بسند صحیح وتر کی تاکید شدید منقول ہے۔ ابن بطال نے وتر کا وجوب ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابراہیم نخعیؒ اور یوسف بن خالد سے نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے سعید بن المسیبؒ، ابوعبیدہ بن عبداللہؓ، بن مسعود اور ضحاک سے یہی نقل کیا ہے۔

علامہ کاسانی نے البدائع میں امام ابوحنیفہ کی دلیل بیان کی ہے کہ خارجہ بن حذافہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک اور نماز بڑھائی ہے جو وتر ہے۔ پس تم اسے عشا سے لے کر طلوعِ فجر تک پڑھا کرو۔ اس حدیث سے زیادتی سے مراد عملی زیادتی ہے نہ کہ اعتقادی۔ حضرت عائشہ نے حدیث مرفوع بیان کی ہے کہ اے قرآن والو وتر پڑھا کرو۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں۔ ابوبکر احمد بن علی رازی نے اپنی سند سے حدیث روایت کی ہے کہ وتر حق واجب ہے۔ پس جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ وتر حق واجب ہے۔ علما کے نزدیک وتر کی قضا بھی ہے جو مصنف عبدالرزاق میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ اس کی قضا اسے سُنن مؤکدات سے ایک درجہ اوپر لے جاتی ہے۔ علاوہ ازیں وتر کا تین رکعت ہونا بھی اسے سُنن سے نکال کر فرائض کے قریب کر دیتا ہے کیونکہ فرائض میں تو تین رکعت کی نماز موجود ہے۔ سُنن و نوافل میں نہیں۔

وتر کے وجوب کی روایات ابوداؤد، مسند احمد، طحاوی، دارقطنی، الحاکم، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی، ترمذی میں موجود ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا سے وتر کا وجوب نکلتا ہے۔ حضورؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے نفل تو سفر میں سواری پر ادا فرمائے مگر فرض اور وتر کے لئے سواری سے نیچے اُتر آئے۔ اکثر روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کا حکم بصیغۂ امر دیا ہے جو وجوب کی دلیل ہے واللہ اعلم۔

۲۶۹۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ اللَّیْلِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: صَلٰوةُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی. فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَكْعَةً وَّاحِدَةً، تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰی"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تہجد کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب تم میں سے کسی کو صبح کا خوف ہو تو ایک رکعت پڑھ لے جو اس کی پڑھی نماز کو وتر بنا دے گی۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث باب صلوٰۃ اللیل میں درج کی ہے۔)

شرح: یعنی رات کی نماز بالعموم دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے۔ اس کے اوپر کے باب میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اوپر یہ بھی گزرا کہ وتر کا اطلاق ساری صلوٰۃ اللیل پر بھی ہوتا ہے۔ تین پڑھی، پانچ پڑھی، سات پڑھی اور نو پڑھی۔ وتر کی تین رکعات صراحۃً بہت سی صحیح احادیث میں آئی ہیں۔ حدیث زیر نظر کا مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ اللیل کے آخری شفع کو طلوع فجر کے خوف سے تیسری رکعت ساتھ ملا کر وتر بنا لیا جائے۔ حدیث کے الفاظ تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ جمہور سلف کا مذہب یہی ہے۔ امام مالکؒ رمضان میں تین رکعت وتر کے قائل تھے ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور سلام صرف آخر میں ہے۔ طحاوی نے روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ میں فقہا کے مطابق تین رکعت وتر قائم کئے۔ فقہائے مدینہ کا اتفاق ظاہر کرتا ہے کہ جن لوگوں نے وتر کی تثلیث کا قول صرف حنفیہ اور ثوری کی طرف منسوب کیا ہے وہ درست نہیں کہتے یہی قول عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، اُبی بن کعبؓ، ابن عباسؓ، ابو امامہ انسؓ، عمر بن عبدالعزیزؒ، مدینہ کے فقہا سبعہ اور کوفہ کے فقہا کا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فقہائے سبعہ کے یہ نام گنوائے ہیں۔ سعید بن المسیب، عروہ، القاسم بن محمد۔ ابوبکر بن عبدالرحمان، خارجہ بن زید۔ عبیداللہ بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار۔ صحاح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعات میں سورۂ اعلیٰ الکافرون اور الاخلاص پڑھتے تھے۔ نسائی کی روایت ابن ابزیٰ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے۔ اور سلام صرف آخر میں کہتے تھے۔ وتر کی صرف ایک تنہا رکعت پڑھنے کا ثبوت صرف حضرت معاویہؓ سے ملتا ہے اور کسی سے نہیں۔ وتر کی نماز صلوٰۃ مغرب کی مانند ہے اور اس تشبیہ سے جو احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ اس کی تاکید اور کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

۲۷۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَیْرِیْزٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ بَنِیْ كِنَانَةَ یُدْعَی الْمُخْدَجِیَّ، سَمِعَ رَجُلًا بِالشَّامِ یُكْنٰی اَبَا مُحَمَّدٍ، یَقُوْلُ: اِنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ. فَقَالَ الْمُخْدَجِیُّ: فَرُحْتُ اِلٰی عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَاعْتَرَضْتُ لَهٗ وَهُوَ رَائِحٌ اِلَی الْمَسْجِدِ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ. فَقَالَ عُبَادَةُ: كَذَبَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ. سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْعِبَادِ. فَمَنْ جَاءَ بِهِنَّ، لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا، اِسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ، كَانَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ. وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ، فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدٌ. إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ."

ترجمہ: ابن محیریز نے بنی کنانہ کے ایک آدمی مخدجی نامی سے سُنا کہ اس نے شام میں ایک ابومحمد نامی شخص کو یہ کہتے سُنا کہ وتر واجب ہے۔ مخدجی نے کہا کہ میں عبادہ بن الصامت کے پاس گیا۔ اور جب وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے ان سے ملا اور ابومحمد کی بات انہیں بتائی۔ عبادہؓ نے کہا کہ ابومحمد نے غلط کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں۔ پس جو انہیں پڑھے، ان میں سے کسی کو ضائع نہ کرے۔ عمداً انہیں خفیف جان کر ان کا حق نہ ضائع کرے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور جو انہیں نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لئے کوئی عہد نہیں۔ اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے۔

شرح: حدیث سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کہنے والے نے بھی اور عبادہ بن الصامتؓ نے بھی واجب کا معنی فرض سمجھا تھا۔ اس معنی میں کوئی بھی وتر کو واجب نہیں کہتا۔ مگر اس کی تاکید کے سب قائل ہیں۔ حنفیہ نے جو اسے واجب کہا ہے تو یہ عملی واجب ہے نہ کہ اعتقادی۔ حافظ عینیؒ نے منفصل لکھا ہے کہ فرض اور واجب میں بلحاظ لغت بھی فرق ہے۔ شرعی وفقہی احکام و اصطلاحات کا مدار بھی لغت پر ہوتا ہے۔ ابن العربی نے لکھا ہے کہ حنفی فقہانے احکام شرع کے چار درجے ٹھیرائے ہیں۔ فرض، سُنّت واجبہ، سُنّت غیر واجبہ، نفل۔ شافعیؒ کے نزدیک تین درجے ہیں۔ فرض، سُنّت، نفل۔ مالکی فقہانے چار درجے بتائے ہیں، فرض، سُنّت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، نفل۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ اقسام پر فقہا تقریباً متفق ہیں اور ان میں اختلاف لفظی ہے۔ مالکیہ نے جسے سُنّت مؤکدہ کہا ہے حنفی اسے واجب کہتے ہیں۔ حنبلی فقہانے اس مسئلہ میں حنفیہ کی تقریباً موافقت کی ہے۔ پس یہ لفظی اختلاف ہے اور فرق صرف اصطلاح کا ہے۔ اس فرق کو اگر سمجھ لیا جائے تو بہت سے اختلاف ختم ہو جاتے ہیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ حنفیہ نے یہ اصطلاح وتر کے لئے ان تاکیدات کی بنا پر اختیار کی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہوئی ہیں۔

۲۷۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ. قَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ، نَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ أَدْرَكْتُهُ. فَقَالَ لِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟ فَقُلْتُ لَهُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ فَأَوْتَرْتُ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلَى، وَاللّٰهِ! فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ.

ترجمہ: سعید بن یسارؒ نے کہا کہ میں مکہ کی راہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ سعیدؒ نے کہا کہ جب مجھے صبح کا خوف ہُوا تو میں نے سواری سے اُتر کر وتر پڑھے اور پھر ان سے جا ملا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ تو کہاں تھا؟ میں نے کہا کہ مجھ کو صبح کا خوف تھا تو اتر کر میں نے وتر پڑھے ہیں۔ عبداللہ نے کہا، کیا تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہتر نمونہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں

واللہ! عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر پڑھتے تھے۔ (اس روایت کو مختصراً موطائے امام محمد میں بھی روایت کیا گیا ہے)

شرح: زرقانی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر وتر فرض تھے۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے وتر سواری پر کیوں ادا فرمائے؟ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ فرض نماز سواری پر ادا نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس کے لئے زمین پر نزول لازم ہے۔ امام مالکؒ نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ سفر کا تھا اور وتر کے وجوب (فرضیت) کا محل اقامت ہے سفر نہیں۔ اس سوال کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وتر پہلے مستحب تھا اور سواری پر جائز تھا۔ امام محمدؒ نے موطا میں فرمایا ہے کہ یہ روایت بھی ہے اور اس کے برخلاف بھی روایات ہیں۔ پس وتر کے لئے سواری سے اترنا ہمارے نزدیک اولیٰ و افضل ہے اور عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے۔ اور ابوحنیفہؒ اور ہمارے عامہ فقہا یہی کہتے ہیں۔ امام محمدؒ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ میں مکہ سے مدینہ تک عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہا۔ پس وہ ساری نفل نماز سواری پر پڑھتے تھے۔ مگر فریضہ اور وتر کی ادائیگی کے لئے زمین پر اترتے تھے۔ میرے سوال پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ امام طحاویؒ نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ نفل سواری پر اور وتر زمین پر پڑھتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ وتر کو سواری پر پڑھنے یا نہ پڑھنے کے مسئلہ میں اصحاب کا عمل مختلف تھا۔ شاید عبداللہ بن عمرؓ سفر میں وتر کو سنت سمجھتے ہوں۔ لہٰذا کبھی سواری اور کبھی زمین پر ادا کرتے ہوں۔ علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ ابن سیرینؒ، عروہ بن زبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کے نزدیک وتر سواری پر جائز نہیں۔ اور اس قسم کی روایت ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے کی ہے۔ طحاویؒ کے نزدیک وتر کا سواری پر پڑھنا منسوخ ہے اور جب تک ابن عمرؓ کو اس نسخ کا علم نہ تھا وہ وتر سواری پر پڑھتے رہے۔ بعد میں ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔ جیسا کہ مسند کی حدیث میں ہے کہ ابن عمرؓ نفل سواری پر پڑھتے تھے اور وتر کے لئے زمین پر اترتے تھے۔

اس کے سوا سواری پر وتر کا پڑھا جانا بارش، اندھیرے، کیچڑ یا مرض وغیرہ کے عذر سے بھی ہو سکتا ہے۔ پس جن روایات میں سواری پر پڑھنا آیا ہے، انہیں اس حالتِ عذر پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

۲۷۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ فِرَاشَهُ، أَوْتَرَ. وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، يُوتِرُ آخِرَ اللَّيْلِ. قَالَ: سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: فَأَمَّا أَنَا، فَإِذَا جِئْتُ فِرَاشِي، أَوْتَرْتُ.

ترجمہ: سعید ابن المسیبؒ نے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ جب بستر پر جانا چاہتے تو وتر پڑھ لیتے تھے۔ اور عمر بن الخطابؓ رات کے آخری حصے میں وتر پڑھتے تھے۔ سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھتا ہوں۔

شرح: سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا حزم و احتیاط پر مبنی ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی رحیمانہ فطرت کی بنا پر اس مسئلہ میں احتیاط پر عمل فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالدرداءؓ، ابوذرؓ اور ابوہریرہؓ کو حکم دیا تھا کہ وتر پڑھے بغیر نہ سویا کریں۔ آخری رات میں وتر پڑھنا عزیمت و قوت پر دلالت کرتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ اپنی فطری شجاعت و شہامت کی بنا پر اس جہت پر عامل رہتے تھے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہر دو حضرات سے پوچھا کہ تم وتر کب پڑھتے ہو۔ ابوبکر صدیقؓ نے رات کے پہلے حصے اور حضرت عمرؓ نے آخری حصے کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ نے حزم و احتیاط کو اختیار کیا اور عمرؓ نے قوت کو

اختیار کیا ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ بروئے حدیث ساری رات وتر کا وقت ہے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

۲۷۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ، أَوَاجِبٌ هُوَ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ۔ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يُرَدِّدُ عَلَيْهِ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يَقُولُ: قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَوْتَرَ الْمُسْلِمُونَ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کیا وتر واجب ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے۔ وہ آدمی بار بار سوال کرتا تھا اور عبداللہؓ یہی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وتر پڑھے اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے تھے۔

شرح: عبداللہ بن عمرؓ کے جواب کا منشا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب اہل اسلام کا وتر کو ہمیشہ پڑھنا اس کی تاکید کی صریح دلیل ہے۔ اب تم اسے واجب کہہ لو (بمعنی سُنّتِ مؤکدہ شدیدہ) یا نہ کہو (بمعنی فرض)۔ یعنی تمہیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے کہ نماز کی فقہی حیثیت کیا ہے۔ تم یہ دیکھو کہ اس نماز پر حضورؐ کے وقت سے عمل رہا ہے۔ لہٰذا تم اس پر عامل رہو۔ شاید ابن عمرؓ نے اس شخص کو اتنی باریکی کا اہل نہ سمجھا ہو۔ لہٰذا صرف دلیل بیان فرمائی اور مدلول کا ذکر نہ کیا۔

۲۷۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ تَقُولُ: مَنْ خَشِيَ أَنْ يَنَامَ حَتَّى يُصْبِحَ، فَلْيُوتِرْ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ وَمَنْ رَجَا أَنْ يَسْتَيْقِظَ آخِرَ اللَّيْلِ، فَلْيُؤَخِّرْ وِتْرَهُ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس شخص کو خوف ہو کہ صبح تک سوتا رہے گا وہ سونے سے پہلے وتر پڑھے اور جسے اُمید ہو کہ رات کے آخر میں بیدار ہو جائے گا۔ وہ وتر کو مؤخر کرے۔

شرح: گو حضرت اُمّ المؤمنینؓ کا قول بھی اس مسئلہ میں حدیث مرفوع کی مانند ہے لیکن یہی مضمون صحیح مرفوع احادیث میں موجود ہے۔

۲۷۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بِمَكَّةَ وَالسَّمَاءُ مُغِيمَةٌ، فَخَشِيَ عَبْدُ اللهِ الصُّبْحَ، فَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔ ثُمَّ انْكَشَفَ الْغَيْمُ، فَرَأَى أَنَّ عَلَيْهِ لَيْلًا، فَشَفَعَ بِوَاحِدَةٍ۔ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ أَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ۔

ترجمہ: نافع نے کہا کہ میں مکہ کے راستے میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا اور آسمان ابر آلود تھا۔ پس عبداللہ کو خوف ہوا تو انہوں نے ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بنا لیا۔ پھر بادل ہٹ گیا تو عبداللہؓ نے دیکھا کہ رات ابھی باقی ہے۔ پس انہوں نے ایک اور رکعت پڑھ کر نماز کو جفت کیا۔ پھر اس کے بعد دو دو رکعات پڑھیں۔ پھر جب صبح کا خوف ہوا تو ایک رکعت کے ساتھ نماز کو وتر بنایا۔

شرح: حیرت کی بات ہے کہ جب حنفیہ حدیث فَلْيُوتِرْ بِوَاحِدَةٍ کا معنیٰ یہ کریں کہ ایک رکعت کو پہلی دو رکعت کے ساتھ

ملا دے تو بعض لوگ چونک پڑتے ہیں اور اسے ایک باطل تاویل ٹھیراتے ہیں۔ لیکن اس اثر سے انہیں کوئی تعجب نہیں ہوتا جس کی تاویل نافع اور ابوالولید الباجی نے یہی کی ہے کہ ابن عمرؓ نے پہلی وتر کی رکعت سے اس لئے سلام نہیں پھیرا تھا کہ دوسری رکعت ملا کر اسے شفع بنا دیا۔ حالانکہ اثر کے الفاظ میں کوئی دلیل اس قول کی نہیں ہے۔

۲۷۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ فِي الْوِتْرِ، حَتَّى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ وتر کی رکعات میں سے دو پر سلام پھیرتے تھے۔ حتی کہ بعض دفعہ کوئی کام بھی بتا دیتے تھے (اور اس کے بعد ایک رکعت پڑھتے تھے۔) موطا امام محمدؒ میں بَابُ السَّلَامِ فِي الْوِتْرِ میں یہ روایت آئی ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے اس اثر کو اپنے موطا میں باب السلام فی الوتر میں روایت کیا ہے۔ یہ ابن عمرؓ کا مذہب تھا۔ اور تین وتر کی روایات کا بیان ہو چکا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ میں فقہا کے قول کے مطابق تین وتر جاری کئے کہ ان کے درمیان میں ایک سلام ہوتا تھا۔ البدائع میں ہے کہ حسن بصریؒ نے اس پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ وتر کی تین رکعات کے بعد سلام ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے۔ محمد بن نصر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی نماز جنازہ اور دفن سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ نے تین رکعات وتر پڑھائے۔ مسلم میں ہے کہ صرف ان کے آخر میں سلام کہا۔ حسن بصریؒ کے سامنے جب ابن عمرؓ کا فعل بیان کیا گیا تو حسن نے کہا عمرؓ اپنے بیٹے کی نسبت زیادہ فقیہ تھے۔ جو تین رکعات کے بعد ہی سلام کہتے تھے۔ نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعات پر سلام نہ کہتے تھے۔ حاکم نے اس روایت کو شیخین کی شرط پر بتایا ہے۔ مسند کی روایت میں بھی یہی مضمون ہے۔ امام محمدؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کے اثر کے متعلق کہا ہے کہ ہم اسے اختیار نہیں کرتے کہ وتر کے درمیان سلام نہیں ہے۔

۲۷۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَ يُوتِرُ بَعْدَ الْعَتَمَةِ بِوَاحِدَةٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ عَلَى هٰذَا الْعَمَلُ عِنْدَنَا. وَلٰكِنْ أَدْنَى الْوِتْرِ ثَلَاثٌ۔

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص عشا کی نماز کے بعد ایک وتر پڑھتے تھے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس پر عمل نہیں ہے بلکہ وتر کی کم از کم تعداد تین ہے۔ (تین رکعت وتر کے آثار امام محمدؒ نے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور ایک مرفوع روایت میں حضرت عائشہؓ سے تین وتر روایت کئے ہیں ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پر سلام نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے صحاح میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں الکافرون اور تیسری میں الاخلاص پڑھتے تھے)

۲۷۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: صَلَاةُ الْمَغْرِبِ وِتْرُ صَلَاةِ النَّهَارِ۔

قَالَ مَالِكٌ، مَنْ أَوْتَرَ أَوَّلَ اللَّيْلِ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، فَبَدَا لَهُ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ، مَثْنَى مَثْنَى.

نیو؟ اَحَبَّ مَا سَمِعْتُ اِلَیَّ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر کہتے تھے کہ مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جس نے رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھے۔ پھر وہ سو گیا پھر اٹھا اور تہجد پڑھنے کا خیال آیا تو وہ دو دو رکعت کر کے پڑھے۔ کیونکہ جو کچھ میں نے اس مسئلہ میں سُنا ہے یہ اس میں سے افضل و اولیٰ تر ہے۔

شرح: جب نماز مغرب دن کا وتر ہے تو رات کے وتر کی نماز بھی اسی مقدار کی ہونی چاہیئے۔ اُوپر ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ وتر کی تین رکعات ہیں اور یہ مرفوع احادیث کے علاوہ بے شمار آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے بروایت ابن سیرینؒ، ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوعًا بیان کی ہے۔ حافظ عراقی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اسے نسائی نے بھی روایت کیا۔ اور اس کی روایت بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ مسند احمد میں ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ مغرب کی نماز نے دن کی نماز کو وتر بنا دیا ہے پس تم صلوٰۃ اللیل کو وتر بناؤ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نماز جب پہلے پہل فرض ہوئی تو دو دو رکعت تھی سوائے مغرب کے، کیونکہ وہ دن کا وتر ہے۔ اس مضمون کے بہت سے آثار و احادیث مروی ہیں۔ امام مالکؒ کا بیان کردہ مسئلہ اجماعی ہے۔

۴۔ بَابُ الْوِتْرِ بَعْدَ الْفَجْرِ

فجر کے بعد وتر پڑھنے کا باب

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور ایک روایت میں شافعیہ کے نزدیک بھی فجر کے بعد اگر وتر پڑھے جائیں تو بہ نیت قضا ہوں گے۔ مصنف عبدالرزاق میں ابن عباسؓ کی ایک روایت کا منشا بھی یہی ہے۔

۲۷۹۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِیْمِ بْنِ اَبِی الْمُخَارِقِ الْبَصْرِیِّ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَقَدَ، ثُمَّ اسْتَیْقَظَ۔ فَقَالَ لِخَادِمِهٖ: اُنْظُرْ مَا صَنَعَ النَّاسُ وَهُوَ یَوْمَئِذٍ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهٗ، فَذَهَبَ الْخَادِمُ ثُمَّ رَجَعَ۔ فَقَالَ: قَدِ انْصَرَفَ النَّاسُ مِنَ الصُّبْحِ۔ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَاَوْتَرَ ثُمَّ صَلَّی الصُّبْحَ۔

ترجمہ: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ سو کر اُٹھے تو اپنے خادم سے فرمایا کہ دیکھو لوگ کیا کرتے ہیں اور عبداللہ بن عباسؓ اس وقت نابینا ہو چکے تھے۔ پس خادم جا کر واپس آیا تو کہا کہ لوگ فجر پڑھ کر واپس چلے گئے ہیں۔ پھر عبداللہ بن عباسؓ اُٹھے اور وتر پڑھے، پھر نماز فجر ادا کی۔ (یہ اثر مؤطا امام محمد میں باب تاخیر الوتر میں مروی ہے۔)

شرح: مصنف عبدالرزاق اور محمد بن نصر کی روایت عکرمہ سے ہے اور یہ کہ ابن عباسؓ نے اس سے پوچھا تھا اور اس روایت میں ابن عباسؓ کی عشاء کی نماز قضا ہو جانے کا ذکر بھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ عشاء کی نماز تو بہرحال قضا ہی کی گئی تھی (سنن و نوافل کا اس میں ذکر نہیں آیا)۔ پس اسی طرح وتر بھی بقضا کر کے پڑھے گئے تھے۔ ان دونوں روایات میں جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے تین وتر پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

۲۸۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَعُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، وَالْقَاسِمَ

ابْنَ مُحَمَّدٍ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ، قَدْ أَوْتَرُوا بَعْدَ الْفَجْرِ۔

ترجمہ: امام مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ، عبادہ بن الصامتؓ، القاسم بن محمدؒ اور عبداللہ بن عامر بن ربیعہؒ نے فجر کے بعد وتر پڑھے۔

شرح: اس روایت میں یہ صراحت نہیں آئی کہ آیا ان حضرات نے فجر کے بعد وتر بطور ادا پڑھے یا بطورِ قضا؟ لہذا اس سے کوئی استدلال اس امر پر نہیں ہوسکتا کہ فجر کے بعد بھی وتر کا وقت ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ان حضرات نے کسی عذر سے ایسا کیا ہوگا۔ جیسا ابن عباسؓ نے بھی عذر سے کیا تھا۔

۲۸۱- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: مَا أُبَالِي لَوْ أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ، وَأَنَا أُوتِرُ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ اگر نمازِ صبح کھڑی ہو جائے اور میں وتر پڑھ رہا ہوں۔

شرح: اس اثر سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعودؓ وتر کی نماز کو واجب سمجھتے تھے۔ ورنہ اگر ان کے نزدیک یہ محض ایک نفلی نماز ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ اقامتِ صلوٰۃ صبح کے بعد بھی وتر پڑھتے رہنے میں کوئی حرج نہیں جانتا۔ مالکی فقہ کی کتاب الشرح الکبیر میں ہے کہ آدمی اگر منفرد ہو تو یہ یاد آنے پر کہ اس کے ذمہ وتر ہیں۔ اس کا نماز توڑ دینا مندوب ہے۔ مقتدی کے لئے یہ جائز ہے (یعنی نماز توڑ دینا) اور امام کے متعلق دو روایات ہیں۔ حیرت ہے کہ ان حضرات نے اس کے باوجود وتر کو واجب کیوں نہیں کہا؟

۲۸۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ يَؤُمُّ قَوْمًا فَخَرَجَ يَوْمًا إِلَى الصُّبْحِ، فَأَقَامَ الْمُؤَذِّنُ صَلَاةَ الصُّبْحِ، فَأَسْكَتَهُ عُبَادَةُ حَتَّى أَوْتَرَ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمُ الصُّبْحَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید انصاری نے کہا کہ عبادہ بن الصامتؓ ایک قوم کے امام تھے۔ ایک دن وہ نماز فجر پڑھانے گئے۔ موذن نے نماز فجر کی اقامت کہی تو عبادہؓ نے اسے خاموش کر دیا۔ حتیٰ کہ پہلے وتر پڑھے پھر انہیں صبح کی نماز پڑھائی۔ (موطا امام محمدؒ میں یہ اثر باب تاخیر الوتر میں آیا ہے۔)

شرح: نمازِ وتر اور فجر میں ترتیب قائم رکھنا وتر کے وجوب کی علامت ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جو شخص وتر کو بھول گیا یا سویا رہا اور نہ پڑھ سکا تو جب یاد آئے یا بیدار ہو تو وتر پڑھ لے۔ ظاہر ہے کہ سنن و نوافل کا یہ حکم نہیں پس اُن سب سے موکد تر نماز ثابت ہوئی۔

۲۸۳- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ يَقُولُ: إِنِّي لَأُوتِرُ وَأَنَا أَسْمَعُ الْإِقَامَةَ، أَوْ بَعْدَ الْفَجْرِ، يَشُكُّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ أَيَّ

ذٰلِکَ قَالَ۔)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن القاسم نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ کو کہتے سُنا کہ میں وتر پڑھ رہا ہوں اور اقامت سُنتا ہوں یا یہ کہا کہ فجر کے بعد پڑھتا ہوں۔ عبدالرحمٰن کو شک ہے کہ عبداللہ نے کون سی بات کہی تھی۔ (اس اثر سے بھی وتر کی تاکید و شدت تو معلوم ہوتی ہے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ عبداللہ بن عامرؓ جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وقت کے بعد جب پڑھتے ہوں گے تو بطور قضا ہی پڑھتے ہوں گے۔ اور یہ علامت ہے وتر کے وجوب کی۔)

۲۸۴۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، يَقُولُ: إِنِّي لَأُوتِرُ بَعْدَ الْفَجْرِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا يُوتِرُ بَعْدَ الْفَجْرِ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ۔ وَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَتَعَمَّدَ ذٰلِكَ، حَتّٰى يَضَعَ وِتْرَهُ بَعْدَ الْفَجْرِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن ابن القاسم نے اپنے باپ القاسم بن محمدؒ کو کہتے سُنا کہ میں فجر کے بعد (بھی) وتر پڑھتا ہوں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ فجر کے بعد وہی وتر پڑھے گا جو وتر نیند کے سبب نہ پڑھ سکا ہو۔ اور کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کرے تاکہ فجر کے بعد وتر پڑھے۔

شرح: القاسم بن محمد کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جان بوجھ کر ہر روز نمازِ وتر کو فجر کے بعد پڑھتے تھے۔ اس کا فیصلہ خود امام مالکؒ نے کر دیا ہے اور اس باب میں ان کی عبارت واضح اور صریح ہے۔ وتر کی قضا میں ائمہ کے اقوال تین قسم کے ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک چونکہ وتر کا اختیاری (مختار) وقت طلوع فجر تک اور وقتِ ضروری (بوقتِ ضرورت) نمازِ صبح تک ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں وتر کی قضا نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ نے کہا کہ اس کی قضا سنت ہے اور حنفی ائمہؒ اور ثوریؒ نے کہا کہ اس کی قضا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ جمہور اس کی قضا کے قائل ہیں۔ اور یہی وتر کے وجوب کی علامت ہے ورنہ سُنن و نوافل کی تو قضا نہیں ہوتی۔ القاسم بن محمدؒ کا اثر مؤطائے محمد میں بھی مروی ہے۔

۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

فجر کی دو رکعتوں کا باب

۲۸۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ حَفْصَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ، إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ عَنِ الْأَذَانِ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلٰوةُ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے (اپنے بھائی) عبداللہ بن عمرؓ کو بتایا کہ جب مؤذن صبح کی اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کی اقامت سے پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (ذرا سے لفظی اختلاف

کے ساتھ یہ حدیث امام محمدؒ نے موطا کے باب فَضْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ الخ میں روایت کی ہے۔)

شرح: شوکانی نے کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک فجر کی دو رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ مگر حسن بصری نے اسے واجب کہا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں ورنہ حضورؐ کا دو رکعت سُنت پڑھنا قبل از وقت لازم آئے گا۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ اسے قبل از وقت پڑھنا جائز ہے۔ رمضان میں تہجد اور سحری کے لئے اذان ہوتی تھی مگر وہ اذان نماز فجر کی نہ تھی۔ نماز فجر کے لئے اس کے بعد الگ اذان ہوتی تھی۔ ان دو رکعتوں کا ذکر صحاح کی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ لیلۃ التعریس میں جب حضورؐ کی نماز فجر مع سارے لشکر کے فوت ہوئی تو آپؐ نے فرائض کے ساتھ سُنت کو قضا پڑھا تھا۔ اس سے ان دو رکعات کی تاکید ثابت ہوئی۔ بعض قولی احادیث میں ان کی بہت تاکید و ترغیب آئی ہے۔ اس لئے حسنؒ نے انہیں واجب کہا ہے۔ فرعی مسائل کی بحث میں حنفیہ پر دشنام طرازی کرنے والے حسن بصریؒ پر بھی کوئی فتویٰ صادر کریں۔

۲۰۶۔ وَحَدَّثَنِیْ مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيُخَفِّفُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، حَتّٰى اِنِّيْ لَاَقُوْلُ: اَقَرَاَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ اَمْ لَا؟

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سنت کو اتنا ہلکا پڑھتے تھے کہ میں دل میں کہا کرتی، آیا حضورؐ نے ان میں سورہ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ (یعنی عموماً ہلکی قرأت فرماتے تھے۔)

شرح: ان رکعات کو خفیف پڑھنا ہی مسنون ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں حضرت حفصہؓ کی حدیث پر جو نوٹ لکھا ہے۔ اس میں کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے کہ ان دو رکعتوں کو ہلکا پڑھا جائے۔ جناب عائشہ صدیقہؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ نوافل میں حضورؐ کی قرأت طویل ہوتی تھی مگر ان سنتوں میں خلاف معمول بہت ہلکی قرأت فرماتے تھے۔ طحاویؒ نے کہا ہے کہ بعض لوگ اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ فجر کی سنت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور بعض نے کہا ہے کہ ان میں اصلاً قرأت نہ کی جائے۔ مگر دلائل حدیث سے یہ دونوں باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ احادیث میں حضورؐ کا ان رکعات میں سورۃ الکافرون اور الاخلاص پڑھنا آچکا ہے۔ تخفیف سے مراد عدم قرأت یا صرف الفاتحہ کی قرأت ہرگز نہیں ہے۔ ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی احادیث میں صراحت آئی ہے کہ حضورؐ نے ان رکعات میں قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الخ اور رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ الخ کی قرأت فرمائی تھی۔ بعض احادیث میں سنتِ فجر میں حضورؐ سے کچھ طویل قرأت بھی ثابت ہوئی ہے۔

۲۰۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ نَمِرٍ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَالَ: سَمِعَ قَوْمٌ الْاِقَامَةَ، فَقَامُوْا يُصَلُّوْنَ۔ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "اَصَلَاتَانِ مَعًا؟ اَصَلَاتَانِ مَعًا؟" وَذٰلِكَ فِيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، فِي الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں نے اقامت سُنی تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی؟ کیا دو نمازیں اکٹھی؟ اور یہ قصہ نماز فجر کی پہلی دو رکعتوں کا تھا۔

شرح: یہ روایت بے شک مُرسل ہے مگر اس کا مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ اور احادیث میں موجود ہے۔ حدیث کے

الفاظ پر غور کیا جائے تو بالکل ظاہر و واضح ہے کہ نماز کی اقامت ہوتے ہی کچھ لوگ انہی صفوں میں بجائے فرضوں کے سنت پڑھنے لگ گئے، پس اس حدیث کی ممانعت اس صورتِ احوال سے تھی۔ اس حدیث کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے جس کی حنفیہ نے گنجائش رکھی ہے کہ (۱) اگر صفوں کی مخالطت نہ ہو بلکہ سنت پڑھنے والا کہیں باہر کھڑا ہے جہاں امام کی آواز نہ آئے اور (۲) اسے نماز میں شامل ہو جانے کا یقین ہو۔ تو وہ فجر کی سنت پڑھ سکتا ہے۔ اوپر حسن بصریؒ کا مذہب گزرا ہے کہ ان کے نزدیک یہ سنت واجب ہے۔ آخر میں جو فقرہ ہے کہ وَذٰلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ، یہ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی راوی مؤطا کا مُدرج کلام ہے۔

جو لوگ حیلے بہانے سے ائمہ مجتہدین پر اعتراض کے عادی اور شوقین ہیں وہ تو لائقِ خطاب نہیں۔ صرف مسئلہ کی تحقیق کے لئے گزارش ہے کہ امام ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ جس شخص نے فجر کی سنت نہ پڑھی ہو اور وہ امام کو نماز میں پائے یا وہ مسجد میں داخل ہو کر انہیں پڑھنا چاہے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہے تو وہ امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائے اور ان رکعات کو مسجد میں نہ پڑھے۔ اگر وہ مسجد میں داخل نہیں ہوا اور اسے یہ خوف نہیں کہ اس کی سنت میں مشغولیت کے باعث ایک رکعت با جماعت فوت ہو جائے گی تو وہ یہ سنت مسجد سے باہر پڑھ لے۔ لیکن اگر ایک رکعت با جماعت فوت ہونے کا خطرہ ہو تو یہ سنت نہ پڑھے۔ بلکہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور اس کے بعد وہ ان دو رکعتوں کو طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے۔ اس مسئلہ میں ابو حنیفہؒ نے مالکؒ کی موافقت کی ہے لیکن اتنا اختلاف کیا ہے کہ اگر اسے خیال ہو کہ وہ امام کے ساتھ ایک رکعت پالے گا تو بھی مسجد سے باہر سنت ادا کرے۔ اور شافعیؒ نے کہا ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے بعد مسجد کے باہر یا اندر یہ دو رکعت نہ پڑھی جائیں اور ان کے اختلاف کا باعث اس حدیث کے مطلب میں اختلاف ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض کے سوا کوئی اور نماز نہیں۔ پس جس نے اس حدیث کے عموم کو لیا، اس نے داخلِ مسجد یا خارج مسجد دو رکعت پڑھنے کو جائز نہ رکھا اور جس نے اسے اس کو مسجد تک محدود رکھا، اس نے مسجد سے باہر سنت کی ادائیگی کو جائز قرار دیا۔

بظاہر اس حدیث سے یہی مراد ہے کہ جس جگہ پر نماز قائم ہوتی ہے وہاں کوئی اور نماز نہ ہو۔ یہ مطلب لیا جانا محال ہے کہ جب مثلاً ایک شہر کی مسجد میں نماز کھڑی ہو جائے تو سارے شہر میں کوئی اور نماز جائز نہیں رہتی۔ یا یہ کہ ایک جگہ نماز کے کھڑا ہو جانے سے دنیا بھر میں اور نماز یا کام کاج ناجائز ہو جاتا ہے۔ اور اوپر ابن رشد کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ مالکی مذہب اس مسئلہ میں حنفیہ سے ملتا جلتا ہے۔ صرف ایک جزئیے میں باہم اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ اس مسئلے میں باہم مختلف ہونے کے باوجود اس امر پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے اقامتِ صلوٰۃ کے بعد سنت نماز پڑھی تو وہ صحیح ہو جائے گی۔ ظاہریہ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ وہ نماز خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔ اسے توڑنے یا باطل کرنے کی نیت یا عمل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث میں اقامتِ صلوٰۃ کے بعد وہاں پر کسی اور نماز کے نہ ہونے کی جو علت بتائی ہے وہ امام کے ساتھ اختلاط و اختلاف کا مسئلہ ہے، مرفوع احادیث کے سب الفاظ اسی پہ دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً کیا بیک وقت دو نمازیں؟ کیا فجر کی نماز چار رکعات ہے؟ پس اگر یہ علت نہ رہے تو سنت کی ادائیگی میں حرج نہ ہوگا۔ اور طحاویؒ میں مروی ابن عمرؓ، ابو الدرداءؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، حسن بصریؒ کے آثار حنفیہ کے مؤید ہیں۔ مفتیانِ جدید کو کوئی فتویٰ ان بزرگوں پر بھی عائد کرنا چاہیئے۔ مصنف عبد الرزاق میں بھی کئی سلف کا عمل اسی کا مُؤید ہے مثلاً ابراہیم نخعی۔ اور پھر ابو حنیفہؒ کے ساتھ مالکؒ کو بھی (معاذ اللہ) طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا چاہیئے۔

۲۸۸ - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ فَاتَتْهُ رَكْعَتَا الْفَجْرِ، فَقَضَاهُمَا

بَعْدَ اَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کی فجر کی دو رکعت فوت ہوگئیں تو انہوں نے طلوعِ آفتاب کے بعد انہیں قضا کیا۔

شرح: کیونکہ احادیث میں اس وقت فجر کے سوا کسی اور نماز کی ممانعت آئی ہے۔ اور سنت جب فوت ہوگئی تو اب اس کی حیثیت نفل کی رہ گئی۔

۲۸۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، اَنَّهٗ صَنَعَ مِثْلَ الَّذِیْ صَنَعَ ابْنُ عُمَرَ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی ابن عمرؓ کی طرح کیا کہ سنت کو طلوعِ آفتاب کے بعد قضا کیا۔ حنفیہ اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے اور امام شافعیؒ جماعت ختم ہونے کے بعد سنت پڑھ لینے کی اجازت کے قائل ہیں۔ اور ان کا استدلال عمر بن قیس کی ایک حدیث سے ہے۔ حنفی فقہا میں سے بقول حافظ عینی محمد بن الحسن اس کے قائل ہیں کہ فوت شدہ سنت فجر کو طلوعِ آفتاب کے بعد قضا کیا جائے (جیسا کہ مالکیہ کا مسلک ہے)۔ مگر ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک انہیں قضا نہ کیا جائے۔ تفصیل اس مسئلہ کی آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۸۔ کِتَابُ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

۱۔ بَابُ فَضْلِ الْجَمَاعَةِ عَلٰی صَلٰوةِ الْفَذِّ

نماز باجماعت کا منفرد کی نماز سے افضل ہونا

جماعت کی نماز کی فضیلت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ آیا وہ فرض ہے یا سنت؟ اسلامی عبادات میں اجتماعیت کی شان پائی جاتی ہے۔ جماعت، جمعہ، عیدین اور حج میں دیگر شرعی مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ ہے۔ نماز باجماعت مکہ میں شبِ معراج کے بعد شروع ہوئی تھی۔ جبکہ جبرائیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پنجگانہ پڑھائی تھی۔ لیکن اس کا اظہار مدینہ منورہ میں ہوا۔ سبب یہ تھا کہ مشرک مکہ میں علی الاعلان باجماعت نماز میں حائل ہوتے تھے۔ شور مچاتے تھے سیٹیاں بجاتے تھے صحابہ کو تعذیب دیتے تھے اور مسلمانوں کو ابھی دفاع میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ مزید بحث آگے دیکھئے۔

۲۹۰۔ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ دَرَجَةً"

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز باجماعت اکیلے شخص کی نماز پر ۲۷ گنا فضیلت رکھتی ہے۔

شرح: ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کے عام راوی ۲۵ گنا فضیلت کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر ابن عمرؓ نے ۲۷ گنا کی روایت کی ہے۔ قاضی

ابوالولید الباجی نے کہا کہ اس حدیث کی رُو سے منفرد کی نماز کا ایک درجہ ہے اور مقتدی کی نماز اس پر ۲۷ درجے زائد فضیلت رکھتی ہے، تو گویا اس کی نماز کا اجر ۲۸ گنا ہو گیا۔ بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آدمی کی نماز باجماعت اس کی گھر والی یا بازار میں پڑھی ہوئی نماز پر ۲۵ درجے فضیلت رکھتی ہے۔ دونوں احادیث کے مختلف اعداد پر گفتگو آگے ہے۔

۲۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ، وَحْدَهُ، بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جماعت کی نماز تم میں سے کسی کی اکیلی نماز پر ۲۵ گنا افضل ہے۔

شرح: باجماعت نماز کی فضیلت میں بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ سے (بخاری) ابن مسعودؓ سے (ابن خزیمہ و مسند احمد) اُبی بن کعبؓ سے (ابن ماجہ و حاکم) عائشہ صدیقہؓ و انسؓ (السراج) معاذؓ، صہیبؓ، عبداللہ بن زیدؓ۔ زید بن ثابتؓ سے (ضعیف طرق طبرانی) ۲۵ گنا کی روایت آئی ہے۔ صرف اُبیؓ کی روایت میں شک کے ساتھ ۲۴ یا ۲۵ گنا کا لفظ ہے۔ اور ابوہریرہؓ کی روایت میں (مسند احمد) ۲۷ گنا کا لفظ ہے۔ پس شک کو چھوڑ دیں تو صرف دو عدد رہ جاتے ہیں ۲۵ اور ۲۷۔

ان دو عددوں کی توجیہہ میں اختلاف ہے۔ بعض شُراح نے ترجیح کا قاعدہ اختیار کیا ہے اور کثرت طرق و رواۃ کی بنا پر ۲۵ کو ترجیح دی (ترمذی) اور بعض نے کہا کہ حافظ و عادل راوی کا اضافہ مقبول ہے۔ لہٰذا ۲۷ کے عدد کو ترجیح ہے۔ بعض علماء نے انہیں جمع کرنے کا قاعدہ اختیار کیا اور کہا کہ (۱) عدد قلیل عدد کثیر کے ذکر کی نفی نہیں کرتا۔ لہٰذا ۲۷ کا عدد مانا جائے گا۔ (۲) بعض نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ۲۵ کا عدد فرمایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے فضیلت میں ۲۷ تک کا اضافہ فرما دیا (۳) ۲۷ کی روایت میں درجہ کا ذکر ہے اور ۲۵ کی روایت میں جُز کا۔ درجہ جُز سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ۲۵ کی روایت میں بھی درجہ کا لفظ وارد ہے۔ (۴) یہ بھی کہا گیا کہ جز دنیا میں ہے اور درجہ آخرت میں ہو گا (۴) یہ فرق مسجد کے قرب اور بُعد پر مبنی ہے۔ (۵) یہ فرق مسجد کے اندر اور باہر کی جماعتوں کے اعتبار سے ہے (۶) یہ فرق نمازی کے علم و خشوع کی کمی بیشی پر مبنی ہے۔ (۷) یہ فرق جماعت کے انتظار یا عدم انتظار کے باعث ہوتا ہے (۸) یہ فرق پوری جماعت کے ملنے یا بعض کے ملنے پر مبنی ہے (۹) یہ فرق کثرت جماعت اور قلتِ جماعت کے باعث ہوتا ہے (۱۰) ۲۷ کا عدد فجر و عصر کی نمازوں کے لئے ہے جن کی فضیلت فرشتوں کی آمد و رفت کے باعث بڑھ جاتی ہے (۱۱) ۲۷ کا عدد جہری نمازوں کے لئے ہے اور ۲۵ کا سرّی نمازوں کے لئے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ وجہ میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ خاص طور پر ۲۷ یا ۲۵ کا عدد ہی کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز علوم نبوت کے ساتھ مخصوص ہے اور حس و تجربہ سے اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ پس غیبی امور میں معاملہ رسولؐ ہی کے سپرد کرنا پڑتا ہے۔ جو صادق و مصدوق ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۹۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ، ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنَ لَھَا، ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ، فَاُحَرِّقَ عَلَیْھِمْ بُیُوْتَھُمْ. وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ! لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُھُمْ اَنَّہٗ یَجِدُ عَظْمًا سَمِیْنًا، اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَھِدَ الْعِشَاءَ"

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کیا تھا کہ ایندھن لانے کا حکم دوں۔ جب وہ لایا جائے تو پھر نماز کا حکم دوں اور اس کی اذان دی جائے۔ پھر میں ایک شخص کو حکم دوں اور وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور خود کچھ لوگوں کی طرف جاؤں (جو نماز میں نہ آتے ہوں) پس ان پر اُن کے گھر جلا دوں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان میں سے کسی کو ایک موٹی ہڈی ملنے کی اُمید ہو یا دو کھریوں کے درمیان کا گوشت پالے جو کھریاں اچھی ہوں تو وہ عشا کی نماز میں حاضر ہو جایا کرے۔

شرح: مسند احمد کی روایت میں ہے کہ "گھروں کو جلانا اس لئے نہیں کہ ان میں عورتیں اور بچے ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وعید مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ عورتوں پر جماعت کی حاضری فرض نہیں اور بچے مُکلّف ہی نہیں۔ اس حدیث سے مالکی حضرات نے مالی سزاؤں کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر عقوباتِ مالیہ پہلے جائز تھیں، بعد میں منسوخ ہو گئی تھیں۔ یہ جن لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے وہ منافق تھے۔ صحابہ جماعت میں نہ آنے والوں، بالخصوص فجر اور عشا کی نمازوں سے غیر حاضر رہنے والوں کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ صرف وہی منافق ہوتے تھے جن کا نفاق واضح ہو چکا تھا۔ یہ وعید بطورِ تہدید وارد ہوئی ہے اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا کفار و مشرکین کو آگ سے جلانا جائز ہے یا نہیں؟ دلائل شرع سے جلانے کا عدمِ جواز معلوم ہوتا ہے۔ گو حافظ عینیؒ نے جمہور کا مسلک جواز کا لکھا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اگر کفار پر غلبہ سوائے جلانے کے کسی اور صورت میں ممکن نہ ہو تو جلانا جائز ہے۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ جدید طریقۂ جنگ میں تو شاید اس سے اجتناب ہو ہی نہ سکے۔

اب یہ معرکۃ الآرا مسئلہ بھی زیرِ بحث لانا ضروری ہے کہ نماز میں جماعت کی حیثیت کیا ہے؟ آیا وہ فرض ہے یا سنت مؤکدہ؟ فرض ہے تو آیا فرض عین ہے یا علی الکفایہ؟ داؤد ظاہریؒ کے علاوہ عطاؒ، اوزاعیؒ، احمدؒ، ابوثورؒ، ابن خزیمہؒ اور ابن المنذر کے نزدیک جماعت کی نماز فرضِ عین ہے۔ داؤدؒ نے تو یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ صحتِ صلوٰۃ کی شرط قرار دیا ہے۔ احمدؒ نے اسے واجب کہا ہے مگر شرطِ صحت نہیں ٹھیرایا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے اور متقدمین شافعیہ میں سے جمہور کا مسلک یہی ہے۔ بہت سے حنفیہ اور مالکیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور باقی لوگ کہتے ہیں کہ جماعت سُنّت مؤکدہ ہے۔ حنفیہ کی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ آزاد بالغ مسلم مردوں پر جماعت سنّتِ مؤکدہ ہے۔ بعض نے اسے واجب کہا مگر جمعہ کی صحت کے لئے جماعت شرط ہے۔

۲۹۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِی النَّضْرِ، مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَیْدِ اللہِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ صَلَاتُکُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ. اِلَّا الصَّلٰوۃَ الْمَکْتُوْبَۃَ.

ترجمہ: زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ فرض نماز کے سوا تمہاری افضل نماز وہ ہے جو گھروں میں ہو۔

شرح: فرض کے معنوں میں وہ نفل نمازیں داخل ہیں، جنہیں شرع نے شعارِ دین ٹھیرایا ہے مثلاً عید وغیرہ۔ زرقانی نے کہا ہے کہ بظاہر تو گھر پڑھنے کے حکم میں سب نفل داخل ہیں۔ مگر جن نمازوں کے لئے اجتماع شروع ہوا ہے، وہ نوافل سے نکل کر طلب

اس باب میں فرائض کے حکم میں آجاتی ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ التراویح اور صلوٰۃ العیدین۔ حدیث زیر نظر میں فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد کے رواتب و نوافل سب داخل ہیں اور ان کا گھر پر ادا کرنا ہی افضل ہے۔

۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ

عشا اور صبح کی نمازوں کا باب

۲۹۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُنَافِقِينَ شُهُودُ الْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ. لَا يَسْتَطِيعُونَهُمَا" أَوْ نَحْوَ هٰذَا۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہمارے اور منافقوں کے درمیان نماز عشا اور صبح میں حاضر ہونے کا فرق ہے۔ منافق ان کی طاقت نہیں رکھتے، یا اسی قسم کی کوئی اور بات فرمائی۔

شرح: بخاری اور مسلم نے ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ منافقوں پر فجر اور عشا کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بوجھل نہیں ہے۔ نماز عشا کو صحرائی بدو عتمہ کہتے تھے جس کا معنیٰ ظلمت اور تاخیر ہے۔ یہ نماز چونکہ کافی اندھیرا ہو جانے پر پڑھی جاتی ہے لہٰذا اسے عتمہ کہا گیا۔ اُدھر بدو اس وقت کو عتمہ کہتے تھے کیونکہ اس وقت وہ اُونٹوں کو باڑے میں لا کر ان کا دودھ دوہتے تھے اور اس وقت کو عتمہ کہا جاتا تھا۔ اسی بنا پر انہوں نے عشا کو عتمہ کہا اور حدیث میں اس نام کی ممانعت بھی آئی ہے۔

حدیث زیر نظر مرسل ہے۔ علما نے مرسلات سعید بن المسیبؒ کو مستند قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ مؤطا میں یہ حدیث مرسل ہے۔ اور سنداً کہیں بھی محفوظ نہیں۔ ہاں اس کا معنیٰ بہت سی احادیث و آثار سے ثابت ہے۔

۲۹۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ، فَأَخَّرَهُ. فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ." وَقَالَ: "الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: الْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ، وَالْغَرِقُ، وَصَاحِبُ الْهَدْمِ، وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس دوران میں کہ ایک مرد ایک راستے میں پیدل جا رہا تھا۔ اس نے ایک کانٹے دار شاخ راستے میں دیکھی تو اسے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا عمل قبول فرمایا اور اسے بخش دیا۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ شہید کی پانچ اقسام ہیں، طاعون والا، پیٹ والا، ڈوبنے والا، مکان یا دیوار وغیرہ کے نیچے کچلا جانے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی بَابُ مَا يَكُونُ مِنَ الْمَوْتِ شَهَادَةً کے اندر مروی ہے۔)

شرح: مؤطائے امام محمدؒ کے مذکورہ باب کی پہلی حدیث میں شہادت فی سبیل اللہ کے سوا شہادت کی سات اقسام مذکور ہیں (۱) طاعون سے مرنے والا شہید ہے (۲) غرق ہونے والا شہید ہے (۳) نمونیے سے مرنے والا شہید ہے (۴) پیٹ والا شہید ہے (۵) چھت وغیرہ

کے نیچے کچلا جانے والا شہید ہے (۶) ولادت کے باعث مرنے والی عورت شہید ہے (۷) ہیضے والا شہید ہے۔ زیر نظر حدیث کی موطائے محمد کی روایت میں اس حدیث کے الفاظ میں کافی اضافہ ہے۔ فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اذان میں اور پہلی صف میں کیا فضیلت ہے اور پھر وہ ان پر قرعہ اندازی کے سوا کوئی چارہ نہ پائیں تو قرعہ اندازی کریں۔ اور اگر انہیں معلوم ہو کہ اول وقت مسنون میں کیا فضیلت ہے تو اس کی طرف سبقت لے جائیں اور اگر انہیں معلوم ہو کہ عشا اور صبح میں کیا فضیلت ہے تو ان میں شامل ہونے کے لئے گھٹنوں پر چل کر بھی آ جائیں۔ بخاری میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں۔ موطائے مالک کی حدیث میں چونکہ اختصار ہے لہٰذا اس کا تعلق عنوانِ باب سے نظر نہیں آتا۔ مگر پوری حدیث میں عشا اور صبح کی نمازوں کی فضیلت موجود ہے۔

یہ پانچ یا سات آٹھ شہدا جو مذکور ہوئے ہیں ان میں سے غسل وکفن اور نماز جنازہ کے خصوصی احکام کا تعلق صرف شہید فی سبیل اللہ کے ساتھ ہے۔ باقی شہدا صرف احکام آخرت کے اعتبار سے شہید ہیں۔ یعنی انہیں درجے کا اجر وثواب شہادت حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی موت دردناک اور فوری ہوتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں کے ہاتھوں سے بحالتِ مظلومی مارا جانے والا بھی شہید ہے۔ بشرطیکہ اس کی موت کے باعث دیت واجب نہ ہو۔ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اپنی جان ومال کی حفاظت میں مارا جانے بھی شہید ہے۔ غالباً حنفیہ نے اسی سے استدلال کر کے مظلوم مقتول کو شہید ٹھیرایا ہے۔

۲۹۶ (الف) وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ. وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَدَا إِلَى السُّوقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ السُّوقِ وَالْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ. فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ، أُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا: لَمْ أَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّي. فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ. فَقَالَ عُمَرُ: لَأَنْ أَشْهَدَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فِي الْجَمَاعَةِ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقُومَ لَيْلَةً.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلیمان بن ابی حثمہ کو نماز صبح میں مفقود پایا۔ پھر حضرت عمرؓ بن الخطاب بازار کی طرف گئے اور سلیمان کا گھر بازار اور مسجد نبویؐ کے درمیان واقع تھا۔ حضرت عمرؓ کا گزر شفا اُم سلیمانؓ پر ہوا اور انہوں نے اس سے سلیمان کے صبح کی نماز میں موجود نہ ہونے کا سبب پوچھا۔ شفا نے کہا کہ وہ رات بھر نماز پڑھتا رہا۔ لہٰذا اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو صبح کی نماز باجماعت پڑھنا رات بھر نفل نماز پڑھنے سے محبوب تر ہے۔

شرح: شفا بنت عبداللہ بن عبد شمس قرشیہ صحابیہ تھیں۔ مہاجرات اول میں سے تھیں بڑی عاقل وفرزانہ منتظم اور صاحب الرائے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں جاتے اور بعض دفعہ دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دفعہ منڈی کے بعض انتظامی اُمور ان کے سپرد کئے تھے اور ان کی رائے لیا کرتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں معمر کی روایت سے اس قصے میں مذکور ہے کہ سلیمانؓ اور ان اور ان کے والد ابو حثمہ دونوں سوئے ہوئے تھے اور جناب عمرؓ کے سوال پر شفاؓ نے جواب دیا تھا کہ یہ رات بھر نماز پڑھتے رہے ہیں پھر حضرت عمرؓ کا وہ قول مذکور ہے جو حدیث زیر نظر میں ہے۔ شاید یہ دوسرا واقعہ ہوگا۔

۲۹۶ (ب) وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

ابنِ اَبِی عَمْرَۃَ الْاَنْصَارِیِّ، اَنَّہٗ قَالَ: جَاءَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ اِلٰی صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ، فَرَاٰی اَھْلَ الْمَسْجِدِ قَلِیْلًا، فَاضْطَجَعَ فِیْ مُؤَخَّرِ الْمَسْجِدِ، یَنْتَظِرُ النَّاسَ اَنْ یَکْثُرُوْا۔ فَاَتَاہُ ابْنُ اَبِیْ عَمْرَۃَ، فَجَلَسَ اِلَیْہِ، فَسَاَلَہٗ مَنْ ھُوَ؟ فَاَخْبَرَہٗ۔ فَقَالَ: مَا مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ؟ فَاَخْبَرَہٗ۔ فَقَالَ لَہٗ عُثْمَانُ: مَنْ شَھِدَ الْعِشَاءَ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ لَیْلَۃٍ۔ وَمَنْ شَھِدَ الصُّبْحَ فَکَاَنَّمَا قَامَ لَیْلَۃً۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفانؓ نماز عشا کے لئے تشریف لائے اور دیکھا کہ ابھی مسجد میں لوگوں کی تعداد کم ہے تو آپ مسجد کے پچھلے حصے میں لیٹ گئے تاکہ لوگوں کی کثرت کا انتظار کریں۔ پھر ابن ابی عمرہ ان کے پاس آیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا نام پتہ پوچھا تو اس نے بتایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے یہ بھی بتایا۔ پس حضرت عثمانؓ نے اسے فرمایا، جو عشا میں حاضر ہوا تو گویا اس نے نصف شب نماز پڑھی اور صبح میں حاضر ہوا تو اس نے گویا ساری رات نماز پڑھی۔

شرح: بخاری و مسلم وغیرہما کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل مروی ہے۔ حدیث زیر نظر ترمذی میں مرفوعاً بھی مروی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کا مفاد صراحۃً یہ ہے کہ عشا کی نماز با جماعت پڑھنے سے نصف رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے اور صبح کی نماز با جماعت پڑھنے سے باقی نصف رات کا۔ گویا اس طرح کامل رات بن جاتی ہے۔ حدیث زیر بحث اور مسلم کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عشا کا نصف رات اور صبح کا کامل رات کا اجر ملتا ہے۔ کیونکہ صبح کو اٹھنا اور طہارت و نظافت کے بعد با جماعت نماز پڑھنا نفس پر شاق گزرتا ہے۔ اس تشبیہ سے مراد محض مقدار اجر و ثواب کا بیان ہے۔ کیونکہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں پوری مطابقت ضروری نہیں۔ صرف بعض چیزوں میں مشابہت ہوتی ہے۔

۳۔ بَابُ اِعَادَۃِ الصَّلٰوۃِ مَعَ الْاِمَامِ

تنہا پڑھی ہوئی نماز کا امام کے ساتھ اعادہ کرنا

۲۹۷۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِی الدِّیْلِ، یُقَالُ لَہٗ بُسْرُ بْنُ مِحْجَنٍ، عَنْ اَبِیْہِ مِحْجَنٍ، اَنَّہٗ کَانَ فِیْ مَجْلِسٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلٰوۃِ۔ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی۔ ثُمَّ رَجَعَ، وَمِحْجَنٌ فِیْ مَجْلِسِہٖ لَمْ یُصَلِّ مَعَہٗ۔ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "مَا مَنَعَکَ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ النَّاسِ؟ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُسْلِمٍ؟" فَقَالَ: بَلٰی۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ وَلٰکِنِّیْ قَدْ صَلَّیْتُ فِیْ اَھْلِیْ۔ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِذَا جِئْتَ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ، وَاِنْ کُنْتَ قَدْ صَلَّیْتَ۔"

ترجمہ: محجنؓ (ابن ابی محجن) سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھا کہ نماز کی اذان ہوئی۔ پس رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر نماز پڑھی، پھر واپس تشریف لائے تو محجن رضی اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضورؐ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھ کو کس چیز نے روکا؟ کیا تو مرد مسلم نہیں ہے؟ اس نے کہا، کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ جب تو آئے تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ، گو تو پہلے پڑھ چکا ہو۔ (امام محمدؒ نے اس حدیث کو بابُ الرَّجُلِ یُصَلِّی الْمَکْتُوبَۃَ فِی بَیْتِہٖ اِ... میں روایت کیا)

شرح: ایک دفعہ فرض پڑھ چکنے کے بعد اب جو دوسری نماز ہوگی وہ ظاہر ہے کہ نفل ہی ہوگی۔ دیگر صحیح احادیث کی بنا پر فجر اور عصر کے بعد نفل مکروہ ہے اور مغرب کی تین رکعات ہیں، جب کہ نفل تین نہیں ہوتے۔ پس ظہر اور عشا کی نمازیں باقی رہ گئیں جن کا یہ حکم ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں اس حدیث کو درج کر کے ابن عمرؓ کا اثر روایت کیا ہے۔ جس میں مغرب اور فجر کی نماز کو دُہرانے کی ممانعت ہے۔ اور پھر کہا ہے کہ ہم اس پر عصر کا اضافہ کرتے ہیں۔ کیونکہ نفل کی اس کے بعد ممانعت ہے۔ حدیث زیر نظر میں جو واقعہ بیان ہوا ہے بہ بقول حافظ ابن حجرؒ (اصابہ) ظہر کی نماز کا تھا۔ اگر کوئی عصر کی نماز ہونے پر اصرار کرے تو ہم کہیں گے کہ جن روایات میں فجر و عصر کے بعد نفل کی ممانعت آئی ہے وہ مُحرِّم ہیں۔ جن کو ترجیح حاصل ہے۔

٢٩٨- وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ، فَقَالَ: اِنِّی اُصَلِّی فِی بَیْتِی، ثُمَّ اُدْرِكُ الصَّلٰوۃَ مَعَ الْاِمَامِ، اَفَاُصَلِّی مَعَہٗ؟ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ: نَعَمْ۔ فَقَالَ الرَّجُلُ: اَیَّتَھُمَا اَجْعَلُ صَلٰوتِی؟ فَقَالَ لَہُ ابْنُ عُمَرَ۔ اَوَ ذٰلِكَ اِلَیْكَ؟ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَی اللّٰہِ یَجْعَلُ اَیَّتَھُمَا شَاءَ۔

ترجمہ: ایک آدمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں اور پھر وہی نماز امام کے ساتھ پاؤں تو کیا اس کے ساتھ پڑھ لوں؟ عبداللہ بن عمرؓ نے ہاں میں جواب دیا۔ اس شخص نے کہا کہ ان میں سے میں کس کو فرض نماز قرار دوں؟ ابن عمرؓ نے کہا کیا یہ تیرا کام ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ جسے چاہے فریضہ بنا دے۔

شرح: عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ تیرے ٹھہرانے یا نہ ٹھہرانے سے کیا ہوگا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ پہلی نماز کو بہ نیتِ فرض پڑھ چکا تو وہی فریضہ سمجھی جائے گی۔ اب وہ اگر دوسری کو خواہ مخواہ فریضہ بنانے لگے درحالانکہ اس وقت اس کے ذمے فرض تھا ہی نہیں، تو اس کے بنانے سے کیا ہوتا ہے؟ جمہور فقہا پہلی کو فریضہ اور دوسری کو نفل کہتے ہیں۔ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیؒ کا قولِ جدید یہی ہے۔ مسند احمد میں ابن عمرؓ سے یہی مروی ہے کہ سوال ظہر کے بارے میں تھا اور انہوں نے پہلی کو فریضہ قرار دیا تھا۔ مسلم میں ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے ظالم (وقت سے مؤخر کر کے نماز پڑھنے والے) امراء کے ساتھ نماز کے متعلق پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تو وقت پر نماز پڑھ لے۔ پھر اگر ان کے ساتھ پڑھنی پڑے تو پڑھ لے کیونکہ یہ تیرے لئے نفل ہوگی۔ ابو داؤد وغیرہ نے ابن مسعودؓ سے حدیث روایت کی ہے جو بالکل اسی مضمون کی ہے جو ابو ذر کی حدیث کا ہے۔ طبرانی نے عبداللہ بن سرجس کی حدیث اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ اس معنی میں اور بھی کئی مرفوع احادیث ہیں۔

٢٩٩- وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ، فَقَالَ: اِنِّی اُصَلِّی فِی بَیْتِی، ثُمَّ اٰتِی الْمَسْجِدَ، فَاَجِدُ الْاِمَامَ یُصَلِّی۔ اَفَاُصَلِّی مَعَہٗ؟ فَقَالَ سَعِیْدٌ: نَعَمْ۔ فَقَالَ

الرَّجُلُ: فَأَيَّتُهُمَا صَلَاتِي؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: أَوَ أَنْتَ تَجْعَلُهُمَا؟ إِنَّمَا ذٰلِكَ إِلَى اللهِ۔

ترجمہ: ایک مرد نے سعید بن المسیب سے پوچھا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ آؤں اور پھر میں آکر دیکھوں تو امام نماز میں ہو، کیا میں اس کے ساتھ نماز پڑھ لوں؟ سعید نے کہا کہ ہاں! اس آدمی نے کہا کہ میں ان میں سے کون سی نماز کو فرضیہ ٹھیراؤں؟ تو سعید نے کہا کہ کیا یہ کام تو کرے گا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ (سعید کا جواب اس صورت میں ہے جب کہ دونوں کو فرض کی نیت سے پڑھا ہو۔ مگر جب فرض ادا ہو چکا تو پڑھنے والے کے اس کے خلاف کرنے سے کیا ہوتا ہے، وہ تو ہو چکا ہے۔) یہ اثر مؤطائے امام محمد میں باب الرجل یصلی المکتوبۃ الخ میں مروی ہے۔

۳۰۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَفِيفٍ السَّهْمِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي أَسَدٍ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ، فَقَالَ: إِنِّي أُصَلِّي فِي بَيْتِي، ثُمَّ آتِي الْمَسْجِدَ، فَأَجِدُ الْإِمَامَ يُصَلِّي، أَفَأُصَلِّي مَعَهُ؟ فَقَالَ أَبُو أَيُّوبَ: نَعَمْ، فَصَلِّ مَعَهُ۔ فَإِنَّ مَنْ صَنَعَ ذٰلِكَ فَإِنَّ لَهُ سَهْمَ جَمْعٍ، أَوْ مِثْلَ سَهْمِ جَمْعٍ۔

ترجمہ: ایک شخص نے ابو ایوبؓ انصاری سے پوچھا کہ میں نماز پڑھوں، پھر مسجد میں آکر امام کو نماز پڑھتا ہوا پاؤں، تو کیا اس کے ساتھ نماز پڑھ لوں؟ ابو ایوبؓ نے کہا کہ ہاں، اس کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ کیونکہ جو ایسا کرے اسے جماعت کے ثواب میں سے حصہ ملتا ہے یا یہ کہا کہ جماعت کے ثواب جیسا ثواب مل جاتا ہے۔

شرح: ابو ایوبؓ کے قول کا مطلب یہ نظر آتا ہے کہ فرض تو گھر میں نماز پڑھنے والے کا ہو چکا۔ اب اسے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔

۳۰۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ أَوِ الصُّبْحَ، ثُمَّ أَدْرَكَهُمَا مَعَ الْإِمَامِ، فَلَا يَعُدْ لَهُمَا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يُصَلِّيَ مَعَ الْإِمَامِ مَنْ كَانَ قَدْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ۔ إِلَّا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ فَإِنَّهُ إِذَا أَعَادَهَا، كَانَتْ شَفْعًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا صبح کی نماز پڑھ لی۔ پھر انہیں امام کے ساتھ پایا تو ان دو کو نہ لوٹائے۔ (معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ یہ اثر مؤطائے امام محمد میں باب الرجل یصلی المکتوبۃ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: یہ اثر مصنف عبدالرزاق میں آیا ہے اور اس کے آخر میں یہ فقرہ ہے کہ کیونکہ یہ دو نمازیں دو مرتبہ نہیں پڑھی جا سکتیں۔ اوزاعیؒ، ثوریؒ اور الحسنؒ کا یہی مذہب ہے۔ حنفیہ نے ان میں عصر کا اضافہ کیا ہے۔ کیونکہ عصر کے بعد نفل پڑھنا ممنوع ہے ابن عمرؓ کے نزدیک جب تک سورج زرد نہ ہو جائے عصر کے بعد اور نماز ہو سکتی ہے۔" امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص گھر میں نماز پڑھ چکا ہو میں نماز مغرب کے سوا کسی اور نماز کو دوبارہ امام کے ساتھ پڑھنے میں حرج نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس کا اعادہ کرے گا تو وہ جفت ہو جائے گی۔" (حالانکہ وہ دن کا وتر ہے اور اسے وتر ہی رہنا چاہیے۔)

امام مالکؒ کے اس قول پر امام شافعیؒ نے اعتراض کیا ہے کہ وہ جُفت کیسے ہو گی۔ جب کہ اس شخص نے سلام کے ساتھ ان دونوں میں فاصلہ کر دیا تھا۔ حنفیہ اصل مسئلہ میں تو امام مالکؒ سے متفق ہیں۔ مگر اس کی تفصیل میں اختلاف کرتے ہیں۔ امام محمد بن الحسنؒ نے کہا ہے کہ ممانعت کی علت یہ ہے کہ اب دو بارہ پڑھی جانے والی نماز نفل ہو گی اور نفل طاق نہیں ہوتے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ محمدؒ کی بیان کردہ علت مالکؒ کی تفصیل سے بہتر ہے۔ ابن رشدؒ نے بھی بدایۃ المجتہد میں اس تعلیل کو قوی تر قرار دیا ہے اور امام مالکؒ کے قول پر کئے گئے شافعی کے اعتراض کی بھی تصویب کی ہے۔ اس بحث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مجتہدینِ اُمّت یونہی انٹ شنٹ بات نہیں کہتے تھے۔ بلکہ ان کے فقہی اقوال و آراء کی شرعی سند موجود ہوتی ہے۔ مسئلہ کا صحیح یا غلط ہونا دوسری بات ہے۔

۴۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

نماز باجماعت کا باب

۳۰۲۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ بِالنَّاسِ، فَلْيُخَفِّفْ، فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ، وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ. وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ، فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ."

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے۔ کیونکہ ان میں بیمار، کمزور اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث مؤطا میں بَابُ طُولِ الْقِرَاءَةِ فِي الصَّلٰوةِ الخ میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے)

شرح: تخفیف کا کوئی متعین ضابطہ نہیں۔ کیونکہ وہ اضافی امور میں سے ہے۔ کچھ لوگوں کی تطویل بعض کے نزدیک تخفیف ہو سکتی ہے۔ پس اصل معیار یہ ہے کہ مقتدیوں میں سے ضعیف تر لوگوں کے خیال سے نماز پڑھائی جائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ فرائض و واجبات میں خلل نہ پڑے۔ گویا تخفیف مع تکمیل لازم ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں کبیر کے ساتھ صغیر کا لفظ بھی آیا ہے۔ طبرانی کی حدیث جو عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص کی روایت سے ہے اس میں حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی کا ذکر بھی موجود ہے۔ عدی بن حاتم کی حدیث میں مسافر کا ذکر بھی ہے بخاری و مسلم میں ابو مسعودؓ کی حدیث میں حاجت مند کا لفظ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مزمل میں تہجد کی منسوخی کے سلسلہ میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم میں کچھ بیمار ہوں گے کچھ کاروباری لوگ ہوں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہوں گے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں انس بن مالکؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زبیر بن عوامؓ، عمارؓ، ابو ہریرہؓ کے آثار مذکور ہیں کہ یہ لوگ باجماعت نماز میں تخفیف کرتے تھے۔ مگر فرائضِ صلوٰۃ کی تکمیل کرتے۔

۳۰۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّهٗ قَالَ: قُمْتُ وَرَاءَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ صَلٰوةٍ مِنَ الصَّلَوٰتِ، وَلَيْسَ مَعَهٗ اَحَدٌ غَيْرِيْ. فَخَالَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بِيَدِهٖ، فَجَعَلَنِيْ حِذَاءَهٗ عَنْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: نافع نے کہا کہ میں کسی نماز میں عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے کھڑا ہوا اور میرے سوا کوئی مقتدی نہ تھا پس عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے ہاتھ سے کھینچ کر دائیں طرف برابر میں کھڑا کیا۔ (ابن عباسؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں پیچھے سے کھینچ کر دائیں طرف کھڑا کرنا مذکور ہے۔ جب مقتدی ایک ہو تو سنت یہی ہے کہ وہ امام کی دائیں طرف کھڑا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عباس کی نماز کو

باطل قرار نہ دیا۔ صرف اصلاح فرمائی۔ اس سے پتہ چلا کہ صف کے پیچھے اکیلے شخص کی نماز ہو جاتی ہے۔ گو اس میں نقص رہتا ہے۔ تفصیل آگے آئے گی

۳۰۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ بِالْعَقِيْقِ. فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، فَنَهَاهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَاِنَّمَا نَهَاهُ، لِاَنَّهُ كَانَ لَا يُعْرَفُ اَبُوْهُ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت ہے کہ مقام عقیق میں ایک شخص لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ پس عمر بن عبد العزیز رح نے پیغام بھیج کر منع فرما دیا۔ اس روایت مؤطا کے بعد امام مالکؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے اس شخص کو امامت سے اس لئے روک دیا تھا کہ اس کے باپ کا علم نہ تھا۔ (یہ روایت منقطع ہے کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ یحییٰ نے کہا مجھے خبر ملی ہے الخ)۔ عقیق مدینہ کے قریب ایک وادی کا نام تھا۔ اس نام کے اور بھی کئی مقامات تھے۔

شرح: ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس شخص کا باپ معلوم نہ تھا۔ امام مالکؒ نے ولد الزنا کی امامت کو مکروہ کہا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہے یہی لیثؒ اور شافعیؒ کا قول بھی ہے۔ اوزاعیؒ، ثوریؒ، محمد بن عبد الحکمؒ اور عیسیٰ بن دینار نے کہا کہ اس کی امامت مکروہ نہیں۔ عینیؒ نے کہا کہ ولد الزنا کی امامت جمہور کے نزدیک جائز ہے یہی نخعیؒ، شعبیؒ، عطاؒ اور حسن کا قول ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کے ماں باپ کے گناہ کا اس پر کوئی بوجھ نہیں۔ ثوریؒ وغیرہ فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ مگر عمر بن عبد العزیزؒ، مجاہدؒ اور مالکؒ نے اسے مستقل امام مقرر کرنا جائز نہیں مانا ہے۔ امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ لوگ چونکہ غلام اور ولد الزنا کو بنظر حقارت دیکھیں گے لہٰذا ان کی امامت مکروہ ہے۔ مگر نماز ان کے پیچھے بہرحال ہو جاتی ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کی امامت مکروہ آئی ہے۔ جسے مقتدی ناپسند کریں۔ یعنی کسی شرعی سبب سے۔ پس جس امام کو ناپسند کیا جائے۔ اس کے باعث قوم میں اضطراب پھیلتا ہے۔ لہٰذا اس علت سے اس کی کراہت آتی ہے۔

۵۔ بَابُ صَلٰوةِ الْاِمَامِ وَهُوَ جَالِسٌ

امام کے بیٹھ کر نماز پڑھانے کا باب

ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، ثوریؒ، ابو ثورؒ اور جمہور سلف کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ جب امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے، تو مقتدیوں کے لئے بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ حافظ بدر الدین عینیؒ نے امام احمدؒ، اسحاقؒ، اوزاعیؒ، ابن حزم اور محدثین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ بیٹھ کر پڑھانے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر ہی نماز پڑھنی چاہئے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ بیٹھ کر پڑھنے والا معذور ہے۔ لہٰذا اس کے پیچھے اس شخص کی نماز سرے سے جائز ہی نہیں جو کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہو۔ یہ بیٹھ کر پڑھنے والا جس کے متعلق اختلاف ہے، وہ ہے جو رکوع اور سجدہ کرتا ہو ورنہ اشارے سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے غیر معذور کی نماز ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ امام احمدؒ کے نزدیک اس کے پیچھے دو شرطوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا رکوع سجود کے ساتھ، جائز ہے۔ ایک یہ کہ وہ مقرر شدہ امام ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی بیماری کے زوال کی امید ہو۔ مایوس العلاج نہ ہو۔

جمہور کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل ہے کہ آپؐ نے مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ اور صحابہ نے آپ کے پیچھے

کھڑے ہو کر پڑھی۔

۳۰۵ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ، فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ. فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا. فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: "إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ. فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا. وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا. وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا. وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ. وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا، فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ."

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے نیچے گر پڑے۔ پس آپؐ کی دائیں جانب خراش آ گئی۔ پھر آپؐ نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی جب نماز ختم ہوئی تو ارشاد فرمایا۔ امام اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ کہے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ تو تم کہو رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ اور اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔ (یہ روایت مؤطا امام محمدؒ کے باب صلوٰۃ القاعد میں وارد ہوئی ہے اور بقول امام محمدؒ منسوخ ہے۔)

شرح: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھوڑے سے گرنے کا قصہ بقول حافظ ابن حبانؒ و حافظ عینیؒ ذوالحجہ ۵ھ میں پیش آیا تھا۔ ابن خزیمہ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ آپ ایک کھجور کے تنے پر گرے تھے۔ ابو داؤد اور مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ حضورؐ کی پنڈلی پر خراش آئی تھی اور پاؤں میں موچ آ گئی تھی بیٹھ کر پانچ دن تک نماز پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض معمولی خراش نہ تھی۔ حضورؐ کا جسم مبارک نازک تھا اور مزاج میں بہت نفاست تھی۔ مگر اس کے باوجود شجاعت و شہامت اور صبر و ثبات بھی بے حد تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس معاملہ صرف معمولی خراش کا نہ تھا۔ بلکہ کافی چوٹ آئی تھی۔ صحابہؓ نے حسب روایت سنن ابی داؤد اس دوران میں آپ کے پیچھے نافلہ و فریضہ ہر دو قسم کی نماز ادا کی تھی۔ یہ جس نماز کا ذکر ہے بقول جابر فرض نماز تھی اور انس کی روایت کے مطابق بقول حافظ ابن حجر ظہر یا عصر کی نماز تھی۔ اس حدیث میں کچھ اختصار ہے اور اس کے مطالب کے لئے آئندہ حدیث کو پیش نظر رکھا جانا مناسب ہے۔ پھر اس حدیث میں نہایت تاکید کے ساتھ امام کی اقتدا کا حکم ہے۔ اس سے مالکؒ، ثوریؒ، ابو حنیفہؒ اور اکثر تابعین کا یہ قول مدلل ہوتا ہے کہ جس کی نیت اپنے امام کے خلاف ہو اس کی نماز باطل ہے۔ کیونکہ نیت کے اختلاف سے بڑا کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور اعمال کا مدار نیت پر ہی ہے۔ پس فرض والے کی نماز نفل والے کے پیچھے جائز نہیں۔ ظہر والے کی نماز عصر والے کے پیچھے جائز نہیں۔ وقتی نماز قضا کے پیچھے جائز نہیں۔ اکثر حنبلی فقہا کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے یہی مذہب زہریؒ، حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، نخعیؒ، ابو قلابہؒ، یحییٰ ابن سعید انصاریؒ، مجاہدؒ اور طاؤسؒ کا ہے اور ان کا استدلال ابن حبان کی حدیث اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ سے بھی ہے۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ اگر فرض والے کی اقتدا نفل والے سے جائز ہوتی تو صلوٰۃ الخوف کی موجودہ صورت مشروع ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ امام ہر فریق کو الگ الگ دو نماز پڑھا دیا کرتا۔ لیکن شرع نے بہت سے زائد اعمال آمد و رفت وغیرہ کو برداشت کیا مگر اس صورت کا حکم نہ دیا۔ جس سے مفترض کی اقتدا متنفل کے پیچھے لازم آتی۔ حدیث معاذؓ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ معاذ جو نماز حضورؐ کے پیچھے پڑھ کر آتے تھے۔ وہ فرض ہوتی تھی اور اپنی مسجد میں آ کر انہیں فرض پڑھاتے اور خود معاذ کی نفل ہوتی تھی۔

۳۰۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ شَاكٍ. فَصَلَّى جَالِسًا. وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا. فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا. فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ. فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا. وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا. وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا، فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مرض بیٹھ کر نماز پڑھائی اور آپؐ کے پیچھے کچھ لوگوں نے بحالتِ قیام نماز پڑھی تو آپ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: امام اسی لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔

شرح: یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بالا خانے میں ادا فرمائی تھی جیسا کہ بخاری میں ہے۔ اب چونکہ مسجد میں یہ نماز نہ ہوئی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سب لوگ یہیں آکر نماز پڑھ رہے تھے یا ان میں سے بعض؟ اس حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب نہیں تھے بلکہ بعض تھے۔ پچھلی حدیث میں انسؓ کا ذکر ہے کہ وہ اس نماز میں موجود تھے۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جابرؓ بھی تھے۔ عبدالرزاق کی ایک مرسل حدیث میں حضرت عمرؓ کا نام بھی ہے۔ دوسرے صحابہؓ کے متعلق کہیں سے معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے یہ نماز کہاں پڑھی تھی؟ یہ بھی منقول نہیں کہ آپؐ نے کسی کو حکم دیا تھا کہ وہ نماز پڑھائے۔ یہی سبب ہے کہ بقول قاضی عیاض یہ نماز حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں ہوئی تھی۔ اور جو لوگ گھر میں تھے۔ انہوں نے وہاں اور باقی لوگوں نے مسجد میں حضورؐ کی اقتدا کی تھی۔ واللہ اعلم۔

۳۰۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي مَرَضِهِ فَأَتَى، فَوَجَدَ أَبَا بَكْرٍ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي بِالنَّاسِ. فَاسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ. فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ كَمَا أَنْتَ. فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ. فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ، وَكَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ۔

ترجمہ: عروہؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے دنوں میں گھر سے مسجد میں تشریف لائے تو ابوبکرؓ کو لوگوں کی امامت کرتے ہوئے پایا۔ پس ابوبکرؓ پیچھے ہٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پس ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے تھے جب کہ حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کے اتباع میں نماز پڑھ رہے تھے۔

شرح: مؤطا میں یہ روایت یہاں پر مرسل ہے مگر جامع الصلوٰۃ کے باب میں اس کا پہلا حصہ حضرت عائشہؓ کے طور پر متصل آیا ہے۔

اور بخاری ومسلم وغیرھما نے اسے حضرت عائشہؓ سے متصلاً روایت کیا ہے۔ آپؐ نے اس دن مرض میں خفت محسوس کی تھی تو حضرت عباسؓ اور علیؓ کے کندھوں پر تشریف لائے تھے جیسا کہ صحیحین میں مروی ہے۔ ابن سعد نے صراحت کی ہے کہ مرض کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خفت محسوس کی مسجد میں تشریف لے آتے تھے ورنہ آپؐ کے حکم سے ابوبکرؓ نماز پڑھاتے تھے۔ یہ جس نماز کا ذکر ہے کہ حضورؐ نے وہیں سے قرات شروع فرمائی، جہاں ابوبکرؓ نے چھوڑی تھی وہ صبح کی نماز تھی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ مرض کے دنوں میں حضورؐ نے تین نمازیں ابوبکرؓ کی اقتدا میں پڑھیں۔ آخری تین دنوں میں جب کہ آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو صرف ایک بار نماز ظہر میں تشریف لائے اور اس حدیث زیر نظر میں اسی کا ذکر ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا پیچھے ہٹ جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت امام آگے بڑھ کر نماز پڑھانا حضورؐ کے خصائص میں سے ہے کسی اور کو ایسا کرنا جائز نہیں۔ بقول ابن عبدالبرؒ اس پر امت کا اجماع ہے۔ اس حدیث کے آخر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز دو اماموں کی اقتدا میں ہوئی۔ مگر جیسا کہ صحاح میں آچکا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ابوبکرؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیرات وانتقالات بآواز بلند لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اور خود حدیث سابق کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امام وہی ایک ہو سکتا ہے۔ فرمایا اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ۔ اس حدیث سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کھڑے پڑھیں۔ اور یہ واقعہ مرض الموت کا ہے لہٰذا یہ اس پہلی حدیث کا ناسخ ہے۔ جیسا کہ الحمیدی نے کہا ہے۔

۶- بَابُ فَضْلِ صَلٰوةِ الْقَائِمِ عَلٰى صَلٰوةِ الْقَاعِدِ

کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بیٹھ کر پڑھنے سے افضل ہے

اس سے مراد نوافل ہیں کیونکہ فرائض میں اگر قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھیں تو اجماعاً باطل ہے لہٰذا اس میں فضیلت کا سوال نہیں۔ قیام کی قدرت نہ ہو تو فرائض میں قیام کا فریضہ قعود سے بدل جاتا ہے اور قائم کی فضیلت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۳۰۸- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ، عَنْ مَوْلًى لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، اَوْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَاصِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلٰوةُ اَحَدِكُمْ وَهُوَ قَاعِدٌ، مِثْلُ نِصْفِ صَلٰوتِهٖ وَهُوَ قَائِمٌ۔"

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کی بیٹھ کر نماز اس کی کھڑے ہو کر پڑھی جانے والی نماز سے نصف ہے۔ (فرائض میں اگر کوئی قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے تو گنہگار ہے اور اس کی نماز سب کے نزدیک باطل ہے کیونکہ اس نے فرض ترک کیا ہے۔ پس اس حالت میں اس کی نماز قائم نماز سے نصف کیسے ہو سکتی ہے؟ پس اس حدیث میں نماز سے مراد نفل نماز ہے۔ اور نفل میں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھیں تو نصف اجر ہے۔ ہاں عذر کی صورت میں اس نماز کا اجر بھی قائم کی نماز جیسا ہوگا۔ سفیان ثوریؒ نے اس حدیث کا مطلب یہی بتایا ہے۔ یہ روایت مؤطائے محمد کے گزشتہ مذکورہ باب میں ہے۔)

۳۰۹- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، اَنَّهٗ قَالَ:

نَاقَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ، نَالَنَا وَبَاءٌ مِنْ وَعْكِهَا شَدِيْدٌ. فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ، وَهُمْ يُصَلُّوْنَ فِيْ سُبْحَتِهِمْ قُعُوْدًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "صَلٰوةُ الْقَاعِدِ مِثْلُ نِصْفِ صَلٰوةِ الْقَائِمِ".

ترجمہ: عبداللہ بن عمروؓ بن العاص نے کہا کہ جب ہم (ہجرت کر کے) مدینہ میں آئے تو ہمیں شدید قسم کا وبائی بخار ہو گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر برآمد ہوئے اور وہ نفل نماز بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نماز سے نصف ہے (اس حدیث میں صراحت آگئی کہ یہ حکم نفل نماز کا ہے۔ امام محمدؒ نے اسے باب صلوٰۃ القاعد میں روایت کیا ہے۔)

۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صَلٰوةِ الْقَاعِدِ فِي النَّافِلَةِ

نفل نماز کو بیٹھ کر پڑھنے کا باب

یعنی اس باب میں نفل نماز کو بیٹھ کر پڑھنے کے کچھ مسائل بیان ہوں گے۔ جب کہ گزشتہ باب میں صرف دونوں کے ثواب کا فرق بیان کیا گیا ہے۔

۳۱۰۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ سُبْحَتِهِ قَاعِدًا قَطُّ. حَتّٰى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِعَامٍ، فَكَانَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهِ قَاعِدًا. وَيَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ فَيُرَتِّلُهَا، حَتّٰى تَكُوْنَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نفل پڑھتے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر وفات سے ایک سال پہلے آپ نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اور قراءت ترتیل سے کرتے تھے۔ حتیٰ کہ سورت اپنے سے طویل تر سورت سے بھی لمبی ہو جاتی تھی۔ (امام محمدؒ نے اسے باب صلوٰۃ القاعد میں روایت کیا۔)

شرح: اس سند میں تین صحابی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ السائب بن یزیدؓ، مطلب بن ابی وداعہ سہمیؓ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قیام پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ یہ تب تھا جب کہ آپؐ بوڑھے ہو چکے تھے۔ ایک اور حدیث میں انہی سے ہے کہ اس وقت لوگوں نے آپؐ کو پیس ڈالا تھا۔ ان دنوں میں آپؐ کی اکثر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت امّ سلمہؓ کی روایت میں ہے۔

۳۱۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا لَمْ تَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ اللَّيْلِ قَاعِدًا قَطُّ. حَتّٰى

اَسَنَّ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَاعِدًا، حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ، قَامَ فَقَرَاَ نَحْوًا مِّنْ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً، ثُمَّ رَكَعَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے نہ ہوگئے، میں نے آپ کو بیٹھ کر تہجد پڑھتے نہ دیکھا تھا اور آپ بیٹھ کر قراءت فرماتے تھے، حتیٰ کہ جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اُٹھ کر تیس چالیس آیات پڑھتے اور پھر رکوع کرتے تھے۔ (اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی پوری نماز میں قیام نہ کر سکے تو جس قدر ہو سکے کرے۔ اس کے برخلاف بھی ہوتا تھا جیسا کہ صحاح کی حدیث حضرت عائشہؓ سے ہے کہ آپ کھڑے کھڑے بھی طویل نماز پڑھتے اور اسی طرح رکوع فرماتے اور بیٹھے بیٹھے بھی طویل نماز پڑھتے اور بیٹھے ہوئے بھی رکوع کرتے تھے۔ پس اس معاملے میں بھی مختلف احوال میں عمل مختلف ہوتا تھا۔)

۳۱۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْمَدَنِيِّ، وَعَنْ اَبِي النَّضْرِ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا۔ فَيَقْرَاُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَاَ وَهُوَ قَائِمٌ۔ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ۔ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر (نفل) نماز پڑھتے تھے۔ اور جب آپ کی قراءت میں سے تیس یا چالیس آیتوں کی مقدار باقی رہ جاتی تھی تو اُٹھ کر قراءت کرتے تھے پھر رکوع اور سجدہ کرتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (نفل میں قیام کے قعود اور قعود کے بعد قیام ہر دو صورت جائز ہیں۔ بقول حافظ عینیؒ اس میں ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور عامہ علما کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ احمدؒ، اسحاقؒ اور ثوریؒ وغیرہم کا بھی یہی مذہب ہے)

۳۱۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، كَانَا يُصَلِّيَانِ النَّافِلَةَ، وَهُمَا مُحْتَبِيَانِ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عروہ بن زبیرؒ اور سعید بن المسیبؒ احتبا کر کے بھی نفل نماز پڑھتے تھے۔

شرح: احتباء کی تفسیر گزر چکی ہے کہ سرین زمین پر رکھ کر گھٹنے کھڑے کر لینا اور ان کے گرد ہاتھوں کا یا کسی کپڑے کا حلقہ بنا لینا احتباء کہلاتا ہے۔ اس حالت میں دونوں پاؤں زمین پر ہوتے ہیں۔ بیٹھ کر نفل پڑھنے کا جواز اوپر کی احادیث میں گزرا۔ لیکن قعود کی صفت کا ان میں بیان نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے علما نے یہ سمجھا کہ جس صورت میں بیٹھ کر پڑھ لیں جائز ہے۔ اس مسئلے پر علما کا اتفاق ہے۔

۸۔ بَابُ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

درمیانی نماز کا باب

۳۱۴۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيْمٍ، عَنْ اَبِيْ يُوْنُسَ

مَوْلٰی عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ، اَنَّہٗ قَالَ: اَمَرَتْنِیْ عَائِشَۃُ اَنْ اَکْتُبَ لَھَا مُصْحَفًا۔ ثُمَّ قَالَتْ: اِذَا بَلَغْتَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ فَاٰذِنِّیْ۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ فَلَمَّا بَلَغْتُھَا اٰذَنْتُھَا فَاَمْلَتْ عَلَیَّ۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ قَالَتْ عَائِشَۃُ: سَمِعْتُھَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ابو یونس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے مجھے اپنے لئے ایک مصحف لکھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے اطلاع دینا، حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ "سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر درمیانی نماز کی اور اللہ کے لئے عاجزی کے ساتھ کھڑے رہو" پس جب میں اس آیت پر پہنچا، تو انہیں اطلاع دی۔ انہوں نے مجھ سے یہ لکھوایا، حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔

شرح: نمازوں پر محافظت سے مراد ان کی مداومت، ظاہری و باطنی پابندی، خشوع و خضوع، انہیں فرائض و واجبات اور سنن و آداب سمیت ادا کرنا ہے اور ان کی تمام شرائط و ارکان کا بجالانا ہے۔ قانتین کا معنی اس آیت میں ساکتین ہے یعنی خاموشی کے ساتھ کھڑے رہنا۔ یہ معنیٰ بخاری و مسلم کی حدیث میں آچکا ہے۔ اُمّ المومنینؓ نے وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ جو لکھوایا، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وسطیٰ اور عصر دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ کیونکہ واؤ عاطفہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے لیکن کبھی عطف تفسیر کے لئے بھی ہوتا ہے اور جب جنگ خندق کے موقعہ پر حضورؐ کا واضح ارشاد موجود ہے کہ شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَ قُبُوْرَھُمْ نَارًا "مشرکوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر بھی نہ پڑھنے دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے"۔ یہ صحاح کی حدیث ہے۔ پس یہی ماننا لازم ٹھیرا کہ یہاں پر وسطیٰ اور عصر کے درمیان عطف تفسیری ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت درج کی ہے کہ درمیانی نماز عصر کی نماز ہے۔ القاسم نے حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے۔ اس سے زیادہ صراحت ابن جریر طبری کی روایت میں ہے کہ مصحف عائشہؓ میں یہ آیت یوں تھی۔ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَھِیَ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ۔ سعید بن منصور اور ابو منصور کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حکم دیا تھا کہ یوں لکھو صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلٰوۃِ الْعَصْرِ۔ ابن جریر کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان الفاظ کے متعلق حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہمیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سُنا تھا۔ اس میں بھی یہ احتمال گو ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس کا نسخ نہیں پہنچا تھا مگر اتنا ضرور ثابت ہوا کہ یہ صلوٰۃ العصر کا لفظ قرآن میں سے تھا تو درمیانی نماز یقیناً عصر ہے۔ مسلم نے براء بن عازبؓ سے کہ یہ آیت یوں اُتری تھی۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ۔ ہم نے اس کی قراءت اسی طرح کی پھر کچھ عرصہ بعد یہ لفظ منسوخ کیا گیا اور آیت یوں نازل ہوئی۔ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے یہ لفظ جو سُنا تھا تو حضورؐ نے یہ بطور تفسیر بولا تھا۔ اور صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کو جمع کرنا اس کی تائید کرتا ہے۔ پھر انہوں نے اس کی املا اس طرح کرا دی۔ ورنہ مصحف عثمانی ساری دنیا میں پھیلا تھا۔ اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں اس کے بے حد و حساب نسخے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ ان سب میں عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی کا لفظ ہے۔ خود حضرت عائشہؓ سے مصنف عبد الرزاق، ابن جریر طبری، ابن ابی داؤد اور ابن المنذر نے روایت کی ہے کہ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ

صَلٰوۃِ الْعَصْرِ پہلی یعنی غیر منسوخ قرأت ہے۔ اس مسئلہ پر مزید بحث وتفصیل کے لئے فصل المعبود دیکھئے۔

۳۱۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ رَافِعٍ، اَنَّهٗ قَالَ، كُنْتُ اَكْتُبُ مُصْحَفًا لِحَفْصَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ فَقَالَتْ: اِذَا بَلَغْتَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ فَاٰذِنِّيْ۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔ فَلَمَّا بَلَغْتُهَا، اٰذَنْتُهَا۔ فَاَمْلَتْ عَلَيَّ۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ، وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔

ترجمہ: عمرو بن رافع نے کہا کہ میں حضرت حفصہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لئے مصحف لکھتا تھا۔ پس انہوں نے فرمایا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بتانا۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے انہیں اطلاع دی۔ پس انہوں نے مجھے یوں لکھوایا، حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔

شرح: اس روایت میں وَ بھی مروی ہے اور بغیر واؤ کے بھی جو صورت بھی ہو، دلائل حدیث وسنت سے یہ لفظ صلوٰۃ الوسطیٰ کی تفسیر ہے۔ یہاں پر یہ روایت حضرت حفصہؓ پر موقوف ہے اور دیگر روایت میں متصل ہے اور بعض میں یہ لفظ موجود ہیں کہ میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ علم المصاحف کی کتابوں میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں قرآن کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا تو حضرت حفصہؓ نے مندرجہ بالا الفاظ لکھوانے چاہے مگر جناب عمرؓ نے وہی قرأت درج کرائی جو مشہور ومعروف تھی۔ ابن جریر، بیہقی اور طحاوی نے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہؓ کے مصحف میں وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَهِيَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ درج تھا۔

ان دلائل کی موجودگی میں زرقانی پر حیرت ہے کہ اس نے ان احادیث کی بنا پر کہا کہ صلوٰۃ وسطیٰ اور صلوٰۃ عصر الگ الگ نمازیں ہیں۔ حافظ صاحبؒ نے بھی یہی لکھا ہے جن لوگوں سے یہ منقول ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ صلوٰۃ عصر ہی ہے۔ وہ یہ بزرگ ہیں۔ علی بن ابی طالبؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابو ایوبؓ۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ۔ ابوسعید خدریؓ۔ ابوہریرہؓ، عبیدہ سلمانیؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ قتادہؒ، ضحاکؒ۔ کلبیؒ۔ مقاتلؒ۔ ابوحنیفہؒ۔ احمدؒ۔ داؤدؒ، ابن المنذرؒ وغیرہم۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہی قول اکثر علما کا ہے صحابہ میں سے اور تابعین میں سے۔ نوویؒ نے کہا کہ چونکہ صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے لہذا شافعیؒ کا مذہب یہی ہے۔ شوکانی نے مذکورین کے علاوہ ابی بن کعبؓ، سمرہ بن جندبؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عائشہؓ، حفصہؓ اور ام سلمہؓ کا اضافہ بھی ذکر کیا ہے۔ صحیح متصل مرفوع روایات میں بھی آیا ہے۔ احمدؒ، مسلمؒ۔ ابن ماجہ، ترمذی اور بیہقی وغیرہ نے ابن مسعودؓ سے وہ روایت بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔ مشرکوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے روکے رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ اور قبریں آگ سے بھر دے۔ ابن مسعودؓ نے حسب روایت ترمذی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ درمیانی نماز عصر کی نماز ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن حبان نے سمرہ بن جندبؓ سے روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا درمیانی نماز عصر کی نماز ہے۔ اسے احمدؒ، ابن جریر، طبرانی۔ ابن ابی شیبہؒ، بیہقی اور ترمذی نے بھی روایت کیا۔ اس سلسلہ کی روایات وآثار بہت ہیں۔ جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

۳۱۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوٗدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنِ ابْنِ يَرْبُوْعٍ الْمَخْزُوْمِيِّ، اَنَّهٗ قَالَ:

سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ يَقُولُ: اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الظُّهْرِ۔

ترجمہ: ابن یربوع مخزومی نے کہا کہ میں نے زید بن ثابتؓ سے سُنا تھا کہ درمیانی نماز ظہر کی نماز ہے۔

شرح: ویسے تو پانچ کے عدد میں سے ہر ایک کو وسطیٰ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک کے ایک طرف دو اور دوسری طرف بھی دو ہیں چنانچہ پانچوں نمازوں کے بارے میں کسی نہ کسی کا قول موجود ہے کہ وہ وسطیٰ ہے۔ مگر سوال اس وسطیٰ کا ہے جسے قرآن وسطیٰ کہتا ہے۔ اور اوپر کی مدلل بحث سے ثابت ہو گیا کہ وہ نماز عصر ہے۔ زید بن ثابت کا قول ابوداؤد اور سیوطی نے روایت کیا ہے۔ اسامہ بن زیدؓ سے بھی اس قسم کی روایت آئی ہے۔ مگر صحیح و صریح احادیث کے سامنے کسی کا قول معتبر نہیں ہو سکتا۔ بعض اور صحابہ سے اسی قسم کی روایت آئی ہے۔

۳۱۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، كَانَا يَقُولَانِ اَلصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلَاةُ الصُّبْحِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَوْلُ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ اِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ علی بن ابی طالبؓ اور ابن عباسؓ کہتے تھے کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ نماز صبح ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ اس باب میں مجھے ان حضرات کا قول پسندتر ہے۔ (ابی بن کعبؓ، جابرؓ اور انسؓ کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا صبح کو درمیانی نماز کہنا گو قوی ہے مگر لائق اعتماد یات یہی ہے کہ وہ عصر کی نماز ہے۔ صبح کو درمیانی اس لئے کہا گیا ہے کہ دن کی دو نمازیں ایک طرف اور رات کی دو دوسری طرف ہوں تو یہ درمیان میں پڑتی ہے۔ مگر مرفوع حدیث ہی حجت ہے اور وہی صحیح ہے۔)

۹۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی رخصت کا بیان

۳۱۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِي سَلَمَةَ، اَنَّهُ رَاٰى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ اُمِّ سَلَمَةَ، وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ۔

ترجمہ: عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُمّ سلمہؓ کے گھر میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپؐ نے اُسے جسم میں لپیٹ رکھا تھا اور اس کی دونوں طرفوں کو کندھوں پر رکھا ہوا تھا۔

شرح: اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کپڑے میں نماز جائز ہے۔ یہ نماز نفل تھی اور بوقت ضرورت فریضہ بھی ایک کپڑے میں ادا ہو سکتا ہے۔ افضل یہی ہے کہ نماز پورے لباس میں پڑھی جائے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور ضرورت کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث سے ظاہر ہے۔ ایک کپڑے میں جواز اس وقت ہے جب کہ وہ ساتر ہو۔ ضرورت کا لباس اور ہے اور فضیلت کا اور۔ جمہور صحابہؓ و فقہاءؒ کا مذہب یہی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت

کی تعلیم کی خاطر ہر معاملے میں ایسی سنت قائم کرنا ہوتی تھی جس پر ہر شخص عمل پیرا ہو سکے۔ ہر شخص کو ہر وقت دو کپڑے میسر نہیں آ سکتے۔ لہذا کئی مواقع پر (مثلاً فتح مکہ کے دن) آپؐ نے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ کر دکھائی۔ تاکہ ہر شہری و دیہاتی اور امیر و غریب عبادت با آسانی ادا کر سکے۔

قاضی ابو الولید الباجی نے کہا ہے کہ لباس کی دو مقداریں ہیں۔ فرض کی مقدار اور فضیلت کی مقدار۔ فرض کی مقدار مردوں کے لئے یہ ہے کہ اتنا لباس ہو جس سے ستر ڈھک جائے اور اس کے فرض ہونے میں اختلاف نہیں ہے۔ جسم کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے جمہور علماء، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔ فضل کی مقدار یہ ہے کہ آدمی نماز میں پورے لباس کے ساتھ داخل ہو۔ علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ جو عام کپڑے پہن کر آدمی مجالس میں اور بڑوں کے سامنے نہ جاتا ہو، ان میں نماز کو جانا خلاف اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں اشتمال کا لفظ آیا ہے جس سے مراد خود حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے کہ کپڑا ایسا طریقے سے پہنے کہ بغلوں کے نیچے سے دائیں جانب کو بائیں کندھے کے اوپر اور بائیں کو دائیں کے اوپر ڈال دے۔ اشتمال صماء جس کی ممانعت ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کپڑا ایسے طریقے سے پہنا جائے کہ بازو اس میں بندھ جائیں اور دونوں طرف سے بند ہو جائے۔

۳۱۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ سَائِلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ؟"

ترجمہ: ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ کسی پوچھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کپڑے ہیں؟ (موطائے محمد کے باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد میں یہ حدیث مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ایک کپڑے میں توشح (اشتمال جس کی صورت اوپر گزری) کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف جواز کی صورت ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا۔ افضل یہی ہے کہ نماز پورے لباس میں پڑھی جائے۔

۳۲۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ هَلْ يُصَلِّي الرَّجُلُ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَقِيْلَ لَهُ: تَفْعَلُ اَنْتَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. اِنِّيْ لَاُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَاِنَّ ثِيَابِيْ لَعَلَى الْمِشْجَبِ.

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ کہا گیا کہ کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتا ہوں۔ حالانکہ میرے کپڑے کھونٹی پر رکھے ہوتے ہیں۔ مشجب کا معنی تین لکڑیوں کی وہ کھونٹی ہے، جس پر گڈریے اپنے ڈول، کپڑے اور برتن وغیرہ ٹانگ دیتے ہیں۔ تین لکڑیوں کے پائے مثلث بنا کر اور ان کے سروں کو جوڑ کر یہ بنائی جاتی ہے۔

۳۲۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ كَانَ يُصَلِّيْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ جابر بن عبداللہؓ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری کی ایک حدیث میں اس نفل نماز کا قصہ مذکور ہے جو جابرؓ نے ایک کپڑے میں پڑھی تھی۔)

۲۲۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، كَانَ يُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ۔

ترجمہ: محمد بن عمرو بن حزم ایک قمیص میں نماز پڑھتے تھے۔ (عربی قمیص بہت لمبی ہوتی ہے۔ اور اس میں نماز پڑھنے سے ستر کھلنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔)

۲۲۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْبَيْنِ فَلْيُصَلِّ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، مُلْتَحِفًا بِهِ۔ فَإِنْ كَانَ الثَّوْبُ قَصِيرًا، فَلْيَتَّزِرْ بِهِ"۔

قَالَ مَالِكٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَجْعَلَ الَّذِي يُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ، عَلَى عَاتِقَيْهِ ثَوْبًا أَوْ عِمَامَةً۔

ترجمہ: مالکؒ کو جابر بن عبداللہ سے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو دو کپڑے نہ ملیں وہ ایک ہی کپڑے میں التحاف (اشتمال و توشح) کرکے نماز پڑھ لے۔ اگر کپڑا تنگ ہو تو تہ بند کے طور پر باندھ لے۔ مالک نے کہا کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ جو شخص ایک قمیص میں نماز پڑھے وہ اپنے کندھوں پر کوئی کپڑا یا عمامہ ڈال لے۔ (قمیص کا گریبان چوڑا اور کھلا ہوتا تھا اور اس میں سے ستر کے نظر آنے کا خدشہ رہتا تھا۔ لہذا امام مالکؒ نے یہ فرمایا۔)

شرح: جابرؓ کی یہ حدیث اس کے قصے سمیت بخاری میں مروی ہے۔ ایک سفر میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی اور اس وقت جابرؓ پر صرف ایک کپڑا تھا جس میں پوری طرح لپٹ لپٹا کر وہ حضورؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضورؐ نے جابرؓ کو اشتمال سے اس لئے منع فرمایا کہ ان کا کپڑا تنگ تھا اور اسے سنبھالنے میں دقت ہوتی تھی۔

۱۰۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي صَلٰوةِ الْمَرْأَةِ فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ

عورت کی نماز کا بیان قمیص اور اوڑھنی میں

۲۲۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ تُصَلِّي فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہؓ ــــ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ــــ قمیص اور سر کی اوڑھنی میں نماز پڑھتی تھیں۔

شرح: عورت کی درع سے مراد اس کی قمیص ہے۔ آگے امّ سلمہؓ کی حدیث میں آرہا ہے کہ وہ ایسی قمیص ہو جس سے عورت کا قدموں سے اوپر کا حصہ ڈھک جائے۔ خمار سر کی اوڑھنی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بالغ عورت کم از کم دو کپڑوں میں نماز پڑھے جن میں

اس کا سارا جسم ڈھک جائے۔ عورت کا یہی ستر ہے۔ افضل یہ ہے کہ ان دو کے ساتھ ازار بھی ہو۔ اگر ایک بڑا سا کھلا کپڑا ہو، جس سے وہ سر سے لے کر پاؤں تک سارا جسم ڈھانک سکے تو یہ بھی جائز ہے۔

۳۲۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ قُنْفُذٍ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَاذَا تُصَلِّي فِيهِ الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَتْ: تُصَلِّي فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ إِذَا غَيَّبَ ظُهُورَ قَدَمَيْهَا۔

ترجمہ: محمد بن زید بن قنفذ نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ اس نے حضرت اُم سلمہؓ سے پوچھا، عورت کن کپڑوں میں نماز پڑھے؟ اُم سلمہؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ ۔ نے فرمایا کہ وہ اوڑھنی اور ایک بڑی قمیص میں نماز پڑھے۔ جو اس کے قدموں کے اوپر کے حصے کو ڈھانک دے۔

شرح: یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔ مؤطا میں یہ حدیث موقوف ہے اور ابو داؤد نے محدثانہ دلائل سے اسے موقوف ثابت کیا ہے۔ مگر بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً بھی وارد ہے۔ اگر اسے موقوف بھی سمجھا جائے تب بھی از روئے اصولِ حدیث یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ اکثر علما کے نزدیک عورت کا سارا جسم سوائے چہرے اور ہاتھوں کے پردے کے حکم کا مخاطب ہے (یعنی نماز کے لئے) امام ابو حنیفہؒ نے ان اعضا میں سے قدم کو بھی خارج کیا ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ عورت کا سارا جسم ہی مستور ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ نے قدم کو چھپانا فرض کہا ہے اگر حالتِ نماز اس کا قدم کھلا ہے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ عورت کا چہرہ اور ہاتھ نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں پردے کے حکم میں آتے ہیں۔ یعنی غیر مرد ان اعضا کو نہیں دیکھ سکتا۔

۳۲۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهُ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَشَجِّ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ الْأَسْوَدِ الْخَوْلَانِيِّ، وَكَانَ فِي حَجْرِ مَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ مَيْمُونَةَ كَانَتْ تُصَلِّي فِي الدِّرْعِ وَالْخِمَارِ، لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ۔

ترجمہ: عبید اللہ خولانیؒ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ میمونہؓ کا پروردہ تھا، اس کی روایت ہے کہ حضرت میمونہؓ قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھتی تھیں۔ درآنحالیکہ وہ ازار پہنے ہوئے نہ ہوتی تھیں (جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ جواز کی صورت ہے اور افضل یہی ہے کہ ازار بھی پہنے ہوتیں۔ پس یا تو انہوں نے بیانِ جواز کے لئے ایسا کیا تھا یا پھر کپڑوں کی قلت کے باعث یا ان کے نزدیک ازار کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔)

۳۲۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ امْرَأَةً اسْتَفْتَتْهُ، فَقَالَتْ إِنَّ الْمِنْطَقَ يَشُقُّ عَلَيَّ. أَفَأُصَلِّي فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا۔

ترجمہ: کسی عورت نے عروہؒ سے مسئلہ پوچھا کہ ازار مجھ پر شاق ہے تو کیا میں قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ لوں؟ عروہؒ نے کہا کہ

ہاں جبکہ قمیص کافی لمبی ہو۔ (عربوں کی قمیصیں کافی طویل اور وسیع و عریض ہوتی تھیں۔ بالخصوص عورتوں کی اور وہ کمر باندھنے کا پٹکا استعمال کرتی تھیں جسے منطق کہا جاتا تھا۔ مگر اس اثر میں منطق سے مراد مطلق ازار ہے خواہ تہ بند ہو یا شلوار یا پاجامہ وغیرہ۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ منطق، حقو، ازار، سراویل ایک معنیٰ میں آتے ہیں۔ اس عورت کو چونکہ کمر بند سے تکلیف ہوتی تھی۔ لہذا عروہ نے یہ فتویٰ دیا کہ صرف قمیص میں (بلا ازار) اور اوڑھنی میں نماز پڑھ لو۔ جب کہ قمیص بہت وسیع اور بڑی ہو۔)

۹۔ کِتَابُ قَصْرِ الصَّلٰوۃِ فِی السَّفَرِ

۱۔ بَابُ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّلَاتَیْنِ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ

سفر و حضر میں دو نمازیں جمع کرنے کا بیان

جمع بین صلاتین میں سلف کا اختلاف رہا ہے۔ حضر میں ہو یا سفر میں۔ حنفیہ کا مسلک تو یہ ہے کہ دو نمازوں کو جمع کے حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ سفر میں اکٹھا پڑھنا جائز ہے نہ حضر میں۔ صرف حج میں جمع حقیقی ثابت ہے۔ سفر میں جہاں جہاں جمع کا ذکر ہے اس سے مراد ان کے نزدیک جمع صوری ہے۔ یعنی نمازوں کو تقدیم و تاخیر کر کے صورۃً ملا لینا اور حضر میں حتی الوسع جمع صوری بھی نہیں ہونی چاہئے۔ دیگر فقہا کا حضر و سفر دونوں صورتوں میں اختلاف ہے۔ حضر میں جمع کا مسئلہ آگے آتا ہے۔ سفر میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ یہ ہے کہ بقول ابن العربی اس میں پانچ قول ہیں۔ (۱) ابوحنیفہؒ نے کہا کہ وہ بالکل جائز نہیں (۲) شافعیؒ نے کہا کہ جیسے قصر جائز ہے۔ اسی طرح جمع بین الصلاتین بھی سفر میں جائز ہے۔ (۳) جب چلنے کی جلدی ہو تو جائز ہے (۴) مسافت قطع کرنے کے خیال سے جائز ہے۔ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ (۵) مالکؒ سے مصریوں کی روایت ہے کہ مکروہ ہے۔ حافظ بدرالدین عینیؒ نے ان پر ایک چھٹے قول کا اضافہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں۔ یعنی پہلی نماز کو دوسری کے وقت اس سے ملا یا جائے اور اس کے برعکس نہ ہو۔ یہ حافظ ابن حزمؒ ظاہری کا قول ہے۔

دوسرا قول شافعیؒ کے علاوہ احمدؒ، اسحاقؒ، ثوریؒ، ابوہریرہؓ، ابن المنذرؒ اور مالکیہ میں سے اشہب سے بھی مروی ہے پہلا قول یعنی عدم جواز، الحسنؒ، ابن سیرینؒ، نخعیؒ اور اسودؒ سے مروی ہے اور ابن القاسمؒ سے اسی کو مالکؒ نے روایت کیا ہے۔ یہی قول ابن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عمرؓ حسب روایت ابوداؤد، جابر بن زیدؒ، مکحولؒ۔ عمرو بن دینار، ثوریؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سالمؒ اور لیثؒ کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگرد ابویوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ اس مسئلہ میں اپنے استاد کے ساتھ متفق ہیں۔

سفر کی نوع کے متعلق بھی علما کے اقوال میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ عبادت کا سفر ہے۔ مثلاً حج، عمرہ اور جہاد کا سفر۔ ابن القاسمؒ کی مالکؒ سے ظاہر روایت یہی ہے بعض نے کہا کہ وہ مباح سفر ہے نہ کہ معصیت کا سفر۔ یہ شافعیؒ کا قول ہے اور مالکؒ سے اہل مدینہ کی روایت یہی ہے۔ دراصل یہ اختلاف اس سفر کے اختلاف پر مبنی ہے جس نماز کا قصر ہوتا ہے۔ اگرچہ قصر میں تعمیم ہے۔ کیونکہ وہ قول و فعل دونوں طرح سے منقول ہے اور جمع صرف فعلاً منقول ہوا ہے۔ جن لوگوں نے جمع کو اسی سفر تک محدود رکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں جمع کی تھیں، انہوں نے کہا کہ کسی اور سفر میں جمع نہیں۔ اور جنہوں نے سمجھا کہ مسافر کے لئے جمع کی رخصت ہے انہوں نے دوسرے اسفار میں بھی حکم متعدی جانا ہے۔ المدونہ میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ سفر میں جمع بین الصلاتین کا جواز فقط اس وقت ہے جبکہ آدمی سر راہ ہو اور چلا جا رہا ہو۔ پس اس حالت میں ظہر و عصر کو جمع کرے مگر اس طرح کہ ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو

اول وقت میں پڑھے اور مغرب کو آخری وقت میں شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھ لے۔ پھر عشا کو اس کے اول وقت میں ادا کرے، بعینہٖ یہی وہ طریقہ ہے جسے حنفیہ نے جائز رکھا ہے اور اسے جمع صوری کہا گیا ہے۔ شوافع اور مالکیہ کی ایک ایک روایت میں مسافر کے لئے جمع بین الصلاتین کا ترک افضل ہے بلکہ مالک کی ایک روایت میں تو مکروہ ہے۔

۳۲۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَیْنِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَجْمَعُ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِیْ سَفَرِهٖ اِلٰی تَبُوْكَ۔

ترجمہ: الاعرج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفرِ تبوک میں ظہر اور عصر کو جمع کرتے تھے۔ (مؤطائے محمدؒ میں بھی یہ حدیث بَابُ الْجَمْعِ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ میں آئی ہے۔)

شرح: یہ روایت مؤطائے مالک اور مؤطائے محمد میں مُرسل آئی ہے۔ اصحاب مالک میں سے ابو مصعب نے اسے (مؤطا میں نہیں) مسند روایت کیا ہے۔ احمد بن خالد بجلی یحیٰی سے اس کی روایت مسنداً کرتا ہے اور عبدالرحمٰن الاعرج کے بعد ابو ہریرہؓ کا نام لیتا ہے۔ امام محمد نے مؤطا میں اس جمع کی کیفیت یہی لکھی ہے کہ یہ محض صورۃً جمع تھی۔ ہم نے ابوداؤد کی شرح فضل المعبود میں اس پر سنن کی روایا کے ضمن میں مفصل بحث کی ہے۔ اور ابوداؤد کی روایات سے جمع صوری ہی ثابت ہوتا ہے۔

۳۲۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ الْمَكِّیِّ، عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ، اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اَخْبَرَهٗ، اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، عَامَ تَبُوْكَ۔ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَجْمَعُ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ قَالَ فَاَخَّرَ الصَّلٰوةَ یَوْمًا۔ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّی الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِیْعًا، ثُمَّ دَخَلَ۔ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِیْعًا۔ ثُمَّ قَالَ "اِنَّكُمْ سَتَاْتُوْنَ غَدًا، اِنْ شَاءَ اللّٰهُ، عَیْنَ تَبُوْكَ۔ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَاْتُوْهَا حَتّٰی یَضْحَی النَّهَارُ فَمَنْ جَاءَهَا فَلَا یَمَسَّ مِنْ مَائِهَا شَیْئًا۔ حَتّٰی اٰتِیَ" فَجِئْنَاهَا، وَقَدْ سَبَقَنَا اِلَیْهَا رَجُلَانِ۔ وَالْعَیْنُ تَبِضُّ بِشَیْءٍ مِّنْ مَاءٍ۔ فَسَاَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ مَسِسْتُمَا مِنْ مَائِهَا شَیْئًا؟" فَقَالَا: نَعَمْ۔ فَسَبَّهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّقُوْلَ۔ ثُمَّ غَرَفُوْا بِاَیْدِیْهِمْ مِنَ الْعَیْنِ، قَلِیْلًا قَلِیْلًا۔ حَتَّی اجْتَمَعَ فِیْ شَیْءٍ۔ ثُمَّ غَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْهِ وَجْهَهٗ وَیَدَیْهِ۔ ثُمَّ اَعَادَهٗ فِیْهَا۔ فَجَرَتِ الْعَیْنُ بِمَاءٍ كَثِیْرٍ، فَاسْتَقَی النَّاسُ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "یُوْشِكُ، یَا مُعَاذُ، اِنْ طَالَتْ بِكَ حَیَاةٌ، اَنْ تَرٰی مَا هٰهُنَا قَدْ مُلِیَٔ جِنَانًا"۔

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ نے بتایا کہ صحابہ تبوک کے سال میں (۹ھ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کو اور مغرب و عشا کو جمع کرتے تھے۔ معاذؓ نے کہا کہ پس ایک دن آپ نے نماز مؤخر کی اور پھر باہر تشریف لائے اور ظہر و عصر دونوں کو پڑھا۔ پھر قیام گاہ میں داخل ہوئے۔ پھر باہر آئے اور مغرب و عشا کو جمع کیا۔ پھر فرمایا کہ انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے اور دن گرم ہونے سے قبل وہاں ہرگز نہ پہنچو گے۔ پس جو پہلے وہاں جائے، اس کے پانی کو ہرگز نہ چھیڑے، جب تک کہ میں نہ آؤں۔ پس ہم اس چشمے پر گئے اور دو آدمی ہم سے پہلے اس پر جا پہنچے تھے۔ اور چشمے میں سے کچھ پانی نکل رہا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اس کے پانی کو چھیڑا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت باتیں کہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا، انہیں کہا۔ پھر صحابہؓ نے چشمے میں سے اپنے ہاتھوں سے تھوڑا تھوڑا پانی نکالا حتیٰ کہ کچھ پانی جمع ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے اس میں اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اور اسے چشمے کے اندر لوٹا دیا۔ پس چشمے میں سے بہت پانی جاری ہو گیا اور لوگوں نے پانی لے لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ ہو سکتا ہے کہ اگر تیری عمر دراز ہوگی تو یہاں کے زمین کو باغوں سے پُر دیکھے گا۔

شرح: یہی حدیث معجم طبرانی میں مروی ہے جس میں وضاحتاً اور صراحتاً جمع صوری کا ذکر آیا ہے "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کو جمع فرماتے تھے۔ ظہر کو آخری وقت پڑھتے اور عصر کو اول وقت میں۔ پھر چل پڑتے تھے۔ اور مغرب کو غروبِ شفق سے قبل آخری وقت میں پڑھتے اور عشا کو شفق کے غائب ہونے پر اول وقت میں پڑھتے تھے" اور اگر غور کیا جائے تو مؤطا کی حدیث سے بھی جمع صوری ہی ثابت ہوتا ہے۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معجزہ مذکور ہے آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے۔ جن کی روایات متواتر ہیں۔ اس حدیث میں تو پانی کے چشمے سے پانی اُبلنے کا ذکر ہے۔ آنجنابؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلنے کی روایات صحابہ میں سے انسؓ، جابرؓ، ابن مسعودؓ، عمران بن حصینؓ، براء بن عازبؓ، سلمہ بن الاکوعؓ اور ابو قتادہؓ وغیرہم نے کی۔ یہ کئی واقعات تھے۔ اور ہر واقعہ میں بہت سے لوگوں نے پانی پیا، استعمال کیا اور جانوروں کو پلایا تھا۔ معاذ بن جبلؓ کی یہ حدیث بھی آپؐ کے جسم مبارک کے ساتھ مس شدہ پانی کے چشمے میں ڈالے جانے کے باعث تکثیر الماء پر دلالت کرتی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جن مواضع کے متعلق حضورؐ نے سرسبز و شاداب ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے انہیں کچھ مدت ایسا ہی پایا گیا تھا۔

۳۳۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ، يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چلنے کی جلدی ہوتی تو مغرب اور عشا کو جمع کرتے تھے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی باب، الجمع بین الصلاتین الخ میں مروی ہے۔)

شرح: اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ کے دو معنی لئے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سفر پر روانگی کی جلدی ہوتی تو ظہر و عصر کو جمع کر کے روانہ ہوتے تھے۔ دوسرا یہ کہ جب سفر میں جا رہے ہوتے اور منزل پر پہنچنے کی جلدی ہوتی تو جمع کرتے تھے۔ بقولِ زرقانی صحیح حدیث میں ہے کہ اس سے مراد جمع تاخیر ہے، کیونکہ ابن عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سفر میں چلنے کی جلدی ہوتی تو آپؐ مغرب کو مؤخر کر کے عشا کے ساتھ ملاتے تھے۔ یہ حدیث جمع تاخیر سے زیادہ محض جمع صوری کی تائید کرتی ہے۔ نسائی نے سند صحیح کے ساتھ

سالم بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ کی بیوی صفیہ بنت ابی عبیدؓ نے عبداللہ کو لکھا کہ میرا آخری وقت آچکا ہے۔ پس عبداللہ بڑی سے روانہ ہو گئے تو راستے میں ظہر اور عصر کو جمع کیا۔ ایسے وقت میں کہ ظہر کا آخری اور عصر کا اول تھا۔ پھر مغرب اور عشا میں بھی ایسا ہی کیا۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع نقل کی کہ جب کسی کو نہایت ضروری امر درپیش ہو تو وہ یوں نماز پڑھے۔ ابوداؤد کی روایت اس واقعہ میں اس سے بھی واضح تر ہے کہ مغرب پڑھ کر انتظار کیا کہ جب شفق غائب ہو گئی تو عشا پڑھ لی۔ اور پھر عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل اسی طرح کا عمل روایت کیا۔ اسے دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔ نسائی، ابوداؤد اور طحاوی و دارقطنی نے عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فعل نافع سے بھی کسی اور واقعہ کے سلسلے میں نقل کیا ہے۔ ان تمام احادیث سے جمع صوری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

۳۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيعًا، فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: أُرَى ذٰلِكَ كَانَ فِي مَطَرٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر و عصر جمع کرکے پڑھائی اور مغرب و عشا بھی جمع کرکے پڑھائی۔ نہ کوئی خوف تھا اور نہ سفر تھا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میرے خیال میں یہ بارش میں ہوا تھا۔

شرح: امام مالکؒ کا قول ظاہر حدیث سے مختلف نظر آتا ہے۔ کیونکہ حدیث تو بظاہر حضر میں کسی عذر کے بغیر جمع بین الصلاتین پر دلالت کرتی ہے۔ اور ائمہ فقہا میں سے اس پر کسی نے بھی عمل نہیں کیا۔ ترمذی نے کہا کہ امت اس حدیث پر عمل ترک کرنے پر اجماع کر چکی ہے۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے چند بزرگوں کا نام لیا ہے جو بلا عذر جمع کو احیاناً جائز بتاتے ہیں۔ بشرطیکہ اسے عادت نہ بنا لیا جائے۔ یہ قول ابن سیرینؒ، ربیعہؒ، اشہبؒ، ابن المنذرؒ اور انفعال الکبیر کا ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ چند ائمہ حدیث کا بھی اس پر عمل ہے لیکن جمہور فقہا و محدثین کا اس پر عمل نہیں ہے۔

امام مالک کی تاویل کو مسلم اور اصحاب سنن کی روایت کے الفاظ رد کرتے ہیں۔ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ۔ یعنی ان کی روایت میں سفر کے بجائے مطر کا لفظ ہے۔ پھر خود امام مالک کا اپنا عمل اس حدیث کے نصف پر ہے کہ وہ مغرب و عشا کو تو بارش کے عذر سے جمع کرنے کے قائل ہیں۔ مگر ظہر و عصر کو جمع کرنے کے وہ بھی قائل نہیں۔ اس تفریق پر تو امام شافعیؒ نے بھی اپنے استاد محترم مالکؒ پر مدلل اعتراض کیا ہے۔ مالکی فقہا نے بقول علامہ ابن رشدؒ مالکی اس پر یہ معذرت کی ہے کہ جن نمازوں کو جمع کرنے پر عمل اہل مدینہ پایا انہیں امام مالکؒ نے جمع کر لیا اور دوسری دو کو چھوڑ دیا۔ مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ محض عمل دلیل نہیں، جب تک اس کے ساتھ کوئی شرعی قرینہ موجود نہ ہو۔ اس حدیث کے راوی ابوالزبیر پر امام شافعیؒ نے لے دے کی ہے کہ وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کسی مضبوط سہارے کا محتاج ہے۔ بالفاظ دیگر اتنا ثقہ نہیں کہ تنہا روایت کرے تو قبول کر لی جائے۔ شاید اس حدیث کی نقل میں کوئی نقص رہ گیا ہے یا اس کے نسخ کی اطلاع نہیں ہم پہنچ سکی۔ واللہ اعلم۔

۳۳۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ، إِذَا جَمَعَ الْأُمَرَاءُ بَيْنَ

الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، فِي الْمَطَرِ، جَمَعَ مَعَهُمْ۔

ترجمہ: جب امراء مغرب اور عشاکی نماز کو بارش جمع کر لیتے تھے تو عبداللہ بن عمرؓ ان کے ساتھ ان نمازوں کو جمع کر لیتے تھے۔

(امام محمدؒ نے اس اثر کو مالکؒ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ ہمارا اس پر عمل نہیں ہے۔ ہم ایک وقت میں ظہر اور عصر کو صرف عرفات میں اور مغرب و عشا کو مزدلفہ میں جمع کرنے کے قائل ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس کے بعد امام محمدؒ نے حضرت عمرؓ کا ایک حکم نقل کیا ہے کہ انہوں نے سلطنت کے اطراف میں حکم لکھا تھا جس میں انہیں دو نمازوں کو جمع کرنے سے منع کیا تھا۔ اور ان میں بتایا تھا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ ہمیں یہ خبر ثقہ لوگوں نے دی ہے۔ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُولٍ۔)

شرح: پچھلے اثر کے بعد امام مالکؒ کا اس اثر کو روایت کرنا ان کی اس بات کو تقویت پہنچانے کے لئے ہے جو پچھلے اثر کے بعد ان کی طرف سے مروی ہے۔ لیکن یہ محض امرا کا عمل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں اور ابن القیم نے اعلام الموقعین میں صراحت سے لکھا ہے کہ امرا نے بعض غلط عمل جاری کئے تھے۔ محض امرا کا عمل کسی بات کے شرعی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ شاید امرا کے پاس کوئی شرعی دلیل بھی ہوگی تو بھی امام مالکؒ کے لئے یہ چیز گزشتہ اثر کے صرف نصف حصے پر عمل کرنے اور نصف کو یکسر ترک کرنے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ امام شافعیؒ نے بارش میں جمع بین الصلوٰتین کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ جمع کی جانے والی دونوں نمازوں کے افتتاح کے وقت بارش بالفعل ہو رہی ہو۔ یہی شرط فقیہ شافعی ابوثور نے لگائی ہے۔ مالکؒ اور احمدؒ نے یہ شرط نہیں لگائی۔ ہاں امام مالکؒ نے کہا ہے کہ بارش کا عذر اس وقت مانع سمجھا جائے گا جبکہ کیچڑ ہو چکا ہو یا اندھیرا ہو۔ امام اوزاعیؒ اور فقہا حنفیہ نے کہا ہے کہ بارش کے موقع پر حضر میں ہر نماز وقت پر پڑھی جائے گی۔ حنفیہ کے ہاں تو جمع حقیقی کا عرفہ اور مزدلفہ کے سوا کہیں بھی تصور نہیں ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ نمازوں کی توقیت کتاب و سنت کے قطعی و متواتر دلائل سے ثابت ہے اور ایسے کسی اسی قسم کی دلیل سے چھوڑا جا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ حج کے موقعہ پر ان دو مقامات میں جمع کے متواتر دلائل موجود ہیں۔ لہٰذا وہاں جائز ہے۔ اور کہیں نہیں۔

۳۳۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ: هَلْ يُجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. لَا بَأْسَ بِذَلِكَ. أَلَمْ تَرَ إِلَى صَلَاةِ النَّاسِ بِعَرَفَةَ؟

ترجمہ: ابن شہاب زہری نے سالم بن عبداللہ سے پوچھا کہ سفر میں ظہر اور عصر کو جمع کیا جا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیا تو عرفہ میں لوگوں کی نماز کو نہیں دیکھتا؟

شرح: سوال یا جواب میں اس امر کی وضاحت نہیں کہ آیا جمع سے مراد جمع حقیقی ہے یا صوری؟ عرفہ کی مثال سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ سالم کی مراد جمع حقیقی ہے لیکن اگر عرفہ کے جمع سے استدلال صحیح ہے تو صرف عرفہ کا ہی ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ پھر تو اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی جمع حقیقی کا عمل جاری و ساری ہونا چاہیئے تھا۔ اور اوپر مدلل گزر چکا کہ حنفیہ دلائل سنت کی بنا پر جمع حقیقی کے نہیں صرف جمع صوری کے قائل ہیں۔ علامہ ابن رشد مالکی نے سالم کے اس قیاس کو حقیقت ٹھہرایا ہے۔ وجہ یہ کہ عرفہ میں جمع سفری نہیں بلکہ نسکی (حجاز الی) ہے یعنی عرفہ اور مزدلفہ میں نمازوں کو جمع کرنا عبادات میں سے ہے۔ جبکہ سفر میں ایسا ہرگز نہیں۔ قائلین کے نزدیک اس کا صرف جواز ہے۔

۳۳۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ يَوْمَهُ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ لَيْلَهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو حضرت علی بن حسینؒ سے خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دن بھر چلنا چاہتے تھے تو ظہر و عصر کو جمع کرتے تھے اور جب رات بھر چلنا چاہتے تو مغرب و عشا کو جمع کرتے تھے۔

شرح: اس اثر میں بھی جمع کی کوئی صورت مذکور نہیں۔ ہمارے نزدیک جمع سے مراد جمع صوری ہے جو کتاب وسنت کے قوی دلائل سے مؤید ہے۔ زمانۂ قریب کے بعض ان جاہل مجتہدوں پر تف ہے جو فقہائے اُمت پر اعتراض کرنے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ ہدفِ طعن بناتے ہیں۔ کافی علم نہ ہونے کے باوجود مجتہد بنے پھرتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ جمع صوری ہی کتاب وسنت کے دلائل قاہرہ سے قریب تر ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ جمع تاخیر سے قریب تر ہے اور جمع حقیقی کے اکثر قائلین بھی جمع تاخیر ہی ملتے ہیں۔ دین کو اگر خواہشات نفس کا اکھاڑہ بنانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ مسائل کے بیان و تحقیق میں دیانت و امانت کو کارفرما رکھا جائے تو فرقہ بازی اور تعصب سے بچا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ یہ چھوٹی سی بات تعصب وہوائے نفس کے باعث بعض کو نظر نہیں آتی ؎

سمجھ میں نکتۂ توحید آتو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُتخانہ ہو تو کیا کہیے

یہی روایت کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ علی بن الحسینؒ کی سند سے ابن ابی شیبہ نے جناب علی بن ابی طالبؓ سے نقل کی ہے کہ وہ سفر میں مغرب پڑھتے، پھر رات کا کھانا کھاتے اور اس کے بعد عشا پڑھتے اور کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کو اس کے وقت پر پڑھا تھا سوائے ظہر وعصر عرفہ اور سوائے مغرب وعشا کے مزدلفہ میں قرآنی آیت نے نمازوں کا وقت بتا دیا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا جن حدیثوں کو جمع حقیقی کی دلیل بنایا جاتا ہے۔ ان میں جمع صوری کا احتمال قوی موجود ہے۔ اس احتمال کی موجودگی میں آیت قرآنی کو کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے؟ جو چیز کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے بے شمار دلائل سے ثابت ہو۔ اسے احتمالی دلائل سے اس کی جگہ سے ہلانا انصاف نہیں ہے بلکہ اعتساف ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فضل المعبود میں دیکھئے۔

۲۔ بَابُ قَصْرِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفَرِ

سفر میں نماز قصر کرنے کا باب

صبح اور مغرب میں اجماعاً قصر نہیں ہے۔ قصر کا تعلق صرف ظہر وعصر اور عشا کے ساتھ ہے۔ اس کے خلاف بقول ابن رشد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک قول ہے کہ قصر صرف خوف کے وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن نے اِنْ خِفْتُمْ کی قید لگائی ہے۔ سفر میں قصر کرنا بعض علما کے نزدیک فرض ہے۔ بعض کے نزدیک رخصت ہے پہلا قول ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ دوسرا قول امام شافعیؒ کے بعض اصحاب کا ہے۔ تیسرا قول مشہور تر روایت میں امام مالکؒ کا ہے اور جو تھا مشہور تر روایت میں امام شافعیؒ کا ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ حنابلہ کے نزدیک سفر میں قصر افضل ہے۔ امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے کہ قصر فرض ہے۔ اکثر علما کے نزدیک قصر کرنا ہی اولیٰ ہے تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے۔

ترمذی نے کہا کہ عمل اسی پر ہے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابو بکرؓ و عمرؓ نے کیا۔ محمد بن سحنون کا یہی قول ہے۔ اور مالکؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ اور یہی قول ہے ثوریؒ و حماد کا اور یہی منقول ہے عمرؓ، علیؓ، جابرؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ سفر کی نماز صرف دو رکعت ہے۔ اس کے سوا کچھ صحیح نہیں۔ اوزاعی نے کہا کہ اگر دو رکعت پڑھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے توڑ کر لغو کر دے اور سجدہ سہو کرے۔ الحسن بن علیؓ نے کہا کہ جو چار رکعت پڑھے وہ نماز کا اعادہ کرے۔

۳۳۵۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ خَالِدِ بْنِ اَسِیْدٍ، اَنَّهُ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ: یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اِنَّا نَجِدُ صَلٰوةَ الْخَوْفِ وَصَلٰوةَ الْحَضَرِ فِی الْقُرْاٰنِ وَلَا نَجِدُ صَلٰوةَ السَّفَرِ؟ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: یَا ابْنَ اَخِیْ، اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ بَعَثَ اِلَیْنَا مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نَعْلَمُ شَیْئًا۔ فَاِنَّمَا نَفْعَلُ، كَمَا رَاَیْنَاهُ یَفْعَلُ۔

ترجمہ: امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید نے عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ اے ابو عبدالرحمٰن! ہم قرآن میں صلوٰۃ الخوف اور صلوٰۃ الحضر کا ذکر پاتے ہیں مگر صلوٰۃ السفر کا ذکر نہیں پاتے۔ اس کا باعث کیا ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اے بھتیجے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (رسول بنا کر) بھیجا تھا۔ جب کہ ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ پس ہم نے جو کچھ آپؐ کو کرتے دیکھا تھا وہی کچھ کرتے ہیں۔

شرح: آیت وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ الخ نے قصر صلوٰۃ کو مباح کیا ہے مگر اس میں اِنْ خِفْتُمْ کی قید موجود ہے۔ لہٰذا اس میں اختلاف ہو گیا کہ آیا یہ آیت قصر صلوٰۃ میں ہے یا صلوٰۃ الخوف میں۔ اور قصر صلوٰۃ آیا بغیر کفار کے خوف کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ امام رازیؒ نے تفسیر میں کہا ہے کہ آیت میں قصر کا لفظ تخفیف بتایا ہے مگر عدد رکعات کے قصر میں صریح نہیں ہے۔ اس سے مراد ادائیگی نماز کی کیفیت کا قصر بھی ہو سکتا ہے۔ پس اس بنا پر اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہو گئے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد عدد رکعات میں قصر کرنا ہے۔ اس قول کے قائل بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد مسافر کی نماز ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد صلوٰۃ الخوف ہے۔ ابن عباسؓ جابرؓ بن عبداللہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز کے ادا کی کیفیت میں تخفیف ہے یعنی یہ کہ رکوع و سجدہ کے بجائے اس حالت میں اشارے سے نماز پڑھی جائے۔ امام بخاریؒ نے یہ آیت کتاب صلوٰۃ الخوف میں درج کی ہے جس سے ان کا میلان اس طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ آیت کے قصر کو صلوٰۃ الخوف سے تعبیر کرتے ہیں نہ کہ صلوٰۃ مسافر سے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں سائل قصر کو صلوٰۃ الخوف سے تعبیر کر رہا تھا۔ کیونکہ حالت امن میں قصر کا ثبوت اسے قرآن سے نہ ملا تھا۔ ابن عمرؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ اِنْ خِفْتُمْ کی قید جو آیت میں ہے یہ محض اتفاقی ہے احترازی نہیں یعنی بطور شرط نہیں۔ چونکہ اس وقت خوف موجود تھا جب آیت اتری، لہٰذا اسے بیان کر دیا گیا۔ یا یہ مطلب تھا کہ صلوٰۃ المسافرین قصر سنت رسولؐ سے ثابت ہے اور قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دی۔

۳۳۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَیْسَانَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّهَا قَالَتْ: فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَیْنِ، فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ۔ فَاُقِرَّتْ صَلٰوةُ

السَّفَرِ- وَزِيدَ فِي صَلٰوةِ الْحَضَرِ-

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نماز سفر و حضر میں دو دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ پھر سفری نماز کو اسی طرح رہنے دیا گیا اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔ (یہ حدیث امام محمد نے بھی اپنے موطا میں روایت کی ہے، بخاری میں ہے کہ یہ اضافہ ہجرت کے بعد ہوا تھا۔ احمد کی روایت میں ہے کہ مغرب پہلے سے تین رکعت تھی۔

شرح: یہ تو ظاہر ہے کہ نماز پنجگانہ شب اسرا میں فرض ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نماز اس سے پہلے بھی پڑھی جاتی تھی۔ روایات حدیث میں بالکل ابتدائے نبوت میں حضورؐ کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ کفار روکتے تھے تو حضورؐ اور اصحابؓ گھروں میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے دن سب سے پہلے نماز مسجد حرام میں علی الاعلان پڑھی گئی تھی۔ اس سے قبل حضور دار ارقم میں نماز پڑھاتے تھے۔ یہ واقعہ شاید نبوت کے پانچویں سال کا ہے۔ اس بنا پر ابو اسحاق حربی اور یحییٰ بن سلام نے لکھا ہے کہ معراج سے قبل نماز طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے دن میں دو مرتبہ دو دو رکعت پڑھی جاتی تھی۔ حضرت شیخ الاسلام عثمانی رحمہ اللہ نے درس بخاری میں فرمایا تھا کہ اسلام کا کوئی وقت بھی نماز سے خالی نہیں رہا۔ شاید وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ میں انہی دو نمازوں کا حکم تھا۔ یہ واضح نہیں ہے کہ اس وقت نماز آیا فرض تھی یا مستحب۔ اور اگر فرض تھی تو آیا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا اوروں پر بھی۔ بلکہ نماز تہجد بھی سورہ مزمل کی رو سے ایک عرصے تک فرض رہ چکی ہے اور پھر اس کی فرضیت منسوخ ہوئی تھی۔ سورۂ مزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کسی نہ کسی صورت وہیئت میں ابتدائے اسلام سے فرض تھی اور شب معراج میں اس کی حد بندی کی گئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۳۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ لِسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ: مَا أَشَدَّ مَا رَأَيْتَ أَبَاكَ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ سَالِمٌ: غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَنَحْنُ بِذَاتِ الْجَيْشِ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ بِالْعَقِيقِ-

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے سالم بن عبداللہؓ سے کہا کہ سفر میں آپ نے اپنے باپ کو زیادہ سے زیادہ مغرب کی نماز کو کتنا مؤخر کرتے دیکھا تھا؟ سالم نے کہا کہ سورج غروب ہوا جب کہ ہم ذات الجیش میں تھے۔ پھر عبداللہ نے نماز مغرب کو عقیق میں پڑھا۔

شرح: اس اثر کو روایت کرنے سے امام مالکؒ کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ سفر میں نماز کی تاخیر بھی جائز ہے۔ ان دو مقامات کا فاصلہ باہمی بڑا مختلف فیہ ہے۔ دو میل، ایک فرسنگ، چھ میل، سات میل، دس میل اور بارہ میل تک بتایا جاتا ہے۔ ابن سحنون مالکی اور ابن حبیب مالکی کی موطا کی شروح میں اور ابن الحوانکی شرح میں ہے کہ ابن عمرؓ نے یہ تاخیر پانی کو طلب کرنے کے لئے کی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب پانی ملنے کی امید ہوتی تو ابن عمرؓ نماز کے اول وقت تیمم نہ کرتے تھے۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے کہ پانی ملنے کی امید میں نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر دینا مستحب ہے۔ اس وقت تک اگر پانی مل جائے تو فبہا ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

۳- بَابُ مَا يَجِبُ فِيْهِ قَصْرُ الصَّلٰوةِ

قصر نماز کتنی مسافت میں واجب ہے

۳۳۸- حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا، اَوْ مُعْتَمِرًا، قَصَرَ الصَّلٰوةَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب حج کو نکلتے تھے تو ذوالحلیفہ کے مقام پر جا کر نماز قصر کرتے تھے۔ (یہ اثر مؤطا امام محمد میں بھی مروی ہوا ہے باب قَصْرِ الصلٰوۃِ فِی السَّفَرِ۔)

شرح: ذوالحلیفہ کا فاصلہ مدینہ منورہ سے چھ سات میل ہے۔ آخری حج کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر پہلی قصر نماز پڑھی تھی۔ لہذا تبرکاً ابن عمرؓ بھی وہیں سے قصر شروع کرتے تھے۔ حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے اسفار میں ابن عمرؓ مدینہ سے باہر نکل کر قصر شروع کر دیتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ذوالحلیفہ میں قصر اس وجہ سے نہیں کرتے تھے کہ اگر اس سے پہلے نماز کا وقت آ جائے، اور اسے ادا کرنا ہو تو قصر جائز نہ تھا۔

بقول حافظ ابن حجرؒ یہ مسئلہ اختلاف کے لحاظ سے بہت پھیلا ہوا ہے۔ کیونکہ علماء کے اس میں تقریباً بیس اقوال منقول ہیں۔ ابن رشد نے بدایہ میں کہا ہے کہ مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ چار برد میں قصر کیا جائے گا۔ اور یہ درمیانی رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔ ابو حنیفہؒ، ان کے اصحاب اور دیگر فقہائے کوفہ نے کہا ہے کہ اس کی کم از کم مقدار تین دن کا سفر ہے۔ ظاہریہ نے ہر سفر کے لئے قصر کو جائز رکھا، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ شوکانی نے کہا کہ اس کی کم از کم مقدار ایک میل بتائی گئی ہے۔ اور یہ ابن حزم ظاہری کا مذہب ہے۔ اس کی دلیل اس کے نزدیک کتاب اللہ کے لفظ سفر کا مطلق ہونا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ دوسرے ظاہری حضرات نے یہ مقدار تین میل بتائی ہے۔ ابن عبدالبرؒ کے قول کے مطابق امام مالکؒ کے نزدیک چار برد یا ۴۸ میل کی مسافت قصر کے لئے ضروری ہے۔ شافعیؒ اور طبریؒ کے نزدیک ۴۶ میل ہے اور علمائے کوفہ یعنی ثوریؒ، الحسن بن صالحؒ، شریکؒ اور ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک تین دن کی مسافت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ حنفیہ اور ثوری کا قول مالکؒ (وشافعیؒ) کے قول کے قریب ہے۔ کیونکہ حنفیہ تین دن کی مسافت پیدل سفر کے لئے یا اونٹ کی رفتار سے شمار کرتے ہیں جو ۴۸ میل بنتی ہے۔ ان دنوں میں مسافر نماز، غسل، وضو، استراحت بھی کرتا ہے گا۔ پس اس قول کے مطابق یہ چار فقہائے تقریباً اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ مالکؒ چار برد، شافعیؒ ۴۶ میل، ثوری تین دن کی مسافت اور حنفیہ ۴۸ میل۔ یہی ۱۶ فرسنگ ہے۔ اور یہی احمدؒ کا قول ہے۔ پس ائمہ اربعہ کا اس میں تقریباً اتفاق ثابت ہوا۔ باقی اقوال کے ذکر کی حاجت نہیں ہے۔ حنفیہ کی یہ دلیل نہایت پختہ ہے کہ صحاح کی بہت سی احادیث کی رُو سے مسافر کے لئے تین دن رات تک موزوں پر مسح جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی مقدار شرعی سفر کی ہے۔ امام محمد ابن الحسن الشیبانی فرماتے ہیں کہ مسافر صرف اس وقت قصر کرے گا۔ جب کہ وہ تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔ یہ مقدار اونٹ کی رفتار سے یا قدموں کی چال سے شمار ہوگی۔ جب وہ اپنے شہر سے نکل گیا اور شہر کی آبادی کو پیچھے چھوڑ گیا تو قصر کرے گا۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

۳۳۹- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ رَكِبَ

اِلٰى رِيْمٍ، فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ. فِي مَسِيْرِهٖ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ نَحْوٌ مِّنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ۔

ترجمہ: سالم نے اپنے والد عبداللہؓ کے متعلق بتایا کہ وہ ریم کی طرف سوار ہو کر گئے تو اس مسافت میں بھی نماز کو قصر کیا۔ (یہ اثر موطائے محمدؒ میں موجود ہے۔) امام مالکؒ نے کہا کہ یہ چار بُرد کے قریب فاصلہ ہے (یعنی ۴۸ میل)۔

شرح: مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی نے التعلیق الممجّد میں لکھا ہے کہ بُرد بُرید کی جمع ہے جو فارسی مصدر بُریدن (کاٹنا) کی ماضی ہے۔ تیز رفتاری کی غرض سے ڈاک کے گھوڑوں کی دُمیں کاٹ دیتے تھے۔ اس لئے انہیں بُرید کہا گیا۔ پھر ڈاک کی دو چوکیوں کے درمیانی فاصلے کو بُرید کہا جانے لگا۔ چار بُرد کا فاصلہ ۱۶ فرسنگ ہوتا تھا۔ ہر فرسنگ ۳ میل کا ہوتا۔ اس حساب سے یہ مسافت ۴۸ میل ہوئی۔ میل چار ہزار ہاتھ کا تھا۔ ابن الاثیر کے نہایہ میں اسی طرح آیا ہے۔ ہمارے علمائے حنفیہ نے بھی یہی مقدار بیان کی ہے۔ پس تین دن رات کا سفر یا چار بُرد ایک ہی چیز ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے بھی تقریباً یہی مسافت بیان کی ہے۔

۴۰۳۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، رَكِبَ اِلٰى ذَاتِ النُّصُبِ، فَقَصَرَ الصَّلٰوةَ فِي مَسِيْرِهٖ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَبَيْنَ ذَاتِ النُّصُبِ وَالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ذات النصب کی طرف سوار ہو کر گئے اور اپنے اس سفر میں قصر کیا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ذات النصب اور مدینہ کے درمیان چار بُرد کا فاصلہ ہے۔ (ذات النصب کے مقام پر زمانۂ جاہلیت میں بُت گاڑے گئے تھے۔ قرآن میں نصب کی جمع انصاب آئی ہے۔ مدینہ سے اس کے فاصلے میں مختلف روایات ہیں، مگر امام مالکؒ کی قربِ زمانہ کے باعث قوی تر ہے۔) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ۱۶ فرسخ آئے ہیں۔

۴۰۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّهٗ كَانَ يُسَافِرُ اِلٰى خَيْبَرَ فَيَقْصُرُ الصَّلٰوةَ۔

ترجمہ: نافعؒ نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ خیبر کا سفر کرتے تھے تو نماز قصر پڑھتے تھے۔ (یہ اثر موطا امام محمدؒ میں بھی موجود ہے)۔ خیبر مدینہ سے ۹۶ میل (چھ مراحل) پر واقع ہے۔ سالم بن عبداللہؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ایک پورے دن کے سفر میں نماز قصر کرتے تھے۔

شرح: ابن عبدالبرؒ نے الاستذکار میں لکھا ہے کہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک پورے دن کا سفر چار بُرد کے برابر ہوتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کے بیان سے اس اثر کا ظاہری اختلاف جو اوپر کے آثار سے ہے دور ہو جاتا ہے۔

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ

يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِي مَسِيْرَةِ الْيَوْمِ التَّامِّ۔

۳۴۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّهٗ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيْدَ، فَلَا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک بُرید کا سفر کرتا تھا تو عبداللہؓ اس مسافت پر نماز قصر نہ کرتے تھے۔ (کیونکہ یہ سفر بہت کم ہوتا تھا۔ ایک بُرید تقریباً ۱۲ میل کا ہوتا تھا۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صرف چند میل بلکہ ایک میل کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے۔ انہوں نے بڑی زیادتی کی ہے۔ ایک دو میل تو لوگ روزانہ صبح شام کو سیر کر آتے ہیں۔ بعض دفعہ رفع حاجت کے لئے انسان اتنی دور تک نکل جاتا ہے۔ کیا یہ سب لوگ نماز کو قصر پڑھیں گے؟)۔

۳۴۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ، كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ۔ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ۔ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔ وَذٰلِكَ اَحَبُّ مَا تُقْصَرُ اِلَيَّ فِيْهِ الصَّلٰوةُ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَقْصُرُ الَّذِيْ يُرِيْدُ السَّفَرَ الصَّلٰوةَ، حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ بُيُوْتِ الْقَرْيَةِ۔ وَلَا يُتِمُّ حَتّٰى يَدْخُلَ اَوَّلَ بُيُوْتِ الْقَرْيَةِ، اَوْ يُقَارِبَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نماز کو اس قدر فاصلے پر جاتے ہوئے قصر کرتے تھے۔ مثلاً مکہ اور طائف کا درمیانی فاصلہ اور مکہ اور عسفان کا درمیانی فاصلہ اور مکہ اور جدہ کا فاصلہ۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ چار بُرد کا فاصلہ ہے۔ امام مالکؒ نے یہ بھی کہا کہ نماز کے قصر کی یہ مسافت مجھے پسندیدہ تر ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جو سفر کا ارادہ کرے وہ نماز کا قصر اس وقت تک شروع نہ کرے جب تک کہ وہ اپنی بستی کی آبادیوں سے باہر نہ نکل جائے، اور واپسی پر اس وقت تک پوری نماز نہ پڑھے، جب تک کہ بستی کی پہلی آبادی میں داخل نہ ہو جائے یا اس کے قریب نہ پہنچ جائے۔

شرح: حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا ہے (الاستذکار) کہ مالکؒ کی یہ روایت ثقہ راویوں سے آئی ہے اور متصل الاسناد ہے، پھر ابن عبدالبر نے اسے عبدالرزاق وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ میں عطاء کا قول ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا، کیا میں عرفہ تک قصر کروں؟ فرمایا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ عسفان اور طائف تک قصر کروں؟ فرمایا ہاں۔ اور اسے اپنے ہاتھ سے شمار کر کے بتایا کہ یہ فاصلہ ۴۸ میل کا ہے۔ امام مالکؒ نے اس باب میں صحابہؓ کی روایات سے مسافتِ قصر ثابت کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی توقیت (حدبندی) ثابت نہ تھی۔ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ بقول اوزاعی جمہور علما چار بُرد سے کم میں نماز قصر نہیں کرتے اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ ایک کامل دن کی مسافت ہے اور جس نے احتیاط کی، وہ تین دن کے سفر سے کم میں قصر نہیں کرتا اور پختہ تجربات کو اخذ کرتا ہے۔

۴۔ بَابُ صَلٰوۃِ الْمُسَافِرِ مَالَمْ یُجْمِعْ مُکْثًا

اس مسافر کی نماز کا بیان جو اقامت کا پختہ ارادہ نہ کرے

۳۴۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَقُوْلُ: اُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الْمُسَافِرِ، مَالَمْ اُجْمِعْ مُکْثًا۔ وَاِنْ حَبَسَنِیْ ذٰلِكَ اثْنَتَیْ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ میں مسافر کی نماز پڑھتا ہوں جب تک کہ اقامت کا پختہ ارادہ نہ کروں۔ اگرچہ یہ (گو مگو کی کیفیت) مجھے بارہ دن روک رکھے۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ اثر موجود ہے۔)

شرح: بقول امام ترمذی و حافظ ابن عبدالبرؒ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ اصحاب رسولؐ رامہرمز کے مقام پر نو ماہ تک رہے اور قصر کرتے رہے۔ سعد بن مالکؓ شام میں دو ماہ رہے، عبدالرحمٰن بن سمرہ کابل میں اور ابن عمرؓ آذربائیجان میں چھ ماہ رہے مگر قصر کرتے رہے۔ یہ مسئلہ آگے آ رہا ہے کہ کتنی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے اور قصر واجب نہیں رہتا۔

۳۴۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَقَامَ بِمَکَّۃَ عَشْرَ لَیَالٍ، یَقْصُرُ الصَّلٰوۃَ اِلَّا اَنْ یُصَلِّیَهَا مَعَ الْاِمَامِ، فَیُصَلِّیْهَا بِصَلَاتِهٖ۔

ترجمہ: نافعؒ نے کہ ابن عمرؓ مکہ میں دس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھتے تو پھر امام کے مطابق ہی پڑھتے تھے۔ (ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: ابن عمرؓ کے عمل سے پتہ چلا کہ دس دن تک اگر مسافر کہیں رہے تو قصر کرے گا۔ ابن عمرؓ نے یا تو اس لئے قصر کیا کہ اقامت کا پختہ ارادہ نہ تھا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اتنی مدت کے قیام کا ارادہ کر لینے سے بھی ان کے نزدیک آدمی مسافر رہتا ہے۔ ہاں اس سے زیادہ (مثلاً حنفیہ کے نزدیک ۱۵ دن) اقامت کا ارادہ کرنے کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ اس کا جواب اس اثر میں نہیں ہے۔ یہ گفتگو آئندہ باب میں آتی ہے مشہور تر یہ ہے کہ ابن عمرؓ کا مذہب اس باب میں ۱۵ دن کا تھا۔

۵۔ بَابُ صَلٰوۃِ الْاِمَامِ اِذَا اَجْمَعَ مُکْثًا

مسافر کی نماز کا باب جب کہ وہ اقامت کا ارادہ کرے

۳۴۶۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِیِّ، اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ قَالَ: مَنْ اَجْمَعَ اِقَامَۃً، اَرْبَعَ لَیَالٍ، وَهُوَ مُسَافِرٌ، اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ اِلَیَّ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ صَلٰوۃِ الْاَسِیْرِ؟ فَقَالَ: مِثْلُ صَلٰوۃِ الْمُقِیْمِ۔ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مُسَافِرًا۔

ترجمہ: عطاء خراسانی نے سعید بن المسیبؒ کو یہ کہتے سنا کہ جو شخص چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ مسافر ہو تو اب وہ نماز پوری پڑھے گا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ یہ میری پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سُنی۔ امام مالکؒ سے قیدی کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ مقیم جیسی نماز پڑھے گا۔ مگر یہ کہ وہ مسافر ہو۔

شرح:

امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ۱۵ دن کی یا اس سے زیادہ کی اقامت کا ارادہ کرے تو پھر مقیم کی نماز پڑھے گا۔ سعید بن المسیب کا اثر امام محمد نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر اختلافی نوٹ لکھا ہے۔

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ سعید سے یہ مدت پندرہ روز کی مروی ہے اور اسے حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی الاستذکار میں ابن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سعید کا یہ اثر لائق ترجیح ہے۔ امام مالکؒ کو یا تو یہ اثر پہنچا نہیں یا پہنچا ہے تو ان کے قابل ترجیح وہ اثر ہے جو اس وقت زیر نظر ہے۔ سعید بن المسیبؒ کا ایک اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں تین کا بھی ہے جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ مگر بقول امام ابن رشد مالکیؒ فقہائے امصار کے تین مشہور قول ہیں۔ (۱) امام مالکؒ اور شافعیؒ نے کہا کہ جب مسافر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مقیم کے حکم میں ہو جاتا ہے (۲) ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ کا مذہب یہ ہے کہ مدتِ اقامت پندرہ دن ہے۔ جس سے مسافر نماز کو پورا پڑھنے لگے گا (۳) احمدؒ اور داؤدؒ کا قول یہ ہے۔ کہ مسافر چار روز سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مقیم جیسی نماز پڑھے گا۔ اختلاف کا باعث یہ ہے کہ یہ امر ایسا ہے جس سے شرع خاموش ہے اور تحدید پر قیاس کرنا سب کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان سب حضرات نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقولہ احوال سے استدلال کیا ہے۔ پہلے فریق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کے موقعہ پر مکہ میں تین دن کی اقامت سے استدلال کیا ہے۔

شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا استدلال، جیسا کہ بدائع میں ہے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے اقوال سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تو کسی شہر میں داخل ہو جبکہ تو مسافر ہو اور تیرا ارادہ پندرہ دن ٹھہرنے کا ہو جائے تو پھر تو نماز پوری پڑھ۔ اور اگر تجھ کو معلوم نہیں کہ کب کوچ کرے گا تو قصر کرے گا۔ صاحب بدائع نے کہا کہ مقادیر کا باب ایسا نہیں جس میں اجتہاد چل سکے۔ پس انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سُن کر کہی ہو گی۔ یہ روایت امام طحاویؒ نے کی ہے اور امام محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے کہ أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ ثَنَا مُوسَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ إِذَا كُنْتَ مُسَافِرًا فَوَطَّنْتَ نَفْسَكَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَأَتْمِمِ الصَّلَاةَ وَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَاقْصُرِ الصَّلَاةَ۔ علامہ نیمویؒ نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتے تو نماز کو پورا پڑھتے تھے۔ اس کی سند بھی حسن ہے۔ محمد بن الحسن نے کتاب الحجج میں سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ جب مکہ میں ۱۵ دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتے تو اپنی سواری کو کھول دیتے اور چار رکعت نماز پڑھتے (یعنی قصر ختم کر دیتے تھے)۔ محمد بن الحسن نے ہی کتاب الحجج میں سعید بن المسیب کا اسی مضمون کا قول نقل کیا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ابن عبد البرؒ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔

۶۔ بَابُ صَلٰوۃِ الْمُسَافِرِ اِذَا کَانَ اِمَامًا اَوْ کَانَ وَرَاءَ اِمَامٍ

مسافر امام یا مسافر مقتدی کی نماز کا باب

اس باب میں دو مسائل ہیں ایک یہ کہ امام مسافر ہو تو وہ دو رکعت پڑھ کر فارغ ہو جائے اور مقیم مقتدی اپنی اپنی نماز پوری کر لیں یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ دوسرا مسئلہ اختلافی ہے کہ جب مقیم ہو اور مقتدی مسافر ہو تو وہ کیا کرے؟

۳۴۳ (الف)۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ اِذَا قَدِمَ مَکَّةَ، صَلّٰی بِهِمْ رَکْعَتَیْنِ۔ ثُمَّ یَقُوْلُ یَا اَهْلَ مَکَّةَ اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ، فَاِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جب مکہ آتے تو انہیں دو رکعت پڑھا کر فرماتے اے مکہ والو اپنی نماز پوری کر لو۔ کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں۔ (امام محمدؒ نے یہ روایت اپنے مؤطا میں درج کی ہے۔)

شرح: ترمذی نے عمران بن حصین کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر نماز پڑھی۔ آپؐ ان دنوں مکہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے تھے اور قصر فرماتے تھے۔ اہل مکہ سے فرماتے کہ تم چار رکعت پڑھو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں۔ ترمذی نے اسے حدیث حسن کہا ہے۔ کیونکہ بقول حافظ ابن حجر اس کے شواہد موجود تھے۔ اٹھارہ دن کی اقامت تو تھی مگر حالات جنگ اور خطرے کے تھے۔ لہٰذا پختہ ارادہ قیام کا نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ترمذی کے علاوہ یہ حدیث جیسا کہ شوکانی نے کہا ہے ابوداؤد اور بیہقی نے بھی روایت کی ہے۔

۳۴۳ (ب) وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِثْلَ ذٰلِکَ۔

ترجمہ: زید بن اسلم نے اپنے باپ سے اور اس نے حضرت عمر بن الخطاب سے گزشتہ حدیث کی مانند روایت کی ہے۔

۳۴۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یُصَلِّیْ وَرَاءَ الْاِمَامِ، بِمِنًی اَرْبَعًا۔ فَاِذَا صَلّٰی لِنَفْسِهٖ، صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ منیٰ میں امام کے پیچھے چار رکعت پڑھتے اور اگر تنہا نماز پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔

شرح: امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ اگر مقتدی کو ایک پوری رکعت با جماعت نہ ملے تو دو رکعات پڑھے ورنہ چار۔ طحاوی نے کہا کہ ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ اگر مقتدی اس کو تشہد میں بھی پالے تب بھی چار رکعت (بوجہ متابعتِ امام) پڑھے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ نے کہا کہ مقتدی مسافر ہو تو مقیم امام کے پیچھے اسے دو گانہ پڑھنا جائز ہے۔ مگر امام احمدؒ کی کتب فروع کہتی ہیں کہ وہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ امام شافعیؒ اور ثوریؒ کا قول بھی بالکل حنفیہ جیسا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس باب میں امام مالک کا اختلاف ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مقتدی ایک پوری رکعت

امام کے ساتھ پڑھ لے۔ تو پھر چار رکعت پڑھے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ مقیم امام کے پیچھے مسافر مقتدی کا پوری نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔

۳۴۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ صَفْوَانَ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَعُوْدُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ صَفْوَانَ، فَصَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُمْنَا فَأَتْمَمْنَا۔

ترجمہ: صفوان بن عبداللہ بن صفوان نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن صفوان کی عیادت کے لئے آئے اور ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر فارغ ہو گئے۔ پھر ہم نے بعد میں اُٹھ کر نماز پوری پڑھی (یعنی چار رکعت پڑھی)۔

بَابُ صَلٰوةِ النَّافِلَةِ فِي السَّفَرِ بِالنَّهَارِ وَاللَّيْلِ وَالصَّلٰوةِ عَلَى الدَّابَّةِ

سفر میں دن رات کی نفل نماز اور سواری پر نماز کا بیان

۳۵۰۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يُصَلِّيْ مَعَ صَلٰوةِ الْفَرِيْضَةِ فِي السَّفَرِ شَيْئًا، قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا، إِلَّا مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ. فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ عَلَى الْأَرْضِ، وَعَلٰى رَاحِلَتِهِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ۔

ترجمہ: نافعؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سفر میں فرض نماز کے ساتھ اس سے پہلے یا بعد میں کچھ نہ پڑھتے تھے۔ ہاں نماز تہجد کو زمین پر پڑھتے اور سواری پر بھی، چاہے وہ کسی طرف کو جاتی ہو۔ (معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہوا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں کہا ہے کہ سفر میں مسافر اپنی سواری پر نماز نفل پڑھ سکتا ہے چاہے سواری کا منہ کسی طرف بھی ہو۔ لیکن وتر اور فریضہ زمین پر ادا کیا جائے گا۔ آثار میں یہی وارد ہے۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ کے پانچ آثار اور عروہ بن زبیرؓ کا ایک اثر اس مضمون کی تائید میں روایت کئے ہیں۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ علما مطلق نوافل کے سفر میں مستحب ہونے پر متفق ہیں۔ سنن رواتب کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ ابن عمرؓ نے انہیں ترک کیا ہے اور جمہور نے بشمول امام شافعیؒ انہیں بھی مستحب کہا ہے۔ حنفیہ کا مسلک اس مسئلہ میں درمختار میں یہ آیا ہے کہ امن و قرار کی حالت میں سنن و نوافل پڑھ لئے جائیں۔ مگر خوف و فرار یا عین حالتِ سفر میں انہیں نہ پڑھا جائے۔ یہی قول مختار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو جاتے ہوئے گدھے پر نفل پڑھے تھے۔ حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ہمیشہ فجر کی دو سنت اور وتر ادا کئے ہیں۔

۳۵۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَعُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَبَا بَكْرِ ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، كَانُوْا يَتَنَفَّلُوْنَ فِي السَّفَرِ۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النَّافِلَةِ فِي السَّفَرِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ. بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔

وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ القاسم بن محمد۔ عروہ بن زبیر اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن سفر میں نفل پڑھا کرتے تھے۔ (اور یہ تینوں حضرات فقہاء تھے۔ پہلے دو حضرات تو مشہور ہیں اور تیسرے بزرگ فقہائے سبعہ میں سے تھے۔ نام اور کنیت ابوبکر تھی اور یہ عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ مخزومی کے صاحبزادے تھے۔ اس اثر میں مطلق نوافل کا ذکر ہے جو دن اور رات کے ہر قسم کے نوافل کو بشمول رواتب محیط ہیں۔) امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ سفر میں نفل کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ رات دن کے نوافل میں کوئی حرج نہیں اور مجھے خبر ملی ہے کہ بعض اہل علم ایسا کرتے تھے۔ (یعنی وہ صرف تہجد ہی نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ دن کے نوافل بھی پڑھتے تھے بعض کے لفظ سے معلوم ہوا کہ بعض ایسا نہیں کرتے تھے۔

۳۵۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهُ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ، فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تو اس کا انکار نہ کرتے تھے۔

شرح: مسلم کی حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے بحالت سفر دوگانہ ادا کیا اور اپنے ڈیرے میں چلے گئے۔ پھر کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو کہا یہ کیا کرتے ہیں؟ پتہ چلا کہ نفل پڑھتے ہیں۔ عبداللہؓ نے کہا کہ اگر نفل پڑھنا ہوتے تو میں اپنی فرض نماز ہی کیوں پوری نہ کر لیتا؟ زیر نظر اثر اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح آگے ایک اثر آتا ہے کہ عبداللہ خود بھی سفر میں سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ پھر خود ہی عبداللہ اس حدیث کے راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا۔ مگر بخاری میں ان کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا تھا مگر انہیں نوافل پڑھتے نہیں دیکھا اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ ابن عمرؓ کا مذہب یہ تھا کہ مطلق نوافل سفر میں جائز ہیں نہ کہ سنن رواتب۔ بخاری کے نزدیک ابن عمرؓ فرائض کے بعد نفل کی ادائیگی سے سفر میں منع کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرائض سے پہلے سنت اگر پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ مگر ترمذی کی روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی نماز اور اس کے بعد دو رکعت سُنت پڑھی تھی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ اس طرح ترمذی کی ایک اور حدیث میں مغرب کے بعد سفر میں دو رکعات نفل پڑھنے کا ذکر ہے۔ شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ زیادہ تر احوال میں نفل پڑھنے کی نفی ہے مگر احیاناً پڑھ لیتے تھے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا ہے کہ اثبات سے مراد امن و قرار کی حالت ہے اور نفی سے مراد بالفعل سفر کرنے کا وقت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین پر نفل پڑھنے کی نفی مانی جائے اور سواری پر پڑھنے کا اثبات۔

حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اس باب میں روایات کا اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ سفر میں نفل پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں کی گنجائش ہے اور یہ نمازی کی صوابدید پر مبنی ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے۔ مسلم نے ابوقتادہؓ اور ابوہریرہؓ کی احادیث روایت کی ہیں جن میں حضورؐ کا فجر کی دو رکعات سنن پڑھنا مصرح ہے۔ ابوداؤدؒ نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ میں نے اٹھارہ مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا۔ آپ نے ظہر سے قبل دو رکعات کبھی نہیں چھوڑی تھیں۔ عمران بن حصین سے حضورؐ کا فجر کی سنت کا سفر میں ادا کرنا ثابت ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہما نے حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از

صبح دو رکعت اور بعد از عصر دو رکعت کبھی سفر و حضر میں ترک نہیں کیں۔

۳۵۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِي الْحُبَابِ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَهُوَ عَلٰى حِمَارٍ، وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إِلٰى خَيْبَرَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی طرف جاتے ہوئے ایک گدھے پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (اس روایت میں عمرو بن یحییٰ مازنی کے علاوہ دیگر سب راوی حضورؐ کے راحلہ یا بعیر پر ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا اس روایت کو شاذ کہا جاتا ہے۔)

۳۵۴ (الف) وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهِ، فِي السَّفَرِ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے۔ سواری خواہ کسی طرف جاتی ہو۔ عبداللہ بن دینار راوی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا کرتے تھے۔ (یہ حدیث کئی دیگر احادیث کے بظاہر خلاف نظر آتی ہے ہم نے اس پر حدیث نمبر ۳۵۲ کی شرح میں ذرا تفصیل سے بات کی ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ اور اس نماز سے مراد نوافل ہیں۔ کیونکہ بقول ابوالولید الباجی اجماعاً بلا عذر فریضہ کو زمین کے علاوہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ عذر سے مراد یہاں پر خوف، کیچڑ اور مرض ہے۔ نوویؒ نے کہا ہے کہ فرض نماز قبلہ رُخ کے علاوہ ادا کرنا سب کے نزدیک ناجائز ہے۔)

۳۵۴ (ب) وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي السَّفَرِ وَهُوَ يُصَلِّي عَلٰى حِمَارٍ، وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ إِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ إِيمَاءً، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَضَعَ وَجْهَهُ عَلٰى شَيْءٍ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے انس بن مالک کو سفر میں گدھے پر نماز پڑھتے دیکھا اور وہ قبلہ رُخ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کئے ہوئے تھے۔ اپنا چہرہ کسی چیز پر رکھے بغیر رکوع اور سجدہ اشارے سے کرتے تھے۔ (اس حالت میں اشارے سے نماز پڑھنا اجماعی مسئلہ ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت البتہ حنفیہ، احمد بن حنبلؒ اور ابوثورؒ نے کہا ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے اور یہ مستحب ہے۔ ورنہ اگر ایسا نہ کر سکیں تو بھی نماز ہو جاتی ہے۔ شامی نے کہا ہے کہ جب باقی نماز ایسی حالت میں غیر قبلہ کی طرف ہو جاتی ہے تو افتتاح بھی غیر قبلہ کی طرف جائز ہے اور فقہا کے اقوال سے اس میں فرض و نفل کا کوئی فرق نہیں یعنی عذر کی حالت میں فرض بھی غیر قبلہ کی طرف جائز ہے۔)

۸- بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

چاشت کی نماز کا باب

ضُحیٰ، ضَحْوہ، ضُحا اور ضُحاء سب کا معنیٰ ہے وہ وقت جبکہ سورج دن کے چوتھے حصے تک بلند ہو جائے۔ ضُحیٰ اور اشراق کا وقت ایک ہی ہے اور ایک قول میں اشراق کا وقت ضُحیٰ کا اول وقت ہوتا ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ یہ نماز پہلے انبیا کے وقتوں میں بھی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے متعلق فرمایا اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ العشی کو عصر کی صورت میں باقی رکھا اور اشراق (کی فرضیت) کو منسوخ کر دیا۔ بعض شافعی علما کے نزدیک کے نزدیک اُمت کے حق میں منسوخ ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی۔ اُمت کے حق میں اس کی حیثیت میں اختلاف ہے۔ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی حافظ ابن القیم نے الہدیٰ میں اس کے متعلق چھ اقوال نقل کئے ہیں۔ (۱) مستحب (۲) کسی عارضی سبب سے مشروع ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ حضورؐ نے اسے جب پڑھا کسی سبب سے پڑھا (۳) غیر مستحب ہے۔ (۴) کبھی کبھی پڑھنا مستحب ہے۔ ہمیشہ نہیں۔ (۵) اس کی مواظبت گھروں میں مستحب ہے مساجد وغیرہ میں نہیں۔ (۶) یہ بدعت ہے۔

شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ عدد رکعات کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہے۔ جن بعض روایات میں ۱۲ کا عدد آیا ہے ان سے مراد ۴ رکعت اشراق اور باقی صلوٰۃ الضحیٰ ہے۔ صحیح تر یہی ہے کہ اشراق اور ضحیٰ دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ اشراق کا وقت ضُحیٰ سے ذرا پہلے ہے۔ ضُحیٰ کو بعض احادیث میں نماز زوال بھی کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس کا وقت زوال سے پہلے تک ہے۔

۳۵۵- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوْسَی بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ اَبِیْ مُرَّةَ، مَوْلٰی عَقِيْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّ اُمَّ هَانِئٍ، بِنْتَ اَبِیْ طَالِبٍ، اَخْبَرَتْهُ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَامَ الْفَتْحِ، ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ، مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ۔

ترجمہ: اُمّ ہانی بنت ابی طالب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی تھی۔ (یہ نماز وقتِ چاشت میں ادا فرمائی تھی۔)

شرح: اُمّ ہانی صحابیہ تھیں۔ ان کا نام فاختہ یا فاطمہ یا ہند تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ حضورؐ نے یہ نماز بہت ہلکی ادا فرمائی تھی۔ کیونکہ مہمات فتح کی مصروفیت تھی۔

۳۵۶- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِی النَّضْرِ، مَوْلٰی عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، اَنَّ اَبَا مُرَّةَ، مَوْلٰی عَقِيْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ، اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ اَبِیْ طَالِبٍ تَقُوْلُ: ذَهَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهٗ يَغْتَسِلُ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهٗ تَسْتُرُهٗ بِثَوْبٍ، قَالَتْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ. فَقَالَ: "مَنْ هٰذِهٖ؟" فَقُلْتُ اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ. فَقَالَ: "مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ"

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ، قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ انْصَرَفَ۔ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، زَعَمَ ابْنُ أُمِّي، عَلِيٌّ، أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا أَجَرْتُهُ، فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ" قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَ ذٰلِكَ ضُحًى۔

ترجمہ: عقیلؓ بن ابی طالب کے غلام ابو مرہ نے کہا کہ اس نے اُمّ ہانیؓ بنت ابی طالب کو یہ کہتے سُنا تھا کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ پس میں نے آپ کو غسل کرتے پایا اور آپ کی بیٹی فاطمہؓ ایک کپڑے کے ساتھ پردہ کر رہی تھی۔ اُمّ ہانی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا تو آپ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے کہا اُمّ ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ پس فرمایا: اُمّ ہانی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ پھر جب آپ غسل سے فارغ ہو کر اُٹھے تو آٹھ رکعت نماز ایک کپڑا جسم پر لپیٹ کر پڑھی، پھر نماز کو ختم کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں جائے بھائی علیؓ نے کہا ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کرے گا جسے میں نے پناہ دی ہے، وہ فلاں شخص ابن ہبیرہ نامی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُمّ ہانی! جسے تو نے امان دی ہے ہم نے بھی اسے پناہ دی۔ اور یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے۔

شرح: یہ جس شخص کی پناہ کا ذکر ہوا ہے اس کا باپ ہبیرہ بن ابی وہب بن عمر المخزومی تھا۔ جو اُمّ ہانی کا خاوند تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر ہبیرہ مکہ سے نجران بھاگ گیا اور موت تک وہیں رہا تھا۔ اس کی موت شرک پر ہوئی۔ حافظ بدرالدین عینی نے کہا ہے کہ یہ فلاں بن ہبیرہ جو روایت میں مذکور ہے اس کی شخصیت میں بڑا اختلاف آیا ہے۔ التمہید میں مروی ہے کہ اُمّ ہانیؓ نے کہا فتح مکہ کے دن میرے پاس میرے دو دیور آئے اور میں نے انہیں پناہ دے دی۔ علیؓ نے انہیں قتل کرنا چاہا، تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی الخ۔ معجم طبرانی میں ہے کہ میں نے اپنے دیور کو پناہ دی، جو ابن ہبیرہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دو دیور تھے جو ہبیرہ کے بیٹے تھے حافظ عینی نے کہا کہ یہ اختلاف تو تھا روایت کا۔ فلاں بن ہبیرہ کی تعیین و تفسیر میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ابوالعباس کے حوالے سے بتایا کہ یہ جعدہ بن ہبیرہ اور ایک اور شخص تھا۔ یہ دونوں مخزومی تھے، اور اس دن خالد بن ولیدؓ کے ساتھ قتال کرنے والوں میں شامل تھے۔ گویا انہوں نے حضورؐ کی اعلان کردہ امان کو قبول نہ کیا تھا۔ پھر اُمّ ہانی نے انہیں امان دی۔ اور یہ دونوں اس کے دیور ہوتے تھے۔ ابن الجوزی نے کہا کہ اگر ابن ہبیرہ ان دونوں میں سے تھا تو اس کا نام جعدہ بن ہبیرہ تھا۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تو ثابت ہے مگر صحابیت ثابت نہیں۔ اور بخاریؒ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر جس شخص کی عمر فتح مکہ کے موقع پر اتنی کم تھی، وہ مقاتلین میں کیسے شامل تھا، اور اسے امان کی کیوں کر ضرورت تھی؟ اور اگر وہ اُمّ ہانیؓ کی اولاد میں سے تھا کیونکہ اُمّ ہانیؓ کے خاوند کا نام ہبیرہ بھی بتایا گیا ہے۔ تو چونکہ اُمّ ہانیؓ اسلام لے آئی تھی۔ اس لئے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے قتل کا ارادہ کیوں کیا تھا کہ وہ تو صغیر السن بھی تھا؟ حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ ممکن ہے یہ ہبیرہ کا بیٹا کسی اور بیوی سے ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ انھی ابن عبدالبر کے بقول اہل نسب کے نزدیک ہبیرہ کا کوئی اور بیٹا نہ تھا۔ جو اُمّ ہانیؓ کے علاوہ کسی اور بیوی سے ہوتا۔

ابن ہشام نے سیرت میں کہا ہے کہ اُمّ ہانیؓ نے جن کو پناہ دی تھی، وہ حارث بن ہشام مخزومی اور زہیر بن ابی اُمیہ مخزومی تھے۔ واقدی کی روایت جو ازرقی نے بیان کی ہے، اس میں دوسرے شخص کا نام عبداللہ بن ابی ربیعہ آیا ہے۔ بعض رواۃ کا بیان ہے کہ دوسرے کا نام ہبیرہ بن ابی وہب تھا لیکن یہ روایت غلط ہے۔ کیونکہ ہبیرہ تو فتح مکہ کے دن نجران کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہیں

بحالتِ شرک اس کی وفات ہوئی تھی۔ پس ہبیرہ کا ذکر ان لوگوں میں درست نہیں، جن کو امان ملی تھی۔ زبیر بن بکار نے اس روایت میں فلان بن ہبیرہ کے بجائے الحارث بن ہشام کا نام بیان کیا ہے۔ شاید اس کا زیر نظر حدیث کی روایت میں ایک لفظ حذف ہوگیا ہے اصل عبارت یوں ہوگی۔ فُلَانُ بْنُ عَمِّ هُبَيْرَةَ۔ پس عم کا لفظ ساقط ہوگیا اور اس کی وجہ سے یہ ساری غلط فہمی اور سر دردی پیدا ہوئی۔ الحارث بن ہشام مخزومی، زہیر ابن ابی امیّہ مخزومی اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی ان تینوں کا یہ وصف صحیح ہے کہ وہ ہبیرہ کے ابن عم (چچازاد) تھے۔ کیونکہ یہ سب اس کے رشتہ دار تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلم عورت کی امان جائز ہے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ابن الماجشون مالکی اور سحنون مالکی کا اس میں اختلاف ہے۔ اس حدیث سے صلوٰۃ الضحیٰ کا استحباب ثابت ہوا۔ مگر جو اس کے قائل نہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ نماز فتح کے شکرانے کی تھی نہ کہ صلوٰۃ الضحیٰ۔ امراء عساکر اسے صلوٰۃ الفتح کہتے ہیں اور فتح کے موقع پر پڑھتے ہیں۔ خالد بن الولیدؓ نے حیرہ کی فتح پر یہ نماز پڑھی تھی۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے فتح مدائن کے موقع پر پڑھی تھی۔ اُمّ ہانیؓ نے صرف اسی نماز کا وقت بتایا ہے نہ کہ یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" تھی لیکن مسلم اور ابوداؤد کی روایات میں صراحتہً "سبحۃ الضحیٰ" کا لفظ موجود ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ صلوٰۃ الضحیٰ تھی۔

۳۵۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ سُبْحَةَ الضُّحَى قَطُّ، وَإِنِّي لَأُسَبِّحُهَا. وَإِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيَدَعُ الْعَمَلَ، وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ، فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے نہیں دیکھا تھا اور میں یہ نماز پڑھتی ہوں۔ رسول اللہ علیہ وسلم بعض اعمال کو پسند کرتے تھے مگر ان پر عمل اس لئے نہ فرماتے تھے کہ لوگ انہیں کرنے لگیں گے تو مبادا ان پر فرض ہو جائیں۔

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی بات بہت کمزور ہے۔ جن کے نزدیک صلوٰۃ الضحیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی اور یہ کہ وہ آپ کے خصائص میں داخل تھی۔ مگر یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہوئی۔ یحییٰ کے علاوہ مؤطا کے بعض دوسرے راویوں کی روایت میں حضرت اُمّ المومنین کے قول میں یہ الفاظ مروی ہیں۔ وَإِنِّي لَأَسْتَحِبُّهَا " اور میں اسے مستحب جانتی ہوں " بعض شارحین نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ یحییٰ کی روایت لَأَسْتَحِبُّهَا ہے۔ اور دوسروں کی روایت میں لَأُسَبِّحُهَا۔ ہمارے دیار میں مؤطا کا جو نسخہ رائج ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ کا ہے۔ اور اس میں متن کے اندر لَأُسَبِّحُهَا اور حاشیے پر لَأَسْتَحِبُّهَا آیا ہے۔ پہلے لفظ کا معنیٰ یہ ہے کہ اور میں اسے پڑھتی ہوں۔ اور دوسرے کا معنیٰ ہے اور میں اسے مستحب سمجھتی ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بہت فرق ہے

صلوٰۃ الضحیٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں بھی اختلاف ہے۔ حدیث زیر بحث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس میں صراحت ہے کہ حضورؐ نے صلوٰۃ الضحیٰ کبھی نہیں پڑھی۔ کیونکہ آپ کو خدشہ تھا کہ لوگ پڑھنے لگیں گے تو ان پر فرض ہو جائے گی۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو یہ نماز پسند تھی۔ مگر اس عذر سے نہیں پڑھی جو مذکور ہوا۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس وقت صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے۔ جب کسی سفر سے آپ واپس تشریف لاتے تھے۔ مسلم، احمد،

نسائی، ترمذی، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعات صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے۔ اور اللہ چاہتا تو زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ پس ان تین روایات میں سے پہلی میں مطلق نفی ہے۔ تیسری میں مطلق اثبات ہے۔ بلکہ تعداد رکعات بھی ہے۔ دوسری بین بین ہے اور سفر سے آنے کے ساتھ مقید ہے۔ بعض علماء مثلاً ابن عبدالبر وغیرہ نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا حضورؐ کو یہ نماز پڑھتے نہ دیکھنا اس چیز کی نفی نہیں کرتا کہ اور اصحاب نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے وقت حضورؐ عموماً مسجد میں یا کسی اور جگہ ہوتے تھے۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی نفی کا یہ معنیٰ بتایا ہے کہ آپؐ صلوٰۃ الضحیٰ پر ہمیشگی نہ فرماتے تھے۔ لیکن حضرت عائشہؓ کا یہ قول کہ میں نے آپ کو کبھی یہ نماز پڑھتے نہ دیکھا، بیہقی کے اس قول کو رد کرتا ہے۔ ابن حبان نے دوسری اور تیسری روایت کو اس طرح جمع کیا ہے کہ سفر سے واپسی پر آپ سیدھے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ لہذا یہ نماز وہیں پڑھتے تھے۔ اور چار یا زیادہ رکعات جب پڑھتے تو گھر میں پڑھتے تھے۔ لیکن پہلی روایت کا اشکال پھر بھی باقی رہا۔ قاضی عیاض نے پہلی اور تیسری حدیث کو یوں جمع کیا ہے کہ پہلی میں حضرت عائشہؓ کے خود دیکھنے کی نفی ہے اور تیسری میں نماز کی خبر ہے جو کسی اور کے بتانے سے بھی دی جا سکتی ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے پہلی روایت کی نفی کو نمازِ اشراق پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ وہ مسجد میں ہوتی تھی نہ کہ گھر میں۔ دوسری حدیث بھی مسجد میں پڑھنے کے متعلق ہے اور تیسری گھر کی نماز کے متعلق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۵۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَائِشَةَ. أَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّي الضُّحَى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ. ثُمَّ تَقُولُ: لَوْ نُشِرَ لِيْ أَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهُنَّ.

ترجمہ: عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ صلوٰۃ الضحیٰ آٹھ رکعت پڑھتی تھیں، پھر کہتی تھیں کہ اگر میرے والدین کو بھی زندہ کر دیا جائے تو میں ان رکعات کو نہ چھوڑوں۔

شرح: مطلب یہ ہے کہ ان رکعات کی فضیلت و لذت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُمّ رومانؓ کی حیات کی لذت سے ان کے نزدیک زیادہ تھی۔ اس قسم کے فقرے کو تعلیق بالمحال کہا جاتا ہے اور مراد اس سے مبالغہ اور زور پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جناب عائشہؓ نے رکعات کی تعداد شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے والی کسی حدیث کی بنا پر رکھی تھی۔ مثلاً اُمّ ہانیؓ کی حدیث۔ ورنہ صلوٰۃ الضحیٰ ان نمازوں میں سے ہے جو رغائب کہلاتی ہیں اور ان کی تعدادِ رکعات مقرر نہیں ہوتی۔ پڑھنے والے اپنی استطاعت و ہمت کے مطابق پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کو اتنی ہی مقدار پر مداومت کی استطاعت ہو۔ ملخصاً قاضی ابوالولید الباجی المالکی۔ المنتقیٰ ج ا صفحہ ۲۷۰ سیوطی نے الباجی کے قول کو مختار قرار دیا ہے مگر زرقانی نے اس پر تنقید کی ہے۔ کیونکہ اس نماز کی رکعات اس سے بھی کم پڑھی جا سکتی ہیں۔ کم از کم دو رکعات ہیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ۔ لیکن بقول حافظ عینی دو، چار، چھ، آٹھ، دس اور بارہ تک رکعات کی تعداد ہے۔ حنفیہ نے کم از کم دو، زیادہ سے زیادہ ۱۲، اور اوسط مقدار آٹھ بیان کی ہے اور آٹھ کو افضل کہا ہے۔

حافظ عینی نے کہا ہے کہ صلوٰۃ الضحیٰ میں انسؓ، ابوہریرہؓ، نعیم بن ہمارؓ، ابوذرؓ، حضرت عائشہؓ، ابو امامہ باہلیؓ، عتبہ بن عبد سلمیؓ، ابن ابی اوفیٰؓ، ابو سعیدؓ، زید بن ارقمؓ، ابن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، جبیر بن مطعمؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، عائذ بن عمروؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، ابو موسیٰؓ، عتبان بن مالکؓ، عقبہ بن عامرؓ، علی بن ابی طالبؓ، معاذ بن انسؓ، النواس بن سمعانؓ، ابوبکرہؓ، ابو مرہ طائفی وغیرہم نے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان حضرات کی مرویات ترمذی، ابن ماجہ، مسلم، ابوداؤد، طبرانی، موطا، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، مسند ابی یعلیٰ، نسائی الکبریٰ،

بیہقی وغیرہا میں بکھری پڑی ہیں۔ ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ یہ احادیث تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ ان روایات سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اشراق اور ضحیٰ دونوں نمازوں کی ترغیب آئی ہے۔

۹ بَابُ جَامِعِ سُبْحَةِ الضُّحٰى

ضحیٰ کے وقت کی کچھ اور نمازیں

۳۵۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ جَدَّتَهُ، مُلَيْكَةَ، دَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ. فَأَكَلَ مِنْهُ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قُومُوا فَلِأُصَلِّيَ لَكُمْ". قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ، مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ. فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ، وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا. فَصَلّٰى لَنَا رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ انْصَرَفَ.

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ اسحاق بن عبداللہ کی دادی ملیکہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا۔ پس آپ نے کھانا کھانے کے بعد فرمایا، اُٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ انسؓ نے کہا کہ میں اُٹھا اور ہماری ایک چٹائی جو کثرتِ استعمال سے سیاہ ہو گئی تھی اسے پانی سے صاف کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ پس حضورؐ نے ہمیں دو رکعات پڑھائیں اور پھر تشریف لے گئے۔

شرح: حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا ہے کہ بعض ارباب رجال کے نزدیک انسؓ کی کوئی دادی یا نانی زندہ نہ تھی جو ایمان لاتی۔ پس اس حدیث میں "جدتہ" کی ضمیر اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی طرف لوٹتی ہے۔ جو انسؓ کے ماں جائے بھائی عبداللہ کا بیٹا تھا۔ اور اس رشتے سے انس کا بھتیجا تھا۔ بالفاظِ دیگر یہ عورت ملیکہؓ حضرت ابوطلحہؓ (انسؓ کے والدہ تھیں)۔ امام الحرمینؒ، ابونعیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ملیکہؓ انس کی نانی تھی۔ اور کئی شراحِ حدیث نے اس کی تائید کی ہے۔ ابن سعد نے بھی یہی کہا ہے۔

جس یتیم کا ذکر انسؓ نے اس حدیث میں کیا ہے، یہ ضمیرہؓ بن ابی ضمیرہؓ تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اور حضورؐ کے ساتھ دعوت پر آیا تھا۔ یہ انسؓ کا بھائی نہیں تھا۔ جیسا کہ محدث علی القاریؒ نے کہا ہے۔ یہ نماز چونکہ صلوٰۃ الضحیٰ کے وقت میں ہوئی تھی، لہٰذا امام مالکؒ نے اس روایت کو اس باب میں درج کیا ہے۔

۳۶۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِالْهَاجِرَةِ، فَوَجَدْتُهُ يُسَبِّحُ. فَقُمْتُ وَرَاءَهُ. فَقَرَّبَنِي حَتّٰى جَعَلَنِي حِذَاءَهُ عَنْ يَمِينِهِ. فَلَمَّا جَاءَ يَرْفَأُ، تَأَخَّرْتُ. فَصَفَفْنَا وَرَاءَهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس دوپہر کے وقت گیا اور انہیں نماز پڑھتے پایا۔ سو میں

ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پس انہوں نے مجھے اپنے قریب دائیں طرف کر کے برابر کھڑا کر لیا۔ پھر جب یرفا آیا تو میں پیچھے ہٹا اور ہم دونوں نے ان کے پیچھے صف بنالی۔

شرح: راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود کا بھتیجا اور ایک بڑا تابعی تھا۔ دوپہر کے وقت (الہاجرہ) سے مراد قبل از زوال کا وقت ہے، جب کہ گرمی شدید ہو جاتی ہے۔ حدیث صحیح ہے کہ "فلصیین کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب کہ اونٹوں کے بچے ریگستانوں میں گرم ہو جائیں"۔ صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی نماز میں کراہت ہے مگر صحیح ہے۔ ابوحنیفہؒ، مالک اور شافعی کا یہی قول ہے۔ احمدؒ اور ابو ثورؒ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہے۔ یرفا حضرت عمرؓ کا خادم اور آزاد کردہ غلام تھا۔ بظاہر یہ نماز صلوٰۃ الضحیٰ تھی۔ اگر نہیں تو چونکہ ضحیٰ کے وقت میں پڑھی گئی۔ اس لئے امام مالکؒ نے اس روایت کو اس باب میں درج کیا ہے۔

۱. بَابُ التَّشْدِيدِ فِي أَنْ يَمُرَّ أَحَدٌ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي

نمازی کے سامنے سے گزرنے کے متعلق تشدید کا باب

امام ابن رشدؒ مالکی نے اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں بہت تشدید وارد ہوئی ہے۔ اس کی بعض صورتیں ایسی ہیں، جن میں نمازی قصوروار ہوتا ہے اور گزرنے والے کو خواہ مخواہ گزرنا پڑتا ہے۔ ان صورتوں میں نمازی گنہ گار ہے۔ تفصیل احادیث کے ضمن میں آتی ہے۔

۳۶۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي، فَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلْيَدْرَأْهُ مَا اسْتَطَاعَ۔ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ"۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے اور جہاں تک ہو سکے اسے ہٹائے۔ پھر اگر وہ انکار کرے تو اس کو زیادہ شدت سے روکے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ حدیث باب الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي میں وارد ہوئی ہے)۔

شرح: امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے اور گزرنے والے کو حتی الامکان ہٹانا چاہیئے۔ اس حدیث کے لفظ فَلْيُقَاتِلْهُ کی روایت ہمارے علم میں صرف ابوسعید خدریؓ نے کی ہے اور عامۃ علما کا یہ مذہب نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کے ظاہر سے جو جدال اور قتال کی اجازت، بلکہ حکم نظر آتا ہے، یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے۔ زرقانی اور ابن رسلان نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اس سے مراد اسلحہ کے ساتھ لڑائی کرنا بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات خشوع و خضوع کے خلاف ہے اور نہ مدافعت کے لئے عمل کثیر جائز ہے۔ ورنہ یہ فعل تو گزرنے والے کے فعل سے بدتر ہو گا۔ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقاتلہ اجماعاً ناجائز ہے اور نہ گزرنے والے کا فعل جائز ہے پس مراد اس سے دفع شدید ہے کہ مثلاً اسے دھکا دے دے۔ شیطان ایسے شخص کو اس لئے فرمایا ہے کہ اس نے شیطانی کام کیا ہے۔ اس سے ایک اور گہری بات معلوم ہوئی کہ گزرنے والے کا مقاتلہ جائز نہیں کیونکہ وہ شیطان ہے اور شیطان کا مقابلہ تلوار سے نہیں ہوتا بلکہ استعاذہ سے ہوتا ہے۔ مسند احمد اور ابن ماجہ نے حضرت

اُمِّ سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سے بحالتِ نماز عمر بن ابی سلمہؓ یا عبداللہ بن ابی سلمہؓ گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور وہ رُک گیا۔ پھر زینب بنتِ ابی سلمہؓ گزری تو حضورؐ کے روکنے کے باوجود گزر گئی۔ حضورؐ نے فرمایا ، هُنَّ اَغْلَبُ "یہ زیادہ ضدی ہوتی ہیں"۔ عبداللہ بن عباسؓ اور الفضل بن عباسؓ سے دونوں نے روایت کی کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور گدھی کو چھوڑا تو وہ آپ کے سامنے اِدھر سے اُدھر پھرتی تھی۔ ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھایا۔ جب بیٹھے تو کُتّے نے آپ کے سامنے سے گزرنا چاہا۔ میں نے یہ دعا کی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ اَللّٰهُمَّ اُقْتُلْ هٰذَا الْكَلْبَ۔ پس وہ کُتا مرکر گر پڑا قبل اس کے کہ حضورؐ کے ہاتھوں کی جگہ پر اپنے پاؤں رکھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کُتّے کو کس نے بددعا دی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے دی ہے۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ تو نے اسے اس کو ایسے وقت میں بددعا دی ہے کہ اگر تو اس میں تمام زمین والوں کی ہلاکت کی دعا کرتا تو وہ ہلاک ہو جاتے۔ پھر فرمایا کہ تو نے یہ بددعا کیوں دی؟ میں نے کہا اس لئے کہ مجھے خوف تھا کہ آپ کے سامنے سے گزرے گا اور آپ کی نماز کو قطع کردے گا۔ آپ نے فرمایا کسی چیز کا گزرنا نماز کو قطع نہیں کرتا اور حتی الامکان اسے ہٹاؤ۔

اوپر گزر چکا ہے کہ امام محمدؒ نے اس روایت کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ ابوسعید خدری کی روایت کے علاوہ اور کسی روایت میں قتال کا لفظ نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے اسے اس زمانے کا حکم قرار دیا۔ جبکہ نماز میں عملِ کثیر مباح تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس حکم کو محض تغلیظ و تشدید پر محمول کیا ہے۔ قرطبیؒ نے کہا ہے کہ قتال سے مراد ہٹانے میں مبالغہ ہے۔ قاضی ابوالولید الباجیؒ نے مقاتلہ کا معنی یہاں پر لعنت بتایا ہے کیونکہ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ میں قتال اسی معنی میں آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس امر سے مراد نماز سے فراغت کے بعد کا محاسبہ ہے۔

۳۶۲- وَحَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدِ الْجُهَنِيَّ اَرْسَلَهُ اِلٰى اَبِي جُهَيْمٍ، يَسْاَلُهُ: مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ؟ فَقَالَ اَبُوْ جُهَيْمٍ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ، مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ اَنْ يَقِفَ اَرْبَعِيْنَ، خَيْرًا لَهُ مِنْ اَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ" قَالَ اَبُو النَّضْرِ: لَا اَدْرِيْ، اَقَالَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا، اَوْ سَنَةً۔

ترجمہ: زید بن خالد جہنیؓ نے بسر بن سعیدؒ کو ابوجہیمؓ کے پاس بھیجا کہ اس سے دریافت کرے کہ اس نے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سُنا تھا۔ ابوجہیمؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی سے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے کتنا بڑا گناہ ہے۔ تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے سامنے سے گزرنے سے بہتر جانتا۔ ابوالنضر راوی نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ بسرؒ نے چالیس دن یا چالیس ماہ یا چالیس سال کہا تھا۔ (امام محمدؒ نے بھی اسے مؤطا میں روایت کیا ہے)۔

شرح: یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی ہے۔ بعض اور کتب حدیث میں ذرا سے اختلاف سے مروی ہے۔ مگر صحیح تر روایت مالکؒ کی ہے۔ ابوجہیمؓ صحابی کی روایت منقش کپڑے کی تبدیلی کے حکم کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔ موجودہ حدیث کا راوی صحابی ابوجہیمؓ ہے۔ یہ دو الگ الگ شخص ہیں۔ سامنے سے گزرنے کے فاصلے کی تحدید میں اختلاف ہے۔ ایک بالشت، تین ہاتھ، چھ ہاتھ تک کا فاصلہ بتایا گیا ہے۔ فقہائے

حنفیہ نے نمازی اور اس کے سجدے کے درمیان کا فاصلہ لکھا ہے اور یہی بات درست ہے۔ کیونکہ نمازی اسی جگہ ارکان صلوٰۃ ادا کرتا ہے اور اسی فاصلے کے اندر سے گزرنا اس کے خشوع کو قطع کرتا ہے۔ تین ہاتھ والا قول امام شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے اور یہ حنفیہ کے قول کے مشابہ ہے کیونکہ نمازی اور اس کی سجدہ گاہ میں عموماً اسی قدر فاصلہ ہوتا ہے۔ دُرِّ مختار میں سُترہ گاڑنے کا فاصلہ بھی تین ہاتھ بتایا گیا ہے۔ اس سے پرے اگر کوئی شخص گزر جائے تو نمازی کو تشویش نہیں ہوتی اور ممانعت کی غرض رفع تشویش ہے۔ چالیس کا لفظ یہاں بھی بطور مبالغہ آیا ہے۔ ابن ماجہ اور ابن حبان کی روایت میں سو سال کا لفظ ہے۔ ابزار کی روایت میں اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا (چالیس سال) کا لفظ ہے۔

۳۶۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ، قَالَ: لَوْ یَعْلَمُ الْمَارُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ، مَاذَا عَلَیْهِ، لَكَانَ اَنْ یُّخْسَفَ بِهٖ، خَیْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْهِ۔

ترجمہ: کعب الاحبار نے کہا کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر جان لیتا کہ اسے کس قدر گناہ ہوگا تو اسے زمین میں دھنس جانا اس کے سامنے سے گزرنے کی نسبت اچھا معلوم ہوتا۔ (یہ اثر بھی مؤطا ئے امام محمد میں موجود ہے۔ شاید کعب نے اسے کتب سابقہ سے لیا ہوگا۔ جن کا وہ عالم تھا۔

۳۶۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ یَكْرَهُ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ اَیْدِی النِّسَاءِ، وَهُنَّ یُصَلِّیْنَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھتی ہوئی عورتوں کے آگے سے گزرنا مکروہ جانتے تھے۔ (یعنی مسجد میں آتے جاتے وقت وہ نمازی مردوں کی صفوں کے پیچھے سے بھی نہ گزرتے تھے۔ کیونکہ اس جگہ سے کچھ فاصلے پر عورتوں کی صفیں ہوتی تھیں۔ اور یہ کمال احتیاط ہی ہوگی ورنہ ظاہر ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی آڑ اور پردہ وغیرہ ضرور ہوتا ہوگا۔ اور جہاں تک نمازی کے آگے سے گزرنے کا تعلق ہے اس میں عورت اور مرد کا فرق نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی احادیث سے واضح ہے۔)

۳۶۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَمُرُّ بَیْنَ یَدَیْ اَحَدٍ، وَلَا یَدَعُ اَحَدًا یَّمُرُّ بَیْنَ یَدَیْهِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ (نماز میں) نہ کسی کے آگے سے گزرتے اور نہ کسی کو اپنے سامنے سے گزرنے دیتے تھے۔ (یعنی نماز میں اشارے سے روک دیتے تھے یا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد زبان سے منع کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ نمازی کو تشویش نہ ہو۔ ورنہ آگے ابن عمرؓ کا اثر آرہا ہے۔ لَا یَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَیْءٌ۔

بَابُ الرُّخْصَةِ فِی الْمُرُوْرِ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ

نمازی کے آگے سے گزرنے کی رخصت کا بیان

اس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نمازی کے سامنے سے گزرنا مباح ہے۔ جیسا کہ آگے امام مالکؒ کا فتویٰ آرہا ہے۔

۳۶۶- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى أَتَانٍ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي لِلنَّاسِ، بِمِنًى. فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، فَنَزَلْتُ، فَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ. فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور میں اس وقت جوان ہونے کو تھا۔ اس وقت منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے پس میں صف کے کچھ حصے کے سامنے سے گزر گیا اور گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور خود صف میں داخل ہو گیا۔ پس کسی نے اس سلسلے میں مجھے کچھ نہ کہا۔

شرح: یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور یہ فرض نماز تھی۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ سامنے کوئی دیوار نہ تھی۔ اور مسند بزار میں اس سے زیادہ صراحت ہے کہ حضورؐ فرض نماز پڑھا رہے تھے اور سامنے کوئی آڑ نہ تھی۔ گو اس حدیث میں سترہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔ لیکن دیگر احادیث کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی عمارت یا دیوار یا درخت وغیرہ تو سامنے نہ تھا۔ مگر سترہ ہو گا۔ اور چونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے لہذا صف کے آگے گزر جانے پر کسی نے کچھ نہ کہا۔ اور اگر حضورؐ کے سامنے کوئی سترہ بھی نہ تھا (جیسا کہ بظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے) تو نمازیوں کے لئے امام خود سترہ ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عورت، گدھے اور کتے کے متعلق جو احادیث میں آتا ہے کہ ان کے آگے سے گزر جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کا مطلب فقط یہ ہے کہ نمازی کو تشویش ہوتی ہے اور اس کی توجہ ہٹ جانے سے خشوع و خضوع میں فرق آ جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہودی، مشرک، نصرانی، خنزیر، حائضہ عورت اور کتا بھی آتا ہے۔ اور مطلب یہی ہے کہ ان سے خشوع جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ حضورؐ سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ صلوٰۃ اللیل میں سامنے ہوئیں اور آپ نماز پڑھتے تھے۔ اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاصؓ کو حالتِ نماز میں بھی اٹھا لیتے تھے۔ حضرت ام المؤمنینؓ کو بعض دفعہ ہاتھ لگا کر سجدے کی جگہ سے ہٹا دیتے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث میں حضورؐ کے سامنے کتیا اور گدھے کے کھیلنے کا بھی ذکر موجود ہے۔ اور اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ بعض احادیث میں کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے۔ اس لئے امام احمدؒ کے نزدیک اس کے سامنے آ جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جمہور علماء و ائمہ فقہ کے نزدیک یہ چیزیں صرف خشوع میں حارج ہوتی ہیں۔ تفصیل کے لئے ہماری اردو شرح ابی داؤد یعنی شرح فضل المعبود ملاحظہ ہو۔

۳۶۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ كَانَ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصُّفُوفِ، وَالصَّلٰوةُ قَائِمَةٌ.

قَالَ مَالِكٌ: وَأَنَا أَرَى ذٰلِكَ وَاسِعًا إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ، وَبَعْدَ أَنْ يُحْرِمَ الْإِمَامُ، وَلَمْ يَجِدِ الْمَرْءُ مَدْخَلًا إِلَى الْمَسْجِدِ إِلَّا بَيْنَ الصُّفُوفِ.

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ بعض صفوں کے آگے سے گزر جاتے تھے حالانکہ نماز با جماعت کھڑی ہوتی

تھی۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میں اس کی گنجائش سمجھتا ہوں، جبکہ نماز کھڑی ہو، امام تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہو اور آدمی کو مسجد میں جانے کا کوئی راستہ صفوں کے درمیان میں ہو کر گزرنے کے سوا نہ ملے۔

شرح: المدونہ میں ہے کہ حضرت سعدؓ اس وقت بھی مسجد میں داخل ہو جاتے اور صفوں میں سے گزر جاتے تھے، جبکہ لوگ نماز میں ہوتے تھے۔ مگر موطا کی زیر نظر روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ ابھی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ اقامت ہو چکی تھی لیکن ابھی نماز میں داخل نہیں ہو چکے ہوتے تھے۔ گویا مالکؒ کے نزدیک صفوں سے گزرنے کی گنجائش اس وقت ہے۔ جب کہ مسجد میں داخل ہونے کا اور کوئی راستہ نہ ہو۔ لیکن ابن عباسؓ کی گزشتہ حدیث مطلق ہے۔ اس میں یہ قید نہیں ہے۔ سبب دونوں کا ایک ہے کہ امام مقتدیوں کا سترہ ہوتا ہے۔

۳۶۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ، مِمَّا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ۔

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ، مِمَّا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ علی بن ابی طالب کا قول ہے، نمازی کے آگے سے گزرنے والی کوئی چیز نماز کو قطع نہیں کرتی۔ (آگے بعض روایات میں کچھ چیزوں کے قاطع صلوٰۃ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ پس علیؓ کے اثر میں قطع سے مراد نماز کا فاسد ہو جانا ہے۔ اور ان روایات میں اس سے مراد خشوع کا قطع ہو جانا ہے۔ اس طرح احادیث و آثار جمع ہو جاتے ہیں۔)

ایضاً ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ نمازی کے سامنے گزرنے والی کوئی چیز نماز کو قطع نہیں کرتی۔

شرح: امام مالکؒ، ثوریؒ، شافعیؒ اور فقہائے حنفیہ کے نزدیک نماز کو کوئی چیز جو اس کے سامنے سے گزر جائے یا موجود ہو، قطع نہیں کرتی۔ یہ مضمون بہت سی احادیث کا ہے۔ نسائی اور ابوداؤد نے الفضل بن عباسؓ سے وہ روایت نقل کی ہے جس میں حضورؐ کا ان کے ہاں صحرا میں آنا اور ان کی ایک گدھی اور کتیا کا حضورؐ کے سامنے کھیل کود کرنا آیا ہے۔ جمہور کا عمل اسی پر ہے۔ اور الفضل کی حدیث کی سند صحیح ہے۔ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ کے الفاظ حدیث مرفوع ہیں، جو ابوداؤد کی سنن میں وارد ہیں۔ ابن عمرؓ سے دارقطنی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے فرمایا: لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ مِمَّنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ۔ ابوامامہؓ سے دارقطنی میں مرفوعاً لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ مروی ہے۔ انسؓ سے بھی حدیث دارقطنی نے روایت کی ہے۔ جسے حافظ ابن حجر نے حسن کہا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ۔ صحاح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وہ حدیث موجود ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں سے ملا دیا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی اور آپ نماز پڑھتے تھے الخ۔ امام احمدؒ نے اور بعض اہل ظاہر نے سیاہ کتے کو قاطع صلوٰۃ بتایا ہے کیونکہ حضورؐ نے اسے شیطان فرمایا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نمازی کو شیطان وسوسے ڈالتا ہے جیسا کہ صحاح کی احادیث سے ثابت ہے مگر کسی نے بھی نہیں کہا کہ اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ پس جن احادیث میں گدھے، عورت اور کتے سے قطع صلوٰۃ وارد ہے، ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ یہ خشوع میں حائل ہوتے ہیں۔ امام محمدؒ نے موطا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث امام مالکؒ کی روایت سے درج کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے سوتی تھی اور میرے پاؤں حضورؐ کے قبلہ میں ہوتے تھے۔ پس جب سجدہ فرماتے تو مجھے چھوتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب کھڑے ہوتے تو میں پھر پاؤں پھیلا لیتی تھی۔ اور گھروں میں ان دنوں چراغ نہ ہوتے تھے۔ امام محمدؒ نے اس پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ اس کوئی حرج نہیں کہ مرد نماز پڑھے اور عورت سوتی ہوئی ہو۔ ہاں یہ مکروہ ہے کہ عورت اس کے پہلو میں نماز پڑھے یا اس کے سامنے پڑھے۔ اور دونوں ایک نماز میں ہوں یا دونوں ایک ہی امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اگر اس طرح ہو تو مرد کی نماز فاسد ہے۔ اور یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔ (باب الرَّجلِ تَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلِ يُصَلِّي وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ الخ)۔

۱۲۔ بَابُ سُتْرَةِ الْمُصَلِّي فِي السَّفَرِ

سفر میں نمازی کا سُترہ

۳۶۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَسْتَتِرُ بِرَاحِلَتِهِ إِذَا صَلَّى۔

حضر میں آدمی مسجد میں یا گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ لہذا غالب طور پر سترہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہی باعث ہے کہ امام مالکؒ نے اس باب کے عنوان میں سفر کی قید لگائی ہے۔ امام مالکؒ نے اس باب میں جو روایات درج کی ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سُترہ سفر میں بھی فرض نماز میں سے نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ المدونہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا یا جو سفر میں ہو، اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ سُترہ کے بغیر نماز پڑھے۔ لیکن حضر میں سُترہ ہونا ضروری ہے۔ ابن القاسم نے کہا کہ وہ جگہ حضر میں سترہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جہاں کسی کے سامنے سے گزرنے کا خوف نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک سفر میں سُترہ کا حکم تاکیدی نہیں ہے۔ سترہ کی مقدار احادیث صحیحہ کی رُو سے لمبائی میں ایک ہاتھ کے برابر ہے۔ جمہور کے قول میں نمازی کے اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ مگر یہ واجب نہیں۔ بعض اور مسائل آگے آتے ہیں۔

ترجمہ: مالک سے روایت ہے کہ انہیں خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھتے وقت اپنے اُونٹ کے پیچھے ہو جاتے تھے۔

شرح: صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کو عرض کے بل بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ زرقانیؒ نے اسے ضرورت پر محمول کیا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک کسی پاک یا ناپاک (حلال یا حرام) جانور کا سُترہ بنا کر نماز پڑھنا مختلف فیہ ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک جانور کا سترہ بنانا جائز نہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ نے اونٹ یا کسی اور حیوان کی طرف نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ ابن عمرؓ، انسؓ، سوید بن غفلہؓ، سعود بن یزیدؒ، عطا بن ابی رباحؒ، القاسمؒ، سالمؒ اور الحسن سے یہی ثابت ہے۔ مگر عبدالرزاق کی روایت میں کجاوے کے بغیر صرف اونٹ کی طرف نماز پڑھنے کو ابن عمرؓ سے مکروہ نقل کیا گیا ہے۔

۳۷۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِي الصَّحْرَاءِ، إِلَى غَيْرِ سُتْرَةٍ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ سے روایت ہے کہ ان کا باپ صحرا میں سترہ کے بغیر نماز پڑھتا تھا۔

شرح: حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ صحرا وغیرہ میں بلا سُترہ نماز پڑھنا اس بات پر محمول ہے۔ جب کہ نمازی کے سامنے سے کسی کے گزرنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ویسے سترہ اتباع سنت کے باعث مستحب ہے۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ سترہ

کے متعلق علماء کے تین قول ہیں۔ (۱) سترہ واجب ہے اگر اور کوئی چیز نہ ملے تو لکیر ہی کھینچ لی جائے۔ یہ امام احمد وغیرہ کا قول ہے (۲) مستحب ہے اور یہ قول ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، اور مالکؒ کا ہے۔ مالکؒ کے نزدیک تب مستحب ہے کہ گزرنے والے کا خطرہ نہ ہو ورنہ اس کا ہونا موکد ہے (۳) مالکؒ سے ایک روایت صرف جواز کی ہے۔ (شیخ الحدیث نے فرمایا کہ حنبلی کتب سے سترہ کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ عروہ بن زبیرؒ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ جناب عائشہؓ کے بھانجے اور انہی کے پروردہ تھے۔ ان کا سترہ کے بغیر نماز پڑھنا ثابت کرتا ہے کہ کم از کم اس کا وجوب نہیں ہے' واللہ اعلم۔

۱۳۔ بَابُ مَسْحِ الْحَصْبَاءِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں کنکریوں کو چھونے کا باب

دراصل یہ مسئلہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ مسجد نبوی کا فرش کچا تھا اور صحابہؓ نے باہر سے کنکریاں لا کر اس میں بچھا دی تھیں۔ بعض دفعہ موسم گرما میں وہ گرم ہو جاتیں تو سجدہ گاہ سے ہٹانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ کنکریاں جب چھوٹی بڑی ہوتیں تو سجدہ گاہ کو درست کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ پیشانی ٹک سکے۔ پس ضرورت کی بنا پر ایک بار انہیں درست کرنے کی اجازت دی گئی اور بار بار چھونا فعل عبث ہے، اسے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ بلا ضرورت کنکریوں کو چھونا بھی مکروہ ہے۔

۳۷۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ إِذَا أَهْوَى لِيَسْجُدَ، مَسَحَ الْحَصْبَاءَ لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهِ، مَسْحًا خَفِيفًا۔

ترجمہ: ابو جعفر قاریؒ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا، جب وہ سجدے کے لیے جھکنے لگتے تو اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ کو ہلکا سا چھوتے تھے (تاکہ انہیں ذرا درست کر کے سجدے کے قابل بنا سکیں اور دل کی تشویش رفع ہو جائے۔)

۳۷۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا ذَرٍّ كَانَ يَقُولُ: مَسْحُ الْحَصْبَاءِ، مَسْحَةً وَاحِدَةً، وَتَرْكُهَا خَيْرٌ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ کو خبر ملی ہے کہ ابوذرؓ کہتے تھے، کنکریوں کو ایک بار چھونا جائز ہے اور انہیں بالکل نہ ہٹانا سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

شرح: اس بنا پر حنفی علماء ابن عابدین شامیؒ اور علامہ کاسانیؒ صاحب بدائع نے کہا ہے کہ بالکل نہ چھونا اولیٰ ہے۔

۱۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

صفیں درست کرنے کا باب

صفوں کی درستی کو حدیث صحیح میں نماز کی تکمیل کا حصہ فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے نمازیوں کی صفوں کو فرشتوں کی صف بندی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح صف باندھو جس طرح فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور باندھتے ہیں۔ صف بندی کو (نماز کی ہو یا میدان جنگ میں جہاد کی) اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ صف بندی کا پورا اہتمام کرتے تھے۔ صف بندی سے مراد نمازیوں کا ایک سیدھ میں کھڑا ہونا اور درمیان میں خالی جگہوں کو پُر کرنا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے کہا ہے کہ صف بندی کی احادیث و آثار

متواتر ہیں اور علما میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک صفوں کی درستی نماز کی اہم سنت ہے۔ مگر اس کی صحت کی شرط نہیں۔ احمد اور ابو ثورؒ نے کہا کہ اکیلا شخص جو صف کے پیچھے نماز پڑھے اس کی نماز باطل ہے۔ ابن حزمؒ نے تسویۂ صفوف کو فرض کہا ہے۔ جمہور کے نزدیک صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والا گنہگار ہے اور اس کی نماز ناتمام ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا، تَسْوِيَةُ الصُّفُوفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔

۳۷۳- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَاْمُرُ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ۔ فَاِذَا جَاءُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ اَنْ قَدِ اسْتَوَتْ كَبَّرَ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ صفیں درست کرنے کا حکم دیتے۔ پھر جب لوگ آکر بتاتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو تکبیر کہتے تھے۔ (موطا امام محمدؒ میں حدیث باب تسویۃ الصف میں آئی ہے۔)

شرح: یعنی کچھ لوگوں کو صفیں سیدھی کرنے کے لئے مقرر فرماتے تھے اور ان کی اطلاع کے بعد نماز شروع فرماتے تھے۔

۳۷۴- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ اَبِیْ سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَقَامَتِ الصَّلٰوةُ، وَاَنَا اُكَلِّمُهٗ فِیْ اَنْ يَفْرِضَ لِیْ، فَلَمْ اَزَلْ اُكَلِّمُهٗ، وَهُوَ يُسَوِّی الْحَصْبَاءَ بِنَعْلَيْهِ حَتّٰى جَاءَهٗ رِجَالٌ، قَدْ كَانَ وَكَّلَهُمْ بِتَسْوِيَةِ الصُّفُوْفِ۔ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّ الصُّفُوْفَ قَدِ اسْتَوَتْ۔ فَقَالَ لِیْ: اِسْتَوِ فِی الصَّفِّ۔ ثُمَّ كَبَّرَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ کے دادا مالک بن ابی عامر اصبحی نے کہا کہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ تھا۔ پس نماز کی اقامت ہو گئی اور اثنا میں ان سے بات چیت کر رہا تھا کہ میرے لئے بیت المال سے کچھ وظیفہ وغیرہ مقرر فرمائیں۔ میں برابر ان سے گفتگو کرتا رہا اور وہ اپنے جوتوں سے کنکریوں کو درست کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کے پاس وہ لوگ آگئے جن کو حضرت عثمانؓ نے صفیں درست کرنے پر مقرر فرمایا تھا۔ پس انہوں نے بتایا کہ صفیں درست ہو چکی ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ صف میں سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر تکبیر کہی۔ (امام محمدؒ نے اس باب حضرت عثمان کے خطبے والی روایت درج کی ہے۔)

شرح: اس مضمون کی حدیث باب الجمعہ میں گزر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسب ضرورت اقامت کے بعد اور امام کی تکبیر سے پہلے کلام ضروری بات کی جا سکتی ہے۔ بے ضرورت گفتگو اس وقت جائز نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں انسؓ سے مروی ہے کہ ایک بار اقامت کے بعد حضورؐ کو بھی ایک شخص نے کسی ضروری بات کے لئے روکے رکھا تھا۔ صف کے متعلق سنن ابی داؤد، ابن خزیمہ اور حاکم کے مستدرک میں ابن عمرؓ سے بسند صحیح ایک حدیث وارد ہے کہ حضورؐ نے صحابہ کو نماز کی صفوں میں کندھے سے کندھا ملانے کا حکم دیا تھا اور یہ کہ درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑیں۔ ٹخنے ملانے کا حکم کسی مرفوع حدیث میں نہیں آیا اور نہ ان کا باہم ملانا ممکن ہے۔

۱۵- بَابُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فِى الصَّلٰوةِ

نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنے کا باب

تمام ائمہ فقہا کے نزدیک نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا مسنون ہے۔ صرف امام مالکؒ سے المدونہ میں فرائض کے اندر ارسال الیدین ثابت ہوا ہے۔ نوافل میں ان کے نزدیک بھی ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔ مالکی فقہا نے اس باب میں فرض و نفل میں بھی فرق نہیں کیا۔ اور کہا ہے کہ اگر ہاتھ باندھنے سے خضوع و خشوع میں فرق آئے تو کسی نماز میں نہ باندھے۔ ارسال الیدین کی روایت عبداللہ بن زبیرؓ الحسنؒ البصری اور ابن سیرینؒ سے بھی آئی ہے۔ اوزاعی کے نزدیک نمازی کو اس میں اختیار حاصل ہے۔ مگر جمہور ائمہ فقہا اور علمائے امصار نے اسے نماز کی سنت قرار دیا ہے۔ مؤطا کی روایات بھی اسی کے مطابق ہیں۔ مالکیہ میں سے مطرف اور ابن الماجشون نے امام مالکؒ سے اس کا استحباب نقل کیا ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوا۔ اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے کہ ہاتھ باندھے جائیں۔ امام مالکؒ کے مدنی اصحاب نے یہی نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ اس کی کیفیت میں دو روایات ہیں جن میں حنفیہ کا مختار یہ ہے کہ ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں پر باندھا جائے۔ کچھ بحث آگے آتی ہے۔

۳۷۵- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ بْنِ اَبِى الْمُخَارِقِ الْبَصْرِيِّ، اَنَّهٗ قَالَ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ" وَوَضْعِ الْيَدَيْنِ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فِى الصَّلٰوةِ (يَضَعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى) وَتَعْجِيْلُ الْفِطْرِ۔ وَالْاِسْتِيْنَاءِ بِالسَّحُوْرِ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے عبدالکریم بن ابی المخارق بصری سے روایت کی کہ اس نے کہا، کلامِ نبوت میں سے یہ بھی ہے کہ جب تو بے حیا ہو جائے تو جو چاہے کر اور نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا۔ دائیں کو بائیں پر رکھے۔ اور روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا۔

شرح: حیا کا حکم سب انبیا کی تعلیم میں رہا ہے کیونکہ یہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔ حیا وہ خلق ہے جو انسان کو حرام چیزوں سے اور خدا و رسول کی نافرمانی سے باز رکھتا ہے۔ جب کوئی بے حیا ہو جائے تو اسے کون سی چیز حرام سے باز رکھے گی؟ بالکل اسی حدیث کا ترجمہ فارسی میں یوں ہے، "بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن"۔ بخاری، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابو مسعودؓ البدری سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ پہلی نبوت کے کلام میں سے یہ بھی ہے الخ۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جب تجھے کسی کے عتاب کا اور عار کا ڈر نہیں تو پھر تو ہر کام کر سکتا ہے اچھا ہو یا بُرا ہو۔ پس یہ عبارت لفظوں میں تو امر ہے مگر مراد اس سے توبیخ و زجر ہے۔ تو راہِ حق پر چلنا جا اور کسی کی پروا نہ کر۔ تیسرا معنیٰ اس کا یہ ہے کہ یہ بطور وعید فرمایا گیا ہے کہ جو بھی کرو بہرصورت تمہیں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی، لہٰذا بے حیائی سے باز رہو۔ چوتھا معنیٰ اس کا یہ ہے کہ نیک کام کرنے سے تجھے حیا نہ روکے۔ کیونکہ دراصل نیک کام سے روکنے والا خلق حیا نہیں بلکہ بزدلی اور ضعفِ قلب ہے۔ پانچواں معنیٰ یہ ہے کہ یہ مذمت میں مبالغے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے بھی یہ عظیم تر بات ہے کہ حیا کو ترک کرو۔

یَضَعُ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی کے الفاظ حدیث کا حصہ نہیں ہیں بلکہ امام مالکؒ کی طرف سے اسی پہلے جملے کی شرح و تفسیر ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں قبیصہ بن ہلب کی اپنے والد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑتے تھے۔ صحیح مسلم میں وائل بن حجر کی حدیث میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ ابن مسعودؓ نے نماز میں بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر ان کا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ دیا۔ ابوداؤد نے ابن زبیر کا قول روایت کیا ہے کہ پاؤں کو ایک سیدھ میں رکھنا اور ہاتھوں کو ایک دوسرے پر رکھنا سنت ہے۔ طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہم نبیوں کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ افطار میں جلدی کریں، سحری میں تاخیر کریں اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھیں۔ سعید بن منصور نے حضرت عائشہ سے اور طبرانی نے یعلیٰ بن مُرّہؓ سے اس مضمون کی حدیث باختلافِ الفاظ روایت کی ہے۔

۳۷۶- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِيْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ۔

قَالَ اَبُوْ حَازِمٍ: لَا اَعْلَمُ اِلَّا اَنَّهٗ يَنْمِيْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: سہل بن سعد ساعدی نے کہا کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھیں۔ ابوحازم راوی نے کہا کہ میں اس کے سوا نہیں جانتا کہ سہلؓ اس روایت کو مرفوع بیان کرتے تھے۔ (موطا امام محمد میں یہ حدیث مروی ہے۔)

شرح: ابوداؤد اور نسائی نے وائل بن حجرؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں کی ہتھیلی کی پشت پر رکھا اور بازو کے گٹ پر رکھا۔ احادیث میں سے بعض میں ہاتھ رکھنا اور بعض میں پکڑنا آتا ہے پس اگر بائیں گٹ پر دایاں ہاتھ رکھ کر چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا جائے اور گٹ کو پکڑا جائے اور باقی انگلیوں کو بازو پر پھیلایا جائے تو سب احادیث جمع ہو جائیں گی۔ آخری جملہ رفع حدیث کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے سب جاننے والے جانتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں لکھا ہے۔ ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھنا حنبلی فقہا کی تصریحات سے ثابت ہے۔ (المغنی، نیل المارب) اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ شوافع کے نزدیک ناف اور سینے کے درمیان ہاتھ رکھنے چاہئیں۔ حنفیہ کے نزدیک مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینے کے اوپر رکھنے چاہئیں۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں اسی زیر نظر حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ نمازی جب نماز میں کھڑا ہو تو اس کے لئے مناسب ہے کہ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں گٹ پر ناف کے نیچے رکھیں اور اپنی نظر کو سجدہ گاہ پر رکھے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ عامۃ اہل علم کا یہی قول ہے۔ مثلاً علیؓ، ابوہریرہؓ، نخعیؒ، ثوریؒ، سعید بن جبیرؒ، ابن جریرؒ، ابوعبیدؒ اور داؤدؒ۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، عائشہ صدیقہؓ اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔ سنت سے مراد یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے۔

حضرت علیؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ وائل بن حجرؓ کی حدیث میں بھی تَحْتَ السُّرَّۃ کا لفظ ہے۔ یہ حدیث سنداً صحیح ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہے بعض نسخوں سے یہ لفظ سہواً یا اختصاراً ساقط ہو گیا ہے۔ ابن حزم نے المحلّی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ تین چیزیں نبوت کے کاموں میں سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر سے کھانا اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا۔ یہی حدیث المحلّی میں انسؓ سے مروی ہے اور اس میں تَحْتَ السُّرَّہ کا لفظ آیا ہے۔

۱۶۔ بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الصُّبْحِ

صبح کی نماز میں دعائے قنوت کا باب

حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر میں مشروع ہے اور اس کے علاوہ سوائے قنوتِ نوازل کے ـــــ جو مصائب و آلام میں پڑھی جاتی ہے۔ نماز پنجگانہ میں قنوت مشروع نہیں ہے۔ امام شعبیؒ کے نزدیک نماز ساری کی ساری قنوت ہے۔ لہٰذا کسی الگ قنوت کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن سیرین، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، ثوریؒ اور لیث بن سعد کے نزدیک نماز فجر میں کوئی قنوت نہیں۔ قاضی ابوالولید الباجی مالکی نے کہا ہے کہ مالکیہ میں سے یحییٰ بن یحییٰ لیثی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ فجر میں قنوت کے قائل تھے۔ مگر حنابلہ کی کتاب نیل المآرب میں اس کے خلاف لکھا ہے۔ اسی طرح الروض المربع میں ہے کہ وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت مکروہ ہے۔ اور یہی ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور ابوالدرداؓ سے مروی ہے۔ دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ سعید بن جبیرؒ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ کہتے سنا تھا کہ قنوت نماز فجر میں بدعت ہے۔ مگر یہ کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو جائز ہے۔ ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے کہ وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت مسنون نہیں ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک صبح میں قنوت مسنون ہے۔ مالکؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ حافظ بدرالدین عینیؒ نے چاروں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ ابن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابومالک اشجعیؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرات صبح قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

۲۷۷۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کسی نماز میں قنوت نہ پڑھتے تھے۔ (امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ روایت بَابُ الْقُنُوْتِ فِي الْفَجْرِ میں درج کی ہے۔ مگر اس کے الفاظ یہ ہیں کہ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ۔)

شرح: امام مالک کے مؤطا میں بروایت یحییٰ بن یحییٰ، لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ کے الفاظ ہیں۔ مگر باب کا عنوان رکھا ہے القنوت فی الصبح۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مالکؒ نے اس سے مراد یہی لیا تھا کہ ابن عمرؓ فجر میں یا نماز پنجگانہ کے فرائض میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ دوسرے مؤطات میں اس اثر کے بعد ایک دوسرا اثر مروی ہے کہ مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ وَلَا فِي الْوِتْرِ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ فِي الْفَجْرِ قَبْلَ اَنْ يَّرْكَعَ الرَّكْعَةَ الْاٰخِيْرَةَ اِذَا قَضٰى قِرَاءَتَهٗ۔ پس یہ روایت امام مالکؒ کے مذہب مختار کی مؤید ہے۔ یحییٰ کے مؤطا میں عروہ کی روایت نہیں آئی۔ لہٰذا یحییٰ نے اس مسئلہ میں اپنے استاد امام مالکؒ کی مخالفت کی ہے۔

صحیح مسلم میں انسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بعض قبائل پر ایک ماہ تک بددعا کی تھی اور پھر چھوڑ دی تھی۔ (یعنی فجر یا کسی اور نماز میں قنوت نہ پڑھتے تھے مگر نوازل و حوادث میں) جیسا کہ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم کے حق میں یا ان کے خلاف دعا کرتے تو قنوت پڑھتے تھے۔ (یعنی قنوت نوازل جو سب نمازوں میں ہوتی تھی) بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں دعا کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ ابن حبان نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ صبح کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قنوت پڑھتے تھے، جب کسی کے خلاف

یا حق میں دعا کرتے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ طحاوی میں بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت عمرؓ صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھتے تھے۔ اس قسم کی روایت سند حسن کے ساتھ کتاب الآثار امام محمدؒ میں بھی موجود ہے۔ طحاویؒ نے الاسودؒ، علقمہؒ، مسروقؒ سے حضرت عمرؓ کے متعلق کی روایات نقل کی ہیں کہ وہ صبح میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ طحاوی اور طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ الاسودؒ کی روایت ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے کہ وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ وتر کی قنوت حنفیہ نے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ اختیار کی ہے جو مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے۔ شافعیؒ کا مختار اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا الخ ہے۔ اور مالک نے ان دونوں کو جمع کیا ہے۔ اور مصنف عبدالرزاق میں یہ دونوں مروی ہے۔ وتر کی قنوت صحاح کی روایت کے مطابق قبل از رکوع ہے جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں مروی ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ قنوت نوازل حضورؐ نے حسب روایت بخاری بعد از رکوع پڑھی تھی۔ لہذا جب اس کے پڑھنے کا موقع ہو تو نمازوں میں بعد از رکوع پڑھی جاتی ہے۔ بالخصوص نماز فجر میں۔ اور یہ قنوت منفرد نہ پڑھے بلکہ نماز با جماعت ہی میں ثابت ہے۔

۱۷۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ وَالْاِنْسَانُ يُرِيْدُ حَاجَتَهُ

رفع حاجت کے ارادے کے وقت نماز سے نہی کا بیان

۳۷۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْاَرْقَمِ كَانَ يَؤُمُّ اَصْحَابَهُ۔ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ يَوْمًا، فَذَهَبَ لِحَاجَتِهِ، ثُمَّ رَجَعَ۔ فَقَالَ: اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمُ الْغَائِطَ، فَلْيَبْدَأْ بِهِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ"۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ارقمؓ اپنے ساتھیوں کے امام تھے۔ ایک دن نماز کے وقت وہ رفع حاجت کے لئے چلے گئے۔ اور واپسی پر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا، جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کرنا چاہتا ہو تو اسے نماز سے پہلے کرے۔ (یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ مالکؒ نے تو یہاں تک کہا کہ اس حالت میں نماز پڑھنے والے پر اس کا اعادہ واجب ہے۔ دوسروں نے کہا کہ ایسا مکروہ ہے۔ مگر اس کی نماز ہوگئی جب کہ اس نے سارے فرائض پورے کئے ہوں۔ علت اس نہی کی یہ ہے کہ اس حالت میں نماز کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی۔ اور خشوع حاصل نہیں ہوتا۔)

۳۷۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ضَامٌّ بَيْنَ وَرِكَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، تم میں سے کوئی ہرگز اس حالت میں نماز نہ پڑھے جبکہ وہ اپنے سرین دبائے ہوئے ہو۔ (یہ کنایہ ہے حاجت پاخانہ کو روکنے کا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں توجہ نماز کی طرف نہیں رہے گی۔)

۱۸۔ بَابُ انْتِظَارِ الصَّلٰوةِ وَالْمَشْيِ اِلَيْهَا

نماز کا انتظار کرنے اور اس کی طرف جانے کا باب

۳۸۰۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى اَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، مَالَمْ يُحْدِثْ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ".

قَالَ مَالِكٌ: لَا اَرَى قَوْلَهُ "مَالَمْ يُحْدِثْ" اِلَّا الْاِحْدَاثَ الَّذِي يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جب تک کوئی نماز پڑھ کر اپنی نماز کی جگہ میں رہے گا، بشرطیکہ بے وضو نہ ہو جائے، فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔ اے اللہ اسے بخش دے۔ اے اللہ اس پر رحم فرما۔ مالکؒ نے کہا کہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب میرے نزدیک وضو توڑنا ہے۔

شرح: جو شخص ایک نماز پڑھ کر دوسری کے انتظار میں بیٹھا ہے وہ بھی اس کا مصداق ہے اور جو سنن و نوافل یا مثلاً تحیۃ المسجد پڑھ کر نماز کے انتظار میں بیٹھے۔ وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہے۔ حدیث سے بطور اشارہ یہ بھی نکلتا ہے کہ مسجد کے اندر طہارت کے ساتھ بیٹھنا افضل ہے۔ بعض دفعہ کسی ضرورت سے بے وضو بھی مسجد کا داخلہ یا اس میں بیٹھنا جائز ہے۔ بلا ضرورت ابن المسیبؒ اور حسن بصریؒ جیسے بزرگوں نے مکروہ کہا ہے۔ مسجد میں وضو ٹوٹنا اچھا نہیں۔ کیونکہ اس سے ملائکہ کو اذیت ہوتی ہے۔

۳۸۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَاكَانَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ. لَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَنْقَلِبَ اِلَى اَهْلِهِ اِلَّا الصَّلَاةُ".

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک تم میں سے کسی کو نماز روکے رہے وہ برابر نماز میں رہتا ہے۔ بشرطیکہ نماز کے سوا گھر جانے سے اسے اور کوئی چیز نہ روک رہی ہو۔

شرح: ان احادیث کا عموم ان خواتین کو بھی شامل ہے جو گھر کی مسجد میں اسی طرح بیٹھیں۔ گویا نماز کا انتظار بھی نماز ہے۔ اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے کہ نماز کے ارادے سے آنے والا نماز ہی میں سمجھا جاتا ہے۔ ابوالولید الباجی نے کہا اسی بنا پر نماز کے انتظار کو رباط فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح سرحد پر مجاہد دشمن سے حفاظت کے لئے نظریں جمائے بیٹھا ہوتا ہے، مبادا وہ سرحد پار کر کے آ جائے۔ اسی طرح نماز کے انتظار میں مصروف رہنے والا شیطان کے خلاف جہاد میں لگا ہوتا ہے۔ ان دونوں کا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہوتا۔ بخاریؒ نے اس حدیث کو اور راوی والی کو ایک حدیث کے طور پر روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۸۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى اَبِي بَكْرٍ، اَنَّ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ غَدَا اَوْ رَاحَ اِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُرِيْدُ غَيْرَهُ، لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا اَوْ لِيُعَلِّمَهُ، ثُمَّ رَجَعَ اِلَى بَيْتِهِ، كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ، رَجَعَ غَانِمًا۔

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے تھے جو پہلے یا پچھلے پہر مسجد کی طرف گیا، اس کا کوئی اور ارادہ نہیں ہے۔ صرف یہ چاہتا ہے کہ اچھائی سیکھے

یا سکھائے ۔ پھر وہ اپنے گھر واپس چلا جائے تو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے جو مال غنیمت لے کر واپس آیا ہو۔

شرح : اس حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ مسجد تعلیم گاہ ہے، جس میں دین سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کا دینی مرکز ہے اور دین کے ضروری کام یعنی وعظ و خطبہ، تعلیم و تدریس اور ذکر الٰہی اس میں ہونا چاہیئے۔ یہی وہ چیزیں ہیں، جن سے مسجد کی آبادی ہوتی ہے۔ اگر بچوں کی تعلیم کا کام مسجد میں انجام پائے تو اس کی پاکیزگی اور صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ موطا میں یہ حدیث ابوبکر بن عبدالرحمٰن پر موقوف ہے مگر طبرانی نے سند حسن کے ساتھ اسے سہل بن سعد اور ابو امامہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ بیہقی اور ابن ماجہ نے تقریباً اسی مضمون کی حدیث مرفوع ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ جسے امام تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح میں درج کیا ہے۔

۳۸۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ، ثُمَّ جَلَسَ فِي مُصَلَّاهُ، لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ فَإِنْ قَامَ مِنْ مُصَلَّاهُ، فَجَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ، لَمْ يَزَلْ فِي صَلٰوةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔

ترجمہ : ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ کر وہیں نماز کی جگہ بیٹھ جائے تو فرشتے برابر اس پر رحمت کی دعا بھیجتے رہتے ہیں۔ اے اللہ اسے بخش دے۔ اے اللہ اس پر رحم فرما۔ پھر اگر وہ نماز کی جگہ سے اُٹھے اور نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہے تو نماز کی ادائگی تک وہ برابر نماز میں رہتا ہے۔ (امام محمدؒ نے اسے موطا میں بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي ثُمَّ يَجْلِسُ الخ میں روایت کیا ہے۔)

شرح : اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ابوہریرہؓ سے اوپر اسی باب میں مرفوعاً گزر چکی ہے۔ یہی حدیث امام محمدؒ نے مرفوع روایت کی ہے۔ اور موطا کے کئی اور راویوں نے بھی اسے ابوہریرہؓ سے مرفوع کیا ہے۔ سنن نسائی میں بھی یہ مرفوع آئی ہے۔ ویسے از روئے اصول حدیث اسی قسم کی روایت جیسی کہ یہاں موقوفاً ہے مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔

۳۸۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا، وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عِنْدَ الْمَكَارِهِ، وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ، وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ. فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ. فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ. فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔

ترجمہ : ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ کام نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے؟ تکلیف و شدت کے باوجود وضو کو پوری طرح سے کرنا اور مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم اُٹھانا، اور نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا۔ پس یہی رباط ہے، پس یہی رباط ہے، پس یہی رباط ہے۔

شرح : إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عِنْدَ الْمَكَارِهِ کا مطلب یہ ہے کہ شدید سردی میں یا بحالت بیماری یا ضعف کی حالت میں وضو کو پورے آداب و فرائض کے ساتھ کرنا۔ مسجدوں کی طرف زیادہ آمدورفت کا مطلب یہ ہے کہ نماز ہمیشہ حتی الوسع با جماعت پڑھی جائے اور دینی کاموں میں شمولیت کے لئے مسجدوں کی طرف آمدورفت رکھی جائے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دُور سے چل کر نماز با جماعت کی

خاطر مسجدوں کی طرف جائیں۔ اس حیثیت سے مسجد سے گھر کا دور ہونا افضل ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ گھر کی مسجد سے دوری نماز اور دوسرے نیک اور اجتماعی کاموں میں حارج نہ ہو۔ ورنہ اس دوسری حیثیت سے قربِ مسجد بہتر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ بعض حیثیتوں سے مسجد کا قرب بہتر ہے اور بعض سے بُعد اچھا ہے۔ لیکن دینی ضرورت کی بنا پر اگر مسجد کے پاس مکان بنایا جائے تاکہ ہر وقت شرعی ضروریات کی سربراہی ہوسکے تو مسجد کا قرب ہی افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات مسجد سے متصل تھے۔

ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار یوں ہے کہ مثلاً ظہر کے بعد عصر کا انتظار ہو یا مثلاً مغرب کے بعد عشا کا انتظار ہو۔ رات کا وقت آرام کا ہے اور دن کام کاج کے لئے ہے۔ لہٰذا فجر کے بعد ظہر کا یا عشا کے بعد فجر کا انتظار اس میں داخل نہیں ہے۔ الرباط اس حدیث میں قرآنی آیت کی تفسیر ہے۔ اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا الآیۃ۔ دراصل رباط کا معنیٰ ہے اسلامی سرحدوں پر دشمن کی گھات میں بیٹھے رہنا۔

۳۸۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: يُقَالُ لَا يَخْرُجُ اَحَدٌ مِنَ الْمَسْجِدِ، بَعْدَ النِّدَاءِ، اِلَّا اَحَدٌ يُرِيْدُ الرُّجُوْعَ اِلَيْهِ، اِلَّا مُنَافِقٌ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ سعید بن المسیبؒ نے کہا، کہا جاتا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے نکل جانے والا منافق ہے۔ سوائے اس شخص کے جو باہر جاکر واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

شرح: مراسیل ابی داؤد میں یہ اثر بطور حدیثِ مرسل راوی ہے۔ طبرانی نے اس مضمون کی مرفوع حدیث روایت کی ہے۔ مطلب یہ کہ اذان کے بعد بلا ضرورتِ شرعی مسجد سے نکل جانا سخت گناہ کا کام ہے۔ اور اگر کوئی تفریقِ جماعت یا مسلمانوں کی مخالفت کے ارادے سے نکل جائے تو واقعی منافق ہوگا۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے اس سے ملتے جلتے مضمون کی مرفوع حدیث مروی ہے۔ یہی مضمون مسند احمد کی حدیث میں وارد ہے۔

اَلنَّهْيُ عَنِ الْجُلُوْسِ لِمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ

مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے نماز سے قبل بیٹھنے کی ممانعت کا بیان

۳۸۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ، فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ، قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ"۔

ترجمہ: ابوقتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی تم میں سے مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ (موطا امام محمدؒ میں یہ روایت بابِ مَا یُسْتَحَبُّ مِنَ التَّطَوُّعِ فِی الْمَسْجِدِ الخ میں آئی ہے اور جیسا کہ امام مالکؒ نے آئندہ روایت کے آخر میں کہا ہے کہ یہ نماز بہتر ہے مگر واجب نہیں۔ امام محمدؒ نے بھی اس حدیث پر یہی نوٹ لکھا ہے)۔

شرح: ظاہریہ کے سوا تمام ائمہ فتویٰ اس نماز کے مستحب ہونے پر متفق ہیں۔ ظاہریہ نے اسے واجب کہا ہے۔ مگر ان میں سے بقول حافظ ابن حجرؒ، علامہ ابن حزمؒ مستثنیٰ ہیں کہ انہوں نے جمہور کا ساتھ دیا ہے۔ حنفیہ کی بعض کتابوں میں اس نماز کو مسنون لکھا ہے

مگر سنت مؤکدہ کے علاوہ سُنن کو مستحب ہی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں تحیۃ الوضو کا حکم بصیغۂ امر ہے مگر سب نے اس سے استحباب سمجھا ہے نہ کہ وجوب۔ اس سے اصول کا وہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اگر قرینہ عدم وجوب کا قائم ہو تو امر محض استحباب کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں پر قرینہ اُن احادیث کا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجدیں فرض نمازوں کے لیے ہیں نہ کہ نوافل کے لئے۔ صحاح کی ایک حدیث میں ایک سائل کے جواب میں کہ کیا نماز پنجگانہ کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے؟ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ۔ نہیں، مگر تو نفل پڑھ سکتا ہے۔ بے وضو شخص کا مسجد میں داخل ہونا گو ادب کے خلاف ہے مگر اس کا جواز دلائل شرع سے ثابت ہے۔ اگر تحیۃ المسجد کو واجب ٹھہرائیں تو کہنا پڑے گا کہ بے وضو شخص کا داخلہ مسجد میں حرام ہے۔ کیونکہ حدیثِ زیر نظر میں بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔ اور یہاں پر بیٹھنے سے مراد یہ ہے کہ یہ مسجد میں کوئی اور کام کرنے سے پہلے یہ نماز پڑھی جائے۔ ورنہ اگر معذور شخص جو قیام سے نماز نہیں پڑھ سکتا وہ اسے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ تو حضورؐ نے فرمایا اُٹھ پہلے دو رکعت پڑھ لے۔ سو اس موقع پر ابوذرؓ نماز پڑھنے سے قبل بیٹھ گئے تھے مگر حضورؐ نے انہیں پھر اٹھا دیا۔ حنفیہؒ کے نزدیک مکروہ اوقات میں مسجد کے اندر داخل ہونے والے کے لئے تحیۃ المسجد کو ادا کرنا مستحب نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں پر صریح ممانعت موجود ہے کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھی جائے۔ یہ بات تو بڑی عجیب ہے کہ طلوع و غروبِ آفتاب یا نصف النہار کے وقت اور تو کوئی نماز حتیٰ کہ فرض بھی پڑھے نہ جا سکتے ہوں، مگر تحیۃ المسجد کو اتنی اہمیت دی جائے کہ اسے اس عام نہی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اسی طرح حدیث صحیح کی رُو سے فجر کے بعد دو رکعت فجر کے سوا کوئی سنت یا نفل نماز جائز نہیں۔ اور یہی حکم عصر کی ادائیگی کے بعد غروب آفتاب تک ہے۔ حنفی فقہا کے علاوہ مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۳۸۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ، مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَالَ لَهٗ: اَلَمْ اَرَ صَاحِبَكَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَجْلِسُ قَبْلَ اَنْ يَرْكَعَ؟ قَالَ اَبُو النَّضْرِ: يَعْنِيْ بِذٰلِكَ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ، وَيَعِيْبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ، اَنْ يَجْلِسَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَبْلَ اَنْ يَرْكَعَ۔ قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ حَسَنٌ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابوالنضر سے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ میں تمہارے آقا عمر بن عبیداللہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھنے سے پہلے بیٹھ جاتے ہیں۔ ابوالنضر نے کہا کہ ابوسلمہ کی غرض اس سے یہ تھی کہ عمر بن عبیداللہ کا یہ فعل اچھا نہیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ تحیۃ المسجد مستحسن (مستحب) ہے، واجب نہیں ہے۔ (اور اوپر گزر چکا ہے کہ ظاہریہ کے سوا سب فقہائے اسلام کا یہی مذہب ہے۔

۱۹۔ بَابُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلٰى مَا يُوْضَعُ عَلَيْهِ الْوَجْهُ فِي السُّجُوْدِ

سجدے میں چہرے کی مانند ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھنا

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ باب کے عنوان کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اور تینوں ان روایات میں آتے ہیں جو اس عنوان کے ذیل میں درج ہیں۔ (۱) سجدے میں ہاتھوں کو نیچے رکھنے کا واجب ہونا۔ (۲) سجدے میں ہاتھوں کو رکھنے کی جگہ کا بیان۔ (۳) سجدے

ہیں ہاتھوں کو کپڑے وغیرہ سے باہر نکال کر زمین پر رکھنا۔ امام محمدؒ نے بابُ سُنَّۃِ السُّجُودِ میں ابن عمرؓ کے یہی دو اثر روایت کئے ہیں۔ جو ابھی آتے ہیں۔ اور پھر کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے کہ آدمی جب سجدے میں پیشانی رکھے تو اپنی ہتھیلیوں کو کانوں کے سامنے رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رُخ جمع کرے اور انہیں کھولے۔ پھر جب سر اُٹھائے تو ہاتھوں کو بھی اس کے ساتھ اُٹھائے۔ لیکن جس کو شدید سردی لگے اور وہ ہاتھوں کو کمبل یا کپڑے کے نیچے سے زمین پر رکھے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور یہی ابوحنیفہ کا قول ہے۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ سجدہ دو پاؤں، دو گھٹنوں دو ہاتھوں اور پیشانی پر ہے اور لیلۃ القدر کی حدیث صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک پر مٹی لگی ہوئی دیکھے جانے کا ذکر صراحتہً آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ سے مراد پیشانی اور ناک دونوں کا زمین پر رکھنا ہے، یہی فقہائے حنفیہ اور دیگر فقہا کا مذہب ہے۔ گو ناک رکھنے اور نہ رکھنے میں کچھ اختلاف بھی آیا ہے۔

۳۸۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سَجَدَ، وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِي يَضَعُ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ.

قَالَ نَافِعٌ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي يَوْمٍ شَدِيدِ الْبَرْدِ، وَإِنَّهُ لَيُخْرِجُ كَفَّيْهِ مِنْ تَحْتِ بُرْنُسٍ لَهُ، حَتَّى يَضَعَهُمَا عَلَى الْحَصْبَاءِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کو بھی اس چیز پر رکھتے تھے جس پر چہرہ رکھتے تھے۔ اور نافع نے کہا کہ میں نے انہیں نہایت سرد دن میں دیکھا کہ وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے جُبّے کے نیچے سے باہر نکالتے اور انہیں کنکریوں پر رکھ دیتے تھے۔ (یہ مؤطا امام محمد میں بھی مروی ہے۔ حوالہ اُوپر گزرا۔ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو کپڑے سے باہر نکال کر زمین پر رکھیں۔ گو کپڑے وغیرہ کے اندر سے رکھنا بھی جائز ہے۔)

۳۸۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْأَرْضِ، فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِي يَضَعُ عَلَيْهِ جَبْهَتَهُ. ثُمَّ إِذَا رَفَعَ، فَلْيَرْفَعْهُمَا. فَإِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ جو پیشانی زمین پر رکھے، پس وہ ہتھیلیوں کو وہیں رکھے، جہاں پیشانی کو رکھتا ہے۔ پھر جب سر اُٹھائے تو ہاتھوں کو بھی اُٹھائے۔ کیونکہ ہاتھ بھی چہرے کی مانند سجدہ کرتے ہیں۔

۲۰۔ بَابُ الْاِلْتِفَاتِ وَالتَّصْفِيقِ عِنْدَ الْحَاجَةِ فِي الصَّلَاةِ

ضرورت کے وقت نماز میں نگاہیں پھیرنا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا

التفات کی تین صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ نماز میں صرف آنکھوں کے اطراف کو گھمایا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں (۲) دوسرا التفات چہرے کے اطراف کے ساتھ ہے جو مکروہ ہے۔ (۳) تیسرا التفات قبلہ سے سینہ پھر جانے کے ساتھ ہے۔ جس سے باتفاق علما نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے فضل المعبود میں حضرت خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ مسئلہ

التفات میں علماء میں جو اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کے نزدیک اس کی تیسری مذکورہ صورت مراد ہو اور دوسرا اس سے مراد پہلی یا دوسری صورت لے رہا ہو۔

۳۹۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، سَلَمَةَ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ. وَحَانَتِ الصَّلَاةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ. فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ. فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ. فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ. فَصَفَّقَ النَّاسُ. وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ. فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ مِنَ التَّصْفِيقِ، الْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ، فَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ. فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ. وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى. ثُمَّ انْصَرَفَ. فَقَالَ: "يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ" فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمْ مِنَ التَّصْفِيحِ؟ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ. فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ. وَإِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ"

ترجمہ: سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کی طرف ان میں صلح کرانے تشریف لے گئے اور نماز کا وقت ہوگیا۔ پس مؤذن ابوبکرؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پس ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس آپ حلقوں میں سے گزر کر اگلی صف میں تشریف لے گئے۔ اور اس میں کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارے اور ابوبکرؓ اپنی نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے۔ جب لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر زیادہ ہی آواز نکالی تو ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو۔ تو ابوبکرؓ نے ہاتھ اٹھائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ گئے اور صف میں آ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ پھر نماز ختم کی تو فرمایا، اے ابوبکر جب میں نے حکم دیا تھا تو تم اپنی جگہ پر کیوں قائم نہ رہے ابوبکرؓ نے کہا، ابوقحافہ کے بیٹے کا یہ کام نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، کیا سبب تھا کہ میں تمہیں ہاتھوں سے آواز نکالتے دیکھتا تھا؟ اگر نماز میں کوئی ضرورت یا حادثہ یا عارضہ پیش آجائے تو اس شخص کو تسبیح کرنی چاہیے جسے پیش آئے۔ کیونکہ جب وہ تسبیح کہے گا تو اسے دیکھ لیا جائے گا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا عورتوں کے لیے ہے۔

شرح: بنو عمرو بن عوف قبیلہ اوس کی شاخ تھی۔ یہ لوگ قبا میں رہتے تھے۔ ان میں دو شخص لڑ پڑے تھے۔ جس کے باعث دونوں

کے حامیوں میں سنگ باری کی نوبت پہنچ گئی تھی۔ یہی سبب تھا کہ حضورؐ اپنے بعض اصحاب سمیت تشریف لے گئے تھے۔ ظہر کی نماز حضورؐ پڑھا کر گئے تھے اور زیر نظر حدیث میں عصر کا ذکر ہے۔ مسند احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضورؐ بلالؓ سے فرما گئے تھے کہ اگر ہم نہ آ سکیں تو ابوبکرؓ کو نماز کا حکم دینا۔ حضرت صدیقؓ کو واقعہ کا علم تھا۔ اس لئے بلالؓ کی اطلاع پر فوراً امامت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ابھی پہلی ہی رکعت تھی کہ حضورؐ واپس تشریف لے آئے اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے۔ مرض وفات میں نماز کا زیادہ حصہ ہو چکا تھا (یعنی صبح کی پہلی رکعت پوری) اس لئے پیچھے نہ ہٹے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب ایک سفر میں ایک رکعت پڑھا دی تھی اور حضورؐ دوسری رکعت میں شامل ہوئے تو عبدالرحمٰنؓ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ کیونکہ نماز کا کافی حصہ ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں جا پہنچے۔ آپ اگر پچھلی صف کھڑے ہوتے تو نمازیوں کو تشویش ہوتی اور نماز میں گڑبڑ ہو جاتی۔ دوسروں کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ اور قسطلانی کے بقول امام کر سکتا ہے۔ ابوبکرؓ کا تشکر و حمد الٰہی ہاتھ کے اشارے سے ہوئی نہ کہ زبان سے جیسے کہ مسند احمد کی روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے الاستذکار میں کہا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے بڑھ کر امام بن جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ سب علما نے کہا ہے کہ ایک نماز میں دو امام نہیں ہو سکتے۔ جب تک پہلے کو کوئی ایسا عذر یا حادثہ پیش نہ آ جائے جو اس کی نماز کو قطع کر دے اور اس حال میں مقتدیوں میں سے کسی کو نائب بنانا واجب ہے۔ اس حدیث سے ابوبکر صدیقؓ کا مقامِ رفیع اور حضورِ نبوت میں ان کا کمالِ ادب ثابت ہوتا ہے۔ جو الفاظ انہوں نے بولے وہ ان کی تواضع اور ادب کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے سامنے دو راستے تھے، ایک امتثالِ امر کا اور دوسرا کمالِ ادب کا۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اور اس کی مثال صلح حدیبیہ میں کاتبِ معاہدہ جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم تھا جس میں ارشاد ہوا تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دو۔ علیؓ نے ازراہِ ادب کہا تھا کہ میں آپ کے نام سے یہ لفظ کبھی نہ مٹاؤں گا۔

۲۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اپنی نماز میں التفات نہ کرتے تھے۔ (یعنی التفات کے تینوں معنوں کے لحاظ سے، کیونکہ تیسرے میں نماز باطل ہوتی ہے یعنی جب قبلہ رُخ نہ رہے۔ اور پہلے معنوں میں سے اول کی رُو سے حضورؐ کا منقش کپڑے کو دیکھنا آیا ہے مگر یہ اتفاقی بات تھی۔ یا مسئلہ سمجھانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ نفل نماز میں البتہ حضورؐ کا اپنے بھیجے ہوئے مرابط کی راہ تکنا ثابت ہوا ہے اور وہ ایک شرعی ضرورت تھی۔

۲۹۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَرَائِي، وَلَا أَشْعُرُ، فَالْتَفَتُّ فَغَمَزَنِي.

ترجمہ: ابوجعفر القاری نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبداللہ بن عمرؓ میرے پیچھے تھے۔ اور مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ موجود ہیں۔ میں نے التفات کیا۔ تو انہوں نے مجھے ہاتھ لگا کر منع کیا۔ (ابن عمرؓ نماز میں نہ تھے اور ابوجعفر نفل پڑھ رہے تھے۔ یہ ابوجعفر فنِ قرأت کے مشہور ائمہ میں سے تھے۔ التفات سے مراد سینہ پھیر کر مڑنا نہیں، جس سے نماز باطل ہو جاتی۔)

۲۱- بَابُ مَا يَفْعَلُ مَنْ جَاءَ وَالْإِمَامُ رَاكِعٌ

امام جب رکوع میں ہو تو آنے والا کیا کرے؟

۳۹۳- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ قَالَ: دَخَلَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ الْمَسْجِدَ، فَوَجَدَ النَّاسَ رُكُوعًا. فَرَكَعَ. ثُمَّ دَبَّ حَتَّى وَصَلَ الصَّفَّ.

ترجمہ: ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے کہا کہ زید بن ثابتؓ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کو رکوع میں پایا۔ پس انہوں نے رکوع کیا اور اسی حالت میں چل کر صف میں مل گئے۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث بَابُ الرَّجُلِ يَرْكَعُ دُوْنَ الصَّفِّ الخ میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے نماز ہو جاتی ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ صف میں شامل ہو کر رکوع کرے۔ پھر ابو بکرہؓ کا اسی قسم کا ایک واقعہ روایت کیا ہے۔ حضورؐ کو جب پتہ چلا تو فرمایا زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّ لَا تَعُدْ۔" اللہ تعالیٰ تیری حرص (نماز کے لئے) بڑھائے اور آئندہ ایسا مت کرنا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہی ہمارا مختار ہے۔)

۳۹۴- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَدِبُّ رَاكِعًا.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ رکوع کی حالت میں چل کر صف میں ملتے تھے۔

شرح: علما کے اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ امام مالکؒ اور لیثؒ نے جائز رکھا۔ شافعیؒ نے مکروہ کہا اور ابو حنیفہؒ نے اکیلے شخص کے لئے مکروہ مگر جماعت کے لئے جائز رکھا۔ کیونکہ زیادہ کی صورت میں صف قائم رہتی ہے۔ ابن رشدؒ نے اختلاف کا باعث ابو بکرہؓ کی حدیث کی تصحیح یا عدم تصحیح کو قرار دیا ہے۔ امام محمدؒ کے قول سے ایک شخص کے لئے بھی ایسا کرنا صرف کراہت تنزیہی کا درجہ رکھتا ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ کراہت کا قول ہی سب سے افضل ہے۔ اور نماز اس سے فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ ارکانِ صلوٰۃ پائے جاتے ہیں۔

۲۲- بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا باب

۳۹۵- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَقَالَ: "قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ".

ترجمہ: عمرو بن سُلیم زرقی نے کہا کہ مجھ کو ابو حمید ساعدیؓ نے خبر دی کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم آپ

پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ - اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ پر اور ان کی بیویوں اور اولاد پر جیسی رحمت تُو نے ابراہیمؑ کے گھر والوں پر بھیجی، اور برکت بھیج محمدؐ پر اور ان کی بیویوں اور اولاد پر جیسی کہ برکت بھیجی تُو نے ابراہیمؑ کے گھر والوں پر۔ یقیناً تو ہی لائق تعریف اور صاحب بزرگی ہے۔" (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بَابُ الصَّلوٰۃِ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم میں مروی ہے۔)

شرح: یہ حدیث صحاحِ ستّہ کے علاوہ اور بہت سی کتب حدیث میں وارد ہے۔ سوال کرنے والے کئی لوگ تھے۔ مثلاً کعب بن عجرہؓ۔ اُبی بن کعبؓ۔ بشیر بن سعدؓ، زید بن خارجہؓ، طلحہ بن عبیداللہؓ، ابوہریرہؓ، عبدالرحمٰن بن بشیرؓ کے نام مختلف کتابوں میں آئے ہیں۔ یہ سوال کیفیتِ صلوٰۃ کے بارے میں تھا۔ گو معنیٰ صلوٰۃ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ منشا اس کا یہ تھا کہ صلوٰۃ کے معانی میں رحمت، دعا اور تعظیم سب چیزیں آتی ہیں، تو ہم کس لفظ سے کیا مراد لیتے ہوئے صلوٰۃ بھیجیں۔ سلام کے متعلق انہوں نے کہا کہ وہ تو ہمیں معلوم ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کے الفاظ سے ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ پس اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے رسول پر رحمت نازل فرماتا ہے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ از راہِ تعظیم و توقیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعاء کرتے ہیں اور بندوں کی صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کرنے کی دعا کریں۔ صلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے امت کو بھی شامل فرمایا ہے۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ الخ۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و ذریّت پر بھی آپ کے ساتھ صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے۔ اگلی حدیث میں ازواج و ذریّت کے بجائے آلِ محمدؐ کا لفظ ہے۔ پس مراد آلِ محمدؐ سے ازواج و ذریّت محمدؐ ہے۔ ذریّت میں آپ کی تمام اولاد شامل ہے۔ بلا واسطہ جو اولاد تھی وہ بلا واسطہ شامل ہے اور بالواسطہ اولاد بھی بالواسطہ شامل ہے۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ قیامت تک آپ کی ذریّت میں سے جو لوگ آپ کے متبع ہوں گے، وہ اس دعا میں شامل سمجھے جانے چاہئیں۔

ممکن ہے صحابہ نے، یا اُن میں سے بعض صَلّوا علیہ کے حکمِ الٰہی سے یہ سمجھا ہو کہ صلوٰۃ بمعنی استغفار ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور آپ کے اگلے پچھلے سب ذنوب معاف کر دیئے گئے ہیں، تو ہمارے استغفار کا کیا مطلب ہوگا؟ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ دنیا میں آپ کو اعلائے ذکر، اظہارِ دعوت اور ابقائے شریعت عطا کر اور آخرت میں مقامِ شفاعت اور مقامِ محمود عطا کر اور ساری کائنات پر آپ کی رفعت و عظمت ظاہر فرما۔ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے یہاں طے شدہ ہیں۔ اُمّت کی دعا محض ادائے حق اور اظہارِ عقیدت و محبت کے لئے ہے۔ آپ کی طرف سے جو کچھ امت کو ملا ہے اس کا کوئی بدلہ اُمّت نہیں دے سکتی۔ لہٰذا اسے یہ دعا سکھائی گئی۔ تاکہ وہ اس کے ذریعے سے رحمت و فضلِ خداوندی میں شامل ہو سکے۔

حضورؐ کی ازواجِ مطہرات تو معلوم و معروف ہیں۔ ذرّیت میں وہ سب لوگ آتے ہیں جو آپؐ کی نسلِ مبارک سے ہوں گے اور آپؐ کا اتباع و اطاعت انہیں حاصل ہوگی۔ یہ ابراہیمؑ کی مانند ہے۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ الآیۃ۔ آدمی کی بیٹی کی اولاد بھی اس کی اولاد کہلاتی ہے کیونکہ عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے ذریّتِ ابراہیمؑ میں شامل فرمایا ہے۔ لیکن عام محاورے میں بیٹی کی اولاد ذرّیت میں شامل نہیں ہوتی۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپؐ کی بنات کی اولاد کا ذرّیت میں داخل ہونا بھی آپ کے خصائص میں سے ہے۔ قریشِ مکہ دنیوی طور پر تو آلِ ابراہیمؑ میں داخل تھے۔ مگر دینی و شرعی لحاظ سے خارج تھے۔ کیونکہ مشرک ہو کر انہوں نے اپنا یہ استحقاق باطل

کر دیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے جو لوگ بدعقیدہ یا بے عمل یا بدعمل ہوئے یا ہوں گے وہ دلائل شرع کی رُو سے اس دعا سے خارج ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ کے نزدیک آل محمدؐ سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب متبعین ہیں۔ جیسے آلِ ابراہیم سے بھی ان کے متبعین مراد ہیں۔ اور آل فرعون سے اس لعین کے سارے متبع مراد ہیں۔ اگر آل سے مراد صرف ازواج و ذریت ہی لئے جائیں جیساکہ ان دونوں احادیث کا بظاہر تقاضا ہے تو یہ دعا اظہارِ عقیدت و خلوص کے لئے بھی جانی مناسب ہوگی۔

برکت کا معنیٰ وسیع کرنا اور پھیلانا آتا ہے۔ بارک کا معنیٰ یہ ہے کہ آل و ازواج اور ذریت پر اے اللہ اپنا فضل و کرم وسیع کر اور ان کا اجر و ثواب بڑھا۔ برکت کا معنیٰ عظمت و جلال بھی ہے یعنی ان کی عظمت و جلال اور شان میں اضافہ فرما۔ قرآن حضرت سارہؑ کے ساتھ فرشتوں کے کلام کے سلسلہ میں رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ کے الفاظ کا نیز حمید مجید کے لفظ کا تکلم کیا تھا ابراہیم علیہ السلام نے شبِ معراج میں حضورؐ کی امت کو سلام بھیجا تھا۔ لہٰذا صلوٰۃ و سلام میں ابراہیمؑ اور آل ابراہیم کو داخل کیا گیا۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ ابراہیمؑ کے بعد انہی کی ملت کو قائم رکھا گیا اور انہوں نے ہی اس امت کا نام مسلم رکھا تھا۔ لہٰذا دعاؤں میں انہیں شامل کیا گیا ہے۔

۳۹۶۔ وَحَدَّثَنِيۡ عَنۡ مَالِكٍ، عَنۡ نُعَيۡمِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ الۡمُجۡمِرِ، عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ زَيۡدٍ، اَنَّهٗ اَخۡبَرَهٗ عَنۡ اَبِيۡ مَسۡعُوۡدٍ الۡاَنۡصَارِيِّ، اَنَّهٗ قَالَ: اَتَانَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِيۡ مَجۡلِسِ سَعۡدِ بۡنِ عُبَادَةَ. فَقَالَ لَهٗ بَشِيۡرُ بۡنُ سَعۡدٍ: اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنۡ نُّصَلِّيَ عَلَيۡكَ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ، فَكَيۡفَ نُصَلِّيۡ عَلَيۡكَ؟ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى تَمَنَّيۡنَا اَنَّهٗ لَمۡ يَسۡاَلۡهُ. ثُمَّ قَالَ: "قُوۡلُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيۡتَ عَلٰى اِبۡرَاهِيۡمَ وَبَارِكۡ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكۡتَ عَلٰى اٰلِ اِبۡرَاهِيۡمَ فِي الۡعٰلَمِيۡنَ، اِنَّكَ حَمِيۡدٌ مَّجِيۡدٌ. وَالسَّلَامُ، كَمَا قَدۡ عَلِمۡتُمۡ."

ترجمہ: ابومسعود انصاریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہؓ کی مجلس میں ہمارے پاس تشریف لائے۔ بشیر بن سعدؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے، سو ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجیں؟ ابومسعودؓ نے کہا کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ حتیٰ کہ ہم نے آرزو کی کہ کاش وہ آپ سے یہ سوال نہ کرتا۔ (مبادا آپؐ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا ہو۔) پھر آپؐ نے فرمایا کہ یوں کہو، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ "اے اللہ رحمت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ پر۔ اور برکت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح کہ تو نے جہان والوں میں سے آل ابراہیمؑ پر برکت بھیجی۔ بے شک تو لائق تعریف اور بزرگ و برتر ہے۔ اور سلام اس طرح ہے جس طرح کہ تم جانتے ہو۔ (کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: ترمذی اور مؤطائے امام محمدؒ کی سند میں محمد بن عبداللہ بن زید انصاری کے ساتھ یہ لفظ زائد ہیں کہ، عبداللہ بن زید انصاریؓ وہی ہے جسے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان دکھائی گئی تھی۔ بشیر بن سعدؓ جس نے یہ سوال کیا تھا، یہ نعمان صحابیؓ کے والد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوال پر وحی کے انتظار میں خاموش رہے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ خاموشی ازراہِ حیا و تواضع ہو۔

شراح حدیث میں یہ بحث چلتی رہی ہے کہ آیا حضورؐ کے اسمِ گرامی سے قبل سیدنا کا لفظ بھی بڑھانا مناسب ہے یا نہیں؟ سو بیشک حضورؐ سید الکائنات ہیں۔ امام الاوّلین والآخرین ہیں۔ اولادِ آدمؑ سے سردار ہیں۔ مگر تشہد اور کلمہ شہادت میں آپ کے نام نامی کے ساتھ سیدنا کا لفظ ثابت نہیں ہوا۔ لہٰذا انہی الفاظ کا اتباع کرنا لازم ہے جو حضورؐ نے فرمائے۔ نیل الاوطار میں شوکانیؒ نے، ابن ارسلانؒ نے شرح ابی داؤد میں اور صاحبِ درمختار نے اولیٰ اسے قرار دیا ہے کہ ادب کا تقاضا سیدنا کے لفظ کا اضافہ چاہتا ہے۔ عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ماجہ، ابن مردویہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجو تو بہت اچھی طرح بھیجو۔ شاگردوں نے کہا کہ آپ ہمیں سکھائیں۔ فرمایا یوں کہا کرو، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ الخ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام صلوٰۃ وسلام کے بارے میں ہے نہ کہ تشہد کے بعد کی صلوٰۃ وسلام کے متعلق۔ حافظ سخاویؒ نے کہا کہ بہت سے لوگ یوں کہتے ہیں، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الخ۔ مگر جیسا کہ اوپر گزرا ہے، افضل یہی ہے کہ حضورؐ کے بتائے ہوئے الفاظ پر اکتفا کیا جائے۔

اس حدیث کی روایات میں کہیں تو آلِ ابراہیم کا لفظ ہے، کہیں نہیں آیا۔ اسی طرح بارک کے ساتھ کہیں حرف آل ابراہیم کا لفظ ہے اور کہیں علٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ آیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اصل حدیث میں دونوں جگہ محمد و آل محمد اور ابراہیم و آل ابراہیم کے لفظ ثابت ہیں۔ راویوں نے کہیں کوئی لفظ بولا اور کہیں چھوڑ دیا ہے۔ مزید گفتگو اس مقام پر ہم نے فضل المعبود میں کی ہے وہاں دیکھی جائے۔

۳۹۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، قَالَ: رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقِفُ عَلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ.

ترجمہ: عبداللہ بن دینارؒ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر ٹھہرتے دیکھا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر صلوٰۃ بھیجتے تھے۔

شرح: مؤطا کے بعض راویوں نے وَعَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ کے بجائے وَيَدْعُوْا لِاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی متابعت میں ان دونوں بزرگوں، دیگر اصحاب اور آل و ازواج پر بھی صلوٰۃ وسلام جائز ہے مستقل طور پر کسی اور پر جائز نہیں لیکن انبیا پر مستقلاً صلوٰۃ وسلام جائز ہے۔ عامۂ اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ ابن عباسؓ نے صلوٰۃ وسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت مانا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک مستقلاً کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے۔ شاید اس سے مراد صلوٰۃ وسلام کا جمع کرنا ہے۔ ورنہ انبیا علیہم السلام پر قرآن میں بھی سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ، سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ، سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ، سَلَامٌ عَلٰى اِلْيَاسِيْنَ وارد ہوا ہے۔ ملائکہ پر بھی سَلَامٌ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ صحابہؓ پر رضی اللہ عنہم اور دیگر بزرگوں پر رحمہم اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن کتب حدیث وفقہ، سیرت و تاریخ اور شرح حدیث و تفسیر وغیرہا میں اس کے خلاف بھی آیا ہے۔

علما کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہر موقع پر فرض ہے حسب آیت کریمہ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ عقدِ ایمان کے باعث صلوٰۃ وسلام فی الجملہ فرض ہے۔ لیکن نمازیں یا کسی خاص وقت میں اس کی فرضیت

متعین نہیں ہے۔ حنفی و مالکی فقہا میں سے بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک بار تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا فرض ہے۔ اور اس سے فرض ساقط ہو جاتا ہے اور پھر عمر بھر میں بقدرِ امکان ہر شخص کے لیے مستحب ہے۔ امام شافعیؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک آخری قعدہ صلوٰۃ میں حضورؐ پر صلوٰۃ بھیجنا واجب ہے۔ یعنی ان لفظوں کے ساتھ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ مگر شعبیؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک تشہد کا سلام یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ الخ واجب ہے۔ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے یا سنا جائے تو امام طحاوی کے نزدیک صلوٰۃ وسلام واجب ہو جاتا ہے۔

۲۳۔ بَابُ الْعَمَلِ فِی جَامِعِ الصَّلٰوۃِ

نماز کی بعض جامع احادیث

۳۹۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ قَبْلَ الظُّھْرِ رَکْعَتَیْنِ، وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ۔ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَکْعَتَیْنِ فِیْ بَیْتِہٖ۔ وَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ رَکْعَتَیْنِ۔ وَکَانَ لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ الْجُمُعَۃِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ، فَیَرْکَعَ رَکْعَتَیْنِ۔

ترجمہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل دو رکعت، اس کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اپنے گھر میں اور عشا کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور نماز جمعہ سے فارغ ہو کر گھر میں آکر دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ (امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ حدیث بابُ صلوٰۃ التطوّع بعدَ الفریضہ میں روایت کی ہے)۔

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ یہ نفلی نماز ہے اور بہت اچھی ہے اور ہمیں خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل زوال آفتاب کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے۔ ابو ایوب انصاریؒ نے اس بارے میں آپ سے اس بارے میں آپؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس گھڑی آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا عمل حضور خداوندی میں پیش ہو۔ ابو ایوبؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ان رکعات میں سلام کے ساتھ فاصلہ کیا جائے، تو آپ نے فرمایا کہ نہیں پھر امام محمدؒ نے اس حدیث کی سند بیان کی ہے۔

اس حدیث میں فجر کی دو رکعات کا ذکر بھی نہیں ہے۔ بخاری اور دوسری صحاح میں ظہر سے قبل چار رکعات کا ذکر ہے۔ صحیح احادیث میں ۱۲ سنن رواتب کا ذکر موجود ہے۔ اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد کی روایت میں ظہر کے بعد چار رکعات کا ذکر ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ حضورؐ کا زیادہ تر عمل ظہر کے بعد دو رکعت پر تھا اور کبھی چار پڑھی تھیں۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کی حدیثوں پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں نوافل مؤقتہ کا بیان ہے اور ان پر مواظبت رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اور جمہور کا مذہب یہ بھی ہے کہ رواتب فرائض میں سے کوئی واجب نہیں مگر حسن بصریؒ نے فجر کی سنت کو واجب کہا ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ حسن بصریؒ نے مغرب کے بعد کی دو رکعات کے وجوب بھی موجود ہے۔ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ وہ ان رواتب کی توقیت و تاکید کے قائل نہ تھے۔ مگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ مؤقت ہیں۔ اس لئے انہیں سُنن مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ حنفی علما نے ۲ + ۴ + ۲ + ۲ + ۲ (قبل از فجر، قبل از ظہر، بعد از ظہر، بعد از مغرب، بعد از عشا) کو مؤکد سُنن کہا ہے۔ صحیح احادیث میں ۱۲ کا عدد ہے۔ ان کی یہی ترتیب

اور ان میں ترغیب وارد ہے۔ حدیث زیر نظر کے باعث امام مالکؒ کے علاوہ ائمہ فقہ میں ظہر کی پہلی رکعات میں اختلاف ہے کہ وہ دو ہیں یا چار۔ حنفیہ نے چار اور شافعی و احمد نے دو کہی ہیں۔ مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی کی حدیث میں ۱۲ رکعات کا ذکر ہے۔ حنفی فقہا نے ان میں سے فجر کی دو سنت کو مؤکد تر کہا ہے اور ان کے بعد قبل از ظہر کی چار رکعت کا درجہ بتایا ہے اور دوسری سب برابر ہیں۔ سنن و نوافل کو گھروں میں ادا کرنا افضل ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں حضورؐ کا حکم موجود ہے اور آنجناب کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ تراویح اور عیدین اور صلوٰۃ الکسوف والخسوف اور استسقا کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان نمازوں کے شرعی اسباب کا تقاضا ہوتا ہے کہ انہیں با جماعت مسجد یا عید گاہ میں (مثلاً عیدین) ادا کیا جائے۔

نماز جمعہ کے بعد امام شافعیؒ کے نزدیک جس قدر ہو سکیں نوافل ادا کرنا مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، ثوری اور احمد بن حنبل چار یا چھ رکعات کے قائل ہیں۔ اور انہیں سُنن کہا جاتا ہے۔ کیونکہ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا پڑھنا ثابت ہے۔ قبل از جمعہ چار رکعت بعض احادیث میں ثابت ہے۔ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے۔ اور جس طرح ظہر سے قبل چار رکعت ہیں اسی طرح جمعہ سے قبل بھی۔ صحابہ و تابعین کے بہت سے آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۳۹۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَتَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا؟ فَوَاللَّهِ، مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ. إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي."

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ میں صرف آگے ہی دیکھتا ہوں؟ واللہ مجھ پر تمہارا خشوع اور تمہارا رکوع مخفی نہیں ہوتا اور میں بالضرور تمہیں اپنی پس پُشت سے دیکھتا ہوں۔

شرح: اس حدیث میں رویت (دیکھنا) کا لفظ یا تو علم کے معنی میں ہے جیسے کہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ میں ہے۔ اور یا آنکھوں سے دیکھنے کے معنیٰ میں ہے۔ حافظ عینی نے کہا کہ جمہور کے نزدیک یہی دوسرا معنی مراد ہے اور میرے نزدیک یہی مراد لینا صحیح ہے۔ ورنہ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي کا کوئی معنیٰ نہیں رہتا۔ اور یہ رویت حالتِ نماز میں بطور معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ جب یہ خرقِ عادت تھی تو اس کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور یہ رویت آلاتِ بصارت کے بغیر ہوتی تھی۔

حدیث کے لفظ خشوع سے مراد قلب کا حضورِ خداوندی میں عاجز ہونا اور اعضا کا ساکن ہونا ہے۔ یہی خشوع نماز کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ "وہ مومن کامیاب ہوئے جو اپنی نماز میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔"

۴۰۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبَاءً رَاكِبًا وَمَاشِيًا.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں سوار ہو کر اور پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے۔
(یعنی مسجد قباء میں، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں ہے۔ اس مسجد کی بہت فضیلت تھی۔ اور حضورؐ نے مدینہ میں سب سے پہلے یہی مسجد بنائی تھی۔ اس محلے کے انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مہاجر ساتھیوں کی بڑی مہمان نوازی کی تھی اور یہ لوگ اسلام

کے جاں نثار تھے۔ حضورؐ وہاں پر نماز پڑھتے، دوستوں سے ملنے اور وضعداری کو نبھانے تشریف لے جاتے تھے مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ مسجد قبا میں دو رکعت ادا فرماتے تھے۔

۴۰۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا تَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي؟" وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ يُّنْزَلَ فِيْهِمْ. قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: "هُنَّ فَوَاحِشُ، وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ. وَاَسْوَاُ السَّرِقَةِ الَّذِيْ يَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ" قَالُوْا: وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلَاتَهٗ؟ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: "لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا."

ترجمہ: نعمان بن مُرّہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا شرابی، چور اور زانی کے متعلق کیا خیال ہے؟ اور اس وقت تک ابھی ان کی سزائیں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان کی سزا ہے اور بدترین چوری اس شخص کی ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ نماز میں کیسے چوری کرتا ہے؟ فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا۔

شرح: نعمان بن مُرّہ زرقی مدنی ایک جلیل القدر تابعی تھا، پس یہ حدیث مرسل ہے۔ اور مالکؒ سے روایت کرنے والے سب لوگ اسے مرسل ہی روایت کرتے ہیں۔ ابو سعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے یہ حدیث کئی صحیح سندوں کے ساتھ متصل آئی ہے۔ اس حدیث میں نماز کی چوری کو بڑے بڑے کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اور نماز میں خلل چونکہ زیادہ تر رکوع و سجود میں واقع ہوتا ہے اس لئے حضورؐ نے ان دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ رکوع و سجود میں اعتدال و طمانیت کو ترک کرنا نماز کو فساد کے قریب لے جاتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ رکوع و سجود میں اطمینان اختیار کرنا واجب ہے اور ان سے انتقال کی حالت میں سنت ہے۔ پس اسے ترک کرنا فعل حرام ہے۔ امام احمدؒ کا قول اس مسئلے میں شافعیؒ کی مانند ہے اور مالکؒ کا قول ابوحنیفہؒ کی مانند ہے۔ پس شافعیؒ و احمدؒ کے نزدیک اعتدال و طمانیت نہ ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مگر مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں مگر ناقص ہے۔ اور ان کے نزدیک حضورؐ کا یہ ارشاد تشدید و توبیخ کے لئے ہے۔

۴۰۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ."

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی کچھ نماز گھروں میں بھی پڑھا کرو۔

شرح: موطأ کے سب راوی اس حدیث کو مرسل بیان کرتے ہیں۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے اسے بروایت یحییٰ القطان عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور آخر میں یہ جملہ بڑھایا ہے کہ گھروں کو قبریں مت بناؤ۔ حافظ عینیؒ نے کہا کہ اس سے مراد نفل نماز ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے، فرض نماز کے سوا آدمی کی نماز گھر میں افضل ہے۔ پس اس حدیث سے فرض مراد نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ خود فرض کو مسجد میں جماعت کے ساتھ اور سنن و نوافل کو گھر پر ادا فرماتے تھے۔ بعض نفلی نمازیں جن میں جماعت مشروع ہے مثلاً تراویح، عیدین، استسقا اور خسوف و کسوف کی نماز اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۰۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: اِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيْضُ السُّجُوْدَ اَوْمَأَ بِرَأْسِهِ اِيْمَاءً، وَلَمْ يَرْفَعْ اِلٰى جَبْهَتِهِ شَيْئًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جب مریض سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اپنے سر سے اشارہ کرے اور اپنی پیشانی کی طرف (سجدے کے لئے) کسی چیز کو نہ اُٹھائے۔ (بقولِ ابن عبدالبر سلف و خلف کے اکثر علما کا یہی مذہب ہے۔ ہدایہ میں یہی مذہب حنفیہ کا لکھا ہے اور اسی قسم کی عبارت درج ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں یہ اثر بابُ صَلوٰۃِ الْمَرِیْضِ میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی ہمارا قول مختار ہے اور ابو حنیفہؒ نے یہی کہا ہے۔)

۴۰۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا جَاءَ الْمَسْجِدَ، وَقَدْ صَلَّى النَّاسُ، بَدَاَ بِصَلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ، وَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا شَيْئًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد میں آتے اور لوگ فرض پڑھ چکے ہوتے تو فرض پڑھنا شروع کر دیتے، ان سے قبل اور کچھ نہ پڑھتے تھے۔

شرح: یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ اور کئی علما سے اس کے خلاف منقول ہے۔ امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب، شافعیؒ، داؤد بن علی ظاہری کہتے ہیں کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو ایسی حالت میں فریضہ سے قبل رواتب و نوافل یا تحیۃ المسجد پڑھے جا سکتے ہیں سفیان ثوریؒ کا قول ابن عمرؓ کے فعل کے عین مطابق ہے۔

۴۰۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّيْ۔ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ۔ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا۔ فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ: اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ۔ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ ایک آدمی پر گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا اور اُسے سلام کہا۔ پس اس آدمی نے زبان سے جواب دیا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ اس کی طرف واپس ہوئے اور کہا کہ، جب بحالتِ نماز تم میں سے کسی کو سلام کیا جائے تو وہ زبان سے بات نہ کرے بلکہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے۔ (امام محمدؒ نے موطا میں بابُ الرَّجُلِ یُسَلَّمُ عَلَیْہِ وَھُوَ یُصَلِّیْ میں یہ اثر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا قول مختار یہی ہے کہ اول تو نمازی کو سلام کہنا ہی مناسب نہیں۔ اگر کہا جائے اور وہ زبان سے جواب دے دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔)

شرح: صحاح میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت وارد ہے کہ حبشہ سے واپسی پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا، جب کہ حضورؐ نماز میں تھے۔ آپؐ کے جواب نہ دینے پر عبداللہ غمگین ہوئے۔ نماز کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلًا۔ اس سے قبل لوگ نماز میں سلام کا جواب دے دیتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے بات چیت بھی کر لیتے تھے۔ مگر قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ کے نزول کے بعد سلام و کلام ناجائز ٹھیرایا گیا۔ مزید بحث ہم نے حدیث ذی الیدین میں کی ہے اور تفصیلی گفتگو فضل المعبود میں ہے۔ ابن مسعودؓ

کی حدیث سے بھی یہ معلوم ہوگیا کہ نمازی کو سلام کہنا جائز نہیں۔ صہیبؓ کی حدیث میں آتا ہے کہ مسجد قبا میں لوگ حضورؐ کو سلام کہہ رہے تھے اور آپؐ ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتے تھے۔ مگر اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضورؐ نے اشارے منع فرمایا ہو۔ کیونکہ آیت قرآنی اور حدیث ابن مسعودؓ اس باب میں صریح ہے۔ نمازی کو سلام کہنا حنفیہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام مالکؒ سے دو روایتیں ہیں۔ اور احمدؒ کے نزدیک اسے سلام کہنا جائز ہے اور وہ اشارے سے جواب دے۔ لیکن ابوداؤد نے احمدؒ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ لَا غِرَارَ فِي صَلٰوةٍ وَلَا تَسْلِيمَ۔ اور امام احمدؒ نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ نہ تو نمازی کو کوئی سلام کہے اور نہ وہ جواب دے۔ جہاں تک نمازی کے جواب کا تعلق ہے۔ جمہور علما وفقہاء کے نزدیک وہ سلام کا جواب نہ دے۔ اگر دے گا تو اس کی نماز فاسد ہے۔ بعض تابعین کا یہ قول شاذ ہے کہ اگر وہ جواب دے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس مسئلے میں صحیح اور حسن احادیث بہت سی ہیں اور مشہور ہیں۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں۔ اس کی تفصیل فضل المعبود میں دیکھیے۔

۴۰۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً، فَلَمْ يَذْكُرْهَا اِلَّا وَهُوَ مَعَ الْاِمَامِ، فَاِذَا سَلَّمَ الْاِمَامُ، فَلْيُصَلِّ الصَّلٰوةَ الَّتِيْ نَسِيَ. ثُمَّ لِيُصَلِّ بَعْدَهَا الْاُخْرٰى۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جو کوئی کسی نماز کو پڑھنا بھول جائے اور اس وقت یاد کرے جب کہ وہ امام کے ساتھ ہو تو جب امام سلام کہے تو یہ شخص پہلے اپنی بھولی ہوئی نماز پڑھے اور اس کے بعد اگلی نماز پڑھے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر بابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي فَيَذْكُرُ اَنَّ عَلَيْهِ صَلٰوةً فَائِتَةً میں روایت کرکے لکھا ہے کہ یہی ہمارا قول مختار ہے مگر ایک بات میں ہمیں اختلاف ہے۔ اگر دوسری نماز جسے وہ امام کے ساتھ پڑھ رہا ہو، اس کا یہ آخری وقت ہو اور اسے خوف ہو کہ پہلی کو شروع کیا تو دوسری کا وقت نکل جائے گا، تو وہ دوسری کو پڑھ لے۔ پھر اس کے بعد پہلی پڑھے۔ اور ابوحنیفہؒ اور سعید بن المسیبؒ کا قول یہی ہے۔)

شرح: مؤطا میں یہ حدیث موقوف ہے۔ اور اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ مگر موقوف ہونے کی صورت میں بھی یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے ابوحنیفہ، مالک اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی ہے جو ابن عمرؓ نے بیان کیا۔ امام شافعی نے کہا کہ امام کے ساتھ والی نماز کو وہ شخص وقتی نماز قرار دے گا اور اس کے بعد فوت ہونے والی نماز پڑھے گا۔ دراصل اس مسئلہ کی بنا مسئلہ ترتیب فی الصلوٰۃ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کو اہل ایمان پر بحیثیت کتابا موقوتا فرض فرمایا ہے۔ اس "کتابِ موقوت" میں ترتیبِ نماز از خود داخل ہے کہ فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا یکے بعد دیگرے ہیں۔ اور اسی طرح فرض ہیں۔ لہذا یہ ترتیب قائم رکھنا بھی فرض ہوا۔

امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں کہا ہے کہ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب واجب ہے اور ابن عمرؓ کی روایت اس پر نص ہے نخعیؒ، زہریؒ، ربیعہؒ، یحییٰ الانصاریؒ، مالکؒ، لیثؒ، ابوحنیفہؒ اور اسحاقؒ سے یہی مروی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں (یعنی فوائت میں)۔ احمدؒ کے نزدیک فوائت خواہ کتنی ہوں، ان میں ترتیب واجب ہے۔ مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر پانچ فوائت ہوں تو ترتیب واجب ہے ورنہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں جنگ خندق میں شدید مصروفیت اور کفار کے ہجوم کے باعث فوت ہوئیں۔ آپؐ نے انہیں بعد میں ترتیب سے قضا فرمایا اور ارشاد ہوا کہ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ یہ حدیث وجوب ترتیب میں نص ہے۔ ابن عمرؓ کی حدیث زیر نظر دارقطنی اور بیہقی نے مرفوعاً بھی روایت کی ہے۔ اور طحاویؒ کے بقول اس مسئلہ میں صحابہؓ

سے کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔

۴۰۷ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّيْ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى جِدَارِ الْقِبْلَةِ. فَلَمَّا قَضَيْتُ صَلَاتِيْ انْصَرَفْتُ إِلَيْهِ مِنْ قِبَلِ شِقِّي الْأَيْسَرِ. فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَنْصَرِفَ عَنْ يَمِيْنِكَ؟ قَالَ فَقُلْتُ: رَأَيْتُكَ. فَانْصَرَفْتُ إِلَيْكَ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَإِنَّكَ قَدْ أَصَبْتَ. إِنَّ قَائِلًا يَقُوْلُ: انْصَرِفْ عَنْ يَمِيْنِكَ. فَإِذَا كُنْتَ تُصَلِّيْ، فَانْصَرِفْ حَيْثُ شِئْتَ. إِنْ شِئْتَ عَنْ يَمِيْنِكَ، وَإِنْ شِئْتَ عَنْ يَسَارِكَ.

ترجمہ: واسع بن حبان نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبداللہ بن عمرؓ اپنی پشت کو قبلہ کی دیوار سے لگائے ہوئے تھے۔ جب میں نے نماز پڑھ لی تو ان کی طرف اپنی بائیں جانب سے پھرا تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ تجھے دائیں طرف سے پھرنے سے کس چیز نے روکا؟ میں نے کہا میں نے آپ کو دیکھا اور آپ کی طرف پھر گیا۔ پس عبداللہ نے کہا کہ تونے ٹھیک کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دائیں طرف پھرو۔ مگر جب تم نماز پڑھو تو جدھر سے چاہو پھر جاؤ۔ چاہو تو دائیں طرف سے پھر جاؤ اور اگر چاہو تو بائیں جانب سے پھر جاؤ۔ (یہ اثر موطا امام محمدؒ میں باب الْاِنْفِتَال مِنَ الصَّلٰوۃِ میں مروی ہے۔ اور اس کے آخر میں یہ عبارت بھی ہے کہ۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تو رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو نہ قبلہ رُخ بیٹھ نہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرکے بیٹھ۔ عبداللہؓ نے کہا کہ میں اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع حاجت کے لئے بیت المقدس کے رُخ پر بیٹھے دیکھا۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم عبداللہ بن عمرؓ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ آدمی نماز سے جس جانب چاہے پھر جائے اور پیشاب پاخانہ کرتے بیت المقدس کا رُخ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس وقت صرف قبلہ رُخ بیٹھنا ناجائز ہے۔ اس دوسرے مسئلے پر اس سے قبل کتاب الطہارت میں بحث ہو چکی ہے۔ جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے اکثر علما کے نزدیک دائیں یا بائیں دونوں جانب سے نمازیوں کی طرف پھرنا جائز اور برابر ہے۔ ان میں کچھ فرق نہیں۔ بقول حافظ ابن عبدالبر حضرت حسن بصری دائیں جانب سے انصراف کو پسند کرتے تھے۔ اور ان کا استدلال انسؓ کی حدیث سے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے پھرتے تھے۔ مگر اس امر میں کوئی دلیل نہیں کہ بائیں طرف سے پھرنا ناجائز ہے۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ بارہا ہر طرف سے انصراف فرماتے تھے۔ الذخیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن نمازوں کے بعد نفل نہیں ہوتے، ان میں دائیں یا بائیں طرف سے پھر کر مقتدیوں کی طرف بیٹھتے تھے۔ اور جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں، ان میں سلام کے بعد ان میں مشغول ہو جاتے (یعنی گھر تشریف لے جاتے تھے)، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس انصراف کی غرض مقتدیوں کو درس ووعظ اور تعلیم مسائل ہے۔ اس مسئلہ پر علما کا اجماع ہے۔

۴۰۸ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ، لَمْ

يَرَبِهِ بَاسًا، اَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: اَاُصَلِّيْ فِيْ عَطَنِ الْإِبِلِ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَا وَلٰكِنْ صَلِّ فِيْ مُرَاحِ الْغَنَمِ۔

ترجمہ: عروہ نے مہاجرین میں سے ایک نیک شخص سے روایت کی کہ اس نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کہ کیا میں اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ عبداللہ نے کہا کہ نہیں۔ لیکن تو بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لے۔

شرح: امام محمدؒ نے موطا میں ابوہریرہؓ کا ایک قول باب الصّلوٰۃ فی مرابض الغنم میں روایت کیا ہے کہ: اپنی بھیڑ بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ ان کا باڑہ پاک صاف رکھ اور اس میں ایک طرف نماز پڑھا کر، کیونکہ وہ جنت کے جانوروں میں سے ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ بھیڑ بکریوں کے باڑے میں اگرچہ ان کی مینگنیاں اور پیشاب ہوں، نماز جائز ہے اور حلال جانوروں کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث زیر نظر مرفوعاً بھی مروی ہے۔

علما میں اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ اونٹوں کے باڑے میں یا پانی کے حوض کے گرد ان کے بیٹھنے اور آرام کرنے کی جگہوں میں نماز مکروہ ہے۔ بعض احادیث میں اونٹوں کو شیاطین سے تشبیہ دی گئی۔ کیونکہ وہ بھڑک اُٹھتے ہیں تو انسانوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اگر ان کے باڑے میں جگہ پاک ہو یا کپڑا وغیرہ بچھا لیا جائے تو نماز کے جواز میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ جمہور علما کا یہی مذہب ہے۔ احمدؒ۔ اسحاقؒ اور حسن بصریؒ نے ممانعت کے باعث کسی حالت میں بھی اونٹوں کے باڑے میں نماز جائز نہیں۔ مگر صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح اسے بطور سُترہ سامنے رکھ کر بھی۔ پس نہی تنزیہی ہے اور علت اس کی تشویش کا خطرہ ہے۔ بھیڑ بکریوں میں یہ علت نہیں پائی جاتی۔ اوپر امام محمدؒ کا قول گزرا ہے کہ حلال جانوروں کا بول پاک ہے۔ مگر بول سے بچنے کی عام احادیث کی بنا پر ابوحنیفہؒ اور ابویوسف نے اسے نجس کہا ہے۔ پس ان کے نزدیک جگہ پاک ہونے کی شرط سے مشروط ہے اور علت جواز کی یہ ہے کہ وہ بے ضرر جانور ہے۔

۴۰۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّهُ قَالَ: مَا صَلٰوةٌ يُجْلَسُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنْهَا؟

ثُمَّ قَالَ سَعِيْدٌ: هِيَ الْمَغْرِبُ، اِذَا فَاتَتْكَ مِنْهَا رَكْعَةٌ۔ وَكَذٰلِكَ سُنَّةُ الصَّلٰوةِ، كُلِّهَا۔

ترجمہ: ابن شہابؒ نے سعید بن المسیبؒ سے روایت کی کہ اس نے کہا، وہ کون سی نماز ہے، جس کی ہر رکعت قعدہ ہوتا ہے؟ پھر سعیدؒ نے کہا کہ وہ نمازِ مغرب ہے جب کہ اس سے تیری ایک رکعت (با جماعت) فوت ہو جائے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہر نماز کی یہی سنت ہے۔

شرح: مغرب میں دوسری رکعت میں شامل ہونے والا دوسری اور تیسری رکعت پر تو امام کی متابعت میں بیٹھتا ہے اور تیسری پر اس لئے کہ وہ اس کی قرأت کے لحاظ سے پہلی اور آخری قعدہ کے لحاظ سے آخری رکعت ہے۔ امام مالکؒ کی عبارت بہت الجھن پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ دو یا تین رکعت کی نماز میں تو (یعنی فجر اور مغرب میں) ہر رکعت پر قعود ہو سکتا ہے مگر چار رکعت کی نماز میں ایسا نہیں ہوتا۔ موطا کے ہمارے ممالک کے نسخوں میں تو یہی عبارت ہے جو اوپر گزری۔ مصری نسخوں میں قال مالکؒ کا لفظ نہیں ہے۔ گویا ان کے مطابق

بہ سعید بن المسیبؒ کا قول ہے اور اس قول کا مطلب قاضی ابوالولید الباجیؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ مسبوق آخری رکعت کا قعدہ کرے گا۔ کیونکہ اس کا آخری قعدہ وہی ہوگا۔ مطلب یہ کہ مغرب میں دو رکعات پر قعدہ امام کی متابعت میں ہے اور ہر نماز میں یہی حکم ہے کہ مسبوق کی چاہے کتنی رکعات چھوٹ گئی ہوں وہ امام کے ساتھ قعدہ کرے گا، اور بعد میں اپنی فوت شدہ رکعات پڑھے گا۔ شارحین نے اس کے علاوہ جو تاویلیں کی ہیں وہ دُور از کار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۴۔ بَابُ جَامِعِ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعض دیگر متفرق مسائل کا باب

۴۱۰۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ۔ فَإِذَا سَجَدَ، وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ، حَمَلَهَا

ترجمہ: ابوقتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اس حال میں کہ آپ نے اُمامہؓ کو جو آپ کی نواسی (آپ کی صاحبزادی زینبؓ کی بیٹی) تھی اور اس کا باپ ابوالعاصؓ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا، اُٹھایا ہوتا تھا۔ جب سجدہ کرتے تو اسے رکھ دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اُٹھا لیتے تھے۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّيْ وَهُوَ يَحْمِلُ الشَّيْءَ میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام خطابیؒ نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ اُمامہؓ بنتِ ابی العاصؓ (جس کی والدہ محترمہ مشرکوں کی اذیت کے باعث کچھ دیر بیمار رہ کر مدینہ منورہ میں وفات پا گئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت مانوس تھی۔ وہ نماز میں بھی حضورؐ سے چمٹ جاتی تھی۔ رکوع کے وقت کندھے سے (آہستہ سے) گر جاتی تھی یا آپ آہستہ سے اتار دیتے تھے۔ اور وہ پھر چمٹ جاتی تھی۔ لہٰذا اس کا فعل حضورؐ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا جو حدیث میں مجازاً آپ کی طرف منسوب ہے۔ یا یہ کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ نماز میں عمل کثیر کی اجازت تھی۔ یا پھر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ فعلِ کثیر بالاتفاق مفسدِ نماز ہے۔ جیسا کہ ہم نے حدیث ذی الیدین کی شرح میں مدلل بتایا ہے۔

حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ علما اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ عمل کثیر نماز میں ناجائز ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں اور نہ حضورؐ کی خصوصیت کی کوئی دلیل ہے۔ اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہ متفرق اعمال تھے جو نماز میں حائل نہ تھے۔ اور نہ ان سے خشوع میں فرق آتا تھا، لہٰذا جائز تھے۔ شاہ ولی اللہؒ نے بھی لکھا ہے کہ عملِ یسیر نماز میں مخل نہیں ہوتا۔ اگر کسی چیز کے اٹھانے اور رکھنے میں تکلف ہو تو وہ عالمگیریہ کے مطابق مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ ورنہ نہیں۔

۴۱۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: "يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ. ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ. كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں کچھ فرشتے رات کو اور کچھ فرشتے دن کو باری باری سے آتے ہیں اور نمازِ عصر اور نمازِ فجر میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جو رات کو تمہارے درمیان رہتے ہیں، وہ اُوپر چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان کا حال زیادہ جانتا ہے۔ کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں، ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز پڑھتے۔

شرح: اس حدیث سے نمازِ فجر اور عصر کی فضیلت کی ایک اور وجہ بھی ثابت ہوتی کہ ان دو نمازوں میں فرشتوں کی ڈیوٹی بدلتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے بندوں کی رپورٹ فرشتوں کی معرفت جاتی ہے تاکہ وہ انسان کی پیدائش اور اس کی خلافت کا راز جان لیں۔ پھر اس میں مومن نمازی بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت بھی معلوم ہوئی۔

۴۱۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ" فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ، مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ. فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. قَالَ "مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ" قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي لَهُ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ، مِنَ الْبُكَاءِ. فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ. مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ" فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکرؓ کو میرا حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اس پر عائشہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ! ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے لوگوں سے آواز نہیں سُنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا، ابوبکرؓ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس پر میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ابوبکر جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی قرأت نہیں سُنا سکیں گے۔ لہٰذا عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائے۔ پس حفصہؓ نے ایسا ہی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک تم تو یوسف کی ساتھنیں ہو، ابوبکرؓ کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ اس پر حفصہؓ نے عائشہؓ سے کہا، مجھے تم سے بھلائی نہیں پہنچ سکتی تھی۔

شرح: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ایک اور خدشہ تھا جس کی بنا پر وہ چاہتی تھیں کہ ابوبکرؓ اس وقت حضورؐ کی نیابت نہ کریں۔ یہ خدشہ انہوں نے خود ہی بعد میں ظاہر کر دیا تھا کہ اگر حضورؐ کی وفات ہو گئی تو مبادا لوگ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت سے بدشگونی کا پہلو نکالیں۔ اس بنا پر انہوں نے بار بار گزارش کی تھی کہ حضرت عمرؓ کو امامت کا حکم دیا جائے۔ حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب کہ اِنَّ کُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ بطور تنبیہ و عتاب یہ تھا کہ جس طرح زنانِ مصر کا اصل مطلب کچھ اور تھا اور وہ عزیزِ مصر کی بیوی کو سرزنش بظاہر کسی اور بات پر کر رہی تھیں۔ وہ دراصل خود یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی تھیں اور بہانہ دعوت کا بنایا تھا اس تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو ابوبکرؓ کی امامت کا کس قدر اہتمام تھا اور اس کے لئے کتنی تاکید و اصرار فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی رقتِ قلب اور شغفِ عبادت کا ذکر جن لفظوں میں کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوصِ عبادت اور حُبِّ رسولؐ میں ابوبکرؓ کو ایک منفرد مقام حاصل تھا لیکن ان سب چیزوں کے باوجود حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کو امام بنانا چاہتے تھے اور بنایا تھا۔ حضرت علیؓ نے اور پھر امام شافعیؒ نے اس امامتِ صلوٰۃ کو امامتِ کبریٰ (خلافتِ رسولؐ) کی دلیل قرار دیا ہے اور حضرت عمرؓ نے سقیفہ میں اس کو جناب ابوبکرؓ کی اولیت و استحقاقِ امامت پر بطور شاہد پیش کیا تھا۔ اور انصار نے اس دلیل کو تسلیم کر لیا تھا۔

امامت صلوٰۃ کی احادیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُھُمْ۔ اور پھر حضرت اُبی بن کعبؓ کے متعلق جو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ، اَقْرَؤُھُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ۔ ان دونوں ارشادات کو پیش نظر رکھا جائے اور پھر حدیث زیر نظر کو دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ پہلی حدیث میں اَقْرَؤُھُمْ سے مراد اَفْقَھُھُمْ ہے یعنی وہ شخص نماز کی امامت کا سب سے زیادہ مستحق ہے جو فقیہ تر ہو۔ ابوبکرؓ صحابہؓ کی جماعت میں اس وقت سب سے بڑے عالم اور فقیہ تھے اور اگر کوئی مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو بھی امامتِ صلوٰۃ کے لئے موزوں تر تھے۔ صحابہ کی جماعت میں اَقْرَأ وہی تھا جو اَعْلَم اور اَفْقَہ ہوتا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے جو کچھ کہا وہ اس بنا پر تھا کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے کہنے پر حضورؐ سے انتہائی قربتی اور حضورؐ سے ایک سخت کلمہ سننا پڑا تھا جو بباطن اگرچہ برحق تھا مگر بظاہر حضورؐ کی ناراضگی ظاہر کرتا تھا۔ ان کے ذہن میں شاید وہ قصہ بھی تھا، جب کہ حضرت عائشہؓ کے مشورے سے انہوں نے دیگر ازواج سے کہا تھا کہ حضورؐ جس کے ہاں تشریف لے جائیں وہ کہے کہ آپؐ کے دہن مبارک سے مغافیر۔ (ایک پھول) کی خوشبو آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۱۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ ابْنِ الْخِيَارِ، اَنَّهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ، اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَسَارَّهُ۔ فَلَمْ يُدْرَ مَا سَارَّهُ بِهٖ، حَتّٰى جَهَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَاِذَا هُوَ يَسْتَاْذِنُهُ فِيْ قَتْلِ رَجُلٍ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِيْنَ جَهَرَ: "اَلَيْسَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟" فَقَالَ الرَّجُلُ: بَلٰى وَلَا شَهَادَةَ لَهٗ۔ فَقَالَ: "اَلَيْسَ يُصَلِّيْ؟" قَالَ بَلٰى۔ وَلَا صَلٰوةَ لَهٗ۔ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَهَانِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔"

ترجمہ: عبید اللہ بن عدی بن الخیارؒ نے کہا کہ اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے،

ایک شخص آپؐ کے پاس آیا اور آپؐ کے ساتھ سرگوشی کی۔ ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ اس نے کیا سرگوشی کی ہے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے بات کی تو معلوم ہُوا کہ وہ آپؐ سے ایک منافق کے قتل کی اجازت مانگ رہا تھا۔ جب حضورؐ نے باوازِ بلند بات کی تو فرمایا، کیا وہ شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا کیوں نہیں، پر اس کی شہادت کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ اس نے کہا کیوں نہیں، مگر اس کی نماز کوئی چیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان کے قتل سے منع فرمایا ہے۔

شرح: سرگوشی کرنے والے نے جس شخص پر نفاق کا الزام لگایا تھا، اس کے نفاق کی کوئی دلیل بیان نہ کر سکا۔ جب وہ شخص شہادتین کا قائل تھا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا تو باطن کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اسلام کا حکم تو ظاہر پر ہے۔ جن لوگوں کے متعلق بذریعہ وحی حضورؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ منافق ہیں، آپؐ نے ان کو بھی قتل نہیں کرایا۔ اس سے نظمِ جماعت میں فساد پھیل جاتا، اور اسلام کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی۔ مرتدین کے احکام اور ہیں اور منافق کے اور۔ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھنا لازم ہے۔ امام مالکؒ نے اس باب میں یہ حدیث نماز کی اہمیت اور دین میں اس کا مقام ثابت کرنے کے لئے رکھی ہے۔

۴۱۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ۔"

ترجمہ: عطا بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر شدید غضب ہُوا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

شرح: مؤطائے امام محمدؒ میں بابُ اَلْقَبْرِ یُتَّخَذُ مَسْجِدًا الخ ابو ہریرہؓ کی روایت مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ یہودیوں کو برباد کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا۔ حدیث زیرِ نظر مرسل ہے اور بقول حافظ ابن عبدالبرؒ صرف اسی طریق سے ثابت ہے، کسی اور طریقہ سے نہیں۔ مگر مالکؒ حجت ہے، اس کی روایت میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مرسلات پر اعتبار کرنا مالکیہؒ اور حنفیہ کا مذہب ہے۔ بشرطیکہ ان میں کوئی اور نقص نہ ہو۔ محدث بزار نے کہا ہے کہ عمر بن محمدؒ نے اس اسناد میں مالکؒ کی متابعت کی ہے۔ اور اس کی روایت مسند ہے۔ اس کا مضمون بھی عموماتِ کتاب وسنت کے عین مطابق ہے۔ وثن اور صنم کا معنیٰ معبودِ باطل ہے۔ یہ ہم معنیٰ لفظ ہیں۔ اور بعض دفعہ ان میں فرق کیا جاتا ہے کہ وثن وہ بُت ہے جس کی آدمیوں جیسی شکل وصورت ہو اور صنم میں ایسا ہونا ضروری نہیں بعض دفعہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ عدی بن حاتم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ان کے گلے میں صلیب دیکھ کر فرمایا تھا، اَلْقِ هٰذَا الْوَثَنَ عَنْكَ۔ اس بُت کو اپنے گلے سے اتار پھینکو۔ حدیث زیرِ نظر سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ قبروں کی پوجا مشرک اور جاہل عوام کا کام تھا۔ اور حضورؐ کو اپنی قبر مبارک کے بارے میں اس کا خطرہ تھا۔ اس لئے یہ دعا مانگی۔ قبروں کا طواف، ان کی طرف رکوع وسجود، انہیں بوسہ دینا، حدِّ شرع سے زائد ان کی تعظیم کرنا اور ہر وہ فعل جسے شرع نے جائز نہیں رکھا اور مشرکین کی رسوم وعبادات کے مشابہ ہو، وہ شرعاً ناجائز ہے۔ اور شرک کی تعریف میں آتا ہے۔ اس حدیث کی بعض روایتوں میں یُعْبَدُ کی بجائے یُصَلّٰی اِلَیْهِ کا لفظ ہے۔ اس لفظ یُعْبَدُ اور حسبِ روایتِ دیگر یُصَلّٰی اِلَیْهِ کے باعث امام مالکؒ نے اس حدیث کو اس باب میں رکھا ہے تاکہ ثابت کریں کہ غیر اللہ کی عبادت

شرک ہے۔ چاہے وہ غیر کوئی ہو سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں۔
بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے آخری مرض میں فرمایا، اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ صحیح مسلم میں جندبؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں کی قبروں کو اور نیکوکاروں کی قبروں کو سجدہ بناتے تھے۔ تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ جب صحابہؓ کو مسجد میں اضافہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے گرد بلند دیواریں بنا دیں تاکہ وہ مسجد میں نظر نہ آئے۔ اور عوام اس کی طرف نماز نہ پڑھ سکیں۔ اس حدیث نبوی میں قبروں پر سجدہ کرنے یا انہیں نماز کا قبلہ بنانے دونوں کی مخالفت ہے۔ علامہ علی القاری نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کے دو سبب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ تعظیم کی خاطر نبیوں کی قبروں پر سجدہ کرتے تھے۔ اور یہ شرک جلی ہے۔ دوسرا یہ کہ نبیوں کے مدفن میں ان کی قبروں کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اور انبیاء کی تعظیم میں مبالغہ و غلو کرتے تھے۔ اور یہ شرکِ خفی ہے۔

۴۱۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ، اَنَّ عُتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهٗ وَهُوَ اَعْمٰى۔ وَاَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّهَا تَكُوْنُ الظُّلْمَةُ وَالْمَطَرُ وَالسَّيْلُ۔ وَاَنَا رَجُلٌ ضَرِيْرُ الْبَصَرِ۔ فَصَلِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ بَيْتِيْ مَكَانًا اَتَّخِذْهُ مُصَلًّى۔ فَجَاءَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّيَ؟" فَاَشَارَ لَهٗ اِلٰى مَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ۔ فَصَلّٰى فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: محمود بن لبید انصاری سے روایت ہے کہ عتبان بن مالک اپنی قوم کا امام تھا۔ اور وہ نابینا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کبھی اندھیرا، بارش اور سیلاب ہوتا ہے اور ایک اندھا شخص ہوں۔ پس یا رسول اللہ میرے گھر میں ایک جگہ پر نماز پڑھ جائیے تاکہ میں اُسے نماز گاہ بنالوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ اُس نے گھر کی ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی۔

شرح: اس حدیث کی سند میں محمود بن الربیع صحیح لفظ ہے۔ لبید کا لفظ یحییٰ راوی کی غلطی سے روایت ہو گیا ہے۔ محمود بن ربیع چھوٹی عمر کا صحابی تھا جو عتبان سے روایت کرتا ہے۔ عتبان کی نظر بہت کمزور تھی اور وہ نابینا ہونے کے قریب تھے جیسا کہ دوسری روایات میں صراحت آئی ہے۔ نابینا کی امامت احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا عبداللہ بن ام مکتوم کو اسفار کے موقع پر مدینہ میں اپنا نائب اور امام صلوٰۃ بنایا تھا۔ حدیث زیر نظر میں بزرگوں کی نماز گاہ سے تبرک حاصل کرنے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ ابن عمرؓ اسفار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز گاہوں سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گھروں میں نماز کے لئے جگہ متعین کرنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معذور لوگ اگر باجماعت نماز میں حاضر نہ ہو سکیں تو گھر میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسلم اور ابو داؤد نے عبداللہ بن ام مکتومؓ کے رخصت طلب کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں رخصت نہ دینے کی حدیث روایت کی ہے۔ اس کا منشا یہ تھا کہ گھر میں نماز پڑھنے کے باوجود جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کا

سوال کر رہے تھے۔ جو ظاہر ہے کہ نہیں دی جا سکتی تھی۔ و نہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی مِنْ حَرَجٍ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ کی آیات اور حدیث زیرِ نظر کے علاوہ دیگر دلائل شرع معذور کو رخصت دیتے ہیں۔

۴۱۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ، عَنْ عَمِّهٖ، اَنَّهٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِى الْمَسْجِدِ، وَاضِعًا اِحْدٰی رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى۔

ترجمہ: عباد بن تمیم نے اپنے چچا سے روایت کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں ایک پاؤں دوسرے پر رکھ کر لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ اور عثمان بن عفانؓ بھی ایسا کرتے تھے۔

شرح: عباد کا چچا عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی تھا جو تمیم کا باپ شریک یا ماں شریک بھائی تھا۔ بعض روایات میں اس طرح ایک پاؤں دوسرے پر رکھ کر لیٹنے کی ممانعت وارد ہے۔ دراصل یہ ممانعت بے پردگی کے خوف کے باعث ہے۔ اگر بے پردگی نہ ہوتی ہو تو اجازت ہے۔ جیسا کہ حضورؐ کا فعل اس حدیث میں صریح ہے۔

۴۱۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ، قَالَ لِاِنْسَانٍ: اِنَّكَ فِیْ زَمَانٍ كَثِيْرٌ فُقَهَاؤُهٗ، قَلِيْلٌ قُرَّاؤُهٗ، تُحْفَظُ فِيْهِ حُدُوْدُ الْقُرْاٰنِ، وَتُضَيَّعُ حُرُوْفُهٗ۔ قَلِيْلٌ مَنْ يَسْاَلُ كَثِيْرٌ مَنْ يُعْطِیْ۔ يُطِيْلُوْنَ فِيْهِ الصَّلٰوةَ وَيَقْصُرُوْنَ الْخُطْبَةَ۔ يُبَدُّوْنَ اَعْمَالَهُمْ قَبْلَ اَهْوَائِهِمْ وَسَيَاْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ قَلِيْلٌ فُقَهَاؤُهٗ، كَثِيْرٌ قُرَّاؤُهٗ، يُحْفَظُ فِيْهِ حُرُوْفُ الْقُرْاٰنِ وَتُضَيَّعُ حُدُوْدُهٗ۔ كَثِيْرٌ مَنْ يَسْاَلُ، قَلِيْلٌ مَنْ يُعْطِیْ۔ يُطِيْلُوْنَ فِيْهِ الْخُطْبَةَ، وَيَقْصُرُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ يُبَدُّوْنَ فِيْهِ اَهْوَاءَهُمْ قَبْلَ اَعْمَالِهِمْ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک انسان سے فرمایا، بے شک تو ایک ایسے زمانے میں ہے کہ اس میں فقیہ زیادہ ہیں اور قاری کم ہیں۔ اس میں قرآن کی حدود محفوظ رکھی جاتی ہیں گو اس کے حروف ضائع کیے جاتے ہیں۔ مانگنے والے کم ہیں اور دینے والے زیادہ ہیں۔ نماز کو لمبا کرتے ہیں اور خطبہ مختصر کرتے ہیں۔ نیکی کے کاموں کو آگے رکھتے ہیں اور خواہشات نفس کو پیچھے رکھتے ہیں۔ اور عنقریب لوگوں پر وہ زمانہ آئے گا جس میں فقیہ کم ہوں گے، قاری زیادہ ہوں گے۔ اس میں قرآن کے حروف یاد کیے جائیں گے۔ اور اس کی حدیں ضائع کی جائیں گی۔ مانگنے والے زیادہ ہوں گے، دینے والے کم ہوں گے۔ خطبہ لمبا کریں گے اور نماز کو مختصر کریں گے۔ اپنی خواہشات کو آگے رکھیں گے اور نیک اعمال کو پیچھے رکھیں گے۔

شرح: فقہ کا معنیٰ ہے علم کی گہرائی، فقیہ وہ شخص ہے جو کتاب وسنت کی گہرائی میں اتر کر ان سے احکام نکالے جیسا کہ صحابہؓ کا حال تھا۔ قراء کا لفظ جو یہاں استعمال ہوا ہے، اس سے مراد صرف الفاظِ قرآنی کو رٹنے اور حروف کی مشق ومزاولت کرنے والے ہیں۔ جب کہ وہ ان کی گہرائی سے ناآشنا اور ان پر عمل کے میدان میں پھسڈی ہیں۔ زمانہ حال کے لوگوں پر یہ الفاظ جس طرح چسپاں ہوتے ہیں، وہ بالکل واضح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ مقدس بزرگ یعنی صحابہؓ الفاظ وحروف قرآنی کو ضائع کرنے والے تھے۔

کیونکہ معانی کا مدار تو حروف و الفاظ پر ہی ہوتا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ وہ صرف لفظوں پر زور نہ دیتے تھے۔ بلکہ الفاظ کو معانی کے لئے بولتے تھے، پڑھتے اور یاد کرتے تھے۔ جب کہ اب معاملہ برعکس ہو چکا ہے۔ صرف الفاظ پر زور ہے اور معانی ندارد ہیں۔

پہلے زمانے میں مانگنے والے قلیل تھے۔ کوئی شخص سوائے اضطرار اور شدید حاجت کے کسی سے کچھ نہ مانگتا تھا اور دینے والوں کی کثرت تھی۔ کیونکہ مال دار دولت کے پجاری نہ تھے۔ جب مادہ پرستی کا دور آیا، عیش و عشرت بڑھی، ضروریات زندگی کی کثرت ہوگئی، تو معاملہ الٹ ہوگیا۔ اب مانگنے والوں کی کثرت ہے۔ بلکہ بہت سوں نے سوال اور گداگری کو ہی ایک نفع مند پیشہ بنالیا ہے۔ دینے والوں کی قلت ہوگئی۔ کیونکہ مالدار مال کے پجاری ہوگئے اور صرف کثرت مال عزت کا معیار بن گیا۔ پہلے نیکی کی کثرت تھی، اعمال میں خلوص تھا۔ ریاکاری اور شہرت طلبی کالعدم تھی۔ اب خلوص نہ رہا اور شہرت پسندی و نفاق ہی زمانے کا چلن ٹھہرا۔ پہلے خطبہ مختصر ہوتا تھا۔ کیونکہ اس سے مقصود واعظی نصیحت اور عمل ہوتا تھا۔ نماز لمبی ہوتی تھی۔ کیونکہ حب الٰہی اور تقویٰ زیادہ تھا۔ اب نماز مختصر رہ گئی اور خطبے لمبے ہوگئے۔ ہر جاہل خطیب و مدرس بن بیٹھا۔ منبر رسول ﷺ پر میراثی اور ڈوم ڈھاری کا سا انداز رکھنے والا طبقہ کہیں کہیں نابض ہوگیا۔ خواہشات نفسی کی پیروی ہونے لگی اور عمل کا بازار سرد ہوگیا۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے اس کلام میں کتاب و سنت کے معانی رچے ہوئے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو سینوں سے نکال کر قبض نہیں کرتا بلکہ علم علماء کے مر جانے سے ختم ہو جاتا ہے۔ عالم مر جائیں تو لوگ جاہلوں کو سربراہ بنالیتے ہیں۔ ان سے مسائل پوچھتے ہیں اور وہ از راہ جہالت غلط جواب دیتے ہیں۔ خود گمراہ ہیں اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس دور میں ہم نے بچشم سر یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے۔

۴۱۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهٗ قَالَ: بَلَغَنِیْ اَنَّ اَوَّلَ مَا يُنْظَرُ فِيْهِ مِنْ عَمَلِ الْعَبْدِ الصَّلٰوةُ۔ فَاِنْ قُبِلَتْ مِنْهُ، نُظِرَ فِيْمَا بَقِیَ مِنْ عَمَلِهٖ۔ وَاِنْ لَّمْ تُقْبَلْ مِنْهُ، لَمْ يُنْظَرْ فِیْ شَیْءٍ مِنْ عَمَلِهٖ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید الانصاری نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بندے کے اعمال میں سے پہلی چیز جسے دیکھا جائے گا وہ نماز ہے۔ پس اگر وہ اس سے قبول ہوگئی تو باقی اعمال کو دیکھا جائے گا۔ اور اگر وہ قبول نہ ہوئی تو پھر کسی اور عمل کو نہ دیکھا جائے گا۔

شرح: کیونکہ بقول حضرت عمر بن الخطابؓ مسلم کا اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے اس کی حفاظت کی، اس نے دین کو محفوظ کر لیا۔ اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اور چیزوں کو ضائع کرنے میں بے باک ہے۔ جابر کی حدیث میں ہے کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز حد فاصل ہے۔ بریدہ کی روایت میں ہے کہ ہمارے اور لوگوں کے درمیان نماز کا عہد ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کا کام کیا۔ حدیث زیر نظر مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی بات کوئی اجتہاد اور رائے سے نہیں کہہ سکتا۔ اور اس معنیٰ کی کئی مرفوع احادیث بھی ہیں۔ طبرانی میں انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ قیامت کے دن بندے کا حساب سب سے پہلے نماز میں لیا جائے گا۔ اگر یہ درست ہوئی تو باقی عمل بھی درست شمار ہوں گے۔ اگر یہ فاسد ہوئی تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔ ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن بندے کا پہلا محاسبہ نماز میں ہوگا۔ اگر وہ درست ہوئی تو وہ فلاح پا گیا اور کامیاب ہوا۔ اگر نادرست ہوئی تو وہ خائب و خاسر ہوگا۔ اگر فرض میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، دیکھو میرے بندے کا کوئی نفل ہے۔ پس اس کے ساتھ اس کے فرض کی کمی پوری کی جائے گی۔ اور باقی اعمال کا بھی یہی حساب ہوگا۔ یہ تو حقوق اللہ کا معاملہ ہے۔ حقوق العباد

میں سب سے پہلے بروئے حدیث صحیح خونوں کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۴۱۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب تر عمل وہ ہوتا تھا جسے کرنے والا اُسے ہمیشہ جاری رکھے۔ (اس سے مراد نوافل و اوراد، ذکر و مراقبہ اور اخلاص ہے فرض کی مداومت تو فرض ہی ہے اور اسے ترک کرنے کا سوال خارج از بحث ہے۔)

۴۲۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ أَخَوَانِ. فَهَلَكَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ صَاحِبِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً. فَذُكِرَتْ فَضِيلَةُ الْأَوَّلِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: "أَلَمْ يَكُنِ الْآخَرُ مُسْلِمًا؟" قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَكَانَ لَا بَأْسَ بِهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا يُدْرِيكُمْ مَا بَلَغَتْ بِهِ صَلَاتُهُ؟ إِنَّمَا مَثَلُ الصَّلَاةِ كَمَثَلِ نَهْرٍ غَمْرٍ عَذْبٍ، بِبَابِ أَحَدِكُمْ. يَقْتَحِمُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ. فَمَا تَرَوْنَ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ مَا بَلَغَتْ بِهِ صَلَاتُهُ".

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دو بھائی تھے، ان میں سے ایک اپنے ساتھی کی نسبت چالیس دن پہلے ہلاک ہوا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے کی فضیلت کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا دوسرا مسلم نہ تھا؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ اور وہ اچھا خاصا نیک تھا۔ (مگر پہلا اس سے افضل تھا) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہیں کیا معلوم کہ اس نماز نے اس کا درجہ کس قدر بلند کر دیا ہے؟ نماز کی مثال یوں ہے جیسے تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک میٹھے پانی کی گہری نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ داخل ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ پانچ بار کا غسل اس کے میل کچیل میں سے کسی چیز کو باقی رہنے دے گا؟ پس تمہیں نہیں معلوم کہ نماز نے اسے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔

شرح: اس حدیث سے مُردہ شخص کی مدح و توصیف بیان کرنے کا جواز ثابت ہُوا۔ زندہ کی مدح ممنوع ہے۔ مبادا کہ وہ کبر و ناز کے فتنے میں مبتلا ہو جائے اور انجام تو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، جب کہ اعتبار انجام کا ہی ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ دو شخصوں میں سے ایک کو دوسرے پر علم کے بغیر فضیلت دینا درست نہیں۔ دو بھائیوں کا قصہ اختصار و تفصیل کے ساتھ ابوداؤد، نسائی، مسند احمد وغیرہا میں مختلف الفاظ سے منقول ہے۔

۴۲۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ، كَانَ إِذَا مَرَّ عَلَيْهِ بَعْضُ مَنْ يَبِيعُ فِي الْمَسْجِدِ دَعَاهُ فَسَأَلَهُ مَا مَعَكَ؟ وَمَا تُرِيدُ؟ فَإِنْ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَبِيعَهُ. فَقَالَ عَلَيْكَ

بِسُوقِ الدُّنْيَا. وَإِنَّمَا هٰذَا سُوقُ الْآخِرَةِ.

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ جب مسجد میں کوئی چیز بیچنے والا عطا بن یسار کے پاس سے گزرتا تو وہ اسے بلا کر پوچھتے کہ تیرے پاس کیا ہے؟ اور کیا چاہتا ہے؟ پس اگر وہ اُسے بتاتا کہ وہ کوئی چیز مسجد میں بیچنا چاہتا ہے تو کہتے، اس کام کے لئے دنیا کے بازار میں جاؤ یہ تو آخرت کا بازار ہے۔

شرح: یعنی اس بازار میں (مسجد میں) تو فقط اعمالِ صالحہ بکتے ہیں۔ کچھ اور بیچنا چاہتے ہو تو اس کا مقام یہ نہیں۔ بلکہ شہر کا بازار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی آدمی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت کو نفع مند نہ کرے۔ شوکانیؒ نے کہا ہے کہ جمہور علما کا یہ مذہب ہے کہ مسجد میں بیع وشرا مکروہ ہے۔ اگر خرید و فروخت کا عقد مسجد میں ہو جائے تو منعقد ہو جاتا ہے۔ گویا اس کا انعقاد ایک الگ مسئلہ ہے اور مسجد میں اسے منعقد کرنا دوسرا مسئلہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دنیوی معاملات کا ہر عقد مسجد میں مکروہ ہے۔ ضرورت کے وقت معتکف کے لئے کوئی چیز خریدنا بشرطیکہ وہ چیز مسجد میں نہ لائی جائے، جائز ہے۔ کیونکہ وہ اس کام کے لئے مسجد سے باہر نہیں جا سکتا۔

۴۲۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَنَى رَحْبَةً فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءُ. وَقَالَ: مَنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَلْغَطَ، أَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا، أَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ، فَلْيَخْرُجْ إِلَى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ.

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسجد کے ایک جانب باہر کھلی جگہ بنوائی جسے بُطیحا کہا جاتا تھا اور انہوں نے فرمایا کہ جو شخص کوئی بے کار بات کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا اپنی آواز بلند کرنا چاہے وہ اس کھلی جگہ کی طرف نکل جائے۔

شرح: اس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انتظامی طبیعت اور نظم و ضبط کا پتہ چلتا ہے۔ یہ جو کچھ کیا گیا مسجد کی تعظیم و تکریم کی خاطر تھا۔ مسجد میں اُن کاموں میں سے ہر کام حرام تو نہیں، گو بعض کی شدت بعض سے زیادہ ہے اور بعض حالات میں نوبت حرام تک پہنچ جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنزیہًا اور سدِ ذرائع کے طور پر ایسا کیا تھا۔ سائب بن یزید نے کہا کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھ پر کنکری پھینکی۔ میں نے دیکھا تو وہ جناب عمر فاروقؓ تھے۔ آپ نے فرمایا ان دو آدمیوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں انہیں لے آیا۔ حضرت عمرؓ کے دریافت فرمانے پر انہوں نے بتایا کہ وہ طائف کے رہنے والے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں بلند کر رہے ہو۔

مسجد میں دینی کلام ہونا چاہئے اور مسجد بنائی ہی اس کے لئے جاتی ہے اور جو دینی کلام نہ ہو تو اس کی کثرت اور آواز بلند کرنا وغیرہ درست نہیں۔ اگر قلیل ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن مسجد میں آ کر فضول باتیں کرنا، خالص دنیوی بات چیت، ہنسی مذاق کرنا اور اس کی عادت و کثرت ناجائز ہے۔ شعر اگر دینی بات یا جہاد وغیرہ پر مشتمل ہو تو جائز ہے۔ حضورؐ حسان بن ثابتؓ کو منبر پر کھڑا کر کے مشرکین کی ہجو کا جواب سُنتے تھے۔ اور دُعا فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہا صحابہ سمیت زمانہ جاہلیت کا ذکر ان کے اشعار وغیرہ سنتے تھے۔ اور کبھی کبھی مسکرایا کرتے تھے۔ پس جس شعر میں کوئی غیر دینی بات نہ ہو، اس کے سُننے سنانے میں کوئی حرج نہیں۔ دینی مقاصد کے لئے اشعار پڑھانا، پڑھنا اور سُننا جائز ہے اور جن اشعار میں غیر دینی باتیں ہوں، ان کا سُننا سنانا اچھا نہیں اور بعض دفعہ ناجائز ہے۔ کعب بن زہیرؓ نے قصیدہ بانت سعاد حضورؐ کو مسجد میں ہی سنایا تھا اور آپ نے

اس پر اسے انعام بخشا تھا۔ لیکن عریاں اشعار، آوارگی کے منظوم تھے، غیر شرعی نظم و نعت کا مسجد کے باہر بھی جواز نہیں اور مسجد میں عدم جواز میں شدت آجاتی ہے۔

۲۵۔ بَابُ جَامِعِ التَّرْغِيبِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز کی فضیلت کا باب

۴۲۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ ابْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، ثَائِرُ الرَّأْسِ يُسْمَعُ دَوِيُّ صَوْتِهِ، وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتّٰى دَنَا، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ: "خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ: "لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ" قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ". قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: "لَا. إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ". قَالَ: وَذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ. فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: "لَا. إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ" قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللّٰهِ! لَا أَزِيدُ عَلٰى هٰذَا، وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَفْلَحَ الرَّجُلُ، إِنْ صَدَقَ".

ترجمہ: مالک بن ابی عامر اصبحی نے طلحہ بن عبید اللہ کو کہتے سنا کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آواز کی گونج سنائی دیتی تھی مگر سمجھی نہ جاتی تھی کہ کیا وہ کہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ قریب آگیا تو پتہ چلا کہ وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا میرے ذمے ان کے علاوہ بھی کوئی نماز فرض ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، مگر یہ کہ نفل ادا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور رمضان کا روزہ فرض ہے۔ اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی روزہ فرض ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو نفل روزہ رکھے۔ طلحہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا تو اس نے کہا کیا اس کے سوا بھی مجھ پر کوئی مالی فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں الّا یہ کہ تو نفل صدقہ کرے۔ طلحہؓ نے کہا کہ پھر وہ آدمی واپس چلا گیا اور کہہ رہا تھا کہ واللہ میں اس پر کوئی اضافہ نہ کروں گا اور نہ اس سے کچھ کم کروں گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اس شخص نے سچ بولا ہے تو یہ شخص فلاح پا گیا۔

شرح: یہ شخص غالباً ضمام بن ثعلبہؓ تھا۔ بعض کے خیال میں کوئی اور شخص تھا۔ اس حدیث میں کلمۂ شہادت کا ذکر نہیں آیا۔ کیونکہ آنے والا پہلے سے مسلمان تھا۔ اور اسلامی فرائض سیکھنے آیا تھا۔ حج کا ذکر اس لئے نہیں ہوا کہ وہ ابھی فرض نہ ہوا تھا۔ اسی طرح کفارات اور صدقاتِ واجبہ کا ذکر بھی نہیں آیا۔ کیونکہ ابھی تک ان کے احکام نہیں اُترے تھے۔ اسی پر وتر کو بھی قیاس کیا

جاسکتا ہے جن لوگوں نے صبح کی دو رکعات سنت اور عیدین کی نماز کو واجب کہا ہے ان کی طرف سے بھی یہی جواب ہوسکتا ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرائض کے علاوہ باقی سب چیزیں در اصل نفل ہیں اور پھر دلائل شرع سے ان کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔ کہ یہ واجب ہے اور یہ سنت موکدہ اور یہ مستحب اور یہ مباح وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں اس شخص نے جو کچھ کہا، اس کا مطلب یہ تھا، کہ میں اپنی طرف سے ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا، کیونکہ بہت سے احکام حلت و حرمت اس کے بعد نازل ہوئے تھے۔

۴۲۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ، إِذَا هُوَ نَامَ، ثَلَاثَ عُقَدٍ. يَضْرِبُ مَكَانَ كُلِّ عُقْدَةٍ. عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ، فَارْقُدْ. فَإِنِ اسْتَيْقَظَ، فَذَكَرَ اللّٰهَ، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. فَإِنْ تَوَضَّأَ، انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ. فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقَدُهُ. فَأَصْبَحَ نَشِيطًا، طَيِّبَ النَّفْسِ. وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، شیطان تم میں سے کسی کے سر کی چوٹی کی پچھلی طرف اس کے سونے کے وقت تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ لگاتے وقت کہتا جاتا ہے کہ تیرے آگے بڑی لمبی رات پڑی ہے پس تو سو رہ۔ پھر اگر وہ بیدار ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر وہ وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اور وہ صبح کو چاق و چوبند اور خوش دل ہو کر اٹھتا ہے۔ ورنہ بے دل ہو کر سست اٹھتا ہے۔

شرح: شیطان کا گرہیں لگانا اور سونے کو کہنا حقیقت پر مبنی بھی ہوسکتا ہے اور گرہیں لگانے سے مراد جادو کرنا ہے جس طرح کہ جادوگر پڑھ پڑھ کر گرہیں لگاتے تھے۔ اور یہ ایک مجازی محاوراتی کلام بھی ہوسکتا ہے۔ جس سے مراد شیطانی اثرات اور اس کے اغوا و تضلیل کی کوشش ہے اور نماز سے مراد یا تو صلوٰۃ اللیل ہے۔ کیونکہ رات کے ذکر سے وہی مناسبت رکھتی ہے یا پھر نماز فجر مراد ہے۔ اور اس صورت میں آخری فقرے کا مصداق وہ شخص بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

۱۰۔ كِتَابُ الْعِيدَيْنِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي غُسْلِ الْعِيدَيْنِ وَالنِّدَاءِ فِيهِمَا وَالْإِقَامَةِ

عیدین کے غسل، اذان اور اقامت کا باب

عید کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بہت سے انعامات اعادہ ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر سال عود کرتی ہے۔ عید کا معنی سرور و اجتماع بھی ہے (میلہ) اور بروئے حدیث اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے میلوں اور مواقع سرور کے بجائے اہل اسلام

کو یہ دو دن بخشے ہیں تاکہ ان میں خوشی کا اظہار کریں اور مل کر عبادت کریں۔ عیدین میں تکبیرات کو بار بار پکارنے میں بھی اس نام سے مناسبت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول محدث ابن حبانؒ سب سے پہلی عید ہجرت کے دوسرے سال یکم شوال کو پڑھی اور ہمراہ برابر پڑھتے رہے۔ باہر میدان میں تشریف لے گئے۔ برچھا اُٹھا کر بلالؓ آگے آگے چلا اور حضورؐ اس کے پیچھے چلے۔ برچھا گاڑ اگیا اور اس کے پیچھے آپؐ نے اہل اسلام کو نماز پڑھائی۔ اور اسی سال دس ذی الحجہ کو حضورؐ نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی۔ عیدین کی نماز سنت مؤکدہ کہلائی کیونکہ اس کا ثبوت سنت سے ہوا۔ اور اسے واجب کہا گیا کیونکہ اس کی تاکید زیادہ ہے۔ بعض علما نے اسے فرض کفایہ اور بعض نے فرض عین تک کہا ہے مگر حق بات یہی ہے کہ یہ بلحاظ ثبوت سنت اور بلحاظ حکم واجب ہے۔ یہ تو ہوئی نماز کی حیثیت، اب رہا خطبہ، سو وہ سنت موکدہ ہے اور بعد از صلوٰۃ پڑھا جاتا ہے۔ عید کی شرائط وہی ہیں، جو جمعہ کی ہیں۔ اور ان کا ذکر ابواب الجمعہ میں گزر چکا ہے۔ امام سیوطیؒ نے عیدین، استسقا اور کسوف وخسوف کی نمازوں کو اُمتِ محمدیہ کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ پہلی اُمتوں میں ان نمازوں یا ایام کا ثبوت نہیں ملتا۔

۴۲۵۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ غَیْرَ وَاحِدٍ مِنْ عُلَمَائِهِمْ یَقُوْلُ: لَمْ یَكُنْ فِیْ عِیْدِ الْفِطْرِ، وَلَا فِی الْاَضْحٰی، نِدَاءٌ، وَ اِقَامَةٌ، مُنْذُ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْیَوْمِ۔
قَالَ مَالِكٌ: وَتِلْكَ السُّنَّةُ الَّتِیْ لَا اخْتِلَافَ فِیْهَا عِنْدَنَا۔

ترجمہ: مالکؒ نے کئی علماسے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اُن کے وقت تک عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں اذان اور اقامت نہیں ہوتی تھی امام مالکؒ نے کہا کہ یہ وہ سنت ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شرح: یعنی اہل مدینہ کا متواتر عمل یہی چلا آتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بخاریؒ نے ابن عباسؓ اور جابرؓ سے روایت کی ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں اذان نہیں ہوتی تھی مسلم نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خطبہ سے قبل بغیر اذان واقامت پڑھائی۔ ابوداؤدؒ نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز اذان و اقامت کے بغیر پڑھائی تھی۔ ابن عمرؓ نے (نسائی) روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن اذان و اقامت کے بغیر باہر تشریف لے گئے۔ جیسا کہ زرقانیؒ نے لکھا ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقیٰ میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی عالم کا اختلاف صحیح معلوم نہیں ہوا۔ المختصر میں امام مالکؒ کا قول درج ہے کہ نفل، عید، خسوف اور استسقا میں کوئی اذان نہیں۔ عراقیؒ نے کہا کہ سب علما کا اسی پر عمل ہے۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں کہا کہ اس کے خلاف صرف ابن زبیرؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ انہوں نے اذان اور اقامت کہلوائی تھی۔ ابن رشدؒ نے حضرت معاویہؓ سے بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ مگر یہ شاذ اقوال ہیں۔ علما نے کہا ہے کہ نماز کی مُنادی کرانا یا گلی کوچوں میں الصلوٰۃ پکارنا، تاکہ لوگ جمع ہو جائیں، جائز ہے۔ امام شافعیؒ سے یہی منقول ہے۔ اور بقول زرقانی اس باب میں شافعیؒ کا استدلال ایک حدیث سے ہے کہ زہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن کو عیدین میں نماز کی منادی کرنے کا حکم دیتے تھے۔ مگر حافظ ابن القیم نے اس سے سخت اختلاف کیا ہے۔

۴۲۶۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَغْتَسِلُ یَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ یَغْدُوَ اِلَى الْمُصَلّٰی۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ عید الفطر کے دن عید گاہ کو جانے سے قبل غسل کرتے تھے۔ (مالکؒ کا یہ اثر بیہقی میں بروایت شافعی و ابن بکیر عن مالک منقول ہے۔ ابن عجلانی وغیرہ نے اپنی روایت میں عیدین کا لفظ بولا تھا۔ ابن القیم نے کہا ہے کہ دو ضعیف روایتوں سے (عن ابن عباسؓ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل کرنا وارد ہوا ہے اور ابن عمرؓ اتباعِ سنت میں شدید تھے۔ ان کا عمل حدیثِ صحیح سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس دلیل سے ان ضعیف حدیثوں میں قوت آ جاتی ہے۔)

۲۔ بَابُ الْاَمْرِ بِالصَّلٰوۃِ قَبْلَ الْخُطْبَۃِ فِی الْعِیْدَیْنِ

عیدین میں خطبہ سے پہلے نماز کا حکم

اس مسئلہ پر بھی ائمہ اربعہ اور سب فقہائے امصار کا اجماع ہے۔ بعض سلف سے اس کے خلاف منقول ہوا ہے۔ مگر عمل اجماعی مسئلے پر ہے۔ اگر کسی نے خطبہ پہلے دیا اور نماز بعد میں پڑھی تو خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے یہ غلط ہے مگر نماز ہو گئی۔ کیونکہ اس کی شرائط وارکان پائی گئیں۔

۴۲۷۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطر اور اضحیٰ کے دن نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ (یہ حدیث صحیح طریقوں سے متصل ہے۔ مثلاً بخاریؒ مسلمؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پہلے پڑھتے اور خطبہ بعد میں دیتے تھے۔ جابرؓ سے بھی ایک متفق علیہ روایت اسی مضمون کی وارد ہے۔)

۴۲۸۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانَا يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حاضر ہوا۔ یہ سب حضرات نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عمرؓ سے مروی ہوا ہے کہ انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے پڑھا۔ یہی روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی حدیثیں اس کے معارض ہیں۔ پس صحیح احادیث کو ترجیح حاصل ہے۔ ممکن ہے کسی شرعی عذر سے شاذ و نادر ایسا ہوا ہو۔ صحیح مسلم میں ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے مروان نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ اور اس پر نکیر ہوئی۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ (ابن المنذر بسندِ صحیح) حضرت عثمانؓ نے قلتِ جماعت کے پیشِ نظر ایک بار خطبہ پہلے دیا تاکہ لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ لیکن مروان نے خطبہ پہلے اس لئے دیا تھا کہ لوگ ان کا خطبہ سننے کے لئے نماز کے بعد نہیں بیٹھتے تھے۔ لہٰذا بنی امیہ نے یہی طریقہ جاری کر دیا تھا کہ خطبہ پہلے اور نماز بعد میں ہو۔ حافظ عراقی نے ان روایات پر کلام کر کے انہیں ناقابلِ اعتبار ٹھیرایا ہے (جن میں حضرت عمرؓ و عثمانؓ اور ابن الزبیرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے خطبہ نماز سے پہلے دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ نمازِ عید کا خطبہ سے پہلے ہونا ائمہ اسلام کا اجماعی مسئلہ ہے۔)

۴۲۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِیْ عُبَيْدٍ، مَوْلَى ابْنِ اَزْهَرَ، قَالَ شَهِدْتُ

الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَخَطَبَ النَّاسَ. فَقَالَ: إِنَّ هٰذَيْنِ يَوْمَانِ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا. يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ. وَالْآخَرُ يَوْمٌ تَأْكُلُوْنَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ.

قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فَجَاءَ فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَخَطَبَ وَقَالَ إِنَّهُ قَدِ اجْتَمَعَ لَكُمْ فِي يَوْمِكُمْ هٰذَا عِيدَانِ. فَمَنْ أَحَبَّ مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ، فَلْيَنْتَظِرْهَا. وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ، فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ.

قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ: ثُمَّ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ (وَعُثْمَانُ مَحْصُورٌ) فَجَاءَ، فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَخَطَبَ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ازہرؓ کے غلام ابوعبید نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ نمازِ عید میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نماز پڑھائی اور پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ فرمایا کہ ان دو دنوں (فطر و اضحیٰ) کے روزے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ ایک تو تمہارا وہ دن ہے جب تم روزے سے فارغ ہو کر فطر کرتے ہو۔ دوسرا دن قربانی کا ہے۔ جس میں تم اپنی قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔ ابوعبید نے کہا کہ پھر میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ (ان کی خلافت میں) عید میں حاضر ہوا۔ وہ آئے، نماز پڑھائی اور پھر خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ تمہارے اس دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں (یعنی آج جمعہ بھی ہے) پس جو شخص باہر کی دیہاتی آبادیوں میں سے ہو اور وہ جمعہ کا انتظار کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ اور جو واپس جانا چاہتا ہو، میں اسے اجازت دیتا ہوں۔ ابوعبید کہتا ہے کہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب باغیوں میں گھرے ہوئے تھے تو میں عید میں علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ حاضر ہوا۔ علیؓ آئے، نماز پڑھی پھر خطبہ دیا (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں بھی بابُ صَلٰوۃ العیدین میں مروی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے دیہات والوں کو اس لئے اجازت دی تھی کہ وہ شہری نہ تھے۔ یعنی وہ باہر سے آئے ہوئے تھے تاکہ نماز عید ادا کریں۔)

شرح: مؤطائے امام محمدؒ میں اس باب کی پہلی دونوں حدیثوں کو ملا کر اور ایک بنا کر روایت کیا گیا ہے۔ ابوعبیدؓ کی روایت سے واضح ہو گیا کہ عید کے دن جن لوگوں کو واپسی کی اجازت ملی تھی وہ شہری نہ تھے بلکہ بیرونی آبادیوں اور دیہات کے رہنے والے تھے۔ جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے یہ لوگ باہر سے آتے تھے۔ اور ان کی آبادیوں میں جمعہ یا عیدین کی نماز قائم نہ تھی۔ پس اس سے دو مسئلے واضح ہو گئے۔ ایک یہ کہ جمعہ اور عیدین کے لئے مصر کی شرط ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ جو بعض لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ عید اور جمعہ ایک دن میں آ جائیں تو ان میں ایک کو ادا کرنے کا اختیار ہے۔ یہ بالکل غلط فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے۔ اس حدیث میں حضرات عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل یہی مذکور ہوا ہے کہ ان حضرات نے نماز پہلے پڑھائی اور عید کا خطبہ بعد میں دیا۔

حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے زمانے میں بقول حضرت حافظ ابوعمر ابن عبدالبرؒ طلحہؓ، ابوایوبؓ، سہل بن حنیفؓ

اور ابوامامہؒ بن سہلؓ وغیرہم نے نماز پنجگانہ مختلف اوقات میں پڑھائی تھی اور حضرت علیؓ نے صرف نماز عید پڑھائی تھی اور یہ سب کچھ خلیفہ مظلومؓ کے حکم و اذن سے ہوا تھا۔ یہ بھی باور ہے کہ بعض مرفوع احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی عید اور جمعہ کے اجتماع کا ذکر ہے اور یہ کہ حضورؐ نے بیرونی لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ آج کل کے بعض "محدثین" اس کی علت کو نہیں سمجھے اور اس قسم کے واقعہ میں جمعہ کے سقوط کے قائل ہوئے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ بیرونی لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہوتا لہذا انہیں اجازت دے دی گئی تھی۔ پھر اتباع سُنّت کا تقاضا تو یہ ہے کہ حضورؐ نے خود نماز جمعہ ادا فرمائی اور اعلان بھی فرمایا کہ ہم جمعہ پڑھیں گے۔ پس جمعہ بھی ادا کیا جاتا۔ مگر بُرا ہو تعصب و تحزّب کا، اندھی اور جامد تقلید کا اور ڈھونڈ کر رخصتیں نکالنے کا کہ ہر ایسے موقعہ پر بعض مدعیان حدیث و سُنّت کا جھکاؤ آسانیوں اور چھٹکارے کی صورتوں کی طرف رہتا ہے اور نام اس کا اتباع سُنّت وحبِ حدیث رکھ لیا جاتا ہے۔

۳۔ بَابُ الْاَمْرِ بِالْاَكْلِ قَبْلَ الْغُدُوِّ فِي الْعِيْدِ

عید کے لئے جانے سے قبل کچھ کھانے کا حکم

۴۳۰۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ كَانَ یَاْكُلُ یَوْمَ عِیْدِ الْفِطْرِ قَبْلَ اَنْ یَغْدُوَ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ عید الفطر کے دن نماز کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا لیتے تھے۔

شرح: یہ عید الفطر کا حکم ہے۔ بخاریؒ نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید الفطر کے لئے تشریف نہ لے جاتے تھے، جب تک کہ کچھ کھجوریں نہ کھا لیتے اور انہیں طاق عدد میں کھاتے تھے۔ اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں۔ حضورؐ کا یہ فعل اس لئے ہوتا تھا کہ رمضان اور شوال میں فرق ہو جائے اور کسی کو عید کے دن روزے کا گمان نہ ہوسکے۔ لیکن عید الاضحیٰ میں سب سے پہلے اپنی قربانی کا گوشت کھانا مسنون ہے۔ جاہل عوام اسے روزہ کہتے ہیں، حالانکہ اس دن روزہ رکھنا فعل حرام ہے۔

۴۳۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ، اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا یُؤْمَرُوْنَ بِالْاَكْلِ یَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْغُدُوِّ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا اَرٰی ذٰلِكَ عَلَی النَّاسِ فِی الْاَضْحٰی۔

ترجمہ: سعید بن المسیب نے ابن شہابؒ کو بتایا کہ لوگوں کو نماز عید الفطر میں جانے سے پہلے کھانے کا حکم دیا جاتا تھا۔ (گویا یہ ایک مشہور سنت تھی، مگر امر کا لفظ یہاں استحباب کے معنی میں ہے۔ وجوب کے لئے نہیں۔) امام مالکؒ نے کہا کہ عید الاضحیٰ میں میرے نزدیک یہ حکم نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن کھانا نماز عید کے بعد کھانا مستحب ہے یہی ترمذی اور حاکم کی حدیث بُریدہ سے حضورؐ کا فعل ثابت ہے۔ اس حدیث میں مسند احمد میں اتنا اضافہ ہے کہ آپؐ اس دن سے پہلے اپنی قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

عید کی نماز میں تکبیر اور قراءت کا باب

۴۳۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ، مَاكَانَ يَقْرَأُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ؟ فَقَالَ: كَانَ يَقْرَأُ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ، وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیا پڑھتے تھے؟ ابو واقد نے کہا کہ سورہ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھتے تھے۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ حدیث باب الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ میں مروی ہے۔)

شرح: حضرت عمرؓ بطور امتحان و اختبار صحابہؓ سے اکثر سوال کرتے تھے اور ان کی خاص مجلس میں علمی مسائل پر گفتگو ہوا کرتی تھی۔ حضرتؐ کے ان دو سورتوں کو پڑھنے کی علت یہ تھی کہ لوگوں کو آخرت یاد آ جائے۔ اور دنیا کی دلچسپیوں میں کھو کر نہ رہ جائیں۔ عید کا دن چونکہ سرور و فرحت کا دن ہے۔ لہذا ممکن تھا کہ لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ہماری خوشیاں بھی دوسرے لوگوں کی مسرت جیسی ہیں اور جو کچھ لوگ نوروز، دسہرے، ہولی، کرسمس وغیرہ میں کرتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی انہی دلچسپیوں میں کھو جائیں۔ لہذا آپؐ نے یہ سورتیں پڑھیں جن میں آخرت اور گزشتہ قوموں کے عبرتناک احوال بیان ہوئے ہیں۔ ایک اور حدیث میں سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ کا ذکر ہے۔ دراصل کسی نماز کے لئے کوئی خاص سورت معین نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی سُنت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے یہ پڑھے گا تو انشاء اللہ مستوجب اجر و ثواب ہوگا۔

۴۳۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: شَهِدْتُ الْأَضْحَى وَالْفِطْرَ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ. فَكَبَّرَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى سَبْعَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ. وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسَ تَكْبِيرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا۔

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ وَجَدَ النَّاسَ قَدِ انْصَرَفُوا مِنَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْعِيدِ، إِنَّهُ لَا يَرَى عَلَيْهِ صَلَاةً فِي الْمُصَلَّى، وَلَا فِي بَيْتِهِ. وَإِنَّهُ إِنْ صَلَّى فِي الْمُصَلَّى، أَوْ فِي بَيْتِهِ لَمْ أَرَ بِذَلِكَ بَأْسًا. وَيُكَبِّرُ سَبْعًا فِي الْأُولَى قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَخَمْسًا فِي الثَّانِيَةِ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام نافع کا بیان ہے کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں حاضر ہوا تھا۔ پس انہوں نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ یعنی مدینہ منورہ میں اسی طرح اور اسی قدر تکبیریں ہوتی ہیں۔ امام مالک نے کہا کہ جو آدمی یہ دیکھے کہ لوگ عید کے دن عید پڑھ کر آ گئے ہیں تو ہمارے نزدیک عیدگاہ میں یا گھر میں اس کے ذمے کوئی نماز نہیں۔ لیکن اگر وہ گھر میں یا عیدگاہ میں عید پڑھ لے تو اس میں حرج بھی نہیں۔ پہلی رکعت میں سات تکبیرات قرأت سے قبل کہے اور دوسری میں پانچ تکبیرات قرأت سے پہلے کہے۔ (امام محمدؒ نے اس حدیث کو مؤطا میں باب التکبیر فی العیدین میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ عیدین کی تکبیرات میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ جو مسلک بھی لے لو اچھا ہے اور ہمارے نزدیک افضل عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت شدہ تکبیرات ہیں کہ وہ عیدین میں پانچ اور چار تکبیرات کہتے تھے۔ ان میں تکبیر تحریمہ اور دونوں رکوعوں کی تکبیریں شامل ہیں۔ دونوں قراءتوں کو پے در پے کیا جائے۔ پہلی قراءت کو تکبیرات کے بعد اور دوسری رکعت کی قرأت کو تکبیرات سے پہلے پڑھے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

حنفیہ کا مسلک اوپر امام محمدؒ کے مؤطا سے نقل ہوا۔ تکبیراتِ عیدین میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں چھ تکبیریں سجود سے قیام سمیت ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں آٹھ اور دوسری میں چھ مع قیام از سجود کی تکبیر کے۔ امام ابو حنیفہؒ کے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر رکوع کے علاوہ تین تکبیریں ہیں۔ کچھ لوگوں کے نزدیک ہر رکعت میں نو تکبیریں ہیں۔ اور یہ ابن عباسؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، انس بن مالکؓ۔ سعید بن المسیب اور نخعی سے مروی ہے۔ علما کے اس اختلاف کا باعث صحابہؓ سے منقول مختلف روایات ہیں۔

حنفیہ کا استدلال ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہے، جس میں عبداللہ بن مسعودؓ نے چھ زائد تکبیر شمار کر کے بتائیں اور نماز عید کا طریقہ بیان کیا۔ یہ حدیث مکحول سے مروی ہے۔ پھر ابن عباسؓ سے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث، جس میں بالکل یہی مضمون ہے، اسے بھی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ پھر ابن ابی شیبہ میں عبداللہ بن الحارث کا بیان ابن عباسؓ کے بالکل اسی عمل کے بارے میں مروی ہے۔ ان کے علاوہ مسروق، الاسود، انسؓ، ابو قلابہ، ابو جعفر، الحسن، محمد بن سیرین، شعبی، المسیب، مغیرہ بن شعبہ وغیرہم سے اسی مضمون کے آثار مروی ہیں اور ان میں سے اکثر صحیح ہیں (آثار السنن)۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں عن ابی حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن ابن مسعودؓ اسی مضمون کا اثر روایت کیا ہے۔ اس اثر کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی مسلمہ ائمہ ہیں۔ اور اس قسم کے مسائل میں صحابہ کا فعل سُنت سے ثبوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ مسند احادیث میں اختلاف و اضطراب واقع ہوا ہے۔ مگر ابن مسعودؓ کی روایات اس مسئلہ میں اضطراب سے بَری ہیں۔ اس مسئلہ میں ابن مسعودؓ کی موافقت کرنے والے یہ حضرات ہیں: ابو موسیٰ اشعریؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، عقبہ بن عامرؓ، ابن زبیرؓ، ابو مسعود البدریؓ، ابو سعید الخدریؓ، ابراء بن عازبؓ، عمر بن الخطابؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، سفیان ثوریؒ، احمد بن حنبلؒ (ایک روایت کی رُو سے)۔ بخاری نے صحیح میں ابن عباسؓ کا یہی مذہب بتایا ہے اور ابن الہمام نے التحریر میں یہی قول ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے اس مسئلہ میں حنفیہ کے وکیل امام طحاوی کی مدلل بحث قابل دید اور قابل داد ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نماز عید کی نہ قضا ہے اور نہ اسے اکیلا شخص پڑھ سکتا ہے کیونکہ یہ نماز صرف جماعت کے ساتھ ثابت ہے۔

۴۔ بَابُ تَرْكِ الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعِيْدَيْنِ وَبَعْدَهُمَا

عیدین سے پہلے اور بعد میں نفل نہ پڑھنے کا باب

۴۳۴۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يُصَلِّيْ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَلَا بَعْدَهَا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد کوئی نفل نہ پڑھتے تھے۔ (مؤطائے امام محمدؒ میں یہ اثر مروی ہوا ہے اور اس کے بعد القاسم بن محمدؒ کا اثر۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ نماز عید سے قبل کوئی نفل نہیں اور اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کچھ پڑھو یا نہ پڑھو اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔)

شرح: بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن (عید گاہ میں) صرف دو رکعت پڑھیں اور ان سے پہلے یا بعد میں کچھ نہ پڑھا۔ امام محمدؒ نے نماز کے بعد جو اختیار لکھا ہے یہ اس لئے ہے کہ یہی وقت صلوٰۃ الضحیٰ کا ہے۔ عید کے بعد لوگ چلے جاتے ہیں اور یہ وہم یا شبہ نہیں ہو سکتا کہ اب نماز پڑھنے والا عید کے نفل پڑھ رہا ہے۔

۴۳۴ (الف) وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى بَعْدَ اَنْ يُصَلِّيَ الصُّبْحَ، قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ سعید المسیب صبح کی نماز پڑھ کر طلوع آفتاب سے پہلے ہی عید گاہ کی طرف چلے جاتے تھے۔ (مؤطا امام محمدؒ میں القاسم بن محمدؒ کا عمل ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کی روایت سے مروی ہے کہ وہ چار رکعت نماز پڑھ کر عید گاہ کو جاتے تھے۔ اس سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ ان کا عمل سعید سے مختلف تھا۔ کیونکہ طلوع آفتاب کے بعد مکروہ وقت نکل جانے کے بعد عید گاہ جاتے تھے اور یہ چار رکعت نماز جس کا ذکر ہے شائد نماز اشراق تھی۔ کیونکہ نماز عید تو خود نفل ہے اور اس سے قبل نفل کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اور القاسم کے درجے کا آدمی اپنے علم و آگاہی کی بنا پر جانتا ہوگا کہ عید کی صرف دو رکعات ہیں)۔

شرح: سعید بن المسیب کے عمل سے اس امر کی گنجائش نکلی کہ مقتدی منہ اندھیرے بھی عید گاہ جا سکتا ہے۔ امام کا حال اس سے مختلف ہے جو آگے آ رہا ہے۔ اوپر کے اثر کی شرح میں ہم نے صحیحین کی حدیث درج کی ہے کہ حضورؐ نے نماز عید سے قبل یا بعد کچھ نہ پڑھا۔ رخصت کے قائلین شاید اس کا مطلب یہ لیتے ہوں گے کہ عید گاہ میں عید کی نماز کے علاوہ پہلے یا بعد میں کچھ نہ پڑھا جائے۔ مزید گفتگو آگے دیکھئے۔

۵۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الصَّلٰوةِ قَبْلَ الْعِيْدَيْنِ وَبَعْدَهُمَا

عیدین سے پہلے اور بعد میں نماز کی رخصت کا باب

۴۳۵۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، اَنَّ اَبَاهُ الْقَاسِمَ كَانَ يُصَلِّيْ

قَبْلَ اَنْ یَغْدُوَ اِلَى الْمُصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن القاسم سے روایت ہے کہ اس کا باپ عیدگاہ میں جانے سے قبل چار رکعت نماز پڑھتا تھا۔

شرح: یعنی گھر یا محلہ کی مسجد میں۔ کیونکہ عیدگاہ میں تو عید کی نماز سے پہلے نفل کسی کے نزدیک نہیں ہیں سوائے امام شافعیؒ کے۔ امام محمدؒ نے جو فرمایا کہ بعد میں نفل ہوسکتے ہیں، اس کا مطلب ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ شاید یہ اس لئے فرمایا کہ عیدگاہ سے نماز اور خطبہ کے بعد لوگ چلے جاتے ہیں۔ اور کسی کو یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ نماز جو اب پڑھی جارہی ہے یہ عید کی وجہ سے ہے یا اس کا حصہ ہے امام احمدؒ نے گزشتہ حدیث صحیحین کے ظاہر سے یہ سمجھا کہ عید کے دن اس کی نماز سے پہلے یا بعد میں نفل نماز بالکل نہ پڑھی جائے۔ نہ گھر میں نہ محلہ کی مسجد میں نہ عیدگاہ میں۔ حنفیہ نے عید کی نماز کے بعد نوافل کو ہر جگہ جائز سمجھا۔ کیونکہ نماز ہوجانے اور خلق خدا کے بکھر جانے کے بعد نماز عید کے ساتھ التباس کا خوف نہیں رہتا۔ اور یاد رہے کہ یہی وقت صلوٰۃ الضحیٰ کا بھی ہے۔ حسن بصریؒ نے نماز عید سے قبل نوافل کو جائز جانا۔ شاید مطلقاً یا گھر اور محلہ کی مسجد میں۔ امام مالکؒ کے نزدیک عیدگاہ میں تو نماز عید سے پہلے یا بعد میں نوافل جائز نہیں۔ اور گھر یا مسجد کے متعلق ان سے دو روایتیں ہیں۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ عید سے قبل یا بعد نوافل مکروہ نہیں۔ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ امام کے لئے تو جائز نہیں مگر مقتدی کے لئے جائز ہیں۔ حتیٰ کہ عیدگاہ میں بھی۔ علما نے امام اور مقتدی میں جو فرق کیا ہے اس کا سبب وہی صحیحین کی حدیث ہے۔ جس سے حضورؐ کا نفل نہ پڑھنا تو واضح ہے اور جہاں تک مقتدی کا سوال ہے القاسم بن محمدؒ اور عروہ بن الزبیرؒ کے عمل سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا حکم امام سے مختلف ہے۔ اس مسئلہ کی اور بھی بعض فرعی تفاصیل ہیں جن کا چھیڑنا باعث تطویل ہوگا۔

۳۶۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ كَانَ يُصَلِّیْ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِی الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ سے روایت ہے کہ اس کا باپ عروہؒ عیدالفطر کے دن نماز عید سے قبل مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ (القاسم کی نماز قبل از عید میں یہ وضاحت نہ تھی کہ وہ کہاں پڑھتے تھے۔ شاید گھر پڑھتے ہوں اور عروہؒ کے متعلق یہ وضاحت ہوگئی کہ وہ مسجد میں پڑھتے تھے۔ عیدگاہ میں بہرحال ان میں سے کوئی نہ پڑھتا تھا۔)

۷۔ بَابُ غُدُوِّ الْاِمَامِ يَوْمَ الْعِيْدِ وَانْتِظَارِ الْخُطْبَةِ

عید کے دن امام کا مسجد میں آنا اور لوگوں کا خطبے کا انتظار کرنا

۳۶۵۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: مَضَتِ السُّنَّةُ الَّتِیْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهَا عِنْدَنَا، فِیْ وَقْتِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى، اَنَّ الْاِمَامَ يَخْرُجُ مِنْ مَنْزِلِهٖ قَدْرَ مَا يَبْلُغُ مُصَلَّاهُ، وَقَدْ حَلَّتِ الصَّلَاةُ۔

قَالَ يَحْيٰى: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ، هَلْ لَهٗ اَنْ يَنْصَرِفَ قَبْلَ اَنْ يَسْمَعَ الْخُطْبَةَ؟ فَقَالَ: لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ الْاِمَامُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ سنت چلی آئی ہے جس میں ہمارے نزدیک (مدینہ میں) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے وقت کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن اپنے گھر سے تب نکلے کہ وہ عیدگاہ میں پہنچے تو نماز جائز ہو چکی ہو۔ (یعنی سورج کے بلند ہونے سے مکروہ وقت نکل چکا ہو) یحییٰ راوی نے کہا کہ امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے عید الفطر کے دن امام کے ساتھ نماز پڑھ لی ہو۔ کیا وہ خطبہ سننے سے قبل واپس جا سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ امام کی واپسی سے پہلے واپس نہ جائے۔

شرح: نمازِ عید کا وقت ابو داؤدؒ، احمدؒ، اور حاکمؒ کی روایت کے مطابق (بخاریؒ نے اسے تعلیقاً بیان کیا ہے) طلوعِ آفتاب کے بعد اس وقت ہے جب کہ وقت مکروہ نکل چکا ہو اور سورج کم و بیش ایک نیزہ بلند ہو چکا ہو۔ اور اس کا آخری وقت زوال سے پہلے پہلے تک ہے۔ اس مسئلہ میں بقولِ ابن رشدؒ و شوکانیؒ اختلاف نہیں ہے اور یہی وقت صلوٰۃ الضحیٰ کا ہے۔

۱۱۔ کِتَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

۱۔ بَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

صلوٰۃ الخوف کا باب

حدیث و سیرت کی کتابوں میں بغور مطالعہ کریں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی صلوٰۃ الخوف غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی تھی۔ یہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ پھر ۶ھ میں مقام عسفان میں پڑھی تھی۔ جب کہ خالد بن الولید ایک دستہ لے کر مکہ سے نمودار ہوا تھا۔ اور یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ جنگِ خندق ۵ھ میں ہوئی تھی اور اس میں بالفعل جنگ جاری رہنے کے باعث صلوۃ الخوف کا حکم نہیں اترا تھا۔ حنفیہ میں سے ابو یوسفؒ، الحسن بن زیاد لؤلؤی کا اور شافعیہ میں سے امام مزنی کا مذہب یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مشروع نہیں ہے۔ مزنیؒ کے نزدیک وہ منسوخ ہے اور ابو یوسفؒ نے آیت قرآنی کے لفظ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ سے یہ استدلال کیا کہ یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔ وجہ یہ کہ ہر شخص کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی نماز پڑھے۔ اب وہ صورت نہیں ہے اور بآسانی الگ الگ امام مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ جو اپنی اپنی جماعت کو نماز پڑھائیں اور محاذِ جنگ بھی خالی نہ رہے۔

امام مزنیؒ کے قول کی تو کوئی دلیل نہیں ملتی۔ مگر امام ابو یوسفؒ کی بات البتہ معقول ہے اور جدید طریقۂ جنگ میں تو یہی متعین ہے کہ لوگ الگ الگ اپنے اپنے مورچوں میں حسب استطاعت باجماعت یا انفرادی نماز پڑھیں۔ صحابہؓ سے بھی صلوۃ الخوف منقول ہوئی ہے مثلاً علی بن ابی طالبؓ ابو موسیٰ اشعریؓ، سعید بن العاصؓ۔ آخر الذکر کے ساتھ جلیل القدر اصحاب کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔

امام مالکؒ کے نزدیک صلوۃ الخوف صرف سفر میں ہے اور جمہور کے نزدیک حسب ضرورت وحالات حضر میں بھی مشروع ہے۔ صلوۃ الخوف میں عدد رکعات جمہور کے نزدیک کم نہیں ہوتا۔ مگر ابن عباسؓ، حسن بصریؒ اور طاؤس کے نزدیک ایک رکعت (یعنی سفر میں) بھی جائز ہے۔ دراصل یہ ایک غلط فہمی ہے۔ چونکہ صلوۃ الخوف میں (سفر میں) امام نے ہر فریق کو ایک رکعت پڑھاتا ہے اور دوسری رکعت لوگ خود پڑھتے ہیں، لہٰذا یہ کہا گیا کہ امام کی دو اور جماعت کی ایک رکعت (یعنی باجماعت) ہوئی۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ ایک ہی رکعت جائز ہے۔ حالانکہ مراد اس کی مع الامام تھی۔

شراح حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چوبیس بار صلوٰۃ الخوف پڑھنا مروی ہے۔ مگر ان میں سے ۶ مرتبہ بالقول ابن حزم ۴ مرتبہ صحیح طور پر ثابت ہے۔ ان غزوات میں صلوٰۃ الخوف پڑھی گئی۔ ذات ارقاع، عسفان، یوم بنی سُلیم، جہینہ، بنی محارب، غزوہ نجد، غطفان، ذی قرد، طائف، اور اس کے بعد صرف غزوہ تبوک ہوا جس میں صلوٰۃ الخوف کی نوبت نہ آئی۔

صلوٰۃ الخوف چونکہ ایک ہنگامی و اضطراری نماز ہے۔ لہذا احادیث میں آنے والی تمام صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔ اختلاف صرف اولویت میں ہے۔ احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ ہاں ایک رکعت کی روایات چونکہ وہم یا غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ لہذا ان پر عمل نہیں ہے۔ صلوٰۃ الخوف میں بقول ابن عربی سولہ روایات صحیح تر ہیں۔ جبکہ اور بھی بہت سی روایات وارد ہیں۔ ان سب میں صلوٰۃ الخوف کے طریقے مختلف آئے ہیں۔ ان میں سے مالکؒ، بخاریؒ اور مسلمؒ کی روایات قوی تر ہیں۔ لیکن مسلم میں جابرؓ کی چار رکعت کی روایت عجیب وغریب ہے۔ گو اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ یہ واقعہ حضر کا ہے اور بعض اصحاب حاضر اور بعض مسافر تھے۔

ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ صلوٰۃ الخوف باغیوں اور عصاۃ امام کے لئے جائز نہیں۔ یہ نماز پڑھنے والوں کا ہجوم شرعی غرض یعنی جہاد کے لئے ہونا ضروری ہے۔ دشمن کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ مگر حالت قتال میں صلوٰۃ الخوف خارج از بحث ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صلوٰۃ الخوف کی یہ شرط بھی ہے کہ سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے پر مُصر ہوں۔ ورنہ ہر جماعت کے لئے الگ امام ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ، صَلٰوةَ الْخَوْفِ، اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ، وَصَفَّتْ طَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ. فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً. ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا، وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ. ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ. وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى، فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِيْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ. ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا، وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ۔

ترجمہ: صالح بن خوات نے اس صحابی سے روایت کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات ارقاع کی جنگ میں صلوٰۃ الخوف پڑھی تھی کہ ایک گروہ نے حضورؐ کے ساتھ صف بنائی اور ایک گروہ نے دشمن کے سامنے صف باندھی پس حضورؐ نے اپنے ساتھ والے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی اور پھر آپؐ قیام کی حالت میں رہے اور انہوں نے اپنی نماز پوری کر لی۔ اور پھر فارغ ہو کر دشمن کے سامنے صف بنائی۔ پھر دوسرا گروہ آ گیا، تو آپ نے ان کے ساتھ وہ رکعت پڑھی جو آپ کی نماز سے باقی تھی۔ پھر آپؐ حالت جلوس میں رہے اور ان لوگوں نے اپنی نماز پوری کی تو آپؐ نے ان سمیت نماز سے سلام پھیرا۔ (اصول صحیح کی رُو سے صحابی کا ابہام حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا)

شرح: یہ صورت ان صورتوں میں سے ہے۔ جن کو شافعی فقہا نے اختیار کیا ہے۔ یہ صورت بظاہر آسان تر نظر آتی ہے، مگر اس میں امام کو دونوں فریقوں کی اپنی اپنی نماز کی تکمیل کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

۴۳۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ

اَنَّ سَهْلَ بْنَ اَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَهُ، اَنَّ صَلٰوةَ الْخَوْفِ، اَنْ يَقُوْمَ الْاِمَامُ وَمَعَهُ طَائِفَةٌ مِنْ اَصْحَابِهِ. وَطَائِفَةٌ مُوَاجِهَةٌ الْعَدُوِّ. فَيَرْكَعُ الْاِمَامُ رَكْعَةً، وَيَسْجُدُ بِالَّذِيْنَ مَعَهُ. ثُمَّ يَقُوْمُ. فَاِذَا اسْتَوٰى قَائِمًا، ثَبَتَ وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ. ثُمَّ يُسَلِّمُوْنَ، وَيَنْصَرِفُوْنَ. وَالْاِمَامُ قَائِمٌ. فَيَكُوْنُوْنَ وُجَاهَ الْعَدُوِّ. ثُمَّ يُقْبِلُ الْاٰخَرُوْنَ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا. فَيُكَبِّرُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ. فَيَرْكَعُ بِهِمُ الرَّكْعَةَ وَيَسْجُدُ. ثُمَّ يُسَلِّمُ، فَيَقُوْمُوْنَ فَيَرْكَعُوْنَ لِاَنْفُسِهِمُ الرَّكْعَةَ الْبَاقِيَةَ. ثُمَّ يُسَلِّمُوْنَ.

ترجمہ: صالح بن خوات انصاریؒ سے روایت ہے کہ سہل بن ابی حثمہ انصاری نے اسے بتایا کہ صلوٰۃ الخوف یہ ہے کہ امام کھڑا ہو اور اس کے ساتھیوں کا ایک گروہ اس کے ساتھ کھڑا ہو، دوسرا گروہ دشمن کے روبرو کھڑا ہو۔ پھر امام اپنے ساتھ والوں سمیت رکوع اور سجدہ کرے۔ پھر اُٹھے تو جب وہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو اسی طرح کھڑا رہے اور مقتدی اپنی باقی رکعت تمام کر لیں، پھر سلام کہیں اور فارغ ہو کر چلے جائیں۔ امام کھڑا رہے گا اور یہ لوگ دشمن کے روبرو جا کھڑے ہوں گے۔ پھر دوسرا فریق آئے گا جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی پس وہ تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو جائیں گے اور وہ انہیں ایک رکعت پڑھائے گا۔ اور سجدہ کرے گا۔ پھر امام سلام کہے گا اور یہ لوگ اٹھ کر اپنی فوت شدہ رکعت پڑھیں۔ اور سلام کہہ دیں گے۔

شرح: اس روایت میں (جو سہلؓ پر موقوف ہے جب کہ پہلی مرسل تھی) پہلی کی نسبت یہ فرق ہے کہ امام دوسرے آنے والے فریق کے ساتھ اپنی دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے گا اور وہ لوگ اپنی فوت شدہ رکعت پڑھ کر خود سلام پھیریں گے۔ جب کہ پہلی روایت میں امام حالتِ تشہد میں ان کا انتظار کرتا اور ان کی رکعت پوری ہونے پر سلام کہتا تھا۔ اور یہ اس کے ساتھ سلام کہتے تھے۔ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کا قول پہلے یزید بن رومان کی روایت پر تھا۔ اور پھر انہوں نے اس زیرِ نظر روایت کو اپنا قولِ مختار قرار دیا۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں امام مقتدیوں کا انتظار نہیں کرتا۔ گویا اسے پہلے ان کا انتظار کرنا پڑا تھا۔ اور جب یہ لوگ آ کر نماز میں داخل ہوئے تھے تو اس نے انہیں ایک رکعت پڑھائی تھی۔ یہ حدیث ایک صحابی کی مرسل ہے۔ کیونکہ سہل بن ابی حثمہؓ حضورؐ کے عہد میں صغیر السن تھا۔ اس کی عمر بقولِ طبری و ابن حبان آپؐ کی وفات شریف کے وقت ۸ سال تھی۔

۴۴۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ قَالَ: يَتَقَدَّمُ الْاِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ. فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْاِمَامُ رَكْعَةً. وَتَكُوْنُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوْا. فَاِذَا صَلَّى الَّذِيْنَ مَعَهُ رَكْعَةً، اِسْتَاْخَرُوْا مَكَانَ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا، وَلَا يُسَلِّمُوْنَ. وَيَتَقَدَّمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُصَلُّوْا فَيُصَلُّوْنَ مَعَهُ رَكْعَةً. ثُمَّ يَنْصَرِفُ الْاِمَامُ، وَقَدْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ. فَتَقُوْمُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ، فَيُصَلُّوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً رَكْعَةً. بَعْدَ اَنْ يَنْصَرِفَ الْاِمَامُ. فَيَكُوْنُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلَّوْا رَكْعَتَيْنِ. فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ اَشَدَّ مِنْ ذٰلِكَ، صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ

اَوْ رُکْبَانًا مُسْتَقْبِلِی الْقِبْلَةِ - اَوْغَیْرَ مُسْتَقْبِلِیْهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ نَافِعٌ لَا اَرٰی عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهٗ اِلَّا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے جب صلوٰۃ الخوف کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ کہتے: امام آگے بڑھے اور لوگوں کا ایک گروہ اس کے ساتھ ہو۔ پس امام ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھے، اور ان میں سے ایک گروہ امام کے اور دشمن کے درمیان ہو جو نماز نہ پڑھے۔ پس جب امام کے ساتھ والے ایک رکعت پڑھ لیں تو وہ ان کی جگہ پر ہٹ جائیں، جنہوں نے نماز نہ پڑھی تھی۔ اور وہ سلام نہ کہیں، اور نماز نہ پڑھنے والے آگے بڑھیں اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھیں۔ پھر امام اپنی نماز سے فارغ ہو جائے (یعنی سلام کے ساتھ) اور وہ دو رکعت پڑھ چکا ہوگا۔ پھر ہر گروہ اپنے لئے ایک ایک رکعت پڑھے امام کی فراغت کے بعد۔ پس دونوں گروہوں میں سے ہر ایک نے دو رکعت پڑھ لی ہوگی۔ اگر خوف اس سے زیادہ سخت ہو تو لوگ کھڑے ہو کر یا پاؤں پر یا سوار ہو کر قبلہ رُخ یا بغیر قبلہ رُخ نماز پڑھیں۔ امام مالک نے کہا کہ بقول نافع، عبداللہ نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کی ہے۔ (مؤطا امام محمد میں یہ روایت موجود ہے)

شرح: دونوں فریقوں کی نماز آیا بیک وقت ختم ہوئی ہے یا الگ الگ پے درپے؟ بظاہر پہلی بات نظر آتی ہے۔ مگر دوسری کا احتمال موجود ہے اور بقول حافظ ابن حجر یہی راجح ہے ورنہ نماز خوف کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی جو روایت ابوداؤد نے کی ہے۔ اس سے صراحتًہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ دونوں فریق یکے بعد دیگرے نماز ختم کریں گے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے، جیسا کہ امام محمدؒ نے اس روایت کے بعد مؤطا میں لکھا ہے۔ اشہب، اوزاعی اور ابن عبدالبر مالکی کا بھی یہی مختار ہے۔ کیونکہ اس حدیث کی سند زیادہ قوی ہے۔ زیادہ خوف کے وقت جمہور کا مذہب وہی ہے جو ابن عمرؓ نے بتایا ہے۔ یہ حدیث مرفوع بھی مروی ہے بلکہ اس کا آخری فقرہ کہ اگر خوف سخت ہو الخ بھی بقول حافظ مرفوع ہے۔

۴۴۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ بْنِ الْمُسَیَّبِ، اَنَّهٗ قَالَ: مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَحَدِیْثُ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ، اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ اِلَیَّ فِیْ صَلٰوةِ الْخَوْفِ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب نے کہا کہ جنگِ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازیں نہ پڑھیں، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ مالکؒ نے کہا القاسم بن محمد کی حدیث عن صالح بن خوات صلوٰۃ الخوف میری سُنی ہوئی تمام احادیث سے مجھے پسندیدہ تر ہے۔

شرح: یہ سعید بن المسیبؒ کا مرسل ہے جو علمائے حدیث کے نزدیک سب مرسلات سے اولیٰ تر ہے۔ اس حدیث میں ظہر وعصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے اور مسند اور نسائی کی حدیث (عن ابی سعیدؓ) میں ظہر سے لے کر مغرب تک چاروں نمازوں کا ذکر ہے۔ ترمذی اور نسائی نے ابن مسعودؓ کی حدیث روایت کی ہے اس میں بھی چار نمازوں کا ذکر ہے۔ صحیحین وغیرہما میں علیؓ اور جابرؓ کی حدیث مروی ہے جس میں صرف نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ جنگ خندق کی شدت کئی دن تک جاری رہی۔ اور کفار محاصرہ کو تنگ سے تنگ تر کرتے رہے۔ لہذا کئی دن یہ واقعہ پیش آیا اور کسی دن کوئی نماز جاتی رہی، کسی دن کوئی۔ حافظ عینیؒ اور امام طحاویؒ اور ابوبکر جصاص

الرازیؒ نے اس امر پر بحث کی ہے کہ آیا یہ واقعہ صلوٰۃ الخوف کے مشروع ہونے سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اور روایات کو بیان کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جنگِ خندق ۵ھ میں ہوئی تھی اور غزوہ ذات الرقاع ۷ھ میں۔ صلوٰۃ الخوف ذات الرقاع میں مشروع ہوئی تھی، حضورؐ نے جنگِ خندق میں صلوٰۃ الخوف اس لئے نہ پڑھی کہ جنگ بالفعل شروع تھی اور حالتِ جنگ میں نمازِ خوف کا سوال نہیں تھا حالات سنگین تھے جن کو سورۃ الاحزاب پڑھنے والا بخوبی محسوس کرسکتا ہے لہذا نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ فقہا نے یہی کہا ہے کہ قتال میں نماز ملتوی ہوتی ہے۔ حضورؐ کا یہ قول کہ مَلَأَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ وَبُيُوْتَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى "اللہ ان کی قبروں کو اور گھروں کو آگ سے بھرے، جیسا کہ انہوں نے ہمیں نمازِ عصر نہیں پڑھنے دی" یہ قول اس بارے میں نص ہے کہ نماز عذرِ قتال کے باعث فوت ہوئی تھی۔

۱۲۔ کِتَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِىْ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

سورج گرہن کی نماز کا عمل

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ چاند اور سورج کو گرہن کسی بڑے آدمی کی موت کے باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عقیدہ باطل کر دیا اور فرمایا کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں اور کسی کی زندگی یا موت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نظام کائنات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح اور جب چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے۔ انسانی فطرت میں اس قسم کے عظیم اور عجیب و غریب واقعات میں اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اس سے التجا کرنا ہے۔ اسلام نے ان مواقع پر نماز مشروع فرمائی تاکہ مسلمانوں کے عقائد محفوظ رہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دُعا وابتہال کے ہاتھ پھیلائیں۔ سورج حرارت اور روشنی کا منبع ہے۔ اس لئے مشرکوں نے اسے معبود بنا لیا اور اسے سجدہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دکھا دیتا ہے کہ سورج میں کوئی الوہیت نہیں۔ وہ ایک قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے سجدہ اور عبادت اس قادرِ مطلق کی ہونی چاہیئے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔

صحیح تر قول اور علم ہیئت کے حساب کے مطابق سورج گرہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہجرت کے دسویں سال ہوا تھا اس دن آپ کے فرزند ابراہیم کی وفات واقع ہوئی تھی۔ بعض شراحِ حدیث نے سورج گرہن کی تعداد زیادہ بیان کی ہے۔ کسوف کی نماز سنت غیر مؤکدہ ہے اور اس کے لئے امر کا صیغہ جو وارد ہوا ہے وہ استحباب کے لئے ہے۔ چاند گرہن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں واقع ہوا تھا۔ اور ۵ھ میں جب چاند کو گہن ہوا تو حضورؐ نے نماز پڑھی تھی۔ امام مالکؒ نے خسوف القمر کی نماز سے انکار کیا ہے شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے باجماعت نماز نہیں اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

۴۱۴۔ حَدَّثَنِىْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ، فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ۔ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ۔ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ

الْقِيَامَ، وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ. ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، وَهُوَ دُونَ الْأَوَّلِ. ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ - ثُمَّ فَعَلَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِثْلَ ذَلِكَ. ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ. فَخَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ. لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ، وَلَا لِحَيَاتِهِ. فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوا، وَتَصَدَّقُوا" ثُمَّ قَالَ: "يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرَ مِنَ اللهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ. يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللهِ. لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا."

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپؐ نماز میں کھڑے ہوئے اور طویل قیام فرمایا۔ پھر رکوع کیا تو طویل رکوع فرمایا۔ پھر اُٹھے اور طویل قیام فرمایا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر رکوع کیا اور اسے لمبا کیا۔ مگر اس کا طول پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اُٹھایا اور سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا۔ پھر نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کی زندگی یا موت کے باعث گرہن نہیں ہوتا۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اس کی بڑائی بیان کرو۔ اور صدقہ دو۔ پھر فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں کہ اس کا بندہ یا لونڈی بدکاری کرے۔ اے اُمتِ محمدؐ! واللہ اگر تمہیں وہ علم ہو جو مجھے ہے تو کم ہنسو اور زیادہ رؤو۔

شرح: صحیحین کی متفق علیہ حدیثِ عائشہ صدیقہؓ میں اور ابن عباسؓ کی حدیثِ متفق علیہ میں اسی موقع پر دو رکعات میں چار رکوع اور چار سجدے مروی ہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی متفق علیہ حدیث میں طویل قیام، طویل رکوع و سجود مروی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کی حدیث میں (مسلم) تعددِ رکوع کا ذکر نہیں آیا۔ ابوداؤد نے اُبی بن کعبؓ سے ہر رکعت میں پانچ رکوع کا ذکر کیا ہے۔ نعمان بن بشیر کی حدیث جسے ابوداؤد اور نسائی نے بروایت کیا ہے، اس میں صراحت ہے کہ حضورؐ نے یہ نماز عام نمازوں کی طرح ادا فرمائی تھی مولانا نواب قطب الدینؒ نے مظاہر حق میں فرمایا ہے کہ کئی کئی رکوع کی احادیث مضطرب ہیں اور اس باب میں راوی بھی مضطرب ہوئے ہیں کہ بعض نے تین رکوع، بعض چار رکوع اور بعض نے پانچ رکوع بیان کئے ہیں اور اضطراب ضعف کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے تعدد رکوع کی روایات کا ترک لازم آتا ہے۔

شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کا اس امر میں اختلاف ہے کہ ان متعدد رکوعوں میں سے فرض کون سا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے یا تیسرے رکوع میں آکر شامل ہو تو اس کی رکعت شمار ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ تعددِ قیام کی صورت میں آیا ہر قیام میں سورۂ فاتحہ از سرِ نو پڑھیں گے یا نہیں؟ اسی طرح اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ بھی طویل ہوگا یا نہیں؟ نماز کسوف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا۔ ائمہ میں اس بارے میں اختلاف ہوا کہ آیا یہ خطبہ بھی صلوٰۃ الکسوف کا حصہ ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک یہ خطبہ ایک ہنگامی ضرورت کے پیشِ نظر تھا جیسا کہ اس کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے لوگوں کو صرف نماز، تکبیر اور صدقے کا حکم دیا تھا، خطبے کا حکم نہیں دیا۔ اس خطبے کا انداز بھی دوسرے خطبوں مثلاً جمعہ اور عیدین کے خطبوں سے مختلف تھا۔ اللہ کی حمد و ثنا فرمائی اور لوگوں کو نصیحت فرمائی۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا اور خطبے دو نہ دیئے۔ نہ اس میں منبر پر رونق افروز ہونے کا اور نہ دو خطبوں کا ذکر ہے۔ پس یہ خطبہ حضورؐ کے ساتھ مخصوص تھا۔

۴۴۴۔ وحدثني عن مالك، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن عبد الله بن عباس، أنه قال: خسفت الشمس، فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، والناس معه. فقام قياما طويلا نحوا من سورة البقرة. قال: ثم ركع ركوعا طويلا. ثم رفع فقام قياما طويلا وهو دون القيام الأول. ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأول. ثم سجد. ثم قام قياما طويلا وهو دون القيام الأول. ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأول. ثم رفع فقام قياما طويلا وهو دون القيام الأول. ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأول. ثم سجد. ثم انصرف وقد تجلت الشمس. فقال: إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله، لا يخسفان لموت أحد ولا لحياته. فإذا رأيتم ذلك، فاذكروا الله" قالوا: يا رسول الله! رأيناك تناولت شيئا في مقامك هذا، ثم رأيناك تكعكعت. فقال: "إني رأيت الجنة. فتناولت منها عنقودا. ولو أخذته لأكلتم منه ما بقيت الدنيا. ورأيت النار، فلم أر كاليوم منظرا قط أفظع. ورأيت أكثر أهلها النساء" قالوا: لم؟ يا رسول الله؟ قال "بكفرهن" قيل: أيكفرن بالله؟ قال: "ويكفرن العشير، ويكفرن الإحسان. لو أحسنت إلى إحداهن الدهر كله، ثم رأت منك شيئا، قالت: ما رأيت منك خيرا قط.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور لوگ آپ کے ساتھ تھے۔ پس آپ نے ایک طویل قیام فرمایا یعنی سورہ البقر کی مانند، پھر طویل رکوع کیا۔ پھر سر اٹھایا اور طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے چھوٹا تھا پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سجدہ کیا، پھر اٹھے اور لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر لمبا رکوع فرمایا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا اور طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر ایک طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سجدہ کیا اور نماز ختم فرمائی اور سورج روشن ہو چکا تھا۔ پھر فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کی حیات یا موت کے باعث گرہن نہیں ہوتا۔ پس تم جب یہ دیکھو تو اللہ کو یاد کرو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے دیکھا کہ آپ نے یہاں قیام میں کوئی

چیز پکڑی اور پیچھے کو ہٹ گئے۔ فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے ایک گچھا پکڑا۔ اگر میں اسے پکڑے رہتا تو تم دنیا کے اختتام تک اس میں سے کھاتے رہتے۔ اور میں نے جہنم کو دیکھا اور آج جیسا خوفناک نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اکثر جہنمی عورتیں تھیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا، اُن کے کفر کے باعث۔ کہا گیا کیا وہ اللہ کا انکار کرتی ہیں؟ فرمایا، خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ اگر تم ہمیشہ ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر وہ تم سے کوئی چیز (کوتاہی یا اعراض) دیکھے تو کہتی ہے، میں نے تجھ سے کبھی کوئی خیر نہیں دیکھی۔

شرح: اس حدیث سے معلوم ہوا (اور حضرت عائشہؓ کی حدیث کی بعض روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے) کہ حضورؐ کی قرأت اس نماز میں بالجہر نہ تھی۔ ائمہ ثلاثہ نے سورج گرہن میں قرأت کو مخفی قرار دیا ہے۔ اور چاند گرہن کی نماز میں بالجہر۔ ابو یوسفؒ، محمدؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور کچھ اور بزرگوں نے دونوں نمازوں میں بالجہر کہا ہے۔ ابو جعفر طبری نے امام کے اختیار پر چھوڑا ہے کہ بالجہر پڑھے یا مخفی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ پر اس نماز میں کئی انکشاف ہوئے اور کئی کیفیات طاری ہوئیں۔ آگے بڑھے کوئی چیز پکڑی، پھر پیچھے ہٹے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص تھے۔ اسی کے پیش نظر حضرت سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک سے زیادہ رکوع اور قیام بھی انہی احوال وکیفیات کا نتیجہ تھا اور یہ حضورؐ ہی کے ساتھ خاص تھے۔

۴۴۴ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ يَهُودِيَّةً جَاءَتْ تَسْأَلُهَا۔ فَقَالَتْ: اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ فَسَأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَيُعَذَّبُ النَّاسُ فِي قُبُورِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ، مَرْكَبًا۔ فَخَسَفَتِ الشَّمْسُ۔ فَرَجَعَ ضُحًى۔ فَمَرَّ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ الْحُجَرِ۔ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي وَقَامَ النَّاسُ وَرَاءَهُ۔ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا۔ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا۔ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَفَعَ فَسَجَدَ ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا وَهُوَ دُونَ الرُّكُوعِ الْاَوَّلِ۔ ثُمَّ رَفَعَ۔ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُولَ۔ ثُمَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَتَعَوَّذُوا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت اُن سے کچھ

مانگنے کے لیئے آئی اور کہا: اللہ تجھے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔ پس عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا لوگوں کو ان کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سے اللہ تعالیٰ پناہ۔ پھر ایک دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سواری پر سوار ہوئے، پس سورج کو گہن ہوگیا تو آپؐ واپس تشریف لائے قوازداجؓ کے گھروں کے آگے سے گزرے۔ پھر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ پس آپؐ نے طویل قیام کیا۔ پھر طویل رکوع کیا۔ پھر سر اٹھایا تو لمبا قیام کیا جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر طویل رکوع کیا اور وہ پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا۔ پھر طویل قیام کیا اور وہ پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا اور نماز ختم فرمائی۔ اور پھر جو اللہ نے چاہا آپؐ نے کہا۔ پھر انہیں عذابِ قبر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔

شرح: شاید اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی عذابِ قبر کے متعلق خبر نہیں دی گئی تھی، یا اگر آپ کو معلوم تھا تو شاید آپ کو ابھی اس کی تبلیغ کا حکم نہ ہوا تھا۔ دوسری توجیہہ کی دلیل بخاریؒ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس سوال پر حضورؐ نے فرمایا تھا۔ ہاں! عذاب قبر برحق ہے۔ صحیح مسلم میں عروہ کی روایت سے ہے کہ ایک یہودی عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تم لوگوں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا صرف یہود کو عذاب ہوتا ہے۔ مگر چند روز بعد حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں کی قبروں میں آزمائش و امتحان ہوتا ہے اور میں نے حضورؐ کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے سُنا۔ طحاویؒ اور نوویؒ نے کہا ہے کہ دراصل دو واقعات تھے۔ ایک میں آپؐ نے اس سے انکار فرمایا اور دوسرے میں چونکہ وحی سے معلوم ہوچکا تھا۔ لہٰذا اس کی اطلاع دی۔ مکی آیات میں بھی عذابِ قبر کا اشارہ موجود ہے۔ بلکہ آلِ فرعون کے لئے صراحت ہے کہ وہ صبح و شام آگ پر پیش ہوتے ہیں۔ شاید ان کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ کفار و مشرکین کو عذاب ہوتا ہے اس اُمت کو نہیں ہوتا پھر بذریعہ وحی پتہ چل گیا کہ سب کی آزمائش ہوتی ہے۔ عذاب تو کفار و مشرکین اور نافرمان مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے۔ گو کیفیت سب کے حق میں مختلف ہے مگر سوال و جواب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

اوپر ہم نے مختصراً صلوٰۃ الکسوف کے تعدد رکوع یا وحدتِ رکوع کا ذکر کیا ہے۔ دو رکوع کی روایت صحاح ستہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ابن عباسؓ کی صحیحین، ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث صحیحین میں ہے۔ جابرؓ کی روایت مسلم میں ہے اسما کی روایت بخاری میں ہے۔ جابرؓ کی روایت بقولِ ابن حجرؒ (تلخیص میں) ہے۔ اس کیفیت کو ائمہ ثلاثہؒ، لیثؒ اور ابوثورؒ نے اختیار کیا ہے۔ تین رکوع (ہر رکعت میں)، کی روایت جابرؓ سے مسلم میں ہے۔ اور احمد، نسائی، ابوداؤد اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اسے غلط کہا ہے۔ مگر شوکانی نے کہا ہے کہ مسلم میں ہونا شافعی کے قول کو رد کرتا ہے۔ تین رکوع کی بات مسلم، مسند احمد، نسائی، بیہقی اور حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اس کی صحت تسلیم کی ہے۔ تین رکوع کی روایت ابنِ عباسؓ سے ترمذی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابنِ عباسؓ کا اپنا فعل بھی ایک حدیث میں تین رکوع ثابت کرتا ہے۔ اس کیفیت کو قتادہؒ، عطاؒ، اسحاق بن راہویہ اور ابن المنذرؒ نے اختیار کیا ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے دو رکوع کے علاوہ دوسری متعدد رکوعات کی روایتوں کو ضعیف یا معطل بنایا ہے، یہ صحیح احادیث ان کا رد کر رہی ہیں۔ شوکانی کا اشارہ حافظ ابن عبدالبرؒ، بیہقیؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور بخاریؒ کی طرف ہے۔

ہر رکعت میں چار رکوع کی روایات ابن عباسؓ سے مسلم، احمد، نسائی اور ابوداؤد میں ہیں۔ مسلم نے کہا ہے کہ اس طرح کی روایت علیؓ بن ابی طالب سے بھی ہے۔ علیؓ کی حدیث مسند احمد اور بیہقی میں ہے۔ حذیفہؓ سے بھی یہ روایت آئی ہے۔ اس کیفیت کو اسحٰق بن راہویہؒ

ابن خزیمہؒ، ابوبکر الصبغی، خطابیؒ، طاؤسؒ، حبیب بن ثابتؒ اور ابن جریجؒ نے اختیار کیا ہے۔
ہر رکعت میں پانچ رکوع کی روایت اُبیّ بن کعبؓ سے ابوداؤد اور زیادات المسند میں، بیہقی میں اور مستدرک میں ہے اور اس میں کلام ہوا ہے مگر حاکم کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ ابوداؤد اس پر خاموش ہیں۔ بیہقی نے اس پر ابوجعفر رازی کی وجہ سے تنقید کی ہے۔ مگر قنوت میں اسی سند کو حاکم کے حوالے سے صحیح قرار دیا ہے۔ بیہقی کی ایک مرسل حدیث (المعرفۃ میں) میں ہے کہ حضرت علی نے ہر رکعت میں پانچ رکوع کے ساتھ صلوٰۃ الکسوف پڑھی تھی۔ اور ائمہ عترت نے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شوکانی نے کہا ہے۔
کثرتِ رکوع کی انہی روایات کے باعث بعض ائمہ فقہ نے کہا کہ جب تک سورج روشن نہ ہو رکوع کی تعداد بڑھائی جا سکتی ہے۔
گویا ان حضرات نے اس طرح سے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے۔ دوسرے حضرات نے ترجیح کا طریقہ اختیار کیا ہے اور کسی نے کسی دلیل سے کسی نے کسی اور دلیل سے کسی ایک یا دو روایتوں کو ترجیح دی ہے۔ حنفیہ نے اختلاف شدید کے باعث کہا کہ کسوف کی نماز بھی عام نمازوں کی مانند ہے۔ ابوبکرہؓ، سمرہ بن جندبؓ، عبداللہ بن عمرؓ، نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے نمازِ کسوف نمازِ عید کی مانند ادا کی تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ ان حضرات کی روایات سب صحیح ہیں۔ اور احسن روایت ابوقلابہ کی نعمان سے ہے۔ پس حنفیہ نے انہی روایات کو اختیار کیا ہے۔
ایک رکوع کی روایت عبداللہ بن عمرؓ سے ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے بیان کی۔ اور حاکم نے اس کی تصحیح کی۔ سمرہ بن جندب کی روایت ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ ابوبکرہؓ کی روایت بخاری اور نسائی میں ہے اور نسائی نے یہ لفظ روایت کیے کہ حضورؐ نے یہ نماز عام نمازوں کی مانند پڑھی۔ عبدالرحمن بن سمرہ کی روایت مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔ محمود بن لبیدؓ کی روایت مسند احمد میں بسند حسن آئی ہے۔ ہیثمی نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔ نعمان بن بشیرؓ کی روایت مسند احمد اور نسائی میں ہے۔ ابن مسعودؓ کی روایت ابن خزیمہ، مسند ابی حنیفہ میں ہے۔ علیؓ کی حدیث طحاوی نے روایت کی ہے۔
علاوہ ازیں زیادہ رکوع کی توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ حضورؐ کسی خاص کیفیت کے باعث یا سورج کے روشن ہو چکنے کا معائنہ کرنے کی خاطر سر اٹھاتے ہوں گے۔ باجماعت میں شامل لوگ طولِ رکوع کی حقیقت یا علّت معلوم کرنے کی خاطر سر اٹھاتے تھے اور پچھلے مقتدی متعدد رکوع سمجھ گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپؐ نے جو سورتیں تلاوت فرمائیں، ان میں سجدے آئے تھے۔ اور آپؐ نے انہیں رکوع سے ادا فرمایا تھا۔ فقہ میں ثابت ہے کہ سجود القرآن رکوع سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲- بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

صلوٰۃ الکسوف کا بیان

۴۴۵- حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ- فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ- وَإِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي- فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ- وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ- فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ، نَعَمْ- قَالَتْ: فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي

الْغَشْیُ۔ وَجَعَلْتُ اَصُبُّ فَوْقَ رَاْسِی الْمَاءَ۔ فَحَمِدَ اللّٰهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ۔ ثُمَّ قَالَ: "مَا مِنْ شَیْءٍ کُنْتُ لَمْ اَرَهُ اِلَّا قَدْ رَاَیْتُهُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا۔ حَتَّی الْجَنَّةُ وَالنَّارُ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ مِثْلَ اَوْ قَرِیْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ (لَا اَدْرِیْ اَیَّتَهُمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ) یُؤْتٰی اَحَدُکُمْ فَیُقَالُ لَهُ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِ الْمُوْقِنُ (لَا اَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ) فَیَقُوْلُ: هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ جَاءَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی فَاَجَبْنَا، وَاٰمَنَّا، وَاتَّبَعْنَا فَیُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اِنْ کُنْتَ لَمُؤْمِنًا۔ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ (لَا اَدْرِیْ اَیَّتَهُمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ) فَیَقُوْلُ، لَا اَدْرِیْ سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ شَیْئًا، فَقُلْتُهُ۔"

ترجمہ: اسماء بنت ابی بکرؓ نے کہا کہ سورج گرہن کے وقت میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئی تو دیکھا کہ لوگ کھڑے نماز پڑھتے ہیں اور عائشہؓ بھی نماز میں کھڑی تھیں۔ میں نے کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، اور کہا سُبحانَ اللہ۔ میں نے کہا کیا کوئی نشانی ہے؟ تو سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں۔ اسماءؓ نے کہا کہ میں نماز میں کھڑی ہو گئی۔ حتیٰ کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا کہ جو چیزیں میں نے نہیں دیکھی تھیں وہ اس مقام پر دیکھی ہیں۔ حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی۔ اور مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا ہے کہ تمہاری قبر میں اسی قدر آزمائش ہوگی جتنی کہ، یا قریب قریب، فتنۂ دجال میں ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں اسماء نے ان میں سے کون لفظ بولا تھا۔ تم میں سے کسی کے پاس پوچھنے والے آئیں گے اور کہیں گے کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ جو مومن یا یقین کرنے والا (معلوم نہیں اسماءؓ نے کون سا لفظ ان میں سے بولا تھا) کہے گا کہ وہ محمد رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ ہمارے پاس واضح دلائل کے ساتھ آیا تھا اور ہدایت کے ساتھ۔ پس ہم نے انہیں مانا اور ایمان لائے۔ اور اس کی پیروی کی۔ پس اس سے کہا جائے گا کہ تو اچھی طرح سورہ، ہمیں معلوم تھا کہ تو مومن تھا۔ منافق یا شک کرنے والا۔ معلوم نہیں کہ اسماءؓ نے ان میں سے کون سا لفظ بولا تھا۔ کہے گا مجھے معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا۔ اور وہی کہہ دی۔

شرح: اس حدیث سے عورتوں کا صلوٰۃ کسوف پڑھنا ثابت ہوا۔ اس میں کسی تعدد رکوع کا ذکر نہیں آیا۔ اور طول قیام کے باعث حضرت اسماءؓ کے بے ہوش ہو جانے کا ذکر ہے۔ پھر اس حدیث میں تو صرف جنت دوزخ کی رویت کا ذکر ہے۔ لیکن نسائی کی روایات میں ان نظاروں کا ذکر بھی آیا ہے۔ جو آپؐ نے اسی دن نماز میں دیکھے۔ قبر کی آزمائش سے مراد سوال و جواب کا امتحان ہے۔ نسائی کی روایت کے مطابق حضورؐ نے جب فتنۂ قبر کا ذکر فرمایا تو لوگ دھاڑیں مارنے لگے۔ رسالت کے سوال کے متعلق بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ تیرا اس شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا خیال ہے؟ ہذا الرجل کا اشارہ محاورۂ عرب کے مطابق ہے کہ اس مشہور شخص کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ اور لِمُحمّدٍ کا لفظ یا تو حضورؐ نے بولا یا فرشتہ بول کر سوال کرے گا۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ عذاب و ثواب قبر کا اثبات اہل سنت کے مذہب کی علامت ہے۔ کتاب و سنت کے بے شمار دلائل اس پر قائم

ہیں۔ کوئی عقلی دلیل اس سے مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ سارے جسم میں یا اس کے کسی جُزء میں حیات پیدا کر دے میت کے اجزا کا منتشر ہو جانا یا ڈوب جانا بھی اس سے مانع نہیں۔ جیسے کہ لذت والم کا احساس نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔

۱۳۔ کِتَابُ الْاِسْتِسْقَاءِ

۱۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ

نماز استسقاء کا باب

استسقاء کا لغوی معنیٰ پانی طلب کرنا ہے اور شرعی معنیٰ قحط کے زمانے میں خاص طریقے سے بارش کی دعا یا نماز ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو قوم ناپ تول میں کمی کرے گی اللہ تعالیٰ اسے قحط، گرانی اور حاکم کے ظلم میں گرفتار کرے گا اور زکوٰۃ روکنے کا نتیجہ بارش کا رُک جاتا ہے۔ اگر جانور نہ ہوں تو ایسی قوم کو پانی نہ مل سکے مستدرک میں ہے کہ جو قوم عہد شکنی کرے اس میں قتل وغارت بڑھ جاتا ہے بیہقی کی روایت میں ہے کہ جس قوم میں بدکاری پھیل جائے اس پر موت مسلط کی جاتی ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جس قوم میں ظلم وجور کی کثرت ہو جائے اس میں خانہ جنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حافظ عینیؒ نے لکھا ہے کہ جب عمرؓ نے عباسؓ سے دعا کرائی تو عباسؓ نے کہا، اے اللہ بلائیں گناہوں سے آتی ہیں اور توبہ سے دُور ہوتی ہیں۔ یہ قوم میرے ذریعے سے تیری طرف متوجہ ہے کیونکہ میرا تیرے نبیؐ کے ساتھ رشتہ ہے اور ہم اپنے گناہ گار ہاتھ تیرے سامنے اُٹھاتے ہیں اور اپنی پیشانیاں توبہ سے جھکاتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں بارش عنایت فرما۔ نماز استسقاء ۶ھ میں شروع ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لئے دعا کی۔ یہ نماز ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز، صاحبین کے نزدیک سنت، امام شافعیؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور حنابلہ کے نزدیک بھی۔ امام مالکؒ نے اسے سنت کہا ہے۔ دعائے استسقاء کا کوئی متعین وقت نہیں ہے لیکن جب اس کے لئے نماز پڑھنی ہو تو مکروہ اوقات کو چھوڑ کر پڑھی جائے۔ اگر ضروری ہو تو بار بار پڑھی جائے۔ حنفیہ کے نزدیک تین دن تک۔

۴۴۶ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبَّادَ ابْنَ تَمِيمٍ يَقُولُ، سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ الْمَازِنِيَّ يَقُولُ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلَّى، فَاسْتَسْقَى، وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ صَلَاةِ الْاِسْتِسْقَاءِ كَمْ هِيَ؟ فَقَالَ: رَكْعَتَانِ۔ وَلٰكِنْ يَبْدَأُ الْإِمَامُ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔ ثُمَّ يَخْطُبُ قَائِمًا وَيَدْعُو۔ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ۔ وَيُحَوِّلُ رِدَاءَهُ حِينَ يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ۔ وَيَجْهَرُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بِالْقِرَاءَةِ۔ وَإِذَا حَوَّلَ الْإِمَامُ رِدَاءَهُ جَعَلَ الَّذِي

عَلٰی یَمِیْنِہٖ عَلٰی شِمَالِہٖ۔ وَالَّذِیْ عَلٰی شِمَالِہٖ عَلٰی یَمِیْنِہٖ۔ وَیُحَوِّلُ النَّاسُ اَرْدِیَتَھُمْ، اِذَا حَوَّلَ الْاِمَامُ رِدَاءَہٗ۔ وَیَسْتَقْبِلُوْنَ الْقِبْلَۃَ، وَھُمْ قُعُوْدٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن زید المازنی کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کی طرف نکلے۔ پھر بارش کی نماز پڑھی اور اپنی چادر کو اُلٹ دیا جب کہ قبلہ رُخ ہوئے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ نماز استسقا کتنی ہے تو انہوں نے کہا کہ دو رکعت۔ لیکن امام اس میں پہلے نماز پڑھائے پھر خطبہ دے۔ دو رکعت نماز پڑھا کر کھڑا ہو اور خطبہ دے اور دعا کرے اور قبلہ رُخ ہو اور چادر الٹ دے جب کہ قبلہ رُخ ہو۔ دونوں رکعتوں میں قرات بآواز بلند کرے۔ اور جب چادر اُٹھائے تو دائیں جانب کو بائیں اور بائیں کو دائیں کرے اور لوگ بھی اپنی چادریں الٹائیں جب کہ امام اپنی چادر کو اُلٹائے اور بیٹھیں تو قبلہ رُخ۔

شرح: اس حدیث کو امام محمدؒ نے بھی موطا میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک استسقا میں نماز ضروری نہیں لیکن ہمارا قول یہ ہے کہ امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے اور اپنی چادر کو الٹائے۔ دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں کر دے۔ اور امام کے سوا اور کوئی ایسا نہ کرے۔ حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ استسقا کئی طرح سے ثابت ہے (۱) جمعہ کے دن منبر پر دعا فرمائی (۲) لوگوں کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے، نماز پڑھی چادر الٹائی اور دعا مانگی (۳) جمعہ کے دن کے علاوہ منبر پر دعا مانگی یعنی بغیر نماز کے (۴) مسجد میں بیٹھ کر بارش کی دعا کی (۵) احجار الزیت کے مقام پر دعا مانگی (۶) ایک جنگ میں جب کہ پانی پر مشرکوں کا قبضہ تھا، آپؐ نے بارش کی دعا کی اور بارش ہوئی۔ پس حضورؐ سے دعائے استسقا کا ثبوت تو کئی مواقع پر ہوا مگر نماز صرف ایک بار پڑھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے شاید اس لئے کہا ہے کہ استسقا میں نماز مسنون نہیں دعا یوں بھی کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا۔

۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ

استسقا کی دعائیں اور احادیث

۴۴۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ، اِذَا اسْتَسْقٰی قَالَ: "اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھِیْمَتَکَ۔ وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ۔ وَاَحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ"۔

ترجمہ: عمرو بن شعیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کی دعا کرتے تو کہتے تھے اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ "اے اللہ اپنے بندوں اور جانوروں کو پانی پلا اور اپنی رحمت کو پھیلا دے اور اپنے مُردہ شہر کو زندہ کر دے۔ (یعنی قحط زدہ اور خشک سالی کے مارے ہوئے علاقوں کو سرسبز فرما جو ان کی زندگی کا باعث ہو۔)

۴۴۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، عَنْ شَرِیْکِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ نَمِرٍ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّہٗ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ھَلَکَتِ

الْمَوَاشِي. وَتَقَطَّعَتِ السُّبُلُ. فَادْعُ اللهَ. فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمُطِرْنَا مِنَ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ. قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ تَهَدَّمَتِ الْبُيُوتُ. وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ. وَهَلَكَتِ الْمَوَاشِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُمَّ ظُهُورَ الْجِبَالِ وَالْآكَامِ، وَبُطُونَ الْأَوْدِيَةِ، وَمَنَابِتَ الشَّجَرِ". قَالَ: فَانْجَابَتْ عَنِ الْمَدِينَةِ انْجِيَابَ الثَّوْبِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْاِسْتِسْقَاءِ وَأَدْرَكَ الْخُطْبَةَ، فَأَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَهَا فِي الْمَسْجِدِ أَوْ فِي بَيْتِهِ، إِذَا رَجَعَ؟ قَالَ مَالِكٌ: هُوَ مِنْ ذٰلِكَ فِي سَعَةٍ. إِنْ شَاءَ فَعَلَ، أَوْ تَرَكَ.

ترجمہ: انس بن مالکؓ نے کہا کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے راستے بند ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ سو حضورؐ نے دعا فرمائی تو جمعہ سے جمعہ تک ہم پر بارش ہوتی رہی۔ انسؓ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی آدمی آیا اور بولا، یا رسول اللہؐ گھر ڈھے گئے اور راستے بند ہو گئے اور جانور ہلاک ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ پہاڑوں کی پشت پر اور ٹیلوں کی پشت پر اور وادیوں کے اندر، اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر۔ انسؓ نے کہا کہ بادل مدینہ سے اس طرح ہٹ گئے جس طرح کپڑا ہٹ جاتا ہے۔ د یہ دونوں مرتبہ دُعا کرنے والا خارجہ بن حصن فزاری تھا۔ گو اس حدیث زیر نظر سے بظاہر یہ دو شخص معلوم ہوتے ہیں۔ ؏ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی کی نمازِ استسقا فوت ہو جائے اور وہ خطبہ پالے تو اگر وہ چاہے تو مسجد میں یا گھر میں نماز استسقا پڑھ سکتا ہے ؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے گنجائش ہے چاہے تو نماز پڑھ لے اور چاہے تو ترک کر دے۔

۳۔ بَابُ الْاِسْتِمْطَارِ بِالنُّجُومِ

ستاروں کے ساتھ بارش طلب کرنے کا باب

۴۴۹ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ، عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "أَتَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟" قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ قَالَ أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي. وَكَافِرٌ بِي. فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ. فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي، كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ. وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا. فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي، مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.

ترجمہ: زید بن خالد جہنی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور گزشتہ رات بارش ہو چکی تھی نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے لوگوں کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ کیا تم جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا کہ اللہ اور

اس کے رسولؐ کو ہی خوب معلوم ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بوقتِ صبح میرے بندوں میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر ہوں گے۔ جو یہ کہیں گے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ملی۔ تو وہ مجھ پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے والے ہیں۔ مگر جس نے کہا کہ ہمیں فلاں فلاں ستارے کے طلوع و غروب سے بارش ملی ہے تو مجھ سے کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان لانے والا ہے۔

شرح: مشرکین کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ ستارے یا ان کا طلوع و غروب حوادثِ کائنات میں مؤثر ہے۔ مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ حکمِ الٰہی کے تابع ہے۔ بارش برسانا یا نہ برسانا اسی کے اختیار میں ہے۔ اس میں ستاروں کا کوئی دخل نہیں۔ علمِ ہیئت و نجوم والے اپنے تجربے کی بنا پر محض اندازہ بتا سکتے ہیں۔ ان کا اندازہ کبھی صحیح اور کبھی غلط نکلتا ہے، کیونکہ کائنات کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔

۴۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ: "إِذَا أَنْشَأَتْ بَحْرِيَّةً، ثُمَّ تَشَاءَمَتْ، فَتِلْكَ عَيْنٌ غُدَيْقَةٌ"۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب سمندری بادل اُٹھے اور وہ شام کی طرف چلے تو اس میں بہت زیادہ بارش ہوتی ہے۔

شرح: قاضی ابوالولید اباجی نے کہا کہ ابن نافع اور عیسیٰ بن دینار کا قول ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے: جب سمندر کی طرف سے بادل اُٹھیں، پھر گھوم کر جانبِ شام کو چل دیں (جو مدینہ سے بجانبِ شمال ہے) تو وہ ان سے بہت زیادہ بارش برستی ہے۔ یہ بات تجربے اور عادت پر مبنی ہے۔ ہر ملک کے لوگ جانتے ہیں کہ فلاں موسم میں فلاں طرف سے فلاں طرف کو چلنے والا بادل موسلا دھار بارش لاتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں ساون بھادوں کے دنوں کو موسمِ برسات کہتے ہیں۔ اور مانسون ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کو بفضلِ الٰہی دھکیل کر لاتی ہیں۔ یہ مضمون تو قرآن مجید میں بھی وارد ہے۔ بقولِ قاضی ابوالولیدؒ امام مالکؒ نے اس روایت کو یہاں اس لئے درج کیا ہے کہ اس قسم کی بات جو عادت اور رواج اور تجربے و مشاہدے سے متعلق ہے، خلافِ شرع نہیں ہوتی۔

۴۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ، إِذَا أَصْبَحَ، وَقَدْ مُطِرَ النَّاسُ، مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ ثُمَّ يَتْلُو هٰذِهِ الْآيَةَ۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ ابوہریرہؓ صبح کو کہتے تھے جب کہ بارش ہو چکی ہوتی تھی کہ ہم پر فتح کی نوء کے باعث بارش برسی ہے۔ پھر وہ یہ آیت پڑھتے تھے۔ اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھولے تو اُسے بند کرنے والا کوئی نہیں

شرح: یعنی بارش رحمتِ خداوندی کی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی برستی ہے۔ اس کا باعث کسی ستارے کا طلوع و غروب نہیں ہے بلکہ رحمتِ خداوندی کے دروازے کا کھلنا اسی کا باعث ہے۔

۱۴۔ كِتَابُ الْقِبْلَةِ

۱۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ، وَالْإِنْسَانُ عَلَى حَاجَةٍ

رفع حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونے کی ممانعت کا باب

اس مسئلہ میں روایات و آثار میں اختلاف ہے۔ اسی سبب سے فقہا میں اختلاف واقع ہو گیا۔ نہی صرف استقبال قبلہ سے نہیں بلکہ استدبار (پشت کرنا) سے بھی ہے۔ فقہائے امصار کے اس بارے میں آٹھ قول ہیں مشہور تر یہ تین ہیں (۱) دونوں سے مطلقاً ممانعت ہے (۲) دونوں مطلقاً مُباح ہیں (۳) صحراؤں اور آبادیوں میں اس حکم کا اختلاف۔ حنفیہ کا مسلک پہلا ہے۔ ان کا استدلال نہی کی عام احادیث سے ہے جن میں صحرا و غیر صحرا کا کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ نہی اجازت و اباحت پر مقدم ہوتی ہے۔ اور تحریم کا اباحت پر مقدم ہونا اصول فقہ کا مسلّم قاعدہ ہے۔

۴۵۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ رَافِعِ بْنِ إِسْحَاقَ مَوْلًى لِآلِ الشِّفَاءِ وَكَانَ يُقَالُ لَهُ مَوْلَى أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ، صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ بِمِصْرَ، يَقُولُ: وَاللَّهِ! مَا أَدْرِي كَيْفَ أَصْنَعُ بِهَذِهِ الْكَرَابِيسِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ أَوِ الْبَوْلَ، فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا بِفَرْجِهِ"

ترجمہ: رافع بن اسحاق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ابوایوب انصاریؓ کو مصر میں کہتے سنا کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ ان حاجت گاہوں کو کیا کروں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب تم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے یا بول کے لئے جائے تو اپنی شرم گاہ سے قبلہ کی طرف مُنہ کرے نہ پشت کرے۔ (صحیحین وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ابوایوبؓ نے کہا کہ جب ہم لوگ شام میں گئے تو ہم نے قبلہ رُخ بنے ہوئے حاجت خانے پائے۔ پس ہم منہ موڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔)

۴۵۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةُ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ۔

ترجمہ: نافع نے ایک انصاری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ رُخ ہوں۔ (نافع یہ روایت جس شخص سے کرتا ہے وہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ[۱] مشہور تابعی ہے۔ یحییٰ کے مؤطا میں یہ روایت مُرسل ہے کیونکہ ابن ابی لیلیٰ صحابی نہیں۔ دیگر راوی ابن ابی لیلیٰ کی روایت کو اس کے باپ سے روایت کرتے ہیں، جو ابولیلیٰ[۲] صحابی ہے۔)

۲- بَابُ الرُّخْصَةِ فِي اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ لِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ

قبلہ رُخ ہونے کی رخصت کا باب

اس باب سے شاید یہ ثابت کرنا مطلوب ہے کہ ممانعت تو عزیمت ہے۔ مگر رخصت یہ ہے کہ آدمی اس حالت میں قبلہ رُخ ہو جائے۔ مگر امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ آبادی میں اباحت ہے اور صحرا میں حرمت۔ اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ ممانعت ہر جگہ ہے مگر بطور عزیمت۔ اور اگر کوئی استقبال کرے تو جواز ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۵۴- حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ أُنَاسًا يَقُولُونَ: إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَقَدِ ارْتَقَيْتُ عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، لِحَاجَتِهِ۔ ثُمَّ قَالَ: لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ۔ قَالَ قُلْتُ لَا أَدْرِي، وَاللهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: يَعْنِي الَّذِي يَسْجُدُ وَلَا يَرْتَفِعُ عَلَى الْأَرْضِ۔ يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ کچھ لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب تو رفع حاجت کے بیٹھے تو قبلہ رُخ نہ ہو۔ اور بیت المقدس کا رُخ بھی نہ کر (مدینہ منورہ سے مکہ اور بیت المقدس دونوں متخالف اطراف میں واقع ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نہ قبلہ کی طرف مُنہ کر نہ پشت)۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اینٹوں پر رفع حاجت کے لئے بیت المقدس کی طرف مُنہ کئے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ پھر عبداللہ نے واسع بن حبان سے کہا کہ شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے سرینوں پر نماز پڑھتے ہیں۔ واسع نے کہا کہ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم واللہ۔ امام مالکؒ نے کہا کہ عبداللہ کی مراد وہ لوگ ہیں جو سجدہ زمین سے چمٹ کر کرتے ہیں اور جسم کو اوپر نہیں اُٹھاتے۔

شرح: عبداللہ بن عمرؓ نے جس گھر کا ذکر کیا ہے یہ ان کی بہن حفصہؓ کا گھر تھا، جو ان کی سگی بہن تھیں۔ اور یہی ان کے وارث ہوئے۔ عبداللہ بن عمرؓ اتفاقاً مکان کی چھت پر گئے ہوں گے۔ اور ان کی نظر اتفاقاً حضورؐ پر پڑ گئی ہوگی۔ ورنہ ایسی حالت میں کسی شخص کو دیکھنا جائز نہیں چہ جائے کہ عبداللہؓ جیسا باادب جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا۔ ظاہر ہے کہ وہ نظر بچا کر نہیں دیکھ سکے ہوں گے احتمال ہے کہ حضورؐ کا رُخ عین بیت المقدس کی طرف نہ ہو گا۔ جس سے پُشت پر قبلہ ہونا لازم آتا۔ اندریں حالات اس حدیث سے رخصت کا استدلال تام نہیں اور نہی کی احادیث صحیح ہیں، بہت سی ہیں اور مشہور ہیں۔ ان میں قبلہ کے استقبال و استدبار دونوں کی ممانعت کی صراحت ہے۔ پس انہی کو ترجیح دی جائے گی۔ آخری عبارت سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ابن عمرؓ نے بظاہر ایک غیر متعلق بات کیوں کہی؟ اس کا جواب واضح نہیں ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ابن عمرؓ کی مراد یہ ہوگی کہ وہ لوگ سنت کو نہیں سمجھتے۔ ابن عمرؓ کا مذہب اس مسئلہ میں تھا کہ آبادی میں استقبال و استدبار جائز ہیں اور صحراؤں میں نہیں۔

٣۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبُصَاقِ فِي الْقِبْلَةِ

قبلہ رُخ پر تھوکنے کی ممانعت

۴۵۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ، فَحَكَّهُ. ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: "إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي، فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ. فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، قِبَلَ وَجْهِهِ، إِذَا صَلَّى".

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں تھوک دیکھا تو اسے کھرچ دیا۔ پھر لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی نماز میں ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ نماز میں ہو۔ (بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے خطبہ کی حالت میں یہ دیکھا تھا۔ پھر زعفران منگا کر اس جگہ پر لگایا۔ مسلم میں جابرؓ کی حدیث میں ان کے محلہ کی مسجد میں بھی اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے کہ حضورؐ نے مسجد کی دیوار پر کھنکار دیکھ کر غضب کا اظہار فرمایا، اُسے کھرچا اور خوشبو منگا کر اس جگہ پر مل دی۔ احادیث میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ان احادیث سے مسجدوں کو خوشبو دار اور پاک صاف رکھنے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ نماز میں آدمی حضور خداوندی میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس وقت سامنے تھوکنا اور بھی بے ادبی اور گستاخی ہوا۔ اس سے قبلہ کی تعظیم و احترام معلوم ہوئی۔ جب تھوکنے کی اتنی ممانعت ہے تو اس طرف مُنہ یا پُشت کر کے رفع حاجت کرنا اور بھی سنگین ہوگا۔ اس حدیث سے بعض ان ملحدوں اور مجسّمہ کا ردّ نکلا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر تشریف فرما ہے۔ پھر اس حدیث کی دوسری روایات میں جو باتیں پاؤں کے نیچے تھوک کر اسے مٹی میں چھپانے کا حکم ہے، اس سے ان معتزلہ کا بھی ردّ نکلا، جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذاتِ اقدس مکان و زمان اور جہت کی پابندیوں سے ارفع و اعلیٰ ہے)

۴۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ بُصَاقًا، أَوْ مُخَاطًا، أَوْ نُخَامَةً، فَحَكَّهُ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں تھوک یا رینٹ یا کھنکار دیکھا تو اسے کھرچ ڈالا (اس سے معلوم ہوا کہ بعض اشیا جو نجس تو نہیں، مگر ان میں غلاظت اور بدبو پائی جائے یا انسانی طبیعت کو اس سے گھن آئے، ان سے مسجدوں کو پاک رکھنا ضروری ہے۔)

٢۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ

قبلہ کا بیان

۴۵۷۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ

قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ. وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ. فَاسْتَقْبِلُوهَا. وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ مسجد قبا میں لوگ صبح کی نماز میں تھے کہ کوئی آنے والا آیا اور بولا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات قرآنی آیات اُتری ہیں اور آپؐ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا ہے۔ پس ان لوگوں نے منہ کر لیا۔ پہلے ان کا شام کی طرف تھا۔ اب وہ گھوم کر کعبہ کو پھر گئے۔ (اس حدیث کو امام محمدؒ نے موطا میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی مختار ہے کہ جو شخص خطاء ایک یا دو رکعت کسی اور طرف کو پڑھ لے۔ پھر اسے معلوم ہو جائے کہ وہ قبلہ کے علاوہ کسی اور جہت کو نماز پڑھ رہا ہے تو وہ قبلہ کو پھر جائے۔ باقی نماز کو قبلہ رُخ پڑھے۔ اور پہلی ٹھیک ہو گئی اور یہی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ بَابُ بَدْءِ أَمْرِ الْقِبْلَةِ الخ)

شرح: تحویلِ قبلہ کا واقعہ رجب ۲ھ میں پیش آیا۔ حکم خداوندی فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ نماز ظہر میں آیا۔ آپ اس وقت اپنی مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے۔ دو رکعت پڑھی جا چکی تھیں کہ یہ حکم ملا اور آپ اسی وقت قبلہ رُخ ہو گئے تھے مقتدا آنجناب کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔ بنو حارثہ کی مسجد میں اطلاع عصر کے وقت پہنچی اور مسجد قبا میں اگلی صبح کو۔ لوگوں کو چونکہ اسی حکم کا پہلے سے انتظار تھا۔ لہٰذا کسی کو تعجب یا بیگانگی محسوس نہ ہوئی۔ اسی طرح سے تمام احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ نے اس واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ خبر واحد واجب العمل ہے۔ جبکہ راوی ثقہ ہو۔

۴۵۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ. ثُمَّ حُوِّلَتِ الْقِبْلَةُ قَبْلَ بَدْرٍ بِشَهْرَيْنِ۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ مدینہ تشریف لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۶ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا پھر جنگ بدر سے دو ماہ قبل قبلہ کو (بحکم خداوندی) بدل دیا گیا۔

شرح: یہی حدیث ایک ضعیف طریق سے مسند آئی ہے۔ یہاں یہ مرسل ہے۔ اس کا مضمون کئی صحیح احادیث میں آچکا ہے اس حدیث میں سولہ ماہ کا ذکر ہے۔ بعض میں ۱۷ ماہ آیا ہے۔ مدینہ میں حضورؐ کا ورود مسعود ربیع الاول میں ہوا تھا۔ اور تحویل قبلہ کا واقعہ ۲ھ کے نصف رجب میں پیش آیا۔ اس طرح ۱۶ ماہ بنتے ہیں۔ بعض نے زائد دنوں کو ایک پورا مہینہ شمار کر کے ایک ماہ کہا ہے۔ جمہور کے نزدیک بیت المقدس کی طرف نماز حضورؐ نے بامر الٰہی پڑھی تھی تاکہ آپؐ ہر دو قبلہ کو جمع کریں۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ یہ آپؐ کے اجتہاد سے ہوا تھا۔ مکہ میں آپ کعبہ کو سامنے رکھ کر بیت المقدس کی طرف منہ کر لیتے تھے۔ مگر مدینہ میں یہ ممکن نہ رہا تھا کیونکہ ایک طرف منہ کرنے سے دوسرے کی طرف پشت ہوتی تھی۔ آخری حکم یہ آیا کہ قبلۂ ابراہیمی کو ہی قبلہ اہل اسلام ٹھیرایا گیا۔

۴۵۹۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ

وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ إِذَا تُوُجِّهَ قِبَلَ الْبَيْتِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب بیت اللہ کی طرف منہ کیا جائے تو مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

شرح: یہ حدیث مرسل ہے۔ کیونکہ نافع کی ملاقات حضرت عمرؓ سے نہیں ہوئی۔ بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ مسند بیان کیا ہے اور ترمذی میں ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔ یہ حدیث مدینہ والوں کے لئے ہے۔ جن کا قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ جب آدمی وہاں قبلہ رُخ کھڑا ہو، مغرب دائیں ہاتھ ہو اور مشرق بائیں ہاتھ، تو رُخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔ پس دنیا بھر کے لوگوں کو قبلہ کی جہت کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا کافی ہے۔ عین کعبہ کا سامنے ضروری نہیں۔

۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا باب

۴۶۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ سَلْمَانَ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ۔ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز اور مسجدوں میں ہزار نماز سے بہتر ہے۔ سوائے مسجد حرام کے۔

شرح: اس مضمون کی احادیث علیؓ، میمونہؓ، ابوسعیدؓ، جبیر بن مطعمؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابن عمرؓ، ابوذرؓ، ارقم بن ابی الارقمؓ اور انسؓ سے مروی ہیں۔ مسجد نبوی سے مراد وہ ساری مسجد ہے جو بعد میں بھی اضافے کے ساتھ مسجد نبوی کہلاتی ہے۔ گو بعض علما نے ہذا کے اشارے سے صرف وہی مسجد لی ہے جو حضورؐ کے وقت میں تھی۔ اسی طرح المسجد الحرام سے بھی وہ ساری مسجد مراد ہے جو اس وقت تھی۔ یا آئندہ بھی اضافہ کے ساتھ ہوگی۔ اس مضمون کی بعض مرفوع احادیث بھی موجود ہیں کہ حضورؐ نے بعد کے اضافوں کو بھی اپنی مسجد قرار دیا تھا۔ اس حدیث کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ اس کا مطلب مسجد نبوی کو مسجد حرام پر فضیلت دینا ہے۔ یعنی مسجد حرام کے سوا دوسری مسجدوں کی نسبت تو مسجد نبوی کی نماز ہزار درجہ بہتر ہے۔ لیکن مسجد حرام سے اس کی افضلیت دوسری مساجد سے کم ہے۔ مثلاً ۹۹۹ درجے۔ لیکن عامۃ اہل فقہ و حدیث نے مسجد حرام کو مسجد نبوی پر فضیلت دی۔

حافظ ابن حجرؒ نے مسجد حرام کی افضلیت پر ابن ماجہ کی حدیث پیش کی ہے۔ جسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے کہ میری اس مسجد میں نماز دیگر مساجد میں نماز سے ہزار درجہ افضل ہے۔ اور مسجد حرام میں نماز میری مسجد میں نماز کی نسبت سو درجے افضل ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث مرفوع میں ہے (عن جابرؓ)، کہ میری مسجد میں نماز دیگر مساجد کی نسبت ہزار درجے بہتر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا دیگر مساجد کی نسبت ایک لاکھ درجے افضل ہے۔

۴۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا بَيْنَ بَيْتِي وَ مِنْبَرِي، رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ. وَ مِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ یا ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر کے اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

شرح: مؤطا کے بعض نسخوں میں بیتی کے بجائے قبری کا لفظ ہے اور یہاں پر وہی مراد ہے۔ کیونکہ طبرانی نے ابن عمرؓ سے اور بزار نے سعد بن ابی وقاصؓ سے مابین قبری ومنبری روایت کیا ہے۔ بیت سے مراد قبر اس لئے بھی ہے کہ حضورؐ کا مزار شریف آپؐ کے گھر میں ہی واقع ہے یعنی اُم المومنین عائشہ کے گھر میں۔ جنت کے باغ سے مراد یا یہ ہے کہ اس جگہ میں نماز پڑھنا باعث دخول جنت ہے۔ جیسے فرمایا، جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔ اور فرمایا: ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں یا یہ کہ اس جگہ کو آخرت میں جنت کے باغ میں تبدیل کیا جائے گا اور منبر کے حوض پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حوض جسمانی پیاس بجھانے کا ذریعہ ہے اور آپ کا منبر روحانی پیاس بجھانے کا مقام ہے کہ اس پر سے حضورؐ نے لوگوں کو ہدایت دی اور جنت کی راہ بتائی، گویا اس منبر سے ملنے والی ہدایت پر عمل کرنے والے حوضِ کوثر سے سیراب ہوں گے۔

۴۶۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ زَيْدٍ الْمَازِنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي، رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن زید مازنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے گھر کے اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (گفتگو اوپر دیکھیے۔)

۶۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

عورتوں کے مسجد میں جانے کا باب

۴۶۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ"۔

ترجمہ: مالکؒ کو عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔ (دوسری احادیث میں زیب و زینت کے ساتھ نہ آنے کی شرط موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابن عمرؓ کی ایک مرفوع حدیث ہے۔ جسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے کہ اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔ اور ان کے گھران

کے لئے بہتر ہیں

۴۶۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ صَلَاةَ الْعِشَاءِ، فَلَا تَمَسَّنَّ طِيْبًا"۔

ترجمہ: مالکؒ کو بُسر بن سعید سے حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم عورتوں میں سے کوئی نماز عشا میں آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔

شرح: عورت کی خوشبو فتنے کا باعث ہے اور اسی حکم میں وہ سب چیزیں ہیں جو باعثِ فتنہ ہوں۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ عورتیں بلا زیب و زینت آئیں۔ مالکؒ کی اس بلاغی روایت کو مسلم اور نسائی نے عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ سے مرفوع روایت کیا ہے۔

۴۶۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ عَاتِكَةَ بِنْتِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، اِمْرَاَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، اَنَّهَا كَانَتْ تَسْتَاْذِنُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيَسْكُتُ۔ فَتَقُوْلُ: وَاللّٰهِ لَاَخْرُجَنَّ، اِلَّا اَنْ تَمْنَعَنِیْ۔ فَلَا يَمْنَعُهَا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی عاتکہؓ بنت زید بن عمرو بن نفیل حضرت عمرؓ سے مسجد میں جانے کی اجازت مانگتی تو وہ خاموش رہتے تھے۔ وہ کہتی تھی واللہ جب تک آپ منع نہ کریں گے میں جاؤں گی تو وہ منع نہ کرتے تھے۔

شرح: ان حدیثوں کے الفاظ سے اور عاتکہؓ کے اجازت مانگنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو روکنے کا حق ہے۔ حضرت عمرؓ اپنی فطری غیرت کی بنا پر خاموش رہتے اور صریح اجازت نہ دیتے تھے۔ مگر حضورؐ کی گزشتہ حدیث نمبر ۴۶۳ کے باعث صاف منع بھی نہ کرتے تھے۔

۴۶۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّهَا قَالَتْ: لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ، لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ، كَمَا مُنِعَهُ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ۔

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ: اَوَمُنِعَ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ الْمَسَاجِدَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، جو کچھ عورتوں نے ایجاد کیا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ پاتے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔

شرح: ابن ارسلان نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں عورتیں بڑی چادروں، کمبلوں اور موٹے

کپڑوں میں مسجد میں آتی تھیں۔ ام المومنینؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں نے بعد میں حدود سے تجاوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ مصنف عبدالرزاق میں بسند صحیح حضرت عائشہ ام المومنینؓ سے عروہ نے روایت کی ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے لکڑی کی کھڑاویں بنالی تھیں تاکہ مسجد میں مردوں کو شوق دلائیں اور اپنی طرف متوجہ کریں۔ اسی بنا پر فقہائے اسلام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکیاں کو مسجد میں آنے سے روکا جائے۔ اور بڑی عمر کی عورتیں جماعت میں حاضر ہوں تو حرج نہیں۔ فتنے کے وقت میں کسی عورت کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دی جائے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجدوں سے عورتوں کو مطلقاً روک دیا جائے اور عرسوں قوالیوں، میلوں ٹھیلوں اور مخلوط تعلیم کی درس گاہوں میں ان کا ہر بند ڈھیلا کر دیا جائے جیسا کہ آج کل ہے۔

۱۵- کِتَابُ الْقُرْاٰنِ

۱- بَابُ الْاَمْرِ بِالْوُضُوْءِ لِمَنْ مَسَّ الْقُرْاٰنَ

۴۶۷- حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ حَزْمٍ، اَنَّ فِی الْکِتَابِ الَّذِیْ کَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: "اَنْ لَّا یَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرٌ".

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا یَحْمِلُ اَحَدٌ الْمُصْحَفَ بِعِلَاقَتِهٖ. وَلَا عَلٰی وِسَادَةٍ، اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ. وَلَوْ جَازَ ذٰلِكَ لَحُمِلَ فِیْ خَبِیْئَتِهٖ. وَلَمْ یُکْرَهْ ذٰلِكَ، لِاَنْ یَّکُوْنَ فِیْ یَدَیِ الَّذِیْ یَحْمِلُهٗ شَیْءٌ یُدَنِّسُ بِهِ الْمُصْحَفَ. وَلٰکِنْ اِنَّمَا کُرِهَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّحْمِلُهٗ وَهُوَ غَیْرُ طَاهِرٍ، اِکْرَامًا لِّلْقُرْاٰنِ وَتَعْظِیْمًا لَّهٗ.

قَالَ مَالِكٌ: اَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ ﴿لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾ اِنَّمَا هِیَ بِمَنْزِلَةِ هٰذِهِ الْاٰیَةِ، الَّتِیْ فِیْ عَبَسَ وَتَوَلّٰی، قَوْلُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی ﴿کَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ. فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَهٗ. فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ کِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾

ترجمہ: مالکؒ نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط عمرو بن حزمؓ کو لکھا تھا اس میں یہ حکم بھی تھا کہ صرف پاک شخص قرآن کو چھوئے۔ مالکؒ نے کہا کہ کوئی شخص بے وضو ہونے کی صورت میں قرآن کو اس کی ڈوری کے ساتھ یا تکیے پر نہ اٹھائے۔ مالکؒ نے کہا کہ اگر یہ جائز ہوتا تو قرآن کو اس کے غلاف میں بھی اٹھالیا جاتا۔ اور یہ اس علت سے مکروہ نہ ہوتا کہ اٹھانے والے کے ہاتھ میں کوئی چیز لگی ہوگی۔ جس کے ساتھ وہ مصحف کو آلودہ کرے گا۔ پس کراہت کی یہ علت نہیں بلکہ اٹھانے والے کے لئے اسے بے وضو یا بے غسل ہونے کی حالت میں اٹھانا اس لئے مکروہ ہے کہ یہ قرآن کے اکرام و تعظیم کے لئے ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ قرآن کی آیت لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی بہترین تفسیر جو میں نے سُنی وہ یہ آیت ہے جو سورہ عبس میں ہے، کہ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۔ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۔ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔

شرح: خلاصہ یہ ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک قرآن کو اس کی ڈوری، غلاف، حمائل، چمڑے کی جلد وغیرہ میں بھی بے وضو اُٹھانا جائز نہیں۔ یہی اوزاعیؒ اور شافعیؒ کا مذہب بھی ہے۔ لیکن ڈوری کے ساتھ یا بیرونی غلاف یا کسی ایسی چیز کے ساتھ اٹھانا جو قرآن سے الگ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، شعبیؒ، القاسم بن محمدؒ، ابو وائلؒ، الحکمؒ اور حماد کے نزدیک جائز ہے ممانعت کی اصل علت مصحف کو مس کرنا ہے اور ان مذکورہ چیزوں کے واسطے کی صورت میں قرآن کا مس نہیں ہوتا۔

۲۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

وضو کے بغیر قرآن پڑھنے کی رخصت کا باب

۴۲۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ اَبِيْ تَمِيْمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ فِيْ قَوْمٍ وَهُمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ فَذَهَبَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَهُوَ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ۔ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَتَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَلَسْتَ عَلٰى وُضُوْءٍ؟ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: مَنْ اَفْتَاكَ بِهٰذَا؟ اَمُسَيْلِمَةُ؟

ترجمہ: محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں میں تھے جو قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ رفع حاجت کے لئے گئے پھر واپس آئے اور وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ایک مرد نے ان سے کہا، اے امیرالمومنینؓ آپ وضو کے بغیر قرآن پڑھتے ہیں؟ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے یہ فتویٰ کس نے دیا؟ مسیلمہ نے دیا؟

شرح: جمہور کے نزدیک کے نزدیک قرآن کی قرأت وضو کے بغیر جائز ہے اور ذکر اللہ بھی جائز ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ بقول علامہ ابن رُشدؒ اس اختلاف کا باعث دو ثابت شدہ متعارض حدیثیں ہیں۔ ایک تو ابوجہیمؓ کی حدیث کہ حضورؐ نے ان کے سلام کا جواب تیمّم کے بعد دیا۔ دوسری حدیث حضرت علیؓ کی ہے کہ جنابت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی۔ پس جمہور کے نزدیک یہ حدیث پہلی کی ناسخ ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ اس کے جواز کے دلائل بے شمار ہیں۔ جن میں سے بعض دعائیں جماع کے وقت پڑھنے کی حدیث ہے اور اسی طرح بیت الخلا سے نکل کر کچھ اذکار صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ اسی طرح رات کو اُٹھ کر حضورؐ نے سورہ آلِ عمران کی دس آیات وضو سے قبل پڑھیں۔

زیر نظر حدیث میں بطور تدریس و تعلیم اور بر سبیلِ مذاکرہ قرآن کی اجتماعی قرأت کا ثبوت ہے لیکن کچھ لوگ جو شہرت طلبی کے لئے قرآن سناتے ہیں اور اس کے لئے محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ اس کا جواز حنفی و مالکی فقہ میں نہیں ہے۔ یاد کرنے، ایک دوسرے کی غلطی نکالنے کی غرض سے قرآن کا دَور مشروع ہے کہ باری باری پڑھا جائے۔ اسی طرح سب لوگ اگر بیک وقت بآواز بلند پڑھ رہے ہوں تو اس میں استماع و انصات نہیں ہوتا اس لئے مکروہ ہے۔

جناب عمر فاروقؓ سے سوال کرنے والا شخص قاضی ابوالولید الباجی کے بقول ابومریم الحنفی تھا جو مسیلمہ کی قوم بنو حنیفہ سے تھا۔ اس لئے حضرت نے اس سے یہ فرمایا کہ کیا یہ فتویٰ تجھے مسیلمہ نے دیا تھا؟ یہ شخص مسیلمہ کا پیروکار رہ چکا تھا۔ اور اس نے زید بن الخطابؓ کو قتل کیا تھا۔ بعد میں یہ تائب ہوگیا تھا۔ یہ جو کچھ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا تھا۔ اس کے باوجود اسے بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس سے خلفائے راشدین کا حسنِ سیرت معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ بَابُ مَاجَاءَ فِي تَحْزِيبِ الْقُرْآنِ

تلاوت کے لئے قرآن کے پارے کرنے کا باب

سورتوں کی تحدید کے سوا شرعاً قرآن کی کوئی تحدید و تجزیہ ثابت نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت وحفظ کی ترغیب بہت سی احادیث میں ثابت ہے۔ حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ثابت ہے کہ میں نے قرآن کا ایک جزء پڑھا۔ عبداللہ بن عمروؓ بن عاص کو سنن ابی داؤد میں حضورؐ کا یہ حکم دینا ثابت ہے کہ قرآن کو سات دنوں میں پڑھا کرو اور اس میں اضافہ مت کرو۔ شاید قراء نے اسی لئے سات منازل ٹھیرائی تھیں۔ عبداللہ بن عمروؓ سے تین دن میں قرآن وارد ہوا ہے اور یہ کہ اس سے کم عرصے میں ختم کرنے والا اسے سمجھ نہیں سکتا۔ در اصل تلاوت کا معاملہ اپنی استطاعت اور نشاط پر منحصر ہے۔ حضرت عثمانؓ سے ایک رات میں ختم قرآن کی روایت موجود ہے۔ بلا عذر چالیس دن سے زیادہ کا عرصہ ختم میں لگانا اچھا نہیں۔ عذر ہو تو بات دوسری ہے۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے کہ سال میں کم از کم دو ختم ضرور ہونے چاہئیں بشرطیکہ زیادہ کی استطاعت نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ سے الحسن بن زیاد نے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے عمر کے آخری سال میں قرآن کا دور جبریلؑ کے ساتھ دوبارہ کیا تھا۔ لہٰذا جس نے سال بھر میں دو ختم کرلئے اس نے تلاوتِ قرآن کا حق ادا کردیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۶۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَرَأَهُ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ إِلَى صَلَاةِ الظُّهْرِ، فَإِنَّهُ لَمْ يَفُتْهُ. أَوْكَأَنَّهُ أَدْرَكَهُ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، جس شخص کی رات کی تلاوت کا ورد فوت ہوجائے اور وہ اسے زوالِ آفتاب سے لے کر ظہر تک پڑھ لے تو اس کا ورد فوت نہ ہوا یا یہ فرمایا کہ اس نے گویا کہ اپنا ورد پورا کرلیا۔ (اس حدیث کی بعض روایات میں نمازِ فجر سے لے کر ظہر تک کا لفظ آیا ہے اور یہ روایت بعض سندوں سے مرفوع بھی ثابت ہے۔)

۴۷۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ، جَالِسَيْنِ. فَدَعَا مُحَمَّدٌ رَجُلًا. فَقَالَ: أَخْبِرْنِي بِالَّذِي سَمِعْتَ مِنْ أَبِيكَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: أَخْبَرَنِي أَبِي أَنَّهُ أَتَى زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، فَقَالَ لَهُ: كَيْفَ تَرَى فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي

سَبْعٍ؟ فَقَالَ زَيْدٌ: حَسَنٌ. وَلَأَنْ أَقْرَأَهُ فِي نِصْفٍ، أَوْ عَشْرِينَ أَحَبُّ إِلَيَّ. وَسَلْنِي، لِمَ ذَاكَ؟ قَالَ: فَإِنِّي أَسْأَلُكَ. قَالَ زَيْدٌ: لِكَيْ أَتَدَبَّرَهُ وَأَقِفَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں اور محمد بن یحییٰ بن حبانؒ بیٹھے ہوئے تھے۔ محمدؒ نے ایک شخص کو بلایا اور اس سے کہا کہ مجھے وہ بات بتاؤ جو تم نے اپنے باپ سے سنی ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے خبر دی کہ وہ زید بن ثابتؓ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ قرآن کی قرأت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جب کہ اسے سات دن میں ختم کیا جائے؟ زید نے کہا کہ یہ اچھا ہے اور مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ بات ہے کہ میں قرآن کو نصف ماہ میں یا بیس دن میں ختم کروں اور تم مجھ سے پوچھو کہ ایسا کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ زید نے کہا کہ یہ اس لئے کہ میں اسے سمجھ کر پڑھوں۔ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھوں۔ (قرأت کا یہی طریقہ افضل و احسن ہے۔ اور سلف صالحین سے یہی ثابت ہے۔)

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُرْآنِ

قرآن کی قراءتوں اور نزول وغیرہ کا بیان

۱۷۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا. وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيهَا فَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ. ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتَّى انْصَرَفَ. ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَجِئْتُ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَرْسِلْهُ" ثُمَّ قَالَ: "اِقْرَأْ يَا هِشَامُ" فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هٰكَذَا أُنْزِلَتْ" ثُمَّ قَالَ لِي: "اِقْرَأْ" فَقَرَأْتُهَا. فَقَالَ: هٰكَذَا أُنْزِلَتْ. إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ."

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبد القاری نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو فرماتے سنا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۃ الفرقان اس قراءت کے علاوہ پڑھتے سنا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں اس پر جھپٹ پڑتا۔ مگر میں نے مہلت دی حتیٰ کہ اس نے نماز ختم کر لی۔ پھر میں نے اس کی چادر اس کے گلے میں ڈالی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔

میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے اس شخص کو سورۂ الفرقان اس قرارت کے علاوہ پڑھتے سُنا ہے جو آپؐ نے مجھے پڑھائی تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے چھوڑ دے۔ پھر آپؐ نے فرمایا پڑھ۔ پس اس نے وہی قرأت پڑھی جو اُسے میں نے پڑھتے سُنا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ اسی طرح اُتری ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تو پڑھ، تو میں نے پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا یہ اسی طرح اُتری ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حرفوں پہ اُترا ہے تو تم اسے اس طرح پڑھو جو میسّر ہو۔

شرح: یہ اختلافِ قرارت صرف چند حروف میں تھا نہ کہ ساری سورت میں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کون سے حروف تھے جن میں سورہ الفرقان کے اندر اختلافِ قرارت ہوا۔ محدث علی القاریؒ نے کہا کہ یہ حدیث ۲۱ صحابہ سے مروی ہے۔ اور متواترہ حدیث ہے۔ اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہوا ہے۔ بقولِ حافظ ابن حجرؒ۔ ابن حبانؒ نے ان کا عدد ۳۵ تک بیان کیا ہے۔ مگر بقول منذری ان میں سے اکثر غیر مختار ہیں۔ قاری نے ۴۰ تک لگائے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی معلوم نہیں۔ کیونکہ حرف کا لفظ صرف ہجاء، کلمہ معنیٰ اور جہت پر بولا جاتا ہے۔ احاد میں اس کا معنیٰ کثرت ہوتی ہے۔ جیسے کہ ستر کا لفظ عشرات میں اور سات سو کا لفظ مئات میں کثرت ظاہر کرتا ہے۔ پس اس بنا پر بعض شارحین کے نزدیک یہاں پر سات کا عدد حقیقی طور پر مراد نہیں ہے بلکہ کثرت مراد ہے اور منشا اس کا تسہیل وتیسیر اور اظہار شرف ہے لیکن اکثر علما کے نزدیک سات کا عددِ معین مراد ہے۔ علامہ علی القاریؒ اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک محض کثرت مراد ہے نہ کہ عدد معین۔ جنہوں نے سات کا عدد مراد لیا ہے، ان کے نزدیک اس سے مراد عرب کی سات فصیح لُغات ہیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے لغات مراد لینے سے انکار کیا ہے۔ دلیل اس کی یہ بھی ہے کہ عمر بن الخطابؓ اور ہشام ہر دو کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا جن کی زبان ایک تھی۔ گویا ابن عبدالبر کے نزدیک سبعۃ حرف سے مراد معانی کے سات وجوہ ہیں۔ یعنی جب الفاظ مختلف اور معانی متفق ہوں۔ مثلاً اَقْبِلْ، تَعَالَ، هَلُمَّ سب کا معنی ایک ہے۔ اسی طرح عَجِّلْ، اَسْرِعْ کا معنیٰ ایک ہے۔ سفیان بن عیینہؒ۔ ابن وہبؒ اور بہت سے لوگوں کا یہی قول ہے۔ مگر مشکل ہے کہ حدیث کی اباحت اپنی خواہشات کے تابع تو نہیں ہوسکتی کہ جو کوئی چاہے ایک لفظ کے بجائے دوسرا لفظ بول دے۔ یہ چیز سماع پر مبنی ہے۔ مگر احادیث میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ اگر سَمِيعًا عَلِيمًا کی جگہ عَزِيزًا حَكِيمًا بول دیں، معانی نہ بدلیں اور آیتِ عذاب کو رحمت سے اور آیتِ رحمت کو عذاب سے نہ بدلیں تو حرج نہیں۔

امام نوویؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کے نزدیک سبعۃ احرف سے مراد الفاظ کے بولنے کے سات لہجے ہیں۔ جن میں ادغام واظہار اور وغیرہ کا فرق ہوتا تھا۔ ان وجوہ کے لحاظ سے عربوں کی لغات مختلف تھیں اور دوسری لغات کا بولنا ان کے لئے مشکل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آسانی پیدا کر دی کہ اپنے اپنے لب ولہجہ کے مطابق پڑھ لیا کریں اور فصحائے عرب کی سات لغات یہ تھیں۔ قریش، ہذیل، تیم الرباب، ازد، ربیعہ، ہوازن، سعد بن بکر۔ ہر کلمے میں یہ سات لغات مراد نہیں بلکہ کوئی کلمہ کسی لُغت کا اور کوئی کسی لُغت کا ہے۔

اکثر علما کا قول یہ ہے کہ سبعۃ احرف کی اباحت پہلے تھی کیونکہ بہت سے لوگوں پر الفاظ کی قراءت ایک ہی حرف پر مشکل تھی۔ بعد میں جب یہ مشکل دُور ہوگئی تو یہ اجازت ختم ہوگئی اور قراءت کا معاملہ ایک حرف پر قائم ہوگیا۔ ابن عیینہ، ابن وہب، طبری اور طحاوی کا یہی قول ہے۔ لیکن بعض علما مثلاً قاضی ابوالولید الباجی کہتے ہیں کہ جن حروف پر قرآن پڑھا گیا تھا وہ اب بھی باقی ہیں اور سارے قرآن میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ حروف ان مشہور قرا آتِ سبعہ کے علاوہ ہیں۔ یہ قرآتِ سبعہ وعشرہ تو بعد کے قُرّاء مثلاً عاصم، نافع اور حفص وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ امام طحاویؒ اور بعض دوسرے ماہر علمانے کہا ہے کہ یہ قراءتیں ان حروفِ سبعہ میں سے ایک حرف کے اندر داخل ہیں۔ مگر ابوعبیدہ بن عرفہ نے کہا ہے کہ وہی حروفِ سبعہ ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں۔ اور

یہ بھی اسلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے کہ سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی یہ محفوظ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حروف سبعہ انہی قراءتوں کے اندر داخل ہیں۔ لیکن شروع شروع میں لوگوں کو آسانی کی خاطر یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ جب تک آیت رحمت کو عذاب سے اور آیت عذاب کو رحمت سے ختم نہ کیا جائے وہ جو کچھ بھی میسّر ہو، پڑھیں۔ لیکن یہ آسانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے اواخر میں اٹھالی گئی تھی اور پھر سات قراءتیں جو منزل من اللہ نہیں، باقی رکھی گئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے نومسلموں کے اپنی مرضی کے ساتھ قرآن کی قراءت میں کمی بیشی کرنے پر پابندی لگائی تھی۔ اور صرف وہی قراءت باقی رکھی تھی جس میں حروف سبعہ شامل تھے۔ اور اسی کو مصاحف میں قلم بند کر دیا گیا۔ رسم الخط میں مشہور ترین قراءت کا لحاظ رکھا گیا۔ مگر دوسری چھ قراءتوں کو زبانی یاد کرنے اور ان کی روایت کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ اس تقدیر پر ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کی رائے کو تسلیم کیا جائے۔ لیکن اس مسئلے میں تفصیل ہے اور اس کا کچھ حصہ ہم نے فضل المعبود شرح ابی داؤد میں دیا ہے۔ واللہ بالصواب۔

۲،۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا، اَمْسَكَهَا۔ وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے کی مثال یوں ہے جیسے کہ گھٹنے بندھے ہوئے اونٹوں والا ہے۔ اگر ان کی نگرانی کرے گا تو انہیں رکھے گا اور اگر وہ انہیں کھول دے گا تو وہ چلے جائیں گے۔ (یعنی جب تک قرآن کا حافظ اسے یاد رکھے اور اس کا ورد کرتا رہے گا وہ محفوظ رہے گا ورنہ بھول جائے گا۔)

۳،۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ، سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ يَاْتِيْكَ الْوَحْیُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَحْيَانًا يَاْتِيْنِیْ فِیْ مِثْلِ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ۔ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فَيَفْصِمُ عَنِّیْ، وَقَدْ وَعَيْتُ مَا قَالَ۔ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا، فَيُكَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا يَقُوْلُ" قَالَتْ عَائِشَةُ: وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ يَنْزِلُ عَلَيْهِ فِی الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ، وَاِنَّ جَبِيْنَهٗ

صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کی بات کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں سخت سردی کے دنوں میں آپؐ پر وحی آتے دیکھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپؐ کی پیشانی سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا تھا۔

شرح: حارث بن ہشامؓ مخزومی فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ ابوجہل ان کا سگا بھائی تھا۔ انہوں نے وحی کے آنے کی کیفیت پوچھی تھی۔ سوال کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں مگر الفاظ میں ان کی وضاحت نہیں آئی۔ وحی کی تین اقسام اور سات صورتیں ہیں۔ پہلی قسم کلام قدیم کا سُننا ہے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے سُنا۔ دوسری قسم وحیٔ رسالت فرشتے کے واسطے سے ہے۔ تیسری قسم نبی کے دل میں کسی بات کا ڈالا جانا ہے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا، روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی۔
وحی کی سات صورتیں یہ ہیں پہلی صورت خواب ہے دوسری صورت گھنٹی جیسی مسلسل آواز ہے۔ تیسری صورت دل میں کسی بات کا القاء ہے، جیسے نفث فی الروع کہا گیا ہے۔ چوتھی صورت فرشتے کا انسانی شکل میں آنا ہے۔ پانچویں صورت جبریلؑ کا اپنی اصلی صورت میں چھ سو پَروں سمیت آنا ہے۔ چھٹی صورت اللہ تعالیٰ کا پس پردہ کلام ہے یا بیداری میں جیسا کہ شبِ معراج میں ہوا یا خواب میں جیسا کہ ترمذی رحمہ کی روایت ہے کہ میرا رب نہایت حسین صورت میں میرے پاس آیا اور پوچھا کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں جھگڑتے ہیں۔ ساتویں صورت اسرافیلؑ کی وحی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ تین سال تک اسرافیل آپ کے ساتھ متعین رہا۔ اور پھر جبریلؑ کا نزول شروع ہوا۔
اس حدیث میں وحی کی صرف دو حالتیں بیان فرمائی گئی ہیں پہلی صورت کا شدید تر ہونا اس لئے تھا کہ دُور سے آنے والی گھنٹی جیسی آواز کو غور سے سننا اور سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ آنے والی آواز یا تو وحی لانے والے فرشتے کی آواز ہے یا آسمان پر فرشتوں کے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے پر اظہار عجز و خشوع کے لئے پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ یہ آواز دراصل وحی کا مقدمہ ہوتا تھا۔ اس حالت میں آپ کے ظاہر حواس کو معطل کر کے پوری توجہ کو ملاءِ اعلیٰ کی طرف پھیر دیا جاتا تھا۔ اگر کسی کے حاسۂ سماع کو فوراً معطل کر دیا جائے تو وہ گونج کی سی آواز سنتا ہے۔ حضورؐ نے یہ کیفیت سوال کرنے والے کو سمجھانے کی خاطر بیان فرمائی تھی۔ ورنہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ و رسولؐ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بعض کام انجام دینے کے لئے فرشتوں کو انسانی شکل اختیار کرنے کی طاقت بخشی ہے۔

۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: أُنْزِلَتْ عَبَسَ وَتَوَلَّى فِي عَبْدِ اللهِ بْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ. جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ اسْتَدْنِينِي. وَعِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ مِنْ عُظَمَاءِ الْمُشْرِكِينَ. فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرِضُ عَنْهُ، وَيُقْبِلُ عَلَى الْآخَرِ، وَيَقُولُ: يَا أَبَا فُلَانٍ، هَلْ تَرَى بِمَا أَقُولُ بَأْسًا؟ فَيَقُولُ: لَا وَالدِّمَاءِ. مَا أَرَى بِمَا تَقُولُ بَأْسًا. فَأُنْزِلَتْ ـ عَبَسَ وَتَوَلَّى أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى۔

ترجمہ: عروہؓ نے کہا کہ عَبَسَ وَتَوَلّٰی عبداللہ بن اُم مکتومؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے قریب کیجئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرک سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض کرنے لگے اور دوسرے کی طرف متوجہ رہے۔ اور فرما رہے تھے، اے ابوفلاں! میں جو کچھ کہتا ہوں

کیا اس میں تمہیں کوئی حرج دکھائی دیتا ہے؟ وہ کہتا تھا کہ نہیں، قربانیوں کے خون کی قسم، میں آپ کی بات میں کوئی حرج نہیں دیکھتا پس یہ سورت اُتری۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث مرفوعًا مروی ہے۔

شرح: اس حدیث میں عبداللہ بن اُمّ مکتوم کا آنحضورؐ کو نام سے کر پکارنا آیا ہے۔ یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے اور ابھی تک اس پر پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ ممانعت مدنی سورتوں میں نازل ہوئی تھی۔ حضورؐ کا یہ اعراض اس مصلحت سے تھا کہ اگر اس کی طرف توجہ کی گئی تو جو لوگ اس وقت مخاطب ہیں ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ اور ہو سکتا ہے پھر یہ موقع نہ مل سکے۔ الدرالمنثور میں ابن جریر اور ابن مردویہ کی روایت کے مطابق جو ابن عباسؓ سے آئی ہے، اس وقت آپ کے سامنے عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام بیٹھے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد عبداللہ بن اُمّ مکتومؓ کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔ چادر بچھا دیتے تھے۔ اور اس کا اکرام فرماتے تھے۔ کئی مواقع پر حضورؐ نے مدینہ میں اسے اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔

۵۔۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَسِیْرُ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ۔ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَسِیْرُ مَعَهٗ لَیْلًا۔ فَسَاَلَهٗ عُمَرُ عَنْ شَیْءٍ، فَلَمْ یُجِبْهُ۔ ثُمَّ سَاَلَهٗ، فَلَمْ یُجِبْهُ، ثُمَّ سَاَلَهٗ، فَلَمْ یُجِبْهُ۔ فَقَالَ عُمَرُ: ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ، عُمَرُ۔ نَزَرْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ كُلُّ ذٰلِكَ لَا یُجِیْبُكَ۔ قَالَ عُمَرُ: فَحَرَّكْتُ بَعِیْرِیْ۔ حَتّٰی اِذَا كُنْتُ اَمَامَ النَّاسِ، وَخَشِیْتُ اَنْ یُنْزَلَ فِیَّ قُرْاٰنٌ۔ فَمَا نَشِبْتُ اَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا یَصْرُخُ بِیْ۔ قَالَ، فَقُلْتُ: لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ یَكُوْنَ نَزَلَ فِیَّ قُرْاٰنٌ۔ قَالَ، فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ۔ فَقَالَ، لَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَیَّ، هٰذِهِ اللَّیْلَةَ، سُوْرَةٌ۔ لَهِیَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ" ثُمَّ قَرَاَ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔

ترجمہ: زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں جا رہے تھے اور رات کے وقت حضرت عمر بن الخطابؓ حضورؐ کے ساتھ جا رہے تھے۔ پس عمرؓ نے آپ سے کوئی بات پوچھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جوابؐ دیا، پھر سوال کیا تو حضورؐ نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا تو آپؐ نے جواب نہ دیا۔ پس عمرؓ نے کہا اے عمرؓ! تیری ماں تجھے گم کرے تو نے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کر کے تکلیف دی اور ہر بار آپؐ نے جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر میں نے اپنے اُونٹ کو ہانکا، حتیٰ کہ لوگوں سے آگے نکل گیا۔ اور میں ڈرا کہ کہیں میرے بارے میں قرآن میں کچھ نازل نہ ہو جائے۔ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ میں نے ایک چلّانے والے کو سنا کہ میرا نام لے کر چلّا تا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے خوف ہوا کہ مبادا میرے متعلق قرآن میں کچھ نازل ہوا ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کو سلام کہا۔ حضورؐ نے فرمایا، آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت اُتری ہے جو مجھے دُنیا و ما فیہا سے محبوب تر ہے۔ پھر آپ نے سورہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا پڑھی۔

شرح: اس حدیث کا راوی حضرت عمرؓ کا غلام اسلم ہے، جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تو تھا مگر صحابی نہیں تھا۔ پس بظاہر یہ حدیث مرسل ہے اور دارقطنی نے امام بخاری پر جو سو اعتراض کئے ہیں، ان میں سے یہ ہے، واں اعتراض ہے کہ بخاری نے اسے اسی طرح مرسل روایت کیا ہے۔ حافظ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دراصل یہ روایت حضرت عمرؓ سے ہے۔ جیسا کہ آگے اُن کا قول مذکور ہے۔ ترمذی نے اسے مرفوعاً حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے اور مسند احمد میں بھی یہ مسنداً وارد ہے۔ یہ جس سفر کا قصہ ہے علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیبیہ سے واپسی پر تھا۔ اور روایت کے اداخر خود اس پر شاہد ہیں کیونکہ سورۂ فتح کا نزول اسی سفر میں ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین بار سوال کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا کیونکہ اس وقت وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ چنانچہ بعد میں یہی ثابت ہوا۔

سورہ فتح میں فتح مبین سے مراد علماء کے نزدیک صلح حدیبیہ ہے جو فتح خیبر اور فتح مکہ کا پیش خیمہ تھی۔ اس صلح میں پہلی بار مشرکوں نے باضابطہ طور پر مسلمانوں کو ایک فریق تسلیم کیا۔ ورنہ ان کا غرور و تکبر ہمیشہ اس سے مانع رہا۔ پھر انہوں نے اصرار سے ایسی شرطیں منظور کرائیں جو بعد میں خود ان کے خلاف گئیں۔ وہ اس صلح پر قائم نہ رہے اور حضورؐ کو مکہ پر فوج کشی کا موقع میسر آگیا۔ حدیبیہ سے فتح مکہ تک باہمی میل جول اور تعلقات کے باعث اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ اسی عرصے میں حضورؐ نے وقت کے مختلف اطراف کے بادشاہوں، سرداروں اور بارسوخ شرفا کو خط لکھے، جن کا بہت اچھا اثر پڑا۔

۴۷۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّیْمِیِّ عَنْ أَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ۔ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَخْرُجُ فِیْكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ۔ وَصِیَامَكُمْ مَعَ صِیَامِهِمْ۔ وَأَعْمَالَكُمْ مَعَ أَعْمَالِهِمْ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ، وَلَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ۔ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ مُرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ۔ تَنْظُرُ فِی النَّصْلِ، فَلَا تَرٰی شَیْئًا وَتَنْظُرُ فِی الْقِدْحِ، فَلَا تَرٰی شَیْئًا۔ وَتَنْظُرُ فِی الرِّیْشِ، فَلَا تَرٰی شَیْئًا۔ وَ تَتَمَارٰی فِی الْفُوْقِ"۔

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: تم میں ایک قوم نکلے گی جن کی نماز کے سامنے تم اپنی نماز کو، ان کے روزے کے سامنے اپنے روزوں کو، اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مقابلے میں حقیر جانو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہ اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانے کی جگہ سے آگے نکل جاتا ہے۔ تو تیر کے پھل میں دیکھتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا پھر کی لکڑی میں دیکھتا ہے تو اس میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ تو تیر کے پَروں کو دیکھتا ہے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اور تو تیر کی سب سے نچلی جگہ کو دیکھتا ہے تو اس میں شک کرتا ہے۔ (کہ شاید اس میں کوئی خون وغیرہ لگا رہ گیا ہے یا نہیں؟)

شرح: یہ خوارج کی جماعت تھی، جس نے پہلے تو امیرالمومنین عثمانؓ کے خلاف خروج کیا۔ ان کے گھر کو گھیرا اور انہیں شہید کر ڈالا۔ یہ ان کا پہلا فتنہ تھا۔ جس نے اُمت کے اتحاد کو دولخت کر دیا۔ پھر یہی اور ان کے دوسرے بھائی بند امیرالمومنین علی بن ابی طالبؓ کے خلاف نکل کر برسر پیکار ہوئے۔ انہوں نے اہل اسلام کو کافر قرار دیا۔ خونریزیاں کیں اور فتنے اُٹھائے۔ یہ خبر واحد کے منکر تھے۔ اور

یہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کی تکفیر کرتے تھے۔ پھر ان کے عقائد نے مختلف بدعتی فرقوں نے جنم دیا۔ مثلاً جہمیہ، معتزلہ، کرامیہ وغیرہ۔ دوسری انتہا پر روافض تھے۔ جنہوں نے اولین صحابہؓ پر تکفیر اور طعن وتشنیع کے مسموم تیر چلائے۔ قرآن کو بظاہر پڑھنے کے باوجود یہ لوگ اپنے بدعتی خودساختہ عقائد و اعمال کی بنا پر کتاب و سنت سے بہت دور جا پڑے۔

خوارج کے انتہاپسندانہ عقائد و اعمال کے باوجود جناب علیؓ نے انہیں بدعتی اور فریب خوردہ ٹھیرایا تھا۔ اور ان کی تکفیر نہیں کی تھی۔ لہذا اس حدیث میں دین سے نکل جانے کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے مراد دینِ کامل اور دینِ حق سے دُور نکل جانا ہے کفر اور ارتداد نہیں۔ ان کے ساتھ جو قتال کیا گیا تھا یہ ان کی بغاوت، قطعِ طریق اور فساد فی الارض کے باعث تھا۔ بعد میں خوارج کے، بقول حافظ عینیؒ بیس فرقے ہو گئے تھے۔ ان کا آپس میں بھی اختلاف و انشقاق رہا۔ بعض عرب ممالک اور افریقہ کے علاقے میں ان کے کچھ بقایا اب تک موجود ہیں۔

۴۷۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، مَكَثَ عَلٰى سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ يَتَعَلَّمُهَا۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ آٹھ برس تک سورۃ البقرہ کا علم حاصل کرتے رہے تھے۔

شرح: اس اثر کو طبقاتِ ابن سعد میں ابن عمرؓ تک مسند روایت کیا گیا ہے۔ ابن عمرؓ نے اس مدت میں البقرہ کے احکام و فرائض سیکھے تھے۔ صرف الفاظ کو حفظ کرنا مراد نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ

قرآن کے سجدوں کا باب

سجود القرآن کے حکم میں اختلاف ہے کہ آیا وہ واجب ہیں یا سنتِ مؤکدہ۔ امام ابوحنیفہؒ نے آیاتِ سجدہ کے امر کو وجوب کے لئے لیا ہے۔ سجدہ کرنے والوں کی مدح فرمائی اور نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی بنا پر حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے کہ واجب جاننے والوں کی دلیل قوی ہے۔ وجوب کے باعث ہی نماز میں بھی سجدۂ تلاوت شروع ہوا ہے۔ اگر صرف استحباب و سنیت کی بات ہوتی تو نماز میں مشروع نہ ہوتا۔

۴۷۸۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ، مَوْلَى الْاَسْوَدِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَرَاَ لَهُمْ۔ اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ۔ فَسَجَدَ فِيْهَا۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ، اَخْبَرَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْهَا۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ابوہریرہؓ نے (نماز میں) سورہ انشقاق کی تلاوت کی اور سجدہ کیا اور نماز کے بعد لوگوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا تھا۔ (یہ حدیث موطأ امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: بخاری کی حدیث میں ہے کہ نمازِ عشاء تھی۔ آیتِ سجدہ کو جہری نماز میں سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر سرّی میں یا جن جہری نمازوں میں ہر قسم کے مقتدی ہوں مثلاً جمعہ و عیدین وغیرہا، امام کے لئے آیتِ سجدہ پڑھنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس سے شور و شغب

اور گڑبڑ ہوگی۔ حنفیہ اور مالکیہ نے فقہ میں یہی لکھا ہے۔ قیام رمضان میں تو تمام سجدے آتے ہیں اور قاری پہلے سے دافع کر دیتے ہیں۔ امام محمدؒ نے مؤطا کے باب سجود القرآن میں اس روایت کے بعد کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک اس جگہ سجدہ نہیں ہے۔

۴۷۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ مِصْرَ، اَخْبَرَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَاَ سُوْرَةَ الْحَجِّ. فَسَجَدَ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ. ثُمَّ قَالَ: اِنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ فُضِّلَتْ بِسَجْدَتَيْنِ۔

ترجمہ: نافع نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے سورۂ حج پڑھی اور اس میں دو سجدے کئے۔ پھر فرمایا کہ اس سورۃ کو دو سجدوں کے باعث فضیلت دی گئی ہے۔ (موطائے امام محمدؒ میں بھی یہ روایت مروی ہے۔

شرح: امام محمد نے فرمایا کہ سورۃ حج کے دو سجدے حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہیں۔ مگر ابن عباسؓ کے نزدیک اس میں صرف ایک پہلا سجدہ ہی ہے۔ یہی ہمارا مختار ہے اور ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ پہلا سجدہ متفق علیہ ہے اور دوسرے میں اختلاف ہے۔ موطائے امام مالکؒ میں یہ روایت مرسل ہے۔ مگر بیہقی نے اسے حضرت عمرؓ اور نافع کے درمیان عبداللہ بن ثعلبہ بن صغیر کا واسطہ بیان کر کے صحیح کہا ہے۔ سیوطی نے الدر المنثور میں کہا ہے کہ سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، اسماعیلی، ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی حضرت عمرؓ سے الحج میں دو سجدے کرنا روایت کیا ہے۔

۴۸۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، اَنَّهُ قَالَ: رَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَسْجُدُ فِيْ سُوْرَةِ الْحَجِّ، سَجْدَتَيْنِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو سورہ حج دو سجدے کرتے دیکھا تھا۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: جن علماء و فقہاء نے الحج میں دوسرا سجدہ واجب نہیں کہا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں رکوع و سجدہ ہر دو کا حکم دیا گیا ہے۔ پس یہ آیت اسی طرح جیسے فرمایا یٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔ سنن ابن ماجہ میں عمرو بن العاص کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پندرہ سجدے پڑھائے تھے لیکن یہ حدیث بقول ابن القطان و عبدالحق ضعیف ہے۔ اس میں عبداللہ بن منین کلابی مجہول راوی ہے۔ البرهان میں ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ عمرؓ سے مروی ہے کہ سجدہ تلاوت الحج میں فقط پہلا ہے۔ اور دوسرا سجدۂ صلوٰۃ ہے جس میں رکوع و سجود ہر دو مذکور ہیں یعنی نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

۴۸۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَاَ بِـ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ فَسَجَدَ فِيْهَا۔ ثُمَّ قَامَ، فَقَرَاَ بِسُوْرَةٍ اُخْرٰى۔

ترجمہ: الاعرج سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سورۂ النجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا، پھر اٹھے اور دوسری سورت پڑھی۔ (یعنی نماز کا واقعہ ہے۔)

شرح: حضرت عمرؓ نے دوسری سورت زلزال پڑھی تھی۔ جیسا کہ طبرانی وغیرہ کی روایت میں ہے۔ علماء نے اسے مستحب کہا

کہ سجدہ تلاوت کے بعد کچھ اور پڑھا جائے اور پھر رکوع کیا جائے کیونکہ رکوع قرأت کے بعد واقع ہونا چاہیے۔

۴۸۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَرَأَ سَجْدَةً، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. فَنَزَلَ، فَسَجَدَ، وَسَجَدَ النَّاسُ مَعَهُ. ثُمَّ قَرَأَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى. فَتَهَيَّأَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ. فَقَالَ: عَلَى رِسْلِكُمْ. إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَكْتُبْهَا عَلَيْنَا، إِلَّا أَنْ نَشَاءَ. فَلَمْ يَسْجُدْ، وَمَنَعَهُمْ أَنْ يَسْجُدُوا.

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ الْعَمَلُ عَلَى أَنْ يَنْزِلَ الْإِمَامُ. إِذَا قَرَأَ السَّجْدَةَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَيَسْجُدَ.

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ عَزَائِمَ سُجُودِ الْقُرْآنِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً. لَيْسَ فِي الْمُفَصَّلِ مِنْهَا شَيْءٌ.

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ يَقْرَأُ مِنْ سُجُودِ الْقُرْآنِ شَيْئًا، بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَلَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ. وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ. فَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ سَجْدَةً فِي تَيْنِكَ السَّاعَتَيْنِ.

سُئِلَ مَالِكٌ، عَمَّنْ قَرَأَ سَجْدَةً. وَامْرَأَةٌ حَائِضٌ تَسْمَعُ، هَلْ لَهَا أَنْ تَسْجُدَ؟ قَالَ مَالِكٌ: لَا يَسْجُدُ الرَّجُلُ، وَلَا الْمَرْأَةُ، إِلَّا وَهُمَا طَاهِرَانِ.

وَسُئِلَ عَنِ امْرَأَةٍ قَرَأَتْ سَجْدَةً. وَرَجُلٌ مَعَهَا يَسْمَعُ. أَعَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَهَا؟ قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَهَا. إِنَّمَا تَجِبُ السَّجْدَةُ عَلَى الْقَوْمِ يَكُونُونَ مَعَ الرَّجُلِ. فَيَأْتَمُّونَ بِهِ. فَيَقْرَأُ السَّجْدَةَ، فَيَسْجُدُونَ مَعَهُ. وَلَيْسَ عَلَى مَنْ سَمِعَ سَجْدَةً مِنْ إِنْسَانٍ يَقْرَؤُهَا لَيْسَ لَهُ بِإِمَامٍ، أَنْ يَسْجُدَ تِلْكَ السَّجْدَةَ.

ترجمہ: عروہ نے کہا حضرت عمر بن الخطابؓ نے آیتِ سجدہ کی تلاوت کی اور اس وقت جمعہ کے دن منبر پر تھے (یعنی خطبہ جمعہ میں) تلاوت کی، پھر منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا۔ پھر دوسرے جمعہ میں بھی اسی طرح یہ آیت پڑھی اور لوگ سجدہ کے لئے تیار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھہرے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہم پر فرض نہیں کیا، مگر یہ کہ ہم سجدہ کرنا چاہیں (تو کریں)۔ پس حضرت عمرؓ نے سجدہ نہ کیا اور لوگوں کو بھی اس سے منع فرما دیا۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس پر عمل نہیں ہے کہ امام جب آیتِ سجدہ منبر پر پڑھے تو منبر سے اُتر کر سجدہ کرے۔ مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک عمل اس پر ہے کہ قرآن میں ضروری سجدے گیارہ ہیں اور مفصّل میں ان میں کوئی سجدہ نہیں۔ مالکؒ نے کہا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ نماز صبح کے بعد اور نماز عصر کے بعد کوئی آیتِ سجدہ پڑھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ اور سجدہ نماز میں سے ہے۔ پس کسی کے لئے مناسب نہیں کہ ان دو وقتوں میں سجدے کی آیت پڑھے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص آیت سجدہ پڑھے اور حائضہ عورت اُسے سُن لے تو کیا اسے سجدہ کرنا چاہیئے۔ مالکؒ نے کہا کہ مرد ہو یا عورت، سجدہ صرف پاک ہونے کی صورت میں کریں۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا اگر عورت سجدے کی آیت پڑھے اور کوئی مرد سُن لے۔ تو کیا وہ اس کے ساتھ سجدہ کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ اس مرد پر اس عورت کے ساتھ سجدہ کرنا واجب نہیں۔ سجدہ ان اس قوم پر ضروری ہے جو امام کے ساتھ اس کی اقتدا میں ہوں (یعنی وہ شخص امامت کرسکتا ہو۔ اور عورت اس کی اہل نہیں)، پس جب وہ آیت سجدہ پڑھے گا تو لوگ سجدہ اس کے ساتھ کرسکیں گے۔ اور جو شخص کسی ایسے انسان سے سجدہ سُنے جو اسے پڑھے مگر اس کا امام نہ ہو تو اس سننے والے پر سجدہ واجب نہیں۔

شرح: عروہ کی ملاقات جناب عمرؓ سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ اثر منقطع ہے۔ حضرت عمرؓ نے شاید تعلیمًا ایسا کیا تھا۔ اور دوسرے جمعہ میں جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ سجدہ فرائض میں سے نہیں کہ اس کی ادائیگی ابھی ضروری ہے۔ یہ مطلب اس لئے ہے کہ حضورؐ کا یہ قول اس اثر کے خلاف ہے کہ ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور اس نے سجدہ کیا اور ابلیس کو حکم دیا گیا تو اس نے نہ کیا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سجدے پڑھائے جن میں سے تین مفصّل میں تھے۔ مگر مالکؒ کے قول کے مطابق مفصل میں کوئی سجدہ نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے امام مالکؒ کے قول کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مفصل کے سجدے فرض نہیں ہیں۔ مگر وہ ان کے استحباب سے انکار نہیں کرتے۔ تراجم البخاری میں ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک ۱۱ سجدے مؤکّد ہیں۔ اور تین غیر مؤکّد۔ یہ کل ۱۴ ہوئے۔ بعض مالکیہ نے کہا کہ موطا کی یہ ۱۱ سجدوں والی روایت مصریوں سے آئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اہل مدینہ کا مفصلؔ کے تین سجدوں پر عمل نہیں رہا۔ لہذا یہ منسوخ ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک عمل اہل مدینہ سنت کا معیار ہے۔ باقی علما نے عملِ اہل مدینہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا مگر صرف صحابہ کے دَور تک۔ بعد کے حکام نے بعض باتوں میں گڑبڑ کردی تھی۔ جیسا کہ حافظ ابن القیمؒ نے اعلام وغیرہ میں مفصل لکھا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مفصل کے تین سجدے بھی ثابت ہیں۔ پس ان کے نزدیک کل سجداتِ تلاوت ۱۴ ہوئے۔ شافعیؒ کا قولِ قدیم اور مالکؒ کی ظاہرا روایت بھی یہی ہے۔ اور یہی ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ حنفیہ کے قول کے علاوہ اس مسئلہ میں گیارہ قول اور ہیں۔ کسی میں ۱۱ کسی میں ۱۵، کسی میں ۱۲، کسی میں ۱۳، کسی میں چار، کسی میں دس منقول ہیں۔ مگر ائمہ اربعہ کا مذہب بالعموم ۱۴ سجدوں کا ہے اور ان دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک الحج کا دوسرا سجدہ۔ اور دوسرا ص کا سجدہ۔

حنفیہ کے نزدیک عین طلوع وغروبِ آفتاب کے وقت اور عین نصف النہار کے وقت سجدہ جائز نہیں۔ صبح و عصر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ، قضا نماز اور سجدہ تلاوت جائز ہے۔ یعنی ان دو اوقات میں نہی صرف نوافل سے ہے۔ سجدہ کے کامل طہارت کی حالت میں ہونے کا مذہب تقریبًا اجماعی ہے۔ کیونکہ طہارت شرطِ صلوٰۃ وسجدہ ہے۔ جہاں تک سامع آیتِ سجدہ کا تعلق ہے، حنفیہ نے اس میں امام مالکؒ کا قول تسلیم نہیں کیا اور ان کے نزدیک عمومی دلائل کی بنا پر سامع پر سجدہ واجب ہے۔ امامت

وغیرہ امات کی شرط شرع سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح سامع اور مستمع میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ

سورۂ اخلاص اور سورۂ الملک کی قراءت کا باب

۴۸۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ يُرَدِّدُهَا۔ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ۔ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ۔ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ"۔

ترجمہ: ابوسعیدؓ الخدری نے ایک شخص کو "قل ہو اللہ احد" پڑھتے سنا، وہ اُسے بار بار دُہراتا تھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ گویا کہ وہ شخص (یعنی بیان کرنے والا ابوسعید الخدریؓ) اسے کم سمجھتا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یقیناً یہ سُورت قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ قرآن کا ثلث ہے۔ بلکہ فرمایا کہ یہ قرآن کے ثلث کے برابر ہے۔ اس ارشاد کی شرح میں بہت کچھ کہا گیا ہے، مگر بہترین قول یہ ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت یہ تین بنیادی عقائد ہیں۔ جو مقاصد نبوت کہلا سکتے ہیں۔ ان میں سے اشرف مقصد توحید الٰہی کو کما حقہٗ لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اور یہ سورت یہی کام کرتی ہے۔ اس میں توحید ذاتی و توحید صفاتی کو مختصر اور جامع الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دو نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کمال کو متضمن ہیں، وہ اسی میں آئے ہیں۔ اور کہیں نہیں۔ وہ نام اَحَدٌ اور اَلصَّمَدُ ہیں۔ اَحَد اللہ کے وجودِ خاص پر دلالت کرتا ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اور الصمد اس کی تمام صفاتِ کمال کو ظاہر کرتا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھنے والا یا ابوسعیدؓ تھا اور یا وہی شخص تھا جو سورۂ اخلاص کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس کی یہ تلاوت نماز تہجد میں تھی۔ مسلم اور ترمذی میں یہی الفاظ ایک اور واقعہ کے ضمن میں آئے ہیں۔

۴۸۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ، مَوْلَى آلِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: أَقْبَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَجَبَتْ" فَسَأَلْتُهُ: مَاذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: "الْجَنَّةُ" فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ إِلَيْهِ، فَأُبَشِّرَهُ۔ ثُمَّ فَرِقْتُ أَنْ يَفُوتَنِي الْغَدَاءُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَآثَرْتُ الْغَدَاءَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ ثُمَّ ذَھَبْتُ اِلَی الرَّجُلِ، فَوَجَدْتُہٗ قَدْ ذَھَبَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تو آپؐ نے ایک شخص کو قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" پڑھتے سنا۔ پس رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واجب ہوگئی۔ میں نے آپؐ سے پوچھا یارسول اللہ کیا واجب ہوگئی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جنت۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے چاہا کہ اس شخص کی طرف جاؤں اور اسے بشارت دوں پھر مجھے خوف ہوا کہ مبادا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کا کھانا فوت ہوجائے۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کو ترجیح دی، پھر میں اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ جا چکا تھا۔

شرح: ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر آپؐ کے ارشادات کو سننے اور یاد کرتے تھے۔ اس لئے صبح و شام کا کھانا آپؐ کے ساتھ ہی کھاتے تھے۔ شروع میں ابوہریرہؓ تنہا تھے اور سارا وقت حضورؐ ہی کے ساتھ گزارتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی نے روایت کرکے اس کی تصحیح کی اور کہا کہ مالکؒ اس میں متفرد ہیں مگر وہ امام اور حافظ ہیں، لہذا ان کا تفرد مُضر نہیں۔

۴۸۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ: اَنَّ ۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ وَاَنَّ ۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ۔ تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِھَا۔

ترجمہ: ابن شہاب زہریؒ نے حُمید بن عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے روایت کی کہ حُمید نے بتایا۔ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اور تبارک الّذی بیدہِ الملک اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی۔

شرح: یعنی سورۂ الملک عذاب قبر کو ہٹانے کے لئے اللہ تعالی سے گزارش کرے گی اور میدان محشر میں اس کی طرف سے دفاع کرے گی۔ تاکہ پروردگار کی ناراضگی کو دُور کرنے اور اسے جنت میں لے جانے کا باعث ہو۔

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی

اللہ تبارک وتعالی کے ذکر کا باب

۴۸۶۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَیٍّ مَوْلٰی اَبِیْ بَكْرٍ، عَنْ اَبِیْ صَالِحِ السَّمَّانِ، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ فِیْ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔ كَانَتْ لَہٗ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ۔ وَكُتِبَتْ لَہٗ مِائَۃُ حَسَنَۃٍ۔ وَمُحِیَتْ عَنْہُ مِائَۃُ سَیِّئَۃٍ۔ وَكَانَتْ لَہٗ حِرْزًا مِنَ الشَّیْطَانِ یَوْمَہٗ ذٰلِكَ حَتّٰی یُمْسِیَ۔ وَلَمْ یَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِہٖ، اِلَّا اَحَدٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ"۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ ثُمَّ ذَهَبْتُ إِلَی الرَّجُلِ، فَوَجَدْتُهُ قَدْ ذَهَبَ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تو آپ نے ایک شخص کو قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد" پڑھتے سُنا۔ پس رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واجب ہوگئی۔ میں نے آپ سے پوچھا یارسول اللہ کیا واجب ہوگئی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جنت۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے چاہا کہ اس شخص کی طرف جاؤں اور اسے بشارت دوں پھر مجھے خوف ہوا کہ مبادا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کا کھانا فوت ہوجائے۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کو ترجیح دی، پھر میں اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ جا چکا تھا۔

شرح: ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر آپ کے ارشادات کو سننے اور یاد کرتے تھے۔ اس لئے صبح وشام کا کھانا آپ کے ساتھ ہی کھاتے تھے شروع میں ابوہریرہؓ تنہا تھے اور سارا وقت حضورؐ ہی کے ساتھ گزارتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی اور کہا کہ مالکؒ اس میں منفرد ہیں مگر وہ امام اور حافظ ہیں، لہٰذا ان کا تفرد مُضر نہیں۔

۴۸۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ۔ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ وَأَنَّ۔ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔ تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا۔

ترجمہ: ابن شہاب زہریؒ نے حمید بن عبدالرحمٰنؒ بن عوف سے روایت کی کہ حمید نے بتایا۔ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے۔ اور تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی۔

شرح: یعنی سورۂ الملک عذابِ قبر کو ہٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے گزارش کرے گی اور میدان محشر میں اس کی طرف سے دفاع کرے گی۔ تاکہ پروردگار کی ناراضگی کو دور کرنے اور اسے جنت میں لے جانے کا باعث ہو۔

۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ ذِكْرِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر کا باب

۴۸۶۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَیٍّ مَوْلٰی أَبِیْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِیْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ فِیْ یَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ۔ وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ۔ وَمُحِیَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَیِّئَةٍ۔ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّیْطَانِ یَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰی یُمْسِیَ۔ وَلَمْ یَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ، إِلَّا أَحَدٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ"۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دن بھر میں سو مرتبہ کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ تو اس کے لئے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوگا۔ اور اس کی سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور سو گناہ مٹائے جائیں گے اور سارا دن یہ اس کے لئے شیطان سے حفاظت کا سبب ہوگا رات آنے تک، اور کسی کا عمل اس سے افضل نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جو اس سے زیادہ عمل کرے۔

شرح: معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو بار سے زیادہ یہ ورد پڑھے گا تو زیادہ اجر کا مستحق ہوگا۔ حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس وظیفہ کو پے در پے ایک ہی مرتبہ پڑھا جائے مگر الفاظ مطلق ہیں اور اس کے باوجود بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صبح کے وقت پڑھا جائے یا غروب آفتاب کے بعد جلدی۔ تاکہ پورا دن اور پوری رات عافیت میں گزرے۔ ان کلمات میں توحید خداوندی کا واضح اور بے لوث اعلان ہے اور شرک کا کھلا رد ہے۔ اس کی فضیلت کا باعث یہی امر ہے۔

۷۰۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ"۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے ایک دن میں سو بار یہ کہا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، تو اس کے تمام گناہ جھاڑ دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں۔

شرح: بے شمار گناہوں کے لئے یہ ایک بے حد و حساب رحمت و مغفرت کا سبب ہے۔ اوراد و وظائف اور دعاؤں کے الفاظ کی تاثیر کا معاملہ کسی دنیوی پیمانہ میں ناپا نہیں جا سکتا۔ صحاح کی حدیث میں ہے کہ دو کلمے رحمٰن کو پیارے ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بوجھل ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۷۰۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ مَوْلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّهٗ قَالَ مَنْ سَبَّحَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ۔ وَحَمِدَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ۔ وَخَتَمَ الْمِائَةَ بِـ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهٗ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰهِ، تینتیس۳۳ بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور تینتیس۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا اور سو کا عدد پورا کرنے کے لئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہا تو اس کے گناہ بخش دیئے گئے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں۔

شرح: اوپر کی حدیث میں بھی اور اس میں بھی مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ کا لفظ کثرت اور مبالغے پر دلالت کرتا ہے اور یہ ٹوٹے شدہ

امر ہے کہ ان گناہوں سے مراد صغائر ہیں۔ کیونکہ کبائر کے لئے از روئے قواعد کتاب وسنت توبہ کی ضرورت ہے۔ یوں اگر اللہ غفور رحیم چاہے تو کبائر کو بھی اپنی رحمت سے بخش دے۔ بشرطیکہ ان کا تعلق حقوق العباد سے نہ ہو۔ ہر نماز کا لفظ گو مطلق ہے مگر مراد اس سے یہاں فرائض ہیں۔ اور اس میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں کہ فرائض کے بعد یہ ورد کرے یا سُنن رواتب سے فارغ ہو کر۔

مغیرہ بن شعبہ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد کہتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ مسلم نے ابن الزبیر کی حدیث میں قدیر کے بعد یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقرآءِ مہاجرین کو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۳ بار تکبیر سکھائی تھی۔ بخاری کی ایک روایت میں دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر آئی ہے۔ کعب بن عجرہ کی حدیث مسلم میں ۳۳ مرتبہ تسبیح ۳۳ مرتبہ تحمید اور ۳۴ مرتبہ تکبیر ہے۔ ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حسب استطاعت ونشاط ہر شخص ان میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ مولانا نواب قطب الدین دہلویؒ نے مظاہر حق میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح کا شمار کر کے پڑھنا ثابت ہے اور حضورؐ نے اصحابؓ کو انگلیوں پر پڑھنے کی ترغیب دی تھی۔ صحابہؓ سے کھجور کی گٹھلیوں پر پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ابو ہریرہؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک دھاگے میں سو گرہیں لگا رکھی تھیں اور سونے سے پہلے اس پر تسبیح پڑھتے تھے۔ گٹھلیوں اور کنکریوں پر تسبیح پڑھنا صحابہ اور بعض امہات المومنینؓ سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر خاموشی اختیار فرمائی۔ لیکن بہر حال انگلیوں پر تسبیح افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین کلام سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ہے۔ اور اسے جہاں سے چاہو شروع کرو۔

۴۸۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ صَيَّادٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ، فِي الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ: اِنَّهَا قَوْلُ الْعَبْدِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

ترجمہ: عمارہ بن صیاد نے سعید بن المسیب کو اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ کی تفسیر میں یہ کہتے سُنا تھا کہ وہ بندے کا یہ قول ہے اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

شرح: مؤطا میں یہ روایت سعیدؒ پر موقوف ہے مگر اس معنی کی کئی مرفوع احادیث ہیں۔ سعید بن منصورؒ، احمدؒ، ابو یعلیٰؒ، ابن جریرؒ ابن ابی حاتم۔ ابن حبانؒ، الحاکمؒ (اور اس نے اسے صحیح کہا ہے) اور ابن مردویہ نے ابو سعید خدریؓ سے اس سے ملتی جلتی مرفوع حدیث روایت کی ہے۔ الباقیات الصالحات کا معنی ہے "باقی رہنے والی نیکیاں"۔

۴۹۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ، اَنَّهٗ قَالَ: قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ: اَلَا اُخْبِرُكُمْ

بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِعْطَاءِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ، وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ، وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى. قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالَى.

قَالَ زِيَادُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ: وَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ: مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابو الدرداءؓ نے کہا کہ کیا میں تمہارا بہترین عمل، تمہارے درجات کو بہت بلند کرنے والا عمل، تمہارے مالک کے نزدیک تمہارا پاکیزہ ترین عمل، سونے چاندی کو بخشنے سے بھی بہتر عمل اور تمہارے دشمنوں سے بھڑ جانے، ان کی گردنیں اڑانے سے بھی بہتر عمل تمہیں نہ بتادوں؟ ابو الدرداء نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے زیادہ بندے کا کوئی ایسا عمل نہیں جو اسے عذاب سے نجات دلانے والا ہو۔

شرح: یہ حدیث مؤطا میں موقوف اور منقطع آئی ہے۔ مگر ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے اسے مرفوع روایت کیا ہے اور معاذ بن جبل کے قول کو احمدؒ، ابن عبد البر اور بیہقی نے کئی طرق سے مرفوع روایت کیا ہے۔ ذکر کے فضائل بے شمار ہیں۔ کتاب اللہ کا فیصلہ یہ ہے، إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ "نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور ذکر خداوندی یقیناً بہت بڑا ہے۔" یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اس کا ذکر بھی بہت ہی بڑا ہے۔

۴۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا رَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، وَقَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفًا؟" فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا. يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهُنَّ أَوَّلًا".

ترجمہ: رفاعہ بن رافع نے کہا کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہا، ایک شخص نے کہا جو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا ابھی بولنے والا کون تھا؟ وہ شخص بولا یا رسول اللہ میں ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف جلدی کرنے تھے کہ انہیں سب سے پہلے کون لکھے۔ (کیونکہ ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی بہت سی خوبیاں بھی آگئی ہیں۔)

۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ

دعا کا بیان

۴۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ يَدْعُو بِهَا. فَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ "

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کی ایک دعا تھی جسے وہ مانگتا تھا، میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو آخرت میں اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے محفوظ رکھوں۔

شرح: قاضی عیاضؒ کے بقول اس دعا سے مراد ہر اُمت کے نبی کی دعا اس امت کے لئے تھی۔ اور یہ ایک دعا ایسی ہوتی تھی جس کی اجابت کا پختہ وعدہ ہوتا تھا۔ دعا کے فضائل بے شمار ہیں۔ بروئے حدیث دعا عبادت کا مغز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ اس آیت میں دعا کو عبادت فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرنے کو تکبر سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ کی دعائیں احادیث میں دیکھ کر آپؐ کی شان عبدیت کا راز کھلتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے۔ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میرے اور تیرے درمیان یہ عہد ہے کہ تو مانگے اور میں قبول کروں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دعا سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز قابلِ لحاظ نہیں ہے۔ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا، اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ دعا نازل شدہ اور غیر نازل شدہ بلاؤں میں نافع ہے۔ قضا کو دعا کے سوا کوئی چیز رد نہیں کر سکتا۔ دعا مرض کا تریاق ہے۔ کتاب و سنت کی ان تصریحات کے مطابق فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ دعا خداوند تعالیٰ کو پسند ہے وہ افضل عبادت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا یہی راز ہے۔

۴۹۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو فَيَقُولُ: "اللَّهُمَّ فَالِقَ الْإِصْبَاحِ، وَجَاعِلَ اللَّيْلِ سَكَنًا، وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ حُسْبَانًا، اقْضِ عَنِّيَ الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ، وَأَمْتِعْنِي بِسَمْعِي، وَبَصَرِي، وَقُوَّتِي، فِي سَبِيلِكَ "

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ اسے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے اور کہتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ فَالِقَ الْاِصْبَاحِ الخ اے اللہ اے صبح کے خالق اور رات کو باعث سکون بنانے والے اور سورج اور چاند کو ذریعہ حساب بنانے والے! میرے قرض کو ادا فرما اور مجھے محتاجی سے نجات دے۔ اور میرے کان اور آنکھ اور قوت کو اپنی راہ میں لگا۔ (یہ حدیث مرسل ہے اور ایک اور سند میں یحییٰ بن سعید کے بعد مسلم بن یسار کا نام ہے۔ پس اس سند کے ساتھ بھی یہ مرسل ہے۔)

شرح: اس حدیث میں قرض کی ادائیگی کی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق بندے پر ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں اور بندوں کے قرض کو بھی یہ مشتمل ہے۔ فقر سے غنیٰ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ ایسا فقر نہ ہو جو کفر تک لے جائے اور بندے کو لوگوں کی

ذیل رکعت آخری فقرے میں ساری انسانی قوتوں کو اللہ کے دین کی خدمت میں لگانے کی استدعا ہے۔ یہ تو فیق بندے کو بطور امانت ملی ہیں "تاکہ انہیں راہِ حق میں خرچ کرے۔

۴۹۴- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ إِذَا دَعَا: أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ. لِيَعْزِمِ الْمَسْئَلَةَ لَا يَقُلْ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ سوال میں اصرار اور تاکید کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔

شرح: یعنی وہ جو کچھ کرے گا اپنی مشیت سے ہی کرے گا۔ اور اس پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لہذا سوال اور دعا میں عزم و اصرار ہونا چاہیئے۔ اور اجابت کی اُمید رکھی جائے۔ مایوسی کے الفاظ بولنا یا لاپروائی کے انداز اختیار کرنا بندگی کی شان نہیں ہے۔ اس ذاتِ بے نیاز نے تو مخلوق کے بدترین فرد ابلیس کی دعا کو بھی قبول فرمایا تھا۔ اس نے کہا مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ پس وہ اپنے عاجز مومن بندے کی دعا کیوں قبول نہ کریگا؟

۴۹۵- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ. فَيَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کی دُعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ جلد بازی اختیار نہ کرے۔ پس یہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر قبول نہ ہوئی۔

شرح: دعا کا ادب یہ بھی ہے کہ مانگتے وقت الحاح وزاری ہو اور دل میں اجابت کا حسن ظن ہو۔ مانگ کر غرور نہ ہو نہ مایوسی اور جلد بازی ہو۔ بلکہ صبر و ثبات و حسن ظن کی کیفیت کا غلبہ رہے۔ جلد بازی دراصل بدظنی کا نتیجہ ہے اور بدظن ہونا ذاتِ الٰہی کے حضور بے ادبی ہے۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، بندے کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ اور جب تک کہ جلد بازی نہ کرے۔ پوچھا گیا کہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا یوں کہنے لگے کہ میں نے دعا کی اور پھر دعا کی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر وہ تھک کر اور بیزار ہو کر دعا چھوڑ دے۔

۴۹۶- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "يَنْزِلُ رَبُّنَا، تَبَارَكَ وَتَعَالَى، كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى

السَّمَاءِ الدُّنْيَا. حِيْنَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ. فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُوْنِیْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِیْ فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِیْ فَأَغْفِرَ لَهُ؟"

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہمارا بابرکت اور بلند پروردگار ہر رات کو نچلے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہتا ہے۔ پس وہ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا کو قبول کروں؟ اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں؟ اور کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اُسے بخش دوں؟۔

شرح: حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ یہ حدیث متواتر طرق سے اور بہت سی اسناد سے مرفوعًا ثابت ہے۔ ترمذی نے اس کے راوی صحابہؓ کے یہ نام لئے ہیں۔ علیؓ، ابوسعیدؓ، رفاعہ جہنیؓ، جبیرؓ بن معطم، ابن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، عثمان بن ابی العاصؓ۔ حافظ عینیؒ نے ان پر ان ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ جابر بن عبداللہؓ، عبادہ بن الصامتؓ، عقبہ بن عامرؓ، عمروؓ بن عتبہ، ابوالخطاب، ابوبکر الصدیقؓ، انس بن مالکؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوثعلبہ خشنیؓ، عائشہ اُم المومنینؓ، ابن عباسؓ، نواس بن سمعانؓ، ام سلمہ اُم المومنینؓ۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ معتزلہ، جہمیہ، خوارج وغیرہم نے محض حماقت وسفاہت اور بہٹ دھرمی کے ساتھ اس قسم کی احادیث کا انکار کیا ہے اور اس قسم کی آیات قرآنی کی سفیہانہ تاویلیں کرتے ہیں۔ گویا قرآن میں یہ مضمون وارد ہیں اور ان کی تاویلات کا ہدف ہیں مگر احادیث میں بالکل نہیں۔ قرآن نے فرمایا ہے وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔

صفات وافعالِ الٰہیہ کی اس قسم کی آیات واحادیث متشابہات میں سے ہیں۔ جن کا حقیقی معنیٰ مراد کسی مادی اور حسی ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ استوا ہو یا نزول، ید ہو یا ساق، وجہ ہو یا نفس، یہ سب متشابہات میں سے ہیں۔ خالق کی صفات مخلوق جیسی نہیں ہو سکتیں اور مخلوق میں خالق کی صفات کا ہونا ناممکن ومحال ہے۔ وہ نزول صعود یا استوا جسے ہم انسانی زبان میں جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ کیونکہ وہ جسم کی صفات ہیں۔ درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ جسم وجسمانیت سے ماورا ہے۔ بس نزول کا معنیٰ یہاں پر اس کی رحمت اور فضل وکرم کا نزول ہے، جسے محاورۃً بندوں پر شفقت ورحمت کے اظہار کے لئے اس لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حقیقت اس نزول کی صرف اسی ارحم الرحمٰن کو معلوم ہے۔ جو بندوں پر لطف وکرم فرمانے کے لئے نزول فرماتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۹۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ: كُنْتُ نَائِمَةً إِلَى جَنْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَفَقَدْتُهُ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَسْتُهُ بِيَدِیْ. فَوَضَعْتُ يَدِیْ عَلَى قَدَمَيْهِ، وَهُوَ سَاجِدٌ، يَقُوْلُ: "أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ. وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ. وَبِكَ مِنْكَ. لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ. أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ"۔

ترجمہ: حضرت عائشہ اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سوئی ہوئی تھی۔ پس میں نے آپؐ کو بوقتِ شب مفقود پایا اور اپنے ہاتھ کے ساتھ تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑا۔ آپ سجدے میں پڑے

تھے اور کہہ رہے تھے "میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ لیتا ہوں۔ اور تیرے عفو کثیر کے ساتھ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے ساتھ تیری پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔

شرح: اس حدیث پاک سے معلوم ہؤا کہ خالق اپنی حقیقت کو خود ہی جانتا ہے۔ مخلوق کتنی عظیم و کبیر کیوں نہ ہو۔ اس کے احاطے سے بہر حال عاجز ہے۔ مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو مسند و مرفوع روایت کیا ہے۔ مگر مؤطا کی تمام روایتوں میں یہ مرسل آئی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہؤا کہ عورت کے لمس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۴۹۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيزٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْضَلُ الدُّعَاءِ يَوْمَ عَرَفَةَ۔ وَأَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔"

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ بن کریز سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل دُعا یوم عرفہ کی دُعا ہے اور میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی افضل لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہٗ ہے۔

شرح: یعنی دعا میں ایام کے لحاظ سے سب سے زیادہ فضیلت حج کے دن کی دعا کو حاصل ہے۔ اور خود دعا ہونے کے لحاظ سے اس دُعا کو فضیلت حاصل ہے، جو تمام نبیوں کی دعا ہے۔ ابو ہریرۃؓ کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ بھی آتے ہیں، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ مؤطا کی یہ حدیث بھی مرسل ہے۔ کیونکہ طلحہ بن عبید اللہ بن کریز راوی تابعی ہے۔

۴۹۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُسٍ الْيَمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ۔ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ يَقُولُ "اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ۔ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔"

ترجمہ: عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کو یہ دعا اس طور پر سکھاتے تھے جس طور پر کہ قرآن کی سورت پڑھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ "اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں اور مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ لیتا ہوں۔

شرح: اس حدیث سے اصول کا ایک قاعدہ معلوم ہؤا کہ دعاؤں اور اوراد و وظائف میں روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے شرعی معنوں کے ساتھ ساتھ الفاظ کی رعایت بھی مطلوب شرع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ اس دعا کو قرآنی سورت کے الفاظ کی مانند پڑھاتے تھے۔ عیسیٰ بن مریم کو مسیح بمعنی با برکت کہا گیا ہے۔ مگر دجّال کو ایک آنکھ سے ممسوح (کانا) ہونے کے باعث یہ لقب دیا گیا۔ یا اس لئے کہ وہ نقلی مسیح ہونے کے باوجود اصلی مسیح ہونے کا مدعی ہوگا۔ یا اس لئے کہ وہ زمین کی سیاحت کرکے خلق

مخلوق کی بدی کو گمراہ کرنے کا۔ حیات و موت کے کئی فتنے ہو سکتے ہیں۔ جن سے پناہ مانگنے کی تعلیم فرمائی گئی ہے مثلاً ضلالت، بے دینی، فقر و فاقہ، بہت زیادہ غنا، بے عملی و بدعملی اور بداخلاقی، اہل و عیال کی طرف سے مختلف اذیتیں وغیرہا زندگی کے فتنے ہیں۔ خاتمہ بالخیر نہ ہونا، نزع کا عذاب، عذاب قبر مقدر ہونا، اچانک موت کہ وصیت یا توبہ کا موقع نہ ملے وغیرہا موت کے فتنے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

۵۰۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُسٍ الْيَمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ. أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، يَقُولُ: "اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ. أَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ. وَلَكَ الْحَمْدُ. أَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ. أَنْتَ الْحَقُّ. وَقَوْلُكَ الْحَقُّ. وَوَعْدُكَ الْحَقُّ. وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ. وَالْجَنَّةُ حَقٌّ. وَالنَّارُ حَقٌّ. وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ. وَبِكَ آمَنْتُ. وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ. وَبِكَ خَاصَمْتُ. وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ. فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَأَخَّرْتُ. وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ. أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ".

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لئے قیام فرماتے تو کہتے، اے اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے، تو کائنات کی روشنی ہے اور تیرے ہی لئے حمد ہے تو کائنات کو تھامنے والا ہے اور تیرے ہی لئے حمد ہے۔ تو کائنات کا مالک و پروردگار ہے اور ان سب کا بھی جو اس کے اندر ہے۔ تو برحق ہے اور جنت برحق ہے اور آگ برحق اور تیرا قول برحق ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تیری ملاقات برحق ہے اور قیامت برحق ہے۔ اے اللہ میں تیرا ہی مطیع ہوا اور تجھی پر ایمان لایا اور تجھ ہی بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف جھکا اور تیرے ہی ساتھ دشمنوں سے جھگڑا کیا اور تجھ کو فیصلہ کن مانا۔ پس تو مجھ کو بخش دے۔ جو میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کیا اور علانیہ کیا، تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔

شرح: بظاہر یہ دعا نماز میں داخل ہونے سے قبل کی ہے۔ مگر بعض روایات میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کی ہے (زرقانی) نور بمعنی منور ہے یعنی روشن کرنے والا۔ اس کا ایک معنیٰ ہر عیب سے منزّہ بھی ہے۔ بخاری و مسلم کی روایتوں میں وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ کے بعد ہے وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ پہلی تین چیزوں کے لئے "اَلْحَقُّ" کا لفظ بولا گیا ہے جو معرفہ ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کا وعدہ اور قول ہی حق ہے۔ باقی ہر چیز معرض زوال میں ہے۔ اس کے بعد لقاء، جنت، نار اور ساعۃ کے ساتھ "حقٌّ" کا لفظ نکرہ بولا گیا ہے جس کا مقصد تعظیم ہے۔

۵۰۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، أَنَّهُ قَالَ جَاءَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ فِي بَنِي مُعَاوِيَةَ، وَهِيَ قَرْيَةٌ مِنْ قُرَى الْأَنْصَارِ. فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ أَيْنَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِكُمْ هٰذَا؟ فَقُلْتُ لَهُ: نَعَمْ. وَأَشَرْتُ لَهُ

إِلَى نَاحِيَةٍ مِنْهُ. فَقَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا الثَّلَاثُ الَّتِي دَعَا بِهِنَّ فِيهِ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ فَأَخْبِرْنِي بِهِنَّ. فَقُلْتُ: دَعَا بِأَنْ لَا يُظْهِرَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ. وَلَا يُهْلِكَهُمْ بِالسِّنِينَ. فَأُعْطِيَهُمَا. وَدَعَا بِأَنْ لَا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ. فَمُنِعَهَا. قَالَ: صَدَقْتَ.

قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَلَنْ يَزَالَ الْهَرْجُ إِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس بنی معاویہ میں آئے جو انصار کی بستیوں میں ایک بستی تھی۔ پس انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری اس مسجد میں کہاں نماز پڑھی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں! اور میں نے مسجد کے ایک حصے کی اشارہ کیا۔ پھر عبداللہؓ نے مجھ سے فرمایا کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ تین چیزیں کون سی تھیں۔ جن کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرمائی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں! عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ مجھے وہ چیزیں بتاؤ۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہ دعا فرمائی تھی کہ ان کی اُمّت پر اللہ تعالیٰ کسی دشمنِ غیر کو مسلط نہ کرے۔ دوسری یہ تھی کہ انہیں قحط سے ہلاک نہ کرے۔ یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں۔ تیسری دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں خانہ جنگی سے بچائے مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ تو نے سچ کہا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ اس اُمّت میں قتل قیامت جاری رہے گا۔

شرح: اس مضمون کی اور اس سے ملتی جلتی بعض معنوی و لفظی اختلافات کے باوجود احادیث ابن ابی شیبہ، مسند احمد، صحیح مسلم، ابن الشیخ، ابن مردویہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، البزار اور مستدرک میں آئی ہیں بعض میں غرق ہونے سے محفوظ رہنے کی دعا بھی ہے۔ اور بعض میں یہ ہے کہ دنیا بھر کے دشمن بھی جمع ہو جائیں تو مسلمانوں کا نام و نشان نہ مٹا سکیں گے۔ لیکن وہ ایک دوسرے کو خود ہلاک کریں گے۔ اور قیدی بنائیں گے۔ اور یہ کہ میں اپنی اُمّت پر گمراہ کرنے والے ائمہ کا خوف رکھتا ہوں۔

۵۰۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُو، إِلَّا كَانَ بَيْنَ إِحْدَى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ يُسْتَجَابَ لَهُ، وَإِمَّا أَنْ يُدَّخَرَ لَهُ، وَإِمَّا أَنْ يُكَفَّرَ عَنْهُ.

ترجمہ: زید بن اسلم کہتا تھا کہ کسی دُعا کرنے والے کی دعا تین احوال سے خالی نہیں ہوتی۔ ایک یہ کہ اس کی دعا بلفظہٖ قبول کر لی جائے۔ دوسرا یہ کہ اُسے مانگنے والے کے حساب میں جمع کر دیا جائے۔ تیسرا یہ کہ وہ دُعا اس کے کسی اور گناہ کا کفارہ بنا دی جائے۔

شرح: یہی مضمون ابن جریر اور ابن ابی شیبہ کی مرفوع حدیث میں، جو ابوسعیدؓ سے مروی ہے، آیا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم مانگو میں تمہیں دوں گا" پس یہ تینوں صورتیں اجابتِ دعا کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندے سے زیادہ خود جانتا ہے کہ اس کے بندے کے لئے کیا بہتر ہے۔ بعض دفعہ قبولیتِ دُعا میں دیر اس لئے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے پیار کرنے کے باوجود اس کا امتحان لیتا ہے تاکہ اس کی گریہ و زاری کو سُنے۔ مسند احمد اور الادب المفرد للبخاری اور المستدرک میں میں ابوسعیدؓ کی مذکورہ بالا مرفوع حدیث یوں آئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کوئی مسلم جب دعا کرتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ اور قطع رحمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزوں میں سے ایک عطا فرماتا ہے یا تو اس کی دُعا کو دنیا میں قبول فرما لیتا ہے یا اسے آخرت

کے لئے ذخیرہ بناکر جمع کر دیتا ہے اور یا اس سے اس کی مانند کسی تکلیف کو دُور فرما دیتا ہے۔ جابرؓ کی مرفوع حدیث میں یہ مضمون زیادہ طویل اور مفصل ہے۔ طبرانی اوسط میں جابرؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یقیناً اللہ عزوجل بہت حیادار اور کریم ہے۔ بندہ جب اپنے ہاتھ اس کی طرف اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹانے سے شرماتا ہے۔ ترمذی نے یہ حدیث سلمانؓ روایت کی ہے۔ اور اسی طرح ابوداؤد اور بیہقی نے بھی دعوات کبیر میں اسے روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

۹۔ بَابُ الْعَمَلِ فِی الدُّعَاءِ

دُعا کا طریقہ

۵۰۳۔ حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ، قَالَ رَاٰنِی عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَدْعُوْا، وَاُشِیْرُ بِاُصْبُعَیْنِ، اُصْبُعٍ مِنْ کُلِّ یَدٍ۔ فَنَهَانِی۔

ترجمہ: عبداللہ بن دینارؒ نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا۔ میں دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر رہا تھا، یعنی ہر ہاتھ کی ایک انگلی سے۔ پس عبداللہؓ نے مجھے منع کیا۔

شرح: یہی مضمون سعد بن ابی وقاصؓ کی مرفوع حدیث میں وارد ہے، جسے ترمذی، الحاکم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث الحاکم نے روایت کی ہے اور اس میں بھی یہی مضمون ہے۔ دُعا کا ادب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر سوال کیا جائے۔ ایک انگلی سبابہ کا اشارہ نماز میں شہادتِ توحید کے لئے ہوتا ہے۔

۵۰۴۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ، کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّجُلَ لَیُرْفَعُ بِدُعَاءِ وَلَدِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ۔ وَقَالَ بِیَدَیْهِ نَحْوَ السَّمَاءِ۔ فَرَفَعَهُمَا۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ کہتے تھے کہ آدمی کا درجہ اس کی موت کے بعد اس کی اولاد کی دعا کے باعث بلند کیا جاتا ہے۔ اس پر سعیدؒ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر ان کے ساتھ اشارہ کیا۔

شرح: سعیدؒ کا اشارہ یا تو اولاد کی دُعا کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور یا یہ بتانے کے لئے کہ والدین کا درجہ بہت اونچا کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون کئی مرفوع احادیث میں آیا ہے کہ جس کا علم یا صدقۂ جاریہ یا نیک اولاد جو والدین کے لئے دُعا کرتی رہے، باقی ہو، اس کا عمل جاری رہتا ہے۔ ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں مومن کا درجہ بلند کیا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! یہ کس وجہ سے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے بیٹے کے استغفار کے سبب سے۔

۵۰۵۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ قَالَ: اِنَّمَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۔ فِی الدُّعَاءِ۔
قَالَ یَحْیٰی: وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الدُّعَاءِ فِی الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ، فَقَالَ لَا بَاْسَ بِالدُّعَاءِ فِیْهَا۔

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ یہ آیت دعا کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی اور اپنی صلوٰۃ (دعا) کو جہر سے مت کر اور نہ (زیادہ) پوشیدگی کے ساتھ۔ اور ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کر۔

امام مالکؒ سے فرض نماز میں دعا کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شرح: امام مالکؒ سے الاستذکار میں منقول ہے کہ اس کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ دن کی نمازوں میں بالجہر قرأت مت کر اور صبح اور رات کی نمازوں میں مخفی قرأت مت کرو۔ یہ تفسیر ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اور بخاری و مسلم وغیرہما میں مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحاح کی احادیث سے نفلی نمازوں بالخصوص صلوٰۃ اللیل میں طویل اور جامع دعائیں منقول ہیں۔ لیکن فرائض میں منقول نہیں۔ کیونکہ امام کو تخفیف کا حکم دیا گیا ہے۔ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے فرائض میں دعائیں منقول نہیں ہیں۔ لہٰذا ائمہ حنفیہ نے کہا ہے کہ نوافل کو جتنا چاہے طول دیا جائے مگر فرائض میں دعائیں تطویل و ثقل کا باعث ہوں گی۔ ابن قدامہؒ حنبلی نے المغنی میں یہی کہا ہے۔ نوازل و حوادث کی قنوت اس سے مستثنیٰ ہے۔

۵۰۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُو، فَيَقُولُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ۔ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ۔ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ۔ وَإِذَا أَرَدْتَ بِالنَّاسِ فِتْنَةً، فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ، غَيْرَ مَفْتُونٍ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں کہتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ سے نیکیاں کرنے، برائیاں ترک کرنے اور مساکین کی محبت کی دعا کرتا ہوں اور یہ کہ جب تو لوگوں کو مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنے سے بچا کر اپنے پاس بلا لے۔

شرح: مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ مگر اس حدیث کی دعا حسن خاتمہ اور اجتناب از فتنہ کے لئے ہے لہٰذا یہ ممنوع نہیں۔ اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کرنا اور برائی کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور توفیق کے ساتھ ہوتا ہے۔ حبّ المساکین کا منشا تکبر و ترفع سے بچنا ہے۔

۵۰۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُو إِلَى هُدًى، إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ۔ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا۔ وَمَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُو إِلَى ضَلَالَةٍ، إِلَّا كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ أَوْزَارِهِمْ۔ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا"۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بلانے والا ہدایت کی طرف بلائے تو اس کا ثواب ان سب لوگوں جیسا ہوگا جو اس کے پیچھے چلیں گے۔ اس کا ثواب دوسروں کے ثواب میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ اور جو بلانے والا گمراہی کی طرف دعوت دے تو اس کا بوجھ (گناہ) ان سب کے بوجھ جیسا ہوگا۔ اور یہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

شرح: یعنی نیکی یا بدی کی دعوت دینے کا ثواب و عتاب بہت زیادہ ہے۔ اس کی دعوت پر عمل کرنے والے اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے اور اس کا گناہ اُن سب کے برابر ہوگا۔ اسی طرح اس کی نیکی اور ثواب کا حال بھی ہے کہ اس کی دعوت پر لبیک

کہنے والے اپنے اپنے عقائد و اعمال کا اجر پائیں گے اور اسے ان سب کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ اپنے اپنے عقیدہ و عمل کا ثواب و عقاب ہے پس یہ قرآنی قاعدے لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا" کے خلاف نہیں ہے۔

اگر یہ ضلالت کا داعی توبہ کرے تو اس کے سبب سے جو لوگ گمراہ ہو چکے تھے، ظاہر ہے کہ جب تک وہ گمراہ رہیں گے، ان کا گناہ اس پر رہے گا۔ تو کیا اس صورت میں بھی اس داعی کو گناہ ہوتا رہے گا۔ یا توبہ کے باعث ختم ہو جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی توبہ سے اس کا گناہ بالکل منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح توبہ بھی پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا، اس شخص کی مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ اُمت کی ہدایت کا باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ پس اس قاعدے کے مطابق ہر اُمتی کے نیک اعمال کا جس قدر اجر اسے ملے گا۔ اتنا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملے گا۔ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ۔ یہ حدیث صحاح میں ابوہریرہؓ اور جریر وغیرہما سے مرفوع مسند وارد ہے۔

۵۰۸۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَئِمَّةِ الْمُتَّقِیْنَ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ اے اللہ مجھے متقیوں کے اماموں میں شامل فرما۔

شرح: یہ دُعا اس قرآنی دعا کی مانند ہے، وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔

۵۰۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ كَانَ يَقُوْمُ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ، فَيَقُوْلُ نَامَتِ الْعُيُوْنُ۔ وَغَارَتِ النُّجُوْمُ، وَاَنْتَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ ابوالدرداءؓ رات کو اُٹھتے اور کہتے تھے: آنکھیں سو گئیں اور ستارے غروب ہو گئے۔ اور تو ہی اے اللہ! زندہ اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ (یعنی مخلوق پر تغیر، ضعف اور زوال طاری ہوتا ہے۔ مگر اللہ عزّ وجلّ ان کمزوریوں سے ماوراء ہے۔

۱۔ بَابُ النَّهْیِ عَنِ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ

صبح اور عصر کے بعد نماز کی ممانعت کا باب

۵۱۰۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا۔ ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا۔ فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا۔ فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا۔ فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِیْ تِلْكَ السَّاعَاتِ۔

ترجمہ: عبداللہ الصنابحی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ

شیطان کا سینگ ہوتا ہے۔ جب سورج بلند ہو جائے تو وہ اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ نصف النہار میں سیدھا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے ساتھ آملتا ہے۔ جب سورج زائل ہو جائے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب غروب کے قریب ہو تو اس کے ساتھ آملتا ہے اور جب غروب ہو جائے اور اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز سے منع فرمایا ہے۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: عبداللہ صنابحی بقول یحییٰ بن معینؒ، الحاکمؒ، المنذریؒ، ذہبیؒ اور الخطیبؒ مشہور صحابی تھے۔ ان کی کئی مرفوع روایات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ بعض میں (مثلاً مسند احمد کی حدیث) یہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔ ابوعبداللہ صنابحی ایک اور شخص ہے جو تابعی تھا۔ الفاظ کی کچھ مشابہت کے باعث بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا اور انہوں نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے۔

اس حدیث میں قرن الشیطان کا لفظ ہے اور صحاح کی کچھ اور روایات میں یہ لفظ ہیں کہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ یا تو اس کے واقعی سینگ ہیں، جنہیں وہ طلوع واستواء اور غروب کے وقت سورج کے سامنے کر دیتا ہے اور مشرک ان اوقات میں جب سورج کی پوجا کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے کہ یہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یا قرن سے مراد گروہ ہے کہ ان اوقات میں مشرکوں کے شیطانی گروہ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان وقتوں میں نماز سے روک دیا گیا۔ مبادا غیر اللہ کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

اس حدیث میں تین اوقات میں نماز کی ممانعت آئی ہے۔ طلوع آفتاب، نصف النہار اور غروب آفتاب۔ ان اوقات میں نہی کی علت مشرکوں کی مشابہت ہے۔ اور یہ ممانعت مطلق ہے یعنی ان اوقات میں فرائض وسنن اور نوافل نہ پڑھے جائیں۔ اس علت کا ذکر مسلم، ابوداؤد اور احمد کی روایات میں صراحۃً موجود ہے۔ یہی صنابحی کی روایت نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بیان کی ہے۔ عمروؓ بن عبسہ، ابوہریرہ اور صفوان بن معطلؓ کی احادیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔

آگے ابوہریرہؓ کی روایات میں صبح کے بعد اور عصر کے بعد بھی نماز کی ممانعت آرہی ہے۔ پس یہ کل پانچ اوقات ہو گئے۔ مزید گفتگو آگے آئے گی۔

۵۱۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "إِذَا بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَبْرُزَ. وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ"

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب کہ سورج کا کنارا ظاہر ہو جائے۔ تو نماز کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ خوب ظاہر اونچا ہو جائے اور جب سورج کا کنارا غروب ہو جائے تو نماز کو مؤخر کر دو۔ حتیٰ کہ وہ غائب ہو جائے۔

شرح: بخاری، مسلم اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ طلوع کے بعد ایک نیزہ بلند ہونے تک ممانعت احادیث میں آچکی ہے۔ یہاں فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ کا لفظ ہے۔ مگر متفق علیہ حدیث میں فَدَعُوا الصَّلَاةَ آیا ہے یعنی اس وقت فرض یا نفل کوئی نماز جائز نہیں۔

۵۱۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بَعْدَ

الظُّهْرِ. فَقَامَ يُصَلِّي الْعَصْرَ. فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ، ذَكَرْنَا تَعْجِيلَ الصَّلَاةِ، أَوْ ذَكَرَهَا. فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ. تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ. تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ. يَجْلِسُ أَحَدُهُمْ، حَتَّى إِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ، وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، أَوْ عَلَى قَرْنِ الشَّيْطَانِ، قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا. لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا".

ترجمہ: العلاء بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہم ظہر کے بعد انس بن مالک کے ہاں گئے تو وہ کھڑے ہو کر نماز عصر پڑھنے لگے جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے ان کے جلدی نماز پڑھ لینے کا ذکر کیا، یا خود انسؓ نے ہی ذکر کیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے کہ ان میں سے کوئی بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آ جاتا ہے، یا یہ فرمایا کہ شیطان کے سینگ پر آ جاتا ہے تو وہ شخص اُٹھ کر چار ٹھونگے لگا لیتا ہے۔ جن اللہ تعالیٰ کو بس برائے نام ہی یاد کرتا ہے۔

شرح: یہ بصرہ کا واقعہ ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے اور وہاں یہ بھی ہے کہ ان سب جانے والوں نے نماز عصر کو حضرت انسؓ کے ساتھ پڑھا تھا۔ مسجد کی نماز کا انتظار شاید اس حدیث کی بنا پر نہیں کیا کہ حضورؐ نے فرمایا، جب تم پر ایسے اُمراء آ جائیں جو بروقت نماز نہ پڑھیں تو تم وقت پر پڑھ لو اور ان کے ساتھ اگر پڑھنی پڑے) ان کے ساتھ والی نماز کو نفلی سمجھ لو۔ بنی اُمیہ کے امراء نماز عصر کو تاخیر سے پڑھتے تھے جیسا کہ خود انسؓ کی بیان کردہ حدیث میں ہے کہ منافق سورج کے زرد ہو جانے پر یہ نماز جلدی جلدی پڑھ لیتا ہے اور خشوع و خضوع مفقود ہونے کے باعث اللہ کا ذکر اس میں برائے نام ہوتا ہے۔

۵۱۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَتَحَرَّ أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيَ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا".

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں سے کوئی یہ کوشش نہ کرے کہ سورج کے طلوع کے وقت اور اس کے غروب کے وقت نماز پڑھے۔ (یہ حدیث موطائے امام محمدؒ میں بھی بَابُ الصَّلٰوۃِ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوْبِهَا میں مروی ہے۔)

۵۱۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور صبح کے بعد طلوع آفتاب تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

شرح: احادیث میں طلوع کے بعد ایک نیزہ بلند ہونے تک کی قید بھی موجود ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کو مکہ کے علاوہ دیگر مقامات سے مخصوص کیا ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ اِلّا بمکّہ والی حدیث غیر صحیح ہے۔ حافظ عینی نے کہا کہ یہ لفظ غریب ہے جو مشہور روایات میں نہیں آیا۔

۵۱۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ یَقُوْلُ: لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَهَا۔ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَطْلُعُ قَرْنَاهُ مَعَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ وَیَغْرُبَانِ مَعَ غُرُوْبِهَا۔

وَكَانَ یَضْرِبُ النَّاسَ عَلٰی تِلْكَ الصَّلٰوةِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت بن الخطابؓ کہا کرتے تھے کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز کا قصد مت کرو۔ کیونکہ طلوع آفتاب کے ساتھ شیطان کے دو سینگ (یعنی اس کے سر کے دو اطراف) کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے غروب کے ساتھ وہ بھی غروب ہو جاتے ہیں اور حضرت عمرؓ اس وقت نماز پڑھنے پر لوگوں کو پیٹتے تھے۔ (صحیح مسلم میں انسؓ کا قول مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارا کرتے تھے۔)

شرح: امام محمد نے طلوع و غروب اور نصف النہار کے وقت نماز سے نہی کی احادیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے اور جمعہ کا دن ہو یا کوئی اور دن، ہمارے نزدیک اس حکم میں برابر ہے۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

۵۱۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ، اَنَّهٗ رَاٰی عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ یَضْرِبُ الْمُنْكَدِرَ فِی الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

ترجمہ: السائب بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو المنکدر کو عصر کے بعد نماز کے باعث پیٹتے دیکھا تھا۔

شرح: شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ یہ المنکدر بن عبداللہ بن الہدیر تھا۔ اس کا بیٹا محمد بن المنکدر مشہور فقیہ گزرا ہے۔ حضرت عمرؓ سے اس وقت کی نماز سے ممانعت اور تادیب کے کئی آثار منقول ہوئے ہیں۔

۱۶- کِتَابُ الْجَنَائِزِ

۱- بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ

میت کے غسل کا باب

امام مالکؒ سے غسل میت میں دو قول مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ وہ فرض کفایہ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ سُنت علی الکفایہ ہے۔ ابوحنیفہ، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک غسلِ میت سنت و اجماع کی رُو سے زندوں پر واجب (فرض) ہے۔ حدیث میں ایک مسلم کے ذمے دوسرے کی طرف سے چھ حقوق ثابت ہیں۔ جن میں سے غسل میت بھی ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا کہ اس پر اُمت کا اجماع ہے۔ شرح الوجیز میں ہے کہ غسل تکفین اور نمازِ جنازہ بالاجماع فرض کفایہ ہے۔ عبداللہ بن احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے غسل دیا، کفن پہنایا اور خوشبو لگائی اور پھر کہا۔ اے بنی آدم! یہی تمہارا طریقہ ہے۔ یہ حدیث بیہقی اور حاکم نے بھی روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ پھر اس غسل کی علت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ ایک تعبدی حکم ہے یا نظافت کے لئے ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ حکم تعبدی ہے۔ یعنی صرف حکم شرع کے باعث غسل دیا جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور ابوثورؒ کے نزدیک غسل میت کی علت نظافت ہے بسبب اس کا یہ ہے کہ موت کے باعث بہنے والا خون میت کے جسم کے اعضا میں جذب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مُردہ جانور کا بھی یہی حال ہے۔ پس اس خون کے باعث مُردہ نجس ہو جاتا ہے اور اس کے غسل کا حکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کے مطابق فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّ مَیِّتًا "میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ زندگی میں اور اس کے بعد بھی پاک ہیں"۔ اس قاعدے سے مستثنیٰ تھے۔ آپ کا غسل و کفن تکریم و تعظیم کے لئے تھا۔ اس مسئلہ پر مزید گفتگو کی گنجائش ہے مگر یہ اس کا محل نہیں ہے۔

۵۱۷- حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُسِّلَ فِیْ قَمِیْصٍ۔

ترجمہ: محمد بن علیؒ بن الحسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص میں غسل دیا گیا تھا۔

شرح: اس حدیث کو مالکؒ نے جعفرؒ (الصادق) سے اور انہوں نے اپنے والد محمد الباقرؒ سے روایت کیا ہے۔ مؤطا میں یہ مرسل آئی ہے۔ مگر مؤطا ہی کے ایک راوی سعید بن عفیر نے اسے بالکؒ عن جعفرؒ عن ابیہ عن عائشہؓ مرفوع و مسند روایت کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ یہ حدیث علما، اہل سیر و مغازی کے نزدیک مشہور ہے اور مؤطا کے سوا اور کتب میں اس کی روایت جابرؓ سے عن عائشہ الصدیقہؓ آئی ہے اور یہی روایت صحیح تر ہے۔ قمیص میں غسل دیا جانا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ اوروں کے لئے یہ حکم نہیں۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضورؐ کو غسل دیتے وقت مشورہ کیا گیا کہ عام میتوں کی طرح آپ کو بھی کپڑے اتار کر غسل دیا جائے یا قمیص کے اندر۔ پس انہوں نے گھر کے ایک کونے کی جانب سے آواز سنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی۔

۵۱۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَتِ ابْنَتُهُ، فَقَالَ: "اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا، أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ، بِمَاءٍ وَسِدْرٍ، وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا. أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ. فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي" قَالَتْ: فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ. فَأَعْطَانَا حِقْوَهُ. فَقَالَ: "أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ" تَعْنِي بِحِقْوِهِ، إِزَارَهُ۔

ترجمہ: اُمِّ عطیہ انصاریہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ آپ کی بیٹی فوت ہوگئی تھی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ بار غسل دو پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ اور آخری غسل میں کافور یا فرمایا کہ کچھ کافور ڈال دو۔ اور جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانا۔ اُمِّ عطیہؓ نے کہا کہ جب ہم فارغ ہوئیں تو آپ کو اطلاع دی۔ پس آپؐ نے ہمیں اپنا تہ بند عنایت فرمایا اور فرمایا کہ اسے اس کے کفن میں سب سے نیچے رکھو۔ اُمِّ عطیہؓ کی مراد لفظِ حقو سے تہ بند ہے۔

شرح: حضورؐ کی یہ سب سے بڑی صاحبزادی زینبؓ تھیں۔ ان کی وفات ہجرت کے آٹھویں سال واقع ہوئی تھی مسلم کی روایت میں ہے یہ واقعہ حضرت زینبؓ کی وفات کے وقت کا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں اُمِّ کلثومؓ کا نام آتا ہے۔ دراصل یہ دو واقعات تھے اور اُمِّ عطیہؓ کو چونکہ حضورؐ نے غسلِ میّت کا طریقہ بتایا تھا۔ لہٰذا وہ خواتین کے غسلِ میّت میں حاضر ہوتی تھیں۔ پس یہ بات تمام روایات کو جمع کر دیتی ہے کہ یہ واقعہ ان ہر دو صاحبزادیوں کے غسل کے وقت پیش آیا تھا۔

اس حدیث سے غسلِ میّت کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے۔ مگر حضورؐ نے چونکہ تین بار پانچ یا اکثر بار غسل دینے کا حکم فرمایا تھا۔ لہٰذا کوئی خاص عدد واجب نہ ہؤا اور یہ چیز ضرورت پر محمول ہوگئی۔ ائمہ فقہ کے نزدیک ایک بار غسل واجب ہے اور حنفیہ نے کہا کہ تین بار مسنون ہے اور اگر زیادہ ضرورت ہو تو طاق عدد رکھنا مسنون ہے۔ بیری کے پتوں میں یہ حکمت ہے، کہ اس سے نظافت حاصل ہوتی ہے اور میّت کا جسم کئی فوری خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ کافور ملانے کی حکمت بھی خوشبو کے علاوہ یہی ہے کہ اس سے میّت کا بدن کئی خرابیوں سے بچ جاتا ہے۔

حضورؐ نے اپنا تہ بند جو عنایت فرمایا تھا یہ بطور تبرک و اکرام تھا۔ تاکہ آپؐ کے جسمِ اقدس سے لگا ہؤا کپڑا صاحبزادی کے جسدِ اطہر کے ساتھ رہے۔ اس سے صالحین اور بزرگوں کے آثار سے تبرک کا ثبوت ملا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ عورت کو مرد کے کپڑے کا کفن (اور اس طرح اس کے برعکس بھی) دیا جا سکتا ہے۔

۵۱۹- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ غَسَّلَتْ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ، حِينَ تُوُفِّيَ. ثُمَّ خَرَجَتْ فَسَأَلَتْ مَنْ حَضَرَهَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ. فَقَالَتْ: إِنِّي صَائِمَةٌ. وَإِنَّ هَذَا يَوْمٌ شَدِيدُ الْبَرْدِ، فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ غُسْلٍ؟ فَقَالُوا: لَا۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکرؓ ابن محمد بن عمرو بن حزم انصاریؒ سے روایت ہے کہ اسماء بنتِ عمیسؓ نے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی تھیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات پر انہیں غسل دیا باہر نکل کر وہاں پر موجود مہاجرین سے پوچھا کہ میں روزہ سے ہوں اور آج کے دن شدید سردی ہے، پس کیا میرے ذمّہ غسل واجب ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ (امام محمدؒ نے اس روایت کو اپنے مؤطا میں ابواب الجنائز کے پہلے باب میں درج کیا ہے۔)

شرح: امام محمد فرماتے ہیں کہ یہی مختار ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر اُسے غسل دے۔ اور میّت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں نہ وضو، اِلّا یہ کہ اسے غسلِ میّت کا پانی لگ جائے تو وہ اسے دھو ڈالے۔ اسماءؓ بنت عمیس اُمّ المومنین میمونہؓ کی ماں شریک بہن تھیں۔ جب ان کا پہلا خاوند جعفر بن ابی طالبؓ شہید ہوگیا۔ تو ابوبکر الصدّیقؓ الاکبر نے ان سے نکاح کیا۔ ان کی وفات پر علی بن ابی طالبؓ نے اسماءؓ سے نکاح کیا۔ ان کی ہر خاوند سے اولاد ہوئی۔ یہ مہاجرات حبشہ میں سے تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسماءؓ سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب اسمٰاؓ کو ان کے بیٹے محمدؒ بن ابی بکرؓ کے قتل کی خبر ملی تو اپنی گھر کی مسجد میں بیٹھ گئیں اور غم کو اس قدر ضبط کیا کہ چھاتیوں سے خون ٹپک پڑا۔

اسمٰاءؓ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی وصیت کے مطابق غسل دیا تھا۔ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ بیوی کی میّت کو خاوند کے غسل دینے میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے اسے جائز کہا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ حضرت علیؓ نے جناب فاطمہؓ کو غسل دیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا۔ اگر تو مجھ سے پہلے وفات پاگئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور کفن دفن کروں گا۔ یہ حدیث مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے۔ مولانا شوق نیموی نے آثار السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث میں لفظ فَغَسَلْتُكِ محفوظ نہیں ہے اور اگر یہ محفوظ ہو تو معنی اس کا یہ ہے کہ "میں تیرے غسل اور کفن دفن کا انتظام کروں گا۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی میّت کو غسل نہیں دیا۔ اپنے فرزند ابراہیم کو بھی نہیں۔ حضرت علیؓ کا جناب فاطمہؓ کو غسل دینا ثابت شدہ امر نہیں ہے۔ کیونکہ روایات میں یہ بھی موجود ہے کہ اُمّ ایمن نے غسل دیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ابن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کے اس غسل دینے پر نکیر کی تھی۔

ائمہ حنفیہ اور ثوریؒ نے کہا ہے کہ خاوند اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ البدائع میں ہے کہ حضرت عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے غسل کے متعلق پوچھا گیا جو مر جائے اور وہاں پر کوئی اور عورت نہ ہو، تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اسے پاک مٹی کے ساتھ تیمم کرا دیا جائے۔ آپؐ نے یہ فرق بالکل بیان نہیں فرمایا کہ اگر اس کا خاوند موجود ہو تو وہ غسل دے دے۔ عورت کی موت کے ساتھ ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا خاوند اسے نہ چھو سکتا ہے نہ اس کی طرف نظر کر سکتا ہے چہ جائیکہ اسے غسل دے۔ یہی سبب ہے کہ اس کی بہن کے ساتھ فوراً اس کا نکاح حلال ہو جاتا ہے۔ پس جب وہ مرد کے لئے اجنبی ہو گئی تو اسے چھونا اور دیکھنا حلال نہ رہا۔

بیہقی نے کئی سندوں کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غسل میں اسماء بنتِ عمیسؓ اور علیؓ دونوں شریک تھے۔ مطلب یہ کہ غسل اسمٰاؓ اور اُمّ ایمن نے دیا اور ان کی مدد حضرت علیؓ نے کی تھی۔ بیہقی نے کئی طرق سے وہ روایت بھی بیان کی ہے کہ جس عورت کو نہلانے کے لئے کوئی عورت موجود نہ ہو اُسے تیمم کرا دیا جائے۔
زیر نظر روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غسل میت سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ یہی جمہور فقہا کا مذہب ہے۔ اور ابوہریرہؓ کی حدیث اگر ثابت ہو تو استحباب پر محمول ہے۔ یعنی حضورؐ کا یہ ارشاد کہ جو میت کو غسل دے اسے غسل کرنا چاہیئے۔ یہ حدیث ثابت

۵۲۰- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ سَمِعَ اَهْلَ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: اِذَا مَاتَتِ الْمَرْاَةُ، وَلَيْسَ مَعَهَا نِسَاءٌ يُغَسِّلْنَهَا، وَلَا مِنْ ذَوِي الْمَحْرَمِ اَحَدٌ يَلِيْ ذٰلِكَ مِنْهَا، وَلَا زَوْجٌ يَلِيْ ذٰلِكَ مِنْهَا، يُمِّمَتْ فَمُسِحَ بِوَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا مِنَ الصَّعِيْدِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَاِذَا هَلَكَ الرَّجُلُ، وَلَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ، اِلَّا نِسَاءٌ، يَمَّمْنَهُ اَيْضًا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ لِغُسْلِ الْمَيِّتِ عِنْدَنَا شَيْءٌ مَوْصُوْفٌ۔ وَلَيْسَ لِذٰلِكَ صِفَةٌ مَعْلُوْمَةٌ وَلٰكِنْ يُغَسَّلُ فَيُطَهَّرُ۔

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم کو کہتے سُنا کہ جب عورت مر جائے اور وہاں پر اسے غسل دینے کے لئے عورتیں موجود نہ ہوں اور نہ اس کا کوئی محرم ہو، جو غسل دے سکے اور نہ خاوند ہو، جو ایسا کر سکے۔ تو اسے تیمم کرا دیا جائے، پس اس کے چہرے اور ہاتھوں کا مٹی سے تیمم کرایا جائے۔

مالکؒ نے کہا کہ جب مرد مر جائے اور اس کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو صرف عورتیں ہوں تو وہ بھی اسے تیمم کرا دیں۔

مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک غسلِ میّت کی کوئی مقررہ حد اور مقررہ طریقہ نہیں ہے بلکہ اسے غسل دیا جائے اور پاک کر دیا جائے۔

شرح: زرقانی نے کہا ہے کہ مکحول سے مرفوع و مُرسل دونوں طرح سے بیہقی میں مروی ہُوا ہے کہ جب عورت مر جائے اور وہاں صرف مرد ہوں عورت کوئی نہ ہو۔ یا مرد جائے اور وہاں صرف عورتیں ہوں مرد کوئی نہ ہو۔ تو ان میّتوں کو تیمم کرا کے دفن کیا جائے اور ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جسے پانی نہ ملا ہو۔ یہی قول شافعیؒ، ابو حنیفہؒ اور جمہور علما کا ہے۔ اور مرد کو غسل دینے میں سب سے اولیٰ اس کا وصی ہے۔ پھر اس کا باپ پھر دادا پھر قرابتدار قربِ قرابت کے لحاظ سے۔ عورت کو غسل دینے کے لئے سب سے بہتر اس کی وصی عورت ہے۔ پھر میراث کی مانند درجہ بدرجہ قرابتدار عورتیں۔

۲- بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَفَنِ الْمَيِّتِ

میّت کے کفن کا باب

۵۲۱- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ، لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ۔

ترجمہ: عروہؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحولی (یمنی) کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ ان میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ تھا۔

شرح : اصحابِ سُنن نے ابن عباسؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ سفید کپڑے پہنو کیونکہ وہ بہت پاکیزہ اور بہت صاف ہوتے ہیں۔ اور انہی میں اپنے مُردوں کو کفناؤ۔ ترمذی اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں ایک یمنی چادر (حِبرہ) کا ذکر آتا ہے۔ مگر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ چادر کو بعد میں نکال دیا گیا تھا۔ ترمذی نے کہا کہ حضورؐ کی تکفین تین سفید کپڑوں میں ہوئی تھی اور یہی صحیح تر روایت ہے۔ پس مستحب تین سفید کپڑے ہوئے۔ مگر ضرورت کے وقت ان میں کمی ہو سکتی ہے یا چادر اور کتان وغیرہ کا کفن بھی دیا جا سکتا ہے۔ سحول ایک بستی کا نام تھا جو یمن میں تھی اور وہاں کپڑا بنتا تھا۔

"قمیص اور پگڑی ان میں نہ تھا" اس فقرے کی تفسیر مالکؒ نے یہ کی کہ قمیص اور عمامہ ان کے علاوہ تھا۔ گویا یہ کل پانچ کپڑے تھے۔ شافعیؒ اور ائمہ حنفیہ نے اس کی تفسیر یہ کی کہ صرف تین کپڑے تھے اور کوئی نہ تھا۔ ابن سعدؒ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ بعض حنفی متاخرین نے پانچ کپڑوں کا استحباب بیان کیا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کا جواز بتایا۔ مگر مستحب نہیں جانا۔ دراصل اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے جس قمیص کی نفی کی ہے وہ یہ معتاد قمیص ہے جسے زندگی میں پہنا جاتا ہے اور میّت کی قمیص اور ہے جس میں بازو وغیرہ نہیں ہوتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ کو جس قمیص میں غسل دیا گیا تھا وہ کفن میں شامل نہ تھی۔ اس مسئلہ پر کچھ گفتگو آگے آئے گی۔

۵۲۲ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، أَنَّهُ قَالَ: بَلَغَنِيْ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ قَالَ لِعَائِشَةَ، وَهُوَ مَرِيْضٌ: فِيْ كَمْ كُفِّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَتْ: فِيْ ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ، بِيْضٍ سُحُوْلِيَّةٍ. فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: خُذُوْا هٰذَا الثَّوْبَ (لِثَوْبٍ عَلَيْهِ، قَدْ أَصَابَهُ مِشْقٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ) فَاغْسِلُوْهُ. ثُمَّ كَفِّنُوْنِيْ فِيْهِ مَعَ ثَوْبَيْنِ آخَرَيْنِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَمَا هٰذَا؟ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ: اَلْحَيُّ أَحْوَجُ إِلَى الْجَدِيْدِ مِنَ الْمَيِّتِ. وَإِنَّمَا هٰذَا لِلْمُهْلَةِ.

ترجمہ : یحییٰ بن سعید نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت ابوبکر الصدّیق نے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں کا کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ تین سحولی سفید کپڑوں کا۔ پس ابوبکر الصّدّیق نے فرمایا کہ مجھ پر یہ جو کپڑا ہے جس میں کچھ گیری یا زعفران لگا ہوا تھا، اسے لے کر دھو ڈالو پھر اس میں مجھے کفناؤ اور دو کپڑے اور ساتھ لگالو۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یہ کیا ہوا (یعنی یہ کپڑا پرانا ہے اور کفن کے لائق نہیں) تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میّت کی نسبت زندہ شخص نئے کپڑے کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ تو جسم سے نکلنے والے مادّوں کے لئے ہوتا ہے۔

شرح : بخاری کی روایت میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں۔ مگر مسند احمد، عبدالرزاق اور ابن سعد کی کئی روایات میں دو کپڑے طلب کا ذکر ہے کہ انہیں دھو کر مجھے انہی میں کفنا دینا۔ بخاری کی روایت کو اگر صحیح تر ہونے کی بنا پر انہیں بھی ترجیح دیں تو یہ دوسری روایات متعدد ہیں۔ اور ان کے طرق بھی متعدد ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر انہیں بھی ترجیح دی جا سکتی ہے۔ البدائع اور الہدایہ میں اسی سبب سے کہا ہے کہ مرد کو دو کپڑوں میں کفن دیا جا سکتا ہے۔ مگر بخاری اور دیگر کتب کی روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے حضرت ابوبکر الصدیق نے دو کپڑوں کا حکم دیا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے اتباع میں تین کپڑوں کا حکم دیا ہوگا۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے جو فرمایا کہ کفن تو جسم سے نکلنے والے مادّوں کے لئے ہوتا ہے۔ یہ ان کی فطری رقتِ قلب اور خدا تعالیٰ کے

حضور عاجزی اور خشوع وخضوع کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کے جسم سے کچھ مواد نکلیں اور کفن کو خراب کر ڈالیں۔ اس حدیث سے دھلے ہوئے کپڑوں کے کفن کا جواز نکلتا ہے اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گو غلو و اسراف سے بچتے ہوئے میت کو اچھا کفن دینے کا حکم ہے۔ لیکن میت اگر اس کے خلاف وصیت کرے اور اس میں کوئی مصلحت ہو تو اس کے خلاف کرنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ بعض احادیث میں صدیق اکبرؓ کے یہ الفاظ وارد ہیں کہ مجھے میرے ان دو کپڑوں میں کفنانا جن میں میں نماز پڑھتا رہا ہوں۔

۵۲۳- وَحَدَّثَنِيْ عَن مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: الْمَيِّتُ يُقَمَّصُ، وَيُؤَزَّرُ، وَيُلَفُّ فِي الثَّوْبِ الثَّالِثِ۔ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ، كُفِّنَ فِيهِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میت کو پہلے قمیص پہنائی جائے، پھر تہ بند اور تیسرے کپڑے میں اسے لپیٹ دیا جائے اور اگر ایک ہی کپڑا ملے تو اسی کو اس کا کفن بنایا جائے۔ (یہ اثر موطا امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔ مگر وہاں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا لفظ ہے اور وہی صحیح ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ تہ بند کو بھی لفافہ کی مانند لپیٹا جائے اور میت کو تہ بند نہ پہنایا جائے اور ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ میت کو دو کپڑوں سے کم میں کفنایا جائے۔ ہاں ضرورت ہو تو دوسری بات ہے اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ اور قمیص سے مراد یہاں پر زندوں جیسی آستینوں اور دامن والی قمیص نہیں بلکہ وہ ہے جسے ہمارے ملک میں کفنی کہتے ہیں۔

اس اثر میں یحییٰ کی روایت میں عبدالرحمٰن بن عمرو بن العاصؓ کا لفظ غلط ہے۔ موطا کے دوسرے رواۃ مثلاً امام محمدؒ نے عبداللہ کا لفظ صحیح روایت کیا ہے۔ یحییٰ کی روایت یہی ہے۔ مگر مصری نسخوں میں اسے عبداللہ کر دیا گیا ہے۔ عمرو بن العاص کے کسی بیٹے کا نام عبدالرحمٰن نہ تھا۔ دو بیٹے تھے ایک عبداللہؓ اور دوسرا محمدؒ۔

ضرورت کے وقت ایک کپڑے کا کفن دینا ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ عورت کا کفن پانچ کپڑوں کا ہوتا ہے قمیص، ازار، خمار، لفافہ اور چھاتی سے لے کر رانوں تک باندھنے کا ایک کپڑا۔ اور اس کا کفایت کا کفن تین کپڑوں کا ہے۔ دو بڑے کپڑے اور ایک اوڑھنی اور ضرورت کا کفن جو مل سکے۔

۲- بَابُ الْمَشْيِ أَمَامَ الْجِنَازَةِ

جنازے کے آگے پیدل چلنے کا باب

امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا مستحب ہے۔ اور حنفیہ، اوزاعیؒ، ابراہیمؒ نخعی، سوید بن غفلہ، مسروقؒ، ابو قلابہ، اسحاق بن راہویہ اور ظاہریہ کے نزدیک جنازے کے پیچھے چلنا مستحب ہے اور یہی علی، ابن مسعودؓ، ابو الدرداءؓ، ابو امامہؓ اور عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے۔ اختلاف اس مسئلہ میں صرف افضلیت کا ہے ورنہ جنازے کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا جائز ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ نے کہا کہ سوار کے لئے پیچھے چلنا افضل ہے۔

۵۲۴- حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، كَانُوا يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ- وَالْخُلَفَاءُ هَلُمَّ جَرًّا- وَعَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ.

ترجمہ: ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر الصدیقؓ اور عمر فاروقؓ جنازے کے آگے پیدل چلتے تھے اور باقی خلفا بھی اس طرح اور عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی طرح چلتے تھے۔ (یہ مرسل حدیث موطائے محمد میں بھی آئی ہے۔)

شرح: اس روایت کو زہریؒ کے کئی شاگردوں نے مؤطا کے علاوہ دوسری کتابوں میں مسند بیان کیا ہے۔ ابن المبارک نے کہا ہے کہ اس کا مرسل ہونا صحیح تر ہے۔ زہریؒ کے تین شاگرد حافظ ہیں، مالکؒ معمرؒ اور ابن عیینہ، اور جب ان میں سے دو کسی چیز پر متفق ہوں اور تیسرا اس کے خلاف ہو تو اس کا قول متروک ہوگا۔ اور دو کا قول مسلم۔ محدثین اس حدیث کو مرسل ہی مانتے ہیں نسائی نے بھی یہی کہا ہے۔ جنازے کے آگے چلنے کے جواز و اباحت میں تو شبہ نہیں اور اختلاف یہاں افضل و اولیٰ میں ہے مزید بحث آگے آتی ہے۔

۵۲۵- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ الْهُدَيْرِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقْدُمُ النَّاسَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ، فِي جَنَازَةِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ.

ترجمہ: ربیعہ بن عبداللہ بن الھدیرؒ نے بتایا کہ اس نے عمر بن الخطابؓ کو زینب بنت جحشؓ کے جنازے میں جنازے سے آگے لوگوں کی قیادت کرتے دیکھا تھا۔ (یہ روایت موطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: زینب بنت جحش ام المومنینؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد تھیں۔ ان کی وفات بعمر ۵۰ سال ۲۰ھ میں ہوئی تھی۔ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے ساتھ زید بن حارثہ کی طلاق کے بعد ۳ھ میں یا ۵ھ میں فرمایا تھا۔ اور اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی۔ آیت حجاب انہی کے سبب سے نازل ہوئی تھی۔ یہ بہت عبادت گزار تھیں۔ اپنے ہاتھ سے کام کرکے مساکین پر صدقہ کرتی تھیں۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضورؐ کے بعد انہی کی وفات ہوئی تھی۔ اصل مسئلہ پر گفتگو آگے آتی ہے۔

۵۲۶- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَبِي قَطُّ فِي جَنَازَةٍ، إِلَّا أَمَامَهَا.

قَالَ: ثُمَّ يَأْتِي الْبَقِيعَ فَيَجْلِسُ، حَتَّى يَمُرُّوا عَلَيْهِ.

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو جس جنازے میں بھی دیکھا اس کے آگے ہی چلتے دیکھا تھا۔ ہشامؒ نے کہا کہ پھر وہ بقیع میں آکر بیٹھ جاتے حتیٰ کہ میت کو لانے والے وہاں سے گزرتے تھے۔ (قاضی عبدالولید الباجی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عروہؒ قبر کے ورے ہی راستے میں کہیں بیٹھ جاتے تھے۔ نہ کہ موضع قبر پر۔)

۵۲۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: الْمَشْيُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ مِنْ خَطَإِ السُّنَّةِ.

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا کہ جنازے کے پیچھے چلنا خلافِ سنت ہے۔

شرح: اس کا جواب حافظ ابن حزم ظاہری نے المحلیٰ میں یہ دیا ہے کہ مصنف عبدالرزاق میں طاؤس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر حیات تک جنازے کے پیچھے چلا کرتے تھے۔ پھر زہری کا یہ قول کیونکر درست ہوا کہ خلافِ سنت ہے؟ امام محمدؒ نے مؤطا میں کہا ہے کہ جنازے کے آگے چلنا بھی اچھا ہے مگر پیچھے چلنا افضل ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ البدائع میں ہے کہ ابن مسعودؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ متبوع ہے تابع نہیں۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد بن معاذ کے جنازے کے پیچھے چلنا ثابت ہوا ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے تاکہ وہ تیری آنکھوں کے سامنے رہے اور تو اس سے عبرت ونصیحت پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کے آگے جانا جو مروی ہے، اس کا منشا یہ تھا کہ بھیڑ کے وقت لوگوں کی سہولت کے لئے ایسا کیا اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بھی تسہیل کے عذر سے ایسا کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ ایک جنازے کے پیچھے چل رہا تھا اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ جنازے کے آگے تھے۔ میں نے علیؓ سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ پیچھے چلنا آگے چلنے کی نسبت افضل ہے۔ مگر وہ لوگوں کی سہولت کی خاطر آگے جا رہے ہیں۔ اس قول کا مطلب یہ تھا کہ لوگ ان حضرات کے احترام کے لئے ان سے آگے چلنا خلافِ ادب جانتے تھے، پس اگر وہ جنازے کے پیچھے چلتے تو راستہ تنگ ہو جاتا۔ اور لوگوں کو چلنے میں دقت پیش آتی اور ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث کہ جنازہ متبوع ہے نہ کہ تابع۔ یہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مسند اسحاق، مسند ابی یعلیٰ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں آئی ہے۔

۴۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ تُتْبَعَ الْجَنَازَةُ بِنَارٍ

جنازے کے ساتھ آگ لے جانے کی ممانعت کا باب

۵۲۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا قَالَتْ لِأَهْلِهَا: أَجْمِرُوا ثِيَابِي إِذَا مِتُّ. ثُمَّ حَنِّطُونِي. وَلَا تَذُرُّوا عَلَى كَفَنِي حِنَاطًا. وَلَا تَتْبَعُونِي بِنَارٍ۔

ترجمہ: عروہ نے روایت کی ہے، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے گھر والوں سے فرمایا تھا جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے کپڑوں (کفن) کو خوشبو میں بسانا پھر خوشبو لگانا اور میرے کفن پر خوشبو مت بکھیرنا اور میرے ساتھ آگ مت لے جانا۔

شرح: جنازے کے ساتھ آگ لے جانا زمانہ جاہلیت کا رواج تھا۔ اور نصاریٰ بھی اسی طرح کرتے تھے۔ لہذا ایک حدیث مرفوع میں بھی اس کی ممانعت وارد ہے۔ حضرت اسماءؓ کی وصیت جیسی وصیت کئی صحابہؓ سے منقول ہوئی ہے۔ کفن کے کپڑوں میں خوشبو بسانا، انہیں خوشبوؤں کی دھونی دینا، میت کے جسم پر کافور اور صندل وغیرہ ملنا مسنون ہے۔ خوشبوؤں کے مجموعے کو حنوط کہتے ہیں۔ ابن عمرؓ نے اپنے ایک بیٹے کی میت کو حنوط کیا تھا۔ مؤطا امام محمدؒ میں ابن عمرؓ کا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کو حنوط کرنا وارد ہوا ہے۔

۵۲۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ نَهَى

أَنْ يُتْبَعَ، بَعْدَ مَوْتِهِ بِنَارٍ۔

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَكْرَهُ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: سعید المقبری سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ نے اس بات سے منع کیا کہ ان کی وفات کے بعد ان کے ساتھ آگ لے جائی جائے۔ یحییٰ نے کہا کہ میں نے مالک سے سُنا کہ یہ (آگ لے جانا) مکروہ ہے۔

شرح: ابو ہریرہؓ سے سنن ابی داؤد میں مرفوع روایت ہے کہ نہ تو جنازے کے پیچھے کوئی آواز ہو نہ آگ اور نہ کوئی اس کے آگے چلے۔ اس میں ایک مجہول راوی ہے مگر اس کے شواہد موجود ہیں۔ اس لئے بعض حفاظ نے اسے حسن کہا ہے۔ ابو بردہ نے کہا کہ ابو موسیٰؓ نے موت کے وقت وصیت کی کہ میرے پیچھے آگ کی انگیٹھی مت لے جانا۔ یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ یہ ممانعت نصاریٰ کی مشابہت کے باعث ہے۔ اور کئی روایات میں یہ مضمون وارد ہے۔

۵۔ بَابُ التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَائِزِ

تکبیرات نماز جنازہ کا باب

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہؓ کا اختلاف تھا۔ تین۳ سے لے کر نو۹ تک کا قول ثابت ہوا ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے کہا کہ پھر چار تکبیرات پر اجماع منعقد ہوگیا اور فقہا اور اطراف و جوانب میں ائمہ فتویٰ چار پر متفق ہوگئے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ چار کے علاوہ کا قول ان کے نزدیک شاذ ہے۔ اور اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا۔ پانچ تکبیروں کا قول ابن ابی لیلیٰ کے سوا کسی فقیہہ کا نہیں۔ زیر نظر حدیث سے جمہور علمائے استدلال کیا ہے کہ جنازہ کی تکبیریں چار ہیں۔ محمد بن الحنفیہؒ۔ عطا بن ابی رباحؒ، محمد بن سیرینؒ، نخعیؒ، سوید بن غفلہؒ، ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ کا یہی قول ہے۔ صحابہ میں سے عمر بن الخطابؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، جابرؓ، ابن ابی اوفیٰ، الحسن بن علیؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ۔ عقبہ بن عامرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں چار تکبیرات پر صحابہؓ کا اجماع منعقد ہوگیا تھا۔ یہ اجماع چار کے علاوہ کسی اور تعداد کا ناسخ ہے۔ یعنی صحابہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ چار سے زائد کی تعداد کا نسخ حضورؐ سے ثابت ہے اور نجاشی کے جنازے کی چار تکبیرات اس نسخ کی شاہد اور دلیل ہیں۔ اس سے پہلے حضورؐ نے چار، پانچ، چھ اور سات تکبیریں بھی کہی تھیں۔ مگر اس واقعہ کے بعد چار ہی کا ثبوت ملتا ہے زیادہ کا نہیں۔ ابن عبد البرؒ نے سلیمان بن ابی حثمہ سے اور اس نے اپنے باپ سے یہ حدیث بطور مرفوع بحوالہ فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کی ہے۔ نماز جنازہ غائبانہ پر گفتگو آگے آتی ہے۔

۵۳۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى النَّجَاشِيَّ لِلنَّاسِ، فِي الْيَوْمِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ۔ وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى۔ فَصَفَّ بِهِمْ۔ وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشیؒ کی موت کی خبر اسی دن دی، جس دن وہ فوت ہوا تھا

اور لوگوں کو لے کر جنازہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ان کی صف بنائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (مؤطا نے امام محمدؒ میں یہ حدیث سعید المسیبؒ سے مرسلاً مروی ہے۔ بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی المَیِّتِ بَعدَ مَا یُدفَنُ)

شرح: میّت کی موت کی خبر دینے کی بقول ابن العربی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اعزہ و اقربا، دوستوں اور نیک لوگوں کو اطلاع دی جائے، پس یہ سنّت ہے۔ دوسری یہ ہے کہ از راہِ مفاخرت میلے اور مجمع کی صورت بنائی جائے، پس یہ مکروہ ہے۔ تیسری یہ کہ نوحہ خوانی اور بین وغیرہ سے لوگوں کو اطلاع دی جائے۔ پس یہ حرام ہے۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ بن بحر تھا اور یہ حبشہ کا بادشاہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان لے آیا تھا اور مسلمانوں کا دفاع کرتا تھا۔ یہ نجاشی وہ نہیں تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا مسلم نجاشیؒ اور تھا اور یہ دوسرا نجاشی اور مسلم کی روایت میں ہے یہ صراحت موجود ہے۔ ابن حزم اور ابن سعد وغیرہما کا یہی قول مختار ہے۔ دراصل احادیث میں اس مقام پر کچھ خلط ہو گیا ہے معلوم یوں ہوتا ہے کہ اسلام لانے والے نجاشیؒ کو بھی حضورؐ نے خط لکھا ہے، جسے اس نے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ اور جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرا نجاشی جسے خط لکھا گیا تھا وہ کوئی اور تھا، جس کا نام اور اسلام نامعلوم ہے۔ بہرحال نجاشی شاہِ حبشہ کی وفات ۹ھ میں ہوئی تھی۔ جب کہ آپؐ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ جنگ موتہ اس کے بعد ہوئی تھی۔ جس میں زید بن حارثہؓ جعفر بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور کئی اور اصحاب شہید ہوئے تھے مگر حضورؐ نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی تھی۔ اس لئے علما نے نجاشی کی نماز جنازہ کو حضورؐ کے خصائص میں شمار کیا ہے خلفائے راشدین کے دور میں ہزارہا جلیل القدر اصحاب شہید ہوئے، مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ نجاشی کی وفات کے دن ہی حضورؐ کو اس کی وفات کی خبر ملنا اور پھر حضورؐ کا لوگوں کو بتانا، بقیع الغرقد کی جنازہ گاہ میں جا کر نماز پڑھنا وغیرہ یہ سب چیزیں خصوصیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس حدیث میں مصلّٰی سے مراد عید گاہ نہیں بلکہ بقول ابن حجر جنازگاہ ہے۔

حافظ عینی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں تین مسائل ہیں۔ (۱) نماز جنازہ مسجدوں میں نہیں ہوتی۔ اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو حنفیہ اور مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔ (۲) اس حدیث میں نماز جنازہ سے سلام کا ذکر نہیں آیا۔ اسی لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں سلام نہیں۔ مگر ائمہ سلام پر متفق ہیں اور اس پہ آگے اثرِ ابن عمرؓ میں گفتگو آئے گی۔ (۳) اس حدیث میں بقولِ زرقانی غائبانہ نمازِ جنازہ کا ذکر ہے۔ شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ حنفی اور مالکی علما کے علاوہ بھی اکثر علما کا یہی مذہب ہے۔ علامہ ابن رشدؒ نے اس واقعہ کو حضورؐ کے لئے خاص بتایا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ جب مرنے والا جانبِ قبلہ ہو تو غائبانہ نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ ابن حجر نے کہا کہ جس دن کسی کی وفات ہوئی ہو صرف اسی دن یا ایک آدھ دن بعد میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ میں گزارش کرتا ہوں کہ آج کل تو موت کی اطلاع فوراً مل جاتی ہے۔ لیکن دنیا بھر میں بہت سے مسلمان روزانہ فوت ہوتے ہیں۔ اگر نماز جنازہ غائبانہ کو مشروع کہا جائے تو کس کس کی نماز پڑھی جائے گی۔ اور دنیا بھر کے مسلمان اسی میں لگے رہیں گے لہٰذا اس کے بغیر چارہ نہیں کہ اسے حضورؐ کے ساتھ خاص مانا جائے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جس میّت کی نماز جنازہ اس کے ملک اور شہر میں نہ ہو، اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جا سکتی ہے۔ ورنہ جب اس کی وفات پر وہاں کے لوگوں نے نماز پڑھ لی تو سب دوسرے لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو گیا۔ نجاشی کی موت کفار کے درمیان ہوئی تھی۔ اور اس کی نماز حبشہ میں نہیں ہوئی تھی، اس لئے حضورؐ نے غائبانہ نماز پڑھی۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے اور کوئی غائبانہ نماز نہ پہلے پڑھی تھی نہ بعد میں۔ معاویہ بن معاویہ لیثیؓ کے متعلق جو ایک حدیث ہے کہ حضورؐ نے اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی۔ اس کی سند میں نقص ہے اور وہ ناقابلِ

احتجاج ہے۔ ابو داؤدؒ نے حزم ویقین کے ساتھ کہا ہے کہ حضورؐ کی نماز کسی غائب پر سوائے نجاشیؒ کے ثابت نہیں۔ خطابیؒ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی سرزمین میں مرے، جہاں اس کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو، تو صرف اس پر غائبانہ نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ابن رشدؒ نے بھی اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ حافظ عینیؒ نے معاویہؓ بن معاویہ لیثی مزنی کے متعلق لکھا ہے کہ (علی شرط صحۃ الحدیث) اس کا جنازہ حضورؐ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لہٰذا وہ غائب نہ رہا۔ اور یہ بھی حضورؐ کی خصوصیت ثابت ہوئی۔ حدیث ابی امامہ (عند الطبرانی) میں صراحت سے یہ موجود ہے۔ آپؐ اس وقت مع اصحاب کے تبوک میں تھے۔ اور معاویہؓ کی موت مدینہ میں واقع ہوئی تھی۔ ابن حبان کی حدیث عمران بن حصینؓ میں ہے کہ صحابہؓ نے نجاشی کی نماز جنازہ حضورؐ کے پیچھے پڑھی اور انہیں یہ یقین تھا کہ اس کا جنازہ سامنے ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں حدیث ابن عباسؓ سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے۔

۵۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ مِسْكِينَةً مَرِضَتْ، فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرَضِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَسَاكِينَ وَيَسْأَلُ عَنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا مَاتَتْ فَآذِنُونِي بِهَا" فَخُرِجَ بِجَنَازَتِهَا لَيْلًا، فَكَرِهُوا أَنْ يُوقِظُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِهَا. فَقَالَ: "أَلَمْ آمُرْكُمْ أَنْ تُؤْذِنُونِي بِهَا"؟ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ. كَرِهْنَا أَنْ نُخْرِجَكَ لَيْلًا، وَنُوقِظَكَ. فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حَتَّى صَفَّ بِالنَّاسِ عَلَى قَبْرِهَا. وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ۔

ترجمہ: ابو امامہ بن سہل بن حنیفؓ نے بتایا کہ ایک مسکین عورت بیمار ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بیماری کی خبر دی گئی۔ ابو امامہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین کی تیمارداری فرماتے۔ اور ان کی خیریت پوچھا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ فوت ہو جائے تو مجھے بتانا۔ پس اس کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا اور لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگانا پسند نہ کیا (مبادا حضورؐ کے آرام میں خلل پڑے) جب صبح ہوئی تو حضورؐ کو یہ بات بتائی گئی تو فرمایا، کیا میں نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ مجھے اس کی اطلاع دینا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم نے آپ کو بوقت شب باہر لے جانا اور جگانا ناپسند کیا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اور لوگوں نے اس کی قبر پر صف بنائی اور حضورؐ نے اس کی نماز میں چار تکبیریں پڑھیں۔ (موطا امام محمدؒ میں یہ حدیث مروی ہے۔)

شرح: موطا میں یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن ابن ابی شیبہ نے اسے عن ابی امامۃ بن سہل عن ابیہ الخ موصول کیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ مالکؒ کے علاوہ زہریؒ کے اور کئی شاگردوں نے اسے مسند اور متصل بیان کیا ہے اور وہ صحیح ہے۔ یہ حدیث ابو ہریرہؓ، عامر بن ربیعہؓ، ابن عباسؓ، انسؓ اور یزید بن ثابتؓ انصاری کی روایات سے ثابت ہے۔

۵۳۶- وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ، مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ ابْنِ حُوَيْطِبٍ، أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ تُوُفِّيَتْ، وَطَارِقٌ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ - فَأُتِيَ بِجَنَازَتِهَا بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ - فَوُضِعَتْ بِالْبَقِيعِ - قَالَ: وَكَانَ طَارِقٌ يُغَلِّسُ بِالصُّبْحِ - قَالَ ابْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ: فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ لِأَهْلِهَا: إِمَّا أَنْ تُصَلُّوا عَلَى جَنَازَتِكُمُ الْآنَ، وَإِمَّا أَنْ تَتْرُكُوهَا حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ-

ترجمہ: محمد بن ابی حرملہ سے روایت ہے کہ زینبؓ بنت ابی سلمہؓ وفات پا گئیں اور طارق مدینہ کا امیر تھا۔ پس زینبؓ کا جنازہ لایا گیا نماز صبح کے بعد، اور اسے بقیع میں رکھا گیا۔ راوی نے کہا کہ طارق صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھا تا تھا۔ ابن ابی حرملہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے سُنا، وہ زینبؓ کے گھر والوں سے کہہ رہے تھے کہ یا تو تم اب اپنے جنازے پر نماز پڑھ لو۔ ورنہ اسے رہنے دو، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔

۵۳۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: يُصَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ، وَبَعْدَ الصُّبْحِ، إِذَا صُلِّيَتَا لِوَقْتِهِمَا-

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا، جب عصر اور صبح کی نمازیں وقت پر پڑھی جائیں تو ان کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔ (یہ اثر موطائے امام محمد میں بھی مروی ہوا ہے۔)

شرح: وجہ یہ کہ جب یہ نمازیں وقتِ مسنون پر پڑھی جائیں گی تو ان کے فوراً ہی بعد تو سورج طلوع یا غروب نہ ہو جائے گا۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمرؓ کا ایک اثر روایت کیا ہے کہ ایک جنازہ رکھا گیا تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا ولی کہاں ہے؟ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس کی نماز پڑھ لی جائے۔ امام محمدؒ نے اثر زیرِ نظر کی روایت کے بعد کہا ہے کہ ہمارا مختار یہی ہے۔ کہ ان دو وقتوں میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے یا غروب ہونے کے لئے زرد نہ ہو جائے۔ اور یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔ بخاریؒ نے نافع سے ابن عمرؓ کا قول روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے، میں کسی کو نہیں روکتا۔ وہ دن رات کی جس گھڑی میں چاہے نماز پڑھ لے لیکن طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز کا قصد نہ کرے۔ زرقانی نے اثر زیرِ نظر کی جو تاویل کی ہے کہ اس سے مراد اسفار سے پہلے پہلے کا وقت ہے کہ اس میں تو نماز جنازہ پڑھ لو، بعد میں نہیں۔ یہ اپنے مذہب کی حمایت کے لئے ہے۔ ظاہر حدیث اس تاویل سے ابا کرتا ہے۔

۶- بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَائِزِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز جنازہ بقیع کی جنازگاہ میں ہوتی تھی جیسا کہ گزشتہ باب کی احادیث سے واضح ہے۔ نجاشیؒ کی نماز جنازہ کے لئے حضورؐ باہر تشریف لے گئے۔ مسجد کی خدمت کرنے والی بڑھیا کا جنازہ باہر گیا اور

ابوہریرہؓ کی حدیث صحیحین میں بھی آئی ہے کہ ایک کالا مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ ابن خزیمہؒ کی روایت میں بلا شک کے ایک سیاہ عورت کا ذکر ہے۔ غالباً یہ عورت اُمّ محجنؓ تھی۔ ابن عباسؓ کی حدیث میں "ایک انسان" کا ذکر ہے۔ سراج الدین ابن الملقنؒ نے کہا ہے کہ یہی وہ انسان ہے جس کا ذکر ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے اور اس کا نام غالباً طلحہؓ تھا، مگر یہ ایک دوسرا قصہ ہے۔

اس حدیث میں رات کو دفن کرنے کا جواز ہے اور اس میں حسن بصریؒ کے سوا کسی کا اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں سعید بن المسیبؒ، قتادہؒ اور احمدؒ کا اختلاف بھی مذکور ہے۔ ابن حزمؒ نے ضرورت کے بغیر رات کو دفن کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ ضرورت سے مراد موسمی حالات، بھیڑ کا خوف اور میّت میں تغیر کا خوف ہے۔ ابن حزمؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی ازواجؓ اور بعض اصحابؓ کو ضرورت کی بنا پر ہی رات کو دفن کیا گیا تھا۔ لیکن نخعیؒ، زہریؒ، ثوریؒ، عطاءؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ حسب صحیح تر روایت، اسحاقؒ وغیرہم نے رات کے وقت دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ ترمذی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے خود قبر میں اُتر کر رات کو ایک شخص دفن فرمایا اور اس کے لیے خاص دعا فرمائی۔ ابوداؤد نے جابر بن عبداللہ کی روایت سے، ابن ابی شیبہؒ نے ابوذرؓ کی روایت سے یہ قصہ بیان کیا ہے۔ غرض ان احادیث اور ان جیسی اور کئی احادیث کی بنا پر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے۔

اس حدیث میں قبر پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور جمہور کے نزدیک یہ درست ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، نخعیؒ اور کچھ اور فقہا نے کہا ہے کہ اگر مُردے کو بلا نمازِ جنازہ دفنا دیا گیا ہو تو قبر پر نماز جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہی مذہب حسن بصریؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، الحسن بن حیؒ اور لیث بن سعدؒ کا ہے۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی اور اس کی دلیل مسلم اور ابن حبان کی روایت کا وہ اضافہ ہے جس میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یہ قبریں تاریکی سے پُر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ میری دُعا سے ان قبر والوں پر روشنی کر دیتا ہے۔ زید بن ثابتؓ کی حدیث میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے ہیں۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ اہل مدینہ کا عمل اس حدیث پر نہیں اور نہ کسی مدنی صحابی نے اس قسم کی روایت کی ہے۔

اس کا باعث یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ آپ کو اس کی موت کی خبر دی جائے۔ اور جب لوگوں نے ایسا نہ کیا تو حضورؐ چونکہ امام تھے۔ لہذا یوں سمجھا گیا کہ بوجہ ولی ہونے کے آپؐ کی نماز کے بغیر اس کا دفن کیا جانا گویا بلا صلوٰۃ دفن کیا جانا تھا۔ لہذا آپؐ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ یہ حدیث بقول امام محمدؒ چھ حسن سندوں سے انہیں پہنچی ہے۔ چار اور احادیث ہیں، جن میں قبر پر نماز کا ذکر ہے اور وہ بھی حسن ہیں۔ سبب اوپر گزرا کہ یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی یا حکم کے باعث بوجہ امامِ عام اور امام الکل ہونے کے آپؐ پر ان کا جنازہ فرضِ عین تھا۔ پس کسی اور کی نماز کالعدم کے حکم میں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا کہ چار تکبیراتِ نمازِ جنازہ ہمارا مسلکِ مختار ہے اور جس میّت پر نماز ہو چکی ہو اس پر پھر پڑھنا سب نہیں۔ اور اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوروں کی مانند نہیں۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نجاشیؒ کا جنازہ پڑھا۔ حالانکہ وہ حبشہ میں فوت ہوا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باعثِ برکت و طہور ہے اور دیگر لوگوں کی نماز دوں کی طرح نہیں اور یہی قول ابوحنیفہؒ کا ہے۔ اس عبارت سے غائبانہ نمازِ جنازہ اور دوبارہ نماز جنازہ کا حضورؐ کی خصوصیت ہونا ثابت ہوا۔

۵۳۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنِ الرَّجُلِ يُدْرِكُ بَعْضَ التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ، وَيَفُوتُهُ بَعْضُهُ؟ فَقَالَ: يَقْضِي مَا فَاتَهُ مِنْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: مالکؒ نے ابن شہابؒ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو نماز جنازہ کی کچھ تکبیریں پالے اور بعض فوت ہو جائیں۔ ابن شہاب نے کہا کہ وہ فوت شدہ تکبیریں ادا کرے۔

شرح: یہ مسئلہ بھی ائمہ فقہا میں مختلف فیہ ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہی مذہب مختار ہے جو ابن شہاب زہریؒ نے بتایا۔ امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے ابو یوسفؒ کے نزدیک بعد میں شامل ہونے والا نیت کرکے ترتیب وار اپنی تکبیریں کہہ لے۔ اور امام کے مقام صلوٰۃ پر جا پہنچے۔ حنابلہ کی اس میں دو روایتیں ہیں۔

۷۔ بَابُ مَا يَقُولُ الْمُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ

نمازِ جنازہ پڑھنے والا کیا کہے؟

۵۲۳ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ، كَيْفَ تُصَلِّي عَلَى الْجَنَازَةِ؟ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا، لَعَمْرُ اللَّهِ، أُخْبِرُكَ. أَتَّبِعُهَا مِنْ أَهْلِهَا. فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ. وَحَمِدْتُ اللَّهَ. وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ. ثُمَّ أَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنَّهُ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ، وَابْنُ أَمَتِكَ. كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ. وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ. وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ. اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا، فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ. وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا، فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ. اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ. وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

ترجمہ: ابوسعید المقبری نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کس طرح پڑھتے ہیں؟ ابوہریرہؓ نے کہا واللہ میں تجھے بتاتا ہوں۔ میں میت کے گھر والوں سے اس کے ساتھ چلتا ہوں۔ پھر جب اُسے نیچے رکھا جاتا ہے تو تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کہتا ہوں اور اللہ کے نبی پر صلوٰۃ پڑھتا ہوں۔ پھر کہتا ہوں، اے اللہ یہ تیرا بندہ تھا اور تیرے بندے کا بیٹا تھا، اور تیری بندی کا بیٹا تھا۔ یہ اس بات کی شہادت دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا رسولؐ ہے۔ اور تو اس کے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ اے اللہ اگر یہ نیک تھا تو تُو اس کی نیکی میں اضافہ فرما اور اگر یہ گناہگار تھا تو تُو اس کے گناہوں سے درگزر فرما۔ اے اللہ تو ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ فرما اور اس کے بعد ہمیں فتنے میں مبتلا نہ فرما۔

شرح: ائمہ کے نزدیک وجوبی طور پر نماز جنازہ کی کوئی دُعا مقرر نہیں ہے۔ ہاں استحباب کے طور پر مقرر ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس حدیث کی دُعا مستحب ہے۔ درِّ مختار میں ہے کہ حنفیہ ایک دوسری دعا کو مستحب جانتے ہیں۔ جو آثار میں وارد ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا الخ۔ اسے احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے معمولی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵۲۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيئَةً قَطُّ. فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِذْهُ

مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ کہتے تھے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے پیچھے ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھی جس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ پس میں نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے سُنا، اے اللہ اس کو عذابِ قبر سے بچا۔

شرح: قبر کا سوال انبیاؑ سے نہیں ہوتا تھا اور نہ مومنوں کے نابالغ بچوں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مرفوع القلم ہیں اور نبی معصوم ہیں۔ پس ابو ہریرہؓ کی دُعا کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بچے کو غم والم اور حسرت ووحشت اور گھٹن سے محفوظ رکھ۔ وجہ یہ کہ یہ چیزیں تو اطفال وغیرہم کے لئے عام ہیں اور طبعی ہیں۔ استغفار کی ضرورت بچے کے لئے نہیں، اسی لئے حنفیہ کے نزدیک نابالغ بچے کے لئے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا الخ پڑھا جاتا ہے۔

۵۳۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ نماز جنازہ میں قراءتِ قرآن بالکل نہ کرتے تھے۔

شرح: ابن بطالؒ نے کہا کہ نماز جنازہ میں قراءت نہ کرنے والے بلکہ اس کا انکار کرنے والے عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور تابعین میں سے عطاءؒ، طاؤسؒ، سعید بن المسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، الحکمؒ تھے۔ اور یہی قول مجاہدؒ، حمادؒ، ثوریؒ، مالکؒ مع سب اہل مدینہ کے ہیں۔ مگر مکحولؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے اور ابن حزمؒ کا قول ہے کہ ہر تکبیر کے بعد پڑھی جائے۔ الحسنؒ کا قول بھی یہی ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اختلاف سے بچنے کی خاطر بطور دعا فاتحہ پڑھی جائے تو حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں قراءتِ فاتحہ کہیں منقول نہیں ہوئی۔

البدائع میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ کے متعلق اور اس میں قراءت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قول مقرر نہیں فرمایا اور نہ قراءت۔ جنازہ دعا کے لئے مشروع ہے اور دعا کا مقدمہ حمد وثنا اور صلوٰۃ علی النبیؐ ہے نہ کہ قراءت۔ چونکہ نماز جنازہ حقیقی نماز نہیں صرف نماز کی صورت ہے اور حقیقت میں دعا ہے لہٰذا لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا حکم عام اس پر محیط نہیں۔ اگر یہ صلوٰۃ ہوتی تو ارکانِ صلوٰۃ بھی اس میں پائے جاتے۔ مثلاً رکوع وسجود۔

۸۔ بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَائِزِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ

صبح اور عصر کے بعد نماز جنازہ کا بیان

ابو سلیمان الخطابی نے کہا کہ اوقاتِ مکروھہ میں نماز نا جائز ہے لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ طلوع وغروبِ آفتاب اور نصف النہار کے وقت تو کوئی نماز جائز نہیں۔ لیکن صبح اور عصر کے بعد نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت اور فوت شدہ نماز کی قضا جائز ہے۔ صرف امام مالکؒ کے نزدیک ذرا سی تفصیل اور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اسفار تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج زرد ہونے تک جائز ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ اور مؤطا کے بعض نسخوں میں (سیوطی کا نسخہ اور زرقانی کا نسخہ) اس باب کے عنوان میں الصبح کے لفظ کے بعد الی الاسفار اور الی الاصفرار کا لفظ آیا ہے۔ باقی کسی نسخے میں یہ لفظ نہیں آیا۔

حضورؐ کو بوقتِ شب آرام میں خلل پڑنے کے اندیشے سے نہ جگایا گیا۔ اگر وہ نماز مسجد میں ہوتی تو حضورؐ موجود ہوتے۔ آپؐ کے گھر مسجد کے حجرے ہی تھے۔ بارش، شدت گرما، ظلمت یا کسی اور عذر سے اگر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی گئی تو وہ استثنائی صورتیں ہیں۔ اور حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ بقیع الغرقد میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے حضورؐ کے وقت میں ایک جگہ مخصوص تھی۔ یہی دلائل ہیں، جن کی بنا پر حنفیہ نے بلا ضرورت مسجد میں نماز جنازہ کو روا نہیں رکھا۔ مسجد فرض نمازوں کی جماعت کے لئے ہے نہ کہ جنازہ کی نماز کی خاطر۔

۵۳۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا أَمَرَتْ أَنْ يُمَرَّ عَلَيْهَا بِسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فِي الْمَسْجِدِ، حِينَ مَاتَ، لِتَدْعُوَ لَهُ. فَأَنْكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ عَلَيْهَا. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: مَا أَسْرَعَ النَّاسَ! مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَاءَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ: ابوالنضر مولائے عمر بن عبیداللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے حکم دیا کہ سعد بن ابی وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں سے گزارا جائے تاکہ وہ قریب سے اس کے لئے دعا کر سکیں۔ لوگوں نے اس چیز کو اچھا نہ جانا، تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، لوگ کس قدر جلد باز یا جلد بھول جانے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن بیضا کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی تھی۔

شرح: عورتوں کا گھروں سے باہر نکل کر مردوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ ایک سبب تو یہ تھا۔ دوسرا یہ کہ ازواج مطہرات گھروں سے باہر تشریف نہیں لاتی تھیں۔ سوائے کسی شرعی ضرورت کے اور پردے کے پورے انتظام کے۔ حاکم نے ایک حدیث روایت کر کے اسے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے کہ لوگ ایک میت کو دفنا کر واپس ہوئے تو حضورؐ نے فاطمہؓ کو جاتے دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ کہاں گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اہل میت کے ہاں تعزیت کے لئے گئی تھی۔ حضورؐ نے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا کہ شاید تو ان کے ساتھ مقام کدیٰ تک گئی تھی۔ فاطمہؓ نے کہا کہ معاذ اللہ، یہ کیونکر ہو سکتا تھا جب کہ میں آپ سے اس کی ممانعت سن چکی تھی؟ الخ

حضرت صدیقہؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کی میت کو دعا اور ترحم کی خاطر لانے کو کہا تھا۔ اس سے عورتوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ خیرالقرون میں عورتوں کا جنائز میں حاضر ہونا ثابت نہیں ہے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جو مردوں کی حاضری سے عورتوں کی طرف سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

حضورؐ نے بالعموم نماز جنازہ مسجد سے باہر پڑھائی ہے۔ سہیل بن بیضاؓ کی نماز جنازہ کسی عذر کے باعث ہوئی ہوگی۔ کیونکہ یہ عام عادت اور عام قاعدے کے خلاف ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس سے یہ استدلال کیا کہ میت کو بوقت ضرورت مسجد میں لایا جا سکتا ہے۔ لیکن مہاجرین وانصار کا انکار اور اظہار تعجب اس بات کی دلیل ہے کہ جنازے کی نماز کا مسجد میں پڑھا جانا عمومی عادت اور قاعدے کے خلاف تھا۔

۵۳۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: صُلِّيَ عَلَى عُمَرَ بْنِ

الْخَطَّابِ فِي الْمَسْجِدِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی۔

شرح: اس اثر کو امام محمدؒ نے موطا میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھی جائے اور ہمیں ابو ہریرہؓ سے اسی طرح کی حدیث پہنچی ہے۔ اور جنازے کی جگہ مدینے سے باہر تھی۔ اور یہ وہی جگہ تھی جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی۔ اور حضرت صہیب رومی نے جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی اور جنازہ منبر کے سامنے رکھا گیا۔ قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقیٰ میں کہا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر تھا اور نمازی اندر تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ جنازہ اس جگہ پر ہو جہاں انہیں دفن کیا گیا تھا۔ اور وہ کبھی مسجد کے اندر تھی۔ اور اب اُسے قبر کا حکم حاصل ہے۔ پس اس قسم کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں حرج نہیں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور انہیں غسل بھی دیا گیا۔ تجہیز و تکفین بھی ہوئی اور نمازِ جنازہ بھی۔ مزید بحث کتاب الجہاد میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۹۔ بَابُ جَامِعِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَائِزِ

نمازِ جنازہ کے متفرق مسائل کا باب

۵۴۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَأَبَا هُرَيْرَةَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمَدِينَةِ۔ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ۔ فَيَجْعَلُونَ الرِّجَالَ مِمَّا يَلِي الْإِمَامَ۔ وَالنِّسَاءَ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ مدینہ میں نمازِ جنازہ مردوں عورتوں پر مجموعی طور پر پڑھاتے تھے۔ تو مردوں کو امام کے قریب رکھتے تھے اور عورتوں کو ان سے آگے قبلہ کی طرف رکھتے تھے۔

شرح: حضرت عثمان بن عفانؓ بہ سبب ولایتِ عامہ نماز جنازہ پڑھاتے تھے۔ ابو ہریرہؓ بھی بعض دفعہ امیر مدینہ رہے تھے جب کہ اصل امیر مروان بن الحکم غیر حاضر ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ اپنی خیر و صلاح کے باعث امام بنائے جاتے تھے۔ یا کبھی بوجہ ولایتِ قرابت ایسا کرتے تھے۔ جب اس قسم کے متعدد لوگ جمع ہو جائیں تو ان کے استحقاق کی ترتیب یہ ہوگی کہ حاکم سب سے زیادہ امامت کا حقدار ہے۔ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ یہی الاسودؒ، علقمہؒ، الحسنؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ سے مروی ہے۔ ابو یوسف نے کہا اور یہی ایک روایت شافعی سے ہے کہ ولیِ میت حاکم سے زیادہ حقدار ہے۔ درِ مختار میں ہے کہ ترتیبِ امامت نمازِ جنازہ میں یہ ہے۔ حاکم وقت یا اس کا نائب جو شہر کا امیر ہو۔ قاضی، حاکم پولیس یا اس کا نائب۔ قاضی کا نائب، پھر محلے کا امام اور ولیِ میت۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حسینؓ نے سعید بن العاص امیر مدینہ سے نمازِ جنازہ پڑھوائی تھی۔ میتوں کی ترتیب اکثر اہل علم فقہا کے نزدیک وہی ہے جو اس اثر میں بیان ہوئی۔

۵۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَائِزِ

يُسَلِّمُ، حَتّٰى يُسْمِعَ مَنْ يَلِيْهِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب نماز جنازہ پڑھاتے تو سلام کہتے۔ حتیٰ کہ قریب والے مقتدی سن لیتے تھے۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ روایت باب الصلوٰۃ علی المیت الخ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہی ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ امام دائیں بائیں سلام کہے اور پاس والوں کو سنائے۔ ابوہریرہؓ اور ابن سیرینؒ کا عمل بھی اسی پر تھا۔ اور یہی ابوحنیفہؒ، اوزاعیؒ اور مالکؒ کا (حسب روایت ابن القاسم) قول ہے۔ علیؓ، ابن عباسؓ ابوامامہ بن سہلؒ، ابن جبیرؒ، نخعیؒ مخفی سلام کہتے تھے اور یہی شافعیؒ کا اور ایک روایت میں مالکؒ کا مذہب ہے۔ مخفی سلام کی صورت میں امام کے نماز سے انصراف سے پتہ چلتا تھا کہ اس نے سلام کہا ہے۔ گویا سلام تو متفق علیہ ہوا۔ اختلاف صرف جہر و خفا میں رہا۔ اور عدد سلام میں بھی اختلاف ہے۔ ابوحنیفہؒ، ثوریؒ اور سلف کی ایک جماعت کے نزدیک دو سلام ہیں دوسرے علماء کے نزدیک ایک ہی سلام ہے۔ عدد کا اختلاف نماز فرض میں بھی ہوا ہے۔ پس جنہوں نے وہاں ایک سلام کہا، انہوں نے نماز جنازہ میں بھی یہی کہا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی مرفوع حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو سلام آیا ہے اور یہ حدیث بیہقی میں ہے۔ حاکم نے اسے حدیث صحیح کہا ہے۔ العرفۃ میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ دو سلام کہنا ہی سنت ہے۔

۵۴۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: لَا يُصَلِّي الرَّجُلُ عَلَى الْجَنَازَةِ اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ۔

قَالَ يَحْيٰى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: لَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ اَنْ يُصَلِّيَ عَلٰى وَلَدِ الزِّنَا وَاُمِّهٖ۔

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے تھے کہ آدمی کو نماز جنازہ طاہر ہونے کی صورت میں ہی پڑھنی چاہیئے۔ مالکؒ کہتے تھے کہ میں نے اہل علم میں سے کسی کو ولد الزنا اور اس کی ماں کی نماز جنازہ پڑھنے کو ناپسند کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

شرح: نماز جنازہ کے لئے طہارت ہر دو قسم کے حدث سے (یعنی جنابت اور بے وضو ہونا) کا شرط ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ مگر اس میں علامہ شعبیؒ اور ابن عُلیہ اور ابن جریر طبری کا اختلاف ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ نماز جنازہ صرف دعا و استغفار ہے جو بلا طہارت بھی جائز ہے لیکن یہ ایک شاذ مذہب ہے۔ آخر یہ ایک نماز ہے اور بقول ابن رشدؒ جس طرح اس کے لئے رو بقبلہ ہونا شرط ہے اسی طرح طہارت بھی شرط ہے۔ جب اس نماز کے کسی سبب فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ اور کچھ اور فقہا کے نزدیک تیمم جائز ہے۔ کیونکہ تیمم وضو اور غسل کا حسب ضرورت قائم مقام ہے۔

امام مالکؒ نے جو فتویٰ ولد الزنا اور اس کی ماں کی نماز جنازہ کے متعلق دیا ہے۔ اس پر قتادہ کے علاوہ سب فقہا کا اتفاق ہے۔ اہل کبائر بھی مسلمان ہیں، لہٰذا ان پر نماز پڑھی جائے گی۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقروضوں یا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ سے اجتناب فرمایا تھا۔ وہ زجر و توبیخ کے لئے تھا۔ ورنہ آپ دوسروں کو صَلُّوا علیٰ اَخِیکم فرما کر نماز پڑھنے کا

حکم نہ دیتے جن ائمہ نے بعض اہل کبائر مثلاً باغی، محارب، ترکِ صلوٰۃ میں قتل ہونے والا، ولدالزنا اور اس کی ماں جو نفاس میں مرجائے، ضدی فاسق وغیرہم کی نمازِ جنازہ سے اِبا کیا ہے، وہ بھی تشدید و زجر و توبیخ میں داخل ہے۔ ورنہ کسی نے مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہا۔

۱۰۔ بَابُ مَاجَاءَ فِيْ دَفْنِ الْمَيِّتِ

میّت کو دفن کرنے کا باب

۳۴۵ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ. وَصَلَّى النَّاسُ عَلَيْهِ اَفْذَاذًا. لَا يَؤُمُّهُمْ اَحَدٌ. فَقَالَ نَاسٌ: يُدْفَنُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ. وَقَالَ اٰخَرُوْنَ: يُدْفَنُ بِالْبَقِيْعِ. فَجَاءَ اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "مَا دُفِنَ نَبِيٌّ قَطُّ اِلَّا فِيْ مَكَانِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ". فَحُفِرَ لَهُ فِيْهِ. فَلَمَّا كَانَ عِنْدَ غُسْلِهِ، وَاَرَادُوْا نَزْعَ قَمِيْصِهِ. فَسَمِعُوْا صَوْتًا يَقُوْلُ: لَا تَنْزِعُوا الْقَمِيْصَ، فَلَمْ يُنْزَعِ الْقَمِيْصُ، وَغُسِّلَ، وَهُوَ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سوموار کو ہوئی اور آپ کو منگل کے دن دفن کیا گیا۔ اور آپ پر لوگوں نے الگ الگ بغیر کسی امام صلوٰۃ پڑھی۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو منبر کے پاس دفن کیا جائے اور کچھ اوروں نے کہا کہ بقیع میں دفن کیا جائے۔ پس ابوبکر صدیقؓ آئے اور کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ کسی نبی کو ہرگز اس جگہ کے علاوہ کہیں اور دفن نہ کیا گیا تھا، جہاں اس کی وفات ہوئی تھی۔ اس پر آپ کی جائے وفات پر ہی قبر کھودی گئی۔ جب غسل کا وقت آیا تو انہوں نے آپ کی قمیص اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک آواز کو یہ کہتے سُنا کہ قمیص مت اتارو۔ پس قمیص نہ اتاری گئی اور قمیص کی جسم اطہر پر موجودگی میں ہی غسل دیا گیا۔

شرح: حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کی صحیح حدیث میں اور حضرت انس کی حدیث میں حضورؐ کی وفات کا سوموار کو ہونا وارد ہے اور اس پر علما کا اجماع ہے کوئی اختلاف نہیں۔ زرقانی، طبری اور حافظ ابن حجر وغیرہم نے یہ اجماع نقل کیا ہے۔ تاریخ وفات اکثر علما کے نزدیک ۱۲ ربیع الاول ہے۔ ابن اسحاق، ابن سعد، ابن حبان، ابن عبدالبر، ابن الصلاح، نووی، ذہبی ابن الجوزی نے یہی کہا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ، لیث بن سعد اور سلیمان التیمی نے ۲ ربیع الاول کہا ہے۔ شیخ الحدیث نے کہا کہ میرے نزدیک اسی آخری قول کو ترجیح حاصل ہے اور حافظ ابن حجر کا مختار بھی یہی ہے۔ ان کے نزدیک وہم کا سبب یہ ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بارے میں ثانی شہر کا لفظ تھا، جسے ثانی عشر سمجھ لیا گیا اور پھر یہی مشہور ہو گیا۔
دفن میں موطا کی حدیث میں تو منگل کے دن کا لفظ ہے اور حضرت صدیقہؓ کی حدیث میں لیلۃ الثلاثاء فی السحر کا لفظ ہے یعنی منگل کی رات کو بوقتِ سحر۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں لیلۃ الاربعاء یعنی بدھ کی رات کا لفظ ہے۔ پس اس روایت میں ایک دن کا اضافہ ثابت ہوا۔ کفایۃ الشعبی میں یوم الاربعاء آیا ہے۔ تفسیر الزاہدی اور تاریخ الخمیس میں لیلۃ الاربعاء کا لفظ ہے اور یہ کہ اکثر کا

قول یہی ہے۔ ابن ہمام نے بھی یہی لکھا ہے۔ دفن میں تاخیر کا باعث صحابہ کا اضطراب اور غم والم کی شدت تھی۔ اُدھر ملک پر کفار کے حملے کا خوف بھی تھا اور خلافت کے متعلق بھی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ لہٰذا صحابہ کبارؓ نے مرکزیت کو قائم رکھنے اور خطرات کا سدباب کرنے کے لیے پہلے اسی امر کو سمیٹا۔ تاکہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو جائے تو انتشار اور لاقانونی کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں پہلے تو وفات ہی میں اختلاف ہوا۔ پھر دفن کے مقام میں گفتگو ہوئی اور ان امور کو طے کرنے میں کچھ وقت صرف ہو گیا۔ حضورؐ کے جسد اطہر میں کسی تبدیلی وغیرہ کا خدشہ ہرگز نہ تھا کہ آپ حیات وممات دونوں میں طیب وطاہر تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔ رہی نماز جنازہ، تو بیہقی نے ابن عباسؓ سے، ابن سعد نے سہل بن سعدؓ سے اور سعید بن المسیب وغیرہ سے (اور ترمذی وغیرہ نے بھی) روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا، کیا ہم رسول اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ لوگوں نے اس کی کیفیت پوچھی تو فرمایا کہ کچھ لوگ حجرے میں جائیں تو تکبیر وصلوٰۃ پڑھیں اور دعا کریں۔ پھر دوسرے لوگ بھی اسی طرح کریں اور الگ الگ صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ ابن سعد نے حضرت علیؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ وہ زندگی اور موت میں تمہارے امام ہیں۔ پس کوئی امام بن کر نماز نہ پڑھائے۔ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اس امر میں اجماع ہے کہ لوگوں نے آپؐ پر اکیلے اکیلے صلوٰۃ پڑھی تھی۔ پہلے مردوں کی باری آئی۔ پھر خواتین کی اور پھر بچوں کی اور اس طور کی نماز جنازہ۔ اگر اسے یہ نام دیا جا سکے۔ حضورؐ کی خصوصیت تھی۔ دوسری مصلحتوں کے علاوہ اس میں شاید یہ مصلحت بھی ہو کہ حضورؐ کا جسم اطہر حجرہ سے ہٹانا جائز نہ تھا اور اس میں اتنی جگہ ہی نہ تھی کہ امام کے ساتھ سب لوگ بیک وقت نماز جنازہ پڑھ سکیں۔ اس طرح کئی لوگوں کو امام بنانا پڑتا اور یہ امر نامناسب سمجھا گیا۔ واللہ اعلم۔

دفن کے متعلق صدیق اکبرؓ کی روایت کو ابن سعد نے ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور اسی طرح ابن ماجہ نے کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسرائیلی روایت میں جو آیا ہے کہ بنی اسرائیل اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کی میت کو بھی نکال کر لے گئے تھے، اول تو یہ اسرائیلی روایت ہے، جس کی قدر وقیمت اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ثانیاً یوسف علیہ السلام دفن وہیں ہوئے تھے جہاں وفات پائی تھی۔ بعد میں میت کو نکال کر لے جانا امر آخر ہے۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے متعلق بھی ایک روایت میں ہے کہ ان کے جسم کو نکال کر شام کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔

قمیص سمیت غسل کی حدیث ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہؓ سے اور ابن ماجہؒ نے بریدہؓ سے روایت کی ہے۔ اور حضورؐ کے غسل میں آپ کا چچا عباسؓ، آپ کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالبؓ، الفضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، آپ کا محبوب اسامہ بن زیدؓ، آپ کا غلام شقرانؓ اور اوس بن خولیؓ انصاری (خاص ذاتی درخواست پر) شامل تھے۔ اُسامہؓ اور شقران پانی ڈالتے تھے اور دیگر حضرات غسل دیتے اور جسم اطہر کو ادھر سے اُدھر پلٹتے تھے۔ سب حضرات کی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد تھا کہ جو میرا پردہ دیکھے گا، اس کی آنکھیں اندھی ہو جائیں گی۔

۵۴۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلَانِ۔ اَحَدُهُمَا يَلْحَدُ، وَالْاٰخَرُ لَا يَلْحَدُ۔ فَقَالُوْا: اَيُّهُمَا جَاءَ اَوَّلُ، عَمِلَ عَمَلَهٗ۔ فَجَاءَ الَّذِیْ يَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ مدینہ میں دو آدمی تھے۔ ایک لحد کھودتا تھا اور دوسرا لحد نہیں کھودتا تھا بلکہ قبر کے وسط میں شق کھودتا تھا۔ پس اصحاب نے کہا کہ ان میں سے جو بھی پہلے آ جائے وہ اپنا کام کرے۔ پس لحد کھودنے والا پہلے آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے لحد کھودی۔

شرح: اس حدیث کو ابن سعدؒ نے حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا سے موصول بیان کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی اسے موصول کیا ہے یہی مضمون اور کئی روایات میں آتا ہے۔ لحد کھودنے والا ابو طلحہؓ انصاری تھا اور شق کھودنے والا ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ ان دونوں صورتوں کے جواز میں شک نہیں۔ کیونکہ ان کا کام حضورؐ سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا اور ان کے جواز ہی کے باعث اصحاب نے کہا تھا کہ جو پہلے آگیا وہی اپنا کام کرے گا۔ شق کھودنے والا عشرہ مبشرہ میں سے تھا۔ اسی بنا پر قاضی ابو الولید الباجی نے امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ دونوں امور جائز ہیں۔ اور لحد مجھے پسند تر ہے۔

لحد اور شق پر بھی اصحاب نے گفتگو کی تھی۔ مکہ میں شق کا رواج تھا لہٰذا حسب روایت ابن سعدؓ مہاجرین کا خیال شق کا تھا۔ مدینہ میں لحد کا رواج تھا، لہٰذا انصار کی رائے لحد کی ہوئی۔ پھر دونوں کو پیغام بھیجا گیا اور ساتھ ہی یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اپنے نبیؐ کے لئے بہتر صورت اختیار فرما۔ ابو طلحہؓ پہلے آگئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد کو پسند فرماتے دیکھا تھا۔ یہ روایت ابن سعدؒ کے علاوہ ابن ماجہ میں بھی ہے (عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یہی انسؓ کی حدیث میں ہے (ابن ماجہ) اور مسلم میں سعد بن ابی وقاصؓ کی وصیت موجود ہے کہ میرے لئے لحد نکالنا اور اس پر کچی اینٹیں کھڑی کر کے لگانا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد نکالی گئی اور کچی اینٹیں کھڑی کر کے لگائی گئی تھیں۔ بعض روایات میں (مسند احمد) حضورؐ سے لحد کی فضیلت وارد ہے۔ اسی بنا پر علماء کے نزدیک اگر زمین سخت ہو تو لحد نکالی جائے اشق مکروہ ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ نرم زمین میں شق ہی افضل ہے۔

۵۴۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَقُوْلُ: مَا صَدَّقْتُ بِمَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى سَمِعْتُ وَقْعَ الْكَرَازِيْنِ۔

ترجمہ: مالک کو یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اس وقت تک تصدیق نہ کی جب تک کہ میں نے کدالوں کی زمین پر پڑنے کی آواز نہ سُن لی۔

شرح: اعزہ و احبا کی موت کا غم کسے نہیں ہوتا؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مواقع پر آنسو بہ گئے صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو قلبی لگاؤ اور عقیدت و محبت تھی، کسی زبان کا کوئی لفظ اسے بیان نہیں کر سکتا۔ فطری طور پر آپؐ کی وفات کا حادثہ ان کے لئے بڑا ہی شدید اور صبر آزما تھا۔ بعض کو سکتہ ہوگیا۔ بعض ہوش و حواس کھو بیٹھے اور بعض نے تلوار سونت لی کہ جو یہ کہے گا، حضورؐ وفات پا گئے ہیں، اس کی گردن مار دوں گا۔ ایک یار غار اور محب صادق ایسا تھا، جس نے اس صدمے کو بڑے ہی صبر و ثبات سے برداشت کیا اور اس نازک وقت میں صحابہ کی صحیح رہنمائی کی۔ یہ تھے سید المحبین ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کئی لوگوں کو شدتِ غم و الم سے حضورؐ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا۔ حضرت اُمّ سلمہؓ بھی شاید انہی لوگوں میں سے تھیں۔ جنہوں نے حضورؐ کی وفات شریف کا انکار کیا تھا۔ اور یہ شدتِ غم اور کثرتِ دہشت کے سبب سے تھا۔ ابن سعدؒ نے اسی سے ملتا جلتا قول جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

۵۴۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: رَاَيْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حَجْرِیْ (حُجْرَتِیْ) فَقَصَصْتُ رُؤْيَایَ عَلٰى اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ

الصِّدِّيْقِ قَالَتْ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا۔ قَالَ لَهَا أَبُوْ بَكْرٍ: هٰذَا أَحَدُ أَقْمَارِكِ، وَهُوَ خَيْرُهَا۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند گرے ہیں۔ پس میں نے اپنا خواب ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے اور وہ سب سے بہتر ہے۔ (دوسرے دو چاند ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔)

شرح: ابوبکر الصدیق کو تعبیر خواب میں خاص مقام حاصل تھا اور حضورؐ نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق فرمائی تھی حضرت عائشہ نے اپنے والدِ محترم کو جب خواب سنایا تو وہ خاموش رہے۔ شاید بقول حافظ ابن عبدالبرؒ انہوں نے اس خواب سے حضورؐ کی وفات سمجھ لی تھی۔ لہٰذا اس کا ذکر مناسب نہ جانا۔ حضورؐ کے بعد اس کے ذکر میں حرج نہ تھا۔ لہٰذا اس وقت تعبیر بیان کر دی۔

۵۴۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِمَّنْ يَثِقُ بِهٖ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ وَسَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ، تُوُفِّيَا بِالْعَقِيْقِ۔ وَحُمِلَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ وَدُفِنَا بِهَا۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے بعض ثقہ راویوں سے روایت کی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مقام عقیق میں فوت ہوئے اور انہیں اٹھا کر مدینہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا تھا۔

شرح: یہ دونوں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے تھے مشہور تر روایت کی بنا پر سعدؓ کی وفات ۵۵ھ میں اور سعید کی ۵۱ھ میں ہوئی تھی۔ سعید بن زید عدوی حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔ ان کی زوجہ فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی بہن تھیں اور حضرت عمرؓ کے اسلام لانے میں ان کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ ان دونوں حضرات کے اجسام کو اٹھا کر مدینہ لایا گیا تھا تاکہ وہاں دفن ہوں۔ یہ سب کچھ ان کے کفن اور دفن کئے جانے سے پہلے تھا۔ لہٰذا بالعموم سبھی ائمہ فقہ نے قبل از دفن میت کو کسی شرعی مصلحت سے اس کے مقام سے دوسری جگہ منتقل کرنے کو مباح کہا ہے۔ گو بہتر پھر بھی یہی سمجھا گیا ہے کہ میت کو اس کے مقامِ وفات ہی میں دفن کیا جائے۔ رہا ایک جگہ دفن ہونے کے بعد منتقل کئے جانے کا معاملہ، سوائے حنفیہ نے تو مطلقاً جائز نہیں جانا۔ حضورؐ نے شہدائے احد کے اولیا کو جو ان کی میتوں کو مدینہ لے گئے تھے۔ حکم دیا کہ انہیں اُحد میں لا کر دفن کرو۔ عقیق مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔ دفن کے بعد اگر کسی شرعی عذر کی بنا پر میت کو دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو اس میں شہید اور غیر شہید کا لحاظ رکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں مدینہ میں پانی لانے کی غرض سے ایک نہر کھودنے کی ضرورت پیش آئی تھی اور اس کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ لہٰذا ان کے حکم پر شہدائے اُحد کو وہاں سے منتقل کر دیا گیا تھا۔ بے شمار صحابہ دوسرے ممالک میں شہید یا فوت ہوئے مگر ان کی میتوں کو منتقل نہیں کیا گیا۔ کیونکہ کوئی شرعی عذر موجود نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۴۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَا أُحِبُّ أَنْ أُدْفَنَ بِالْبَقِيْعِ۔ لَأَنْ أُدْفَنَ بِغَيْرِهٖ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُدْفَنَ بِهٖ۔ إِنَّمَا هُوَ أَحَدُ رَجُلَيْنِ: إِمَّا ظَالِمٌ، فَلَا أُحِبُّ أَنْ أُدْفَنَ مَعَهٗ۔ وَإِمَّا صَالِحٌ، فَلَا أُحِبُّ أَنْ تُنْبَشَ لِيْ عِظَامُهٗ۔

ترجمہ: عروہؓ نے کہا کہ مجھے بقیع میں دفن ہونا پسند نہیں۔ وہاں دفن کئے جانے سے کہیں اور دفن ہونا مجھے پسند ہے۔ بیونکہ وہ قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ یا تو کوئی ظالم ہوگا تو میں اس کے ساتھ دفن ہونا پسند نہیں کرتا، یا کوئی نیکوکار ہوگا تو میں پسند نہیں کرتا کہ میرے دفن کی خاطر اس کی ہڈیاں اکھاڑی جائیں۔

شرح: عروہؒ کی اپنی وضاحت سے نظر آتا ہے کہ وہ بقیع میں دفن ہونا کیوں پسند نہیں کرتے تھے۔ قبرستان پُر ہو چکا تھا۔ مزید گنجائش نہ تھی۔ لہذا کسی پہلی قبر کو کھودے بغیر وہاں دفن کیا جانا ممکن نہ رہا تھا۔ پس عروہ کا قول اس مصلحت کے لئے ہے جو خود انہوں نے بیان کی ورنہ بقیع ایک بابرکت قبرستان ہے اور اگر اس میں گنجائش ہو تو اس میں دفن ہونا باعث سعادت ہے۔ عروہ نے جب اہل مدینہ میں تغیر دیکھا تو عقیق جا بسے اور وہیں وفات پا کر مدفون ہوئے تھے۔

۱۱۔ بَابُ الْوُقُوفِ لِلْجَنَائِزِ وَالْجُلُوسِ عَلَى الْمَقَابِرِ

جنازوں کے لئے کھڑے ہونے اور قبروں پر بیٹھنے کا باب

۵۴۹۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ مَسْعُودِ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ فِي الْجَنَائِزِ. ثُمَّ جَلَسَ بَعْدُ.

ترجمہ: علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ مگر پھر بعد میں آپ بیٹھے رہتے تھے۔ (امام محمدؒ نے موطا میں یہ حدیث بَابُ الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ جنازے کے لئے کھڑا ہونا منسوخ ہے۔ یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔)

شرح: جنازے کی خاطر کھڑا ہونے کا حکم صحیح طور پر عامر بن ربیعہؓ، ابوسعیدؓ اور ابو ہریرہؓ کی احادیث میں مروی ہے۔ دوسرے اصحاب مثلاً یزید بن ثابتؓ، جابر بن عبداللہؓ، سہل بن حنیفؓ، قیس بن سعدؓ، نصرؓ، ابوموسیٰؓ، عبداللہ بن عمروؓ سے بھی کتب حدیث میں روایات اس مضمون کی موجود ہیں۔ سلف و خلف کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حکم منسوخ نہیں ہوا۔ مگر حضرت علیؓ کی اس زیر نظر حدیث کے پیش نظر عروہؒ، سعید بن المسیبؒ، علقمہؒ، اسودؒ، نافعؒ، ابن جبیرؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، ابویوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، عطاؒ، مجاہدؒ، ابو اسحاقؒ اور صحابہؓ میں سے علیؓ، حسن بن علی، ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ نے قیام کو منسوخ کیا ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ نے قیام اور عدم قیام دونوں کو جائز کہا ہے۔ ابن حزمؒ نے کہا کہ پہلا حکم استحباب کے لئے تھا۔ لہذا اس کے نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شافعیہ میں سے نوویؒ اور کچھ اور فقہا نے قیام کو مستحب کہا ہے۔ یہ بحث تو اس امر سے ہے کہ جب لوگ بیٹھے یا چلتے ہوں اور جنازہ آ جائے۔ لیکن جو لوگ جنازہ اٹھائے جا رہے ہوں یا جو ان کے ساتھ ہوں وہ قبرستان میں اس وقت تک نہ بیٹھیں، جب تک جنازہ کو نیچے نہ رکھ دیا جائے۔ گویا یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جو پہلے سے قطعی طور پر مختلف ہے۔

۵۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَتَوَسَّدُ الْقُبُورَ، وَيَضْطَجِعُ عَلَيْهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا نُهِيَ عَنِ الْقُعُودِ عَلَى الْقُبُورِ، فِيمَا نُرَى، لِلْمَذَاهِبِ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ علی بن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبروں کے ساتھ ٹیک لگاتے اور ان پر لیٹ جاتے تھے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت ہمارے خیال میں رفع حاجت کے لئے بیٹھنے سے متعلق ہے۔

شرح: مسلم نے جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا تھا۔ مسلم نے ابومرثد نقویؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے قبروں پر بیٹھنے سے اور ان کی طرف نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ مسلم نے ابوہریرہؓ کی حدیثِ مرفوع روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے قبر پر بیٹھنے سے یہ بہتر ہے کہ کسی انگارے پر بیٹھ جائے، اس کے کپڑے جل جائیں۔ اور آگ جسم تک جا پہنچے۔ عمرو بن حزم انصاریؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث کو بیان کر کے کہا ہے کہ ان کے ظاہری مضمون کی طرف بہت سے لوگ گئے ہیں اور اس مضمون کے بہت سے آثار صحابہؓ و تابعین سے مروی ہیں۔ حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، سعید بن جبیرؒ، مکحولؒ، احمدؒ اور ابوسلیمانؒ کا یہی مذہب ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ، ابوبکرہؓ، عقبہ بن عامرؓ، ابوہریرہؓ اور جابرؓ سے یہی مروی ہے۔ ظاہریہ کا یہی مذہب ہے۔ مگر جن لوگوں نے قبر پر جلوس کی ممانعت سے رفع حاجت کے لئے بیٹھنا لیا ہے۔ ان میں ابوحنیفہؒ، مالکؒ، ابن وہبؒ، ابویوسفؒ اور محمدؒ ہیں اور یہی علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

ابوامامہ کی حدیث میں ہے کہ زید بن ثابتؓ نے فرمایا، آؤ میرے بھائی میں تمہیں بتاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر صرف بول و براز کی خاطر بیٹھنے سے منع فرمایا تھا۔ ابن عابدین شامیؒ حنفی نے فرمایا کہ علمائے حنفیہ کے قول میں جو قضائے حاجت کے لئے قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت ہے، اس سے مراد کراہت تحریمی ہے اور دوسرے ائمہ نے جو قبروں کو لتاڑنے، ان پر بیٹھنے اور سہارا لگانے کی ممانعت بلفظ کراہت کی ہے، اس سے مراد نہی تنزیہی ہے۔ کراہت کے لفظ کا اطلاق ان دونوں پر ہوتا ہے۔ اور اس طرح ائمہ فقہ کا کلام بھی ہو جاتا ہے اور اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس مسئلہ میں حنفی مسلک دراصل کیا ہے۔ کیونکہ غلط طور پر یہ کہا گیا ہے کہ حنیفہؒ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں۔

۵۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أُمَامَةَ ابْنَ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ يَقُولُ: كُنَّا نَشْهَدُ الْجَنَائِزَ، فَمَا يَجْلِسُ آخِرُ النَّاسِ حَتَّى يُؤْذَنُوا۔

ترجمہ: ابوبکر بن عثمان نے اپنے چچا ابوامامہ بن سہلؓ بن حُنیف کو کہتے سنا تھا کہ ہم جنازوں میں حاضر ہوتے تھے تو شامل ہونے والوں میں سے آخری لوگ بھی اس وقت تک نہ بیٹھتے تھے، جب تک کہ انہیں نماز کی اطلاع نہ دی جاتی تھی۔

شرح: اثر کا ایک معنی تو وہی ہے جو ترجمے سے ظاہر ہے کہ جنازے کے لئے آئے ہوئے لوگ جنازہ پڑھنے تک برابر کھڑے رہتے تھے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ نماز جنازہ کے بعد جب تک لوگوں کو جانے کی اجازت نہ مل جاتی تھی وہ برابر کھڑے رہتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جب جنازہ گاہ اور ہوا اور مُردہ دفن کرنے کے لئے نماز کے بعد وہاں سے اُٹھا کر لے جانا ہو۔ یعنی

دفن کسی اور جگہ کیا جاتا ہو تو دوسرا معنی بھی صحیح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے بعد جب جنازہ اٹھا کر لے جایا جاتا تو پیچھے رہنے والے لوگوں کو بیٹھ جانے (یا کسی اور کام میں لگ جانے) کی اجازت ہوتی تھی۔ اس معنی کی صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نماز جنازہ کے بعد چلے جانے والوں کو اجازت لے کر جانا چاہیے۔ اذن لینے کے متعلق حضورؐ سے بقول شاہ ولی اللہ کچھ بھی منقول نہیں ہے۔ ہاں حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ان بن یہ وارثوں کی دلداری ہے لہذا مستحب ہے۔

۱۲۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

میت پر رونے کی ممانعت کا باب

بکاء ممنوع بے صبری اور جزع فزع اور ریاکاری کا رونا اور بین کرنا ہے۔ آنکھوں کے رونے پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی وہ ایک قدرتی چیز ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

۵۵۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ، عَنْ عَتِيكِ بْنِ الْحَارِثِ، وَهُوَ جَدُّ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَابِرٍ، أَبُو أُمِّهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَتِيكٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ يَعُودُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ ثَابِتٍ فَوَجَدَهُ قَدْ غُلِبَ عَلَيْهِ. فَصَاحَ بِهِ. فَلَمْ يُجِبْهُ. فَاسْتَرْجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: "غُلِبْنَا عَلَيْكَ، يَا أَبَا الرَّبِيعِ" فَصَاحَ النِّسْوَةُ، وَبَكَيْنَ. فَجَعَلَ جَابِرٌ يُسَكِّتُهُنَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْهُنَّ. فَإِذَا وَجَبَ، فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْوُجُوبُ؟ قَالَ: "إِذَا مَاتَ" فَقَالَتِ ابْنَتُهُ: وَاللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ شَهِيدًا، فَإِنَّكَ كُنْتَ قَدْ قَضَيْتَ جِهَازَكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَوْقَعَ أَجْرَهُ عَلَى قَدْرِ نِيَّتِهِ. وَمَا تَعُدُّونَ الشَّهَادَةَ؟ قَالُوا: الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الشُّهَدَاءُ سَبْعَةٌ، سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ: الْمَطْعُونُ شَهِيدٌ، وَالْغَرِقُ شَهِيدٌ. وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ شَهِيدٌ، وَالْحَرِقُ شَهِيدٌ، وَالَّذِي يَمُوتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيدٌ، وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ".

ترجمہ: جابر بن عتیک نے بتایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ثابتؓ کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو اسے ضعف اور بیماری میں مبتلا پایا۔ حضورؐ نے بآواز بلند اسے پکارا مگر اس نے جواب نہ دیا تو آپ نے اِنَّا لِلّٰہ الخ پڑھا اور فرمایا اے ابوالربیع! ہم تمہارے بارے میں بے بس ہیں۔ اس پر عورتیں چیخیں اور روئیں تو جابر بن عتیکؓ انہیں خاموش کرنے لگا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہیں چھوڑ دو، مگر جب یہ واجب ہو جائے (مر جائے) تو کوئی رونے والی نہ روئے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ واجب کا کیا معنیٰ ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، جب یہ مر جائے۔ پس اس کی بیٹی بولی، واللہ مجھے تو یہ امید تھی کہ تم شہید ہو گے۔ کیونکہ تم جہاد کی پوری تیاری کر چکے تھے۔ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کی نیت کے مطابق اسے جہاد کا اجر دے دیا ہے اور تم شہادت کس چیز کو شمار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، اللہ کی راہ میں قتل ہونا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی راہ میں قتل ہونے کے علاوہ بھی سات شہید ہیں۔ طاعون والا شہید ہے۔ نمونیے والا شہید ہے۔ ہیضے سے مرنے والا شہید ہے۔ جل کر مرنے والا شہید ہے۔ مکان یا دیوار وغیرہ کے نیچے آکر مرنے والا شہید ہے اور بچے کی پیدائش سے مرنے والی عورت شہید ہے۔

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے والی عورتوں کو منع کرنے سے اس لئے روکا کہ وہ نوحہ نہیں کر رہی تھیں، بلکہ ان کا رونا حضورؐ کا استرجاع سن کر تھا۔ اور جابرؓ کی موت پر رونے سے اس لئے منع فرمایا کہ موت کے بعد زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق نوحے کا امکان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرزند ابراہیمؑ کی وفات پر، اپنی بیٹی زینبؓ کی بیٹی کی وفات پر اور کئی مواقع مصیبت پر روئے تھے۔ آنکھوں کا رونا رحمت ہے۔ لیکن زبانی چلانا اور ہاتھ چلانا، سینہ کوبی کرنا وغیرہ حرام ہے۔

اس حدیث میں مقتول فی سبیل اللہ سمیت آٹھ شہداء کا ذکر ہے۔ احادیث میں ان کے علاوہ یہ لوگ بھی شہید ہیں۔ فی سبیل اللہ اپنے بستر پر مرنے والا۔ سل و دق کی بیماری والا، اپنے مال کی حفاظت میں مرنے والا، اپنے دین کے دفاع میں مرنے والا، اپنی جان کی حفاظت میں قتل ہونے والا، اپنے اہل کی حفاظت میں مرنے والا، مظلومیت کی موت مرنے والا۔ گھوڑے سے گر کر مرنے والا یا اونٹ سے گر کر مرنے والا، جبکہ یہ دونوں فی سبیل اللہ نکلے ہوں۔ زہریلے جانور کا ڈسا ہوا۔ غریب الوطنی میں مرنے والا، گلے میں لقمہ اٹک کر مرنے والا، درندے کے پھاڑنے سے مرنے والا۔ کسی سواری سے گر جانے والا، سمندری سفر میں مرنے والا۔ سچے دل سے شہادت طلب کرنے والا گو وہ اپنے بستر پر یا کسی طریقے سے مرا ہو۔ پہاڑی کی چوٹی سے گر جانے والا۔ حافظ ابن حجرؒ کے بقول یہ اقسام شہادت جید سندوں سے احادیث میں ثابت ہیں۔ بعض اور احادیث ضعیف میں اور اقسام بھی آئی ہیں۔ ان بہت سی احادیث میں قدر مشترک حادثاتی اموات اور دردناک یا فوری اموات ہیں۔ بہت سے اعمال ایسے ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت کا اجر ملنے کا ذکر فرمایا ہے انہیں ہم تطویل کے خوف سے ترک کرتے ہیں۔

۵۵۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ تَقُولُ (وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ). فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَغْفِرُ اللهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ. أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ. وَلٰكِنَّهُ نَسِيَ، أَوْ أَخْطَأَ. إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا. فَقَالَ: "إِنَّكُمْ لَتَبْكُونَ عَلَيْهَا، وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا".

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ ام المومنین فرماتی تھیں، جب کہ ان کے سامنے بیان کیا گیا کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اللہ ابوعبدالرحمٰن کو معاف فرمائے، اس نے جھوٹ

نہیں بولا مگر یا تو بھول گیا ہے یا غلطی سے یہ کہا ہے۔ بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی عورت کے پاس سے گزرے تھے جس کے گھر والے اس پر رو رہے تھے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے گھر والے تو یہاں رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے (یہ حدیث موطائے امام محمد میں باب مَا رُوِیَ اَنَّ الْمَیِّتَ یُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ میں روایت کی ہے۔ مگر الفاظ کچھ مختلف ہیں۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہی ہمارا مختار ہے اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ رونے سے مراد غیر شرعی اور ممنوع رونا ہے۔ ورنہ ثابت ہے کہ حضورؐ نے خود بعض اموات پر آنسو بہائے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف آنکھوں کا رونا جبکہ اس کے ساتھ کوئی غیر شرعی حرکت نہ ہو، نا جائز نہیں۔ پس اس پر تو میت کو عذاب ہونا خارج از بحث ہے۔ رہا جزع فزع اور نوحہ وماتم، سو ظاہر ہے کہ زندوں کا فعل ہوگا۔ پھر اس سے مُردے کو عذاب ہونا اصولِ اسلام کے خلاف ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اس حدیث کے الفاظ یوں روایت کئے ہیں۔ مَنْ نِیحَ عَلَیْهِ فَاِنَّهٗ یُعَذَّبُ بِمَا نِیحَ عَلَیْهِ" جس پر نوحہ کیا جائے تو اس کو اس کے نوحے کے سبب سے عذاب دیا جاتا ہے"۔ یعنی اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تو ایسا ہی تھا جیسا کہ یہ نوحہ کرنے والے تجھے ظاہر کرتے ہیں؟ اور یہ سوال اور وارثوں کے نوحے کی خبر اس کے لئے باعثِ اذیت ہوتی ہے۔

یہودیہ کو جو عذاب قبر ہو رہا تھا، اس کا باعث اس کا کفر تھا نہ کہ اس کے گھر والوں کا گریہ وبکا، مطلب یہ تھا کہ وہ تو جہنم کے عذاب میں ہے اور یہ اس کی موت پر روتے ہیں۔ گویا حضورؐ کا یہ ارشاد بھی بطور زجر و توبیخ تھا۔ جمہور نے ابن عمرؓ کی اس حدیث کی اور اس مضمون کی دیگر احادیث کی یہ تاویل بھی کی ہے کہ اگر کوئی مرنے والا جاہلیت کے رواج کے مطابق وصیت کر گیا ہو کہ اس پر عظیم الشان محفلِ ماتم قائم کی جائے اور اسے خوب رویا جائے تو اُسے وارثوں کے رونے کے سبب سے ضرور عذاب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے نوحہ وماتم کا خود سبب بنا تھا۔

گھر والوں کے گریہ وبکا اور نوحہ وماتم کے باعث میت کو عذاب دیئے جانے کی روایات حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے بخاری مسلم میں، مغیرہ کی حدیث بخاری ومسلم میں اور نعمان بن بشیر اور عمران بن حصین کی حدیثیں تلخیص میں (ابن حجر) اور بقولِ ترمذی حضرت علیؓ، ابو موسیٰؓ، قیس بن عاصمؓ، ابو ہریرہؓ، جنادہ بن مالکؓ، انسؓ، امّ عطیہؓ، سمرہؓ اور ابو مالک اشعری سے آئی ہیں۔ ان احادیث کے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کے ساتھ بظاہر تعارض کے سبب سے علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔ شیخ الحدیث کاندھلوی نے کم وبیش بارہ اقوال بیان کئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ جمہور کے نزدیک ان احادیث سے مراد یہی ہے کہ اگر میت نے نوحہ وماتم اور نالہ وشیون کی وصیت کی ہو تو اسے عذاب ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ کیونکہ یہ اس کا فعل نہیں اور نہ وہ اس کا سبب بنا ہے۔ کئی صحابہؓ و تابعین ان احادیث کے ظاہر کے مطابق گھر والوں کے نالہ وشیون کے باعث میت کو عذاب دیئے جانے کے قائل تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۳- بَابُ الْحِسْبَةِ فِي الْمُصِيبَةِ

مصیبت کے وقت صبر وتسلیم کا باب

۵۵۴- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، فَتَمَسَّهُ النَّارُ، إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان کے تین بچے مر جائیں تو اسے آگ (جہنم کی آگ) نہیں چھوئے گی۔ مگر قسم پوری کرنے کے لئے۔

شرح: قسم پوری کرنے سے مراد یہ ہے کہ سب کو پل صراط پر سے گزرنا ہوگا جو جہنم کے اوپر ہوگی۔ ارشادِ الٰہی ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ "اور تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہوگا، یہ تیرے رب کا حتمی فیصلہ ہے"۔ امام مالکؒ نے یہ حدیث اس باب میں درج کرکے یہ بتایا ہے کہ اس میں بیان ہونے والا اجر صبر کرنے والوں کے لئے ہے۔ بہت سی احادیث میں فَاحْتَسَبَ کا لفظ موجود ہے۔ یعنی "اس نے صبر کیا"۔ بعض احادیث میں تین سے کم تعداد بھی آئی ہے۔ حافظ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اس مضمون کی احادیث ۲۹ اصحاب سے درج کی ہیں۔

۵۵۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ السَّلَمِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَمُوْتُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَيَحْتَسِبُهُمْ اِلَّا كَانُوْا لَهٗ جُنَّةً مِّنَ النَّارِ" فَقَالَتِ امْرَاَةٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اَوِ اثْنَانِ؟ قَالَ "اَوِ اثْنَانِ"۔

ترجمہ: ابوالنضر سُلمی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی مسلمان کے تین بچے مر جائیں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ اس کے لئے آگ سے بچاؤ کا سبب ہوں گے۔ ایک عورت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی وہ بولی: یا رسول اللہ یا دو بچے؟ فرمایا، یا دو بچے۔

شرح: ابوالنضر سُلمی کا نام معلوم نہیں۔ مؤطا کے کچھ راوی اسے ابن النضر کہتے ہیں اور یہ مجہول ہے۔ اس کا ذکر صرف اسی روایت میں ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے اس کا نام عبداللہ بتایا ہے اور کہا ہے کہ مؤطا کے راویوں میں اس کے علاوہ کوئی بھی مجہول نہیں ہے۔ مالکؒ نے یہ حدیث گزشتہ حدیث کی تفسیر کے لئے روایت کی ہے۔ اصل حدیث ثابت ہے۔ یہی حدیث ابوسعیدؓ کی روایت سے بھی آئی ہے اور اس میں سوال کرنے والی کا نام "ام سلیمؓ" آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کئی خواتین نے کیا تھا۔ اور یہ قصہ کئی بار پیش آیا تھا۔ صحاح کی بعض احادیث میں (مثلاً حدیث ابی ذرؓ عند الترمذی) دو کے بعد ایک بچے کا بھی ذکر ہے۔ بخاری کی کتاب الرقاق میں ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع آئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے مومن بندے کی محبوب چیز کو فوت کروں اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کی جزا جنت ہے۔ اس میں عدد کا کوئی ذکر نہیں اور یہ اس باب میں صحیح تر حدیث ہے۔ مراد کسی خاص عدد کی تعیین نہیں بلکہ مصیبت پر صبر و ثبات اور توکل و تسلیم کا اظہار ہے۔ مسند احمد کی حدیث معاذؓ میں ایک کا ذکر صراحتہً موجود ہے۔

۵۵۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ عَنْ اَبِي الْحُبَابِ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصَابُ فِيْ وَلَدِهٖ وَحَامَّتِهٖ، حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَلَيْسَتْ لَهٗ خَطِيْئَةٌ"۔

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنی اولاد اور اعزہ و اقربا کی مصیبت میں برابر مبتلا کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اللہ سے ملتا ہے تو اس کا کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا۔

شرح: جیسا کہ اُوپر گزرا، یہ بشارت اس کے لئے ہے جس نے صبر و ثبات اور حوصلے سے ان مصائب کو برداشت کیا۔ مومن کی جان و مال، اولاد و اقربا میں جو مصائب اسے پہنچتے ہیں، وہ سب اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ پاؤں میں چبھنے والا کانٹا، کوئی نظروں سے اوجھل ہو جانے والی چیز بھی، گو بعد میں مل جائے، مگر کچھ دیر تک پریشانی کا سبب ہو، بروئے حدیث کفارے کا سبب ہے۔ یہ سارا مضمون احادیث میں آ چکا ہے۔

۱۴- بَابُ جَامِعِ الْحِسْبَةِ فِي الْمُصِيبَةِ

مصیبت میں صبر کرنے کے متفرق مسائل کا بیان

۵۵۷- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لِيُعَزِّ الْمُسْلِمِينَ فِي مَصَائِبِهِمُ الْمُصِيبَةُ بِي".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن القاسم سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری وفات کی مصیبت مسلمانوں کو ان کے مصائب میں صبر اور تسلی دے گی۔ (یہ حدیث دوسرے طرق سے مُسند بھی آئی ہے۔)

شرح: اس کائنات کی عظیم ترین مصیبت حضورؐ کی ذاتِ گرامی کا دُنیا سے رُوپوش ہو جانا ہے۔ یہ تو اصحاب و آلِ رسُولؐ کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے اس جان لیوا مصیبت کو برداشت کر لیا تھا۔ پس جسے کوئی مصیبت آئے وہ اس سبب سے بڑی مصیبت کو یاد کر لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسے صبر آ جائے گا۔ ؎

دریں دنیا کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

۵۵۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ فَقَالَ: كَمَا أَمَرَ اللّٰهُ، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي، وَأَعْقِبْنِي خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا فَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ بِهِ" قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: فَلَمَّا تُوُفِّيَ أَبُو سَلَمَةَ، قُلْتُ ذٰلِكَ. ثُمَّ قُلْتُ: وَمَنْ خَيْرٌ مِنْ أَبِي سَلَمَةَ؟ فَأَعْقَبَهَا اللّٰهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَزَوَّجَهَا۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق إنا لله الخ پڑھے، یعنی ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف

واپس جانے والے ہیں"۔ (اور یہ کہے کہ "اے اللہ مجھ کو میری مصیبت سے نجات دے۔ اس کا اجر عطا کر۔ اور اس کے عوض مجھے بھلائی عطا کر"۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی گزارش قبول کرتا ہے۔ اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ جب ابوسلمہؓ کی وفات ہوئی تو میں نے یہ دُعا (مذکورہ) مانگی۔ پھر میں نے کہا کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوگا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اُمّ سلمہؓ کو اس کے عوض میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عطا کیا اور حضورؐ نے ان سے نکاح فرمایا۔

شرح: یعنی اُمّ سلمہؓ کو یہ تو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکاح کریں گے اور اس کا تجربہ یہی تھا کہ ابوسلمہؓ بہترین خاوند تھا۔ لہٰذا اُس نے دُعا تو کی مگر جی میں یہ خیال تھا کہ اس کی قبولیت کی صورت کیا ہوگی؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو لفظ بلفظ قبولیت بخشی اور وہ ازواج مطہرات میں داخل ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ابوسلمہؓ سابقین اولین میں سے تھے۔ حضورؐ کی پھوپھی برّہ کے بیٹے تھے۔ اور آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ ابوسلمہؓ کو جنگِ اُحد میں ایک زخم لگا تھا جس کے باعث ۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔ انہی قرابت کے تعلقات کے باعث حضورؐ نے اُمّ سلمہؓ سے نکاح فرمایا تھا۔

۵۵۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: هَلَكَتِ امْرَأَةٌ لِي. فَأَتَانِي مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ، يُعَزِّيْنِي بِهَا. فَقَالَ: إِنَّهُ كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ فَقِيهٌ عَالِمٌ عَابِدٌ مُجْتَهِدٌ. وَكَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ. وَكَانَ بِهَا مُعْجَبًا وَلَهَا مُحِبًّا. فَمَاتَتْ. فَوَجَدَ عَلَيْهَا وَجْدًا شَدِيدًا. وَلَقِيَ عَلَيْهَا أَسَفًا، حَتَّى خَلَا فِي بَيْتٍ، وَغَلَّقَ عَلَى نَفْسِهِ، وَاحْتَجَبَ مِنَ النَّاسِ. فَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْهِ أَحَدٌ. وَإِنَّ امْرَأَةً سَمِعَتْ بِهِ. فَجَاءَتْهُ. فَقَالَتْ: إِنَّ لِي إِلَيْهِ حَاجَةً أَسْتَفْتِيهِ فِيهَا. لَيْسَ يُجْزِيْنِي فِيهَا إِلَّا مُشَافَهَتُهُ. فَذَهَبَ النَّاسُ، وَلَزِمَتْ بَابَهُ. وَقَالَتْ: مَا لِي مِنْهُ بُدٌّ. فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: إِنَّ هَهُنَا امْرَأَةً أَرَادَتْ أَنْ تَسْتَفْتِيَكَ، وَقَالَتْ: إِنْ أَرَدْتُ إِلَّا مُشَافَهَتَهُ وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ، وَهِيَ لَا تُفَارِقُ الْبَابَ فَقَالَ: ائْذَنُوا لَهَا. فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ. فَقَالَتْ: إِنِّي جِئْتُكَ أَسْتَفْتِيكَ فِي أَمْرٍ. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَتْ: إِنِّي اسْتَعَرْتُ مِنْ جَارَةٍ لِي حَلْيًا. فَكُنْتُ أَلْبَسُهُ وَأُعِيرُهُ زَمَانًا. ثُمَّ إِنَّهُمْ أَرْسَلُوا إِلَيَّ فِيهِ أَفَأُؤَدِّيهِ إِلَيْهِمْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ وَاللَّهِ. فَقَالَتْ: إِنَّهُ قَدْ مَكَثَ عِنْدِي زَمَانًا. فَقَالَ: ذَلِكِ أَحَقُّ لِرَدِّكِ إِيَّاهُ إِلَيْهِمْ، حِينَ أَعَارُوكِيهِ زَمَانًا. فَقَالَتْ: أَيْ يَرْحَمُكَ اللَّهُ. أَفَتَأْسَفُ عَلَى مَا أَعَارَكَ اللَّهُ، ثُمَّ أَخَذَهُ مِنْكَ وَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْكَ؟ فَأَبْصَرَ مَا كَانَ فِيهِ، وَنَفَعَهُ اللَّهُ بِقَوْلِهَا.

ترجمہ: القاسم بن محمد نے کہا کہ میری ایک بیوی فوت ہوئی تو محمد بن کعب قرظی تعزیت کو آئے اور کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک فقیہ مرد تھا۔ جو عالم اور عبادت گزار تھا۔ اس کی ایک بیوی تھی، جسے وہ بہت ہی پسند کرتا تھا اور اس سے محبت رکھتا تھا۔ وہ مرگئی تو

اسے اس کی موت کا بڑا غم ہوا اور شدت غم کے باعث وہ ایک گھر میں تنہا بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کر لیا اور لوگوں سے چھپ گیا۔ کوئی اس کے پاس نہیں آ سکتا تھا۔ ایک عورت نے یہ واقعہ سُنا تو وہ اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے اس سے ایک کام ہے۔ میں اس سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں لیکن یہ بات صرف روبرو ہو سکتی ہے۔ لوگ تو چلے گئے مگر وہ دروازے پر ہی رہی اور کہنے لگی کہ مجھے اس سے بالضرور ملنا ہے۔ کسی نے اس عالم سے کہا کہ یہاں ایک عورت ہے جو تم سے ملنا چاہتی ہے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہے وہ کہتی ہے کہ صرف رُو برُو ہی بات ہو سکتی ہے۔ سب لوگ جا چکے ہیں مگر وہ دروازے سے لگی بیٹھی ہے۔ عالم نے کہا اسے آنے کی اجازت دو۔ وہ اندر گئی اور بولی کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی ہوں۔ عالم نے کہا کہ وہ کیا مسئلہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنی ایک پڑوسن سے زیور مستعار لیا تھا میں اسے ایک عرصہ پہنتی اور دوسروں کو بھی مستعار دیتی رہی۔ پھر ان لوگوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ میں اسے واپس کردوں، پس کیا میں اسے واپس کردوں۔ عالم نے کہا کہ ہاں! واللہ۔ وہ بولی کہ وہ ایک عرصہ میرے پاس رہا ہے۔ عالم نے کہا یہ تو اور بھی اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ وہ انہوں نے تجھے ادھار دیا تھا لہٰذا اب تجھے واپس کرنا چاہئے۔ راوی نے کہا کہ وہ عورت بولی! اے شخص اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، کیا تو اس چیز پر افسوس کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے مستعار دی تھی اور پھر تجھ سے واپس لے لی ہے اور وہ تجھ سے اس کا زیادہ حقدار تھا؟ پس اس عالم نے اپنے حال پر غور کیا اور اس عورت کی بات سے اللہ تعالیٰ نے اُسے نفع پہنچایا۔

شرح: یہ اس عورت کی بیان کردہ ایک تمثیل تھی جس سے وہ اس عالم کو نصیحت کرنا چاہتی تھی۔ اسے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اچھی بات کہے یا اچھائی کو پھیلائے یا دو آدمیوں میں صلح کرائے وہ جھوٹا نہیں ہے۔ محمد بن القرظی بنی قریظہ میں سے تھا۔ اس کا باپ بنی قریظہ کی سزا کے واقعہ میں اس لئے بچ گیا تھا کہ وہ نابالغ تھا۔ محمد بن کعب القرظی کی پیدائش ۴۰ھ میں ہوئی تھی۔ اور یہ مدینہ سے کوفہ میں آ بسا تھا۔

۱۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِخْتِفَاءِ

کفن چوری کا باب

۵۶۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ سَمِعَهَا تَقُولُ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخْتَفِيَ وَالْمُخْتَفِيَةَ يَعْنِي نَبَّاشَ الْقُبُورِ۔

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمٰن (بن سعد بن زرارہ) کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن چور مرد و عورت پر لعنت فرمائی تھی کیونکہ اس سے بڑھ کر بے رحمی اور کمینگی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایک زندہ شخص مُردے کا کفن اُتارے۔

۵۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَقُولُ: كَسْرُ عَظْمِ الْمُسْلِمِ مَيِّتًا، كَكَسْرِهِ وَهُوَ حَيٌّ۔ تَعْنِي فِي الْإِثْمِ۔

ترجمہ: امام مالک کو خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں، مُردہ

مسلمان کی ہڈی کو توڑنا یوں ہے جیسے زندگی میں اس کی ہڈی توڑ دی جائے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ یعنی گناہ اس کا ایسا ہے۔

شرح: یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مسند و مرفوع بھی مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور ابن ماجہ میں یہ اُمِ سلمہؓ سے بھی مرفوعاً آئی ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جس طرح زندہ مسلم کا اکرام و احترام ہے اسی طرح زندگی کے بعد بھی ہے۔ جب میت کی ہڈی توڑنے کا یہ گناہ ہے تو کفن چرانے کا کتنا ہوگا؟ اسی کو ثابت کرنے کی خاطر یہ حدیث اس باب میں لائی گئی ہے۔

۱۶۔ بَابُ جَامِعِ الْجَنَائِزِ

جنازوں کے متفرق مسائل کا باب

۵۶۲۔الف۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ، وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى صَدْرِهَا، وَأَصْغَتْ إِلَيْهِ، يَقُولُ: "اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى"۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ الصدیقہ سلام اللہ علیہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا جبکہ آپؐ وفات سے قبل ان کے سینے کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھے اور حضرت عائشہؓ نے کان لگا کر آپؐ کو یہ کہتے سُنا، اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر اور مجھے جنت میں اعلیٰ ساتھیوں سے ملا۔

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید الکائنات، امام الاولین والآخرین، سید الرسل اور معصومین کے سردار تھے۔ مگر انسان کتنا ہی بلند ہو بہر حال اللہ تعالیٰ کے سامنے سرافگندہ اور عاجز ہے۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے اور رفیق اعلیٰ بروئے قرآن نبی، صدیق شہدا اور صالحین ہیں جن کی رفاقت بہت اچھی ہے۔ رفیق اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام بھی ہے۔ اس صورت میں حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت، نرمی، شفقت و رحمت طلب فرمائی۔ نسائی کی حدیث میں جو بقولِ ابن حبان صحیح ہے، رفیق اعلیٰ سے مراد مقرب فرشتوں جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ کی رفاقت بھی ہے۔ یعنی حضورؐ نے وہ مقام طلب فرمایا جہاں ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو۔ احادیث کی رُو سے یہ وہ آخری کلمہ تھا جو زبانِ مبارک سے نکلا اور اس کے بعد رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۶۲۔ب۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمُوتُ حَتَّى يُخَيَّرَ" قَالَتْ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ "اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى" فَعَرَفْتُ أَنَّهُ ذَاهِبٌ۔

ترجمہ: مالکؒ کو حدیث پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبیؑ جو وفات پاتا تھا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت میں انتخاب کا اختیار دیا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ

نے فرمایا کہ جب میں نے حضورؐ کو اللّٰھمّ الرفیق الاعلیٰ کہتے سُنا تو جان لیا کہ آپؐ عالمِ آخرت کو سدھار رہے ہیں۔ (یعنی آپؐ کو جب اختیار ملا اور آپؐ نے رفیقِ اعلیٰ کی طلب فرمائی تو میں نے سمجھ لیا کہ اب دنیا والوں کی رفاقت سے مُنہ موڑ کر دوسری طرف تشریف لے جا رہے ہیں)

۵۶۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ، عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ. اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ، فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ. وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ، فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ. يُقَالُ لَهٗ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔"

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہو تو اسے جنت والوں کا ٹھکانا اور اگر جہنمی ہو تو جہنم والوں کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے "حتیٰ کہ تجھے قیامت کو اللہ تعالیٰ اُٹھائے۔"

شرح: یعنی اس وقت تجھے یہ ٹھکانا مل جائے گا، یا یہ مطلب ہے کہ اُسے قیامت قائم ہونے تک یہ ٹھکانا پیش کیا جاتا رہے گا۔ یا یہ کہ اب تو تیرا ٹھکانا یہ قبر ہے۔ لیکن قیامت کو جب اللہ تجھے اٹھائے گا تو یہ ٹھکانا تجھے دیا جائے گا۔

۵۶۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ الْاَرْضُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ. مِنْهُ خُلِقَ، وَفِيْهِ يُرَكَّبُ۔"

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین ابن آدم کا سب کچھ کھا جاتی ہے۔ مگر ریڑھ کی ہڈی کا سرِ بچا رہتا ہے۔ اسی سے اس کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور اسی سے اس کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔

شرح: یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کا ایک دقیق راز ہے، وہ پہلی یا دوسری پیدائش میں کسی ساز و سامان کا محتاج نہیں۔ مگر اس کی حکمتِ بالغہ نے سب سے پہلے انسان کے جسم کی یہی ہڈی پیدا فرمائی اور اسی پر جسم کی عمارت تعمیر کی۔ دوبارہ یہیں سے اس کے جسم کی ترکیب ہوگی۔ یہ حصہ زمین میں خواہ کہیں پوشیدہ رہے مگر بچا رہتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حصہ رائی کے دانے جیسا ہوتا ہے، جو ریڑھ کی جڑ میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ روایاتِ کثیرہ کی رُو سے اس عموم سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی۔ چنانچہ ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، حاکم، ابن خزیمہ نے روایت کی ہے اور حاکم نے شرطِ بخاری پر اس کی تصحیح کی ہے۔ اوس بن اوسؓ نے مرفوع روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کھائے۔ یہ ایک مشہور حدیث ہے جو مختلف الفاظ سے آئی ہے۔

۵۶۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ

أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَاهُ، كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، كَانَ يُحَدِّثُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ يَعْلَقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَرْجِعَهُ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ".

ترجمہ: کعب بن مالکؓ حدیث بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے کھاتا چگتا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ جس دن اس کے جسم کو اٹھائے گا تو اسے جسم میں واپس کرے گا۔

شرح: آیا مومن کی روح پرندے کی شکل میں متشکل ہوجاتی ہے یا کوئی پرندے جیسی مخلوق ہے جس میں باقی رہتی ہے؟ اس بات پر علمائے حقائق نے طویل بحث کی ہے۔ مثلاً حافظ ابن القیمؒ (کتاب الارواح میں)۔ شاہ ولی اللہ (حجۃ اللہ وغیرہ میں) بہرحال روح باقی رہتی ہے اور اس کا کچھ اتصال جسم یا بعض اعضائے جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ یہ عالم غیب اور برزخ کی چیزیں ہیں جن تک کسی مادی علم سے رسائی ممکن نہیں ہے۔ اس حدیث میں نسمۃ المؤمن کا لفظ آیا ہے اور نسائی نے بھی اسے اسی لفظ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کے لفظ یہ ہیں، شہدا کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں۔ مسند احمد میں دونوں قسم کے الفاظ سے یہ حدیث مروی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوتی ہے اور شہدا کی ارواح سبز پرندوں کی پوٹوں میں ہوتی ہیں، جو جنت کے پھل کھاتے، اس کی نہروں کا پانی پیتے اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سنہری قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث شہدا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عامۃ اہل ایمان کے لئے ہے۔ بشرطیکہ کوئی گناہ کبیرہ یا قرض وغیرہ راہ میں حائل نہ ہو جائے۔ اس پر کچھ بحث فضل المعبود میں ہوچکی ہے۔ یعنی نازک مسائل ہیں، جن کا یہ محل نہیں۔

۵۷۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَالَ اللَّهُ، تَبَارَكَ وَتَعَالَى: إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي، أَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ. وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي، كَرِهْتُ لِقَاءَهُ".

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جب میرا بندہ میری ملاقات کو پسند کرے تو میں اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہوں۔ اور جب وہ میری ملاقات کو ناپسند کرے تو میں اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کا مطیع مومن جب معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے کس قدر ثواب اور عزت افزائی ہے تو وہ اس سبب سے اللہ کی ملاقات پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جزا دینے اور اس کی عزت افزائی کرنے کے لئے اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ کافر کا معاملہ اس کے برعکس ہے (المنتقی ۲/۲۲ صفحہ ۳۲)۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جب مودت دونوں طرف سے ہو تو محبت اور دوستی دونوں طرف سے پختہ اور خالص ہو جاتی ہے۔ بخاری ومسلم نے اس حدیث کو عبادہؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا، ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات یوں نہیں، بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے۔ پس جو کچھ اس کے آگے ہوتا ہے اس سے

بڑھ کر کوئی محبوب چیز نہیں ہوسکتی۔ لہذا اس وقت مومن اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ لیکن کافر کی موت کے وقت اسے اللہ کے عذاب اور سزا کی خبر دی جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز اسے ناپسند نہیں ہوتی۔ لہذا وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کرنا ناپسند کرتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد جو پیچھے گزرا اللھم الرفیق الاعلیٰ اسی قبیل سے ہے۔ پس موت کی طبعی کراہت ایک دوسری چیز ہے جس کا ہونا مضر نہیں۔ یہ کراہت موت کے ہونے یا شدتِ اذیت کے باعث ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے کلام کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے۔ ایک چیز کا ایک جہت سے محبوب اور دوسری جہت سے مکروہ ہونا ممکن ہے۔

۵۶۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ، لِأَهْلِهِ إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ، وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ۔ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ۔ فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ، فَعَلُوْا مَا أَمَرَهُمْ بِهِ۔ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ۔ وَأَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ۔ ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ، يَا رَبِّ۔ وَأَنْتَ أَعْلَمُ۔ قَالَ: فَغَفَرَ لَهُ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک آدمی جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی، اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب وہ مرے تو اسے جلا دو۔ پھر اس کی نصف راکھ کو خشکی میں اور نصف کو سمندر میں بکھیر دو۔ کیونکہ واللہ اگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہوئی تو وہ اسے ایسا عذاب دے گا جیسا کہ جہان والوں میں سے کسی کو نہ دے گا۔ پس وہ آدمی جس وقت مرا تو انہوں نے اس کے حکم کے مطابق عمل کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے جو کچھ اس میں تھا اکٹھا کر دیا۔ اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے جو کچھ اس میں تھا جمع کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے کہا، اے میرے رب تیرے خوف سے کیا تھا۔ اور تو خوب جانتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔

شرح: یہ حدیث صحیح بخاری میں ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ اور حذیفہؓ کی سندوں سے مروی ہے، ظاہر ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اور صحاح میں بھی یہ ثابت ہے کہ یہ کوئی پچھلی اُمتوں کا مالدار اور کثیر الاولاد شخص تھا۔ ابوعوانہ نے حدیثِ حذیفہ میں ابوبکر الصدیقؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو جہنم سے سب سے آخر میں نکلے گا اور جنت میں سب سے بعد داخل ہوگا۔ حدیث میں صراحۃً نہیں آیا کہ یہ شخص توحید پر ایمان رکھتا تھا، مگر حدیث کے الفاظ، مثلاً خوفِ عذاب الٰہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عقیدہ توحید کے بارے میں صحیح تھا۔ ابوالولید الباجی نے کہا کہ اعمال سے مراد یہاں جوارح کے اعمال ہیں کہ وہ اس نے نہ کئے تھے۔ مگر اس بارہ میں نہیں آیا کہ وہ کافر تھا۔ یہی سبب ہے کہ موت کے وقت اس نے وہ وصیت کی، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ بخاری کی حدیث جو حذیفہؓ کی سند سے آئی ہے، اس میں ہے کہ یہ شخص کفن چور تھا۔ ابومسعودؓ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ حدیثِ حذیفہ میں اس کی وصیت کی کچھ اور تفصیل آئی ہے۔

یہ وصیت یا تو اس شخص کے فرار کی مانند تھی جو شیر کے آگے بھاگ اٹھے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ بچے گا نہیں مگر اپنی سی کوشش کر ڈالنا چاہتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ کرنے کی خاطر تھی۔ وہ بعث ونشور اور عذاب کا منکر نہ تھا، مگر بباعث نادانی یہ سمجھا، کہ ایسا کرنے سے شاید وہ عذاب الٰہی سے بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جب اُسے جلا ہوا اور متفرق الاعضا دیکھے گا تو اس کی رحمت اُمڈ آئے گی۔ اور وہ معاف فرما دے گا۔

ابن عقیل نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کے اجزا کو جمع فرمانا اور اس کے ساتھ سوال وجواب کرنا قیامت میں ہوگا جب کہ اجزا کو جمع کیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح سے خطاب فرمایا یا یہ کہ قیام قیامت سے پہلے اسے اس سوال وجواب کے لئے زندہ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۵۷۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ. فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ. كَمَا تُنَاتَجُ الْإِبِلُ، مِنْ بَهِيمَةٍ جَمْعَاءَ. هَلْ تُحِسُّ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ. أَرَأَيْتَ الَّذِي يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ؟ قَالَ: "اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ".

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح کہ اونٹوں کے بچے پورے اعضا والے صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم ان میں کسی کو ناک یا کان یا اطراف کٹے ہوئے پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو فرمائیے کہ جو بچہ بچپن میں مر جائے اس کا کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے؟

شرح: ہر بچہ سے مراد یا تو بنی آدم کے بچے ہیں اور یا بقول علامہ علی القاریؒ جن وانس دونوں ہیں۔ کیونکہ دونوں شرع الٰہی کے مکلف ہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے کچھ لوگوں کا خیال نقل کیا ہے کہ اس سے مراد صرف وہ بچے ہیں جو غیر مسلموں کے گھر پیدا ہوں اور فطرت اسلام پر ہوں کہ اگر ماحول اسلامی ہوتا تو وہ دین فطرت پر ہوتے۔ مگر ان کے یہودی والدین ان کو یہودی اور نصرانی والدین عیسائی بنا ڈالتے ہیں۔ شیخ الحدیث نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا کہ یہ معنی لینے والوں کا خیال غلط ہے۔ صحیح احادیث اس کا رد کرتی ہیں۔ بخاری کے الفاظ ہیں "کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پہ پیدا نہ کیا جاتا ہو"۔ مسلم کے الفاظ ہیں، ہر پیدا ہونے والا ملت پر پیدا ہوتا ہے۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟ یہ لفظ فطر ہی سے نکلا ہے۔ جس کا لغوی معنی پھاڑنا، شق کرنا، کھولنا، ایجاد کرنا، پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاطر ہے بمعنی خالق وموجد۔ روزہ کھولنے کو افطار کہتے ہیں۔ عید الفطر کا معنی ہے روزے ختم ہو جانے کی عید۔ فطرت کا معنی ہے ایک خاص وضع وہیئت پر پیدا کرنا۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا "یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا"۔ یعنی ان کے جسم وجان کو اس طرح بنایا کہ اگر ماحول غلط کا غلبہ نہ ہو جائے تو وہ عین اسی مقصد کو پورا کریں، جن کی خاطر انہیں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی معرفت اور نیکی کی پہچان کی صلاحیت ودیعت کی ہے اور یہی اسلام ہے۔ یعنی اس معنی میں کہ ان میں گو بدی کو قبول کرنے، کفر کی طرف مائل ہونے اور شیطان کی بات ماننے کا اختیار موجود ہے مگر اصل تقاضائے خلقت

نیکی اور معرفتِ خداوندی کا ہے۔

انسان طبعاً و خلقتہً اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ اور اس کی دلیل اس حدیث کے آخر میں ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ اگر تم چاہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ لو۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ کتاب التفسیر میں بخاریؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ فطرت سے مراد اسلام ہے۔ امام احمدؒ نے بھی یہی کہا ہے اور جمہور کا مذہب یہی ہے۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا کہ صغیر السّن مرجانے والا جو کچھ کرنے والا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ اس کا مطلب اوپر کی بحث کے مطابق یہ ہے کہ ان بچوں کا اصل حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے، فرداً فرداً کوئی نہیں جان سکتا۔ مگر اصل فطرت کے لحاظ سے کافر نہیں کہا جائے گا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضورؐ کے جواب کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ دخولِ جنت کبھی تو اعمال کے سبب سے ہوتا ہے اور کبھی بعض اور عوارض کے سبب سے۔ صحابہؓ کا سوال صرف پہلی چیز سے تھا کہ ان بچوں نے کوئی اعمال تو نہیں کئے تو وہ کہاں ہوں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کا دخولِ جنت اعمال کے سبب سے نہیں بلکہ کسی اور سبب سے ہے۔ اسی دوسری چیز کو حضورؐ نے مَسّ نہیں فرمایا۔ کیونکہ سوال پہلی بات کے متعلق تھا۔ رہی دوسری چیز، تو وہ اس حدیث کے پہلے حصّے سے واضح ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے الخ۔ پس وہ جب فطرت پر پیدا ہوئے اور بچپن میں جو کچھ ان سے صادر ہوا بوجہ مرفوع القلم ہونے کے اس کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا وہ اسی طرح رہے جیسے کہ ولادت سے قبل تھے۔ اور یہ تو متحقق ہے کہ وہ پہلے جہنم میں نہ تھے لہٰذا بعد میں نہیں ہوں گے اور ایک حدیث جو یہ فرمایا ہے کہ ھُمْ مِنْ آبَائِهِمْ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچے دخولِ جنت میں اعمال کی ضرورت میں اپنے آباد و اجداد کے قانونی طور پر تابع ہونے کے باوجود آخرت میں ان کے تابع نہ ہوں گے۔ اب ان کے دخولِ جنت کے لئے اور نصوص کو دیکھا جائے گا۔ اور یہ حدیث بھی اور آیت وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا بھی بچوں کے دخول نار کے خلاف ہیں۔ مشرکین کی اولاد کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ اعراف میں ہوں گے اور حضورؐ نے خدیجہؓ کی زمانۂ جاہلیت میں فوت ہونے والی صغیر اولاد کے متعلق جو فرمایا ہے کہ وہ جہنمی تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں نہ تھے اور اعراف والے بھی جنت کی نسبت اپنے آپ کو عذاب میں ہی خیال کریں گے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دیگر دلائل سے اہل ایمان کی اولاد کا جنتی ہونا اور مشرکین کی اولاد کا (یعنی جب وہ بچپن میں مرجائیں) اعراف میں ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے خلاف جو بعض احادیث میں ہے وہ یا تو وحی سے قبل کے ارشادات ہیں اور یا لوگوں نے ان کا مطلب سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید بحث فضل المعبود میں دیکھیے۔

۵۶۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ: يَا لَيْتَنِیْ مَكَانَهٗ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ آدمی دوسرے آدمی کی قبر کے پاس سے گزرے اور یہ نہ کہے کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔

شرح: بعض دفعہ لوگ دنیا کی تکالیف کی شدت، ماحول کی تنگی، اپنوں کی بے وفائی، نیکی کے دب جانے اور بدی کے چہار سُو پھیل جانے کے باعث موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔ شرعاً تو محض دنیوی تکالیف سے گھبرا کر موت کی آرزو کرنا جائز نہیں۔ لیکن حالات کی سنگینی بعض دفعہ نادانستہ اور بعض دفعہ دانستہ طور پر کچھ لوگوں کے منہ سے اس قسم کی باتیں نکلوا ہی دیتی ہے۔ اس حدیث میں نہایت سے قبل فتنوں کی کثرت و شدت کی خبر دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوتی ہے۔ خود ہمارے مشاہدے

میں ایسے لوگ آئے ہیں جو مصائب و آلام سے گھبرا کر موت کی آرزو کرتے ہیں۔ اس وقت ان کے ذہن سے قبر کی ہولناکی اور موت کی دہشت نکل جاتی ہے کیونکہ غلبۂ اہوال و آلام کے باعث ان کا ذہن کچھ اور سوچتا ہی نہیں۔ بعض صحابہؓ اور مابعد کے زمانے کے بزرگوں سے دین کی مغلوبیت اور بے دینی کے غلبہ کے باعث یہ آرزو ثابت ہے۔ ابوسلمہ کا بیان ہے، کہ میں ابوہریرہؓ کی بیمار پرسی کے لئے گیا اور دعا کی کہ اے اللہ ابوہریرہؓ کو شفا دے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ اے اللہ اس کی دُعا قبول نہ فرما۔ اے ابوسلمہؓ اگر مرنا ممکن ہو تو مر جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، علما پر ایک وقت آئے گا جب کہ ان کے لئے موت سرخ سونے سے محبوب تر ہوگی۔ اور ان میں سے کوئی اپنے بھائی کی قبر پر آئے گا اور کہے گا، کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ جب تو لوگوں پر فتنے کا ارادہ فرمائے تو مجھے فتنے میں مبتلا کئے بغیر اپنے پاس بلا لینا۔ حضرت عمرؓ نے دعا کی تھی، اے اللہ میری طاقت کمزور ہوگئی ہے اور میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میری رعیّت پھیل گئی ہے۔ پس مجھے فتنے میں مبتلا ہوئے بغیر اپنی طرف بلا لے۔ طاعون کے زمانے میں عتیق الغفاریؓ نے کہا، اے طاعون مجھے اپنی طرف پکڑ لے۔ ان سے کہا گیا کہ کیا موت کی تمنا ممنوع نہیں؟ تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا، احمقوں کی حکومت، پولیس کی زیادتی اور فیصلے کی رشوت سے قبل مرجانے کی جلدی کرو۔ لوگوں کے دین میں فساد کے باعث بہت سے سلف صالحین سے موت کی تمنا ثابت ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ، امام بخاریؒ اور بہت سے اور بزرگوں سے دین کی خاطر موت کی آرزو ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گو اس حدیث میں موت کی آرزو کا حکم بیان نہیں ہوا کہ آیا وہ جائز ہے۔ مگر تقاضائے دین کی خاطر موت کی تمنا جائز ہے۔ اور اگر یہ حدیث دنیوی شدائد و مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنے والوں کے متعلق ہے تو اس کی حیثیت ایک پیش گوئی کی ہے۔ ابوہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ ایک آدمی قبر پر گزرے گا اور اس پر لوٹ پوٹ ہو کر آرزو کرے گا کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا۔ یہ دین کی خاطر نہیں بلکہ مصائب کے سبب سے ہوگا: ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ تم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اگر تم میں سے کوئی موت کو فروخت ہوتا پائے تو اسے خرید لے گا یعنی موت جو اعظم المصائب ہے وہ شدائد و مصائب کے باعث اسے ہلکی معلوم ہوگی۔

۵۷۰- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيْلِيِّ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ، أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ، فَقَالَ: "مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ" قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ؟ قَالَ: "الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا، إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ. وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ، وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ"

ترجمہ: ابوقتادہؓ بن ربعی حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپؐ نے فرمایا یہ آرام پانے والا ہے یا اس سے دوسروں نے راحت پائی ہے۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ راحت پانے والا ہے یا اس سے دوسروں کو راحت ملی؟ فرمایا مومن بندہ دنیا کی مشقت سے آرام پا جاتا ہے اور دنیا کی تکلیف سے اللہ کی رحمت میں چلا جاتا ہے۔ اور بدکار رکا فر یا گنہ گار بندے سے لوگ اور شہر اور درخت اور چار پائے راحت پا لیتے ہیں۔

شرح: کفر و بدکاری کا اثر متعدی ہوتا ہے۔ اس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے اور انسانوں کے علاوہ اور بھی ہر چیز متاثر ہوتی

ہے۔شہر اجڑ جاتے ہیں، چارپائے دکھ پاتے ہیں اور درخت جل جاتے ہیں۔گناہوں کے پھیلنے سے آبادیاں برباد ہو جاتی ہیں، قحط پڑتا ہے اور ہر چیز متاثر ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کی مثال ایک دوسری حدیث ہے جس میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ہوا کے پرندے اور پانی کی مچھلیاں نیکی پھیلانے والے کے لئے دعا و استغفار کرتی ہیں۔یعنی اس کی تلقین و تبلیغ سے امن و سکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور ہر چیز سکھ کا سانس لیتی ہے۔ لہٰذا ان سب کی دعائیں اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔

۵۷۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ، وَمُرَّ بِجَنَازَتِهِ: "ذَهَبْتَ وَلَمْ تَلَبَّسْ مِنْهَا بِشَيْءٍ"

ترجمہ: ابوالنضر نے کہا کہ جب عثمان بن مظعون کی وفات ہوئی اور اس کا جنازہ لے کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو چلا گیا اور دنیا کی کسی چیز سے آلودہ نہ ہوا۔

شرح: یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تاسف، دلی رنج و غم اور اظہار حسرت پر دلالت کرتی ہے جو حضورؐ کو اس جلیل القدر انسان کی وفات سے ہوا تھا۔عثمان بن مظعونؓ سابقین اولین میں سے تھے۔قدیم الاسلام تھے۔ دونوں ہجرتیں کی تھیں۔بڑے عابد زاہد تھے۔زمانہ جاہلیت میں ہی شراب ترک کر دی تھی۔ ہجرت کے تیسرے سال وفات پائی۔مدینہ میں فوت ہونے والے وہ پہلے مہاجر تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک دنیا کی اجازت طلب کی تھی۔جسے حضورؐ نے قبول نہ فرمایا۔حضرت سعدؓ کا قول ہے کہ اگر حضورؐ اسے اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی کر لیتے۔عثمانؓ نے دین حق کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں، مگر جب فتوحات کا دور آیا تو وہ دنیا سے خالی ہاتھ چل بسے۔گویا ان کا پورا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ ہو گیا۔ وہ بقیع میں دفن ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے بعد ان کے چہرے کا بوسہ لیا۔اور دفن کے بعد فرمایا یہ ہمارا بہت اچھا پیش رو ہے۔

۵۷۲۔ وَحَدَّثَنِيْ مَالِكٌ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَلَبِسَ ثِيَابَهُ، ثُمَّ خَرَجَ. قَالَتْ فَأَمَرْتُ جَارِيَتِيْ بَرِيْرَةَ تَتْبَعُهُ. فَتَبِعَتْهُ. حَتّٰى جَاءَ الْبَقِيْعَ، فَوَقَفَ فِيْ أَدْنَاهُ، مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقِفَ. ثُمَّ انْصَرَفَ. فَسَبَقَتْهُ بَرِيْرَةُ فَأَخْبَرَتْنِيْ. فَلَمْ أَذْكُرْ لَهُ شَيْئًا حَتّٰى أَصْبَحَ. ثُمَّ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: "إِنِّيْ بُعِثْتُ إِلٰى أَهْلِ الْبَقِيْعِ لِأُصَلِّيَ عَلَيْهِمْ"

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر کپڑے پہنے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی لونڈی بریرہ کو آپ کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ وہ آپ کے پیچھے گئی۔حتّٰی کہ آپ بقیع میں تشریف لے گئے۔اور ورے کنارے پر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا کھڑے رہے۔پھر آپ واپس ہوئے تو بریرہ آپ سے پہلے واپس آگئی۔اور مجھے واقعہ بتایا۔میں نے صبح تک آپ سے اس کا ذکر نہ کیا۔پھر میں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اہل بقیع کی طرف (قبرستان) دعا کے لئے بھیجا گیا تھا۔

شرح: حدیث میں لِاَصْلِیَ عَلَیْھِمْ کے لفظ ہیں۔ ممکن ہے آپؐ نے بامر الٰہی وہاں نماز پڑھی ہو۔ گو ہریرہؓ کے بیان سے اس کی وضاحت نہیں ہوئی۔ صرف کچھ دیر کھڑا رہنے کا ذکر ہے۔ اگر یہ نماز تھی تو حضورؐ کی خصوصیت تھی۔ لیکن صلوٰۃ کا اصل لغوی معنی دعا ہے۔ ایک مُردے پر جب نماز ہوئی تو اس پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جاتی۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ معلوم نہیں حضورؐ کو اس حکم کے دیئے جانے کی فقہی علت کیا تھی۔ اتنا قرآن میں آیا ہے کہ آپؐ کی نماز اور دعاؤں کے لئے باعث سکون و رحمت ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ یہ نماز حضورؐ کی آخری عمر کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپؐ کو وفات کا علم دیا جا چکا تھا۔ اس واقعہ کی صبح کو آپؐ کا آخری مرض شروع ہوا تھا۔ ویسے آپؐ اس سے پہلے بھی بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لئے استغفار فرماتے تھے۔ مسلم کی بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا تھا۔ زیارتِ قبور کی پہلے ممانعت تھی، پھر وہ منسوخ ہوئی اور اجازت دی گئی۔ یہ واقعہ نسخ کے بعد کا ہے۔ زیارتِ قبور مَردوں کے لئے مشروع اور عورتوں کے لئے ممنوع ہے۔

۵۰۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ: اَسْرِعُوْا بِجَنَائِزِكُمْ۔ فَاِنَّمَا هُوَ خَيْرٌ تُقَدِّمُوْنَهُ اِلَيْهِ، اَوْ شَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نے کہا کہ اپنے جنازوں کو جلدی لے کر چلو۔ کیونکہ دو صورتیں ہیں، یا تم میّت کو بھلائی کی طرف پیش کرتے ہو (یعنی اگر وہ نیک ہو۔) یا ایک شر کو اپنی گردنوں سے نیچے اتارتے ہو۔

شرح: یعنی بہرصورت انہیں جلدی پہنچانا ہی بہتر ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو اسے جلدی راحت و آرام و آسائش کی جگہ میں پہنچاؤ اور خدانخواستہ اگر دوسری صورت ہے تو اس کے بوجھ کو اپنی گردن سے اتار دو۔ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو میّت کی تدفین میں تاخیر روا ہے۔ ورنہ بالعموم اس امر میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۷۔ کِتَابُ الصِّیَامِ

کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکوٰۃ کا ہونا انسب ہے اور مصری نسخوں میں یہی ہے کہ کتاب الجنائز جو دراصل کتاب الصلوٰۃ کا تتمہ ہی ہے، اس کے بعد کتاب الزکوٰۃ آئی ہے۔ لیکن قاضی ابوالولید کے نسخے میں اور پاکستان و ہند کے نسخوں میں یہاں پر کتاب الصیام ہے۔ کتاب و سنت میں بالعموم صلوٰۃ و زکوٰۃ کا ذکر اکٹھا آتا ہے۔ لیکن بعض احادیث میں نماز کے بعد صوم کا ذکر بھی آیا ہے۔ صوم اور صیام دونوں مصدر ہیں۔ جن کا معنیٰ ہے رُکنا، باز رہنا۔ اور شرع میں صوم سے مراد ہے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرنا، اس میں نیت بھی ضروری ہے اور صوم کی معنوی رفعت و تکمیل ہر قسم کے گناہ اور خلاف کاموں سے اجتناب کے ساتھ ہوتی ہے۔ گناہ کا منبع دو چیزیں ہیں، پیٹ اور شرم گاہ۔ روزہ ان دونوں پر پابندی لگا دیتا ہے تاکہ نفس حیوانی کا جوش ٹھنڈا ہو اور وہ اوامر کا مطیع اور نواہی سے مجتنب رہ سکے۔ صوم گزشتہ اُمتوں میں بھی فرض رہ چکا ہے۔ مگر اس کے احکام کی تکمیل، زوائد کی چھانٹی اور نظم و ترتیب اسلام میں ہوئی۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں خاموشی کا روزہ بھی تھا۔ چنانچہ زکریا علیہ السلام اور مریم علیہا السلام دونوں نے یہ روزہ رکھا تھا۔ اسلام نے یہ روزہ منسوخ کر دیا ہے۔ مگر ہر حالت میں عموماً اور روزے کی حالت میں خصوصاً آنکھ، کان اور دیگر اعضا کی مانند زبان پر قابو رکھنے اور اسے غلط طور پر استعمال نہ کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔

۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی رُؤْیَةِ الْھِلَالِ لِلصَّوْمِ وَالْفِطْرِ فِی رَمَضَانَ

رمضان کے روزے اور عید الفطر کے لئے چاند دیکھنے کا باب

۳۷۵۔ حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: "لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ۔ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْهُ۔ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا ذکر فرمایا اور کہا کہ جب تک چاند نہ دیکھو، روزہ نہ رکھو اور جب تک اسے نہ دیکھو روزہ ختم نہ کرو۔ پھر اگر بادل چھائے ہوئے ہوں تو اس کے لئے گنتی کرو۔ (موطائے امام محمدؒ میں بھی یہ حدیث باب الصوم لرؤیۃ الہلال الخ میں آئی ہے۔)

شرح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اگر نیا چاند نظر آجائے تو دوسرے دن روزہ اور یکم رمضان ہے ورنہ شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔ اور روزہ شروع کیا جائے۔ خواہ چاند نظر آئے یا نہ آئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے کہ اگر ابر کے باعث چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ ابن عمرؓ کی اس حدیث کو بھی بخاری و مسلم نے روایت

کیا ہے اور اس کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں، مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ پس تم روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو۔ اور اگر ابر ہو جائے تو تیس دن کی گنتی (شعبان کی) پوری کرلو۔ امام محمدؒ نے موطا میں حدیث ابن عمرؓ کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

رویت ہلال ہر شخص کے لئے لازم نہیں، جب شرعی شہادت سے طلوع ہلال ثابت ہو گیا تو سب پر روزہ رکھنا فرض ہو گیا۔ نصاب شہادت دو عاقل بالغ لائق شہادت مرد ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ابر کے دن میں ایک عادل کی شہادت سے رویت ثابت ہو جاتی ہے۔ شافعیؒ کا صحیح تر قول بھی یہی ہے۔ احمدؒ بن حنبل کے نزدیک بہر صورت ایک عادل کی شہادت سے رویت ہلال ثابت ہو جاتی ہے۔ مالکیہ میں سے ابو ثور کا قول اس کے خلاف ہے۔ رویت ہلال کے تفصیلی احکام اور اختلاف مطالع کا معتبر یا غیر معتبر ہونا ہم قصداً نظر انداز کرتے ہیں۔

۷۵۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ. فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ. وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ. فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ."

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے، پس تم چاند کو دیکھے بغیر روزہ مت رکھو اور اسے دیکھے بغیر روزہ رکھنا ترک مت کرو۔ پس اگر ابر ہو جائے تو اس کے لئے حساب کرو۔ (یعنی شعبان کی تیس دن کی گنتی مکمل کرلو۔)

۷۵۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيْلِيِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ رَمَضَانَ، فَقَالَ: "لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ. وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ. فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعَدَدَ (اِلْعِدَّةَ) ثَلَاثِيْنَ."

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر فرمایا تو کہا کہ نیا چاند دیکھے بغیر روزہ مت رکھو۔ اور اسے دیکھے بغیر روزہ نہ چھوڑو۔ اور اگر ابر ہو جائے تو تیس کا عدد پورا کرلو۔ (یعنی شعبان کے تیس دن کا عدد۔)

۷۵۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ الْهِلَالَ رُئِیَ فِیْ زَمَانِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِعَشِيٍّ فَلَمْ يُفْطِرْ عُثْمَانُ حَتّٰى اَمْسٰى، وَغَابَتِ الشَّمْسُ.

قَالَ يَحْيٰى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ، فِی الَّذِیْ يَرَى هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهٗ: اَنَّهٗ يَصُوْمُ. لَا يَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ يُفْطِرَ، وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّ ذٰلِكَ الْيَوْمَ مِنْ رَمَضَانَ.

قَالَ: وَمَنْ رَاٰى هِلَالَ شَوَّالٍ وَحْدَهٗ، فَاِنَّهٗ لَا يُفْطِرُ. لِاَنَّ النَّاسَ يَتَّهِمُوْنَ عَلٰى اَنْ يُفْطِرَ

مِنْهُمْ مَنْ لَيْسَ مَأْمُونًا. وَيَقُولُ أُولَئِكَ، إِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ: قَدْ رَأَيْنَا الْهِلَالَ. وَمَنْ رَأَى هِلَالَ شَوَّالٍ نَهَارًا فَلَا يُفْطِرْ. وَيُتِمَّ صِيَامَ يَوْمِهِ ذَلِكَ. فَإِنَّمَا هُوَ هِلَالُ اللَّيْلَةِ الَّتِي تَأْتِي.

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: إِذَا صَامَ النَّاسُ يَوْمَ الْفِطْرِ، وَهُمْ يَظُنُّونَ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ فَجَاءَهُمْ ثَبْتٌ أَنَّ هِلَالَ رَمَضَانَ قَدْ رُئِيَ قَبْلَ أَنْ يَصُومُوا بِيَوْمٍ، وَأَنَّ يَوْمَهُمْ ذَلِكَ أَحَدٌ وَثَلَاثُونَ. فَإِنَّهُمْ يُفْطِرُونَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ، أَيَّةَ سَاعَةٍ جَاءَهُمُ الْخَبَرُ. غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ صَلَاةَ الْعِيدِ. إِنْ كَانَ ذَلِكَ جَاءَهُمْ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ.

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عثمان بن عفانؓ کے دورِ خلافت میں پچھلے پہر چاند نظر آگیا تو حضرتِ عثمانؓ نے روزہ افطار نہ کیا حتیٰ کہ شام ہوگئی اور سورج غروب ہوگیا۔ (مطلب یہ کہ اس ہلال کا تعلق اگلے دن کے ساتھ تھا نہ کہ گزشتہ دن کے ساتھ۔)

شرح: المنتقیٰ ج ۲ صہ ۳۹ میں قاضی ابوالولید الباجیؒ کا قول ہے کہ یہ اثر اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ رمضان کا تھا اور نظر آنے والا ہلال شوال کا تھا۔ اس امر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ جب ہلال بعد از زوال نظر آئے تو وہ اگلے دن کے لئے ہے۔ اگر زوال سے قبل نظر آئے تو مالکؒ، شافعیؒ، ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء کا قول ہے کہ وہ بھی آئندہ دن کا ہے مگر ابن حبیب نے کہا کہ وہ گزشتہ دن کا ہے۔

مالکؒ فرماتے تھے کہ جو شخص اکیلا رمضان کا چاند دیکھے تو وہ روزہ رکھے۔ کیونکہ جب وہ جانتا ہے کہ وہ دن رمضان کا ہے تو اسے افطار مناسب نہیں۔ مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے تنہا شوال کا چاند دیکھا ہو تو وہ روزہ نہ چھوڑے۔ کیونکہ لوگ یہ تہمت رکھیں گے کہ ان میں سے جو شخص لائق اعتماد نہیں ہے وہ روزہ چھوڑتا ہے۔ اور اہل بدعت اور فاسق لوگ یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم نے ہلال دیکھا ہے۔ (یعنی یہ چیز آوارہ لوگوں کے لئے روزہ نہ رکھنے اور جھوٹ موٹ ہلال دیکھنے کی شہرت کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔) اور جو شخص شوال کا چاند دن کو دیکھے تو وہ روزہ نہ توڑے۔ اور اس دن کا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ وہ چاند آنے والے دن کا ہے۔ (چاند پہلے ہوتا ہے اور مہینے کی تاریخ اگلے دن سے شروع ہوتی ہے)

مالکؒ فرماتے تھے کہ جب لوگ یہ سمجھ کر روزہ رکھ لیں کہ وہ دن رمضان کا ہے اور ان کے پاس ایک ثقہ شخص آگیا، (یا پختہ ثبوت مل گیا) کہ رمضان کا چاند نظر آچکا ہے (یعنی اس دن سے پچھلی رات کو) اور ان کا یہ دن ۳۱ کا ہو رہا ہے تو وہ لوگ جس وقت بھی خبر ملے روزہ توڑ دیں۔ لیکن اگر خبر زوالِ آفتاب کے بعد آئی تھی تو وہ (اس دن) نمازِ عید نہ پڑھیں۔ (جیسا کہ مسند احمد ابوداؤد اور دارقطنی کی حدیثوں میں وارد ہے کہ حضورؐ نے اصحابؓ کو یہی حکم دیا تھا، جب کہ اسی قسم کا واقعہ حضورؐ کے وقت میں پیش آیا تھا۔)

۲- بَابُ مَنْ اَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ

فجر سے قبل روزے کی نیت کا باب

جس روزے کی فرضیت یا وجوب ایک وقت معین کے ساتھ وابستہ ہے مثلاً رمضان کا روزہ یا محدود و متعین ایام کی نذر کا روزہ اور اسی طرح نفل روزہ ۔ سو اس کی نیت رات سے ہو تو افضل ہے ۔ مگر فجر کے بعد بھی کافی ہے ۔ نفل کی صورت میں تو حضور کا عمل ثابت ہے کہ آپ نے جناب عائشہؓ سے کوئی کھانے کی چیز پوچھی اور جب معلوم ہوا کہ کچھ موجود نہیں تو فرمایا کہ پھر میرا روزہ ہے ۔" (مسلم) رمضان اور متعین نذر کے ایام کا روزہ خود بخود متعین ہے اور جو شخص روزہ رکھے گا ظاہر ہے کہ وہ انہی ایام کا فرض یا واجب جان کر رکھے گا ۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے ، تیاری کرتا ہے وغیرہ (عذر کی حالت مثلاً نیند وغیرہ کا حال دوسرا ہے) اور قضا کا روزہ اور کفارہ کا روزہ اور نذر غیر معین کا روزہ ، ان کے لئے رات سے نیت ضروری ہے ۔

رمضان اور نذرِ معین میں رات سے نیت کرنا اس لئے واجب نہیں ہے کہ نیت دراصل عبادت کے تعین کے لئے ہوتی ہے اور یہ صوم شرعاً متعین ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۵۷۸- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ، اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ : لَا يَصُوْمُ اِلَّا مَنْ اَجْمَعَ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ ـ

ترجمہ : ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ روزہ صرف وہ شخص رکھے جو فجر سے پہلے نیت کرے ۔ اس حدیث کے مسند یا موقوف ہونے میں اختلاف ہے ۔ خطابی نے بڑے زور کے ساتھ اسے مسند کہا ہے ، مگر نسائی وغیرہ اس کے موقوف ہونے پر زور دیتے ہیں (فقہی اختلاف اور بحث اوپر گزری ہے ۔)

۵۷۹- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ ، زَوْجَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، بِمِثْلِ ذٰلِكَ ـ

ترجمہ : ابن شہاب نے حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجات مکرمات سے اسی طرح کی روایت کی ہے ۔

شرح : اس باب میں آثار بھی مختلف ہیں اور مرفوع روایات بھی ۔ مسلم وغیرہ کی مرفوع احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ سے دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے ؟ جواب نفی میں ملا تو فرمایا : پھر آج میرا روزہ ہے ۔ جن لوگوں نے (مثلاً مالکیہ) نیت کو روزہ میں فرض کہا ہے انہوں نے واجب اور نفل میں فرق کیا ہے ۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ کیا نفل میں نیت فرض نہیں ؟ اگر نہیں تو پھر حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کا مطلب آپ کے نزدیک کیا ہے ؟ حنفیہ نے کہا کہ فرض ہو یا نفل یا واجب متعین ، اس میں دن کو نیت ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ فرائض و واجبات کا وہ وقت متعین ہے ۔ لہذا دن میں کسی وقت بھی کسی کی نیت کافی ہے ۔ کیونکہ نیت تو ذہنی ہے اعمال کی تحدید و تعین کی خاطر اور یہ پہلے سے مقرر و محدود ہیں ۔ حنفیہ کا مسلک کتاب اللہ سے مؤید ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ، اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ ۔ اس آیت نے کھانے پینے اور جماع کو رمضان

کی راتوں میں طلوعِ فجر تک جائز رکھا ہے۔ پھر طلوعِ فجر کے بعد روزے کا حکم ہے۔ پس جس شخص نے طلوعِ فجر سے ذرا پہلے تک کھانے پینے اور جماع سے فراغت پالی، اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ وہ نیّت کب کرے گا؟ اور آیا اس کا صوم جائز ہُوا یا نہیں۔ پس اس سے معلوم ہُوا کہ نیت کو روزے کے اول وقت سے متاخر کیا جاسکتا ہے۔ اس آیت کا حکم صاف ہے اور اسے خبرِ واحد کے ساتھ منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ خاص کر اس وقت کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے رفع و وقف میں شدید اضطراب ہے۔ اگر یہ روایات یا ان میں کوئی ثابت ہو تو لا کی نفی سے مراد نفی کمال ہے۔ اور اس کی بے شمار مثالیں حدیث میں موجود ہیں۔ مثلاً لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ ۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ ۔

اس حدیث کو کسی نہ کسی رنگ میں سب نے مخصوص البعض مانا ہے۔ حتّٰی کہ مالکیہ نے کہا ہے کہ رمضان کی ابتدا میں پورے رمضان کی نیت کافی ہے حنفیہ نے بخاری و مسلم کی حدیثِ سلمہ بن اکوعؓ سے بھی استدلال کیا ہے۔ حضورؐ نے سلمہؓ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں میں منادی کردو کہ جس نے کھا پی لیا ہو وہ باقی دن رُکا رہے اور جس نے کچھ کھایا پیا نہیں وہ روزہ رکھ لے۔ کیونکہ آج یوم عاشورہ ہے۔ یاد رہے کہ حضورؐ کے اس حکم سے اس دن کا روزہ واجب ہو گیا تھا۔ اور یہ واجب روزہ حضورؐ دن کو رکھوا رہے تھے۔ پس رات کو روزے کی نیت واجب نہ رہی۔ اسی طرح سننِ اربعہ میں ابن عباسؓ کی حدیث موجود ہے کہ لوگوں نے روزہ نہیں رکھا تھا کیونکہ ہلال نہیں دیکھا گیا تھا۔ ایک بدو نے آکر شہادت دی کہ میں نے گزشتہ رات ہلال دیکھا تھا۔ پس حضورؐ نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ صحیح روایات میں اس حدیث کے اندر "پس کل روزہ رکھیں" کا لفظ ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ان روایات کی وجہ سے لائق استدلال نہیں رہتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ تَعْجِیْلِ الْفِطْرِ

افطار میں جلدی کرنے کا باب

۵۸۰۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِیْ حَازِمِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ"۔

ترجمہ: سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ برابر بھلائی کے ساتھ رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کریں گے۔

تشریح: یعنی افطار کا وقتِ مقرر و مسنون ہو جانے کے بعد روزہ جلد افطار کرنا چاہیئے۔ عبادت دراصل حکمِ الٰہی کی بجا آوری ہے خواہ وہ نکاح کی شکل میں ہو۔ ضرورت کے وقت لذّاتِ حیات سے متمتّع ہونے کی صورت میں ہو یا روزہ کو جلدی افطار کرنے کی صورت میں۔ افطار کی تعجیل اور سحور کی تاخیر کی احادیث صحیح ہیں اور بقول حافظ ابن عبد البرؒ متواتر ہیں۔ جلدی افطار کرنے میں یہ راز بھی ہے کہ اس کی تاخیر کے باعث دل میں وہ خشوع و خضوع اور نعمت الٰہی کے شکریے کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا، جو اس کی تعجیل میں ہے۔ روزہ نفسِ انسانی کی تعذیب کے لئے نہیں بلکہ تہذیب کے لئے ہے۔ اور ان دونوں میں کافی فرق ہے۔

۵۸۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الْاَسْلَمِیِّ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ،

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔"

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "لوگ برابر بھلائی میں رہیں گے، جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔ (غروب شمس کے ثابت ہوجانے کے بعد جلدی کرنا مستحب ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور علمائے حدیث نے مراسیل سعید بن المسیب کو مرفوعات کا حکم دیا ہے۔

۵۰۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ کَانَا یُصَلِّیَانِ الْمَغْرِبَ حِیْنَ یَنْظُرَانِ اِلَی اللَّیْلِ الْاَسْوَدِ، قَبْلَ اَنْ یُفْطِرَا۔ ثُمَّ یُفْطِرَانِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ۔ وَ ذٰلِکَ فِیْ رَمَضَانَ۔

ترجمہ: حُمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اور عثمان بن عفانؓ مغرب کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ کالی رات کی طرف دیکھتے تھے، قبل اس کے کہ افطار کریں۔ پھر افطار نماز کے بعد کرتے تھے۔ اور یہ رمضان میں ہوتا تھا۔

شرح: ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے قبل کچھ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس سے افطار میں تعجیل ثابت ہوئی جب کہ حدیث زیر نظر میں بعد الصلوٰۃ تک ان حضرات کا موخر کرنا وارد ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے بالکل مروی ہے کہ افطار نماز سے پہلے کرتے تھے۔ قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقی ج ۲ ص ۴۲ میں لکھا ہے کہ ان حضرات کی تاخیر افطار وقت مکروہ تک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ کراہت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کہ ستارے خوب نکل آئیں۔ (جیساکہ بعض کرتے ہیں)۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات رمضان میں مغرب کی نماز کو بہت جلدی اور مختصر پڑھتے تھے تاکہ افطار کا وقت مکروہ نہ ہوجائے۔

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِیَامِ الَّذِیْ یُصْبِحُ جُنُبًا فِیْ رَمَضَانَ

اس شخص کے روزے کا بیان جو رمضان میں بحالت جنابت صبح کرے

۵۰۳۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْاَنْصَارِیِّ، عَنْ اَبِیْ یُوْنُسَ مَوْلٰی عَائِشَۃَ، عَنْ عَائِشَۃَ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَھُوَ وَاقِفٌ عَلَی الْبَابِ، وَاَنَا اَسْمَعُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اِنِّیْ اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِیْدُ الصِّیَامَ۔ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "وَاَنَا اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِیْدُ الصِّیَامَ۔ فَاَغْتَسِلُ وَاَصُوْمُ" فَقَالَ لَہُ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اِنَّکَ لَسْتَ مِثْلَنَا۔ قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: "وَاللّٰہِ۔ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ۔ وَاَعْلَمَکُمْ بِمَا اَتَّقِیْ۔"

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جب کہ وہ دروازے پر کھڑا تھا اور میں سُن رہی تھی، یا رسول اللہؐ میں بحالتِ جنابت صبح کرتا ہوں اور روزہ رکھنا چاہتا ہوں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی صبح کو جنبی ہوتا ہوں اور روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ پس غسل کرتا ہوں اور روزہ رکھ لیتا ہوں۔ پس اس شخص نے کہا یا رسول اللہ آپؐ ہماری مانند نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اگلی پچھلی کوتاہیاں معاف کر دی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آگیا۔ اور فرمایا کہ واللہ! مجھے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے خوف کرنے والا ہوں۔ اور تم سب سے زیادہ ان چیزوں کو جاننے والا ہوں، جن سے بچوں۔ (امام محمدؒ نے مؤطا میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جو شخص جماع کے باعث نہ کہ احتلام کے سبب سے بوقت صبح جُنبی ہو، یعنی رمضان میں۔ پھر طلوعِ فجر کے بعد غسل کرلے تو اس میں حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مقاربت حلال کی گئی ہے الخ پس جب آدمی کو رخصت دی گئی ہے کہ جماع کرے اور اولاد پیدا کرنا چاہے اور طلوعِ فجر تک کھائے پیئے تو غسل تو طلوعِ فجر کے بعد ہی ہوگا۔ پس اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اس حدیث سے دونوں قسم کے استدلال ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس شخص نے طلوعِ فجر سے قبل روزے کی نیت تو کرلی تھی مگر بعد میں جماع کیا۔ دوسرا یہ کہ نیت بھی اس وقت کی جب جنابت کا غسل کیا۔ قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقیٰ میں پہلی تاویل کی ہے مگر وہ واضح نہیں ہے۔ واضح تر تو یہی ہے کہ اس شخص نے روزے کی نیت غسل کے وقت یا اس کے بعد کی اور ظاہر ہے کہ اس وقت فجر طلوع ہوچکی تھی۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینا غلط ہے۔ بلکہ وہ سائل اسے حضورؐ کی خصوصیت سمجھتا تھا۔ اور حضورؐ نے اس کا رد فرمایا۔ اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے خلافِ اولیٰ کام بھی معاف کئے گئے یا یہ کہ صغائر معاف کئے گئے یا یوں کہئے کہ یہ ایک محاورہ ہے۔ اگلے پچھلے گناہ معاف کرنے کا مطلب بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ میں اور گناہ میں پردہ حائل کردیا ہے کہ آپؐ سے گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ اور اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں شرع میں میری پیروی لازم ہے نہ کہ از خود کسی بات کا جواز یا عدم جواز کا عقیدہ رکھ لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا۔

۵۰۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمَا قَالَتَا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ، غَيْرِ احْتِلَامٍ، فِيْ رَمَضَانَ، ثُمَّ يَصُوْمُ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ صبح جنبی ہوتے تھے جماع سے نہ کہ احتلام سے، اور یہ رمضان میں ہوتا تھا۔ پھر آپؐ روزہ رکھتے تھے۔

شرح: قرطبی نے کہا ہے کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ازواج سے مقاربت فرماتے تھے۔ اور غسل کو طلوعِ فجر کے بعد تک بیانِ جواز کے لئے مؤخر فرما دیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ غسل جماع سے ہوتا تھا، احتلام سے۔ احتلام آپؐ کو بباعثِ عصمت نہ ہوتا تھا کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور آپؐ معصوم تھے۔ دوسرے علما کا قول یہ ہے کہ

ازواجؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو احتلام ہو سکتا تھا۔ ورنہ استثنا کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ احتلام صرف شیطانی اثر سے نہیں ہوتا، بلکہ مراد اس سے انزال ہے، جو شیطانی اثر کے بغیر بھی ممکن ہے۔ امام نوویؒ نے قرطبی کی تاویل کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بباعث عصمت احتلام نہیں ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ نیند میں کچھ نظر آئے بغیر بھی مادۂ حیات خارج ہو سکتا ہے۔ پس اگر حضورؐ کے متعلق احتلام کا قول صحیح ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ بغیر کچھ نظر آئے خواب میں انزال ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۵۰۵ ۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ يَقُوْلُ: كُنْتُ اَنَا وَاَبِيْ عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ ـ وَهُوَ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ ـ فَذُكِرَ لَهٗ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا اَفْطَرَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ ـ فَقَالَ مَرْوَانُ: اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ـ لَتَذْهَبَنَّ اِلٰى اُمَّيِ الْمُؤْمِنِيْنَ، عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ ـ فَلْتَسْاَلَنَّهُمَا عَنْ ذٰلِكَ ـ فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَذَهَبْتُ مَعَهٗ ـ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى عَائِشَةَ ـ فَسَلَّمَ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ ـ اِنَّا كُنَّا عِنْدَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَذُكِرَ لَهٗ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا اَفْطَرَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ ـ قَالَتْ عَائِشَةُ: لَيْسَ كَمَا قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ ـ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ـ اَتَرْغَبُ عَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: لَا وَاللّٰهِ ـ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَاَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ، غَيْرِ احْتِلَامٍ، ثُمَّ يَصُوْمُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ ـ

قَالَ ثُمَّ خَرَجْنَا، حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ ـ فَسَاَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ ـ فَقَالَتْ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ ـ قَالَ: فَخَرَجْنَا حَتّٰى جِئْنَا مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ ـ فَذَكَرَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ مَا قَالَتَا ـ فَقَالَ مَرْوَانُ: اَقْسَمْتُ عَلَيْكَ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ ـ لَتَرْكَبَنَّ دَابَّتِيْ، فَاِنَّهَا بِالْبَابِ ـ فَلْتَذْهَبَنَّ اِلٰى اَبِيْ هُرَيْرَةَ ـ فَاِنَّهٗ بِاَرْضِهِ بِالْعَقِيْقِ، فَلْتُخْبِرَنَّهٗ ذٰلِكَ ـ فَرَكِبَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَرَكِبْتُ مَعَهٗ، حَتّٰى اَتَيْنَا اَبَا هُرَيْرَةَ ـ فَتَحَدَّثَ مَعَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَاعَةً ـ ثُمَّ ذَكَرَ لَهٗ ذٰلِكَ ـ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ هُرَيْرَةَ: لَا عِلْمَ لِيْ بِذَاكَ ـ اِنَّمَا اَخْبَرَنِيْهِ مُخْبِرٌ ـ

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کہتے تھے کہ میں اور میرا والد دونوں مروان بن الحکم کے پاس تھے جب کہ

وہ مدینہ کا امیر تھا (حضرت معاویہؓ کے دور میں) پس عبدالرحمٰن نے مروان کو بتایا کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں، جو شخص جنابت کی حالت میں صبح کرے اس کا اس دن کا روزہ نہیں رہا۔ پس مروان نے کہا کہ اے عبدالرحمٰن میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ اُمّ المومنین عائشہؓ اور امّ المومنین اُمّ سلمہؓ کے پاس جاؤ اور یہ مسئلہ ان سے دریافت کرو۔ پس عبدالرحمٰن گئے اور میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ حتیٰ کہ ہم لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے۔ پس عبدالرحمٰن نے ان کو سلام کیا اور پھر کہا: اے مومنوں کی اماں! ہم مروان کے پاس تھے اور وہاں یہ ذکر ہوا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں، جو شخص صبح کو جُنبی اُٹھے اس کا اس دن کوئی روزہ نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بات وہ نہیں جو ابوہریرہ نے کہی۔ اے عبدالرحمٰن کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے مُنہ پھیرتا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا واللہ نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شہادت دیتی ہوں کہ آپ صبح کے وقت جماع کے ساتھ نہ کہ احتلام کے ساتھ بحالتِ جنابت ہوتے تھے اور پھر اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ ابوبکر نے کہا کہ پھر ہم وہاں سے نکلے تو حضرت اُمّ سلمہؓ کے ہاں گئے۔ عبدالرحمٰن نے ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی حضرت عائشہؓ جیسی بات فرمائی۔ ابوبکر نے کہا کہ پھر ہم باہر آئے اور مروان کے ہاں پہنچے اور عبدالرحمٰن نے اُسے ان دونوں کا قول بتایا۔ مروان نے کہا کہ اے ابومحمد میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میری سواری پر چڑھو جو کہ دروازے پر ہے اور بالضرور ابوہریرہ کے پاس جاؤ، جو مقامِ عقیق میں اپنی زمین میں ہیں، اور انہیں یہ بتاؤ۔ پس عبدالرحمٰن سوار ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ سوار ہوا۔ حتیٰ کہ ہم ابوہریرہؓ کے پاس آئے۔ عبدالرحمٰن نے کچھ دیر ان سے گفتگو کی، پھر انہیں وہ بات بتائی۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ مجھے اس کا کچھ علم نہ تھا۔ مجھے تو کسی بتانے والے نے یہ بتایا تھا۔ (یہ حدیث مؤطا امام محمدؒ میں بھی باب اَلرَّجُلِ يَطْلُعُ لَهُ الْفَجْرُ فِي رَمَضَانَ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: حضرت عائشہؓ و اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ عبدالرحمٰن بن الحارث کی بات چیت یا تو پردے کے پیچھے سے تھی اور اس حدیث کا مفاد یہی ہے۔ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان اور حضرت ام سلمہؓ کے غلام نافع کے توسط سے ہوئی تھی۔ نسائی کی روایت میں یہی ہے۔ ابوہریرہؓ نے جو کچھ حسب روایت صحیح بخاری اپنے وعظ میں کہا تھا کہ مَنْ اَصْبَحَ جُنُبًا اَفْطَرَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔ یہ نسائی کی روایت میں اُسامہ بن زیدؓ سے اور مسلم کی مرفوع میں الفضل بن عباسؓ سے مروی ہے پس حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلمہؓ کی حدیث سے ان روایات کو منسوخ ماننا پڑے گا۔ اور ابوہریرہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ مجھے اس کا علم نہ تھا، حقیقت یہ ہے کہ مجھے کسی خبر دینے والے نے بتایا تھا تو حسبِ روایت بخاری اس مخبر سے مراد یہی دو حضرات تھے جیسا کہ بخاری اور نسائی کی روایات میں موجود ہے۔

۵۸۶ - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمَا قَالَتَا، إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ جِمَاعٍ، غَيْرِ احْتِلَامٍ، ثُمَّ يَصُومُ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ سلمہؓ دونوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاربت کے باعث صبح کو جنابت کی حالت میں ہوتے تھے، احتلام کی وجہ سے نہیں، پھر روزہ رکھتے تھے۔ (یہ حدیث اور گزشتہ نمبر ۵۸۴ کی حدیث دراصل اس طویل حدیث کا اختصار معلوم ہوتا ہے۔ جو اوپر نمبر ۵۸۵ پر گزری ہے۔)

۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کی رخصت کا باب

۵۸۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَجُلاً قَبَّلَ امْرَأَتَهُ وَهُوَ صَائِمٌ، فِي رَمَضَانَ، فَوَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَجْدًا شَدِيدًا۔ فَأَرْسَلَ امْرَأَتَهُ تَسْأَلُ لَهُ عَنْ ذٰلِكَ. فَدَخَلَتْ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهَا. فَأَخْبَرَتْهَا أُمُّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ. فَرَجَعَتْ فَأَخْبَرَتْ زَوْجَهَا بِذٰلِكَ. فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا. وَقَالَ لَسْنَا مِثْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اللّٰهُ يُحِلُّ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ. ثُمَّ رَجَعَتِ امْرَأَتُهُ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ. فَوَجَدَتْ عِنْدَهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لِهٰذِهِ الْمَرْأَةِ؟" فَأَخْبَرَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أَخْبَرْتِيهَا أَنِّي أَفْعَلُ ذٰلِكَ؟" فَقَالَتْ: قَدْ أَخْبَرْتُهَا. فَذَهَبَتْ إِلَى زَوْجِهَا فَأَخْبَرَتْهُ. فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا. وَقَالَ: لَسْنَا مِثْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اللّٰهُ يُحِلُّ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ. فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "وَاللّٰهِ. إِنِّي لَأَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ، وَأَعْلَمُكُمْ بِحُدُودِهِ۔"

ترجمہ: عطا بن یسار سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رمضان میں بحالت روزہ اپنی عورت کا بوسہ لیا اور اسے اس کے باعث شدید رنج لاحق ہوا۔ اس نے اپنی عورت کو اس کے متعلق سوال کرنے کو بھیجا۔ پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اُمّ سلمہؓ کے پاس آئی اور اس سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اُمّ سلمہؓ نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے ہیں۔ وہ عورت اپنے خاوند کے پاس واپس گئی اور اسے یہ بات بتائی تو اس کا رنج و غم اور بڑھ گیا۔ اور بولا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے لئے جو چاہے حلال کر سکتا ہے۔ پھر اس کی بیوی اُمّ سلمہؓ کے پاس واپس گئی تو وہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس عورت کو کیا کام ہے؟ اُمّ سلمہؓ نے آپ کو بتایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اسے یہ کیوں نہ بتایا کہ میں بھی ایسا کرتا ہوں؟ اُمّ سلمہؓ نے کہا کہ میں نے اسے بتایا تھا، یہ اپنے خاوند کے پاس گئی اور اسے خبر دی تو اس کا رنج و غم اور بڑھ گیا اور اس نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند نہیں ہیں۔ اللہ اپنے رسولؐ کے لئے جو چاہے حلال کرے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا، واللہ میں تم سب سے اللہ کا زیادہ خوف رکھتا ہوں اور اس کی حدود کو زیادہ جانتا ہوں۔

شرح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک کتاب وسنت کی کسی نص سے ثابت نہ ہو جائے کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اس وقت تک اسے حضورؐ کی خصوصیت ماننا شرعاً جائز نہیں۔ اس کے لئے پختہ شرعی دلیل درکار ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عائلی زندگی کے حلّت وحُرمت کے مسائل ازواج مطہرات کے ذریعے سے ہی اُمت تک پہنچ سکتے تھے، اور کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جس سے وہ معلوم ہو سکتے۔ غالباً حضورؐ کے تعدد ازواج کا ایک سبب یہ بھی تھا، نیز ایک کے سوا باقی سب ازواج بیوہ (اور ایک مطلقہ) تھیں۔ لہذا وہ بآسانی اُمت کی عورتوں کو یہ مسائل کسی جھجک کے بغیر بتا سکتی تھیں اور انہوں نے ایسا کیا بھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہنّ۔

۵۸۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رض أَنَّهَا قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُقَبِّلُ بَعْضَ أَزْوَاجِهِ وَهُوَ صَائِمٌ. ثُمَّ ضَحِكَتْ.

ترجمہ: عروہ نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہہ کر عائشہؓ ہنس پڑیں۔

شرح: امام محمدؒ نے موطا میں کہا ہے کہ روزہ دار جب جماع سے رُکے رہنے کی اپنے اندر قوت پاتا ہو تو اس کے لئے بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اسے خوف ہو کہ اپنے اُوپر قابو نہ رکھ سکے گا تو اس کے لئے پرہیز افضل ہے۔ ابوحنیفہؒ کا اور ہم سے پہلے عام علما کا یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ قول جن بعض ازواج کے متعلق ہے ان سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔ اسی قسم کے اقوال حضرت اُمّ سلمہؓ اور حفصہؓ سے بھی صحاح میں منقول ہیں۔ ہر ایک نے اپنا واقعہ ذرا مبہم انداز میں بیان فرمایا تھا۔ بخاری ومسلم وغیرہا نے یہ احادیث روایت کی ہیں۔

۵۸۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عَاتِكَةَ ابْنَةَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ امْرَأَةَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كَانَتْ تُقَبِّلُ رَأْسَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَا يَنْهَاهَا.

ترجمہ: عاتکہؓ بنت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمر بن الخطابؓ کی بیوی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر چومتی تھیں۔ جب کہ وہ روزے سے ہوتے، اور وہ انہیں اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ (کیونکہ دونوں کو صبر وثبات کی قوت حاصل ہوتی تھی۔)

۵۹۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَائِشَةَ بِنْتَ طَلْحَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَدَخَلَ عَلَيْهَا زَوْجُهَا هُنَالِكَ. وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ. وَهُوَ صَائِمٌ. فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْنُوَ مِنْ أَهْلِكَ فَتُقَبِّلَهَا وَتُلَاعِبَهَا؟ فَقَالَ: أُقَبِّلُهَا وَأَنَا صَائِمٌ؟ قَالَتْ نَعَمْ.

ترجمہ: عائشہ بنت طلحہؓ نے بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہؓ کے پاس تھیں اور عائشہ بنت طلحہ کا خاوند وہیں آ گیا۔ جو عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تھا۔ اور وہ روزہ سے تھا۔ پس حضرت عائشہؓ نے اس سے فرمایا، تجھے کیا چیز اس سے

روکتی ہے کہ تو اپنی بیوی کے قریب جائے، اس کا بوسہ لے اور اس سے ملاعبت کرے؟ اس نے کہا کہ کیا میں روزے کی حالت میں بھی اس کا بوسہ لوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ (یہ حدیث موطائے امام محمد میں بھی مروی ہے باب القُبلۃ للصائم)

شرح: غالباً عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ (جناب عائشہؓ کے بھتیجے) کو یہ معلوم نہ تھا جیسا کہ اس قول ہی ظاہر کرتا ہے یہی سبب تھا کہ حضرت عائشہؓ نے اسے مسئلہ بتانے کی غرض سے یہ فرمایا۔ یہ بات تو بالکل واضح تھی کہ عبداللہ کو یہ فعل کسی کے سامنے نہیں کرنا چاہئے تھا اور نہ حضرت عائشہؓ کا یہ مطلب ہی تھا۔ شائد انہیں کسی طرح یہ معلوم تھا کہ وہ اس سے پرہیز کرتا ہے۔ اور قریبی رشتہ دار ہونے کی بنا پر صراحتہً اسے اس مسئلہ کے بتانے میں حرج بھی نہ تھا۔

۵۹۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَسَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، كَانَا يُرَخِّصَانِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ابوہریرہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ روزہ دار کو بوسہ کی اجازت دیتے تھے۔

۶۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

روزہ دار کے بوسہ لینے میں تشدید کا بیان

۵۹۲۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَتْ إِذَا ذَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، تَقُولُ: وَأَيُّكُمْ أَمْلَكُ لِنَفْسِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ، قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: لَمْ أَرَ الْقُبْلَةَ لِلصَّائِمِ تَدْعُو إِلَى خَيْرٍ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب یہ بیان کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے تھے، تو کہتی تھیں کہ تم میں سے کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنی خواہش کو ضبط کرنے والا ہو؟

ترجمہ: عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ میں نہیں دیکھتا کہ روزہ دار کو بوسہ خیر کی طرف بلائے گا۔ (یعنی عروہ کے نزدیک افضل یہی تھا کہ ایسا نہ کیا جائے۔)

شرح: اسی بنا پر مالکیہ اور شافعیہ نے حالتِ صوم میں بوسہ لینے کو مطلقاً مکروہ کہا ہے۔ لیکن اختلافِ روایات کی بنا پر حنفیہ نے ان احادیث کو اس طرح جمع کیا ہے کہ جسے اپنے آپ کو تھام نہ سکنے کا خدشہ ہو وہ ایسا نہ کرے، ورنہ جائز ہے۔

۵۹۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ عَنِ الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ، فَاَرْخَصَ فِیْهَا لِلشَّیْخِ، وَکَرِهَهَا لِلشَّابِّ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روزہ دار کے لئے بوسہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بوڑھے کو اجازت دی اور جوان کے لئے اسے مکروہ کہا۔ (کیونکہ غالب یہی ہے کہ بوڑھا اپنے آپ پر کنٹرول کر سکتا ہے اور جوان مشکل کر سکتا ہے۔ اس مضمون کی دو مرفوع احادیث بھی ہیں مگر بقول حافظ ابن حجرؒ وہ ضعیف ہیں۔ احمد اور طبرانی کی روایات کی سند میں ابن لہیعہ ہے جو مختلف فیہ ہے۔ مگر بیہقی نے جو روایت حضرت عائشہؓ کے حوالے سے نقل کی ہے شوکانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اسی وجہ سے امام محمدؒ کا جو فتویٰ ہم نے اوپر نقل کیا ہے، اس میں یہ تفریق آئی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو تھام سکے، اس کے لئے بحالتِ روزہ بوسہ لینے میں حرج نہیں اور بصورتِ دیگر اس میں کراہت ہے۔)

۵۹۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یَنْهٰی عَنِ الْقُبْلَةِ وَالْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ روزہ دار کے لئے بوسے اور مباشرت سے منع کرتے تھے۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی الصِّیَامِ فِی السَّفَرِ

سفر میں روزہ رکھنے کا باب

اس باب میں اختلافِ روایات کے باعث علمائے اُمت میں اختلاف ہوا ہے۔ احادیث کو جمع کیا جائے اور ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ روزہ رکھنا افضل ہے۔ بشرطیکہ مسافر کو اس کی قوت حاصل ہو۔ اور سعد بن یزیدؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، شافعیؒ اور مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔ ابوثورؒ سے یہی مروی ہے اور صحابہ میں سے عثمان بن ابی العاصؓ اور انس بن مالکؓ کی روایت سے یہی آیا ہے۔ کئی صحابہؓ اور ائمہ فقہاء سے تخییر مروی ہے۔ مثلاً ابن عباسؓ۔ ابوسعیدؓ، انسؓ، سعید بن المسیبؒ، عطاء، سعید بن جبیرؒ، لیثؒ، اوزاعیؒ سے۔ بعض کے نزدیک سفر میں افطار افضل ہے یہی عمر بن عبدالعزیزؒ، شعبیؒ، قتادہؒ، محمد بن علیؒ (امام باقرؒ)، شافعیؒ اور احمدؒ سے مروی ہوا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک سفر میں روزہ سرے سے جائز نہیں۔ ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ اور داؤد بن علی ظاہری سے یہی مروی ہے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک مسافر کے لئے جو صورت آسان ہو، وہی افضل ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ، قتادہ اور فقہا میں سے ابن المنذرؒ کا مذہب یہی ہے بعض نے کہا کہ جو شخص رمضان کے شروع میں مقیم ہو اور پھر مسافر ہو جائے تو وہ روزہ رکھے۔ جو شخص ابتدائے رمضان میں مسافر ہو، اس کے لئے افطار جائز ہے۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ بالعموم فقہائے اُمت میں اس مسئلہ میں کوئی اہم اختلاف نہیں۔ اور جو اختلاف ہے وہ فرعی ہے۔ ایک آدھ کے سوا ان تمام اقوال کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

۵۹۵۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ

مَسْعُوْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَرَجَ اِلٰی مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ فِیْ رَمَضَانَ۔

فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ الْكَدِيْدَ۔ ثُمَّ اَفْطَرَ، فَاَفْطَرَ النَّاسُ۔ وَكَانُوْا يَاْخُذُوْنَ بِالْاَحْدَثِ فَالْاَحْدَثِ، مِنْ

اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان میں روزہ رکھ کر مدینہ سے مکہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپؐ نے روزہ رکھا۔ حتیٰ کہ کدید میں تشریف لے گئے تو آپؐ نے روزہ افطار کر دیا اور لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ روزہ کھول دیا۔ اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدید سے جدید تر کاموں کو اختیار کرتے تھے۔

شرح: اس حدیث کو امام محمدؒ نے بھی مؤطا میں روایت کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ سفر میں جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ اور جسے روزے کی قوت ہو، اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے، اور سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افطار کے بارے میں ہمیں خبر پہنچی ہے کہ جب آپ نے مکہ کی طرف سفر فرمایا تو افطار کیا کیونکہ لوگوں نے سفر کے باعث روزہ میں تکلیف ہونے کی شکایت کی تھی۔ پس آپؐ کا روزہ افطار کرنا اس علت سے تھا۔ اور ہمیں یہ بھی خبر ملی ہے کہ حمزہ اسلمیؓ نے آپؐ سے سفر کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا، تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ چاہو تو روزہ رکھ لو اور چاہو تو نہ رکھو۔ پس ہمارا مختار یہی ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور ہم سے پہلے عام علما کا بھی یہی قول ہے۔

یہ حدیث مرسلاتِ صحابہ میں ہے کیونکہ فتح مکہ کے زمانہ میں ابن عباسؓ مکہ میں اپنے والدین کے ساتھ تھے۔ اور جس واقعہ کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ اس میں حاضر نہ تھے۔ حضورؐ دس ہزار قدسیوں کے لشکر سمیت ۱۰ رمضان ۸ھ بروز بدھ بعد از نماز عصر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اور ۱۹ رمضان ۸ھ کو مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے۔ مسلم نے جابرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضورؐ سے اثنائے سفر میں (کدید یا عسفان کے مقام پر کہ دونوں قریب قریب تھے) عرض کیا، لوگوں کو روزہ کے باعث تکلیف ہے اور وہ آپؐ کے منتظر ہیں۔ اس پر آپ نے روزہ افطار فرمایا۔ بعد میں پتہ چلا کہ کچھ لوگوں نے روزہ نہیں چھوڑا، تو فرمایا کہ وہ نافرمان ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر روزہ ایک عذر کے باعث اور ایک مسئلہ واضح کرنے کے لئے کھولا گیا تھا۔ آخری فقرہ اس حدیث میں حسب روایت بخاری و مسلم راویٔ حدیث زہری کا ہے۔

۵۹۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَیٍّ مَوْلٰی اَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ النَّاسَ فِیْ سَفَرِهٖ عَامَ الْفَتْحِ، بِالْفِطْرِ۔ وَقَالَ: "تَقَوَّوْا لِعَدُوِّكُمْ" وَصَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

قَالَ اَبُوْبَكْرٍ، قَالَ الَّذِیْ حَدَّثَنِیْ: لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلٰی رَاْسِهٖ مِنَ الْعَطَشِ اَوْ مِنَ الْحَرِّ۔ ثُمَّ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اِنَّ طَائِفَةً مِنَ النَّاسِ قَدْ صَامُوْا حِيْنَ صُمْتَ۔ قَالَ: فَلَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْكَدِيْدِ، دَعَا بِقَدَحٍ فَشَرِبَ، فَاَفْطَرَ النَّاسُ۔

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے رسول اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سفر میں لوگوں کو روزہ ترک کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم اپنے دشمن کے لئے قوی ہو جاؤ۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا تھا۔ ابوبکر کہتے کہا کہ جس صحابی نے مجھ سے حدیث بیان کی تھی اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرج کے مقام پر پیاس یا گرمی کے باعث اپنے سر مبارک پر پانی ڈالتے دیکھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ چونکہ آپ کا روزہ ہے لہٰذا لوگوں کی ایک جماعت نے بھی روزہ رکھا ہوا ہے۔ صحابی نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کدید کے مقام پہنچے تو ایک پیالہ (پانی یا دودھ کا) منگوایا اور اسے نوش فرمایا تو سب لوگوں نے روزہ افطار کر لیا۔

شرح: ثقہ راوی جب صحابی کا نام مبہم رکھے تو حدیث میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب عدول ہیں مسلم نے ابوسعیدؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے پہلے جب فرمایا کہ دشمن قریب آ چکا ہے اور روزہ ترک کرنا تمہاری قوت کا باعث ہے۔ لہٰذا روزہ افطار کر لو۔ تو کچھ لوگوں نے روزہ نہیں چھوڑا۔ پھر آپ نے ایک اور منزل پر یہی حکم دیا تو سب نے روزہ افطار کر لیا۔ مطلب یہ کہ پہلے ارشاد کے باوجود جنہوں نے روزہ رکھا تھا، انہوں نے اسے رخصت سمجھا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ عزیمت ہے تو روزہ ترک کر دیا۔ جہاد کی علت کے باعث روزہ افطار کرنے کا پختہ حکم دیا گیا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ حضورؐ نے رکھا تھا۔ کیونکہ آپؐ کو قوت حاصل تھی اور روزہ بہرصورت افضل تھا۔ قرآن کا ارشاد ہے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ اگر مسافر روزہ رکھ کر کسی عذر یا مثلاً جہاد کی علت سے اسے افطار کرے تو کسی کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں آتا۔

اس حدیث سے روزہ دار کو تبرید کی خاطر نہانا، سر پہ پانی ڈالنا، کلی کرنا یا مثلاً ٹھنڈی جگہ میں بیٹھنا جائز ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ واقعی ضرورت کے وقت ہونا چاہیئے۔ خواہ مخواہ اپنا روزہ ظاہر کرنے کی خاطر ایسا کرنا درست نہ ہوگا۔

۵۹۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيْلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَافَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ۔ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ۔ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔

ترجمہ: انس بن مالکؓ نے کہا کہ ہم نے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا تو روزہ دار نے روزہ نہ رکھنے والے کو مفطر نے روزہ دار کو عیب نہ لگایا۔ (کیونکہ دونوں افعال کے جواز میں تو شک نہیں تھا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کون سا سفر تھا۔ شاید فتح مکہ کے سفر کے علاوہ کوئی اور ہو۔)

۵۹۸۔ وَحَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ، قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ إِنِّيْ رَجُلٌ أَصُوْمُ۔ أَفَأَصُوْمُ فِي السَّفَرِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنْ شِئْتَ فَصُمْ۔ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ"۔

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ حمزہؓ بن عمرو اسلمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ، میں ایک روزہ رکھنے والا شخص ہوں، سو کیا سفر میں روزہ رکھ لوں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہو تو روزہ رکھ لو اور چاہو تو نہ رکھو۔

شرح: حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نفلی روزہ ہے اور اس حدیث کی بعض اور روایات سے اس کی

تائید ہوتی ہے مگر ابوداؤد کی روایات میں سوال صومِ رمضان ہی کا تھا۔ بہر حال اس سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا یا نہ رکھنا ہر شخص کے ذاتی احوال سے متعلق ہے۔

۵۹۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَصُوْمُ فِي السَّفَرِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سفر میں روزہ نہ رکھتے تھے۔ (شاید عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب اس مسئلے میں یہ تھا کہ سفر میں روزہ جائز نہیں۔ اور بھی کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔ مگر مذکورہ احتمال قوی ہے۔ یہ حدیث مؤطا امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

۶۰۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ فِيْ رَمَضَانَ۔ وَنُسَافِرُ مَعَهُ۔ فَيَصُوْمُ عُرْوَةُ، وَنُفْطِرُ نَحْنُ۔ فَلَا يَاْمُرُنَا بِالصِّيَامِ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ رمضان میں سفر کرتے تھے اور ہم بھی ان کے ساتھ سفر میں ہوتے تھے۔ پس عروہ روزے رکھتے تھے اور ہم نہ رکھتے تھے۔ مگر وہ ہمیں روزے کا حکم نہ دیتے تھے۔ (پس گو روزہ ان کے نزدیک افضل تھا مگر رخصت پر عمل کرنے والوں پر بھی نکیر نہ کرتے تھے کیونکہ بہر حال وہ بھی ایک جائز کام کر رہے ہوتے تھے۔)

۸۔ بَابُ مَا يَفْعَلُ مَنْ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ اَوْ اَرَادَهُ فِيْ رَمَضَانَ

رمضان میں سفر سے واپس آنے والا یا سفر کا ارادہ کرنے والا کیا کرے

۶۰۱۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ، اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فِيْ رَمَضَانَ، فَعَلِمَ اَنَّهُ دَاخِلٌ الْمَدِيْنَةَ مِنْ اَوَّلِ يَوْمِهِ، دَخَلَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: مَنْ كَانَ فِيْ سَفَرٍ، فَعَلِمَ اَنَّهُ دَاخِلٌ عَلٰى اَهْلِهِ مِنْ اَوَّلِ يَوْمِهِ، وَطَلَعَ لَهُ الْفَجْرُ قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ۔ دَخَلَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ فِيْ رَمَضَانَ، فَطَلَعَ لَهُ الْفَجْرُ وَهُوَ بِاَرْضِهِ، قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ فَاِنَّهُ يَصُوْمُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِي الرَّجُلِ يَقْدَمُ مِنْ سَفَرِهِ وَهُوَ مُفْطِرٌ، وَامْرَاَتُهُ مُفْطِرَةٌ، حِيْنَ طَهُرَتْ مِنْ حَيْضِهَا فِيْ رَمَضَانَ: اَنَّ لِزَوْجِهَا اَنْ يُصِيْبَهَا اِنْ شَاءَ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ جب رمضان میں سفر میں ہوتے اور انہیں یہ علم ہوتا کہ وہ دن کے شروع میں مدینہ میں داخل ہو جائیں گے تو وہ بحالت روزہ داخل ہوتے تھے۔

مالک نے کہا کہ جو شخص رمضان میں سفر پر ہو اور یہ جان لے کہ وہ دن کی ابتدا میں گھر پہنچ جائے گا۔ اور گھر پہنچنے سے

پہلے ہی فجر طلوع ہو جائے تو وہ روزہ رکھ کر داخل ہو۔

مالک نے کہا کہ جب وہ رمضان میں سفر پر نکلنے کا ارادہ کرے اور اُسے اپنی ہی سرزمین میں باہر نکلنے سے پہلے فجر چڑھ آئے تو وہ اس دن کا روزہ رکھے۔

مالکؒ نے کہا کہ جو شخص سفر سے واپس آئے اور اس کا روزہ نہ ہو اور اس کی عورت حیض سے پاک ہو چکی ہو مگر اس کا روزہ نہ ہو تو وہ شخص چاہے تو اپنی بیوی سے مقاربت کر سکتا ہے۔

شرح: اگر سفر سے واپس آنے والا طلوع فجر سے قبل گھر پہنچ جائے تو اس پر روزہ واجب ہو جانے میں کوئی شک نہیں، کیونکہ افطار کی اباحت کا کوئی سبب باقی نہ رہا۔ لیکن اگر وہ فجر کے بعد اپنے شہر میں داخل ہو تو اُسے روزہ رکھ لینا مستحب ہے۔ فقہانے اس کے لئے دوسری صورت میں بھی احتیاطاً روزہ لازم ٹھیرایا ہے۔

اور جو شخص سفر پر روانہ ہوا اور روانگی سے پہلے ہی فجر طلوع ہو گئی تو چونکہ قبل از خروج اس پر روزہ فرض ہو چکا تھا، بہ سبب علّتِ فرضِ وقت۔ لہذا یہ شخص وجوباً روزہ رکھے گا۔ مالکؒ کا مشہور مذہب یہی ہے اور ابوحنیفہؒ و شافعیؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ نے ایسے شخص کے لئے افطار کو مباح قرار دیا ہے۔ لیکن جب تک اپنے شہر سے نکل نہ جائے، روزہ افطار نہ کرے۔ اگر روزہ افطار کرے تو اس پر کفارہ لازم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک کفارہ لازم ہے اور مالکؒ کے مذہب میں کفارہ نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے تاویل کی ہے۔

اب رہا اس باب کا آخری مسئلہ کہ ایک مسافر جس کا روزہ نہ تھا، گھر پہنچا اور اس کی بیوی حیض سے فارغ ہو گئی ہے مگر روزہ دار نہیں تو اس کے لئے مقاربت جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ جب اس شخص کے لئے علّتِ اباحت جاتی رہی بوجہ مقیم ہو جانے کے تو باقی دن رُکنا واجب ہے۔ مالکؒ، احمدؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس شخص کے لئے مقاربت جائز ہے کیونکہ وہ بسببِ عذر روزہ دار نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۹۔ بَابُ كَفَّارَةِ مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ

رمضان میں روزہ توڑنے والے کا کفارہ

۶۰۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ. فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُكَفِّرَ بِعِتْقِ رَقَبَةٍ، أَوْ صِيَامِ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، أَوْ إِطْعَامِ سِتِّينَ مِسْكِينًا. فَقَالَ: لَا أَجِدُ. فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقِ تَمْرٍ. فَقَالَ: "خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ" فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ. مَا أَحَدٌ أَحْوَجَ مِنِّي. فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ. ثُمَّ قَالَ: "كُلْهُ".

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں روزہ افطار کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو غلام آزاد کرنے یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ میں یہ چیزیں نہیں پاتا پس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ایک ٹوکرا لایا گیا تو حضورؐ نے فرمایا، اسے لے لے اور صدقہ کر دے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ مجھ سے زیادہ اور کوئی محتاج نہیں ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ حتیٰ کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہوئیں، پھر فرمایا، تو ہی اسے کھالے۔ (یہ حدیث موطّا امام محمد میں باب مَنْ اَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا الخ میں آئی ہے۔)

شرح: اس حدیث میں جس شخص کا واقعہ مذکور ہے اس نے رمضان میں دن کو اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا۔ ایک اور شخص جس کا نام سلیمان بن صخر یا سلمہ بن صخر بیاضی تھا۔ اس کا واقعہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ اس نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تھا اور بوقت شب اس سے جماع کر لیا تھا۔ یہ دراصل دو واقعات تھے جن میں تشابہ کے باعث خلط ہو گیا ہے اور ایک کو دوسرا سمجھ لیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم نے فضل المعبود میں لکھی ہے۔

موطّا کی زیر نظر حدیث میں افطار کا ذکر ہے مگر ذریعۂ افطار مذکور نہیں۔ زہری کے اکثر شاگرد جماع کا ذکر کرتے ہیں۔ اس بنا پر امام شافعیؒ اور احمدؒ نے کہا کہ کفارہ صرف جماع سے ہوگا۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ نے کہا کہ عمداً افطار کی جو صورت بھی ہو، جماع یا اکل و شرب وغیرہ، اس سے کفارہ واجب ہے۔ ان کی دلیل حدیث اور قیاس ہر دو سے ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایت میں بھی صرف افطار کا ذکر ہے، ذریعۂ افطار کا نہیں۔ اس بنا پر ابو حنیفہؒ نے کہا کہ کفارہ رمضان میں غلام کے مومن ہونے کی شرط نہیں ہے۔ دوسرے علما نے یہ شرط لازم ٹھیرائی ہے۔ دو ماہ کے روزوں میں متواتر ہونے کی شرط بھی ہے۔ کیونکہ یہ حدیث میں آگئی ہے۔

یہ شخص مفلس تو تھا مگر حضورؐ نے پھر بھی اس کو ساٹھ مسکینوں کے کھانے کا حکم دیا۔ جمہور نے اسی بنا پر کہا ہے کہ کفارے میں یہ شرط نہیں کہ وہ شخص کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہو۔ رہی یہ بات کہ جب اس نے اپنی اتنی احتیاج ظاہر کی کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی اور محتاج ہی نہیں۔ تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوا یا نہیں؟ امام احمدؒ کی ایک اور روایت میں اور اوزاعیؒ کے نزدیک کفارہ ساقط ہو گیا۔ مگر حدیث میں اس سقوط کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر ساقط مانا ہی جائے تو اسے حضورؐ کی خصوصیت تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تمام دلائل کتاب وسنت سے اس شخص پر کفارہ واجب تھا۔ یا یہ کہا جائے گا کہ اس کا کفارہ موخر کیا گیا تھا۔ اور بعد میں اسے ادائیگی کا حکم ملا تھا۔ ابوداؤد کی روایات میں یہ ذکر صراحتہً موجود ہے۔

امام محمدؒ نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ جب کوئی شخص رمضان میں عمداً افطار کرے۔ کھا پی کر یا جماع سے، تو اس پر اس دن کی قضا اور کفارہ آتا ہے۔ کفارہ وہی ظہار کا کفارہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے۔ اگر یہ نہ پائے تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو۔

۶۰۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْخُرَاسَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْرِبُ نَحْرَهُ، وَيَنْتِفُ شَعَرَهُ، وَيَقُولُ: هَلَكَ الْأَبْعَدُ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "وَمَا ذَاكَ"؟ فَقَالَ: أَصَبْتُ أَهْلِي، وَأَنَا صَائِمٌ فِي رَمَضَانَ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً"؟ فَقَالَ: لَا۔ فَقَالَ: "هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُهْدِيَ بَدَنَةً"؟ قَالَ: لَا۔ قَالَ: "فَاجْلِسْ"۔ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ

صلی اللہ علیہ وسلم بعرق تمر۔ فقال: "خذ ھذا فتصدق بہ" فقال: ما احد احوج منی۔ فقال: "کلہ، وصم مکان ما اصبت"۔

قال مالک، قال عطاء، فسألت سعید بن المسیب: کم فی ذلک العرق من التمر؟ فقال: ما بین خمسۃ عشر صاعا الی عشرین۔

قال مالک: سمعت اھل العلم یقولون: لیس علی من افطر یوما فی قضاء رمضان باصابۃ اھلہ نھارا او غیر ذلک، الکفارۃ التی تذکر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فیمن اصاب اھلہ نھارا فی رمضان۔ وانما علیہ قضاء ذلک الیوم۔

قال مالک: وھذا احب ما سمعت فیہ الی۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ ایک اعرابی سینہ کوبی کرتا ہوا، اپنے بال نوچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور وہ کہہ رہا تھا کہ دفع دور ہونے والا ہلاک ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہوئی (جس سے تو ہلاک ہوگیا) اس نے کہا کہ میں نے رمضان کے روزے میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تو ایک غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کیا تو ایک اونٹ کی قربانی کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، بیٹھ جا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کا ٹوکرا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ لے اور صدقہ کردے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ مجھ سے بڑھ کر کوئی حاجت مند نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اسے کھالے۔ اور اپنے روزے کی جگہ ایک روزہ رکھ لے۔ بقول امام مالکؒ عطاؒ نے سعید بن المسیبؒ سے پوچھا کہ اس کے ٹوکرے میں کس قدر کھجوریں تھیں؟ تو سعید نے کہا کہ پندرہ سے لے کر بیس صاع تک۔

مالک نے کہا کہ میں نے سنا علما سے کہ جس شخص نے رمضان کی قضا کا روزہ اپنی بیوی سے جماع کرکے توڑا یا کسی اور طرح سے توڑا (یعنی کھا کر یا پی کر) تو جو کفارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کا روزہ جماع کے ساتھ توڑنے میں مذکور ہوا ہے، وہ اس قضا والے پر نہیں ہے۔ اس کے ذمے صرف اس دن کے روزے کی قضا ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ بات اس بارے میں مجھے پسندیدہ تر ہے۔

شرح: حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ موطا کے سب راوی اس حدیث کو مرسل بیان کرتے ہیں، مگر یہ معنی کے لحاظ سے متصل ہے۔ کیونکہ کئی صحیح سندیں اس کی تائیدیں ہیں۔ ہاں راوی کا یہ قول کہ تو ایک اونٹ قربان کر، غیر محفوظ ہے۔ وہ شخص اہل عرب کی عادت کے مطابق سینہ کوٹتا، شور مچاتا، بال نوچتا اور دارقطنی کی روایات کے مطابق سر پر مٹی ڈالتا اور رخسار پیٹتا تھا۔ بعد میں یہ سب حرکات ازروئے احادیث صحیحہ حرام کر دی گئی تھیں حضورؐ کا ارشاد ہے، جو شخص رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی باتیں کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ اس نے کہا، میں جل گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں ہلاک ہوگیا۔

ایک اور طریق میں ہے، میں ہلاک ہوگیا اور میں نے ہلاک کر دیا۔ (یعنی اپنی بیوی کو بھی لے ڈوبا۔)
اس حدیث میں اونٹ کی قربانی والے اضافہ کے باعث محدثین نے عطا خراسانی کو ضعفا میں داخل کیا ہے۔ سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ عطا خراسانی نے غلط کہا، میں نے صرف یہ روایت کی تھی کہ حضورؐ نے اس شخص کو صدقہ کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث میں کفارے کے ساتھ قضا کا حکم بھی موجود ہے۔ اور ائمہ اربعہ اور جمہور فقہا کا یہی مذہب ہے۔
اس ٹوکرے کی کھجوروں کی مقدار میں روایات مختلف ہیں۔ بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں کوئی مقدار نہیں آئی۔ دوسری کتابوں کی روایات میں پندرہ سے بیس صاع تک آیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث کے بعض طرق میں دو ٹوکروں کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کھجوریں ۳۰ یا ۴۰ صاع تھیں اور ظاہر ہے کہ یہ تقریباً ساٹھ مساکین کا شرعی کھانا بنتا ہے۔
امام مالکؒ نے قضائے رمضان میں جو مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

١٠ بَابُ مَاجَاءَ فِیْ حِجَامَةِ الصَّائِمِ

روزے دار کا پچھنے لگوانا

حجامت کا معنیٰ ہے، پچھنے لگا کر فاسد خون کو سینگی کے ذریعے سے چوسنا اور خارج کر دینا۔ امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ نے کہا کہ حجامت سے کسی کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نہ حاجم کا نہ محجوم کا۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ نے کہا کہ دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ صحابہؓ و تابعین میں بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ بخاریؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم کی حالت میں حجامت کرائی تھی۔ اور حدیث اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ کا مطلب یہ ہے کہ حاجم کے حلق میں خون اتر جانے کا اور محجوم کے ضعف کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ روزہ ختم کرنے کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ لہذا اس حدیث میں بطور تنزیہ یہ فرمایا گیا۔ اگر یہ معنیٰ نہ لیا جائے تو حضورؐ کی بحالتِ صوم حجامت کی حدیث کو چھوڑنا ہوگا جو صحیح ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ افطار کے خوف کے باعث روزہ دار کو حجامت نہ کرانا چاہیئے، یہی افضل ہے۔

۴۰۴- حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّهُ كَانَ یَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ۔ قَالَ: ثُمَّ تَرَكَ ذٰلِكَ بَعْدُ۔ فَكَانَ اِذَا صَامَ، لَمْ یَحْتَجِمْ، حَتّٰی یُفْطِرَ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ روزے کی حالت میں حجامت کراتے تھے۔ مگر بعد میں انہوں نے ایسا کرنا ترک کر دیا اور جب روزے سے ہوتے تو افطار سے قبل حجامت نہ کراتے تھے۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔ اور اس میں ذرا لفظی اختلاف ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے حجامت میں کوئی حرج نہیں، اس کی کراہت ضعف کے سبب سے ہے۔ جب اس کا خطرہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ ابن عمرؓ نے شاید وہ حدیث بعد میں سن لی ہوگی کہ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ اور سب کو معلوم ہے کہ ابن عمرؓ کا مقام تقویٰ میں بہت بلند تھا۔ قاضی ابو الولید الباجی نے کہا کہ ابن عمرؓ نے بڑھاپے کے ضعف کے خوف کی وجہ سے حجامت ترک کر دی تھی۔ اور ہر شخص جسے کمزوری کے باعث اندیشہ ہو، اس کا یہی حکم ہے۔

۶۰۵ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ، وَعَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَا يَحْتَجِمَانِ وَهُمَا صَائِمَانِ۔

ترجمہ: سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ روزہ دار ہونے کی حالت میں حجامت کراتے تھے۔ (یعنی جب کہ وہ اپنے اندر قوت پاتے تھے اور ضعف کے خوف سے روزہ میں نقص آنے کا احتمال نہ ہوتا تھا)

۶۰۶ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهُ كَانَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ لَا يُفْطِرُ۔

قَالَ: وَمَا رَاَيْتُهُ احْتَجَمَ قَطُّ اِلَّا وَهُوَ صَائِمٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا تُكْرَهُ الْحِجَامَةُ لِلصَّائِمِ اِلَّا خَشْيَةً مِنْ اَنْ يَضْعُفَ۔ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَمْ تُكْرَهْ۔ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا احْتَجَمَ فِيْ رَمَضَانَ۔ ثُمَّ سَلِمَ مِنْ اَنْ يُفْطِرَ لَمْ اَرَ عَلَيْهِ شَيْئًا۔ وَلَمْ اٰمُرْهُ بِالْقَضَاءِ لِذٰلِكَ الْيَوْمِ الَّذِيْ احْتَجَمَ فِيْهِ۔ لِاَنَّ الْحِجَامَةَ اِنَّمَا تُكْرَهُ لِلصَّائِمِ لِمَوْضِعِ التَّغْرِيْرِ بِالصِّيَامِ۔ فَمَنِ احْتَجَمَ وَسَلِمَ مِنْ اَنْ يُفْطِرَ، حَتّٰى يُمْسِيَ۔ فَلَا اَرٰى عَلَيْهِ شَيْئًا۔ وَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

ترجمہ: عروہ روزے کی حالت میں حجامت کراتے تھے اور پھر روزہ افطار نہ کرتے تھے۔ (کیونکہ حجامت ان کے نزدیک مفطر نہ تھی۔) اور میں نے جب بھی انہیں حجامت کراتے پایا روزہ کی حالت ہی میں پایا۔

مالکؒ نے کہا کہ روزہ دار کے لئے حجامت مکروہ نہیں مگر ضعف کے خوف سے۔ اگر ضعف کا خطرہ نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ اگر کوئی آدمی رمضان میں حجامت کرائے اور پھر وہ افطار کرنے سے محفوظ رہے تو میرے نزدیک اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور میں اسے اس دن کی قضا کا حکم نہیں دیتا۔ جس میں اس نے حجامت کرائی۔ کیونکہ حجامت روزہ دار کے لئے صرف اس صورت میں مکروہ ہے، جب کہ اس کی وجہ سے روزے کے جاتے رہنے کا خوف ہو۔ پس جو شخص حجامت کرائے اور پچھلے پہر تک افطار سے بے خوف ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اور اس کے ذمے اس دن کے روزے کی قضا نہیں آتی۔

شرح: حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ حدیث اَفْطَرَ الحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ حدیث ابن عباسؓ سے منسوخ ہے یعنی وہ حدیث بخاری وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ صوم میں سینگی لگوائی۔ اور پہلی حدیث فتح مکہ کے زمانے کی ہے جب کہ ابن عباسؓ نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو حجامت کراتے دیکھا۔ حافظ عینیؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ امام طحاویؒ اور شافعیؒ کا قول ہے کہ وہ دونوں شخص (یعنی حاجم اور محجوم) غیبت کر رہے تھے۔ جس کے باعث ان کے روزے کا اجر ضائع ہو گیا تھا۔ اس سبب سے حضورؐ نے فرمایا کہ ان کا روزہ (یعنی حقیقی روزہ) ضائع ہو گیا ہے۔ اس میں حجامت کا کوئی دخل نہ تھا۔

۱۱- بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

یوم عاشورہ کے روزے کا بیان

عاشورہ سے مراد دس محرم ہے۔ اس دن کا روزہ رمضان کی فرضیت سے پہلے واجب تھا۔ پھر رمضان کے باعث صرف استحباب باقی رہ گیا۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ نو اور دس کا روزہ رکھا جائے تاکہ یہود سے مشابہت نہ رہے۔

۶۰۷- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ، كَانَ هُوَ الْفَرِيضَةَ۔ وَتُرِكَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ۔ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ، وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس زمانے میں یہ روزہ رکھتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہ روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو وہی فریضہ رہ گیا اور یوم عاشورہ چھوڑ دیا گیا کہ جو چاہے اس کا روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے۔

شرح: ممکن ہے کہ عاشورہ کا روزہ پہلی شریعتوں کا بقایا ہو، جیسا کہ کعبۃ اللہ کو غلاف چڑھانا۔ قریش اس دن کعبہ کو غلاف پہناتے تھے۔ اور اس طرح اس دن کی تعظیم کرتے تھے اور روزہ رکھنا گویا اس تعظیم کی تکمیل تھی۔ حافظ ابن القیمؒ اور علامہ قرطبیؒ نے یہی کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل از نبوت بھی نیک اور بھلے کاموں میں لوگوں کا ساتھ دیتے تھے۔ بعد از نزول وحی شاید پہلی شریعتوں کی موافقت میں ایسا ہوگا۔ مدینہ میں حضورؐ کا ورود ربیع الاوّل میں ہوا تھا اور اسی سال آپ نے یوم عاشورہ رکھا اور اس کا حکم دیا تھا۔ اگلے سال صوم رمضان فرض ہو گیا۔

۶۰۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، يَوْمَ عَاشُورَاءَ، عَامَ حَجَّ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ! أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِهٰذَا الْيَوْمِ: "هٰذَا يَوْمُ عَاشُورَاءَ۔ وَلَمْ يُكْتَبْ عَلَيْكُمْ صِيَامُهُ۔ وَأَنَا صَائِمٌ۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ شَاءَ فَلْيُفْطِرْ۔"

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰنؒ بن عوف نے حضرت معاویہؓ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا، جب کہ انہوں نے حج کیا۔ وہ کہتے تھے کہ

اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علما۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن کے متعلق سُنا تھا کہ یہ عاشورہ کا دن ہے اور اس کا روزہ تم پر فرض نہیں اور میں روزہ رکھنے والا ہوں، پس جو چاہے وہ روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (مؤطائے امام محمدؒ میں یہ حدیث مروی ہے اور امام محمدؒ نے اسے اپنا اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مختار قرار دیا ہے۔)

۶۰۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، أَرْسَلَ إِلَى الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ: أَنَّ غَدًا يَوْمُ عَاشُورَاءَ. فَصُمْ وَأْمُرْ أَهْلَكَ أَنْ يَصُومُوا۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے الحارث بن ہشام کو پیغام بھیجا کہ کل عاشورہ کا دن ہے پس تو روزہ رکھ اور اپنے گھر والوں سے بھی رکھوا۔ (کیونکہ اس کے وجوب کے ساقط ہوجانے سے بہرحال استحباب تو باقی ہے۔)

۱۲۔ بَابُ صِيَامِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى وَالدَّهْرِ

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا روزہ اور ہمیشہ کا روزہ

۶۱۰۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْفِطْرِ، وَيَوْمِ الْأَضْحَى۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن یعنی عیدالفطر کے دن اور عیدالاضحیٰ کے دن روزے سے منع فرمایا۔ (یہ اجماعی مسئلہ ہے اور ان دنوں روزہ حرام ہے۔)

۶۱۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَا بَأْسَ بِصِيَامِ الدَّهْرِ. إِذَا أَفْطَرَ الْأَيَّامَ الَّتِي نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهَا. وَهِيَ أَيَّامُ مِنًى وَيَوْمُ الْأَضْحَى، وَيَوْمُ الْفِطْرِ، فِيمَا بَلَغَنَا۔ قَالَ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ۔

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم کو کہتے سُنا کہ جب ممنوعہ دنوں میں روزہ نہ رکھا جائے تو صوم الدہر میں حرج نہیں ہے اور ممنوع روزے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یہ ہیں۔ ایام منیٰ، یوم الفطر، اور یوم الاضحیٰ، یہ خبر ہمیں ملی ہے۔ اور اس مسئلہ میں میں نے جو کچھ سُنا اس میں سے یہ پسندیدہ تر ہے۔

شرح: ایام منیٰ سے مراد ایام تشریق ہیں۔ جو یوم الاضحیٰ کے بعد تین دن ہیں، جیسا کہ حافظ عینیؒ، ملا علی قاریؒ اور قسطلانیؒ نے بیان کیا ہے اور یہی جمہور فقہا کا مذہب ہے۔ یہ دن صوم کے لئے نہیں، حتیٰ کہ متمتع کے لئے بھی نہیں جو قربانی نہ کرسکے۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں یہی لکھا ہے۔ یہ مسئلہ مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً مسلم میں نبیشۃ الهذلیؓ کی حدیث۔ عمرو بن العاصؓ کی حدیث جو ابوداؤد، حاکم اور ابن خزیمہ نے روایت کی اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۳۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصِّيَامِ

صومِ وصال کی ممانعت کا باب

۷۱۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْوِصَالِ۔ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ۔ فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ؟ فَقَالَ إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ۔ إِنِّي أُطْعَمُ وَأُسْقَى"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں ، حضورؐ نے فرمایا کہ میں (اس معاملہ میں) تمہاری مانند نہیں ہوں۔ مجھ کو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔ (امام محمدؒ نے اسے باب الوصال فی الصیام میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ صومِ وصال مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی دو دن کا مسلسل روزہ رکھے اور درمیان میں رات کو کچھ نہ کھائے۔ یہی ابوحنیفہؒ اور عام فقہا کا قول ہے۔ حدیث کے الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ اس سے مراد کیا تھی کہ "اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتا پلاتا ہے"؟ جواب یہ ہے کہ اگر حقیقت کا کھانا پینا مراد ہو تو بھی یہ معتاد کھانا نہیں تھا۔ ورنہ صوم وصال نہ رہتا۔ اگر مجاز مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ بے کھائے پئے روزہ رکھنے کی قوت دیتا ہے۔ گویا کہ وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ لذتِ ذکر و مناجات اور معارف الٰہیہ جو حضورؐ کو عطا ہوتے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے کھانے پینے کی حاجت نہ رہتی تھی۔ گویا اس حالت میں حضورؐ کی مشابہت ملائکہ کے ساتھ ہو جاتی تھی۔ واللہ اعلم۔

۷۱۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ۔ إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ" قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ۔ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صومِ وصال سے بچے رہو، صومِ وصال سے بچ کر رہو۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو صومِ وصال رکھتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ مجھے تو میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ (موطائے امام محمدؒ میں اس روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے۔ فَاكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا لَكُمْ بِهِ طَاقَةٌ۔ "اعمال میں سے ان کو ادا کرو، جن کی تم میں طاقت ہو"۔ اس جملے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صومِ وصال کی طاقت دی تھی اور آپؐ اس خداداد قوت سے ایسا کرتے تھے۔ اور شاید یہی قوت اس ارشاد میں مراد ہے کہ میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔)

١٤- بَابُ صِيَامِ الَّذِي يَقْتُلُ خَطَأً أَوْ يَتَظَاهَرُ

قتل خطا اور ظہار کرنے والے کا روزہ

٦١٤- حَدَّثَنِي يَحْيَى، وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِيمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، فِي قَتْلِ خَطَإٍ أَوْ تَظَاهُرٍ، فَعَرَضَ لَهُ مَرَضٌ يَغْلِبُهُ وَيَقْطَعُ عَلَيْهِ صِيَامَهُ: أَنَّهُ إِنْ صَحَّ مِنْ مَرَضِهِ وَقَوِيَ عَلَى الصِّيَامِ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَخِّرَ ذٰلِكَ. وَهُوَ يَبْنِي عَلَى مَا قَدْ مَضَى مِنْ صِيَامِهِ.

وَكَذٰلِكَ الْمَرْأَةُ الَّتِي يَجِبُ عَلَيْهَا الصِّيَامُ فِي قَتْلِ النَّفْسِ خَطَأً. وَإِذَا حَاضَتْ بَيْنَ ظَهْرَيْ صِيَامِهَا أَنَّهَا، إِذَا طَهُرَتْ، لَا تُؤَخِّرُ الصِّيَامَ. وَهِيَ تَبْنِي عَلَى مَا قَدْ صَامَتْ.

وَلَيْسَ لِأَحَدٍ وَجَبَ عَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، أَنْ يُفْطِرَ إِلَّا مِنْ عِلَّةٍ: مَرَضٍ، أَوْ حَيْضَةٍ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ فَيُفْطِرَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذٰلِكَ.

ترجمہ: یحییٰ نے کہا کہ میں نے مالکؒ کو کہتے سُنا ہے کہ جس شخص پر قتل خطا یا ظہار کے باعث دو ماہ کے مسلسل روزے فرض ہوئے ہوں، اس کے متعلق میں نے پسندیدہ تر بات یہ سُنی ہے کہ اگر اس پر کوئی بیماری آپڑی اور اس نے اسے مغلوب کر لیا اور اس کے روزے کو قطع کر دیا تو جب وہ بیماری سے شفا پالے اور روزہ رکھنے کی طاقت اسے حاصل ہو جائے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے مؤخر کرے۔ اور وہ اپنے گزشتہ روزوں پر بنا کرے گا۔ (یعنی پہلے روزے بھی شمار ہوں گے۔) اور اس طرح جس عورت پر قتلِ نفس کی وجہ سے روزہ واجب ہُوا۔ جب وہ اپنے روزے کے درمیان میں حیض سے ہو تو جب پاک ہو جائے وہ روزوں میں تاخیر نہ کرے اور جس قدر وہ پہلے رکھ چکی تھی، انہی پہ بنا کرے۔ اور جس شخص پر اللہ کی کتاب میں دو ماہ کے مسلسل روزے فرض ہوئے ہوں، وہ بیماری یا حیض کی علّت کے سوا افطار نہ کرے۔ اور اس کے لئے جائز نہیں کہ سفر کے باعث افطار کرے یحییٰ راوی نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس مسئلے پر یہ پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سُنی تھی۔

شرح: ظاہر ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس لئے ائمہ میں اس پر اختلاف ہُوا ہے۔ اُوپر مالکؒ کے قول میں جو کچھ بیان ہُوا ہے وہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ سفر، مرض وغیرہ سے جو تسلسل ٹوٹ جاتے اس سے کفارہ باطل ہو جائے گا۔ اور از سرِ نو دو ماہ کا مسلسل روزہ واجب ہوگا۔ رمضان اور ممانعت کے دنوں میں یہ روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اور اس سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ حیض ایک ایسا عذر ہے، جس سے یہ تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے

کہ عورت کو اس سے دو ماہ کی مہلت مل جائے۔ نفاس سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسا عذر ہے۔ جس کا موقع کم آتا ہے حنبلی حضرات کا مسلک بھی مالکیہ جیسا بلکہ اس سے بھی وسیع تر ہے۔

۱۵۔ بَابُ مَا يَفْعَلُ الْمَرِيْضُ فِيْ صِيَامِهٖ

مریض روزے کا کیا کرے؟

۷۱۵۔ قَالَ يَحْيٰى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: اَلْاَمْرُ الَّذِيْ سَمِعْتُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ، اَنَّ الْمَرِيْضَ اِذَا اَصَابَهُ الْمَرَضُ الَّذِيْ يَشُقُّ عَلَيْهِ الصِّيَامُ مَعَهٗ، وَيُتْعِبُهٗ، وَيَبْلُغُ ذٰلِكَ مِنْهُ، فَاِنَّ لَهٗ اَنْ يُفْطِرَ۔ وَكَذٰلِكَ الْمَرِيْضُ الَّذِيْ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْقِيَامُ فِي الصَّلٰوةِ، وَبَلَغَ مِنْهُ، وَمَا اللّٰهُ اَعْلَمُ بِعُذْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْعَبْدِ، وَمِنْ ذٰلِكَ مَا لَا تَبْلُغُ صِفَتُهٗ۔ فَاِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ، صَلّٰى وَهُوَ جَالِسٌ۔ وَدِيْنُ اللّٰهِ يُسْرٌ۔ وَقَدْ اَرْخَصَ اللّٰهُ لِلْمُسَافِرِ فِي الْفِطْرِ فِي السَّفَرِ۔ وَهُوَ اَقْوٰى عَلَى الصِّيَامِ مِنَ الْمَرِيْضِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهٖ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ فَاَرْخَصَ اللّٰهُ لِلْمُسَافِرِ، فِي الْفِطْرِ فِي السَّفَرِ۔ وَهُوَ اَقْوٰى عَلَى الصَّوْمِ مِنَ الْمَرِيْضِ۔

فَهٰذَا اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ اِلَيَّ۔ وَهُوَ الْاَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: یحییٰ نے کہا کہ اس مسئلہ میں وہ امر جو میں نے اہل علم سے سنا ہے کہ بیمار کو جب ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کے باعث اس پر روزہ شاق ہو اور اس کے ہوتے ہوئے وہ مغلوب ہو جائے اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہے تو اس کے لئے افطار جائز ہے اسی طرح جب بیمار کے لئے مرض کے باعث قیام شدید ہو جائے اور ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو خوب جانتا ہے۔ اور بعض مرض ایسے ہوتے ہیں جو بیان تک نہیں پہنچتے۔ سو جب وہ اس حالت کو جا پہنچے تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور اللہ کا دین آسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو سفر میں مسافر کو بھی افطار کی اجازت دے دی ہے حالانکہ وہ مریض کی نسبت روزے پر زیادہ قوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے یہ گنتی پوری کر لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے سفر میں افطار کی اجازت دی ہے حالانکہ وہ مریض کی نسبت روزے پر قوی تر ہے۔ پس یہ وہ پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے اس بارے میں سنی ہے اور ہمارے نزدیک (مدینہ میں) یہی اجماعی امر ہے۔

شرح: ائمہ فقہا کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ جس مرض میں روزہ رکھنا ممکن نہ ہو یا اس کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہو یا شفا میں دیر ہو جانے کا خطرہ ہو تو افطار جائز ہے۔

۱۶۔ بَابُ النَّذْرِ فِي الصِّيَامِ وَالصِّيَامُ عَنِ الْمَيِّتِ

روزے کی نذر کا بیان اور میّت کی طرف سے روزہ رکھنے کا باب

۶۱۶ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ صِيَامَ شَهْرٍ۔ هَلْ لَهُ أَنْ يَتَطَوَّعَ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: لِيَبْدَأْ بِالنَّذْرِ قَبْلَ أَنْ يَتَطَوَّعَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ مِنْ رَقَبَةٍ يُعْتِقُهَا، أَوْ صِيَامٍ، أَوْ صَدَقَةٍ، أَوْ بَدَنَةٍ، فَأَوْصَى بِأَنْ يُوَفَّى ذٰلِكَ عَنْهُ مِنْ مَالِهِ، فَإِنَّ الصَّدَقَةَ وَالْبَدَنَةَ فِي ثُلُثِهِ۔ وَهُوَ يُبَدَّى عَلَى مَا سِوَاهُ مِنَ الْوَصَايَا إِلَّا مَا كَانَ مِثْلَهُ۔ وَذٰلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ مِنَ النُّذُورِ وَغَيْرِهَا، كَهَيْئَةِ مَا يَتَطَوَّعُ بِهِ مِمَّا لَيْسَ بِوَاجِبٍ۔ وَإِنَّمَا يُجْعَلُ ذٰلِكَ فِي ثُلُثِهِ خَاصَّةً۔ دُونَ رَأْسِ مَالِهِ۔ لِأَنَّهُ لَوْ جَازَ لَهُ ذٰلِكَ فِي رَأْسِ مَالِهِ لَأَخَّرَ الْمُتَوَفَّى مِثْلَ ذٰلِكَ مِنَ الْأُمُورِ الْوَاجِبَةِ عَلَيْهِ، حَتَّى إِذَا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، وَصَارَ الْمَالُ لِوَرَثَتِهِ، سَمَّى مِثْلَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ الَّتِي لَمْ يَكُنْ يَتَقَاضَاهَا مِنْهُ مُتَقَاضٍ۔ فَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ جَائِزًا لَهُ، أَخَّرَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءَ۔ حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ مَوْتِهِ سَمَّاهَا۔ وَعَسَى أَنْ يُحِيطَ بِجَمِيعِ مَالِهِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ لَهُ۔

ترجمہ: مالکؒ کو سعید بن المسیبؒ کے متعلق خبر پہنچی ہے کہ ان سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک ماہ کے روزے کی نذر کی تھی، کیا وہ اس سے قبل نفل روزے رکھ سکتا ہے؟ تو سعیدؒ نے کہا کہ وہ شخص نفل روزے رکھنے سے پہلے نذر سے ابتدا کرے۔ (یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ نذر غیر معیّن سے پہلے نفلی روزے رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ نذر غیر معین ہے۔ اور اس سے قبل نفل کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ اگر نفلی روزے رکھ لے گا تو صحیح ہو جائے گا۔ صرف کراہت ہوگی۔)

مالکؒ نے کہا کہ مجھے سلیمان بن یسارؒ سے اسی طرح کی خبر پہنچی ہے (یعنی وہ بھی اس مسئلے میں سعیدؒ کے ہم نوا تھے)۔

مالکؒ نے کہا کہ جو شخص مرگیا اور اس کے ذمّے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر تھی یا صدقہ کی یا روزے کی یا اونٹ قربانی کرنے کی۔ اور اس نے وصیت کی کہ میرے مال سے یہ نذر پوری کرنا، تو یہ صدقہ یا قربانی اس کے مال کے ⅓ میں سے ہوگی۔ اور اسے دوسری وصیتوں پر مقدّم کیا جائے گا، اِلّا یہ کہ کوئی اور وصیت اسی طرح کی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذمّے جو نذر وغیرہ ہے، وہ واجب ہے اور

نوافل اس کی مانند نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ واجب نہیں۔ اور یہ وصیت اس کے مال کے ⅓ سے اس لئے ادا کی جائے گی کہ اگر اسے پورے مال سے ادا کیا جانا ہوتا تو مرنے والا اس قسم کے سب واجبات جو اس کے ذمّے ہوتے انہیں مؤخر کر دیتا۔ حتیٰ کہ وفات کا وقت آ جاتا اور مال وارثوں کا ہو جاتا، خاص کر اس قسم کی چیزیں جن کا اس سے کوئی تقاضا کرنے والا نہ کرتا۔ پس اگر یہ اس کے لئے جائز ہوتا تو وہ ان چیزوں کو پیچھے ڈال دیتا اور موت کے وقت بتاتا اور ممکن تھا کہ یہ چیزیں اس کے سارے مال کو محیط ہو جاتیں۔ لہٰذا یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں وارثوں کی حق تلفی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر وصیت کرنے والا کسی کی حق تلفی کرے اور خلافِ شرع وصیت کرے تو اسے بدل دینا جائز ہے۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا الخ۔

۷۱۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَالُ: هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ؟ فَيَقُوْلُ: لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا جاتا تھا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے یا کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ کوئی نہ کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے۔

شرح: المنتقیٰ ج ۲ ص۶۳ شرح موطا میں قاضی ابوالولید الباجی نے عبادات کی تین قسمیں بتائی ہیں (۱) مالی عبادات، جن میں ایک کی نیابت دوسرا کر سکتا ہے مثلاً زکوٰۃ (۲) وہ عبادات جو مالی اور بدنی ہر دو کا مجموعہ ہیں مثلاً حج اور جہاد (۳) وہ عبادات جو خالص بدنی ہیں، مثلاً نماز اور روزہ۔ اس تیسری قسم میں ایک شخص دوسرے کی نیابت نہیں کر سکتا۔ دوسری قسم میں اختلاف ہے۔ خالص بدنی عبادات میں نیابت کے جائز نہ ہونے پر جمہور فقہائے اُمت کا اتفاق ہے۔ مثلاً ابو حنیفہؒ، مالکؒ، اور شافعیؒ۔ اہل ظاہر کے نزدیک ان میں بھی نیابت جائز ہے۔ اور بعض شافعیہ کا یہی مذہب ہے۔
اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ ہر روزے کے عوض میت کا ولی ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اور مالکؒ، لیثؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ اور شافعیؒ (صحیح تر روایت میں) کا یہی قول ہے۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمّے ایک ماہ کا روزہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ بخاری و مسلم کی روایت میں جو صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ کے الفاظ آئے ہیں، ان سے مراد بطور مجاز کھانا کھلانا ہے۔ کیونکہ کھانے کے عوض بھی روزہ خود قرآن میں آیا ہے اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا الخ یہ خطابیؒ نے کہا ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل ہے۔ بعض دلائل کا بیان فضل المعبود میں دیکھئے۔

۱۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ قَضَاءِ رَمَضَانَ وَالْكَفَّارَاتِ

قضائے رمضان اور کفّاروں کا باب

۷۱۸۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَخِيْهِ خَالِدِ بْنِ اَسْلَمَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَفْطَرَ ذَاتَ يَوْمٍ فِیْ رَمَضَانَ۔ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ غَيْمٍ۔ وَرَاٰی اَنَّهٗ قَدْ اَمْسٰى وَغَابَتِ الشَّمْسُ۔ فَجَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔ فَقَالَ عُمَرُ: اَلْخَطْبُ يَسِيْرٌ۔ وَقَدِ اجْتَهَدْنَا۔

قَالَ مَالِكٌ: يُرِيدُ بِقَوْلِهِ "اَلْخَطْبُ يَسِيرٌ" اَلْقَضَاءُ، فِيمَا نُرٰى، وَاللهُ اَعْلَمُ، وَخِفَّةُ مُؤْنَتِهِ وَيَسَارَتِهِ. يَقُولُ: نَصُومُ يَوْمًا مَكَانَهُ.

ترجمہ: خالد بن اسلم سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن رمضان میں ابر کے دن میں روزہ افطار کیا اور ان کا خیال تھا کہ شام ہوگئی اور سورج غروب ہوچکا ہے۔ مگر ایک آدمی نے آکر کہا کہ اے امیر المؤمنین سورج ظاہر ہوگیا ہے۔ پس حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، معاملہ آسان ہی ہے اور ہم نے وقت کی تحقیق میں پوری کوشش کرلی تھی۔ مالکؒ نے کہا کہ اَلْخَطْبُ يَسِيرٌ کہنے سے ہماری رائے میں حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ قضا آئے گی، اس کا بوجھ ہلکا ہے اور یہ آسان کام ہے۔ گویا یوں وہ کہہ رہے تھے کہ ہم اس کی جگہ پر ایک دن کا روزہ رکھ لیں گے۔

شرح: مصنف عبدالرزاق میں خود حضرت عمرؓ سے یہ تفسیر اپنے قول کی مروی ہوئی ہے کہ ہم ایک دن کا روزہ رکھ لیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے روزہ افطار کرلیا تھا، اس کے لئے ایک دن کی قضا آسان ہی ہے اور جس نے افطار نہیں کیا تھا وہ اپنا روزہ پورا کرلے مصنف ابن ابی شیبہ میں اس سے ملتی جلتی روایت موجود ہے۔ ایسی صورت صرف قضا لازم ہے۔ کفارہ نہیں آتا۔ اکثر اہل علم وفتویٰ اور فقہائے اسلام کا یہی مذہب ہے۔

۶۱۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: يَصُومُ قَضَاءَ رَمَضَانَ مُتَتَابِعًا، مَنْ اَفْطَرَهُ مِنْ مَرَضٍ اَوْ فِي سَفَرٍ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جس شخص نے کسی مرض یا سفر کے باعث رمضان میں روزے نہ رکھے ہوں وہ ان کی قضا پے درپے کرے۔ (یہ اثر مختلف الفاظ کے ساتھ مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: جمہور فقہا کا یہ مذہب ہے کہ ابن عمرؓ کا یہ فتویٰ استحباب پر مبنی ہے نہ کہ وجوب پر۔ اگر کوئی آدمی پے درپے قضا نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ یہی قول مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا ہے۔ آیت قرآنی میں فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کا لفظ تفریق یا تتابع کی کوئی شرط نہیں۔ امام محمدؒ نے باب قضاءِ رمضان میں فرمایا کہ قضائے رمضان کو پے درپے کرنا افضل ہے۔ اور اگر قضا میں تفریق کرے اور گنتی کو پورا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہی قول ابوحنیفہؒ اور ہم سے پہلے عام علما کا ہے۔

۶۲۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَاَبَا هُرَيْرَةَ اخْتَلَفَا فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ. فَقَالَ اَحَدُهُمَا: يُفَرِّقُ بَيْنَهُ. وَقَالَ الْآخَرُ: لَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ. لَا اَدْرِي اَيُّهُمَا قَالَ: يُفَرِّقُ بَيْنَهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ، عباسؓ اور ابوہریرہؓ کا قضائے رمضان میں اختلاف ہوگیا۔ ایک نے کہا کہ قضا میں تفریق کرے اور دوسرے نے کہا کہ تفریق نہ کرے۔ ابن شہاب نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کس نے کہا کہ تفریق کرے اور کس نے کہا کہ تفریق نہ کرے

شرح: حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ معلوم نہیں ابن شہاب نے یہ کہاں سے لیا ہے۔ کیونکہ صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابن

عباسؓ اور ابوہریرہؓ دونوں نے تفریق کو جائز رکھا ہے۔ شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان دونوں حضرات کا یہ قول موجود ہے کہ قضائے رمضان میں تفریق جائز ہے۔ مصنف عبدالرزاق اور دارقطنی میں بھی یہ اثر موجود ہے۔
زیر نظر روایت زہری موطائے امام محمدؒ میں موجود ہے اور اس مضمون کے بہت سے آثار محدثین و آثار کی کتب میں موجود ہیں کہ قضائے رمضان میں اختیار ہے کہ تتابع کے ساتھ کی جائے یا تفریق کے ساتھ۔

۶۲۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنِ اسْتَقَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ. وَمَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ، فَلَيْسَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جس نے روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے کی، اس پر قضا واجب ہے اور جس نے قے کے غلبے کے باعث قے کی، اس پر قضا نہیں۔ (موطائے امام محمدؒ میں یہ اثر مروی ہے اور اس پر امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ ہمارا قول مختار یہی ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ باب الصائم یذرعہ القیء او یتقیأ)۔
شرح: عامۃ اہل علم کا یہی قول ہے کہ اس میں بقول خطابی و ابن المنذر کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن عمرؓ کے اس قول کے مطابق حدیث کی کتب سنن میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے۔ جسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔

۶۲۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُسْأَلُ عَنْ قَضَاءِ رَمَضَانَ. فَقَالَ سَعِيدٌ: أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يُفَرَّقَ قَضَاءُ رَمَضَانَ. وَأَنْ يُوَاتَرَ.

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: فِيمَنْ فَرَّقَ قَضَاءَ رَمَضَانَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ إِعَادَةٌ. وَذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ. وَأَحَبُّ ذَلِكَ إِلَيَّ أَنْ يُتَابِعَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ فِي رَمَضَانَ، سَاهِيًا أَوْ نَاسِيًا، أَوْ مَا كَانَ مِنْ صِيَامٍ وَاجِبٍ عَلَيْهِ، أَنَّ عَلَيْهِ قَضَاءَ يَوْمٍ مَكَانَهُ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ سے قضائے رمضان کے متعلق سوال کیا گیا تو سعیدؒ نے کہا کہ مجھے پسندتر بات یہ ہے کہ قضاءِ رمضان میں تفریق نہ کرے اور متواتر کرے۔ (اوپر اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔)
یحییٰ نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو یہ کہتے سنا کہ جس شخص نے قضائے رمضان میں تفریق کی تو اس پر اعادہ نہیں اور اس کی قضا واقع ہو جائے گی۔ اور مجھے زیادہ پسند یہ بات ہے کہ وہ مسلسل قضا کرے (گفتگو اوپر گزری)۔
مالکؒ کہتے تھے کہ جس نے رمضان میں بھول چوک کے ساتھ کھا پی لیا یا کسی واجب روزے میں ایسا کر لیا تو اس پر اس کے بدلے ایک دن کے روزے کی قضا آئے گی۔
شرح: بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو بھول کر کھا پی لے تو وہ اپنا روزہ

پورا کرے۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی کھلایا پلایا ہے۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس صورت میں سب کے نزدیک قضا اور نہیں ہے، سوائے ربیعہؒ اور مالکؒ کے۔ اور بھول کر جماع کر لینے والے کا بھی ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، شافعیؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک وہی حکم ہے جو بھول چوک سے کھانے پینے والے کا ہے۔ احمدؒ نے اس پر قضا و کفارہ ہر دو واجب کیا اور مالکؒ، لیثؒ، اوزاعیؒ، عطاءؒ کے نزدیک فقط قضا ہے۔ بخاری کے علاوہ صحاح کے دیگر پانچوں مؤلفین نے بھی اُوپر کی حدیث روایت کی ہے۔

۶۲۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، قَالَ كُنْتُ مَعَ مُجَاهِدٍ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ. فَجَاءَهُ إِنْسَانٌ فَسَأَلَهُ عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ الْكَفَّارَةِ أَمُتَتَابِعَاتٍ أَمْ يَقْطَعُهَا؟ قَالَ حُمَيْدٌ: فَقُلْتُ لَهُ: نَعَمْ. يَقْطَعُهَا إِنْ شَاءَ. قَالَ مُجَاهِدٌ: لَا يَقْطَعُهَا فَإِنَّهَا فِي قِرَاءَةِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ.

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ، مَا سَمَّى اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ، يُصَامُ مُتَتَابِعًا.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْمَرْأَةِ تُصْبِحُ صَائِمَةً فِي رَمَضَانَ، فَتَدْفَعُ دَفْعَةً مِنْ دَمٍ عَبِيطٍ فِي غَيْرِ أَوَانِ حَيْضِهَا. ثُمَّ تَنْتَظِرُ حَتَّى تُمْسِيَ أَنْ تَرَى مِثْلَ ذٰلِكَ. فَلَا تَرَى شَيْئًا. ثُمَّ تُصْبِحُ يَوْمًا آخَرَ فَتَدْفَعُ دَفْعَةً أُخْرَى وَهِيَ دُونَ الْأُولَى. ثُمَّ يَنْقَطِعُ ذٰلِكَ عَنْهَا قَبْلَ حَيْضَتِهَا بِأَيَّامٍ. فَسُئِلَ مَالِكٌ: كَيْفَ تَصْنَعُ فِي صِيَامِهَا وَصَلَاتِهَا؟ قَالَ مَالِكٌ: ذٰلِكَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ. فَإِذَا رَأَتْهُ فَلْتُفْطِرْ. وَلْتَقْضِ مَا أَفْطَرَتْ. فَإِذَا ذَهَبَ عَنْهَا الدَّمُ فَلْتَغْتَسِلْ. وَتَصُومُ.

وَسُئِلَ عَمَّنْ أَسْلَمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ: هَلْ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ كُلِّهِ أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ قَضَاءُ الْيَوْمِ الَّذِي أَسْلَمَ فِيهِ؟ فَقَالَ: لَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءُ مَا مَضَى. وَإِنَّمَا يَسْتَأْنِفُ الصِّيَامَ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ. وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْضِيَ الْيَوْمَ الَّذِي أَسْلَمَ فِيهِ.

ترجمہ: مجاہد بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک انسان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ ایام کفارہ کا روزہ آیا مسلسل ہے یا آدمی اسے قطع بھی کر سکتا ہے؟ حمید بن قیس راوی نے کہا میں نے کہا، ہاں وہ اسے قطع کر سکتا ہے اگر چاہے تو۔ مجاہد نے کہا کہ وہ قطع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُبی بن کعب کی قراءت میں ثلٰثۃِ ایّامٍ متتابعاتٍ کے الفاظ ہیں۔
یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا میرے نزدیک پسندیدہ تر بات یہ ہے کہ کفارے کا ہر روزہ جو قرآن میں آتا ہے، وہ مسلسل رکھا جائے۔

اور امام مالکؒ سے اس عورت کے متعلق پوچھا گیا جو رمضان میں روزے سے تھی مگر یک لخت اسے خون آگیا اور یہ اس کے حیض کا وقت نہ تھا۔ پھر اس نے شام تک انتظار کیا۔ مبادا اور خون آجائے مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر دوسرے دن اسے پہلے کی نسبت کم خون آیا۔ پھر اس کے حیض کے چند دن قبل یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ پس مالکؒ سے پوچھا گیا کہ وہ عورت اپنے نماز روزے کا کیا کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ وہ خون حیض کا ہے۔ جب وہ اسے دیکھے تو روزہ توڑ دے۔ اور جتنے دن روزہ نہ رکھے، ان کا روزہ قضا کرے۔ پھر جب اس کا خون جاتا رہے تو غسل کرے۔ اور روزہ رکھے۔

یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص رمضان کے آخری دن میں اسلام لائے کیا اس پر سارے رمضان کی قضا واجب ہے یا صرف اس دن کی جس میں وہ مسلمان ہوا تھا؟ امام مالکؒ نے کہا کہ گزشتہ کی قضا نہیں اور آئندہ کو وہ روزہ رکھے اور مجھے یہ بہت پسند ہے کہ جس دن وہ مسلمان ہوا تھا، اس دن کا روزہ قضا کرے۔

شرح: مجاہد سے طواف میں مسئلہ پوچھا گیا اور انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اچھا کلام طواف کی حالت میں جائز ہے اور اس کے جواز میں ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے ایک مرفوع حدیث ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ بعض ائمہ فقہ کے نزدیک کفارے کے روزہ کا مسلسل رکھنا مستحب ہے۔ مگر قتل، ظہار اور صوم رمضان کے عمداً توڑنے کے کفارے میں روزے مسلسل ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور احمدؒ کے نزدیک اثر زیر نظر میں بیان شدہ تین روزے مسلسل رکھنا واجب ہے۔ ان کی دلیل عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت بھی ہے جس میں فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَةٍ الخ آیا ہے۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ قرأت کے نسخ سے احکام کا نسخ لازم نہیں آتا۔ یہ قرأت صحابہؓ میں مشہور تھی۔ اور اس کی حیثیت حدیثِ مشہور جیسی ہے۔ اور یہی قرأت سید القراء اُبی بن کعب کی بھی تھی۔ اور جس طرح خبر واحد سے استدلال کیا جاتا ہے اسی طرح غیر متواتر قرأت سے بھی احتجاج ہو سکتا ہے۔

اور یہ بات یہ گزر چکی ہے کہ قضاء رمضان کا روزہ متفرق بھی رکھا جا سکتا ہے اور متواتر بھی۔ امام کاسانی نے البدائع میں لکھا ہے کہ شرع میں کل پانچ کفارے آئے ہیں۔ قسم کا کفارہ، حج میں سرمنڈانے کا کفارہ، قتل کا کفارہ، ظہار کا کفارہ اور رمضان کا روزہ توڑنے کا کفارہ۔ یہ سب کفارے واجب ہیں۔ مگر ان میں سے چار کے کفارہ کا وجوب کتاب اللہ سے اور ایک کا وجوب سُنّت سے ثابت ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ چار روزے نص کے ساتھ مسلسل ہیں۔ اداء رمضان کا روزہ۔ کفارۂ ظہار کا روزہ۔ کفارۂ قتل کا روزہ اور کفارۂ یمین کا روزہ قرأتِ ابن مسعودؓ کے باعث۔ جن روزوں کے مسلسل یا متفرق رکھنے میں اختیار ہے، وہ یہ ہیں۔ قضاء رمضان کا روزہ۔ کسی بیماری کے باعث سرمنڈوانے کا روزہ۔ تمتّع اور قران کا روزہ۔ جزائے صید کا روزہ۔ تین قسم کے روزے قرآن میں مذکور نہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ کفارۂ افطار کا روزہ اور وہ مسلسل ہے۔ تطوع کا روزہ اختیاری ہے اور نذر کے روزے کی کئی اقسام ہیں۔

جہاں تک حیض کے مسئلے کا تعلق ہے، حنفیہ کے نزدیک حیض تین دن کا ہے۔ اس سے کم حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ اور اس پر حیض کے نہیں بلکہ استحاضہ کے احکام جاری ہوں گے۔ حیض میں نہ پڑھی جانے والی نمازوں کی قضا نہیں ہوتی اور صیام کی قضا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے صراحتہً ثابت ہے۔

رہا مسئلہ نومسلم کا، سو کافر پر فرائض کا سوال نہیں ہوتا لہٰذا جب وہ مسلمان ہوگا تو اس وقت سے لے کر آگے کو وہ فرائض کا مخاطب ہوگا۔ جس دن وہ مسلمان ہوا تھا۔ چونکہ روزے کی ابتدا کے وقت وہ اس کی فرضیت کے حکم کا مخاطب نہیں تھا لہٰذا اس دن کا روزہ اس پر فرض نہیں۔ ائمہ فقہ اس دن کا روزہ واجب نہ ہونے پر (امام احمدؒ کے سوا) متفق ہیں۔

۱۸ باب قضاء التطوع

نفل روزے کی قضا کا باب

۶۷۴ - حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عَائِشَةَ وَحَفْصَةَ زَوْجَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبَحَتَا صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ فَأُهْدِيَ لَهُمَا طَعَامٌ. فَأَفْطَرَتَا عَلَيْهِ. فَدَخَلَ عَلَيْهِمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَتْ حَفْصَةُ وَبَدَرَتْنِي بِالْكَلَامِ، وَكَانَتْ بِنْتَ أَبِيهَا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصْبَحْتُ أَنَا وَعَائِشَةُ صَائِمَتَيْنِ مُتَطَوِّعَتَيْنِ. فَأُهْدِيَ إِلَيْنَا طَعَامٌ فَأَفْطَرْنَا عَلَيْهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اقْضِيَا مَكَانَهُ يَوْمًا آخَرَ".

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ سَاهِيًا أَوْ نَاسِيًا فِي صِيَامِ تَطَوُّعٍ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ. وَلْيُتِمَّ يَوْمَهُ الَّذِي أَكَلَ فِيهِ أَوْ شَرِبَ وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ. وَلَا يُفْطِرْهُ. وَلَيْسَ عَلَى مَنْ أَصَابَهُ أَمْرٌ، يَقْطَعُ صِيَامَهُ وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ، قَضَاءٌ. إِذَا كَانَ إِنَّمَا أَفْطَرَ مِنْ عُذْرٍ، غَيْرَ مُتَعَمِّدٍ لِلْفِطْرِ. وَلَا أَرَى عَلَيْهِ قَضَاءَ صَلَاةٍ نَافِلَةٍ. إِذَا هُوَ قَطَعَهَا مِنْ حَدَثٍ لَا يَسْتَطِيعُ حَبْسَهُ، مِمَّا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الْوُضُوءِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَدْخُلَ الرَّجُلُ فِي شَيْءٍ مِنَ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ: الصَّلَاةِ، وَالصِّيَامِ، وَالْحَجِّ، وَمَا أَشْبَهَ هٰذَا مِنَ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ الَّتِي يَتَطَوَّعُ بِهَا النَّاسُ. فَيَقْطَعَهُ حَتَّى يُتِمَّهُ عَلَى سُنَّتِهِ، إِذَا كَبَّرَ لَمْ يَنْصَرِفْ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ. وَإِذَا صَامَ لَمْ يُفْطِرْ حَتَّى يُتِمَّ صَوْمَ يَوْمِهِ. وَإِذَا أَهَلَّ لَمْ يَرْجِعْ حَتَّى يُتِمَّ حَجَّهُ. وَإِذَا دَخَلَ فِي الطَّوَافِ لَمْ يَقْطَعْهُ حَتَّى يُتِمَّ سُبُوعَهُ. وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَتْرُكَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا إِذَا دَخَلَ فِيهِ حَتَّى يَقْضِيَهُ. إِلَّا مِنْ أَمْرٍ يَعْرِضُ لَهُ، مِمَّا يَعْرِضُ لِلنَّاسِ، مِنَ الْأَسْقَامِ الَّتِي يُعْذَرُونَ بِهَا، وَالْأُمُورِ الَّتِي يُعْذَرُونَ بِهَا. وَذٰلِكَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ. وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ. فَعَلَيْهِ إِتْمَامُ الصِّيَامِ. كَمَا قَالَ اللهُ. وَقَالَ اللهُ تَعَالَى ـ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ـ فَلَوْ أَنَّ رَجُلًا أَهَلَّ بِالْحَجِّ تَطَوُّعًا. وَقَدْ قَضَى الْفَرِيضَةَ. لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَتْرُكَ

اَلْحَجَّ بَعْدَ أَنْ دَخَلَ فِيهِ. وَيَرْجِعَ حَلَالًا مِّنَ الطَّرِيقِ. وَكُلُّ أَحَدٍ دَخَلَ فِي نَافِلَةٍ، فَعَلَيْهِ إِتْمَامُهَا إِذَا دَخَلَ فِيهَا. كَمَا يُتِمُّ الْفَرِيضَةَ. وَهٰذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ۔

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے نفلی روزہ رکھا اور انہیں بطور ہدیہ ایک کھانا بھیجا گیا تو انہوں نے اس پر روزہ افطار کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ راوی نے کہا کہ عائشہؓ نے فرمایا، حفصہؓ مجھ پر کلام میں سبقت لے گئی۔ کیونکر نہ ہوتا آخر کو وہ اپنے باپ عمرؓ کی بیٹی تھی۔ وہ بولی یا رسول اللہ! میرا اور عائشہؓ کا روزہ نفلی تھا۔ ہمیں کچھ کھانا بطور ہدیہ ملا۔ اور ہم نے اس پر روزہ افطار کر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی جگہ پر ایک اور دن کا روزہ رکھو۔

یحییٰ نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو کہتے سنا، جو شخص نفلی روزے میں بھول چوک سے کھالے تو اس پر قضا نہیں ہوتی اور جس دن میں اس نے کھایا پیا ہو، اس کا روزہ پورا کرے۔ اور اسے نہ توڑے۔ نفلی روزے کو جو شخص کسی سبب سے توڑ ڈالے۔ اس پر اس کی قضا نہیں۔ بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر روزہ توڑنے کی خاطر ایسا نہ کیا ہو۔ اور میری رائے میں اگر کوئی نفل نماز کو ایسے حدث سے توڑ دے جس کو وہ روک نہ سکے۔ اور جس سے وضو لازم آئے۔ اس کی کوئی قضا نہیں ہوتی۔

یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا، نماز، روزہ اور حج اور اسی قسم کے دیگر نیک اعمال جن کو لوگ نفلی طور پر بھی ادا کرتے ہیں، جب کوئی آدمی انہیں شروع کرے تو ان عبادات کی سنت کے مطابق انہیں ختم کئے بغیر قطع نہ کرے۔ کیونکہ ایسا جائز نہیں ہے۔ مثلاً جب نماز کی تکبیر کہہ لے تو ۲ رکعت پڑھے بغیر نہ چھوڑے اور جب روزہ شروع کرے تو ایک دن کا روزہ تمام کئے بغیر اسے نہ چھوڑے۔ اور جب حج شروع کرے تو اسے تمام کئے بغیر نہ چھوڑے۔ اور جب طواف میں داخل ہو تو سات چکر پورے کئے بغیر اسے قطع نہ کرے۔ ان چیزوں میں سے کسی کو جب شروع کرے تو کسی عذر کے بغیر اسے قطع نہ کرے۔ عذر سے مراد ایسی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان معذور ہو جائے یا وہ امور جو باعث عذر ہیں۔ (مثلاً حیض و نفاس) اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے، اور کھاؤ اور پیو، حتیٰ کہ فجر کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے جدا ہو جائے۔ پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزے کا اتمام واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے۔ اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے تمام کرو۔ پس اگر کوئی آدمی نفلی حج کا احرام باندھ لے۔ درآں حالیکہ وہ فریضہ پورا کر چکا ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ حج میں داخل ہونے کے بعد اسے ترک کرے۔ اور احرام چھوڑ کر راستے سے پلٹ جائے۔ اور ہر وہ شخص جو کسی نفل میں داخل ہو تو اس کا اتمام اس پر واجب ہے جیسے کہ فرض کا اتمام واجب ہے۔ اور یہ بہترین بات ہے جو میں نے سُنی۔

شرح: ابن شہاب زہری کی مرسل حدیث کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ ان ہر دو امہات المؤمنین نے نفلی روزہ توڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی قضا کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفل کو توڑنے سے کفارہ تو نہیں آتا، البتہ قضا ضرور آتی ہے اس حدیث کے مرسل اور متصل ہونے میں اختلاف ہے۔ اسے کئی روایات میں متصل بیان کیا گیا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر وغیرہ نے کہا کہ اس کا مرسل ہونا ہی صحیح تر ہے۔ جو لوگ مرسل حدیث کو ناقابل استدلال جانتے ہیں۔ وہ بھی اس سے استدلال کرتے ہیں، جب کہ کسی اور مرسل سے مؤید ہو جائے اور جو لوگ مرسل حدیث کو لائق حجت سمجھتے ہیں (مثلاً حنفیہ) وہ ایسی صورت میں اس سے استدلال کیوں نہ کریں۔ جب کہ وہ کئی مراسیل سے مؤید و قوی ہو جاتی ہے؟ یہ حدیث مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں کئی طرق سے

مروی ہے اور عائشہ بنت طلحہ کی ایک حدیث متصل جو اُمّ المؤمنین عائشہ سے مروی ہے، اس کی موافق و مؤید ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اس حدیث کی وجہ سے نفل کو بلا سبب توڑنا جائز نہیں سمجھتے اور قرآن کے الفاظ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اس مسئلہ کی دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عقود کے ایفاء کا حکم دیا ہے اور نفل کو شروع کرنا بھی ایک عقد ہے۔ لہٰذا اس کا اتمام ضروری ہُوا۔ کیونکہ شروع کرنے والے نے اسے اپنے ذمّہ لازم کر لیا ہے۔ اعرابی کی حدیث میں اس کے سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ "فرائض کے سوا کچھ واجب نہیں مگر یہ کہ تو خوشی سے کرے"۔ یعنی خوشی سے (نفل) شروع کی جانے والی عبادت بھی اس حدیث کی رُو سے واجب ہو جاتی ہے۔ قرآن میں یہ بھی ہے کہ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ۔ "اپنے اعمال کو باطل مت کرو"۔ اور نفل کو توڑنے میں عمل کا ابطال ہے۔ لہٰذا یہ جائز نہ ہُوا۔ امام مالکؒ نے آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ سے اس فتویٰ میں استدلال کیا ہے۔ گو ہر چند اِن کے مسلک میں احناف کی نسبت کچھ لچک پائی جاتی ہے۔ مگر ہم یہ گزارش کرتے ہیں کہ اصل استدلال تو بالکل درست ہے کہ جب نفل کو شروع کر دیں تو اس کا اتمام واجب ہے۔

حضرت عائشہؓ کا یہ ارشاد کہ "حفصہؓ جلدی سے بول پڑیں اور وہ اپنے باپ عمرؓ کی بیٹی تھیں"۔ اس میں حضرت حفصہؓ کی مدح ہے کہ وہ بات کرنے، سوال پوچھنے اور دینی مسائل دریافت کرنے میں جری تھیں۔ حضورؐ کا یہ حکم کہ اس کی جگہ ایک اور دن کا روزہ رکھو، امر جو وجوب کے لئے ہوتا ہے جب تک کسی دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور حضورؐ کا ایک اور ارشاد اس کی تائید کرتا ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ سبب اس کا یہی ہے کہ اگر اسے روزہ توڑنا پڑا تو قضا واجب ہو گی۔ طحاویؒ نے حضرت عائشہؓ کی ایک مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کو کھیر پیش کی تو آپؐ نے فرمایا میں روزے سے ہوں۔ مگر اس کے بجائے ایک اور روزہ رکھ لوں گا۔ دارقطنی میں جابرؓ سے حدیث مرفوع مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو کھانے پر بلایا، ایک شخص کھانے سے گریز کرنے لگا، کیونکہ وہ روزے سے تھا۔ حضورؐ نے فرمایا، کھا لو اور اس کی جگہ ایک روزہ رکھ لینا۔ نفلی روزہ بھول کر توڑنے سے امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک (جب کہ جماع سے توڑے) کوئی قضا اور کفارہ نہیں۔ جماع کی صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں صرف قضا ہے اور احمدؒ کے نزدیک قضا اور کفارہ دونوں۔ اور بھول کر کھا پی لینے میں جمہور کے نزدیک فرض اور نفل کا کوئی فرق نہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک فرق ہے، جسے انہوں نے اس جگہ لفظ تطوّع سے واضح کر دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی بھول کر کھا پی لے تو اپنا روزہ تمام کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے کھلایا پلایا"۔ اس روایت میں فرض اور نفل کا فرق نہیں بتایا ہے۔ اس لئے دونوں کا حکم ایک ہے۔

عذر کی صورت میں نفلی نماز یا روزے کو توڑنے کا جو حکم امام مالکؒ نے بتایا ہے کہ قضا نہیں آتی، حنفیہ اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک قضا بہر صورت ہو گی۔ کیونکہ احادیث میں یہ تفصیل نہیں آئی جو انہوں نے (مالکؒ نے) بتائی ہے۔ باقی مسائل جو آگے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں حنفیہ کا امام مالکؒ سے اتفاق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۹۔ بَابُ فِدْيَةِ مَنْ اَفْطَرَ فِيْ رَمَضَانَ مِنْ عِلَّةٍ

رمضان میں جو کسی مرض کے باعث روزہ نہ رکھے اس کا فدیہ

۶۲۵۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ كَبِرَ حَتّٰى كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلٰى

الصِّيَامِ. فَكَانَ يَفْتَدِي

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا أَرَى ذٰلِكَ وَاجِبًا. وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَفْعَلَهُ إِذَا كَانَ قَوِيًّا عَلَيْهِ. فَمَنْ فَدَى، فَإِنَّمَا يُطْعِمُ، مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدًّا بِمُدِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ انس بن مالک بوڑھے ہوگئے حتّٰی کہ وہ روزہ نہ رکھ سکتے تھے۔ پس وہ فدیہ ادا کرتے تھے۔
مالکؒ نے کہا کہ میں اسے واجب نہیں جانتا اور مجھے یہ پسند ہے کہ فدیہ دے اگر وہ دے سکتا ہو۔ پس جو فدیہ دے وہ تو ہر دن کے عوض میں ایک مُدّ کھانا دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُدّ کے مطابق۔

شرح: حضرت انسؓ کا فدیہ کبھی ایک مسکین کے لئے ایک مُدّ ہوتا تھا۔ اور نصف صاع بھی مروی ہے اور بارہا ماہ رمضان کی ہر رات کو تیس مسکینوں کو بطورِ نفل کھلاتے تھے۔ کبھی کبھی تین صد مساکین کو جمع کرکے انہیں بیک وقت کھانا کھلاتے تھے اور ان کے لئے کھانے اور گوشت کی دیگیں رکھ دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے نزدیک فدیہ صوم مستحب ہے۔ مگر دیگر ائمہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں۔ ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ الآیۃ بوڑھے مرد اور عورت کے لئے اُتری تھی۔ جب کہ روزے کے باعث انہیں شدید جہد و مشقت کا سامنا ہو۔ اس مسئلہ میں صحابہ کا کوئی اختلاف مذکور نہیں۔ لہذا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

امام مالکؒ نے طعامِ مسکین کی مقدار ایک مُدّ بیان کی ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک صاع باقی اشیاء سے اور نصف صاع گندم سے۔ یعنی صدقہ فطر کی طرح، واجب ہے۔ اور اس کے دلائل احادیث میں موجود ہیں کہ قضائے رمضان جس میت کے ذمہ ہو اور وہ قضا سے قبل ہی مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے ہر روزے کے عوض نصف صاع کھلائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صومِ رمضان کا فدیہ یہی ہے۔ اور اس حدیث کو امام ابوبکر الجصاص نے احکام القرآن میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۶۲۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَامِلِ، إِذَا خَافَتْ عَلَى وَلَدِهَا وَاشْتَدَّ عَلَيْهَا الصِّيَامُ؟ قَالَ: تُفْطِرُ، وَتُطْعِمُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا، مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ بِمُدِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَأَهْلُ الْعِلْمِ يَرَوْنَ عَلَيْهَا الْقَضَاءَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. وَيَرَوْنَ ذٰلِكَ مَرَضًا مِنَ الْأَمْرَاضِ مَعَ الْخَوْفِ عَلَى وَلَدِهَا.

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے حاملہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ جب اسے اپنے بچے کا خوف ہو اور روزہ اس پر شاق گزرے تو کیا کرے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ وہ روزہ نہ رکھے اور ہر روز ایک مسکین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُدّ کے حساب سے ایک مُدّ گندم دے ڈالے۔
مالکؒ نے کہا کہ اہل علم کہتے ہیں کہ حاملہ پر روزہ کی قضا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، سو جو شخص تم میں سے مریض

ہو یا مسافر ہو تو دوسرے دنوں سے یہ گنتی پوری کرے اور اہل علم حاملہ عورت کے اپنے بچے پر خوف کے باعث اس کو امراض میں سے ایک مرض جانتے ہیں۔

شرح: مُرضعہ کے متعلق امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ وہ فدیہ بھی دے اور قضا بھی کرے۔ حنفیہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ کے ذمّے قضا ہے، فدیہ نہیں۔ حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان دونوں کو اگر اپنی جان کا خوف ہو تو ان کے ذمہ صرف قضا ہے، اور اگر صرف بچے کا خوف ہو تو قضا اور فدیہ دونوں واجب ہیں۔

۶۲۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ كَانَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقْضِهِ، وَهُوَ قَوِيٌّ عَلٰى صِيَامِهِ، حَتّٰى جَاءَ رَمَضَانُ آخَرُ، فَإِنَّهُ يُطْعِمُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا، مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ. وَعَلَيْهِ مَعَ ذٰلِكَ الْقَضَاءُ.

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ کا قول ہے کہ جس شخص کے ذمہ رمضان کی قضا ہو اور وہ قضا نہ کرے، حالانکہ کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ دوسرا رمضان آ گیا تو اس کے ذمّے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کا کھانا یعنی گندم کا ایک مُد ہے اور اس کے ساتھ اس پر قضا بھی واجب ہے۔

مالکؒ کو سعید بن جبیرؒ سے بھی اسی قسم کی خبر پہنچی ہے۔

شرح: ائمہ اربعہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ شخص دوسرے رمضان کا روزہ رکھے اور پھر پہلے کی قضا کرے اور اس کے ذمّے فدیہ کوئی نہیں بشرطیکہ اس کی کوتاہی سے ایسا نہ ہوا ہو بلکہ کسی عذر سے ہو۔ کوتاہی کی صورت میں بھی حسنؒ بصری، ابراہیم نخعیؒ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک فدیہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حکم فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ مطلق ہے اور اس کے ساتھ کسی فدیے کا ذکر نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس مسئلہ میں حنفیہ کا قول اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فدیے کا ذکر نہیں فرمایا، صرف قضا کا حکم دیا ہے۔

۲۰۔ بَابُ جَامِعِ قَضَاءِ الصِّيَامِ

قضاء صوم کے بعض اور مسائل کا باب

۶۲۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ: إِنْ كَانَ لَيَكُوْنُ عَلَيَّ الصِّيَامُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيْعُ أَصُوْمُهُ حَتّٰى يَأْتِيَ شَعْبَانُ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا فرماتی تھیں کہ میرے ذمہ رمضان کے روزے ہوتے تھے۔ اور میں اگلا شعبان آنے تک انہیں رکھ نہیں سکتی تھی۔ (راویٔ حدیث یحییٰ بن سعید الانصاری کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کی خاطر ہوتا تھا۔ جہاں تک ازواج کی باری کا تعلق ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہ تھا مگر از راہ عدل اس کی پابندی فرماتے تھے اور باری کا تعلق شب بسری سے ہوتا ہے نہ کہ دن کے ساتھ۔ اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ قضائے رمضان علی الفور واجب نہیں ہے۔)

۲۱۔ بَابُ صِيَامُ الْيَوْمِ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ

شک کے دن کے روزے کا باب

یعنی جب بادل وغیرہ کے باعث ۲۹ شعبان کا چاند نظر نہ آسکے۔ مگر کسی وجہ سے یہ شک ہو کہ اگلا دن شاید رمضان کا ہے تو یہ شک کا دن ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس دن کا روزہ بہ نیتِ رمضان یا اس نیت سے کہ اگر رمضان ہوا تو اس کا ہے ورنہ نفلی جائز نہیں ہے۔ اس دن دیگر سب روزے مثلاً نفل اور نذر وغیرہ کے یا مثلاً یہ کہ وہ کوئی ایسا دن ہو کہ کوئی شخص اس میں روزہ رکھا کرتا ہو، تو یہ جائز ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض اور نفلِ مطلق کی نیت سے جائز نہیں۔ لیکن قضا، نذر، کفارہ وغیرہ کا روزہ جائز ہے۔ امام احمدؒ کے تین قول ہیں (ا) یہ روزہ بہ نیتِ رمضان فرض ہے (ب) امام شافعیؒ کے مطابق (ج) امام کی رائے پر منحصر ہے۔

۶۲۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَنْهَوْنَ أَنْ يُصَامَ الْيَوْمُ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ مِنْ شَعْبَانَ إِذَا نَوَى بِهِ صِيَامَ رَمَضَانَ. وَيَرَوْنَ أَنَّ عَلَى مَنْ صَامَهُ، عَلَى غَيْرِ رُؤْيَةٍ، ثُمَّ جَاءَ الثَّبْتُ أَنَّهُ مِنْ رَمَضَانَ، أَنَّ عَلَيْهِ قَضَاءَهُ. وَلَا يَرَوْنَ، بِصِيَامِهِ تَطَوُّعًا، بَأْسًا.

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا. وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم سے سنا کہ جس دن کے شعبان میں سے ہونے کا شک ہو، اس کا روزہ بہ نیتِ رمضان رکھنا ممنوع ہے۔ اہل علم نے کہا کہ جس نے چاند دیکھے بغیر یہ روزہ رکھا ہو اور پھر پکی خبر مل جائے کہ وہ دن رمضان کا تھا تو اس کے ذمے اس دن کی قضا واجب ہے۔ اور اہل علم اس دن نفلی روزہ رکھنے میں حرج نہیں سمجھتے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی امر ثابت شدہ ہے اور میں نے اپنے شہر کے اہلِ علم کو اسی پہ پایا۔

شرح: اور جمہور کا یہی مذہب ہے کیونکہ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے (زرقانی)، مگر صحیحین کی اس حدیث کی نہی کا تعلق اس روزے سے ہے جو استقبال و تعظیم رمضان کے لئے رکھا جائے ورنہ اگر رمضان کی نیت سے یا بطور شک روزہ نہ رکھا جائے بلکہ بطور نفل وغیرہ ہو تو اس میں حرج نہیں ہے۔

۲۲۔ بَابُ جَامِعِ الصِّيَامِ

روزے کے متفرق مسائل کا باب

۶۳۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ. وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ. وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تھے، حتیٰ کہ ہم کہتے اب یہ افطار نہ فرمائیں گے۔ اور افطار کرتے، حتیٰ کہ ہم کہتے کہ روزہ نہ رکھیں گے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے سوا کسی مہینے کے سارے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اور دوسرے مہینوں میں میں نے آپ کو شعبان سے زیادہ روزے کسی اور ماہ میں رکھتے نہیں دیکھا۔

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین کامل تھا اور اس میں ہر قسم کے احوال اور ہر طبیعت کے انسان کے لیے اُسوۂ حسنہ کا ہونا ضروری تھا۔ اسلام رہبانیت نہیں سکھاتا۔ مگر عبادت کا ذوق شوق اور اصلاحِ باطن کا ضابطہ پیش کرتا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب رنگوں کے لیے، ہر قسم کی طبائع اور ہر قسم کے حالات کے نمونہ پیش فرمایا، تاکہ عابد و زاہد بھی آپ کی پیروی کر سکیں اور دنیوی اشتغال کی مصروفیت والے بھی اقتدار سے محروم نہ رہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ شعبان کے روزے میں بھی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کا عمل مختلف تھا۔ کبھی پورے شعبان کا روزہ رکھا۔ کبھی اکثر کا اور کبھی اس سے ذرا کم۔ جیسے حالات ہوتے اور جس طرح طبیعت کی آمادگی ہوئی، عمل فرمایا۔

۳۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ. فَإِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا، فَلَا يَرْفُثْ. وَلَا يَجْهَلْ. فَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّيْ صَائِمٌ. إِنِّيْ صَائِمٌ."

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روزہ ایک ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو فضول باتیں نہ کرے اور نادانی کا کام نہ کرے۔ پس کوئی شخص اسے گالی گلوچ کرے یا اس سے لڑے تو کہے کہ میں روزہ دار ہوں، میں روزہ دار ہوں۔

شرح: یعنی روزہ شیطانی حملوں کے خلاف، بُرے کاموں کے خلاف اور عذاب جہنم کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے۔

۳۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ. لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ. إِنَّمَا يَذَرُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِيْ. فَالصِّيَامُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ. كُلُّ

حَسَنَةٍ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ اِلَّا الصِّیَامَ فَهُوَ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، روزہ دار کے منہ کی متغیر بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ وہ میری خاطر اپنی خواہش اور کھانا پینا ترک کرتا ہے پس روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ ہر نیکی کا اجر دس گنا سے سات گنا تک ہے مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔

شرح: ہر نیک کام کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے مگر روزے میں ریا کاری اور نام و نمود نہیں ہو سکتے۔ لہذا یہ اس کی خصوصیت ہوئی کہ یہ خالصتہً اللہ کے لئے ہے۔ اس خلوص کے باعث روزے کو دیگر اعمال پر فضیلت حاصل ہے۔ خلوف سے مراد وہ بدلی ہوئی ہوا ہے جو معدہ خالی ہونے کے باعث منہ میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ وہ بدبو جو کسی سبب کے باعث پیدا ہو۔ پس مسواک بحالتِ صوم مشروع اور پسندیدہ ہے اور اس سے وہ خلوف زائل نہیں ہوتی، جس کا سبب روزہ ہے۔

۲۳۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمِّهٖ اَبِیْ سُهَیْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّهٗ قَالَ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ، وَصُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ نے کہا کہ جب رمضان داخل ہو جائے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

شرح: موطا میں یہ روایت موقوف ہے مگر شیخین نے اسے اسماعیل بن جعفر اور زہری دونوں کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ جنت کے دروازے کھولنا یا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو رمضان میں مر جائیں اور ان سے کوئی منافیٔ جنت کام نہ ہوا ہو۔ یا ملائکہ کو اس ماہ کی تعظیم و حرمت بتانے کے لئے جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے اعمال و طاعات کی اس میں کثرت ہو جاتی ہے جو دخول جنت کا باعث ہوں۔ لہذا یہ لفظ بطورِ استعارہ بولا گیا ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ کے اور دوسری روایت میں اَبْوَابُ السَّمَاءِ کے لفظ وارد ہوئے ہیں۔ ان الفاظ سے آخری مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اس حدیث میں جہنم کے دروازے بند کئے جانے کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے اُسے بھی گزشتہ سطور کے مطلب پر قیاس کر لیا جائے۔

شیاطین کا جکڑا جانا حقیقت پر مبنی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اور اسے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ شیاطین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ وہ اجسام ہیں، کھاتے پیتے ہیں۔ ان میں مذکر و مؤنث بھی ہیں۔ جن کے ہاں اولاد ہوتی ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اور انہیں عذابِ الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ قدریہ، جہمیہ اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے پیشرو فلاسفہ اس کے منکر تھے۔

یہاں پر ایک سوال ہے جس کا جواب دینا لازم ہے۔ وہ یہ کہ جب شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے تو پھر دنیا میں بالخصوص مسلمانوں میں گناہ کیوں ہوتے ہیں؟ شراحِ حدیث نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔ ان میں شیخ المحدث رحمہ اللہ کے قول کے مطابق احسن جواب یہ ہے کہ رمضان میں نافرمانی نفسِ امارہ کے باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تو قید نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی نے فرمایا کہ فاسقوں کے حق میں تو سرکش شیطانوں کو جکڑا جاتا ہے اور صلحاء کے لئے عام شیاطین کو۔ واللہ اعلم۔

۴۴۳ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ سَمِعَ اَهْلَ الْعِلْمِ لَا يَكْرَهُوْنَ السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ فِيْ رَمَضَانَ. فِيْ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ النَّهَارِ. لَا فِيْ اَوَّلِهٖ وَلَا فِيْ اٰخِرِهٖ. وَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَلَا يَنْهٰى عَنْهُ.

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ، فِيْ صِيَامِ سِتَّةِ اَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ، اِنَّهُ لَمْ يَرَ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ يَصُوْمُهَا. وَلَمْ يَبْلُغْنِيْ ذٰلِكَ عَنْ اَحَدٍ مِنَ السَّلَفِ. وَاِنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ يَكْرَهُوْنَ ذٰلِكَ. وَيَخَافُوْنَ بِدْعَتَهُ. وَاَنْ يُّلْحِقَ بِرَمَضَانَ مَا لَيْسَ مِنْهُ، اَهْلُ الْجَهَالَةِ وَالْجَفَاءِ لَوْ رَاَوْا فِيْ ذٰلِكَ رُخْصَةً عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ وَرَاَوْهُمْ يَعْمَلُوْنَ ذٰلِكَ.

وَقَالَ يَحْيٰى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: لَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ وَمَنْ يُّقْتَدٰى بِهٖ يَنْهٰى عَنْ صِيَامِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ. وَصِيَامُهُ حَسَنٌ. وَقَدْ رَاَيْتُ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَصُوْمُهُ. وَاُرَاهُ كَانَ يَتَحَرَّاهُ.

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم سے سُنا کہ وہ رمضان میں روزہ دار کے لیے دن کے اوقات میں سے کسی وقت میں بھی مسواک کو مکروہ نہیں جانتے تھے۔ نہ اس کی ابتدا میں نہ انتہا میں۔ مالکؒ نے کہا کہ میں نے کسی اہلِ علم کو اس سے منع کرتے نہیں سُنا۔ (ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، عروہؒ، مجاہدؒ کا یہی مذہب ہے اور یہی علیؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ رمضان کے اختتام اور عید الفطر کے بعد میں نے اہل فقہ و علم میں سے کسی کو چھ دن کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ اور سلف میں سے یہ مجھے کسی سے نہیں پہنچا۔ اہل علم اسے ناپسند کرتے تھے اور اس کے بدعت ہونے کا خوف رکھتے تھے۔ انہیں خوف تھا کہ جاہل اور بے سمجھ لوگ مبادا اسے اہل علم کی رُخصت کی بنا پر اور انہیں یہ عمل کرتے دیکھ کر اسے رمضان کے ساتھ ملحق نہ کریں۔ حالانکہ وہ رمضان میں سے نہیں ہے۔ (مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاں صحابہ و تابعین کا اس پر عمل نہ تھا۔ مگر یہ مرفوع حدیث میں آ چکا ہے۔ اور بقول نوویؒ، شافعیؒ، احمدؒ، داؤدؒ اور ان کے موافقین کے نزدیک یہ چھ روزے مستحب ہیں۔ حنفیہ کی روایات اس میں مختلف ہیں۔ مگر صحیح تر اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ یہ مستحب ہیں اور یہ کہ درمیان میں عید الفطر کا فاصلہ آ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد متفرق زیادہ مستحب ہیں اور متواتر بھی جائز ہیں۔ ان کی فضیلت کی حدیث ابو ایوبؓ سے بخاری اور نسائی کے علاوہ صحاح میں بھی مروی ہے۔ یہ حدیث جابرؓ، ثوبانؓ، ابو ہریرہؓ سے کتب حدیث میں آئی ہے۔ بعض طرق تو ضعیف ہیں مگر کثرتِ طرق سے یہ ثابت ہو چکی ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ میں نے اہل علم و فقہ اور مقتدیٰ حضرات میں سے کسی کو جمعہ کے دن کے روزے سے منع کرتے نہیں سُنا۔ اور اس کا روزہ مستحب ہے اور میں نے بعض اہلِ علم کو کوشش سے یہ روزہ رکھتے دیکھا ہے۔ (بعض اہل علم نے اسے مکروہ کہا ہے۔ مگر مالکؒ کے علاوہ

ابن عباسؓ، محمد بن المنکدرؒ، ابو حنیفہؒ، محمد بن الحسنؒ نے اسے مباح کہا ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔ ابو ہریرہؓ۔ محمد بن سیرینؒ۔ طاؤسؒ، ابو یوسفؒ۔ احمدؒ۔ اسحاقؒ نے کہا ہے کہ اگر جمعہ سے ایک دن قبل یا بعد کا روزہ اس کے ساتھ ملائیں تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ نخعیؒ، شعبیؒ، زہریؒ، مجاہدؒ نے اسے اس بنا پر مکروہ کہا ہے کہ اس دن کو حضورؐ نے عید فرمایا ہے اور عید کے دن روزہ نہیں ہوسکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا باب

لیلۃ القدر اُمت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے پہلی اُمتوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی تھی۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ یہ رات عظیم القدر اور جلیل الشان ہے۔ اس میں آئندہ سال کی قضاء و قدر کے فیصلوں کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔ اس رات میں قرآن کا نزول شروع ہوا تھا۔ پہلی اُمتوں کی عمریں طویل ہوتی تھیں۔ ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ان اُمتوں کے بعض لوگوں نے اسی اسی برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور ایک لمحہ بھی نافرمانی میں نہ گزارا۔ اصحابؓ کو اس امر کا غم ہوا کہ اس امت کی عمریں کم ہیں، لہذا ہم وہ مرتبہ کیسے حاصل کرسکیں گے۔ اس پر سورۃ القدر نازل ہوئی جس میں اس رات کو ۸۳ برس ماہ سے بھی بہتر قرار دیا گیا۔

یہ خشوع وخضوع، دعاء والحاح اور خلوص وعبادت کی رات ہے۔ جسے یہ باتیں نصیب ہوگئیں اس نے اسے پالیا۔ صحاح کے مطابق یہ رات رمضان کی آخری طاق راتوں میں سے ایک ہے۔ اور قوی دلائل ۲۷ ویں کے ہیں۔

۴۲۵۔ حَدَّثَنِي زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْوُسْطَ مِنْ رَمَضَانَ۔ فَاعْتَكَفَ عَامًا۔ حَتّٰى إِذَا كَانَ لَيْلَةَ إِحْدٰى وَعِشْرِينَ۔ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِي يَخْرُجُ فِيهَا مِنْ صُبْحِهَا مِنِ اعْتِكَافِهِ۔ قَالَ: "مَنِ اعْتَكَفَ مَعِي فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ۔ وَقَدْ رَأَيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ۔ ثُمَّ أُنْسِيتُهَا۔ وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ مِنْ صُبْحِهَا فِي مَاءٍ وَطِينٍ۔ فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ۔ وَالْتَمِسُوهَا فِي كُلِّ وِتْرٍ"۔

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأُمْطِرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ۔ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيشٍ۔ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ۔ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ وَعَلٰى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحِ لَيْلَةِ إِحْدٰى وَعِشْرِينَ۔

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے درمیانی عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ایک سال آپؐ نے اعتکاف کیا حتیٰ کہ ۲۱ ویں رات ہوئی۔ اور یہ وہ رات تھی، جب کہ آپؐ صبح کو اپنے اعتکاف سے باہر آیا کرتے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ جس نے میری طرح درمیانی عشرے کا اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرے کا بھی اعتکاف کرے۔ کیونکہ میں نے لیلۃ القدر دیکھی تھی اور پھر اسے بھول گیا ہوں۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی صبح کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتا ہوں۔ پس تم اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ اور ہر طاق میں ڈھونڈو۔ ابوسعید نے کہا کہ اس رات کو بارش ہو گئی اور مسجد کھجور کے چھپر کی بنی ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ ٹپک پڑی۔ ابوسعیدؓ نے کہا کہ میری آنکھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور کیچڑ کا نشان تھا۔ یہ واقعہ ۲۱ ویں صبح کا ہے۔

شرح: اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ ہے کہ اکیسویں رات وہ تھی جس کی صبح کو آپؐ اعتکاف سے نکلتے تھے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ۲۰ ویں رات کو جب کہ آگے ۲۱ ویں کی صبح آنے والی ہوتی تھی تو آپؐ اپنے اعتکاف سے باہر آتے تھے۔ اور یہ خطبہ جو آپؐ نے دیا تھا، یہ اس ترکی قبّے کے دروازے سے دیا تھا۔ جس میں آپؐ نے اعتکاف فرمایا تھا اس حدیث کے یہ لفظ کہ پھر مجھے وہ رات بھلائی دی گئی ہے، ظاہر کرتا ہے کہ کسی شرعی مصلحت سے پیغمبر پر نسیان جائز ہے۔ اور اس رات کا کوئی خاص حساب ہو گا۔ جو حضورؐ کو معلوم ہوا مگر پھر بھلا دیا گیا تھا تاکہ لوگ لیلۃ القدر کی تلاش میں خود محنت و ریاضت کریں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیشانی کے ساتھ ناک بھی سجدے کے اعضا میں شامل ہے۔ لیکن بلا عذر صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس سال لیلۃ القدر ۲۱ ویں رات تھی۔

۴۳۶۔ وَحَدَّثَنِيْ زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ".

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ (موطا امام محمدؒ کے باب لیلۃ القدر میں یہ اثر مروی ہے۔ بخاری و مسلم میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے موصول آئی ہے۔)

۴۳۷۔ وَحَدَّثَنِيْ زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ".

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔ (یہ حدیث موطا نے امام محمدؒ میں بھی آئی ہے۔ اس حدیث میں شعبہ کی روایت کے الفاظ "ستائیسویں رات" آئے ہیں۔ لیکن باقی سب روایتوں میں "آخری سات راتوں" کا لفظ ہے۔)

۴۳۸۔ وَحَدَّثَنِيْ زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُنَيْسٍ الْجُهَنِيَّ، قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. إِنِّيْ رَجُلٌ شَاسِعُ الدَّارِ فَمُرْنِيْ لَيْلَةً أَنْزِلُ لَهَا. فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "انْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ مِنْ رَمَضَانَ".

ترجمہ: عبداللہ بن اُنیس جہنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک دُور کا رہنے والا شخص ہوں۔ لہٰذا مجھے کسی ایسی رات کا حکم کیجیے، جس میں مسجد میں آ کر عبادت کروں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ۲۳ ویں کی رات کو مسجد میں آ جاؤ۔

شرح: یہ صحابی صحرا نشین تھے، لہٰذا کسی ایک رات کا مطالبہ کیا مسجد سے مراد بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی ہے۔ اس حدیث میں اشارۃً ۲۳ ویں کو لیلۃ القدر فرمایا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں یہ حدیث ذرا مفصل آئی ہے۔

۶۳۹۔ وَحَدَّثَنِیْ زِیَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ. فَقَالَ: "إِنِّي أُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِي رَمَضَانَ. حَتّٰى تَلَاحٰى رَجُلَانِ. فَرُفِعَتْ. فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ. وَالسَّابِعَةِ. وَالْخَامِسَةِ."

ترجمہ: انس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اپنے گھر سے (مسجد میں) تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے یہ رات (لیلۃ القدر) دکھائی گئی تھی۔ حتی کہ دو شخص باہم لڑ پڑے اور وہ اٹھالی گئی۔ پس تم اسے نویں، ساتویں اور پانچویں میں تلاش کرو۔

شرح: یعنی لیلۃ القدر کا حساب مجھے بتایا گیا تھا۔ معلوم نہیں خاص اسی سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے کوئی ضابطہ تھا۔ یہ دو آدمی مسجد میں باآواز بلند جھگڑ پڑے تھے۔ ان کا شاید کوئی لین دین کا معاملہ تھا۔ حضور کو یہ علم خواب میں دکھایا گیا تھا اور حسب روایت مسلم آپ کو گھر والوں نے جگا دیا۔ ادھر مسجد سے جھگڑے کی آواز سنائی دی۔ بخاری کی کتاب الادب کی روایت سے اس علم کے اٹھائے جانے کا سبب یہی جھگڑا معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی توجہ ان لوگوں کے تنازعے کی طرف ہو گئی اور وہ علم اٹھا لیا گیا واللہ اعلم۔ اس حدیث میں نویں، ساتویں اور پانچویں کا جو حساب ہے اس سے مراد پچھلی طرف سے یہ اعداد ہیں۔ یعنی ابتدا کی طرف سے ۲۱ ویں، ۲۳ ویں اور ۲۵ ویں۔ تفصیل اس کی فضل المعبود میں آ گئی ہے۔

۶۴۰۔ وَحَدَّثَنِیْ زِیَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ. فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي أَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ. فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ."

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ مردوں نے خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری سات دنوں میں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب کا آخری سات دنوں پر اتفاق ہو گیا ہے۔ سو جو اسے تلاش کرنا چاہے وہ آخری سات دنوں میں تلاش کرے۔

شرح: اس سے ان احادیث کی نفی نہیں ہوتی، جن میں لیلۃ القدر آخری عشرے میں ہونا آیا ہے۔ کیونکہ آخری سات دن بھی آخری عشرے کے اندر ہیں۔ حضور کا یہ ارشاد غلبۂ ظن پر مبنی تھا۔ لیکن بقول قاضی ابوالولید الباجی ممکن ہے آپ نے بھی اسی قسم کا خواب

دیکھا ہو۔ اور اصحاب کے خواب کی تصدیق ہوگئی ہو۔ اور یہ خطاب صحابہؓ سے تھا۔ شاید آخری سات دنوں میں لیلۃ القدر کا ہونا انہی کے دور تک تھا۔ اور دیگر احادیث کی بنا پر پھر آخری عشرے کی تعیین فرمائی گئی ہو۔ ویسے لیلۃ القدر جیسے معاملات میں ابہام ہی رکھا گیا ہے تاکہ اُمّت کو شوقِ عبادت پیدا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۰۱۔ وَحَدَّثَنِيْ زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ مَنْ يَثِقُ بِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ. أَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ. فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ أَنْ لَّا يَبْلُغُوْا مِنَ الْعَمَلِ مِثْلَ الَّذِيْ بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِيْ طُوْلِ الْعُمُرِ، فَأَعْطَاهُ اللّٰهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔

شرح: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے با اعتماد ثقہ اہل علم سے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی امتوں کی عمریں دکھائی گئیں یا ان میں سے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا دکھایا (بطور خاص)، تو گویا کہ حضورؐ نے اپنی اُمت کی عمروں کو کم جانا کیونکہ وہ پچھلی اُمتوں کے طولِ عمر میں کیے گئے اعمال تک نہ پہنچ سکیں گے پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

شرح: مولانا نواب قطب الدینؒ دہلوی نے مظاہر حق میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث ابن ابی حاتم نے بھی روایت کی ہے اور گو انہوں نے صراحت نہیں کی، مگر بظاہر مسند و مرفوع متصل ہوگی۔

۷۰۲۔ وَحَدَّثَنِيْ زِيَادٌ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ شَهِدَ الْعِشَاءَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَدْ أَخَذَ بِحَظِّهِ مِنْهَا۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ سعیدؒ بن المسیبؒ فرماتے تھے، جو شخص لیلۃ القدر میں نماز عشا (باجماعت) میں حاضر ہُوا تو اس نے اپنا حصّہ لیلۃ القدر میں سے پا لیا۔ (بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے اور طبرانیؒ نے ابو امامہؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جس نے لیلۃ القدر میں نماز عشا اور نماز فجر باجماعت پڑھی تو اس نے لیلۃ القدر میں سے بہت سا حصہ پا لیا۔ ان احادیث سے سعید بن المسیب کے مرسل کو تقویت حاصل ہوگئی اور وہ حدیث ثابت ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۸۔ کِتَابُ الْاِعْتِکَافِ

۱۔ بَابُ ذِکْرِ الْاِعْتِکَافِ

اعتکاف کے ذکر کا باب

۶۴۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِي إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ۔ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو میری طرف اپنا سر مبارک کاتے تھے اور میں اس میں کنگھی کر دیتی تھی۔ اور آپ گھر میں سوائے انسان کی ضروری حاجت کے داخل نہ ہوتے تھے۔ (یہ حدیث موطا ئے امام محمدؒ کے باب الاعتکاف میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اس حدیث کو اختیار کرتے ہیں۔ اعتکاف کی حالت میں آدمی سوائے بول و براز کی حاجت کے باہر نہ نکلے اور اس کا کھانا پینا اعتکاف گاہ میں ہونا چاہئے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ بول و براز کے استثناء پر تمام فقہا کا اتفاق ہے مزید کلام آگے آتا ہے۔

۶۴۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ عَائِشَةَ كَانَتْ إِذَا اعْتَكَفَتْ، لَا تَسْأَلُ عَنِ الْمَرِيضِ إِلَّا وَهِيَ تَمْشِي۔ لَا تَقِفُ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَأْتِي الْمُعْتَكِفُ حَاجَتَهُ۔ وَلَا يَخْرُجُ لَهَا۔ وَلَا يُعِينُ أَحَدًا۔ إِلَّا أَنْ يَخْرُجَ لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔ وَلَوْ كَانَ خَارِجًا لِحَاجَةِ أَحَدٍ، لَكَانَ أَحَقَّ مَا يُخْرَجُ إِلَيْهِ عِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَالصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَائِزِ وَاتِّبَاعُهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَكُونُ الْمُعْتَكِفُ مُعْتَكِفًا، حَتّٰى يَجْتَنِبَ مَا يَجْتَنِبُ الْمُعْتَكِفُ مِنْ عِيَادَةِ

الْمَرِيضِ ـ وَالصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ وَدُخُولِ الْبَيْتِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ ـ

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ جب اعتکاف ہوتی تھیں تو بیمار پرسی کے لئے ٹھہرتی نہ تھیں. بلکہ چلتے چلتے پوچھتی تھیں۔

یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا، معتکف (ضروری حاجات کے سوا) کسی ضرورت سے باہر نہ نکلے، نہ کسی اور کام کے لئے باہر آئے اور کسی کی اعانت نہ کرے. سوائے اس کے کہ وہ اتفاقی حاجت کے لئے نکلے۔ اگر کسی کی حاجت کے لئے باہر نکلنا جائز ہوتا تو مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اس کے زیادہ حقدار تھے کہ ان کے لئے نکلے اور جنازے کے ساتھ جائے۔

مالکؒ نے فرمایا کہ معتکف اس وقت تک معتکف نہیں ہوسکتا. جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے، جن سے معتکف کو پرہیز کرنا چاہیے. یعنی مریض کی عیادت اور نماز جنازہ اور سوائے حاجتِ انسانی کے گھر کے اندر داخل ہونا۔

شرح: الباجی نے کہاہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین انسانی حاجت کے لئے اعتکاف گاہ سے جب نکلتی تھیں تو برسرِ راہ اگر کوئی مریض ہوتا تو چلتے چلتے بیمار پرسی فرما لیتی تھیں۔ مالکیہ اور حنفیہ کے نزدیک ان احادیث کی بنا پر مریض کی عیادت کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے اعتکاف گاہ سے باہر آنا جائز نہیں ہے. کیونکہ یہ فرائض نہیں ہیں ۔ ابوداؤد کی روایت میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل مروی ہے. جو حدیث زیرِ نظر میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہوا ہے ۔ اگر کوئی انسانی حاجت کے لئے باہر آئے اور چلتے چلتے مریض کو پوچھ لے یا نماز جنازہ تیار تھی اور وہ پڑھ لے، تو اس میں حرج نہیں، بشرطیکہ نماز کے فوراً بعد سیدھا واپس چلا جائے. امام ابو یوسفؒ نے کہاہے کہ بعض روایات میں جو نمازِ جنازہ اور عیادتِ مریض کی رخصت آئی ہے اس سے مراد نفلی اعتکاف ہے نہ کہ اعتکافِ رمضان. ظاہر ہے کہ نوافل میں جو گنجائش ہے وہ فرائض و واجبات اور سُنن موکدہ میں نہیں ہوتی. اگر کوئی شخص اعتکافِ رمضان نماز جمعہ کے لئے یا عیادت مریض کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے باہر نکلے گا تو اس کا اعتکاف باطل ہے. ضروری غسل اور وضو کے لئے باہر آنا جائز ہے۔

۷۸۵ ـ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الرَّجُلِ يَعْتَكِفُ. هَلْ يَدْخُلُ لِحَاجَتِهِ تَحْتَ سَقْفٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ. لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ ـ

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ. أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ الْاِعْتِكَافُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ يُجَمَّعُ فِيهِ. وَلَا أُرَاهُ كُرِهَ الْاِعْتِكَافُ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي لَا يُجَمَّعُ فِيهَا، إِلَّا كَرَاهِيَةَ أَنْ يَخْرُجَ الْمُعْتَكِفُ مِنْ مَسْجِدِهِ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيهِ، إِلَى الْجُمُعَةِ أَوْ يَدَعَهَا. فَإِنْ كَانَ مَسْجِدًا لَا يُجَمَّعُ فِيهِ الْجُمُعَةُ، وَلَا يَجِبُ عَلَى صَاحِبِهِ إِتْيَانُ الْجُمُعَةِ فِي مَسْجِدٍ سِوَاهُ، فَإِنِّي لَا أَرَى بَأْسًا بِالْاِعْتِكَافِ فِيهِ. لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ ـ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ـ فَعَمَّ اللّٰهُ الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا وَلَمْ يَخُصَّ شَيْئًا مِنْهَا ـ

قَالَ مَالِكٌ: فَمِنْ هُنَالِكَ جَازَ لَهُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي لَا يُجَمَّعُ فِيهَا الْجُمُعَةُ. إِذَا كَانَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهُ إِلَى الْمَسْجِدِ الَّذِي تُجَمَّعُ فِيهِ الْجُمُعَةُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَبِيتُ الْمُعْتَكِفُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ خِبَاؤُهُ فِي رَحَبَةٍ مِنْ رِحَابِ الْمَسْجِدِ.

وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ الْمُعْتَكِفَ يَضْرِبُ بِنَاءً يَبِيتُ فِيهِ - إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ - أَوْ فِي رَحَبَةٍ مِنْ رِحَابِ الْمَسْجِدِ.

وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَبِيتُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ، قَوْلُ عَائِشَةَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ.

وَلَا يَعْتَكِفُ فَوْقَ ظَهْرِ الْمَسْجِدِ. وَلَا فِي الْمَنَارِ - يَعْنِي الصَّوْمَعَةَ.

وَقَالَ مَالِكٌ، يَدْخُلُ الْمُعْتَكِفُ الْمَكَانَ الَّذِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا. حَتَّى يَسْتَقْبِلَ بِاعْتِكَافِهِ أَوَّلَ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا. وَالْمُعْتَكِفُ مُشْتَغِلٌ بِاعْتِكَافِهِ - لَا يَعْرِضُ لِغَيْرِهِ مِمَّا يُشْتَغَلُ بِهِ مِنَ التِّجَارَاتِ، أَوْ غَيْرِهَا وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْمُرَ الْمُعْتَكِفُ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ بِضَيْعَتِهِ، وَمَصْلَحَةِ أَهْلِهِ، وَأَنْ يَأْمُرَ بِبَيْعِ مَالِهِ. أَوْ بِشَيْءٍ لَا يَشْغَلُهُ فِي نَفْسِهِ، فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ إِذَا كَانَ خَفِيفًا، أَنْ يَأْمُرَ بِذَلِكَ مَنْ يَكْفِيهِ إِيَّاهُ.

قَالَ مَالِكٌ، لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَذْكُرُ فِي الْاعْتِكَافِ شَرْطًا، وَإِنَّمَا الْاعْتِكَافُ عَمَلٌ مِنَ الْأَعْمَالِ. مِثْلُ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ. وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ مِنَ الْأَعْمَالِ. مَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ فَرِيضَةً أَوْ نَافِلَةً. فَمَنْ دَخَلَ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ فَإِنَّمَا يَعْمَلُ بِمَا مَضَى مِنَ السُّنَّةِ. وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُحْدِثَ فِي ذَلِكَ غَيْرَ مَا مَضَى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ. لَا مِنْ شَرْطٍ يَشْتَرِطُهُ وَلَا يَبْتَدِعُهُ. وَقَدِ اعْتَكَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَعَرَفَ الْمُسْلِمُونَ سُنَّةَ الْاعْتِكَافِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالِاعْتِكَافُ وَالْجِوَارُ سَوَاءٌ. وَالِاعْتِكَافُ لِلْقَرَوِيِّ وَالْبَدَوِيِّ سَوَاءٌ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے ابن شہاب زہریؒ سے اعتکاف والے شخص کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ اپنی حاجت رفع کرنے کے لئے
چھت کے نیچے داخل ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ (امام محمد نے بھی اپنے موطا میں روایت کیا ہے
اور اس کی تائید کی ہے۔ لوگ پہلے بول و براز کے لئے جنگل اور صحرا میں جاتے تھے۔ پھر گھروں میں انتظام ہوگیا۔ تو رفع حاجت
گھر میں کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسانی حاجت کے لئے گھر میں تشریف لے جاتے تھے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک ثابت شدہ امر جس میں کوئی اختلاف نہیں یہ ہے کہ جامع مسجد میں اعتکاف مکروہ
نہیں ہے اور امام مالکؒ نے جامع کے علاوہ دوسری مسجدوں میں اعتکاف کو صرف اس لئے ناپسند کیا کہ یا تو معتکف کو جمعہ کے لئے
وہاں سے باہر جانا پڑے گا اور یا جمعہ چھوڑنا پڑے گا۔ اگر کوئی ایسی مسجد ہو، جس میں جمعہ نہیں ہوتا اور وہاں اعتکاف کرنے والے کو
کسی اور مسجد میں جمعہ کے لئے نہ جانا پڑے (یعنی وہ معذور ہو، اس پر جمعہ فرض نہ ہو یا اس کا اعتکاف جمعہ سے قبل ختم ہوتا ہو) تو
اس میں اعتکاف کرتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے "اور تم مسجدوں میں معتکف ہو"۔ پس اللہ تعالیٰ نے
تمام مسجدوں کو اس معاملہ میں عام رکھا ہے۔ اور کسی کی تخصیص نہیں کی۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس وجہ سے اس کے لئے ان مساجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے جن میں جمعہ نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ اس کے
جمعہ پڑھنے کے لئے کسی جامع مسجد میں جانا واجب نہ ہو۔ (مثلاً وہ معذور ہو یا عورت ہو، جو کہ اپنی گھریلو مساجد میں اعتکاف کر
سکتی ہے۔ اور اس پر جمعہ فرض نہیں۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ معتکف صرف اس مسجد میں رات گزارے جس میں اس نے اعتکاف کیا ہو مگر یہ کہ وہ کوئی خیمہ ہو جو مسجد کے
صحن میں لگا ہوا ہو۔ (اس حالت میں وہ مسجد کے اندر ہی ہوتا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں سنا (یعنی اہل علم سے) کہ معتکف کوئی عمارت کھڑی کرے مگر وہ مسجد کے اندر ہی رہے یا مسجد کے
صحن کے اندر ہی رہے، اور اس بات کی دلیل کہ وہ مسجد کے اندر ہی رہے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
اعتکاف کرتے تھے تو انسانی ضرورت کے سوا گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ (اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے کہ معتکف صرف مسجد کے
اندر ہی رہ سکتا ہے اور باہر رات نہیں گزار سکتا۔ ورنہ اس کا اعتکاف باطل ہے۔ لیکن اگر امام مالکؒ کا مطلب یہ ہے کہ معتکف نے جس
مسجد میں اعتکاف شروع کیا تھا، صرف وہیں رہ سکتا ہے تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک اگر کسی شخص نے محلہ کی
مسجد میں اعتکاف شروع کیا ہو تو پھر وہ جامع مسجد میں منتقل ہوسکتا ہے۔ تاکہ وہاں اعتکاف کے علاوہ جمعہ بھی ادا کر سکے۔ مگر اس میں
کراہت ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ کوئی شخص مسجد کی چھت پر اعتکاف نہیں کرسکتا اور نہ منارہ میں یعنی صومعہ میں۔ (حنفیہ کے نزدیک اگر منارہ
کا دروازہ مسجد کے اندر ہے تو اس کے اوپر جاکر معتکف اذان دے۔ اگر دروازہ مسجد کے باہر ہے تو اس پر نہ چڑھے۔)

اور مالکؒ نے کہا کہ معتکف جس جگہ اعتکاف کا ارادہ رکھتا ہو۔ وہاں رات کو غروب آفتاب سے پہلے داخل ہو جائے۔ تاکہ وہ
رات اعتکاف میں شامل ہو جائے۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے اور یہ مسئلہ استحبابی ہے۔)

مالک نے کہا کہ معتکف اپنے اعتکاف میں مشغول ہے (یعنی سارا وقت اسی میں لگائے) اور اس کے سوا کسی اور کام میں مثلاً تجارت
وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی جائیداد یا زمین کے متعلق کوئی حکم دے دے یا اپنے گھر کی کوئی مصلحت

تجارت ہو یا اپنے مال کی بیع کا حکم دے دے یا کوئی اور کام جو خود ذاتی طور پر اس کو مشغول نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ معاملہ کوئی ہلکی قسم کا ہو۔ مثلاً کسی اور کو حکم دے دے جو اس کی طرف سے وہ کام سرانجام دے دے۔ (یعنی تجارت و خرید و فروخت کی چیزیں مسجد میں نہ لائی جائیں۔ اور وہاں پر کاروبار نہ کیا جائے۔ اتفاقاً اگر کسی ضروری امر کا حکم دے دے تو حرج نہیں۔)

مالکؒ نے کہا کہ میں نے اہل علم میں سے کسی کو اعتکاف میں کسی شرط کا ذکر کرتے نہیں سنا۔ کیونکہ اعتکاف بھی اعمال میں سے ایک عمل ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور حج اور اسی طرح کے دیگر اعمال خواہ فرض ہوں یا نفل۔ پس جو شخص ان میں سے کسی عمل میں داخل ہو تو وہ اسے اس طرح ادا کرے جس طرح کہ سنت میں ثابت ہے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ اہل اسلام کے طریقے کے خلاف کچھ ایجاد کرے۔ نہ کوئی شرط لگائے اور نہ کوئی بدعت نکالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف فرمایا تھا اور مسلمانوں نے آپ سے طریقہ جان لیا تھا۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اعتکاف اور جوار برابر ہے۔ اعتکاف شہری کے لئے اور بدوی کے لئے برابر ہے۔

بَابُ مَا لَا يَجُوزُ الْاِعْتِكَافُ اِلَّا بِهِ

جس چیز کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا

۷۴۶ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ، وَنَافِعًا مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَا: لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصِيَامٍ. بِقَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ. وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ. فَإِنَّمَا ذَكَرَ اللهُ الْاِعْتِكَافَ مَعَ الصِّيَامِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَعَلَى ذٰلِكَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا. أَنَّهُ لَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصِيَامٍ.

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ القاسم بن محمد اور نافع مولائے ابن عمرؓ نے کہا، اعتکاف روزے کے بغیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے، اور کھاؤ پیو جب تک کہ تم پر فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے واضح نہ ہو جائے۔ پھر روزے کو رات تک تمام کرو اور عورتوں سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اعتکاف روزے ساتھ ہی بیان فرمایا ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس پر عمل ہے کہ روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں۔

شرح: اگر اس اعتکاف سے مراد رمضان کا اعتکاف ہے تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اس میں روزہ شرط ہے لیکن اگر اعتکاف صرف مستحب ہو تو اس کے لئے حنفیہ کے نزدیک روزہ شرط نہیں۔ بلکہ وہ روزے کے بغیر ہو سکتا ہے۔ نذر کا اعتکاف اور واجب اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا۔ رمضان کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اور یہ اگر کسی مرض یا عذر کے بغیر کیا جائے تو نفل ہوگا۔ اعتکافِ مسنون ادا نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ کے قولِ جدید میں اگر اعتکاف روزے کے بغیر ہو یعنی کسی مرض یا عذر کے باعث، تو وہ اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا۔

۳۔ بَابُ خُرُوجِ الْمُعْتَكِفِ لِلْعِيدِ

معتکف کا عید کی طرف نکلنا

یحییٰ اندلسی راوی مؤطا نے پہلے مؤطا اپنے ملک میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے پڑھا تھا اور پھر امام کی خدمت میں حاضر ہو کر براہ راست ان سے پڑھا تھا۔ مگر یہاں سے لے کر آخر کتاب الاعتکاف تک اس کا امام مالکؒ سے سماع نہیں ہوا یا اس میں اشتباہ ہے کہ سماع ہوا یا نہیں۔ لہٰذا اتنے حصے کی روایت زیاد بن عبدالرحمٰن سے کی ہے۔

۷۴۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ زِيَادِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اعْتَكَفَ۔ فَكَانَ يَذْهَبُ لِحَاجَتِهِ تَحْتَ سَقِيفَةٍ فِي حُجْرَةٍ مُغْلَقَةٍ۔ فِي دَارِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ۔ ثُمَّ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَشْهَدَ الْعِيدَ مَعَ الْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن (ابن الحارث بن ہشام) نے اعتکاف کیا۔ پس وہ اپنی حاجت کے لئے ایک چھپر کے نیچے جاتے جو خالد بن ولید کے گھر میں ایک بند حجرے میں تھا۔ پھر وہ واپس نہ آتے، حتیٰ کہ مسلمانوں کے ساتھ عید میں حاضر ہوتے تھے۔

شرح: اثر کے ظاہری الفاظ سے کچھ غلط فہمی ہوتی ہے۔ مطلب راوی کا دراصل یہ ہے کہ رفع حاجت کے لئے وہ اعتکاف گاہ کی قریبی جگہ کو استعمال کرتے تھے۔ اور اپنا گھر دور ہونے کے باعث وہاں نہ جاتے تھے اور رفع حاجت کے بعد واپس اپنے معتکف میں آ جاتے تھے۔ پھر جب عید کا ہلال نمودار ہوتا تو بھی اعتکاف گاہ میں رہتے اور صبح نماز عید کے لئے وہیں سے سیدھے جاتے تھے۔ اسی اثر کی بنا پر مالکیہ میں اختلاف ہو گیا کہ عید الفطر کی رات اعتکاف میں شامل ہے یا نہیں۔ دیگر ائمہ کے نزدیک شامل نہیں۔

۷۴۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ زِيَادٍ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ رَأٰى بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ، إِذَا اعْتَكَفُوا الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، لَا يَرْجِعُونَ إِلٰى أَهَالِيهِمْ، حَتّٰى يَشْهَدُوا الْفِطْرَ مَعَ النَّاسِ۔

قَالَ زِيَادٌ، قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي ذٰلِكَ عَنْ أَهْلِ الْفَضْلِ الَّذِينَ مَضَوْا۔ وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

ترجمہ: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے بعض اہل علم کو دیکھا کہ جب وہ رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں رہتے تو اپنے گھروں کو واپس نہ آتے تھے، جب تک کہ مسلمانوں کے ساتھ عید الفطر میں حاضر نہ ہو جائیں۔

مالکؒ نے فرمایا کہ یہ خبر مجھے گزشتہ اہل علم و فضل کے بارے میں بھی پہنچی ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں میں نے جو کچھ سنا ہے اس میں سے یہ چیز مجھے محبوب تر ہے۔

شرح: مالکیہ کی عبارات اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ واجب ہے اور بعض کے نزدیک مستحب۔ سحنون اور ابن الماجشون کے نزدیک واجب ہے اور قاضی ابن رشد نے اسے مستحب لکھا ہے۔ امام احمدؒ اور اکثر مالکیہ کے نزدیک مستحب ہے۔

امام ابوحنیفہ اور شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ عید الفطر کی رات اعتکاف میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ رمضان گزر چکا تو اس کا اعتکاف بھی تمام ہوگیا۔ حدیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ حضورؐ جب درمیانی عشرے کا اعتکاف فرماتے تو بیسویں کا دن ختم ہو جانے یعنی اکیسویں کی رات شروع ہو جانے پر گھر سے جاتے تھے۔ یہ بخاری کی روایت ہے۔ امام لیثؒ، زہریؒ، اور اوزاعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۴۔ بَابُ قَضَاءِ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کو قضاء کرنے کا باب

حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نفلی اعتکاف شروع کیا ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک اس کا اتمام واجب ہے اور اگر اسے توڑ ڈالے تو قضا واجب آتی ہے۔ بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو اعتکاف کر لینے سے ہی وہ واجب ہو جاتا ہے۔ دلیل اس مسئلہ کی وہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا اور دیکھا کہ ازواجؓ نے بھی اعتکاف کے لئے خیمے لگائے ہیں تو ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے ان کے خیمے اکھڑوا دیئے (کیونکہ ان میں کچھ رشک و رقابت کے جذبات کا شائبہ نظر آتا تھا) اور اپنا اعتکاف ترک کر دیا۔ جسے بعد میں ماہ شوال میں قضا فرمایا۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ جہاں تک محض نفلی اعتکاف کا تعلق ہے حنفیہ کے نزدیک چونکہ نفل کی ابتدا کر دینے سے وہ واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کو فسخ کر دینے سے قضا لازم آئے گی۔ پیچھے ہم وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کی بحث میں اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

۶۴۹۔ حَدَّثَنِیْ زِیَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِیْ اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ فِيْهِ۔ وَجَدَ اَخْبِيَةً: خِبَاءَ عَائِشَةَ۔ وَخِبَاءَ حَفْصَةَ۔ وَخِبَاءَ زَيْنَبَ۔ فَلَمَّا رَآهَا، سَأَلَ عَنْهَا۔ فَقِيْلَ لَهُ: هٰذَا خِبَاءُ عَائِشَةَ، وَحَفْصَةَ، وَزَيْنَبَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْبِرَّ تَقُوْلُوْنَ بِهِنَّ؟ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَعْتَكِفْ۔ حَتّٰى اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ لِعُكُوْفٍ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ فَاَقَامَ يَوْمًا اَوْ يَوْمَيْنِ۔ ثُمَّ مَرِضَ۔ فَخَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ اَيَجِبُ عَلَيْهِ اَنْ يَّعْتَكِفَ مَا بَقِیَ مِنَ الْعَشْرِ، اِذَا صَحَّ۔ اَمْ لَا يَجِبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ وَفِیْ اَیِّ شَهْرٍ يَعْتَكِفُ اِنْ وَجَبَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: يَقْضِیْ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ عُكُوْفٍ۔ اِذَا صَحَّ فِیْ رَمَضَانَ اَوْ غَيْرِهٖ۔ وَقَدْ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ الْعُكُوْفَ فِیْ رَمَضَانَ۔ ثُمَّ رَجَعَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ۔ حَتّٰى اِذَا ذَهَبَ رَمَضَانُ اعْتَكَفَ

عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ۔

وَالْمُتَطَوِّعُ فِي الْاِعْتِكَافِ فِي رَمَضَانَ، وَالَّذِي عَلَيْهِ الْاِعْتِكَافُ، اَمْرُهُمَا وَاحِدٌ۔ فِيْمَا يَحِلُّ لَهُمَا، وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمَا۔ وَلَمْ يَبْلُغْنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اعْتِكَافُهُ اِلَّا تَطَوُّعًا۔

قَالَ مَالِكٌ، فِي الْمَرْاَةِ: اِنَّهَا اِذَا اعْتَكَفَتْ، ثُمَّ حَاضَتْ فِي اعْتِكَافِهَا، اِنَّهَا تَرْجِعُ اِلٰى بَيْتِهَا۔ فَاِذَا طَهُرَتْ رَجَعَتْ اِلَى الْمَسْجِدِ۔ اَيَّةَ سَاعَةٍ طَهُرَتْ۔ ثُمَّ تَبْنِي عَلٰى مَا مَضٰى مِنِ اعْتِكَافِهَا۔ وَمِثْلُ ذٰلِكَ، الْمَرْاَةُ يَجِبُ عَلَيْهَا صِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ۔ فَتَحِيْضُ، ثُمَّ تَطْهُرُ۔ فَتَبْنِي عَلٰى مَا مَضٰى مِنْ صِيَامِهَا۔ وَلَا تُؤَخِّرُ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا۔ جب آپ اس جگہ کی طرف تشریف لے گئے جہاں اعتکاف کا ارادہ کیا تھا تو کئی خیمے پائے۔ عائشہ کا خیمہ، حفصہؓ کا خیمہ اور زینبؓ کا خیمہ۔ پس جب آپؐ نے انہیں دیکھا تو ان کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ عائشہؓ اور حفصہؓ اور زینبؓ کے خیمے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم یہ کہتے ہو کہ یہ خواتین نیکی چاہتی ہیں؟ پھر واپس تشریف لے گئے اور اعتکاف نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ شوال کے دس دن کا اعتکاف کیا۔

امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور ایک یا دو تین دن مقیم رہا۔ پھر بیمار ہو گیا تو مسجد سے باہر نکل گیا تو کیا اس پر واجب ہے کہ عشرے کے بقیہ حصے کا اعتکاف کرے جبکہ وہ تندرست ہو جائے۔ یا یہ اس پر واجب نہیں ہے؟ اور اگر یہ اس پر واجب ہے تو کون سے مہینے میں اعتکاف کرے؟ پس مالکؒ نے کہا کہ جتنا اعتکاف اس پر واجب ہے تندرست ہونے کے بعد رمضان یا غیر رمضان وہ قضا کرے۔ (حنفیہ کے نزدیک جب واجب اعتکاف فاسد ہو جائے تو اس پر روزے سمیت قضا واجب ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اعتکاف کا ارادہ فرمایا۔ پھر واپس ہو گئے اور اعتکاف نہ کیا۔ حتیٰ کہ جب رمضان گزر گیا تو آپؐ نے شوال کے دس دنوں میں اعتکاف کیا۔ (اس پر اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام مالکؒ کی بلاغیات متصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ اوپر یہ متصل حدیث گزری ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ نفلی اعتکاف والا اور واجب اعتکاف والا اس مسئلہ میں برابر ہیں کہ ان پر کیا کیا حلال ہے اور کیا کیا حرام ہے۔ اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف نفلی ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک اعتکاف واجب اور اعتکاف سنتِ مؤکدہ کی قضا لازم ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ عورت اگر اعتکاف میں تھی اور اسے حیض آ گیا تو وہ اعتکاف سے باہر نکل جائے اور جب وہ پاک ہو جائے تو مسجد میں واپس چلی جائے۔ خواہ کسی وقت طاہر ہو اور اس میں تاخیر نہ کرے۔ پھر وہ اپنے پہلے اعتکاف پر بنا کرے۔ امام مالکؒ نے فرمایا اسی طرح جس عورت پر دو ماہ کے مسلسل روزے واجب تھے اور اسے اس دوران میں حیض آ گیا۔ پھر وہ پاک ہو گئی تو

اپنے گزشتہ صیام پر بنا کرے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔ (پیچھے گزر چکا ہے کہ مسجد سے مراد گھر کی حد ہے یعنی حنفیہ کے نزدیک۔)

(اس حدیث سے پتہ چلا کہ معتکف کو مسجد میں اپنے اعتکاف کے لئے ایک جگہ مخصوص کرنی چاہئے۔ گو وہ اس سے نکل کر بعد میں ادھر اُدھر بھی جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضورؐ امامت صلوٰۃ کے لئے اپنے مُعتکف سے تشریف لے جاتے تھے۔ یہ حدیث بخاری میں متصل مروی ہوئی ہے اور عمرہ کی روایت حضرت عائشہؓ سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ازواجؓ کا تنافس دیکھا تو اعتکاف ہی ترک فرما دیا لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ عورت مسجد میں معتکف ہو سکتی ہے۔ حضورؐ کی صریح حدیث ہے کہ لَا تَمْنَعُوا النِّسَاءَ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔ عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو مگر ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔

اس حدیث میں تین ازواج مطہرات کا نام آیا ہے لیکن نسائی کی روایت میں چار خیموں کا ذکر ہے مسلم ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنا قُبّہ لگوایا تو دیگر ازواجؓ نے بھی لگوا لئے۔ چونکہ ایک تنافس کا احساس تھا اور رشک کی فضا پیدا ہو گئی تھی اور اس سے بعض مفاسد کا اندیشہ تھا لہٰذا حضورؐ نے اس پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ اگر دیگر ازواجؓ مسجد میں اپنا اپنا خیمہ لگوا لیتیں تو ظاہر ہے کہ یہ اچھا نہ ہوتا۔

اس حدیث میں اعتکاف کی قضا کا ثبوت ہے اور یہ قضا آپؐ نے شوال کے آخر میں فرمائی۔ آخری عشرے کا لفظ جو سنن ابی داؤد میں ہے اس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ آپ نے ۲۰ اور ۲۱ کی درمیانی رات سے اعتکاف شروع کیا تھا۔)

۶۵۰۔ وَحَدَّثَنِیْ زِیَادٌ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَذْهَبُ لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ فِي الْبُيُوْتِ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ مَعَ جَنَازَةِ اَبَوَيْهِ، وَلَا مَعَ غَيْرِهَا۔

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے تو رفع حاجتِ انسانی کے لئے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ (یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں اسے امام مالکؒ بطورِ دلیل حوالہ کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ مُعتکف اپنے والدین یا کسی اور کے جنازے کے لئے بھی نہ نکلے۔ (یعنی جب وہ ان کے جنازے میں نکلے گا تو حق کی ادائیگی تو ضرور ہوگی مگر اعتکاف باطل ہو جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔)

۵۔ بَابُ النِّكَاحِ فِي الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف میں نکاح کا باب

۶۵۱۔ قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِنِكَاحِ الْمُعْتَكِفِ نِكَاحَ الْمِلْكِ۔ مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيْسُ۔ وَالْمَرْاَةُ الْمُعْتَكِفَةُ اَيْضًا تُنْكَحُ نِكَاحَ الْخِطْبَةِ۔ مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيْسُ۔ وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ مِنْ اَهْلِهِ بِاللَّيْلِ، مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنْهُنَّ بِالنَّهَارِ۔

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ زِيَادٌ، قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يَمَسَّ امْرَاَتَهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ۔ وَلَا

يَتَلَذَّذُ مِنْهَا بِقُبْلَةٍ وَلَا غَيْرِهَا. وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَكْرَهُ لِلْمُعْتَكِفِ وَلَا لِلْمُعْتَكِفَةِ أَنْ يَنْكِحَا فِي اعْتِكَافِهِمَا. مَا لَمْ يَكُنِ الْمَسِيسُ. فَيُكْرَهُ. وَلَا يُكْرَهُ لِلصَّائِمِ أَنْ يَنْكِحَ فِي صِيَامِهِ. وَفُرِّقَ بَيْنَ نِكَاحِ الْمُعْتَكِفِ، وَنِكَاحِ الْمُحْرِمِ. أَنَّ الْمُحْرِمَ يَأْكُلُ، وَيَشْرَبُ، وَيَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ، وَلَا يَتَطَيَّبُ. وَالْمُعْتَكِفُ وَالْمُعْتَكِفَةُ، يَدَّهِنَانِ، وَيَتَطَيَّبَانِ، وَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ شَعَرِهِ، وَلَا يَشْهَدَانِ الْجَنَائِزَ، وَلَا يُصَلِّيَانِ عَلَيْهَا. وَلَا يَعُودَانِ الْمَرِيضَ. فَأَمْرُهُمَا فِي النِّكَاحِ مُخْتَلِفٌ. وَذَلِكَ، الْمَاضِي مِنَ السُّنَّةِ. فِي نِكَاحِ الْمُحْرِمِ وَالْمُعْتَكِفِ وَالصَّائِمِ

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ اعتکاف میں معتکف کا عقد نکاح جائز ہے مگر عورت کو چھو نہیں سکتا۔ اور معتکف عورت بھی نکاح کر سکتی ہے (کیونکہ اس کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا ضروری ہے) مگر مرد اسے چھو نہیں سکتا۔ مالکؒ نے کہا کہ معتکف کے لئے بیوی سے جو کچھ دن کو حرام ہے وہ رات کو بھی حرام ہے۔ (یعنی جماع اور مس وغیرہ جب شہوت سے ہو۔

امام مالکؒ نے کہا کہ معتکف مرد کے لئے اپنی عورت سے کوئی لذت حاصل کرنا اور بوسہ وغیرہ ناجائز ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں نے کسی اہل علم سے یہ نہیں سنا کہ معتکف مرد یا عورت کا نکاح جائز نہیں۔ بشرطیکہ زوجین ایک دوسرے سے مقاربت نہ کریں۔ اور روزہ دار کے لئے روزہ کی حالت میں نکاح مکروہ نہیں۔ اور معتکف اور محرم (احرام والے) کے نکاح میں یہ فرق ہے کہ محرم کھا پی سکتا ہے۔ مریض کی عیادت کر سکتا ہے اور جنازوں میں حاضر ہو سکتا ہے اور خوشبو نہیں لگا سکتا۔ اور اعتکاف والا مرد اور عورت تیل کا استعمال کر سکتے ہیں۔ خوشبو لگا سکتے ہیں۔ اور بال قطع کر سکتے ہیں۔ مگر جنازوں میں حاضر نہیں ہو سکتے نہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ بیمار پرسی کے لئے جا سکتے ہیں پس نکاح میں ان کا معاملہ مختلف ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ یہ فرق سنت کی بنا پر ہے۔ جو محرم اور معتکف اور روزہ دار کے نکاح میں ہے۔

(محرم کے نکاح کا مسئلہ آگے آئے گا حنفیہؒ کے نزدیک بروئے حدیث نکاح میمونہ اُمّ المؤمنین محرم کا نکاح جائز ہے۔ مگر ملاقات جائز نہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹- کِتَابُ الزَّکوٰۃِ

زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ بڑھنا ہے اور یہ لفظ پاک کرنے معنی میں بھی آتا ہے۔ بڑھنے کا معنی زکوٰۃ میں دو طرح سے پایا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اجروثواب زیادہ ہوتا ہے اور اموالِ تجارت وزراعت وغیرہا جو بڑھتے رہتے ہیں، زکوٰۃ ان سے نکال لی جاتی ہے۔ پاک کرنے کا معنی اس میں یوں پایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ انسانی نفوس کو بُخل جیسے بُرے خلق سے پاک کرتی ہے۔ زکوٰۃ کے اور بھی کئی نام ہیں۔ مثلاً صدقہ، حق، نفقہ، العفو۔ لیکن دو نام زیادہ مشہور ہیں۔ زکوٰۃ اور صدقہ۔ پھر استعمال کے عرف میں زکوٰۃ کا لفظ فرض کے لیئے اور صدقہ کا لفظ نفل کے لئے خاص ہو چکا ہے۔ شرعی معنی زکوٰۃ کے اعتبار سے جب کوئی مال نصاب تک پہنچ جائے تو اس کا ایک حصہ مسلم محتاج کو جو ہاشمی نہ ہو، دے دینا اور اس مال سے رضائے الٰہی کی خاطر اپنی ہر قسم کی منفعت کو قطع کر لینا۔ زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ پس زکوٰۃ اس معنیٰ مصدری کا نام بھی ہے اور اس حصے کا بھی جسے لوجہ اللہ تعالیٰ اپنے مال سے الگ کیا جائے۔
زکوٰۃ انبیا علیہم السلام پر اجماعًا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ طاہر و معصوم ہیں۔ جب کہ زکوٰۃ طہارتِ نفس کی خاطر فرض کی گئی ہے عیسیٰ علیہ السلام کے قول وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا میں زکوٰۃ سے مراد صدقہ ہے، یا حکم زکوٰۃ کی تبلیغ۔ مالکی فقہ میں کتاب الصاوی میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے قبضے میں جو کچھ ہوتا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی امانت تھی۔ لہٰذا اس میں زکوٰۃ فرض نہیں اور یہی سبب ان کی میراث تقسیم نہ ہونے کا بھی ہے اور انبیا کے پاس کبھی کبھی اتنا مال ہی جمع نہیں ہوتا کہ اس پر زکوٰۃ آسکے۔ مقصدِ زکوٰۃ تہذیبِ نفس انسانی ہے تاکہ اسے بُخل و امساک اور لالچ اور حرص سے بچایا جائے، جو رذائل اخلاق ہیں۔ اور اس سے معاشرہ کے نادار اور مستحق افراد کی حاجت روائی بھی مدِ نظر ہے تاکہ بنیادی ضروریات سب کی پوری ہو جائیں۔ زکوٰۃ کی اجمالی فرضیت مکہ میں ہو چکی تھی اور اس کے نصاب اور اموالِ زکوٰۃ اور مصارف کی تفاصیل بعد از ہجرت دوسرے سال کے اواخر میں نازل ہوئیں۔

۱- بَابُ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ

اموال زکوٰۃ کا باب

۴۵۲- حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ یَحْیَی الْمَازِنِیِّ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ۔ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ صَدَقَةٌ۔ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ۔"

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اوقیہ سے

سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں۔ (ابو سعید کی یہ حدیث مؤطا امام محمدؒ میں مروی ہے اور بعینہٖ اسی سند کے ساتھ ابھی آگے آیا چاہتی ہے۔م)

شرح: یہی حدیث ابوہریرہؓ اور جابرؓ سے مسلم نے اور عمرو بن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، ابورافعؓ اور محمد بن جحشؓ سے دارقطنی نے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ اونٹ کی زکوٰۃ متفق علیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں لہٰذا صدقہ سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر بھی مستعمل ہیں۔ اور صدقہ نافلہ کی نفی کا کوئی معنی نہیں۔ لہٰذا یہاں زکوٰۃ ہی متعین ہے۔ اونٹ کی زکوٰۃ کا کم از کم نصاب پانچ اونٹ ہونا بھی متعین اور متفق علیہ ہے۔ اوقیہ سے مراد چاندی کی مقدار ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آتا ہے۔ اوقیہ کی مقدار بالاتفاق چالیس درہم چاندی ہے۔ چاندی کے وزن سبعہ میں بھی اختلاف نہیں۔ یہی وزن بالعموم اسلامی ٹکسال قائم ہونے سے پہلے زمانہ اسلام اور دورِ جاہلیت میں بھی رائج تھا یعنی دس درہم مساوی ہوتے تھے سات مثقال کے۔ اسلامی دَور میں سب سے پہلے یہی وزن ٹکسالی عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ڈھالا گیا اور اس کے مطابق سکّے ڈھالے گئے۔ پس بالاتفاق دو سو درہم چاندی مساوی ہوئی ایک سو چالیس مثقال کے اور وسق سے مراد ساٹھ صاع ہے جسے ابوداؤد نے ساٹھ مختوم کہا ہے۔

پانچ وسق سے کم میں جو فرمایا کہ صدقہ نہیں، اس صدقہ سے مراد جمہور کے نزدیک عُشر ہے۔ پس غلّے اور پھل کا نصاب شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، ابویوسفؒ، محمد بن الحسنؒ اور داؤدؒ ظاہری کے نزدیک پانچ وسق ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلی دو چیزوں کی مانند یہاں بھی صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے اور نفی زکوٰۃ تجارت کی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ غلّہ اور پھل جب تجارت کے لئے ہو تو اس کا نصاب زکوٰۃ بیان کیا گیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ، ابراہیم نخعیؒ اور مجاہدؒ کا قول بھی اس مسئلہ میں ابوحنیفہؒ کے مطابق ہے اور امام زفرؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اِن حضرات کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں لفظ زکوٰۃ کی روایت بھی ہوئی ہے۔ یعنی لَیْسَ فِیْ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ زَکٰوۃٌ۔ اور عُشر کا مسئلہ ان حضرات کے نزدیک دوسرا ہے۔ ان کے نزدیک زمین میں سے جو کچھ حاصل ہو۔ اس میں سے عُشر یا نصف عُشر ہے حسب تفصیل۔

مولانا نواب قطب الدین دہلوی نے فرمایا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع آٹھ رطل کا اور رطل آدھ سیر کا۔ اس حساب سے پانچ وسق کے تیس من ہوئے۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ اموال تجارت کی زکوٰۃ کا حساب ہے۔ جہاں تک عشر کا سوال ہے، اس کی دلیل یہ حدیث نہیں بلکہ دوسری بہت سی احادیث و آثار ہیں۔ صاحبین اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں اور ان کے نزدیک یہاں لفظِ صدقہ سے مراد عشر ہے۔ پس پھل کی اتنی مقدار میں عشر واجب ہوا اس سے کم میں نہیں۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر میں قلیل و کثیر کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

دو سو درہم چاندی میں چھ سو تیس ماشے ہوتے ہیں، یعنی ساڑھے باون تولے۔ اس کو آج کل کے وزن کے حساب میں تبدیل کیا جانا چاہیے اور پھر سکہ رائج الوقت سے اس کی قیمت لگائی جائے۔

۶۵۳- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ الْاَنْصَارِیِّ، ثُمَّ الْمَازِنِیِّ، عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ۔ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقِیَّ مِنَ الْوَرِقِ

صَدَقَةٌ، وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ "

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھجور کے پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں نہیں اور چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں اور پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں۔ (یہ حدیث اس سند سے موطائے امام محمدؒ میں آئی ہے۔ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ میں۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی حدیث کو اختیار کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا مختار بھی یہی ہے سوائے جزء کے، اور ان کا قول یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کم ہو یا زیادہ، اس میں عشر واجب ہے بشرطیکہ بارانی ہو یا بارانی چشمے یا نالے وغیرہ سے سیراب ہو۔ اگر وہ چاہی یا نہری ہو تو اس میں نصف عشر ہے۔ اور یہی ابراہیم نخعیؒ اور مجاہدؒ کا قول ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی سائل نے کھجور کا نصاب پوچھا تھا جس کے جواب میں حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا اور اس میں کھجور کا نام لیا۔ پس دوسرے پھلوں اور غلّوں وغیرہ کی زکوٰۃ یعنی عُشر جو آثار اور اجماع کی دلیل سے ثابت ہے یہ حدیث اس سے مانع نہیں ہے۔ جمہور کے نزدیک دوسو درہم سے زائد چاندی اور بیس مثقال (دینار) سے زائدؔ پر زکوٰۃ اسی حساب سے فرض ہے یعنی کل مقدار کا ۱/۴۰۔ اور اس مضمون کی دلیل حضرت علیؓ کی ایک حدیثِ مرفوع ہے فَمَا زَادَ فَبِحِسَابِ ذَالِكَ۔ دارقطنی نے یہ حدیث مرفوع بیان کی ہے اور ابو داؤد نے موقوف۔ مگر صحابہ کا اس میں اختلاف نہیں۔ لہٰذا مسئلہ اجماعی ہو گیا مگر سعید بن المسیّب، عطاء، طاؤس، الحسن، شعبی، مکحول، زہری، عمرو بن دینار اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ دوسو درہم پر جب تک چالیس درہم زائد نہ ہوں گے۔ اس زائد میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اسی طرح بیس دینار پر جب چار دینار کا اضافہ ہوگا تو اس اضافہ میں زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ اور ان حضرات کی دلیل معاذؓ کی حدیثِ مرفوع ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے۔

۴۶۵- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَتَبَ إِلَى عَامِلِهِ عَلَى دِمَشْقَ فِي الصَّدَقَةِ: إِنَّمَا الصَّدَقَةُ فِي الْحَرْثِ وَالْعَيْنِ وَالْمَاشِيَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا تَكُونُ الصَّدَقَةُ إِلَّا فِي ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ: فِي الْحَرْثِ، وَالْعَيْنِ وَالْمَاشِيَةِ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے دمشق کے حکام کو لکھوایا تھا کہ زکوٰۃ صرف نقدی (سونے چاندی) اور کھیتی اور چرنے والے جانوروں پر ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ صدقہ (زکوٰۃ) صرف ان تین چیزوں پر واجب ہے کھیتی، سونا چاندی اور مواشی۔

شرح: حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اس مسئلہ کے اجمال میں کوئی اختلاف نہیں مگر تفصیل میں بعض اختلافات بھی ہیں۔ مسوّٰی میں حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ اموال کا صدقہ (زکوٰۃ) تین اقسام پر ہے۔ اور تجارت کی زکوٰۃ قیمت کے حساب سے نکلتی ہے لہٰذا وہ بھی العین میں داخل ہوئی۔ رہ گیا صدقۂ فطر، سو وہ سروں کا صدقہ ہے نہ کہ اصطلاحی زکوٰۃ۔

۲- بَابُ الزَّكٰوةِ فِي الْعَيْنِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ

سونے چاندی کی زکوٰۃ کا باب

سونے چاندی کو عین کہتے ہیں اور یہ لفظ مشترک ان چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ سورج، چشمہ، سونا، دینار، مال، نقدی،

جاسوس، سردار، بارش، گائے کا بچھڑا، کسی چیز کا بہترین حصہ، آنکھ، گھٹنا، ایک معین چیز، کم لوگ، حروف ہجا میں سے ایک حرف، کھال پر کوئی نشان وغیرہ۔ اس باب کے عنوان میں عین سے مراد سونا چاندی ہے۔

۷۵۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُقْبَةَ مَوْلَى الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُكَاتَبٍ لَهُ بِمَالٍ عَظِيمٍ. هَلْ عَلَيْهِ فِيهِ زَكَاةٌ؟ فَقَالَ الْقَاسِمُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ لَمْ يَكُنْ يَأْخُذُ مِنْ مَالٍ، زَكَاةً. حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ.

قَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا أَعْطَى النَّاسَ أَعْطِيَاتِهِمْ. يَسْأَلُ الرَّجُلَ. هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ؟ فَإِذَا قَالَ: نَعَمْ. أَخَذَ مِنْ عَطَائِهِ زَكَاةَ ذَلِكَ الْمَالِ. وَإِنْ قَالَ لَا. أَسْلَمَ إِلَيْهِ عَطَاءَهُ، وَلَمْ يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: القاسم بن محمد (بن ابی بکر الصدیقؓ) نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ابوبکر الصدیقؓ اس وقت تک کسی مال سے زکوٰۃ وصول نہ کرتے تھے، جب تک اس پر سال نہ گزر جائے۔ القاسم نے کہا کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ جب لوگوں کو بیت المال سے وظائف عطا کرتے تو سوال کرتے کہ کیا تیرے پاس اتنا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اگر اس کا جواب ہاں میں ہوتا تو اس مال کی زکوٰۃ اس کے وظیفے سے لے لیتے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہوتا تو اس کا وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے تھے۔ اور اس میں سے کچھ نہ لیتے تھے۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے المنتقی میں لکھا ہے کہ ان ہر دو مسائل پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ (۱) مال پر سال گزرے بغیر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنا اور اسے شرعی مصارف میں صرف کرنا امام وقت کی ذمہ داری ہے اور ایک اور مسئلہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اموال باطنہ جنہیں صرف ان کا مالک ہی جانتا ہو، ان کی زکوٰۃ اور مقدار وغیرہ میں صاحب مال کا قول شرعاً معتبر ہے جب کہ اس کے خلاف دلائل سے ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے غلط بیانی کی ہے۔

۷۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ قُدَامَةَ، عَنْ أَبِيهَا أَنَّهُ قَالَ: كُنْتُ، إِذَا جِئْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَقْبِضُ عَطَائِي، سَأَلَنِي: هَلْ عِنْدَكَ مِنْ مَالٍ وَجَبَتْ عَلَيْكَ فِيهِ الزَّكَاةُ؟ قَالَ، فَإِنْ قُلْتُ: نَعَمْ. أَخَذَ مِنْ عَطَائِي زَكَاةَ ذَلِكَ الْمَالِ. وَإِنْ قُلْتُ: لَا. دَفَعَ إِلَيَّ عَطَائِي.

ترجمہ: قدامہ (بن مظعون، برادر عثمانؓ بن مظعون) کا بیان ہے کہ جب میں اپنا وظیفہ لینے کے لئے حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس آتا تھا تو وہ پوچھتے تھے کہ کیا تمہارے پاس قابلِ زکوٰۃ مال موجود ہے؟ اگر میں ہاں کہتا تو وہ اس مال کی زکوٰۃ میرے وظیفے سے کاٹ لیتے تھے۔ اور اگر میں کہتا کہ نہیں تو میرا وظیفہ میرے حوالے کر دیتے تھے۔

شرح: اس حدیث سے اور اُوپر کی حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس مال پر زکوٰۃ واجب ہو، اس کے علاوہ کسی دوسرے مال سے اس کی ادائیگی جائز ہے۔

۶۵۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا تَجِبُ فِي مَالٍ زَكٰوةٌ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب تک کسی مال پر سال نہ گزر جائے اس وقت تک اس میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ (یہ اثر مؤطا امام محمدؒ میں بابُ الْمَالِ مَتٰى تَجِبُ فِيهِ الزَّكٰوةُ میں مروی ہے)۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مختار یہی ہے اور یہی ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ لیکن اگر کوئی جدید مال کمالے تو اسے بھی پہلے مال میں جمع کرلے، جب پہلے میں زکوٰۃ واجب ہوگی تو دوسرے کی زکوٰۃ بھی اس کے ساتھ ادا کرے اور یہی قول ابوحنیفہؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔ قابل زکوٰۃ مال پر سال کا گزرنا اجماعاً شرط ہے۔ مؤطا میں یہ حدیث موقوف ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے۔ ورنہ تمہید میں یہ مرفوعاً آئی ہے۔ جسے دارقطنی نے بقیہؒ بن الولید اور اسمٰعیل بن عیاش کے باعث ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن ماجہ نے اسے ضعیف سند سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس پر اجماع ہوچکا ہے۔ لہٰذا اس کے ضعف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک دو سال کی زکوٰۃ پہلے نکال دینا ازروئے حدیث صحیح جائز ہے جب کہ نصاب کامل ہوچکا ہو۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ مگر اس میں مالکؒ، ربیعہؒ اور داؤد ظاہری کا اختلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ سے ان کی زکوٰۃ وقت سے پہلے وصول کی تھی۔ اس لئے اس کے جواز میں شک نہیں ہوسکتا۔

۶۵۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَعْطِيَةِ الزَّكٰوةَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، أَنَّ الزَّكٰوةَ تَجِبُ فِي عِشْرِينَ دِينَارًا عَيْنًا، كَمَا تَجِبُ فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ فِي عِشْرِينَ دِينَارًا، نَاقِصَةً بَيِّنَةَ النُّقْصَانِ، زَكٰوةٌ۔ فَإِنْ زَادَتْ حَتّٰى تَبْلُغَ بِزِيَادَتِهَا عِشْرِينَ دِينَارًا، وَازِنَةً، فَفِيهَا الزَّكَاةُ۔ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ عِشْرِينَ دِينَارًا عَيْنًا، الزَّكٰوةُ۔ وَلَيْسَ فِي مِائَتَيْ دِرْهَمٍ نَاقِصَةً بَيِّنَةَ النُّقْصَانِ، زَكٰوةٌ۔ فَإِنْ زَادَتْ حَتّٰى تَبْلُغَ بِزِيَادَتِهَا مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَافِيَةً، فَفِيهَا الزَّكٰوةُ۔ فَإِنْ كَانَتْ تَجُوزُ بِجَوَازِ الْوَازِنَةِ، رَأَيْتُ فِيهَا الزَّكٰوةَ۔ دَنَانِيرَ كَانَتْ أَوْ دَرَاهِمَ۔

قَالَ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ، كَانَتْ عِنْدَهُ سِتُّونَ وَمِائَةُ دِرْهَمٍ وَازِنَةً، وَصَرْفُ الدَّرَاهِمِ بِبَلَدِهِ ثَمَانِيَةُ دَرَاهِمَ بِدِينَارٍ: أَنَّهَا لَا تَجِبُ فِيهَا الزَّكَاةُ. وَإِنَّمَا تَجِبُ الزَّكَاةُ فِي عِشْرِينَ دِينَارًا عَيْنًا. أَوْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ خَمْسَةُ دَنَانِيرَ مِنْ فَائِدَةٍ، أَوْ غَيْرِهَا فَتَجَرَ فِيهَا، فَلَمْ يَأْتِ الْحَوْلُ حَتَّى بَلَغَتْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ: أَنَّهُ يُزَكِّيهَا. وَإِنْ لَمْ تَتِمَّ إِلَّا قَبْلَ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ، أَوْ بَعْدَ مَا يَحُولُ عَلَيْهَا الْحَوْلُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ. ثُمَّ لَا زَكَاةَ فِيهَا حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، مِنْ يَوْمَ زُكِّيَتْ.

وَقَالَ مَالِكٌ: فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ عَشَرَةُ دَنَانِيرَ فَتَجَرَ فِيهَا فَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، وَقَدْ بَلَغَتْ عِشْرِينَ دِينَارًا: أَنَّهُ يُزَكِّيهَا مَكَانَهَا. وَلَا يَنْتَظِرُ بِهَا أَنْ يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، مِنْ يَوْمَ بَلَغَتْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ. لِأَنَّ الْحَوْلَ قَدْ حَالَ عَلَيْهَا، وَهِيَ عِنْدَهُ عِشْرُونَ. ثُمَّ لَا زَكَاةَ فِيهَا حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ، مِنْ يَوْمَ زُكِّيَتْ.

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فِي إِجَارَةِ الْعَبِيدِ وَخَرَاجِهِمْ، وَكِرَاءِ الْمَسَاكِينِ وَكِتَابَةِ الْمُكَاتَبِ: أَنَّهُ لَا تَجِبُ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ الزَّكَاةُ. قَلَّ ذٰلِكَ أَوْ كَثُرَ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. مِنْ يَوْمِ يَقْبِضُهُ صَاحِبُهُ.

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ يَكُونُ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ: إِنَّ مَنْ بَلَغَتْ حِصَّتُهُ مِنْهُمْ عِشْرِينَ دِينَارًا عَيْنًا. أَوْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ. فَعَلَيْهِ فِيهَا الزَّكَاةُ. وَمَنْ نَقَصَتْ حِصَّتُهُ عَمَّا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ. وَإِنْ بَلَغَتْ حِصَصُهُمْ جَمِيعًا، مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، وَكَانَ بَعْضُهُمْ فِي ذٰلِكَ أَفْضَلَ نَصِيبًا مِنْ بَعْضٍ، أُخِذَ مِنْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ. إِذَا كَانَ فِي حِصَّةِ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ. وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ: "لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ".

• قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا كَانَتْ لِرَجُلٍ ذَهَبٌ أَوْ وَرِقٌ مُتَفَرِّقَةٌ بِأَيْدِي أُنَاسٍ شَتَّى، فَإِنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يُحْصِيَهَا جَمِيعًا. ثُمَّ يُخْرِجَ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ زَكٰوتِهَا كُلِّهَا.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ أَفَادَ ذَهَبًا أَوْ وَرِقًا، إِنَّهُ لَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ فِيهَا حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ. مِنْ يَوْمَ أَفَادَهَا.

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا کہ وظائف کی زکوٰۃ سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیانؓ نے وصول کی تھی۔ (لیکن خلفائے راشدین کا عمل اُوپر گزر رہا ہے کہ وہ قابلِ زکوٰۃ مال کی زکوٰۃ وظیفہ سے کاٹتے تھے نہ کہ خود وظیفہ کی زکوٰۃ۔ شاید حضرت معاویہؓ نے وظیفہ کو "مالِ مستفاد" سمجھ کر اس کی زکوٰۃ بھی وصول کی ہوگی۔ یعنی وہ مال جس پر ابھی سال نہیں گزرا، قابلِ زکوٰۃ مال کے ساتھ اسے بھی جمع کر لیا جائے جیسا کہ امام محمدؒ سے ابھی اوپر گزر رہا ہے۔ مگر پھر بھی اس میں خلجان ہے کہ یہاں وظیفہ کی زکوٰۃ کا ذکر ہے نہ کہ اور مال کا۔ پس فقہائے امصار نے اس اثر پر عمل نہیں کیا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ ایک متفق علیہ سنت ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب سونے میں بیس دینار ہے جیسا کہ چاندی میں دوسو درہم ہے۔ (یہ مسئلہ فقہائے امصار میں متفق علیہ ہے اور دیناریں وزن سبعہ کا اعتبار ہے یعنی وزن کے لحاظ سے دس درہم چاندی کا وزن سات مثقال (دینار) سونے کے برابر ہوتا تھا۔ اس میں الحسن البصریؒ کا اختلاف تھا کہ ان کے نزدیک سونے کا نصاب چالیس دینار تھا۔ مگر الحسن کے بعد بیس دینار پر اجماع ہوگیا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ بیس ناقص دینار جن کا (وزن میں) نقصان واضح ہو، ان میں زکوٰۃ نہیں جتنی کہ وزن کے لحاظ سے پورے بیس دینار کو نہ پہنچ جائیں۔ اس وقت ان میں زکوٰۃ آئے گی۔ مالکؒ نے فرمایا کہ خالص بیس دینار سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ (یعنی زکوٰۃ کے نصاب میں یہاں وزن کا اعتبار ہے نہ کہ صرف عدد کا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ دوسو ناقص درہم جن کا (وزن میں) نقصان واضح ہو، ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اگر اس سے زائد ہوں جتنی کہ ان کا اضافہ دوسو پورے دراہم تک پہنچ جائے تو ان میں زکوٰۃ ہے (یعنی عدد تو ان کا دوسو سے زائد ہو مگر وزن دوسو درہم ہو تو زکوٰۃ ہے) اور اگر دراہم و دنانیر کم ہونے کے باوجود پورے وزن والوں کی طرح چلتے ہیں۔ (یعنی وزن میں برائے نام کمی ہے) تو میرے نزدیک ان میں زکوٰۃ ہے۔ خواہ درہم ہوں یا دینار ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ وزن کے باٹ اور آلات بھی بعض دفعہ کم و بیش ہوتے ہیں۔ پس اگر ایک معیار سے تو کم ہیں۔ مگر دوسرے سے پورے ہیں۔ تو انہیں پورے شمار کیا جائے گا۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک سو ساٹھ درہم ہوں اور ان کا وزن صحیح ہو اور اس کے شہر میں تبادلے کا حساب ۸ درہم = ایک دینار ہو۔ تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ بلکہ زکوٰۃ بیس دیناریں یا دوسو درہم میں واجب ہے۔ (یعنی مال کا نصاب خود اس مال کے حساب سے ہوگا نہ کہ اس کے تبادلے کی قیمت کے ساتھ۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر ایک شخص کے پاس پانچ دینار ہوں، جو اسے میراث یا عطیے میں ملے ہوں یا کسی اور ذریعے سے، پھر اس نے ان میں تجارت کی، اور سال گزرنے سے پہلے ہی وہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گئے تو ان کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اگر چہ سال گزرنے سے ایک دن قبل یا سال گزرنے کے ایک دن بعد ہی نصاب پورا ہو جب اس کی زکوٰۃ دے دی گئی تو پھر پورا سال گزر جانے تک اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر مال نصاب سے کم تھا۔ اور سال کے دوران میں پورا ہوا۔ تو جب وہ نصاب بنا تھا اس دن سے سال شمار ہوگا۔ اور اگلے سال اسی دن زکوٰۃ فرض ہوگی۔ شافعیؒ کے نزدیک نفع کو اصل کے ساتھ نہیں ملایا جاتا خواہ اہل نصاب ہو یا اس سے کم ہو۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص کے پاس دس دینار ہوں اور وہ ان میں تجارت کرے اور سال گزرنے تک وہ بیس دینار ہو چکے ہوں۔ تو وہ اسی وقت ان کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور یہ انتظار نہ کرے کہ نصاب بننے کے دن سے لے کر ایک سال پورا گزرے تو زکوٰۃ دے گا۔ کیونکہ ان پر سال گزر چکا ہے اور وہ اس کے پاس بیس دینار ہیں۔ پھر زکوٰۃ کی ادائیگی کے دن سے لے کر آگے کو سال شمار کیا جائے گا (دیگر ائمہ کا اختلاف اوپر بیان ہوا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک (یعنی مدینہ منورہ میں) متفق علیہ امر یہ ہے کہ غلاموں کا اجارہ اور مکانوں کا کرایہ اور مکاتب کی کتابت، ان میں سے کسی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ مال پر قبضے کے دن سے لے کر ایک سال نہ گزر جائے۔ مقدار کم ہو یا زیادہ۔ (کیونکہ یہ فوائد حاصل تو ہوئے مگر ان کا سبب کوئی مال نہیں کہ انہیں اس میں شامل کر لیا جائے۔ اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ کہ اس میں کسی کا اختلاف اب نہیں ہے، پہلے تھا مگر مٹ گیا۔)

مالکؒ نے کہا کہ چند شرکاء میں سونا یا چاندی ہو تو ان میں سے جس کا حصہ بیس خالص دینار ہو یا دو سو درہم کو پہنچے، اس پر تو زکوٰۃ ہے اور جس کا حصہ نصاب سے کم ہو، اس پر نصاب نہیں۔ اور اگر سب کے حصے نصاب کو پہنچتے ہوں، مگر حصے مقدار میں کم و بیش ہوں تو ان میں سے ہر ایک سے اس کے حصے کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (یعنی اس حدیث کی رُو سے ہر شخص کی ملکیت کی مقدار الگ الگ شمار ہوتی ہے نہ کہ مجموعی طور پر سب کی) امام مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں میں نے جو کچھ سنا ہے۔ اس میں سے یہ بات مجھے پسند تر ہے۔ (یعنی اس مسئلے میں اختلاف بھی ہے۔ مثلاً حسن بصریؒ اور شعبیؒ کا۔ اور شافعیؒ کا بھی حسب قولِ جدید اس میں اختلاف ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کا سونا یا چاندی مختلف لوگوں کے ہاتھ میں منتشر ہو تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ سارے مال کا حساب کرے۔ اور سارے کی اکٹھی زکوٰۃ دے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو بطور ہبہ یا میراث کچھ سونا چاندی ملے تو اس پر زکوٰۃ اس وقت آئے گی جب کہ سال گزر جائے گا (مال تجارت کا حساب اور ہے جو پہلے گزر چکا۔)

۳۔ بَابُ الزَّکوٰةِ فِي الْمَعَادِنِ

معادن کی زکوٰۃ کا بیان

۵۹۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ

اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِیِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِیَّۃِ۔ وَھِیَ مِنْ نَاحِیَۃِ الْفُرْعِ فَتِلْکَ الْمَعَادِنُ لَا یُؤْخَذُ مِنْھَا، إِلَی الْیَوْمِ إِلَّا الزَّکوٰۃُ۔

قَالَ مَالِکٌ: أَرٰی، وَاللہُ أَعْلَمُ، أَنْ لَا یُؤْخَذَ مِنَ الْمَعَادِنِ مِمَّا یَخْرُجُ مِنْھَا شَیْءٌ، حَتّٰی یَبْلُغَ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا قَدْرَ عِشْرِیْنَ دِیْنَارًا عَیْنًا، أَوْ مِائَتَیْ دِرْھَمٍ۔ فَإِذَا بَلَغَ ذٰلِکَ فَفِیْہِ الزَّکوٰۃُ مَکَانَہٗ۔ وَمَا زَادَ عَلٰی ذٰلِکَ، أُخِذَ بِحِسَابِ ذٰلِکَ، مَا دَامَ فِی الْمَعْدِنِ نَیْلٌ۔ فَإِذَا انْقَطَعَ عِرْقُہٗ ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِکَ نَیْلٌ، فَھُوَ مِثْلُ الْأَوَّلِ یُبْتَدَأُ فِیْہِ الزَّکوٰۃُ۔ کَمَا ابْتُدِئَتْ فِی الْأَوَّلِ۔

قَالَ مَالِکٌ: وَالْمَعْدِنُ بِمَنْزِلَۃِ الزَّرْعِ، یُؤْخَذُ مِنْہُ مِثْلُ مَا یُؤْخَذُ مِنَ الزَّرْعِ یُؤْخَذُ مِنْہُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْمَعْدِنِ مِنْ یَوْمِہٖ ذٰلِکَ۔ وَلَا یُنْتَظَرُ بِہِ الْحَوْلُ کَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الزَّرْعِ، إِذَا حُصِدَ الْعُشْرُ۔ وَلَا یُنْتَظَرُ أَنْ یَحُوْلَ عَلَیْہِ الْحَوْلُ۔

ترجمہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے کئی لوگوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث مُزنی کو معادن قبلیہ بطور جاگیر عطا کی تھیں، جو فرع کی طرف واقع تھیں۔ پس ان کانوں سے آج تک زکوٰۃ کے سوا کچھ اور وصول نہیں کیا جاتا۔ (امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں اس مُرسل روایت کو باب الرکاز میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ حدیث معروف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گڑے ہوئے خزانے — رکاز میں خمس ہے۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ رکاز کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جس مال کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی پیدائش کے دن ان معادن میں پیدا فرمایا، پس اس میں خمس ہے۔ یہی ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

"امام مالکؒ نے کہا کہ میری رائے ہیں واللہ اعلم یہ ہے کہ کانوں سے جو کچھ نکلتا ہے، جب تک وہ بیس دینار سونے یا دوسو درہم چاندی کی مقدار کو نہ پہنچے، اس میں سے کچھ نہ لیا جائے اور جب وہ اس مقدار کو پہنچ جائے تو اسی وقت اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو اس سے زائد ہو، اس میں سے اسی حساب سے زکوٰۃ لی جائے گی، جب تک کہ معدن میں سے کچھ نکلتا رہے۔ پھر جب اس کی پیدائش منقطع ہو جائے اور اس کے بعد پھر کچھ اس میں سے حاصل ہونے لگے تو پہلے کی مانند ہے، اس میں از سرِ نو زکوٰۃ لی جائے گی جیسا کہ ابتدا میں پہلے حصول میں لی گئی تھی۔"

"مالکؒ نے کہا کہ معدن کھیتی کی مانند ہے، اس میں سے اسی طرح واجبات وصول کئے جائیں گے جس طرح کھیتی سے لئے جاتے ہیں۔ جب معدن میں سے کچھ نکلے تو اس دن اس کی زکوٰۃ لی جائے گی اور سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ جیسے کہ کھیتی جب کٹے تو اس میں سے عشر لیا جاتا ہے اور سال کا انتظار نہیں کیا جاتا۔"

پس امام مالکؒ کے نزدیک معدن اور رکاز میں فرق ہے۔ معدن سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور رکاز سے خمس

ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں کا حکم ایک ہے اور دونوں میں سے خمس لیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مسوّٰی میں فرمایا ہے: رکاز کی تفسیر میں علما کا اختلاف ہے۔ شافعیؒ کے اقوال میں سے ظاہر تر وہ ہے جو امام مالکؒ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ لیکن ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ معدن بھی رکاز ہے اور شافعیؒ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے۔ مصرفِ رکاز میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ رکاز کے خمس کا مصرف وہی ہے جو مال فَیٔ کے خمس کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصرف زکوٰۃ کی مانند ہے۔ خلاصہ یہ کہ اختلاف کا منشا رکاز کے معنی میں اختلاف ہے۔ رکاز سے مراد امام شافعیؒ کے ظاہر تر قول میں زمانہ جاہلیت کا مدفون خزانہ ہے۔ پس اگر کسی مسلمان نے دفن کیا اور دوسرے نے پا لیا تو اس کے مالک کے علم کی صورت میں وہ مالک کا ہے۔ ورنہ اس کا حکم لقطہ کا ہوگا۔ جو مال کسی کی ملکیت یعنی آباد کردہ زمین یا اس کے ملکیتی کھنڈر سے ملے، وہ مالک کا ہے۔ ورنہ اس کا حکم لقطہ کا ہے۔

مولانا نواب قطب الدینؒ نے فرمایا ہے کہ متفق علیہ حدیث وَفِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ میں رکاز سے مراد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کان ہے اور یہی معنی سیاقِ حدیث کے ساتھ مناسب تر ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ رکاز کے متعلق حضورؐ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا وہ سونا چاندی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کے دن پیدا کئے تھے۔ اور اس سے مراد وہ معدنیات ہیں جو جمی ہوئی ہوں اور پگھلنے کے لائق ہوں کہ جن پر سکے وغیرہ کا نقش ہو سکے۔ اور سونا چاندی لوہا وغیرہ سب کا حکم یہی ہے۔ مزید گفتگو اس ضمن میں یہ ہے کہ بیہقی نے المعرفہ میں ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رکاز میں خمس ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ رکاز کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ سونا جسے اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیدائش کے دن اس میں رکھ دیا تھا۔ اس حدیث کا مضمون وہی ہے جس کا حوالہ امام محمدؒ نے دیا اور اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ رکاز اور معدن کا حکم ایک ہی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ربیعہ کی روایت مرسل ہے اور اس میں زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ اس لئے امام شافعیؒ نے اسے غیر ثابت قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ موصول روایات میں اس مرسل حدیث میں زکوٰۃ کا ذکر نہیں آیا۔ محقق ابن الہمام نے فرمایا کہ ان معادن قبلیہ سے زکوٰۃ کی وصولی شاید حکام کے اپنے اجتہاد اور رائے سے تھی۔

۴۔ بَابُ زَكٰوةِ الرِّكَازِ

رکاز کی زکوٰۃ کا باب

۶۶۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ الَّذِيْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهِ عِنْدَنَا، وَالَّذِيْ سَمِعْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ الرِّكَازَ إِنَّمَا هُوَ دِفْنٌ يُوْجَدُ مِنْ دِفْنِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ مَا لَمْ يُطْلَبْ بِمَالٍ، وَلَمْ يُتَكَلَّفْ فِيْهِ نَفَقَةٌ وَلَا كَبِيْرُ عَمَلٍ، وَلَا مَؤُوْنَةٍ۔ فَأَمَّا مَا طُلِبَ بِمَالٍ، وَتُكُلِّفَ فِيْهِ كَبِيْرُ عَمَلٍ، فَأُصِيْبَ مَرَّةً

أُخْطِئَ مَرَّةً، فَلَيْسَ بِرِكَازٍ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رکاز میں خمس ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک جس امر میں کوئی اختلاف نہیں اور جو بات میں نے اہل علم کو کہتے سنا وہ یہ ہے، کہ رکاز وہ دفینہ ہے جو زمانۂ جاہلیت کے دفن شدہ خزانوں سے پایا جائے۔ جس کی طلب میں کوئی مال خرچ نہ ہو۔ اور اس میں اخراجات کا تکلف نہ کرنا پڑے۔ نہ زیادہ کام اور مشقت اُٹھانی پڑے۔ لیکن جسے مال کے خرچ کے ساتھ تلاش کیا جائے اور اس میں بہت محنت صرف ہو اور کبھی ملے اور کبھی نہ ملے تو وہ رکاز نہیں ہے۔

شرح: ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رکاز اور معدن ایک ہی چیز ہے۔ زمین میں مدفون و مرکوز (گڑا ہوا) ہونے کے لحاظ سے معدنیات اور رکاز میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں زمین میں گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہی اہل عراق کا مذہب ہے۔ اہل حجاز نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ جیسا کہ مالکؒ کی تصریح سے ظاہر ہے۔ یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے اور جامع الفعل میں مالکؒ نے اسے اسی سند کے ساتھ مفصل روایت کیا ہے اور وہی روایت پھر ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم وغیرہ میں آئی ہے یہی حدیث ابوحنیفہؒ کے استدلال کی بنیاد ہے۔ اس کے مقابلے میں پچھلی مرسل روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس موضوع پر کچھ گفتگو اوپر گزری ہے۔

۵۔ بَابُ مَا لَا زَكٰوةَ فِيهِ مِنَ الْحُلِيِّ وَالتِّبْرِ وَالْعَنْبَرِ

زیور، غیر مضروب سونے چاندی اور عنبر میں زکوٰۃ نہیں

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اپنے زیور کا صدقہ (زکوٰۃ) دینے کا حکم فرمایا (بحوالہ ترمذی)۔ اور اسی طرح سونا چاندی جو سکے کی شکل میں نہ ہو، بلکہ برتن گوٹا کناری یا ڈلے اور ڈھیلے کی شکل میں ہو، اس میں بھی زکوٰۃ ہے۔ کیونکہ وہ سونا اور چاندی ہے اور احادیث الذہب، الورق النقدہ وغیرہ اسے محیط ہیں۔ رہ گیا عنبر، سو وہ ایک خاص اسی نام کی مچھلی سے نکلتا ہے اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس میں ابن عباسؓ عطا، عمر بن عبدالعزیزؒ، مالکؒ، ابوحنیفہؒ، ثوریؒ، شافعیؒ، محمدؒ، ابوثورؒ اور ابوعبیدؒ کے نزدیک کوئی زکوٰۃ نہیں۔ یہی حال اس موتی اور مرجان کا ہے جسے سمندر سے نکالا جاتا ہے۔ احمدؒ، ابویوسفؒ، اسحاقؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ ہے۔ اور یہی اختلاف سمندر سے حاصل شدہ دوسری چیزوں میں ہے۔ دراصل ان میں کوئی صحیح زکوٰۃ کے حکم میں وارد نہیں۔ حالانکہ یہ حضورؐ کے زمانے میں بھی اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں بھی سمندر سے حاصل ہوتی تھیں۔ مالکؒ اور ابوداؤدؒ نے اُم سلمہؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے حضورؐ سے پوچھا تھا کہ میں سونے کے اوضاح (زیور) پہنتی ہوں تو یہ کیا کنز ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جس کی تو نے زکوٰۃ دے دی وہ کنز نہیں ہے۔

۶۶۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تَلِي بَنَاتَ أَخِيهَا يَتَامٰى فِي حَجْرِهَا۔ لَهُنَّ الْحُلِيُّ۔ فَلَا تُخْرِجُ مِنْ

حُلِیِّهِنَّ الزَّکٰوةَ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ عائشہؓ اپنی یتیم بھتیجیوں کو اپنی گود میں پالتی تھیں اور ان کے زیور سے زکوٰۃ نکالتی تھیں (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے)۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ جواہرات اور موتی کے زیور میں زکوٰۃ نہیں۔ سونے اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ ہے۔ بشرطیکہ کسی یتیم کا نہ ہو۔ اس کے مال میں زکوٰۃ نہیں یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہؓ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے اپنے زیور (فتخات) کی زکوٰۃ نہیں دی تو پھر یہ جہنم کی آگ ہے۔

۶۶۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یُحَلِّیْ بَنَاتَهُ وَجَوَارِیَهُ الذَّهَبَ. ثُمَّ لَا یُخْرِجُ مِنْ حُلِیِّهِنَّ الزَّكٰوةَ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ كَانَ عِنْدَهُ تِبْرٌ، اَوْ حَلْیٌ مِنْ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ. لَا یُنْتَفَعُ بِهِ لِلُبْسٍ. فَاِنَّ عَلَیْهِ فِیْهِ الزَّكٰوةَ فِیْ كُلِّ عَامٍ. یُوْزَنُ فَیُؤْخَذُ رُبُعُ عُشْرِهِ. اِلَّا اَنْ یَنْقُصَ مِنْ وَزْنِ عِشْرِیْنَ دِیْنَارًا عَیْنًا، اَوْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ. فَاِنْ نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ، فَلَیْسَ فِیْهِ زَكَاةٌ وَ اِنَّمَا تَكُوْنُ فِیْهِ الزَّكٰوةُ اِذَا كَانَ اِنَّمَا یُمْسِكُهُ لِغَیْرِ اللُّبْسِ. فَاَمَّا التِّبْرُ وَالْحُلِیُّ الْمَكْسُوْرُ، الَّذِیْ یُرِیْدُ اَهْلُهُ اِصْلَاحَهُ وَلُبْسَهُ. فَاِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَتَاعِ الَّذِیْ یَكُوْنُ عِنْدَ اَهْلِهِ. فَلَیْسَ عَلٰی اَهْلِهِ فِیْهِ زَكٰوةٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَیْسَ فِی اللُّؤْلُؤِ، وَلَا فِی الْمِسْكِ وَلَا الْعَنْبَرِ، زَكٰوةٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیٹیوں اور لونڈیوں کو سونے کا زیور پہناتے تھے۔ پھر ان کے زیور سے زکوٰۃ نہ نکالتے تھے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کے پاس سونے چاندی کا ڈلا یا زیور ہو، جسے پہنا نہ جاتا ہو تو اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ فرض ہے۔ ہر سال اس کا وزن کر کے چالیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے گی۔ مگر یہ کہ وہ بیس دینار سونے یا دوسو درہم چاندی سے کم ہو۔ کم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ صرف اس صورت میں ہے جب کہ انہیں پہننے کے لئے نہ رکھا ہو۔ مگر وہ ڈلا یا ٹوٹا ہوا زیور جسے گھر والوں نے مرمت کے لئے رکھا ہوا ہو تاکہ اس کے بعد پہنا جائے تو اس کی حیثیت اس مال و اسباب جیسی ہے جو گھروں میں ہوتا ہے، اس میں زکوٰۃ نہیں۔ (اس مسئلے پر کچھ گفتگو اوپر گزر گئی ہے)۔

مالکؒ نے کہا کہ موتی میں اور مشک و عنبر میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (اس میں کوئی شرعی حکم وارد نہیں۔ حالانکہ حضورؐ کے زمانے میں یہ چیزیں ہوتی تھیں۔ لیکن اگر ان کی تجارت کی جائے تو مالِ تجارت کی صورت میں ان میں زکوٰۃ آئے گی۔ جو ایک الگ مستقل مسئلہ ہے)۔

۶- بَابُ زَكٰوةِ اَمْوَالِ الْيَتٰمٰى وَالتِّجَارَةِ لَهُمْ فِيْهَا

یتیموں کے مال کی زکوٰۃ اور ان کے لئے اس میں تجارت کرنا

۶۶۳- حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: اِتَّجِرُوْا فِیْ اَمْوَالِ الْيَتٰمٰى، لَا تَاْكُلُهَا الزَّكٰوةُ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، یتیموں کے مال میں تجارت کرو، انہیں زکوٰۃ نہ کھا جائے۔

شرح: اوپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر گزرا ہے کہ وہ یتامیٰ کے مال سے زکوٰۃ نہیں دیتی تھیں۔ پس اس اثر میں زکوٰۃ سے مراد نفقہ ہے۔ کیونکہ سارے مال کو صرف نفقہ ہی محیط ہوسکتا ہے نہ کہ زکوٰۃ۔ اور نفقہ پر بھی حدیث میں صدقہ کا لفظ آتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے اور اس یتیم کے نفقہ کو تو ویسے ہی صدقہ کہا جاسکتا ہے۔ حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا "تو اپنے اوپر صدقہ کر"۔

۶۶۴- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَتْ عَائِشَةُ تَلِيْنِیْ، وَاَخًا لِیْ يَتِيْمَيْنِ فِیْ حَجْرِهَا۔ فَكَانَتْ تُخْرِجُ مِنْ اَمْوَالِنَا الزَّكٰوةَ۔

ترجمہ: القاسم نے کہا کہ میں اور میرا ایک بھائی حضرت عائشہ کے ہاں بطور یتیم پرورش پاتے تھے تو آپ ہمارے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالتی تھیں۔

شرح: پچھلے باب میں گزرا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنے زیر تربیت یتامیٰ کے زیوروں میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتی تھیں محقق ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اس مسئلے میں چونکہ اجتہاد کی گنجائش ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ عائشہؓ کا یہ اجتہاد ہو اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ کا بھی۔ یہ ممکن ہے کہ یہ یتیم بالغ ہوں اور ان پر لفظ یتیم کا اطلاق بطور مجاز ہو۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، الحاکم نے دعلی شرط مسلم، حدیث روایت کی ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا جب تک بیدار نہ ہو، بچہ جب تک بالغ نہ ہو اور مجنون جب تک صحیح العقل نہ ہوجائے۔ پس اس حدیث میں تو بچے کے مال میں ویسے ہی زکوٰۃ نہیں آئی، بچہ جائے کہ وہ یتیم بھی ہو۔ امام محمد بن الحسن نے آثار میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں۔

۶۶۵- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ تُعْطِیْ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى الَّذِيْنَ فِیْ حَجْرِهَا مَنْ يَّتَّجِرُ لَهُمْ فِيْهَا۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر ملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یتامیٰ کا مال تجارت کرنے کے لئے دیتی تھیں۔

۶۶۶- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهٗ اشْتَرٰى لِبَنِیْ اَخِيْهِ، يَتَامٰى فِیْ

حَجْرِهِ، مَالًا. فَبِيعَ ذٰلِكَ الْمَالُ، بَعْدُ، بِمَالٍ كَثِيرٍ.

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِالتِّجَارَةِ فِي أَمْوَالِ الْيَتَامٰى لَهُمْ، إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ مَأْذُونًا. فَلَا أَرٰى عَلَيْهِ ضَمَانًا.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت ہے کہ اس نے اپنے زیرِ کفالت یتیم بھتیجوں کے لئے مال خریدا۔ پھر اس کے بعد وہ مال بہت قیمت پر فروخت کیا گیا۔

مالکؒ نے کہا کہ یتامٰی کے مال میں ان کے لئے تجارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جب ولی لائق اعتماد ہو تو میں اس پر کوئی ضمانت نہیں دیکھتا۔ (یعنی وہ مال یتیم میں سے بطورِ قرض بھی بیع کا سودا کر سکتا ہے۔ اور ہر اچھی مصلحت کے لئے تصرف کر سکتا ہے۔

۷۔ بَابُ زَكٰوةِ الْمِيرَاثِ

میراث کی زکوٰۃ کا باب

۶۶۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا هَلَكَ، وَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوةَ مَالِهِ. إِنِّي أَرٰى أَنْ يُؤْخَذَ ذٰلِكَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ. وَلَا يُجَاوَزُ بِهَا الثُّلُثُ. وَتُبَدَّى عَلَى الْوَصَايَا. وَأَرَاهَا بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ. فَلِذٰلِكَ رَأَيْتُ أَنْ تُبَدّٰى عَلَى الْوَصَايَا.

قَالَ: وَذٰلِكَ إِذَا أَوْصٰى بِهَا الْمَيِّتُ. قَالَ: فَإِنْ لَمْ يُوصِ بِذٰلِكَ الْمَيِّتُ فَفَعَلَ ذٰلِكَ أَهْلُهُ. فَذٰلِكَ حَسَنٌ وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ لَمْ يَلْزَمْهُمْ ذٰلِكَ.

قَالَ وَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا، أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلٰى وَارِثٍ زَكَاةٌ، فِي مَالٍ وَرِثَهُ فِي دَيْنٍ، وَلَا عَرْضٍ، وَلَا دَارٍ، وَلَا عَبْدٍ، وَلَا وَلِيدَةٍ. حَتّٰى يَحُولَ، عَلٰى ثَمَنِ مَا بَاعَ مِنْ ذٰلِكَ، أَوِ اقْتَضٰى الْحَوْلُ، مِنْ يَوْمِ بَاعَهُ وَقَبَضَهُ.

وَقَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ عِنْدَنَا أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَلٰى وَارِثٍ، فِي مَالٍ وَرِثَهُ الزَّكٰوةُ. حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ.

ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ آدمی جب مر جائے اور اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی تھی، میری رائے میں وہ زکوٰۃ اس کے مال کے ⅓ میں سے لی جائے اور ⅓ سے تجاوز نہ کیا جائے اور زکوٰۃ کو وصیت پر مقدم کیا جائے اور میری رائے میں وہ اس پر قرض کی

مانند ہے، یہی سبب ہے کہ میں اسے وصیت پر مقدم سمجھتا ہوں۔ اور یہ اس وقت ہے جب کہ میت نے زکوٰۃ نکالنے کی وصیت کی ہو۔ اگر میت نے وصیت نہیں کی اور اس کے گھر والے اسے ادا کریں یعنی ⅓ مال سے) تو یہ اچھی بات ہے۔ اور اگر گھر والے اس صورت میں ادا نہ کریں تو یہ ان پر ضروری نہیں ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک یہ قرض تو نہیں بلکہ وصیت ہے۔ مگر وصیتوں کی ادائیگی میں اس کا مقدم کرنا ضروری ہے۔ بشرطیکہ ⅓ کے اندر رہے۔ اگر ⅓ پر بڑھ جائے تو پھر وصیت کرنے والے کی ترتیبِ وصیت کو مدِنظر رکھا جائے گا)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ سنت جس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وارث کو جو مال وراثت میں ملے، چاہے وہ دین کی صورت میں ہو، جائداد ہو، گھر ہو، غلام ہو، لونڈی ہو تو ان میں سے جس چیز کو وہ بیچ ڈالے، تو جب تک سال نہ گزر جائے یا قرض کی وصولی جب ہو تو اس کی وصولی پر سال نہ گزر جائے، زکوٰۃ نہ آئے گی۔ (یعنی مالِ میراث جب جب مالِ تجارت بن جائے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ آئے گی اور نقد مال سونا چاندی وغیرہ کی جب وصولی ہو، تو قبضے کے بعد ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ آئے گی یہ مسئلہ تو واضح ہے اور اس میں اختلاف بھی نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک سنت یہ ہے کہ کسی وارث پر اس مال میں جو اس نے بطور وراثت حاصل کیا ہو، سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ نہیں آتی (اس سے مراد نقد مال ہے۔)

۸۔ بَابُ الزَّكٰوةِ فِي الدَّيْنِ

قرض کی زکوٰۃ کا باب

۶۶۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ، اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ يَقُوْلُ: هٰذَا شَهْرُ زَكٰوتِكُمْ. فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلْيُؤَدِّ دَيْنَهُ. حَتّٰى تَحْصُلَ اَمْوَالُكُمْ. فَتُؤَدُّوْنَ مِنْهُ الزَّكٰوةَ.

ترجمہ: السائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ فرماتے تھے، یہ تمہاری زکوٰۃ کا مہینہ ہے۔ پس جس کے ذمہ کوئی قرض ہو وہ اسے ادا کر دے، حتیٰ کہ تمہارے مال حاصل ہوں، تو ان سے تم زکوٰۃ ادا کرو۔ (یہ حدیث مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے باب زکوٰۃ المال میں)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ جس پر قرض ہو اور اس کا مال بھی ہو تو وہ اپنے مال میں سے دین ادا کر دے۔ اگر اس کے بعد زکاۃ کا نصاب بچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس کی مقدار ۲۰۰ درہم ہے یا سونے کے بیس مثقال ہیں یعنی کم از کم۔ پس اگر قرض دے کر اس سے کم بچے تو اس میں زکوٰۃ نہیں آتی۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کس ماہ کے متعلق تھا؟ امام سرخسیؒ کی مبسوط سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ماہ رمضان تھا۔ لوگ بالعموم اسی میں زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔ یا محرم تھا اور بعض نے رجب کہا ہے مگر اس کی کوئی نقل نہیں مل سکی۔ شاید یہ کوئی ایسا مہینہ تھا جس میں حکومت کے کارکن زکوٰۃ وصول کیا کرتے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ قرض کے باعث عشر نہیں روکا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ارامنی کا حق ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

۶۶۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ اَبِيْ تَمِيْمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ

كَتَبَ فِي مَالٍ قَبَضَهُ بَعْضُ الْوُلَاةِ ظُلْمًا، يَأْمُرُ بِرَدِّهِ إِلَى أَهْلِهِ، وَيُؤْخَذُ زَكَاتُهُ لِمَا مَضَى مِنَ السِّنِينَ. ثُمَّ عَقَّبَ بَعْدَ ذَلِكَ بِكِتَابٍ، أَنْ لَا يُؤْخَذَ مِنْهُ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ فَإِنَّهُ كَانَ ضِمَارًا.

ترجمہ: عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک گورنر کو، جس نے کہ کسی کا مال ظلم سے لے لیا تھا، یہ لکھا کہ اس مال کو اس کے مالک کے سپرد کر دے۔ اور گزشتہ برسوں کی اس میں سے زکوٰۃ لی جائے۔ پھر اس کے بعد ایک اور خط لکھا کہ اس میں سے صرف ایک زکوٰۃ لی جائے، کیونکہ وہ اپنے مالک سے غائب تھا۔

شرح: جس مال کے ملنے میں شک ہو کہ ملے گا یا نہیں۔ یا جس مال کی واپسی کی امید نہ ہو، اسے ضمار کہتے ہیں۔ مالِ ضمار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

۶۷۰- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، أَنَّهُ سَأَلَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، عَنْ رَجُلٍ لَهُ مَالٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مِثْلُهُ. أَعَلَيْهِ زَكَاةٌ؟ فَقَالَ: لَا.

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا فِي الدَّيْنِ، أَنَّ صَاحِبَهُ يُزَكِّيهِ حَتَّى يَقْبِضَهُ وَإِنْ أَقَامَ عِنْدَ الَّذِي هُوَ عَلَيْهِ سِنِينَ ذَوَاتِ عَدَدٍ، ثُمَّ قَبَضَهُ صَاحِبُهُ، لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ. فَإِنْ قَبَضَ مِنْهُ شَيْئًا، لَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ. فَإِنَّهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ سِوَى الَّذِي قُبِضَ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ. فَإِنَّهُ يُزَكِّي مَعَ مَا قَبَضَ مِنْ دَيْنِهِ ذَلِكَ.

قَالَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نَاضٌّ غَيْرُ الَّذِي اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ، وَكَانَ الَّذِي اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ لَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ فِيهِ، وَلَكِنْ لِيَحْفَظْ عَدَدَ مَا اقْتَضَى. فَإِنِ اقْتَضَى بَعْدَ ذَلِكَ عَدَدَ مَا تَتِمُّ بِهِ الزَّكَاةُ، مَعَ مَا قَبَضَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ.

قَالَ: فَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتَهْلَكَ مَا اقْتَضَى أَوَّلًا، أَوْ لَمْ يَسْتَهْلِكْهُ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ مَعَ مَا اقْتَضَى مِنْ دَيْنِهِ. فَإِذَا بَلَغَ مَا اقْتَضَى عِشْرِينَ دِينَارًا عَيْنًا، أَوْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكَاةُ ثُمَّ مَا اقْتَضَى بَعْدَ ذَلِكَ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ، فَعَلَيْهِ الزَّكَاةُ بِحَسَبِ ذَلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالدَّلِيلُ عَلَى الدَّيْنِ يَغِيبُ أَعْوَامًا. ثُمَّ يُقْتَضَى فَلَا يَكُونُ فِيهِ إِلَّا زَكَاةٌ وَاحِدَةٌ أَنَّ الْعُرُوضَ تَكُونُ عِنْدَ الرَّجُلِ لِلتِّجَارَةِ أَعْوَامًا. ثُمَّ يَبِيعُهَا. فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي أَثْمَانِهَا إِلَّا زَكَاةٌ

وَاحِدَۃٌ۔ وَذٰلِكَ أَنَّهُ لَيْسَ عَلٰى صَاحِبِ الدَّيْنِ أَوِ الْعُرُوْضِ، أَنْ يُّخْرِجَ زَكَاةَ ذٰلِكَ الدَّيْنِ أَوِ الْعُرُوْضِ، مِنْ مَّالٍ سِوَاهُ۔ وَإِنَّمَا يُخْرِجُ زَكَاةَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنْهُ۔ وَلَا يُخْرِجُ الزَّكٰوةَ مِنْ شَيْءٍ عَنْ شَيْءٍ غَيْرِهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَكُوْنُ عَلَيْهِ دَيْنٌ، وَعِنْدَهُ مِنَ الْعُرُوْضِ مَا فِيْهِ وَفَاءٌ لِّمَا عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ، وَيَكُوْنُ عِنْدَهُ مِنَ النَّاضِّ سِوٰى ذٰلِكَ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ فَإِنَّهُ يُزَكِّيْ مَا بِيَدِهِ مِنْ نَّاضٍّ تَجِبُ فِيْهِ الزَّكَاةُ۔ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ مِنَ الْعُرُوْضِ وَالنَّقْدِ إِلَّا وَفَاءُ دَيْنِهِ فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ۔ حَتّٰى يَكُوْنَ عِنْدَهُ مِنَ النَّاضِّ فَضْلٌ عَنْ دَيْنِهِ، مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ فَعَلَيْهِ أَنْ يُّزَكِّيَهُ۔

ترجمہ: یزید بن خصیفہ نے سلیمان بن یسار سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو مالدار بھی ہے مگر اتنا ہی اس پر قرض ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے مگر امام شافعیؒ کا ایک قول اس کے خلاف ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ وہ امر جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں، وہ قرض کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا مالک جب تک اس پر قبضہ نہ کرے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اور اگر وہ مقروض کے پاس کئی سال تک رہے پھر اس مال پر قبضہ کرے تو اس پر صرف ایک زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر مالک نے اس قدر قرض واپس لے لیا جو کہ زکوٰۃ کا نصاب نہیں ہے تو اگر اس کے پاس اور مال بھی ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس دین میں سے جتنا اس نے قبضے میں کیا ہے، اسے بھی قابل زکوٰۃ مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دے۔

مالکؒ نے کہا کہ اگر اس کے پاس اس واپس لئے ہوئے قرض کے علاوہ اور کوئی (قابلِ زکوٰۃ) مال نہیں اور جتنا اس نے لیا ہے وہ نصاب زکوٰۃ نہیں تو اس پر اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن جتنا قرض اس نے واپس لے لیا ہے اس کی مقدار کو یاد رکھے اور اس کے بعد اگر وہ کچھ قرض واپس لے لے اور وہ پہلے لئے ہوئے کے ساتھ مل کر قابل زکوٰۃ ہو جائے تو اس میں اس کے ذمّہ زکوٰۃ واجب ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ اگر وہ پہلے واپس لئے ہوئے قرض کو ہلاک کر چکا ہے (یعنی جان بوجھ کر) یا اس نے تو ہلاک نہیں بلکہ از خود ہلاک ہو چکا ہے تو بھی اب واپس لئے ہوئے قرض سے ملا کر اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جب اس کا واپس لیا ہوا قرض بیس دینار سونے تک پہنچ گیا یا دو سو درہم تک پہنچ گیا تو اس میں اس پر زکوٰۃ ہے۔ پھر اس کے بعد وہ کم یا زیادہ وصول کرے گا، اس کے حساب سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (یعنی وہ بقدرِ نصاب قرض واپس لے لے گا۔ تو اس پر زکوٰۃ آجائے گی۔ اور اس کے بعد جو مقدار وصول ہوتی رہے گی، اس کی زکوٰۃ دیتا رہے گا۔ کیونکہ ایک دفعہ نصاب پورا ہو چکا تھا۔ حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک جتنا جتنا قرض وصول ہو کم ہو یا زیادہ، اس میں سے زکوٰۃ دیتا رہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دَین قوی کی زکوٰۃ ہے۔ دَینِ ضعیف کی نہیں۔ ضعیف سے مراد وہ ہے جس کی واپسی کی امید نہ ہو یا کم ہو۔ اور تمام قرض برابر نہیں ہوتے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو قرض کئی سال غائب رہا اور پھر مل گیا تو اس میں سے ایک ہی زکوٰۃ واجب ہونے کی دلیل ہے کہ جو

سامانِ تجارت کسی شخص کے پاس کئی سال پڑا رہے اور پھر وہ اسے بیچ ڈالے تو اس کی قیمت میں صرف ایک زکوٰۃ آتی ہے لیکن اس میں امام شافعیؒ، اسحاقؒ، ابو عبیدؒ اور حنفیہؒ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اس مال پر زکوٰۃ ہر سال آتی ہے اور احادیث کا ظاہری مطلب بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ قرض خواہ یا سامان کا مالک اس قرض یا مال کی زکوٰۃ کسی اور مال سے نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ہر چیز کی زکوٰۃ اسی چیز سے نکالی جاتی ہے اور کسی چیز کی زکوٰۃ اس چیز کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں نکالی جاتی۔ (حنفیہ کے نزدیک اشیا کی قیمتوں سے ان کی زکوٰۃ نکالنا جائز ہے اور حضرت عمرؓ بن الخطابؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، معاذؓ اور طاؤسؒ کا یہی مذہب ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ جس شخص پر قرض ہو اور اس کے پاس سامان ہو، جس کی قیمت سے وہ قرض ادا کر سکتا ہو اور اس کے پاس نقد سونا چاندی بھی ہو جو نصاب زکوٰۃ ہو تو وہ اس نقد کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ لیکن جب اس کے پاس سامان اور نقد صرف اس قدر ہو، جس سے وہ قرض ادا کر سکے تو اس پر زکوٰۃ نہیں، حتّٰی کہ اس کے پاس اتنا نقد ہو جو قرض سے بچ کر بھی نصابِ زکوٰۃ ہو سکے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ (خلاصہ یہ کہ قرض ادا کر کے اگر نصاب نہیں بچتا تو زکوٰۃ نہیں آتی۔ اگر کئی قسم کا نصاب ہو تو حنفیہ کے نزدیک قرض کو اس نصاب میں شمار کریں گے، جس کی ادائیگی آسان تر ہو یعنی مسئلہ متفق علیہ ہے۔ مگر اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔)

۹۔ بَابُ زَكٰوةِ الْعُرُوضِ

عروض کی زکوٰۃ کا باب

سونے چاندی اور حیوانات کے علاوہ دیگر ساز و سامان عروض کہلاتا ہے، جسے تجارت کے لئے کام میں لایا جاتا ہے۔ اس قسم کے ساز و سامان میں تمام فقہائے امصار کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے۔ احادیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور آیتِ قرآنی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان سب کو محیط ہے سوائے ان اشیاء کے جن میں سُنّت نے مستثنیٰ کیا ہو۔ مثلاً خدمت کے غلام اور سواری کے گھوڑے۔

۷۱۔ حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ زُرَيْقِ بْنِ حَيَّانَ، وَكَانَ زُرَيْقٌ عَلٰى جَوَازِ مِصْرَ، فِیْ زَمَانِ الْوَلِيْدِ، وَسُلَيْمَانَ، وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَذَكَرَ: اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ اِلَيْهِ: اَنِ انْظُرْ مَنْ مَرَّ بِكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ فَخُذْ مِمَّا ظَهَرَ مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ مِمَّا يُدِيْرُوْنَ مِنَ التِّجَارَاتِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِيْنَارًا، دِيْنَارًا۔ فَمَا نَقَصَ، فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ، حَتّٰى يَبْلُغَ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا۔ فَاِنْ نَقَصَتْ ثُلُثَ دِيْنَارٍ۔ فَدَعْهَا وَلَا تَاْخُذْ مِنْهَا شَيْئًا۔

وَمَنْ مَرَّ بِكَ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ مِمَّا يُدِيْرُوْنَ مِنَ التِّجَارَاتِ مِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا دِيْنَارًا۔ فَمَا نَقَصَ، فَبِحِسَابِ ذٰلِكَ، حَتّٰى يَبْلُغَ عَشَرَةَ دَنَانِيْرَ۔ فَاِنْ نَقَصَتْ ثُلُثُ دِيْنَارٍ فَدَعْهَا وَلَا تَاْخُذْ مِنْهَا شَيْئًا۔ وَاكْتُبْ لَهُمْ بِمَا تَاْخُذُ مِنْهُمْ، كِتَابًا اِلٰى مِثْلِهِ مِنَ الْحَوْلِ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا فِيْمَا يُدَارُ مِنَ الْعُرُوْضِ لِلتِّجَارَاتِ، اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَدَّقَ مَالَهٗ، ثُمَّ اشْتَرٰى بِهٖ عَرْضًا، بَزًّا اَوْ رَقِيْقًا اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ، ثُمَّ بَاعَهٗ قَبْلَ اَنْ يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ، فَاِنَّهٗ لَا يُؤَدِّيْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَالِ زَكٰوةً، حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ صَدَّقَهٗ۔ وَاَنَّهٗ اِنْ لَمْ يَبِعْ ذٰلِكَ الْعَرْضَ سِنِيْنَ، لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ الْعَرْضِ زَكٰوةٌ، وَاِنْ طَالَ زَمَانُهٗ فَاِذَا بَاعَهٗ، فَلَيْسَ فِيْهِ اِلَّا زَكٰوةٌ وَاحِدَةٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِيْ بِالذَّهَبِ اَوِ الْوَرِقِ، حِنْطَةً اَوْ تَمْرًا اَوْ غَيْرَهُمَا لِلتِّجَارَةِ۔ ثُمَّ يُمْسِكُهَا حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ ثُمَّ يَبِيْعُهَا: اَنَّ عَلَيْهِ فِيْهَا الزَّكٰوةَ حِيْنَ يَبِيْعُهَا۔ اِذَا بَلَغَ ثَمَنُهَا مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِثْلَ الْحَصَادِ يَحْصُدُهُ الرَّجُلُ مِنْ اَرْضِهٖ، وَلَا مِثْلَ الْجِدَادِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ عِنْدَ رَجُلٍ يُدِيْرُهٗ لِلتِّجَارَةِ، وَلَا يَنِضُّ لِصَاحِبِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ تَجِبُ عَلَيْهِ فِيْهِ الزَّكٰوةُ، فَاِنَّهٗ يَجْعَلُ لَهٗ شَهْرًا مِنَ السَّنَةِ يُقَوِّمُ فِيْهِ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِنْ عَرْضٍ لِلتِّجَارَةِ۔ وَيُحْصِيْ فِيْهِ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِنْ نَقْدٍ اَوْ عَيْنٍ۔ فَاِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ كُلُّهٗ، مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ فَاِنَّهٗ يُزَكِّيْهِ۔

وَقَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ تَجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَمَنْ لَمْ يَتْجُرْ سَوَاءٌ۔ لَيْسَ عَلَيْهِمْ اِلَّا صَدَقَةٌ وَاحِدَةٌ فِيْ كُلِّ عَامٍ۔ تَجَرُوْا فِيْهِ اَوْ لَمْ يَتْجُرُوْا۔

ترجمہ: زریق بن حیان نے جو ولید، سلیمان اور عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور میں مصر کی راہ پر مقرر تھے (تاکہ آنے جانے والوں سے زکوٰۃ اور ٹیکس وصول کرے) اس نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کی طرف خط لکھا تھا کہ جو مسلمان تیرے پاس سے گزریں تو ان کے ظاہری مالوں میں سے جنہیں وہ تجارت کی خاطر اِدھر سے اُدھر لاتے اور لے جاتے ہیں، چالیس دینار میں سے ایک دینار لیا کر اور جتنا کم ہو، اس میں بھی ۱/۴۰ حتیٰ کہ وہ بیس دینار کو آپہنچیں۔ اگر اس سے ایک دینار کا ثلث یعنی ۱/۳ بھی کم ہو تو اسے چھوڑ دے اور اس سے کچھ نہ لے۔ اور جو لوگ اہل ذمہ میں سے تیرے پاس گزریں تو ان کے تجارتی مالوں میں سے ہر بیس دیناروں میں سے ایک دینار وصول کر۔ اور اس سے کم میں بھی اسی حساب سے۔ حتیٰ کہ وہ دس دینار تک پہنچ جائیں اور اگر ۱/۳ دینار کم

ہو تو ان میں سے کچھ نہ لے۔ اور جو تو ان سے وصول کرے اس پر آئندہ سال تک کے لئے دستاویز لکھ کر دے دے۔ (یہ مال تجارت کے عشور کا مسئلہ ہے، جو مسلمانوں سے بلکہ ذمی غیر مسلموں سے بلکہ وصول کیا جاتا ہے اور حربیوں سے بطور بدلہ لیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ جب وہ ان کے ملک میں جانا چاہتے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک تجارتی ساز وسامان میں قاعدہ یہ ہے کہ کسی شخص نے جب اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی۔ پھر اس کے ساتھ کوئی اور سامانِ تجارت خرید لیا مثلاً کپڑا، غلام وغیرہ اور پھر اسے بیچا اور یہ سال گزرنے سے پہلے ہوا، تو پہلی زکوٰۃ کے بعد جب تک سال نہ گزرے وہ دوبارہ زکوٰۃ نہ دے گا۔ اور اگر وہ اسے کئی سال تک نہ بیچے تو اس میں کوئی اور زکوٰۃ نہیں آتی۔ (جمہور کا مذہب اس میں امام مالکؒ کے خلاف ہے جیسا کہ اُوپر گزرا۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اصول یہ ہے کہ جو آدمی سونے یا چاندی کے ساتھ گندم یا کھجور وغیرہ تجارت کے لئے خرید لے اور اسے روک لے، حتیٰ کہ سال گزر جائے اور پھر اسے بیچے تو اس پر بیع کے وقت زکوٰۃ آئے گی۔ بشرطیکہ وہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے اور اس کی مثال فصل کی کٹائی جیسی نہیں۔ جیسے انسان اپنی زمین سے کاٹتا ہے اور نہ یہ پھل اُتارنے کی مانند ہے۔ (یعنی ان پر عشر زکوٰۃ کٹائی اور پھل اُتارنے کے وقت آتی ہے اور سال گزرنے کی ان میں کوئی شرط نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو مال کسی شخص کے پاس ہے اور وہ اسے تجارت میں لگاتا ہے اور اس کے پاس اس میں سے کوئی چیز نہیں رہتی کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ پس سال کا ایک مہینہ مقرر کرکے اس میں اس کے مالِ تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے پاس نقد یا سونے چاندی کی صورت میں ہو وہ بھی لگا لیا جائے گا۔ جب یہ سارا نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (حنفی ائمہ میں اصل مسئلہ تو متفق علیہ ہے۔ مگر قیمت لگانے کے طریقہ میں اختلاف ہے۔ ان کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی بازاری قیمت لگائیں گے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں مسلم تاجر اور غیر تاجر برابر ہیں کہ ان پر سال میں ایک ہی زکوٰۃ ہے۔

۱۰۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَنْزِ

کنز کا باب

۶۷۲ - حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْكَنْزِ مَا هُوَ؟ فَقَالَ: هُوَ الْمَالُ الَّذِي لَا تُؤَدَّى مِنْهُ الزَّكٰوةُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے کنز کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔

(یہ حدیث موطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: کنز کا لفظی معنیٰ جمع کرنا، تہ بہ تہ رکھنا اور تیار کر کے بھرنا ہے شرعی معنی وہ ہے جو حدیث میں بیان ہوا اور یہ لفظ سورہ توبہ کی اس آیت سے لیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ "اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں دردناک سزا کی بشارت دے دو۔" یہ حدیث موقوف ہے۔ مگر مرفوع احادیث اس معنی کی مؤید ہیں۔ مثلاً اگلی حدیث ابی ہریرہؓ۔

۴۷۳۔ حَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ اَبِیْ صَالِحِ السَّمَّانِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّهٗ یَقُوْلُ، مَنْ کَانَ عِنْدَهٗ مَالٌ لَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ، مُثِّلَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ، لَهٗ زَبِیْبَتَانِ۔ یَطْلُبُهٗ حَتّٰی یُمْکِنَهٗ۔ یَقُوْلُ: اَنَا کَنْزُكَ۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ جس شخص کے پاس مال ہو جس کی اس نے زکوٰۃ نہ دی ہو تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن سفید سر والا سانپ بنا دیا جائے گا۔ جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ گنجا سانپ اسے قابو میں کرے گا کہے گا کہ میں تیرا بڑا خزانہ ہوں۔ (یہ حدیث بھی مؤطائے محمدؒ میں وارد ہوئی ہے۔)

شرح: بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ سانپ اس شخص کی دو باچھیں پکڑ لے گا اور کہے گا اور قرآن مجید کی آیت میں ہے کہ اس کے خزانے کے ساتھ بھوؤں، جبینوں اور پشتوں پر داغ لگائے جائیں گے، جہنم کی آگ میں تپا کر۔ ایک اور آیت میں ہے کہ "جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہوگا اس کا طوق ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا" یہ زیر نظر حدیث اس دوسری آیت کی تفسیر ہے اور مسلم کی حدیث میں سونے چاندی کو تپانے اور اس کے ساتھ عذاب دیئے جانے کا ذکر آیا ہے۔ پس یہ حدیث سورہ توبہ کی آیت کی تفسیر ہے۔ دونوں قسم کا عذاب دیا جائے گا۔ یا کسی کو یہ اور کسی کو وہ۔ واللہ اعلم۔ صحاح میں یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْمَاشِیَةِ

مویشیوں کی زکوٰۃ کا بیان

اونٹ، گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کی زکوٰۃ پر سب کا اتفاق ہے۔ امام مالکؒ اور لیثؒ کے نزدیک ان میں سائمہ (جنگل میں چرنے والے) ہونے کی بھی شرط نہیں اور جمہور فقہائے کے نزدیک یہ شرط ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے چرنے والے ہوں اور نسل کشی کے لئے پالے جائیں تو ان پر زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔ دیگر ائمہ کے نزدیک گھوڑے پر مطلقاً زکوٰۃ نہیں آتی۔

۴۷۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ قَرَاَ کِتَابَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِی الصَّدَقَةِ۔ قَالَ فَوَجَدْتُ فِیْهِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ الصَّدَقَةِ

فِیْ اَرْبَعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَدُوْنَهَا الْغَنَمُ، فِیْ کُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ۔

وَفِیْمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، اِلٰی خَمْسٍ وَثَلَاثِیْنَ ابْنَةُ مَخَاضٍ۔

فَاِنْ لَمْ تَکُنْ ابْنَةُ مَخَاضٍ، فَابْنُ لَبُوْنٍ ذَکَرٌ۔

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ، بِنْتُ لَبُونٍ۔

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ سِتِّينَ، حِقَّةٌ طَرُوقَةُ الْفَحْلِ

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ خَمْسٍ وَسَبْعِينَ، جَذَعَةٌ

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ تِسْعِينَ، ابْنَتَا لَبُونٍ۔

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، حِقَّتَانِ، طَرُوقَتَا الْفَحْلِ۔

فَمَا زَادَ عَلَىٰ ذٰلِكَ مِنَ الْإِبِلِ، فَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ، بِنْتُ لَبُونٍ۔

وَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ۔

وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ، إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ، إِلَىٰ عِشْرِينَ وَمِائَةٍ، شَاةٌ۔

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ مِائَتَيْنِ، شَاتَانِ۔

وَفِيمَا فَوْقَ ذٰلِكَ، إِلَىٰ ثَلَاثِ مِائَةٍ، ثَلَاثُ شِيَاهٍ۔

فَمَا زَادَ عَلَىٰ ذٰلِكَ، فَفِي كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ۔

وَلَا يُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ تَيْسٌ، وَلَا هَرِمَةٌ، وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ، إِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَّدِّقُ۔

وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ۔ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ۔ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ۔

وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ۔

وَفِي الرِّقَةِ، إِذَا بَلَغَتْ خَمْسَ أَوَاقٍ، رُبُعُ الْعُشْرِ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں نے صدقہ (زکوٰۃ) کے متعلق حضرت عمر بن الخطابؓ کا خط پڑھا اور اس میں یہ پایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ صدقہ کا خط ہے۔ ۲۴ یا اس سے کم اونٹوں میں بھیڑ بکری وصول کی جائے گی۔ ہر پانچ پر ایک بکری۔ اس کے بعد ۳۵ تک اونٹ کا ایک سالہ مؤنث بچہ۔ اگر مؤنث نہ ہو تو مذکر۔ اور اس کے اوپر ۴۵ تک دو سالہ مؤنث بچہ (اونٹ کا) اور اس کے اوپر ۶۰ تک تین سالہ مؤنث جفتی کے قابل اونٹ کا بچہ۔ اس کے اوپر ۷۵ تک چار سالہ اونٹنی۔ اس کے اوپر ۹۰ تک دو سالہ دو عدد اونٹنیاں۔ اور اس کے بعد ۱۲۰ تک ایک بکری۔ اور اس کے بعد ۱۲۰ تک تین سالہ دو اونٹنیاں جو جفتی کے قابل ہوں۔ پھر جتنے اونٹ اس سے زائد ہوں تو ہر چالیس میں سے دو سالہ اونٹنی اور ہر پچاس میں سے ایک تین سالہ اونٹنی۔

اور چرنے والی بھیڑ بکریوں میں ہے۔ ۴۰ سے لے کر ۱۲۰ تک ایک بکری اور اس کے بعد دو سو تک دو بکریاں اور اس کے بعد تین سو تک تین بکریاں اور جو اس سے زیادہ ہوں تو ہر سو میں ایک بکری۔ اور زکوٰۃ میں نسل کشی کا بکرا۔ بوڑھی بکری اور عیب دار بکری نہ لی جائے۔ مگر یہ کہ تحصیلدار چاہے۔ اور اکٹھے ریوڑ کو زکوٰۃ کے خوف سے الگ الگ نہ کیا جائے اور دو اکٹھے مال والوں کا جو ریوڑ ہو، تو اپنے درمیان ٹھیک ٹھیک لین دین کریں گے۔ اور چاندی جب پانچ اوقیہ ہو، تو اس میں ۱/۴۰ ہے۔

شرح: ابن العربیؒ نے المسالک میں کہا ہے کہ مواشی کی زکوٰۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین خطوط ثابت ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ والا خط، عمرو بن حزمؓ کا اور عمر بن الخطابؓ کا خط۔ امام مالکؒ نے اس تیسرے خط کو موطا میں درج کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ عمرو بن حزمؓ والا خط صحیح ہے اور میں اس کو اختیار کرتا ہوں۔ حنفیہ کا مذہب بھی اسی عمرو بن حزمؓ کے خط پر مبنی ہے۔ زیر نظر حدیث دراصل مرفوع ہے۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کے رفع کو ضعیف کہا ہے۔ بعض حفاظ حدیث کا قول ہے کہ عمرو بن حزمؓ کے خط کو (جو حضورؐ نے انہیں صدقات کے بارے میں بھیجا تھا) اُمت نے بالعموم قبول کیا ہے۔ اسے عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

۱۲ بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الْبَقَرِ

گائے کی زکوٰۃ کا بیان

۶۷۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ طَاوُسٍ الْيَمَانِيِّ، أَنَّ مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ الْأَنْصَارِيَّ أَخَذَ مِنْ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً، تَبِيعًا. وَمِنْ أَرْبَعِينَ بَقَرَةً، مُسِنَّةً. وَأُتِيَ بِمَا دُونَ ذٰلِكَ، فَأَبَى أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا. وَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ شَيْئًا، حَتّٰى أَلْقَاهُ فَأَسْأَلَهُ. فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ.

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِيمَنْ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ عَلَى رَاعِيَيْنِ مُفْتَرِقَيْنِ، أَوْ عَلَى رِعَاءٍ مُفْتَرِقِينَ، فِي بُلْدَانٍ شَتّٰى. أَنَّ ذٰلِكَ يُجْمَعُ كُلُّهُ عَلَى صَاحِبِهِ، فَيُؤَدِّي مِنْهُ صَدَقَتَهُ وَمِثْلُ ذٰلِكَ، الرَّجُلُ يَكُونُ لَهُ الذَّهَبُ أَوِ الْوَرِقُ مُتَفَرِّقَةً، فِي أَيْدِي نَاسٍ شَتّٰى، أَنَّهُ يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَجْمَعَهَا، فَيُخْرِجَ مِنْهَا مَا وَجَبَ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ مِنْ زَكَوٰتِهَا.

وَقَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ، فِي الرَّجُلِ يَكُونُ لَهُ الضَّأْنُ وَالْمَعْزُ: أَنَّهَا تُجْمَعُ عَلَيْهِ فِي الصَّدَقَةِ. فَإِنْ كَانَ فِيهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، صُدِّقَتْ. وَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ غَنَمٌ كُلُّهَا. وَفِي كِتَابِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ، وَفِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ، إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ شَاةً، شَاةٌ.

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ كَانَتِ الضَّأْنُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْمَعْزِ، وَلَمْ يَجِبْ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ، أَخَذَ الْمُصَدِّقُ تِلْكَ الشَّاةَ الَّتِي وَجَبَتْ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مِنَ الضَّأْنِ. وَإِنْ كَانَتِ الْمَعْزُ أَكْثَرَ مِنَ الضَّأْنِ، أُخِذَ مِنْهَا. فَإِنِ اسْتَوَى الضَّأْنُ وَالْمَعْزُ، أَخَذَ الشَّاةَ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ.

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الْإِبِلُ الْعِرَابُ وَالْبُخْتُ، يُجْمَعَانِ عَلَى رَبِّهِمَا فِي الصَّدَقَةِ وَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ إِبِلٌ كُلُّهَا. فَإِنْ كَانَتِ الْعِرَابُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْبُخْتِ، وَلَمْ يَجِبْ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا بَعِيرٌ وَاحِدٌ، فَلْيَأْخُذْ مِنَ الْعِرَابِ صَدَقَتَهَا. فَإِنْ كَانَتِ الْبُخْتُ أَكْثَرَ، فَلْيَأْخُذْ مِنْهَا. فَإِنِ اسْتَوَتْ، فَلْيَأْخُذْ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذَلِكَ الْبَقَرُ وَالْجَوَامِيسُ، تُجْمَعُ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى رَبِّهَا. وَقَالَ: إِنَّمَا هِيَ بَقَرٌ كُلُّهَا. فَإِنْ كَانَتِ الْبَقَرُ هِيَ أَكْثَرَ مِنَ الْجَوَامِيسِ، وَلَا تَجِبُ عَلَى رَبِّهَا إِلَّا بَقَرَةٌ وَاحِدَةٌ، فَلْيَأْخُذْ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَتَهَا. وَإِنْ كَانَتِ الْجَوَامِيسُ أَكْثَرَ، فَلْيَأْخُذْ مِنْهَا. فَإِنِ اسْتَوَتْ، فَلْيَأْخُذْ مِنْ أَيَّتِهِمَا شَاءَ. فَإِذَا وَجَبَتْ فِي ذَلِكَ الصَّدَقَةُ صُدِّقَ الصِّنْفَانِ جَمِيعًا.

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: مَنْ أَفَادَ مَاشِيَةً مِنْ إِبِلٍ أَوْ بَقَرٍ أَوْ غَنَمٍ فَلَا صَدَقَةَ عَلَيْهِ فِيهَا، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَادَهَا. إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ قَبْلَهَا نِصَابُ مَاشِيَةٍ. وَالنِّصَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، إِمَّا خَمْسُ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ، وَإِمَّا ثَلَاثُونَ بَقَرَةً، وَإِمَّا أَرْبَعُونَ شَاةً. فَإِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ خَمْسُ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ، أَوْ ثَلَاثُونَ بَقَرَةً، أَوْ أَرْبَعُونَ شَاةً، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا إِبِلًا أَوْ بَقَرًا أَوْ غَنَمًا، بِاشْتِرَاءٍ أَوْ هِبَةٍ أَوْ مِيرَاثٍ، فَإِنَّهُ يُصَدِّقُهَا مَعَ مَاشِيَتِهِ حِينَ يُصَدِّقُهَا. وَإِنْ لَمْ يَحُلْ عَلَى الْفَائِدَةِ الْحَوْلُ. وَإِنْ كَانَ مَا أَفَادَ مِنَ الْمَاشِيَةِ إِلَى مَاشِيَتِهِ، قَدْ صُدِّقَتْ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا بِيَوْمٍ وَاحِدٍ أَوْ قَبْلَ أَنْ يَرِثَهَا بِيَوْمٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ يُصَدِّقُهَا مَعَ مَاشِيَتِهِ حِينَ يُصَدِّقُ مَاشِيَتَهُ.

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ، وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ، مِثْلُ الْوَرِقِ يُزَكِّيهَا الرَّجُلُ ثُمَّ يَشْتَرِي بِهَا مِنْ رَجُلٍ آخَرَ عَرْضًا، وَقَدْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِي عَرْضِهِ ذَلِكَ، إِذَا بَاعَهُ الصَّدَقَةُ، فَيُخْرِجُ الرَّجُلُ الْآخَرُ صَدَقَتَهَا هَذَا الْيَوْمَ. وَيَكُونُ الْآخَرُ قَدْ صَدَّقَهَا مِنَ الْغَدِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، فَاشْتَرَى إِلَيْهَا غَنَمًا كَثِيرَةً تَجِبُ فِي دُونِهَا الصَّدَقَةُ، أَوْ وَرِثَهَا، أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ فِي الْغَنَمِ كُلِّهَا الصَّدَقَةُ، حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهَا

الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ أَفَادَهَا، بِاشْتِرَاءٍ أَوْ مِيرَاثٍ. وَذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ مَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ مِنْ مَاشِيَةٍ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، مِنْ إِبِلٍ أَوْ بَقَرٍ أَوْ غَنَمٍ، فَلَيْسَ يُعَدُّ ذٰلِكَ نِصَابَ مَالٍ، حَتّٰى يَكُونَ فِي كُلِّ صِنْفٍ مِنْهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ. فَذٰلِكَ النِّصَابُ الَّذِي يُصَدَّقُ مَعَهُ مَا أَفَادَ إِلَيْهِ صَاحِبُهُ، مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ مِنَ الْمَاشِيَةِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ كَانَتْ لِرَجُلٍ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ، تَجِبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ مِنْهَا الصَّدَقَةُ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا بَعِيرًا أَوْ بَقَرَةً أَوْ شَاةً، صَدَّقَهَا مَعَ مَاشِيَتِهِ حِينَ يُصَدِّقُهَا.

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي هٰذَا.

قَالَ مَالِكٌ، فِي الْفَرِيضَةِ تَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ، فَلَا تُوجَدُ عِنْدَهُ: أَنَّهَا إِنْ كَانَتِ ابْنَةَ مَخَاضٍ، فَلَمْ تُوجَدْ، أُخِذَ مَكَانَهَا ابْنُ لَبُونٍ ذَكَرٌ. وَإِنْ كَانَتْ بِنْتَ لَبُونٍ، أَوْ حِقَّةً، أَوْ جَذَعَةً، وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ، كَانَ عَلٰى رَبِّ الْإِبِلِ أَنْ يَبْتَاعَهَا لَهُ حَتّٰى يَأْتِيَهُ بِهَا. وَلَا أُحِبُّ أَنْ يُعْطِيَهُ قِيمَتَهَا.

وَقَالَ مَالِكٌ، فِي الْإِبِلِ النَّوَاضِحِ، وَالْبَقَرِ السَّوَانِي، وَبَقَرِ الْحَرْثِ: إِنِّي أَرٰى أَنْ يُؤْخَذَ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ، إِذَا وَجَبَتْ فِيهِ الصَّدَقَةُ.

ترجمہ: معاذ بن جبلؓ انصاری نے تیس گائے بھینسوں میں سے ایک یک سالہ مؤنث بچھڑا اور چالیس میں سے ایک دو سالہ مؤنث بچھڑا لیا۔ اور ان کے پاس ۴۰ سے کم تعداد لائی گئی تو انہوں نے اس میں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا، میں نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ میں آپ سے مل کر دریافت کروں گا۔ پس معاذ بن جبلؓ کے آنے سے پہلے ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ (امام محمدؒ نے اسے مؤطا میں روایت کیا اور کہا کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں۔ ۳۰ سے کم گائے بھینس میں زکوٰۃ نہیں۔ جب تیس ہوں تو ان میں ایک یک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے چالیس تک، جب چالیس ہوں تو ایک دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور عام فقہا کا یہی قول ہے۔)

یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس شخص کی بھیڑ بکریاں دو گڈریوں پر یا کئی گڈریوں پر کئی شہروں میں بکھری ہوئی ہوں تو اس کے متعلق میری سنی ہوئی پسندیدہ تر بات یہ ہے کہ ان سب کو ان کے مالک کے حساب میں جمع کر کے زکوٰۃ لی جائے گی۔ اور اسی طرح اگر کسی آدمی کا سونا یا چاندی متفرق لوگوں کے پاس بکھرے ہوئے ہوں تو اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اس سب

کو جمع کرے اور جتنی زکوٰۃ واجب ہو، ادا کرے۔ (جمہور کا مذہب یہی ہے اور امام احمدؒ کا اس میں اختلاف ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس آدمی کی بھیڑیں اور بکریاں ہوں تو زکوٰۃ میں انہیں جمع کیا جائے گا۔ اگر ملا کر قابلِ زکوٰۃ ہوں تو زکوٰۃ لی جائے گی۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ سب غنم کہلاتی ہیں اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی کتاب الصدقہ میں ہے کہ چرنے والی غنم میں اگر وہ چالیس ہوں تو ایک بھیڑ بکری واجب ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ اگر بکریوں کی نسبت بھیڑیں زیادہ ہوں اور ان کے مالک پر ایک جانور واجب ہو تو تحصیلدار اسے بھیڑوں میں سے لے۔ اور اگر بکریاں زیادہ ہوں تو ان میں سے لے اور اگر وہ برابر برابر ہوں تو جس قسم سے چاہے لے لے۔ (بھیڑ بکری دونوں پر شاۃ اور غنم کا لفظ بولا جاتا ہے اور بقول علامہ ابن رُشد مالکیؒ زکوٰۃ کے حکم میں ان دونوں کے اکٹھے ہونے پر سب فقہا کا اتفاق ہے یہی بات الموفق اور ابن المنذر شافعی نے لکھی ہے اور امام مالکؒ کا یہ قول کہ تحصیلدار کثیر التعداد نوع میں سے زکوٰۃ لے گا، محض استحباب پر مبنی ہے۔ جب جنس ایک ہے تو تحصیلدار کو اختیار ہے جس نوع سے چاہے لے لے۔ یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ اسی طرح عربی اور بختی اونٹ بھی جمع کر کے ان کے مالک سے زکوٰۃ لی جائے گی کیونکہ وہ سب اُونٹ ہیں۔ پھر اگر عربی اونٹ بختی سے زیادہ ہوں، تو اگر زکوٰۃ ایک ہی اونٹ ہو تو ان میں سے لی جائے۔ اگر بختی زیادہ ہوں اور ایک ہی اُونٹ لینا ہو تو ان میں سے لیا جائے اور اگر برابر ہوں تو جن سے چاہے لے لے۔ (بختی اُونٹ دو کوہانوں والا ہوتا ہے اور یہ بخت نصر کی طرف منسوب ہے جس نے سب سے پہلے عربی اور غیر عربی اور اونٹوں کو ملا کر نسل کشی کرائی تھی۔ مسئلہ یہاں بھی حسبِ سابق ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ اسی طرح گائیں اور بھینسیں زکوٰۃ میں ان کے مالک پر جمع کی جائیں گی کیونکہ یہ سب بقر کہلاتی ہیں پھر اگر گائیں زیادہ ہوں اور صرف ایک گائے زکوٰۃ آتی ہو تو ان میں سے لی جائے اگر بھینسیں زیادہ ہوں تو ان میں سے لی جائے اور اگر دونوں برابر ہوں تو جونسی چاہے لے لی جائے (یعنی حسبِ سابق) جب ان میں زکوٰۃ واجب ہو تو دونوں کی زکوٰۃ لی جائے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو اونٹ گائے اور بکری میں اضافہ حاصل ہو تو اضافہ پر جب تک سال نہ گزرے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ پہلے اس کا نصابِ زکوٰۃ موجود ہو (تو پھر اضافہ اس میں شمار کیا جائے گا) اور نصاب وہ ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی پانچ اونٹ یا تیس گائیں یا چالیس بکریاں پس جب ان کا نصاب موجود ہے تو جو اضافہ ہو گا زکوٰۃ دیتے اسے بھی ان میں شمار کریں گے اضافے کی صورت یہ ہے کہ خریدنے یا ہبہ سے یا میراث سے اسے کچھ اور مل جائے گو اس اضافے پر سال نہ گزرا ہو لیکن اگر اس اضافے سے پہلے ان جانوروں کی زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو پھر ایک دن بعد میں اضافہ ہوا۔ اس صورت میں وہ ان کی زکوٰۃ بھی اپنے مویشی کے ساتھ دے گا۔ (گو اس اضافہ کی زکوٰۃ دو دفعہ ادا ہوئی اگر پہلا مالک بھی دے چکا تھا تو۔) مالکؒ نے کہا کہ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس چاندی تھی اور اس نے اس کی زکوٰۃ دے دی تھی۔ پھر اس

چاندی کے عوض اس نے کچھ سامان خریدا۔ اور اس سامان پر بھی زکوٰۃ واجب ہو چکی تھی اور اس نے اس کی زکوٰۃ دے دی تھی۔ اور خریدار نے خرید کر زکوٰۃ ادا کی۔ گویا پہلے نے آج زکوٰۃ دی اور دوسرے نے کل دی۔ (مال تجارت میں مالکوں کی تبدیلی سے سال میں ایک سے زیادہ بار زکوٰۃ آ جاتی ہے۔ مگر حنفیہ نے اس مسئلے کی بعض صورتوں میں اور بعض تفصیلات میں اختلاف کیا ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک آدمی کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں جو نصاب زکوٰۃ سے کم تھیں۔ پھر اس نے بہت سی بکریاں خریدیں جن سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب ہے یا وہ اس کو وراثت میں مل گئیں۔ تو اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہو گی، جب کہ اس اضافے پر سال گزرے گا، خریدا ہوا اضافہ یا وراثت سے حاصل شدہ اضافہ۔ اور یہ اس لئے کہ اگر کسی شخص کے پاس نصاب سے کم مویشی ہوں۔ اونٹ ہوں یا گائیں یا بھیڑ بکریاں۔ تو جب ان میں سے ہر قسم میں زکوٰۃ کا نصاب نہ ہو، زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ پس اس نصاب کی زکوٰۃ وہ اضافے سمیت ادا کرے گا۔ (خلاصہ یہ کہ اضافہ جب غیر نصاب کے ساتھ ملایا جائے تو کم ہو یا زیادہ، جب نصاب پورا ہو گیا تو سال گزرنے پر زکوٰۃ آئے گی۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جب کسی کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریوں کا نصاب ہو، پھر اس پر ایک اُونٹ یا ایک گائے یا ایک

بکری کا اضافہ ہوگیا تو زکوٰۃ دیتے وقت وہ اضافہ بھی تعداد میں شمار ہوگا۔ (حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اور ان مسائل کے بیان میں یہاں تکرار واقع ہوا ہے۔) امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ میری سنی ہوئی پسندیدہ تر بات ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس عمر کا جانور کسی شخص پر واجب ہے لیکن وہ اسے ملتا نہیں مثلاً ایک سالہ اونٹنی اس پر واجب ہے جو اسے نہیں ملتی تو اس کے بجائے دو سالہ اونٹ لے لیا جائے اور اگر اس پر دو سالہ اونٹنی، یا تین سالہ اونٹنی یا چار سالہ اونٹنی واجب ہو جو اس کے پاس ہے نہیں، تو مال کے مالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ جانور خرید کر دے اور مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کی قیمت تحصیلدار کو ادا کرے۔ (حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ ابوداؤد کی روایات میں قیمت کا جواز واضح طور پر آیا ہے۔ اور اس کی تفصیل ہم نے بذل المجہود سے اپنی شرح فضل المعبود میں نقل کر دی ہے۔ امام مالکؒ مال پر لازم ٹھہراتے ہیں کہ وہ جانور خرید کر دے۔ اگر ذرا گہری نظر سے دیکھیں تو اگر اس کا خرید کر دینا جائز ہے تو قیمت دینا کیوں جائز نہیں؟ اور اس مسئلے کی بنیاد اس پر ہے کہ مؤنث جانور مذکروں کی نسبت افضل ہوتے ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ کسی جگہ یا کسی زمانے میں اس کے خلاف بھی ہو)

امام مالکؒ نے پانی ڈھونے والے اونٹوں، پانی نکالنے والے بیلوں اور کھیتی باڑی کے بیلوں کے بارے میں کہا کہ اگر یہ نصاب زکوٰۃ ہوں تو میری رائے میں ان میں سے بھی زکوٰۃ لی جائے گی۔ لیکن اکثر اہل علم کا قول اس کے خلاف ہے۔ اور اس اکثریت میں ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ شامل ہیں۔ ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ بوجھ اٹھانے والے اور کام کرنے والے جانوروں میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اس مضمون کی احادیث ابوداؤد، دارقطنی، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق وغیرہم نے روایت کی ہیں۔ ان جانوروں کی حیثیت انسان کی بنیادی ضروریات کی ہے، مثلاً سواری کا جانور۔

۱۳۔ بَابُ صَدَقَةِ الْخُلَطَاءِ

ملے جلے مال والوں کی زکوٰۃ کا باب

دو شخصوں کا مال اگر متعین اور متمیز ہے اور صرف چرانے یا باڑے میں اکٹھا رکھنے کی حد تک ملا جلا ہے تو ان پر اپنے اپنے مال میں الگ الگ زکوٰۃ آئے گی۔ کیونکہ یہ مخلطۃ الجوار ہے۔ جس کا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں۔ ابوحنیفہؒ اور سفیانؒ کا یہی قول ہے۔ دوسری طرح کا اختلاط وہ ہے جو شراکت کہلاتا ہے کہ دو شخصوں کا مال باہم متمیز نہ ہو۔ پس ان کے مال کی زکوٰۃ اکٹھی نکلے گی۔ اور وہ آپس میں شراکت کے مطابق حساب کریں گے۔ اگر شراکت نصفا نصف ہے تو دونوں کی زکوٰۃ برابر ہے۔ اگر ثلث اور ثلثان ہے تو اس حساب سے ہوگی۔ خلیط اور شریک کا لفظ کبھی مترادف ہوتا ہے اور کبھی دونوں کا معنیٰ الگ الگ ہوتا ہے۔

۶۷۷۔ قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ، فِي الْخَلِيطَيْنِ إِذَا كَانَ الرَّاعِي وَاحِدًا وَالْفَحْلُ وَاحِدًا، وَالْمُرَاحُ وَاحِدًا، وَالدَّلْوُ وَاحِدًا: فَالرَّجُلاَنِ خَلِيطَانِ. وَإِنْ عَرَفَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالَهُ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ.

قَالَ وَالَّذِي لاَ يَعْرِفُ مَالَهُ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ لَيْسَ بِخَلِيطٍ. إِنَّمَا هُوَ شَرِيكٌ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلاَ تَجِبُ الصَّدَقَةُ عَلَى الْخَلِيطَيْنِ حَتَّى يَكُونَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ

الصَّدَقَةُ۔ وَتَفْسِيرُ ذٰلِكَ، أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِأَحَدِ الْخَلِيطَيْنِ أَرْبَعُونَ شَاةً فَصَاعِدًا، وَلِلْآخَرِ أَقَلُّ مِنْ أَرْبَعِينَ شَاةً، كَانَتِ الصَّدَقَةُ عَلَى الَّذِي لَهُ الْأَرْبَعُونَ شَاةً۔ وَلَمْ تَكُنْ عَلَى الَّذِي لَهُ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ، صَدَقَةٌ۔ فَإِنْ كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ جُمِعَا فِي الصَّدَقَةِ۔ وَوَجَبَتِ الصَّدَقَةُ عَلَيْهِمَا جَمِيعًا۔ فَإِنْ كَانَ لِأَحَدِهِمَا أَلْفُ شَاةٍ، أَوْ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ، مِمَّا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ وَلِلْآخَرِ أَرْبَعُونَ شَاةً أَوْ أَكْثَرُ، فَهُمَا خَلِيطَانِ۔ يَتَرَادَّانِ الْفَضْلَ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ۔ عَلَى قَدْرِ عَدَدِ أَمْوَالِهِمَا عَلَى الْأَلْفِ بِحِصَّتِهَا۔ وَعَلَى الْأَرْبَعِينَ بِحِصَّتِهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: الْخَلِيطَانِ فِي الْإِبِلِ بِمَنْزِلَةِ الْخَلِيطَيْنِ فِي الْغَنَمِ۔ يَجْتَمِعَانِ فِي الصَّدَقَةِ جَمِيعًا، إِذَا كَانَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ۔ وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ۔" وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: فِي سَائِمَةِ الْغَنَمِ إِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعِينَ شَاةً، شَاةٌ۔

وَقَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ۔ أَنَّهُ إِنَّمَا يَعْنِي بِذٰلِكَ أَصْحَابَ الْمَوَاشِي۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ "لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ" أَنْ يَكُونَ النَّفَرُ الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ أَرْبَعُونَ شَاةً، قَدْ وَجَبَتْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِي غَنَمِهِ الصَّدَقَةُ۔ فَإِذَا أَظَلَّهُمُ الْمُصَدِّقُ جَمَعُوهَا، لِئَلَّا يَكُونَ عَلَيْهِمْ فِيهَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ۔ فَنُهُوا عَنْ ذٰلِكَ۔ وَتَفْسِيرُ قَوْلِهِ "وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ" أَنَّ الْخَلِيطَيْنِ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةُ شَاةٍ وَشَاةٌ، فَيَكُونُ عَلَيْهِمَا فِيهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ۔ فَإِذَا أَظَلَّهُمَا الْمُصَدِّقُ، فَرَّقَا غَنَمَهُمَا۔ فَلَمْ يَكُنْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا شَاةٌ وَاحِدَةٌ۔ فَنُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ۔ فَقِيلَ: لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُفْتَرِقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ، فَهٰذَا الَّذِي سَمِعْتُ فِي ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ جب گڈریا ایک ہو، بکریوں کا نر ایک ہو، باڑہ ایک ہو، پانی پلانے کا ذریعہ ایک ہو، تو جن دو کا مال اکٹھا ہے وہ خلیط کہلائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مال کو دوسرے سے الگ پہچانتا ہو۔ مالکؒ نے کہا، جو شخص اپنے اور ساتھی کے مال میں فرق وامتیاز نہ کر سکے وہ خلیط نہیں۔ بلکہ شریک کہلاتا ہے۔ اگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ بھی خلیط ہے۔ یعنی خلیط وشریک ایک ہی معنی رکھتے ہیں۔ کیونکہ محض ہمسائگی کا اختلاط کوئی چیز نہیں۔ امام مالکؒ نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اور ہمسائیگی کے اختلاط والوں کو خلیط کہا ہے۔ اور دوسروں کو شریک۔ پھر فقہی اختلاف اس لفظی اختلاف پر مبنی ہوگا۔
امام مالکؒ نے فرمایا کہ دو خلیطوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب تک کہ ان میں سے ہر ایک کا نصابِ زکوٰۃ نہ ہو۔ مالکؒ نے کہا اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب ایک خلیط کی چالیس بکریاں ہوں یا زیادہ اور دوسرے کی چالیس سے کم ہوں، تو زکوٰۃ چالیس والے پر ہے نہ کم تعداد والے پر۔ (شافعی اور حنبلی حضرات کا اس میں اختلاف ہے۔)
امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس نصابِ زکوٰۃ ہو تو ان کی زکوٰۃ اکٹھی وصول کی جائے گی اور ان دونوں پر اپنے مال کی مقدار کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پس اگر ایک کی ایک ہزار بکری ہو یا اس سے کم جس پر زکوٰۃ واجب ہو، اور دوسرے کی چالیس بکریاں ہوں یا اس سے زیادہ کہ زکوٰۃ اس پر بھی واجب ہے۔ پس یہ دونوں خلیط ہیں۔ یہ دونوں اپنے اموال کی تعداد کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ حساب کریں گے۔ ہزار کی زکوٰۃ اس کے حصے کے مطابق اور چالیس پر اس کے حصے کے مطابق ہوگی۔
امام مالکؒ نے فرمایا کہ اونٹوں کے خلیط بھی بھیڑ بکریوں کے خلیطوں کی مانند ہیں۔ وہ دونوں اکٹھی زکوٰۃ دیں گے بشرطیکہ ہر ایک کا مال نصاب کو پہنچتا ہو۔ اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پانچ اُونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا ہے کہ چرنے والی بکریاں جب چالیس ہوں تو ان میں ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ یہ پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سُنی۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے بقول الگ الگ کو جمع نہ کیا جائے گا۔ اور زکوٰۃ کے خوف سے اکٹھے کو جدا نہ کیا جائے گا۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ مویشیوں والے ایسا نہ کریں۔ مالکؒ نے کہا کہ ان کے اس قول کا مطلب کہ جُدا جُدا کو جمع نہ کیا جائے، یہ ہے کہ تین آدمی اگر چالیس چالیس بکریاں رکھتے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے نصاب پر ایک ایک بکری واجب ہو گئی پس جب تحصیلدار آئے اور وہ تینوں اپنا مال اکٹھا کر دیں، تاکہ پورے ۱۲۰ کے ریوڑ پر صرف ایک بکری زکوٰۃ آئے۔ لہٰذا انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ اور ان کا یہ قول کہ اکٹھے مال کو جدا جدا نہ کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو خلطیوں میں سے ہر ایک کی ایک سو ایک بکری ہو اور دونوں کا مجموعہ ۲۰۲ ہے اور ان پر تین بکریاں زکوٰۃ ہے۔ پس جب تحصیلدار آئے تو وہ اپنی اپنی بکریاں الگ الگ کرلیں تو ان میں سے ہر ایک پر فقط ایک بکری آئے گی۔ پس اس سے منع کر دیا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ الگ الگ کو اکٹھا نہ کیا جائے اور اکٹھے کو جدا جدا نہ کیا جائے زکوٰۃ کے خوف سے۔ مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ تفسیر ہے جو میں نے اس قول کی سُنی۔ (سفیان ثوریؒ

اور اوزاعیؒ نے بھی یہی کہا۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ نہی کا تعلق تحصیلداروں کے ساتھ ہے۔ ابن رشد نے کہا کہ نہی کا تعلق مالکوں اور تحصیلداروں سب کے ساتھ ہے۔ یعنی ان میں سے کوئی بھی زکوٰۃ کی کمی بیشی کے لئے یہ حرکت نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اختلاط کوئی چیز نہیں۔ (بلکہ اس سے مراد حدیث میں شرکت ہے) پس انہوں نے اس قول کا مطلب یہ بیان کیا کہ تحصیلدار کے لئے جائز نہیں کہ دو آدمیوں کے مال کو ملا کر ایک بنا دے اور زکوٰۃ وصول کرے۔ یعنی ۲۰+۲۰ = ۴۰ کر کے زکوٰۃ لے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ ایک ہی شخص کی ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے زیادہ زکوٰۃ وصول کرے۔ مثلاً اگر اس کی ۸۰ بکریاں ہوں تو ۴۰-۴۰ کر کے دو بکریاں وصول کرے۔)

۱۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا يُعْتَدُّ بِهِ مِنَ السَّخْلِ فِي الصَّدَقَةِ

نصاب زکوٰۃ میں بھیڑ بکریوں کے بچوں کو شمار کرنا

جب اہل مال کا نصاب موجود ہو تو ان کے بچوں کو بھی شمار کر کے ساری تعداد میں زکوٰۃ واجب ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ مگر اس کی بعض تفاصیل میں اختلاف ہوا ہے۔

۶۷۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنِ ابْنٍ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ، عَنْ جَدِّهِ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا. فَكَانَ يَعُدُّ عَلَى النَّاسِ بِالسَّخْلِ فَقَالُوا: أَتَعُدُّ عَلَيْنَا بِالسَّخْلِ. وَلَا تَأْخُذُ مِنْهُ شَيْئًا. فَلَمَّا قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ذَكَرَ لَهُ ذَالِكَ. فَقَالَ عُمَرُ: نَعَمْ تَعُدُّ عَلَيْهِمْ بِالسَّخْلَةِ، يَحْمِلُهَا الرَّاعِي وَلَا تَأْخُذُهَا. وَلَا نَأْخُذُ الْأَكُولَةَ وَلَا الرُّبَّى وَلَا الْمَاخِضَ وَلَا فَحْلَ الْغَنَمِ. وَنَأْخُذُ الْجَذَعَةَ وَالثَّنِيَّةَ! وَذَالِكَ عَدْلٌ بَيْنَ غِذَاءِ الْغَنَمِ وَخِيَارِهِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالسَّخْلَةُ الصَّغِيرَةُ حِينَ تُنْتَجُ. وَالرُّبَّى الَّتِي قَدْ وَضَعَتْ، فَهِيَ تُرَبِّي وَلَدَهَا. وَالْمَاخِضُ هِيَ الْحَامِلُ وَالْأَكُولَةُ هِيَ شَاةُ اللَّحْمِ الَّتِي تُسَمَّنُ لِتُؤْكَلَ.

وَقَالَ مَالِكٌ: فِي الرَّجُلِ تَكُونُ لَهُ الْغَنَمُ لَا تَجِبُ فِيهَا الصَّدَقَةُ، فَتَوَالَدُ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهَا الْمُصَدِّقُ بِيَوْمٍ وَاحِدٍ. فَتَبْلُغُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ بِوِلَادَتِهَا.

قَالَ مَالِكٌ، إِذَا بَلَغَتِ الْغَنَمُ بِأَوْلَادِهَا مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ، فَعَلَيْهِ فِيهَا الصَّدَقَةُ. وَذَالِكَ أَنَّ وِلَادَةَ الْغَنَمِ مِنْهَا. وَذَالِكَ مُخَالِفٌ لِمَا أُفِيدَ مِنْهَا بِاشْتِرَاءٍ أَوْ هِبَةٍ أَوْ مِيرَاثٍ. وَمِثْلُ ذَالِكَ

الْعَرْضِ. لَا يَبْلُغُ ثَمَنُهُ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ. ثُمَّ يَبِيعُهُ صَاحِبُهُ فَيَبْلُغُ بِرِبْحِهِ مَا تَجِبُ فِيهِ الصَّدَقَةُ. فَيُصَدِّقُ رِبْحَهُ مَعَ رَأْسِ الْمَالِ. وَلَوْ كَانَ رِبْحُهُ فَائِدَةً أَوْ مِيرَاثًا، لَمْ تَجِبْ فِيهِ الصَّدَقَةُ. حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ أَفَادَهُ أَوْ وَرِثَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: فَغِذَاءُ الْغَنَمِ مِنْهَا، كَمَا رِبْحُ الْمَالِ مِنْهُ. غَيْرَ أَنَّ ذٰلِكَ يَخْتَلِفُ فِي وَجْهٍ آخَرَ أَنَّهُ إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ مِنَ الذَّهَبِ أَوِ الْوَرِقِ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ، ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهِ مَالًا، تَرَكَ مَالَهُ الَّذِي أَفَادَ، فَلَمْ يُزَكِّهِ مَعَ مَالِهِ الْأَوَّلِ حِينَ يُزَكِّيهِ، حَتَّى يَحُولَ عَلَى الْفَائِدَةِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمَ أَفَادَهَا. وَلَوْ كَانَتْ لِرَجُلٍ غَنَمٌ، أَوْ بَقَرٌ، أَوْ إِبِلٌ، تَجِبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ مِنْهَا الصَّدَقَةُ. ثُمَّ أَفَادَ إِلَيْهَا بَعِيرًا، أَوْ بَقَرَةً، أَوْ شَاةً، صَدَّقَهَا مَعَ صِنْفِ مَا أَفَادَ مِنْ ذٰلِكَ حِينَ يُصَدِّقُهُ، إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مِنْ ذٰلِكَ الصِّنْفِ الَّذِي أَفَادَ، نِصَابُ مَاشِيَةٍ.

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي ذٰلِكَ.

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو زکوٰۃ کا تحصیلدار بنا کر بھیجا۔ وہ مال کا شمار کرتے وقت بھیڑ بکریوں کے بچوں کو بھی اسی میں شمار کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بچوں کو شمار کرتے ہیں۔ مگر انہیں زکوٰۃ میں نہیں لیتے۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو لوگوں کی اس بات کا ذکر کیا۔ پس حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ ہم ان کے مال میں وہ بچہ بھی شمار کریں گے جو گڈریا اٹھا کر لائے۔ مگر ہم اسے زکوٰۃ میں نہیں لیتے۔
نہ گوشت کے لئے پالی ہوئی بکری کو لیتے ہیں نہ شیر دار بکری کو نہ حاملہ کو اور نہ بکریوں کے نر کو لیتے ہیں۔ اور جوان جانور کو ایک سالہ بھیڑ بکری، یک سالہ گائے، چار سالہ اونٹنی) اور دو سالہ بکری کو لیتے ہیں۔ اور یہ ردی اور بہترین بھیڑ بکری کے درمیان وسطی جانور ہے۔ سخلہ بھیڑ بکری کا نو پید بچہ ہوتا ہے اور ربّٰی وہ مادہ ہے، جس نے بچہ جنا ہوا اور اپنے بچے کی پرورش کر رہی ہو ماخض کا معنیٰ حاملہ ہے۔ اکولہ گوشت کھانے کی غرض سے پالی ہوئی بکری ہے۔
(جناب عمر فاروقؓ کے قول کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگوں کی آسانی کے لئے اتنی چھوٹ دیتے ہیں کہ ان کی ضروری چیزوں اور قیمتی جانوروں کو نہیں چھیڑتے۔ لہٰذا بچوں کو شمار کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ گویا لوگوں کے اعتراض کا جواب تھا۔)
امام مالکؒ نے فرمایا، جب بھیڑ بکریاں اپنی اولاد سمیت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائیں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اور یہ اس لئے کہ بکریوں کے بچے انہی میں سے ہوتے ہیں۔ اور یہ اس اضافے کے خلاف ہے جو خرید کر یا ہبہ سے یا میراث سے حاصل ہوا ہو۔
(اور اس کا ذکر اوپر گزرا کہ امام مالکؒ کے نزدیک اولاد کے ساتھ نصاب مکمل کیا جاتا ہے اور اضافے کے ساتھ نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک نصاب کی تکمیل اولاد سے بھی ہوتی ہے اور اضافے سے بھی۔ مگر نصاب کا سال اسی وقت سے شمار ہو گا جب نصاب مکمل ہوا) اور

اسی طرح سامانِ تجارت بھی ہے کہ اگر اس کی قیمت نصاب کو نہیں پہنچتی، لیکن مالک اسے نفع پر بیچ ڈالے اور نفع ملا کر نصاب بن جائے تو نفع اور اصل زر دونوں میں سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ لیکن اگر اضافہ کسی اور صورت سے ہو، مثلاً ہبہ یا میراث سے، تو جب تک اس اضافے پر سال نہ گزرے، اس پر زکوٰۃ نہیں آتی۔ (اس مسئلہ پر بھی جمہور کا امام مالکؒ کے ساتھ اختلاف ہے کہ وہ ان کی مانند دونوں کا الگ الگ سال شمار نہیں کرتے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ چھوٹی بھیڑ بکریاں بھی بڑی کی مانند ہیں جیسا کہ مال کا نفع اسی میں شمار ہوتا ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ ایک صورت میں ان کے اندر اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی شخص کے پاس سونے چاندی کی اتنی مقدار ہو جس میں زکوٰۃ واجب ہو، پھر اسے اُس کے علاوہ کچھ اور مال مل جائے تو وہ اس نئے ملنے والے مال کی زکوٰۃ اس وقت نہ دے۔ جب کہ وہ پہلے مال کی زکوٰۃ دیتا ہے۔ بلکہ اس وقت اس کی زکوٰۃ دے جب کہ اس کے حصول پر ایک سال گزر جائے۔ اور اگر کسی آدمی کے پاس بکریاں، گائیں یا اُونٹ ہوں اور سب میں زکوٰۃ واجب ہو (ان کا نصاب پایا جائے) پھر اسے ایک اونٹ یا ایک گائے یا ایک بکری مل گئی تو جس صنف کی یہ چیز ملی ہے اس کے ساتھ اس اضافے کی زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ حنفی فقہا کے نزدیک یہ فرق نہیں ہے۔) امام مالکؒ نے کہا کہ ان تمام باتوں کے بارے میں میں نے جو کچھ سنا ہے یہ اس میں سے بہترین قول ہے۔

۱۵۔ بَابُ الْعَمَلِ فِيْ صَدَقَةِ عَامَيْنِ إِذَا اجْتَمَعَا

دو سال کا صدقہ جمع ہو جائے تو کیا کیا جائے

۶۷۸۔ قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا فِي الرَّجُلِ تَجِبُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ. وَإِبِلُهٗ مِائَةُ بَعِيْرٍ. فَلَا يَأْتِيْهِ السَّاعِيْ حَتّٰى تَجِبَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ اُخْرٰى. فَيَأْتِيْهِ الْمُصَدِّقُ وَقَدْ هَلَكَتْ إِبِلُهٗ إِلَّا خَمْسَ ذَوْدٍ۔

قَالَ مَالِكٌ۔ يَأْخُذُ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْخَمْسِ ذَوْدٍ الصَّدَقَتَيْنِ وَجَبَتَا عَلٰى رَبِّ الْمَالِ۔ شَاتَيْنِ فِيْ كُلِّ عَامٍ شَاةٌ۔ لِاَنَّ الصَّدَقَةَ اِنَّمَا تَجِبُ عَلٰى رَبِّ الْمَالِ يَوْمَ يُصَدِّقُ مَالَهٗ۔ فَإِنْ هَلَكَتْ مَاشِيَتُهٗ اَوْ نَمَتْ، فَإِنَّمَا يُصَدِّقُ الْمُصَدِّقُ زَكٰوةَ مَا يَجِدُ يَوْمَ يُصَدِّقُ۔ وَإِنْ تَظَاهَرَتْ عَلٰى رَبِّ الْمَالِ صَدَقَاتٌ غَيْرُ وَاحِدَةٍ۔ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُصَدِّقَ إِلَّا مَا وَجَدَ الْمُصَدِّقُ عِنْدَهٗ۔ فَإِنْ هَلَكَتْ مَاشِيَتُهٗ اَوْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ فِيْهَا صَدَقَاتٌ، فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى هَلَكَتْ مَاشِيَتُهٗ كُلُّهَا، اَوْ صَارَتْ إِلٰى مَا لَا تَجِبُ فِيْهِ الصَّدَقَةُ، فَإِنَّهٗ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِ وَلَا ضَمَانَ فِيْمَا هَلَكَ۔ اَوْ مَضٰى مِنَ السِّنِيْنَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ ایک آدمی پر زکوٰۃ واجب تھی اور اس کے پاس سو اونٹ تھے۔ مگر تحصیلدار زکوٰۃ لینے نہ آیا۔ حتیٰ کہ اس کے ذمے دوسرے سال کا صدقہ بھی واجب ہو گیا۔ پھر تحصیلدار اس وقت آیا جب کہ پانچ کے سوا اس کے سارے اونٹ ہلاک ہو چکے ہیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اس صورت مسئلہ میں تحصیلدار پانچ اونٹوں میں سے دو سال کی زکوٰۃ لے گا۔ یعنی دو بکریاں۔ ہر سال میں ایک بکری۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی مالدار پر اس دن واجب ہوتی ہے جب کہ تحصیلدار آگاہی کے لئے آئے۔ پس اگر اس کے مویشی ہلاک ہو گئے یا بڑھ گئے تھے تو تحصیلدار وصولی کے دن جتنا مال پائے گا اس میں سے زکوٰۃ لے گا۔ اگر مال والے پر ایک سے زیادہ صدقے واجب ہو چکے ہوں تو بھی تحصیلدار اسی مال کے حساب سے زکوٰۃ لے گا جو وہ آگاہی کے دن پائے گا۔ اگر اس کے مویشی ہلاک ہو گئے ہوں یا اس کے ذمے کئی سال کی زکوٰۃ واجب ہو تو ہلاک شدہ مال کی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ اگرچہ نصاب زکوٰۃ ہی کیوں نہ ختم ہو چکا ہو۔ اس کے ذمہ اس کی زکوٰۃ یا کوئی ضمانت نہیں آتی، نہ ہلاک شدہ مال کی نہ گزشتہ سالوں کے نصاب کی۔

شرح: لیکن مال کی زکوٰۃ تو اس کے عین میں واجب ہے تو جب مثلاً سو اونٹ والے پر ان کی زکوٰۃ واجب ہو گئی تو اس کی ادائیگی فرض ہو گی۔ فِی کُلِّ اَرْبَعِیْنَ شَاۃً شَاۃٌ۔ اور صدیق اکبرؓ کا قول ہے: اَلزَّکٰوۃُ حَقُّ الْمَالِ۔ پس یہ زکوٰۃ ساقط نہیں ہو سکتی اور یہ جو کچھ امام مالکؒ نے فرمایا وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ التَّضْيِيقِ عَلَى النَّاسِ فِي الصَّدَقَةِ

زکوٰۃ کے بارے میں لوگوں کو تنگ کرنے کی ممانعت کا باب

۷۷۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مُرَّ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِغَنَمٍ مِنَ الصَّدَقَةِ. فَرَأَى فِيهَا شَاةً حَافِلًا ذَاتَ ضَرْعٍ عَظِيمٍ. فَقَالَ عُمَرُ: مَا هٰذِهِ الشَّاةُ؟ فَقَالُوا: شَاةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ. فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَعْطَى هٰذِهِ أَهْلُهَا وَهُمْ طَائِعُونَ. لَا تَفْتِنُوا النَّاسَ. لَا تَأْخُذُوا حَزَرَاتِ الْمُسْلِمِينَ. نَكِّبُوا عَنِ الطَّعَامِ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلَانِ مِنْ أَشْجَعَ، أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَ يَأْتِيهِمْ مُصَدِّقًا. فَيَقُولُ لِرَبِّ الْمَالِ: أَخْرِجْ إِلَيَّ صَدَقَةَ مَالِكَ. فَلَا يَقُودُ إِلَيْهِ شَاةً فِيهَا وَفَاءٌ مِنْ حَقِّهِ إِلَّا قَبِلَهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ عِنْدَنَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، أَنَّهُ لَا يُضَيَّقُ عَلَى

الْمُسْلِمِيْنَ فِي زَكٰوتِهِمْ. وَأَنْ يُقْبَلَ مِنْهُمْ مَا دَفَعُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے صدقہ (زکوٰۃ) کی بکریاں گزاری گئیں تو آپ نے دیکھا کہ ان میں ایک بڑے تھنوں والی بکری تھی جو شیر دار تھی۔ پس حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ یہ کیسی بکری ہے؟ (یعنی زکوٰۃ میں تو اس کا لینا جائز نہ تھا۔) لوگوں نے کہا کہ یہ صدقہ کی بکری ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے مالکوں نے تو اسے خوشی سے نہ دیا ہوگا، لوگوں کو فتنے میں مت ڈالو۔ مسلمانوں کا اعلیٰ مال مت لو، شیر دار بکریاں لینے سے گریز کرو۔ (یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ گوشت کے لئے پالی ہوئی بکریاں زکوٰۃ میں مت لو۔)

شرح: لیکن اگر ریوڑ کا مالک خوشی سے ایسا مال دے تو لیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر سبھی بکریاں شیر دار ہوں تو ان میں سے شیر دار ہی بطور زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

"قبیلہ اشجع کے دو آدمیوں کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہ انصاریؓ ان کے پاس بطور تحصیلدار آتے تھے اور مال والے سے کہتے تھے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالو تو وہ جو بھیڑ بکری ہانک کر لاتا، جس سے کہ اس کی حق رسی ہو جاتی، تحصیلدار اسے قبول کر لیتا تھا۔"

"امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک سنت یہ ہے اور میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے کہ مسلمانوں پر ان کی زکوٰۃ کے بارے میں تنگی نہ کی جائے اور جو مال وہ زکوٰۃ میں پیش کریں، اسے قبول کیا جائے۔ (در اصل ظلم اور کوتاہی دونوں جانب سے ممکن ہے اور دونوں کے لئے ناجائز ہے یعنی مالک اور تحصیلدار۔ لیکن تحصیلدار چونکہ حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے زیادتی کا امکان زیادہ ہے۔ اس لئے اس بارے میں تشدید وارد ہوئی ہے۔)

۱۷۔ بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ يَجُوْزُ لَهُ أَخْذُهَا

صدقے کے عامل کا بیان اور یہ کہ کس کے لئے اسے اُگاہنا جائز ہے

۶۸۰۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ. إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ لِغَارِمٍ. أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ. أَوْ لِرَجُلٍ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ، فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ، فَأَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ".

قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا فِيْ قَسْمِ الصَّدَقَاتِ، أَنَّ ذٰلِكَ لَا يَكُوْنُ إِلَّا عَلٰى وَجْهِ الْاِجْتِهَادِ مِنَ الْوَالِيْ. فَأَيُّ الْأَصْنَافِ كَانَتْ فِيْهِ الْحَاجَةُ وَالْعَدَدُ، أُوْثِرَ ذٰلِكَ الصِّنْفُ، بِقَدْرِ مَا يَرَى الْوَالِيْ وَعَسٰى أَنْ يَنْتَقِلَ ذٰلِكَ إِلَى الصِّنْفِ الْآخَرِ بَعْدَ عَامٍ أَوْ عَامَيْنِ أَوْ أَعْوَامٍ. فَيُؤْثَرُ أَهْلُ الْحَاجَةِ

وَالْعَدَدِ، حَيْثُمَا كَانَ ذٰلِكَ۔ وَعَلٰى هٰذَا أَدْرَكْتُ مَنْ أَرْضٰى مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ لِلْعَامِلِ عَلَى الصَّدَقَاتِ فَرِيضَةٌ مُسَمَّاةٌ، إِلَّا عَلٰى قَدْرِ مَا يَرَى الْإِمَامُ۔

ترجمہ: عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صدقہ غنی کے لیئے حلال نہیں۔ مگر پانچ اشخاص کے لیئے۔ فی سبیل اللہ جنگ کرنے والا، صدقے کا عامل، مقروض، جو شخص اسے اپنے مال کے ساتھ خرید لے، یا وہ شخص جس کا کوئی مسکین ہمسایہ ہو، اس مسکین کو صدقہ دیا جائے اور وہ مسکین غنی کو ہدیہ دے ڈالے۔ (یہ مرسل حدیث مؤطائے محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور غازی فی سبیل اللہ جب غنی ہو اور اپنی غنا کے باعث غزوے پر قادر ہو تو اس کے لیئے مال صدقہ میں سے لینا مستحب نہیں (گو جائز ہے) اسی طرح مقروض کے پاس جب قرض کی ادائیگی کی مقدار موجود ہو اور اتنا زائد بھی ہو، جو نصاب زکوٰۃ ہو تو اس کے لیئے بھی صدقہ لینا روا نہیں۔ اور یہی ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور جس صدقے کو لینا غیر حلال قرار دیا گیا ہے یہ صدقہ واجبہ ہے نہ کہ نافلہ۔ علامہ علی انصاریؒ نے المحیط سے نقل کیا ہے کہ غنی کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) پہلی وہ جس سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے یعنی مالکِ نصاب ہونا (۲) دوسری وہ جس سے کہ صدقہ لینا حرام ہوتا ہے مگر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اصلی حاجات سے فالتو اموال نصاب کی قیمت کے موجود ہوں (۳) وہ غنی جس سے سوال حرام ہوتا ہے مگر صدقہ لینا جائز ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تن ڈھانکنے کا کپڑا اور دو وقت کا کھانا موجود ہو۔ حدیث صحیح تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَاءِ هِمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ غنی وہ ہیں جو مالکِ نصاب ہوں۔ کیونکہ انہی سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں فقراء کا لفظ بولا گیا ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لیئے جائز نہیں اور نہ ہٹے کٹے تندرست کے لیئے۔ اسے حاکم نے روایت کر کے کہا کہ بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ حدیث معاذؓ تُوْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ فِيْ فُقَرَاءِ هِمْ اربابِ صحاح ستہ نے روایت کی ہے اور وہ اس مؤطا کے مرسل سے قوی تر ہے۔ آیتِ قرآنی نے صدقہ کے جو آٹھ مصارف بتائے ہیں، ان میں غنی کہیں مذکور نہیں۔ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ ایک دینی و قومی مصلحت سے دی جاتی ہے۔ عاملین کو ان کے عمل کا معاوضہ بطورِ اجرت دیا جاتا ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد غزوہ اور دیگر سب طاعات ہیں۔ بشرطیکہ لینے والا غنی نہ ہو بلکہ محتاج ہو۔ غارم سے مراد مقروض ہے اور ظاہر ہے کہ وہ بھی غنی نہیں ہوتا۔

آیتِ قرآنی نے وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کہہ کر یہ بتا دیا ہے کہ زکوٰۃ کا لینا اور اسے خرچ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اور اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ الخ میں اللہ تعالیٰ نے بطور اشارہ اسے حکومت کا فریضہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ انفرادی طور پر ادائے زکوٰۃ کے لیئے حکومت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

" امام مالکؒ نے فرمایا کہ صدقات کی تقسیم میں ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ یہ حاکم کے اجتہاد پر ہوتی ہے۔ پس قرآن کی بیان کردہ اقسام میں سے جو حاجت مند ہو اور اس کی تعداد زیادہ ہو تو حاکم کی رائے سے اسے دوسری اصناف پر مقدم کیا جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ ایک یا دو سال کے بعد دوسری صنف کی طرف منتقل ہو جائے یا کئی سال بعد ایسا ہو۔ پس اہل حاجت و تعداد کو ترجیح دی جائے گی جہاں بھی ہوں۔ میں نے اپنے پسندیدہ اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ صدقات کے عامل کا کوئی مقررہ حصہ شرع میں نہیں ہے اور یہ بھی امام کی رائے پر مبنی ہے۔

شرح: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ کی آیت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ آٹھ مصارف ہیں۔ (۱) فقراء کی تعریف امام شافعی نے یہ کی ہے کہ ان کے پاس مال نہ ہو، نہ کوئی ایسا پیشہ جو ضرورت پوری کرے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں، جن کے پاس نصابِ زکوٰۃ نہیں ہے۔ (۲) مساکین کی تعریف شافعیؒ نے یہ کی ہے کہ جن کا مال یا پیشہ اُن کی ضرورت پوری نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جن کے پاس کچھ نہ ہو اور سوال پر مجبور ہوں (۳) عاملین خواہ فقراء ہوں خواہ اغنیاء، انہیں ان کے عمل کے مطابق دیا جائے گا، اہلِ علم کی یہی رائے ہے۔ (۴) مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو مسلمان ہو جائیں مگر ان کی نیت کمزور ہو۔ دوسرے وہ جو اسلام لائیں اور ان کے ذریعے سے اوروں کے اسلام کی توقع ہو۔ امام شافعیؒ کا صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ حصّہ قائم ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلبۂ اسلام کے باعث ساقط ہو چکا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا۔ جبکہ خلافتِ صدیقی میں حضرت عمرؓ نے مؤلفۃ القلوب کو کچھ دلوائے بغیر واپس کر دیا تھا کہ اب اسلام غالب آ چکا۔ لہٰذا کسی کی تالیفِ قلب کی ضرورت نہیں رہی۔ (۵) الرقاب سے مراد حنفی اور شافعی علما کے نزدیک مکاتب ہیں کہ ان کی مدد کی جائے تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔ (۶) غارم حنفیہ کے نزدیک وہ شخص ہے جس پر قرض محیط ہو جائے اور فاضل نصابِ زکوٰۃ کو نہ چھوڑے یا لوگوں کے ذمّے اس کا مال ہو مگر اس کا حاصل کرنا ممکن نہ ہو۔ (۷) فی سبیل اللہ سے مراد حنفیہ کے نزدیک وہ مجاہد اور غازی ہیں۔ جو محتاج ہوں۔ شافعیہ کے نزدیک انہیں دولت مندی کے باوجود زکوٰۃ دی جا سکتی ہے (۸) ابن السبیل وہ غریب الوطن ہے جو اپنے مال سے منقطع ہو۔ شافعیہ کے نزدیک وہ حاجت مند مسافر ہے، جسے کوئی فوری ضرورت پڑ جائے۔ تمام اہلِ علم کے نزدیک ان سب اصناف کا اسلام شرط ہے۔

ان اصناف میں سے مصلحتِ وقت کے مطابق کسی ایک یا دو کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ مالکؒ کے علاوہ ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ان سب اصناف کو زکوٰۃ دی جائے۔ اگر کوئی عامل نہ ہو تو باقی سات اصناف کو دی جائے۔ اقسام میں مساوات ضروری ہے آحاد میں نہیں۔ لیکن حضورؐ کا ارشاد تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ میں صرف ایک صنف یعنی فقرا کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت کسی ایک صنف کو ہی تقسیم کی جا سکتی ہے۔ عام احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۱۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الصَّدَقَاتِ وَالتَّشْدِيدِ فِيهَا

صدقات حاصل کرنے اور ان میں شدید احتیاط کی ضرورت

۶۸۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ قَالَ: لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا لَجَاهَدْتُهُمْ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ ابوبکر الصدیقؓ نے فرمایا: اگر وہ لوگ اُونٹ کا گھٹنا باندھنے کی رسّی بھی روکیں گے تو میں اس پر ان کے ساتھ جہاد کروں گا۔

شرح: بخاری اور مسلم وغیرہما نے اس حدیث کو موصول کیا ہے۔ عقال سے کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ (۱) ایک سال کی زکوٰۃ اور یہ لغت میں مشہور ہے اور ابوداؤد کے ایک نسخے کے مطابق ابوعبیدہ نحوی نے یہی کہا ہے۔ (۲) اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی

رسّی جیسے زکوٰۃ میں اونٹ کے ساتھ ہی وصول کیا جاتا ہے اور محمد بن مسلمہ انصاریؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں زکوٰۃ اور صدقہ کے تحصیلدار تھے۔ اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ جب زکوٰۃ لے کر آؤ تو ساتھ عقال بھی لاؤ
یا حضرت صدیقؓ نے یہ بطور مبالغہ وتشدید فرمایا تھا کہ میں فریضے میں ذرا بھی نہ چھوڑوں گا۔ (۳) تحصیلدار زکوٰۃ کے اونٹوں کو دو
دو کر کے باندھ دیتے تھے اور ہر جوڑے میں سے ایک اونٹ عقال کہلاتا تھا۔ (۴) جوان اونٹنی کو بھی عقال کہتے ہیں۔ مثلاً
یک سالہ اونٹنی۔ (۵) عقال کا لفظ نقد کے مقابلے میں بھی بولا جاتا ہے۔ زکوٰۃ میں اگر جانور کی قیمت دیں تو وہ نقد ہے اور
اگر جانور دیں تو وہ عقال ہے۔ ان معانی میں مناسب تر دوسرا معنیٰ ہے کیونکہ صدیقِ امتؓ کا یہ قول بطورِ زجر وتشدید او
بطور مبالغہ وارد ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ لینا اور خرچ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ منکرِ فرضیت زکوٰۃ تو مرتد
ہے لیکن اسے بیت المال میں بھیجنے سے انکار کرنے والا باغی ہے۔ پہلے کو بطورِ مرتد قتل کیا جاتا ہے اور دوسرے سے باغیوں کا
سا معاملہ روا رکھا جاتا ہے۔

۶۸۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّهُ قَالَ: شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَأَعْجَبَهُ. فَسَأَلَ الَّذِي سَقَاهُ، مِنْ أَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ؟ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مَاءٍ، قَدْ سَمَّاهُ. فَإِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ. وَهُمْ يَسْقُونَ. فَحَلَبُوا لِي مِنْ أَلْبَانِهَا، فَجَعَلْتُهُ فِي سِقَائِي، فَهُوَ هٰذَا. فَأَدْخَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ كُلَّ مَنْ مَنَعَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَلَمْ يَسْتَطِعِ الْمُسْلِمُونَ أَخْذَهَا، كَانَ حَقًّا عَلَيْهِمْ جِهَادُهُ حَتَّى يَأْخُذُوهَا مِنْهُ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دودھ پیا اور انہیں وہ پسند آیا
انہوں نے پلانے والے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے ملا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ وہ فلاں گھاٹ پر سے گزرا ۔ جس کا اس
نے نام لیا ۔ تو وہاں صدقہ کے جانور تھے، جن کو کچھ لوگ پلا رہے تھے۔ پس انہوں نے میرے لئے ان کا دودھ دوہا اور
میں نے اس کو اپنے برتن میں ڈال لیا۔ سو یہ وہی دودھ ہے۔ اس پر عمر بن الخطابؓ نے اپنا ہاتھ حلق میں ڈال کر قے کر دی۔
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل انتہائی احتیاط اور ورع وتقویٰ کی بنا پر تھا۔ کیونکہ آپ سربراہِ مملکت
تھے۔ ورنہ وہ دودھ ان کے لئے کوئی حرام نہ تھا۔ اگر کسی مستحق کو صدقہ ملے اور وہ اسے غیر مستحق کو بطورِ ہدیہ دے دے۔ تو
مِلک بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔ بریرہؓ کی حدیث جو صحاح میں موجود ہے، اس میں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں، تیرے لئے یہ
صدقہ ہے اور ہمارے لئے تیری طرف سے ہدیہ۔ اور یہ اصولِ شرع میں سے ایک اصل بن چکی ہے کہ تبدلِ ملک کے ساتھ احکام
میں تبدل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جناب عمرؓ کو کسی طرح سے غیر مستحق ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ اس لئے قے کر دی۔ ورنہ
قے سے اس شخص کو یا اس دودھ کے پہلے منتظم کو کوئی فائدہ نہ تھا۔ یا شاید اونٹوں کے گڈریوں نے اس شخص کو مسافر جان کر
دودھ دوہ دیا تھا اور وہ صرف اسی کے لئے مباح تھا۔ اس کی مِلک میں نہ تھا کہ کسی اور کو ہدیہ کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کا بھی ان کے غلام کے ساتھ اس قسم کا ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے۔ ورع و تقویٰ کے بھی کئی درجے ہیں اور حضرات جس مقام پر فائز تھے۔ انہیں یہی اولیٰ تھا۔ جو انہوں نے کیا۔) واللہ اعلم بالصواب۔

"امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک شرعی امر یوں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو روک لے اور مسلمانوں میں یہ طاقت نہ ہو کہ اس سے بزور لے سکیں تو ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کریں۔ حتیٰ کہ اس فریضہ کو اس سے حاصل کر لیں۔"

(اور اس کی واضح دلیل اس اُمت کے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جہاد ہے۔ اور اس پر صحابہؓ کا اجماع منعقد ہو گیا تھا۔ اگر فریضے کو روکنے والا اس کا مقر ہے تو باغی مسلمان ہے ورنہ مرتد ہے۔)

۴۸۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَامِلًا لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، كَتَبَ إِلَيْهِ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلًا مَنَعَ زَكَوٰةَ مَالِهِ. فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: أَنْ دَعْهُ وَلَا تَأْخُذْ مِنْهُ زَكَوٰةً مَعَ الْمُسْلِمِينَ. قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ. فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ. وَأَدَّى بَعْدَ ذٰلِكَ زَكَوٰةَ مَالِهِ. فَكَتَبَ عَامِلُ عُمَرَ إِلَيْهِ يَذْكُرُ لَهُ ذٰلِكَ. فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ: أَنْ خُذْهَا مِنْهُ.

ترجمہ: مالکؒ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک گورنر نے انہیں لکھا کہ ایک شخص نے اپنے مال کی زکوٰۃ روک لی ہے۔ حضرت عمر ثانیؒ نے جواب میں لکھا کہ اسے چھوڑ دو اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے مال کی زکوٰۃ مت لو۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ خبر اس شخص کو پہنچی تو اس کو بہت شاق گزری۔ پس اس کے بعد اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی۔ اور عمرؒ کے گورنر نے اس کی اطلاع انہیں دے دی۔ حضرت عمرؒ نے لکھا کہ وہ اس سے لے لو۔

شرح: بظاہر حضرت عمر ثانیؒ نے پہلی مرتبہ جو کچھ لکھا تھا وہ زجر و توبیخ کے لئے تھا کہ وہ شخص جان لے کہ اس سے غیر مسلموں والا سلوک کیا جا رہا ہے اور اپنے فعل سے باز آ جائے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور مزید کارروائی کی ضرورت پیش نہ آئی یا بقول حافظ ابو عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؒ کو کسی دلیل یا قرینے سے پتہ چل گیا ہو گا کہ وہ شخص مانع زکوٰۃ یا منکر زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ خاص اس حاکم کو نہیں دینا چاہتا۔ اور اس حکمت سے انہوں نے زکوٰۃ نکلوا لی۔ اگر واضح ہو جاتا کہ وہ شخص منکر زکوٰۃ ہے یا مانع زکوٰۃ ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ضروری تھا جو ایسے لوگوں کے ساتھ صدیق الامتؓ نے کیا تھا۔

۱۹۔ بَابُ زَكَوٰةِ مَا يُخْرَصُ مِنْ ثِمَارِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ

کھجور اور انگور کے پھل کا اندازہ کر کے زکوٰۃ لینے دینے کا باب

جمہور علماء کے نزدیک کھڑے درختوں کے پھل کا خرص (اندازہ) جائز ہے۔ داؤد ظاہریؒ کے نزدیک صرف کھجوریں خرص جائز ہے اور علمائے احناف کے نزدیک خرص کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ وہ مزابنہ ہے، جس سے حدیث میں روکا گیا ہے۔ اور اس میں ربا کا قوی احتمال ہے۔ ان کے نزدیک خرص صرف کاشت کاروں کو ڈرانے کے لئے تھا تاکہ وہ خیانت نہ کر سکیں۔ ورنہ خرص ایک ظن و تخمین ہے جس سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے۔ حافظ عینی نے شرح بخاری میں کہا کہ سفیان ثوریؒ اور شعبیؒ کا بھی خرص یا

یہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔ یہ بحث تو اس تسلیم کی بنا پر ہے کہ خرص مکروہ ہے۔ مگر ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر اور خراج میں خرص جائز ہے اور بیوع اور مزارعت وغیرہا میں جائز نہیں ہے اس انکشاف سے معاملہ نہایت آسان ہو گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۸۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهٗ، عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُیُوْنُ، وَالْبَعْلِ الْعُشْرُ. وَفِیْمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔

ترجمہ: سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کھیتی بارش سے یا بارانی نہروں سے یا زمین دوز پانی سے سیراب ہو، اس میں عشر ہے اور جس کھیتی کو پانی سینچ کر یا نکال کر پلایا جائے۔ اس میں نصف عشر ہے۔

شرح: بخاری اور دیگر صحاح میں اس حدیث میں صحابی کا نام عبداللہ بن عمرؓ آیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ زراعت میں جب پانی دینے کی مشقت کم ہو یعنی بارانی کھیتی ہو تو اس کا ۱/۱۰ بطور عشر لیا جاتا ہے اور جب زمین کو مشقت سے سیراب کیا جائے، جیسے ہمارے ملک چاہی کہتے ہیں تو بباعث مشقت و اخراجات اس میں ۱/۲۰ مقرر ہے۔ اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کر کے ابو حنیفہؒ نے زمین کی ہر پیداوار میں سے عشر واجب کیا ہے۔ خواہ وہ پیداوار کم ہو خواہ زیادہ۔ جمہور نے اسے دوسری حدیث لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ کے باعث مقید کیا ہے۔ حدیث زیر نظر کی رو سے ابو حنیفہؒ کا مسلک قوی نظر آتا ہے اور آیت قرآنی وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ سے بھی اسی کی تائید نکلتی ہے۔ ابن العربی نے عارضۃ الاحوذی میں اسی کو قوی ٹھہرایا ہے۔ اس کے عموم سے ایندھن، گھاس اور سرکنڈا خارج ہے۔ مزید گفتگو آگے آئے گی۔

۴۸۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِیَادِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّهٗ قَالَ: لَا یُؤْخَذُ فِیْ صَدَقَةِ النَّخْلِ الْجُعْرُوْرُ، وَلَا مُصْرَانُ الْفَارَةِ، وَلَا عَذْقُ ابْنِ حُبَیْقٍ۔ قَالَ: وَهُوَ یُعَدُّ عَلٰی صَاحِبِ الْمَالِ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهُ فِی الصَّدَقَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَاِنَّمَا مِثْلُ ذٰلِكَ، الْغَنَمُ تُعَدُّ عَلٰی صَاحِبِهَا بِسِخَالِهَا۔ وَالسَّخْلُ لَا یُؤْخَذُ مِنْهُ فِی الصَّدَقَةِ۔ وَقَدْ یَكُوْنُ فِی الْاَمْوَالِ ثِمَارٌ لَا تُؤْخَذُ الصَّدَقَةُ مِنْهَا مِنْ ذٰلِكَ الْبُرْدِیُّ وَمَا اَشْبَهَهٗ۔ لَا یُؤْخَذُ مِنْ اَدْنَاهُ، كَمَا لَا یُؤْخَذُ مِنْ خِیَارِهٖ۔

قَالَ: وَاِنَّمَا تُؤْخَذُ الصَّدَقَةُ مِنْ اَوْسَاطِ الْمَالِ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَیْهِ عِنْدَنَا اَنَّهٗ لَا یُخْرَصُ مِنَ الثِّمَارِ اِلَّا النَّخِیْلُ وَالْاَعْنَابُ۔

فَاِنَّ ذٰلِكَ يُخْرَصُ حِيْنَ يَبْدُوْ صَلَاحُهٗ، وَيَحِلُّ بَيْعُهٗ۔ وَذٰلِكَ اَنَّ ثَمَرَ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ يُؤْكَلُ رُطَبًا وَعِنَبًا۔ فَيُخْرَصُ عَلٰى اَهْلِهٖ لِلتَّوْسِعَةِ عَلَى النَّاسِ۔ وَلِئَلَّا يَكُوْنَ عَلٰى اَحَدٍ فِيْ ذٰلِكَ ضِيْقٌ۔ فَيُخْرَصُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ۔ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهٗ يَاْكُلُوْنَهٗ كَيْفَ شَاءُوْا۔ ثُمَّ يُؤَدُّوْنَ مِنْهُ الزَّكٰوةَ عَلٰى مَا خُرِصَ عَلَيْهِمْ۔

قَالَ مَالِكٌ: فَاَمَّا مَا لَا يُؤْكَلُ رَطْبًا، وَاِنَّمَا يُؤْكَلُ بَعْدَ حَصَادِهٖ مِنَ الْحُبُوْبِ كُلِّهَا، فَاِنَّهٗ لَا يُخْرَصُ۔ وَاِنَّمَا عَلٰى اَهْلِهَا فِيْهَا، وَاِذَا حَصَدُوْهَا وَدَقُّوْهَا وَطَيَّبُوْهَا، وَخَلُصَتْ حَبًّا، فَاِنَّمَا عَلٰى اَهْلِهَا فِيْهَا الْاَمَانَةُ۔ يُؤَدُّوْنَ زَكٰوتَهَا اِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ وَهٰذَا الْاَمْرُ الَّذِيْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهِ عِنْدَنَا۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا اَنَّ النَّخْلَ يُخْرَصُ عَلٰى اَهْلِهَا۔ وَثَمَرُهَا فِيْ رُءُوْسِهَا۔ اِذَا طَابَ وَحَلَّ بَيْعُهٗ۔ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ صَدَقَتُهٗ تَمْرًا عِنْدَ الْجِدَادِ۔ فَاِنْ اَصَابَتِ الثَّمَرَةَ جَائِحَةٌ بَعْدَ اَنْ تُخْرَصَ عَلٰى اَهْلِهَا، وَقَبْلَ اَنْ تُجَدَّ، فَاَحَاطَتِ الْجَائِحَةُ بِالثَّمَرِ كُلِّهٖ، فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ بَقِيَ مِنَ الثَّمَرِ شَيْءٌ، يَبْلُغُ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ فَصَاعِدًا، بِصَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اُخِذَ مِنْهُمْ زَكَاتُهٗ۔ وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ فِيْمَا اَصَابَتِ الْجَائِحَةُ زَكٰوةٌ۔ وَكَذٰلِكَ الْعَمَلُ فِي الْكَرْمِ اَيْضًا۔ وَاِذَا كَانَ لِرَجُلٍ قِطَعُ اَمْوَالٍ مُتَفَرِّقَةٌ، اَوِ اشْتِرَاكٌ فِيْ اَمْوَالٍ مُتَفَرِّقَةٍ، لَا يَبْلُغُ مَالُ كُلِّ شَرِيْكٍ اَوْ قِطَعُهٗ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ، وَكَانَتْ اِذَا جُمِعَ بَعْضُ ذٰلِكَ اِلٰى بَعْضٍ، يَبْلُغُ مَا تَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ، فَاِنَّهٗ يَجْمَعُهَا وَيُؤَدِّيْ زَكٰوتَهَا۔

ترجمہ: ابن شہابؒ نے کہا کہ کھجور کی زکوٰۃ میں نہ جُعرور ہے (ردی کھجور کی ایک قسم) اور نہ مُصران الفارہ (ایک نہایت گھٹیا کھجور) اور نہ عذق ابن جبیق (ایک ردی کھجور) لی جائے۔ ابن شہابؒ نے کہا کہ یہ اقسام بھی بھیڑ بکریوں کی طرح ہیں کہ مالک کے لیے شمار تو ہوں گی مگر ان میں سے صدقہ نہ لیا جائے گا۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ قرآن مجید کی آیت وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ اسی سلسلہ میں اُتری تھی۔ یعنی "صدقہ میں گھٹیا چیزیں دینے کا قصد مت کرو"۔ حنفی مسلک اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مختلف اقسام کا مال ہو تو صدقہ درمیانے درجہ

کی اشیاء سے لیا جائے گا۔ اگر سارا مال اچھا ہو تو اسی میں سے اور اگر سارا ردی ہو تو بھی اسی میں سے لیا جائے گا۔

امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اس کی مثال بھیڑ بکریاں ہیں کہ ان کے مالک پر ان کی گنتی چھوٹے بچوں سمیت کی جائے گی۔ اور انہیں صدقہ میں نہیں لیا جائے گا۔ اور کبھی اموال میں ایسے پھل بھی ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ میں انہیں نہیں لیا جائے گا۔ مثلاً بُردی (ایک بہترین کھجور) اور اس جیسی اور چیزیں۔ کھجوروں میں سے نہ تو ادنیٰ لی جائیں گی اور نہ اعلیٰ۔ بلکہ درمیانے درجے کے مالوں میں سے صدقہ وصول کیا جائے گا۔ (اسی میں مالک اور فقراء کا بھلا ہوتا ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک اجماعی امر (مدینہ والوں کا) یہ ہے کہ پھلوں میں سے صرف کھجور اور انگور کا اندازہ (خرص) کیا جائے جب ان پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہو جائے اور ان کی بیع حلال ہو جائے تو ان کا اندازہ کیا جائے۔ یہ اس لئے کہ کھجور اور انگور کا پھل تازہ حالت میں بھی کھایا جاتا ہے۔ پس لوگوں کی آسانی کی خاطر ان کا خرص (اندازہ) کیا جائے گا تاکہ کسی پر تنگی نہ رہے۔ اندازہ کرنے کے بعد ان پھلوں کو مالکوں کے سپرد کر دیں گے تاکہ جس طرح چاہیں، انہیں کھائیں۔ پھر اندازہ شدہ پھل کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں۔ (اوپر گزرا ہے کہ حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور وہ دوسری صحیح احادیث اسے مزابنہ (تازہ پھل کی بیع خشک کے ساتھ) کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں ربوٰا آجاتا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو پھل تازہ حالت میں نہیں کھائے جاتے۔ مثلاً تمام غلے جنہیں کٹائی کے بعد ہی استعمال کرتے ہیں (مگر چنا تو کٹائی سے پہلے بھی سالن پکانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور بڑی قیمت پاتا ہے) ان میں خرص نہیں کیا جاتا۔ یہ غلّے اپنے مالکوں کی امانت داری پر منحصر ہیں۔ جب انہیں کاٹیں اور چھوڑیں اور دانوں کو بھوسے سے الگ کریں تو اگر وہ غلّے نصابِ زکوٰۃ (۵ وسق) کو پہنچیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کریں گے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ یہ وہ امر ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے ہاں مدینہ میں اجماعی مسئلہ یہ ہے کہ کھجور کا خرص اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا پھل ابھی اس کے اوپر ہو، جب کہ وہ کھانے کے قابل ہو جائے اور اس کی بیع حلال ہو جائے۔ اور اس کا صدقہ اس وقت لیا جائے گا جب کہ کھجور پک جائے اور اس کا پھل اتارا جائے۔ اگر خرص کے بعد اور پھل اتارنے سے پہلے کوئی آفت اسے پہنچ جائے اور سارے ہی پھل کو ختم کر دے تو لوگوں کے ذمہ کوئی صدقہ نہیں۔ اگر پانچ وسق یا اس سے زائد بچ جائے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے ساتھ) تو اس کی زکوٰۃ لی جائے گی اور جو آفت سے ضائع ہو گیا اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں۔

مالکؒ نے کہا کہ انگور میں بھی اسی طریقے پر عمل درآمد ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جب کسی شخص کی مِلک میں متفرق مالوں کے ٹکڑے ہوں یا اس کا متفرق مالوں میں اشتراک ہو اور ہر شریک کا حصہ اتنا نہیں کہ اس پر زکوٰۃ آئے۔ لیکن مجموعی طور پر وہ قابلِ نصابِ زکوٰۃ بن جاتا ہے تو مالک (یا تحصیل دار) ان سب اموال کو جمع کر کے ان کی اکٹھی زکوٰۃ لے گا۔

شرح: یعنی ایک مالک کی تمام مملوکہ اموال کو جمع کر کے ان میں سے زکوٰۃ لیں گے۔ اسی طرح شراکت کے اموال میں سے ایک مالک کا حصہ جہاں جہاں ہے وہ جمع کریں گے اور اس کی اکٹھی زکوٰۃ لیں گے۔ ہر شریک الگ الگ اپنے حصے کا حساب کرے گا ان مسائل پر گفتگو اوپر گزر چکی ہے

بَابُ زَكٰوةِ الْحُبُوْبِ وَالزَّيْتُوْنِ

غلوں اور زیتون کی زکوٰۃ کا باب

علامہ قاضی ابن رُشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں فرمایا کہ معدنیات میں سے دو چیزوں کی زکوٰۃ پر سب علما کا اتفاق ہے۔ سونا اور چاندی جو زیور کی شکل میں نہ ہوں۔ حیوانات میں سے تین صنفوں پر اتفاق ہے۔ اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری۔ غلوں کی دو اجناس پر اتفاق ہے۔ گندم اور جَو۔ اور پھلوں کی دو قسموں پر اتفاق ہے۔ کھجور اور انگور۔ اور زیتون میں ایک شاذ سا اختلاف ہے۔ ابن ابی لیلیٰؒ، ثوریؒ اور ابن المبارکؒ کے نزدیک ان اشیاء کے علاوہ کسی میں زکوٰۃ نہیں۔ مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک نباتات میں سے جن اشیاء کا ذخیرہ ہوسکے اور بطور غذا استعمال ہوسکیں، ان پر زکوٰۃ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھاس، ایندھن اور سرکنڈے کے سوا زمین کی ساری پیداوار پر زکوٰۃ ہے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ حنابلہ کے نزدیک ہر غلّہ جسے تولا ناپا جاتا ہو اور اسی شرط کے ساتھ ہر پھل میں بھی زکوٰۃ ہے۔

۷۸۶ - حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَاَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنِ الزَّيْتُوْنِ؟ فَقَالَ: فِيْهِ الْعُشْرُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنَ الزَّيْتُوْنِ الْعُشْرُ، بَعْدَ اَنْ يُعْصَرَ وَيَبْلُغَ زَيْتُوْنُهٗ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ. فَمَا لَمْ يَبْلُغْ زَيْتُوْنُهٗ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ، فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ. وَالزَّيْتُوْنُ بِمَنْزِلَةِ النَّخِيْلِ. مَا كَانَ مِنْهُ سَقَتْهُ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ، اَوْ كَانَ بَعْلًا، فَفِيْهِ الْعُشْرُ. وَمَا كَانَ يُسْقٰى بِالنَّضْحِ، فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ. وَلَا يُخْرَصُ شَيْءٌ مِنَ الزَّيْتُوْنِ فِيْ شَجَرِهٖ.

وَالسُّنَّةُ عِنْدَنَا فِي الْحُبُوْبِ الَّتِيْ يَدَّخِرُهَا النَّاسُ وَيَاْكُلُوْنَهَا، اَنَّهٗ يُؤْخَذُ مِمَّا سَقَتْهُ السَّمَاءُ مِنْ ذٰلِكَ، وَمَا سَقَتْهُ الْعُيُوْنُ، وَمَا كَانَ بَعْلًا، اَلْعُشْرُ. وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ. اِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ بِالصَّاعِ الْاَوَّلِ صَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَمَا زَادَ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْسُقٍ فَفِيْهِ الزَّكٰوةُ بِحِسَابِ ذٰلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالْحُبُوْبُ الَّتِيْ فِيْهَا الزَّكٰوةُ: اَلْحِنْطَةُ وَالشَّعِيْرُ وَالسُّلْتُ وَالذُّرَةُ وَالدُّخْنُ وَالْاُرْزُ وَالْعَدَسُ وَالْجُلْبَانُ وَاللُّوْبِيَا وَالْجُلْجُلَانُ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْحُبُوْبِ الَّتِيْ تَصِيْرُ طَعَامًا. فَالزَّكَاةُ تُؤْخَذُ مِنْهَا بَعْدَ اَنْ تُحْصَدَ وَتَصِيْرَ حَبًّا.

قَالَ: وَالنَّاسُ مُصَدَّقُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ. وَيُقْبَلُ مِنْهُمْ فِيْ ذٰلِكَ مَا دَفَعُوْا.

وَسُئِلَ مَالِكٌ: مَتَى يُخْرَجُ مِنَ الزَّيْتُونِ الْعُشْرُ أَوْ نِصْفُهُ، أَقَبْلَ النَّفَقَةِ أَمْ بَعْدَهَا؟

فَقَالَ: لَا يُنْظَرُ إِلَى النَّفَقَةِ وَلَكِنْ يُسْأَلُ عَنْهُ أَهْلُهُ، كَمَا يُسْأَلُ أَهْلُ الطَّعَامِ عَنِ الطَّعَامِ - وَيُصَدَّقُونَ بِمَا قَالُوا. فَمَنْ رُفِعَ مِنْ زَيْتُونِهِ خَمْسَةُ أَوْسُقٍ فَصَاعِدًا، أُخِذَ مِنْ زَيْتِهِ الْعُشْرُ بَعْدَ أَنْ يُعْصَرَ. وَمَنْ لَمْ يُرْفَعْ مِنْ زَيْتُونِهِ خَمْسَةُ أَوْسُقٍ لَمْ تَجِبْ عَلَيْهِ فِي زَيْتِهِ الزَّكٰوةُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ بَاعَ زَرْعَهُ، وَقَدْ صَلَحَ وَيَبِسَ فِي أَكْمَامِهِ، فَعَلَيْهِ زَكَاتُهُ. وَلَيْسَ عَلَى الَّذِي اشْتَرَاهُ زَكَاةٌ. وَلَا يَصْلُحُ بَيْعُ الزَّرْعِ، حَتّٰى يَيْبَسَ فِي أَكْمَامِهِ، وَيَسْتَغْنِيَ عَنِ الْمَاءِ.

قَالَ مَالِكٌ: فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى - وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ - أَنَّ ذٰلِكَ الزَّكٰوةُ. وَقَدْ سَمِعْتُ مَنْ يَقُولُ ذٰلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ بَاعَ أَصْلَ حَائِطِهِ، أَوْ أَرْضَهُ، وَفِي ذٰلِكَ زَرْعٌ أَوْ ثَمَرٌ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ. فَزَكٰوتُهُ ذٰلِكَ عَلَى الْمُبْتَاعِ. وَإِنْ كَانَ قَدْ طَابَ وَحَلَّ بَيْعُهُ، فَزَكٰوةُ ذٰلِكَ عَلَى الْبَائِعِ. إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهَا عَلَى الْمُبْتَاعِ.

ترجمہ: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن شہابؒ سے زیتون کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس میں عشر واجب ہے۔ (موطائے امام محمدؒ میں بھی یہ روایت آئی ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کی مقدار پانچ وسق ہو یا اس سے زائد۔ اور اس میں روغن زیتون کو نہ دیکھا جائے گا بلکہ زیتون کو دیکھا جائے گا۔ لیکن ابوحنیفہؒ کے قول میں قلیل وکثیر ہر مقدار میں زکوٰۃ ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اور شافعیؒ کے قول جدید میں زیتون پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ امام محمدؒ سے دونوں روایتیں ہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ زیتون میں عشر نہ روغن زیتون نکال کر لیں گے۔ جب کہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائے۔ (یعنی اصل زیتون پانچ وسق ہو کیونکہ اسی کو تو ناپا جا سکتا ہے نہ کہ تیل کو وسق کے حساب سے۔ پس بقول الباجی پانچ وسق زیتون میں سے جس قدر روغن نکلے گا اس کا عشر لیں گے لیکن ابوحنیفہؒ اور محمد رحمہما اللہ کے قول میں اعتبار زیتون کا ہے نہ کہ روغن زیتون کا۔ مالکؒ کا قول اس مسئلے میں کچھ الجھا ہوا سا نظر آتا ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ زیتون بھی کھجور کی طرح ہے۔ جو بارانی پانی سے سیراب ہو یا چشمے اور ندی نالے اسے سیراب کریں یعنی جب کہ حکومت ان کے پانی کا محصول نہ لے۔ یا زیر زمین پانی سے ہی پرورش پائے تو اس میں عشر ہے اور جسے سینچ کر پانی پلائیں۔ یعنی وہ چاہی ہو۔ تو اس میں نصف عشر ہے۔ اور زیتون کو اس کے درخت پر خرص۔ اندازہ۔ نہ کریں گے۔

والباجی نے کہا کہ اس کے خرص کا فائدہ کچھ نہیں کیونکہ اسے تر نہیں کھاتے)۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ سنت ہمارے نزدیک ان غلوں میں جن کا لوگ ذخیرہ کرتے اور کھاتے ہیں، یہ ہے کہ بارانی غلے میں سے اور ندی نالے سے سیراب ہونے والے ۔ جب کہ اس پر ٹیکس نہ ہو۔ اور زمین کے نیچے کی نالیوں سے سیراب ہونے والے سے عُشر لینا واجب ہے اور جسے سینچ کر پلایا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ جبکہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائے پہلے صاع کے ساتھ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے ساتھ۔ اور پانچ وسق سے جو زائد ہو تو اس میں بھی اسی حساب سے زکوٰۃ ہے۔ (اور گزر چکا کہ امام ابو حنیفہؒ ہر مقدار کے غلے میں وجوب عشر کے قائل ہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جن غلوں میں عشر واجب ہے وہ یہ ہیں۔ گندم، جَو، سُلت نامی جَو، جوار، کنگنی یا چینا، چاول، مسُور کابلی مٹر، لوبیا، تِل اور ان کی مانند اور غلے جو کھانے کے کام آئیں۔ ان سب میں سے زکوٰۃ کٹائی کے بعد اور دانے نکال کر لی جائے گی۔ مالکؒ نے فرمایا کہ اس معاملے میں لوگوں کی تصدیق کی جائے گی اور وہ جو کچھ دیں اسے لے لیا جائے گا۔ (اور انہیں قسم نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ یہ نماز اور حدّ کی مانند اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔)

یحییٰ نے کہا کہ مالکؒ سے پوچھا گیا کہ زیتون سے عشر کب نکالا جائے گا؟ آیا خرچ لگا کر یا بغیر اس کے لگائے ہوئے؟ تو مالکؒ نے کہا کہ خرچ کی طرف نہ دیکھیں گے بلکہ مالکوں سے پوچھیں گے اور ان کی بات کو سچ مانیں گے۔ پس جس کی زیتون پانچ وسق یا زیادہ ہوئی اس کا روغن نکلنے کے بعد اس کا عشر لیا جائے گا۔ اور جس نے پانچ وسق زیتون کی برداشت نہیں کی، اس کے روغن زیتون سے زکوٰۃ نہ آئے گی۔ (حنفیہ کا قول بھی یہی ہے کہ عُشر زمین سے جو کچھ نکلا اس پر ہے اور خرچ کا حساب مالک جانے۔ محقق ابن الہمامؒ نے کہا کہ بعض فقہاء خرچ کو وضع کر کے باقی پر عُشر کے قائل ہیں، مگر حنفیہ کا فتویٰ وہی ہے جو گزرا اور مالکؒ نے بھی یہی کہا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص کھڑی فصل کو پک چکنے اور بالیاں خشک ہو جانے کے بعد فروخت کرے تو اس کی زکوٰۃ اس پر ہے نہ کہ خریدار پر۔ (کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ بائع پر ہو چکا ہے۔ یہی حنفیہ کا بھی قول ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ کھیتی یعنی کھڑی فصل کو بیچنا اس وقت تک درست نہیں، جب تک کہ وہ اپنی بالیوں پر خشک نہ ہو جائے اور پانی سے بے نیاز نہ ہو جائے۔ (جمہور کے نزدیک صلاحیت کے بعد کھڑی فصل کی بیع جائز ہے مگر امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دھوکے کی بیع ہے۔)

امام مالکؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کہا ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے۔ واللہ اعلم۔ اور میں نے بعض لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے۔ (یعنی اس آیت کا حکم صدقہ نافلہ کے متعلق نہیں بلکہ صدقہ واجبہ یعنی عُشر کے متعلق ہے۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ آیت مکی ہے۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے مراد وہی ہے جو امام مالکؒ نے کہا۔ زکوٰۃ مکہ میں فرض ہو گئی تھی لیکن اس کی تفصیل اور نصاب وغیرہ کی وضاحت مدینہ میں ہوئی۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے اپنا باغ یا زمین بیچی اور اس میں کھیتی تھی یا پھل تھے، جن کی صلاحیت ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی تو اس کی زکوٰۃ خریدار کے ذمہ ہے۔ اگر پھل یا کھیتی درست ہو چکی تھی اور اس کی بیع کا وقت آ چکا تھا تو اس پھل یا کھیتی کی زکوٰۃ فروخت کرنے والے پر ہے۔ اِلّا یہ کہ بائع خریدار سے یہ شرط کر دے کہ زکوٰۃ خریدار ادا کرے گا۔ (امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اس آخری صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ بیع نافذ کرے یا رد کرے۔ اور عشر تو ہر صورت پھل سے یا کھیتی سے لیا جائے گا۔ یعنی وہ جس کی بھی ہو، اس سے۔)

۲۱۔ بَابُ مَا لَا زَكٰوةَ فِيْهِ مِنَ الثِّمَارِ

ان پھلوں کا بیان جن میں زکوٰۃ نہیں

۶۸۷۔ قَالَ مَالِكٌ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا كَانَ لَهُ مَا يَجُدُّ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ، وَمَا يَقْطُفُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الزَّبِيبِ، وَمَا يَحْصُدُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الْحِنْطَةِ، وَمَا يَحْصُدُ مِنْهُ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ مِنَ الْقُطْنِيَّةِ، إِنَّهُ لَا يُجْمَعُ عَلَيْهِ بَعْضُ ذٰلِكَ إِلَى بَعْضٍ۔ وَإِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ زَكٰوةٌ۔ حَتّٰى يَكُوْنَ فِي الصِّنْفِ الْوَاحِدِ مِنَ التَّمْرِ، أَوْ فِي الزَّبِيبِ، أَوْ فِي الْحِنْطَةِ، أَوْ فِي الْقُطْنِيَّةِ، مَا يَبْلُغُ الصِّنْفُ الْوَاحِدُ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، بِصَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ۔

وَإِنْ كَانَ فِي الصِّنْفِ الْوَاحِدِ مِنْ تِلْكَ الْأَصْنَافِ مَا يَبْلُغُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، فَفِيْهِ الزَّكَاةُ۔ فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ۔ وَتَفْسِيْرُ ذٰلِكَ أَنْ يَجُدَّ الرَّجُلُ مِنَ التَّمْرِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ۔ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَسْمَاؤُهُ وَأَلْوَانُهُ، فَإِنَّهُ يُجْمَعُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ، ثُمَّ يُؤْخَذُ مِنْ ذٰلِكَ الزَّكٰوةُ۔ فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ، فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ۔ وَكَذٰلِكَ الْحِنْطَةُ كُلُّهَا۔ السَّمْرَاءُ وَالْبَيْضَاءُ وَالشَّعِيْرُ وَالسُّلْتُ، كُلُّ ذٰلِكَ صِنْفٌ وَاحِدٌ۔ فَإِذَا حَصَدَ الرَّجُلُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، جُمِعَ عَلَيْهِ بَعْضُ ذٰلِكَ إِلَى بَعْضٍ، وَوَجَبَتْ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ، فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ۔ وَكَذٰلِكَ الزَّبِيْبُ كُلُّهُ أَسْوَدُهُ وَأَحْمَرُهُ۔ فَإِذَا قَطَفَ الرَّجُلُ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَجَبَتْ فِيْهِ الزَّكٰوةُ۔ فَإِنْ لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ، فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ۔ وَكَذٰلِكَ الْقُطْنِيَّةُ هِيَ صِنْفٌ وَاحِدٌ۔ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ أَسْمَاؤُهَا وَأَلْوَانُهَا۔ وَالْقُطْنِيَّةُ: الْحِمَّصُ وَالْعَدَسُ وَاللُّوْبِيَا وَالْجُلْبَانُ۔ وَكُلُّ مَا ثَبَتَ مَعْرِفَتُهُ عِنْدَ النَّاسِ أَنَّهُ قُطْنِيَّةٌ۔ فَإِذَا حَصَدَ الرَّجُلُ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ بِالصَّاعِ الْأَوَّلِ صَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَصْنَافِ الْقُطْنِيَّةِ كُلِّهَا، لَيْسَ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ

مِنَ الْقُطْنِيَّةِ. فَإِنَّهُ يُجْمَعُ ذٰلِكَ بَعْضُهُ إِلٰى بَعْضٍ، وَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكٰوةُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ فَرَّقَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بَيْنَ الْقُطْنِيَّةِ وَالْحِنْطَةِ، فِيمَا أَخَذَ مِنَ النَّبَطِ. وَرَأَى أَنَّ الْقُطْنِيَّةَ كُلَّهَا صِنْفٌ وَاحِدٌ. فَأَخَذَ مِنْهَا الْعُشْرَ، وَأَخَذَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالزَّبِيبِ نِصْفَ الْعُشْرِ.

قَالَ مَالِكٌ: فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: كَيْفَ يُجْمَعُ الْقُطْنِيَّةُ بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ فِي الزَّكٰوةِ حَتّٰى تَكُونَ صَدَقَتُهَا وَاحِدَةً، وَالرَّجُلُ يَأْخُذُ مِنْهَا اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ يَدًا بِيَدٍ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْحِنْطَةِ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ يَدًا بِيَدٍ؟ قِيلَ لَهُ: فَإِنَّ الذَّهَبَ وَالْوَرِقَ يُجْمَعَانِ فِي الصَّدَقَةِ. وَقَدْ يُؤْخَذُ بِالدِّينَارِ أَضْعَافُهُ فِي الْعَدَدِ مِنَ الْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ؟

قَالَ مَالِكٌ، فِي النَّخِيلِ يَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَيَجُدَّانِ مِنْهَا ثَمَانِيَةَ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ: إِنَّهُ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمَا فِيهَا. وَإِنَّهُ إِنْ كَانَ لِأَحَدِهِمَا مِنْهَا مَا يَجُدُّ مِنْهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، وَلِلْآخَرِ مَا يَجُدُّ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ، فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، كَانَتِ الصَّدَقَةُ عَلٰى صَاحِبِ الْخَمْسَةِ الْأَوْسُقِ. وَلَيْسَ عَلَى الَّذِي جَدَّ أَرْبَعَةَ أَوْسُقٍ أَوْ أَقَلَّ مِنْهَا، صَدَقَةٌ. وَكَذٰلِكَ الْعَمَلُ فِي الشُّرَكَاءِ كُلِّهِمْ فِي كُلِّ زَرْعٍ مِنَ الْحُبُوبِ كُلِّهَا يُحْصَدُ، أَوِ النَّخْلُ يُجَدُّ، أَوِ الْكَرْمُ يُقْطَفُ، فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ يَجُدُّ مِنَ التَّمْرِ، أَوْ يَقْطِفُ مِنَ الزَّبِيبِ، خَمْسَةَ أَوْسُقٍ. أَوْ يَحْصُدُ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ، فَعَلَيْهِ فِيهِ الزَّكٰوةُ، وَمَنْ كَانَ حَقُّهُ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، فَلَا صَدَقَةَ عَلَيْهِ. وَإِنَّمَا تَجِبُ الصَّدَقَةُ عَلٰى مَنْ بَلَغَ جِدَادُهُ أَوْ قِطَافُهُ أَوْ حَصَادُهُ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ.

قَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ عِنْدَنَا، أَنَّ كُلَّ مَا أُخْرِجَتْ زَكَاتُهُ مِنْ هٰذِهِ الْأَصْنَافِ كُلِّهَا، الْحِنْطَةِ وَالتَّمْرِ وَالزَّبِيبِ وَالْحُبُوبِ كُلِّهَا. ثُمَّ أَمْسَكَهُ صَاحِبُهُ بَعْدَ أَنْ أَدّٰى صَدَقَتَهُ سِنِينَ. ثُمَّ بَاعَهُ، أَنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ فِي ثَمَنِهِ زَكٰوةٌ، حَتّٰى يَحُولَ عَلٰى ثَمَنِهِ الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَاعَهُ. إِذَا كَانَ أَصْلُ تِلْكَ الْأَصْنَافِ مِنْ فَائِدَةٍ أَوْ غَيْرِهَا. وَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِلتِّجَارَةِ. وَإِنَّمَا ذٰلِكَ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ وَالْحُبُوبِ

وَالْعُرُوْضِ يُفِيْدُهَا الرَّجُلُ ثُمَّ يُمْسِكُهَا سِنِيْنَ. ثُمَّ يَبِيْعُهَا بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ، فَلَا يَكُوْنُ عَلَيْهِ فِي ثَمَنِهَا زَكٰوةٌ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَاعَهَا. فَإِنْ كَانَ أَصْلُ تِلْكَ الْعُرُوْضِ لِلتِّجَارَةِ فَعَلٰى صَاحِبِهَا فِيْهَا الزَّكٰوةُ حِيْنَ يَبِيْعُهَا، إِذَا كَانَ قَدْ حَبَسَهَا سَنَةً، مِنْ يَوْمِ زَكَّى الْمَالَ الَّذِي ابْتَاعَهَا بِهِ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جب آدمی اپنی کھجوروں سے ۴ وسق کھجور توڑے اور ۴ وسق کشمش توڑے اور ۴ وسق گندم حاصل کرے اور ۴ وسق دال حاصل کرے تو یہ تمام اجناس ملائی نہ جائیں گی اور ان میں اس کے ذمہ کوئی زکوٰۃ نہیں۔ جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک جنس مثلاً کھجور یا کشمش یا گندم یا دال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے ساتھ پانچ وسق کو نہ پہنچ جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ وسق سے کم کھجور میں صدقہ نہیں ہے۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قلیل وکثیر کے فرق کے بغیر ہر پھل اور غلے میں صدقہ ہے اور پانچ وسق والی حدیث ان کے نزدیک مالِ تجارت پر محمول ہے۔ صاحبینؒ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے ساتھ ہیں۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر ان اصناف میں سے کسی ایک صنف کی مقدار پانچ وسق ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی پانچ وسق کھجور توڑے، اگرچہ اس کے نام اور رنگ مختلف ہوں تو ان سب کو جمع کیا جائے گا اور اس میں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور اگر وہ اس مقدار کو نہ پہنچے تو اس کوئی زکوٰۃ نہیں۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اسی طرح گندم کی تمام اقسام مثلاً میلے رنگ کی اور سفید رنگ والی، اور جَو اور سُلت (سُلت جَو کی ایک قسم ہے جو گندم سے مشابہ ہوتی ہے) یہ ایک ایک جنس ہیں۔ پس جب کوئی شخص کسی جنس کی کٹائی کرے اور وہ پانچ وسق ہو اور ان کی مختلف اقسام اور الوان کو جمع کیا جائے گا اور اس سے زکوٰۃ لی جائے گی۔ اگر یہ مقدار نہ ہو تو کوئی زکوٰۃ نہیں آتی۔ (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جَو اور سُلت ایک صنف نہیں بلکہ الگ الگ ہیں یہی شافعیؒ کا قول بھی ہے۔ اور اوپر گزر چکا کہ یہ فقط نام کا جھگڑا ہے ورنہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مقدار پر زکوٰۃ واجب ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ زبیب سیاہ ہو یا سُرخ ہو، جب آدمی اس کے پانچ وسق توڑے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس مقدار کو نہ پہنچے تو زکوٰۃ نہیں ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ گندم، کھجور اور کشمش کی مانند دالیں بھی ایک جنس ہیں۔ گو ان کے نام اور رنگ جُدا جُدا ہوں اور دال (قطنیہ سے مراد چنا، مسور، لوبیا، کابلی مٹر ہے (یا مونگ ماش) جن کی پہچان لوگوں کے نزدیک ثابت شدہ ہے۔ پس جب کوئی شخص ان میں سے پانچ وسق پہلے صاع یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے مطابق حاصل کرے تو ان تمام انواع کو ملا کر مقدار دیکھی جائے گی اور یہ سب قطنیہ (دالیں) ہیں۔

امام مالکؒ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے دالوں اور گندم میں فرق کیا تھا جب کہ قبطیوں سے انہوں نے عشور وصول کیا تھا تو یہ دیکھا تھا کہ سب دالیں ایک ہی صنف ہیں۔ لہٰذا ان سے عُشر لیا اور گندم اور کشمش سے نصف عُشر وصول کیا تھا (امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ اثر مالکؒ سے حضرت عمرؓ تک مسند روایت کیا ہے۔ مگر الفاظ کا کچھ اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے کہا ہے کہ ذمیوں سے

والوں یا عشر والوں کا محصول لے لیا جاتا ہے اور حربیوں سے جب وہ دارالاسلام میں اجازت سے آئیں لے لیا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے جب زیاد بن خدیرؓ اور انس بن مالک کو کوفہ کا عشور لینے بھیجا تو یہی حکم کیا تھا۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ یہ بات امام مالکؒ نے صرف تمام دالوں کے ایک جنس ہونے کی دلیل میں بیان کی ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ زکوٰۃ میں تمام دالوں کو ایک دوسری میں کیسے جمع کیا جائے گا تاکہ ان کا صدقہ ایک ہو جائے حالانکہ آدمی ان میں سے ایک کو دوسری کے بدلے میں دست بدست ایک اور دو کی نسبت سے لیتا ہے اور گندم میں سے دو صنفیں دست بدست ایک اور دو کی نسبت میں نہیں لی جاسکتیں تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ سونا اور چاندی صدقے میں جمع کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک دینار کے بدلے چاندی کے کئی سکے دست بدست لئے جاتے ہیں۔ (یعنی بیع میں کمی بیشی کا جواز اس بات کی دلیل نہیں کہ ان اجناس کو صدقہ میں باہم نہ ملایا جائے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کھجور کے درخت دو شخصوں میں مشترک ہوں اور ان دونوں کی حاصل کردہ کھجور کی مقدار آٹھ وسق ہو تو ان پر کوئی صدقہ نہیں۔ اور اگر ایک کی حاصل کردہ کھجور ۵ وسق ہو اور دوسرے کی ۴ وسق ہو یا اس سے کم ہو ایک ہی زمین میں، تو صدقہ پانچ وسق والے پر ہوگا۔ اور چار وسق والے پر کوئی صدقہ نہیں۔ (کیونکہ پہلے کی کھجور کا نصاب پورا ہے اور دوسرے کا نصاب نہیں۔ یہ بات یاد رہے کہ ابوحنیفہؒ کا اس میں اختلاف ہے جو اوپر بیان ہوا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ غلّے کی تمام فصلوں میں بھی شرکاء کے درمیان یہی عمل ہوگا۔ جب غلّہ کاٹا جائے یا کھجور کا پھل توڑا جائے یا انگور اتارا جائے تو ان میں سے اگر ہر شخص کی کھجور یا کشمش پانچ وسق ہو یا گندم پانچ وسق ہو تو اس کے ذمہ اس میں زکوٰۃ ہوگی اور جس کا حصّہ پانچ وسق سے کم ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ صرف اس پر ہے جس کا غلّہ یا پھل پانچ وسق ہو۔ (زرقانی نے کہا کہ فقہائے کوفہ اور ابوثورؒ کا بھی یہی قول ہے کہ شرکاء میں سے ہر ایک پر الگ الگ حساب سے زکوٰۃ ہوگی اور ان کی دلیل حدیث لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ ۔ اور یہ اس باب کی صحیح ترحدیث ہے۔ اور شافعی نے کہا کہ شرکاء خواہ کھیتی میں ہوں، خواہ سونے چاندی میں اور خواہ مویشیوں میں۔ وہ سب مل کر ایک ہی زکوٰۃ ادا کریں گے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک سُنت یہ ہے کہ ان سب اصناف مثلاً گندم، کھجور، زبیب اور غلّے میں سے جب زکوٰۃ (عشر) ادا کر دیا گیا تو اس کے بعد ان کا مالک خواہ کئی سال تک روکے رکھے اور پھر فروخت کرے تو اس فروخت شدہ کی قیمت پر سال گزرنے سے قبل زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان اصناف کی اصل چاہے ہبہ یا میراث وغیرہ سے ہو اور تجارت کے لئے نہ ہو۔ ان کی مثال کھانے کی چیزوں اور غلّوں اور سامان جیسی ہے کہ آدمی انہیں حاصل کرے پھر کئی سال تک روک رکھے۔ اور پھر سونے چاندی کے عوض انہیں بیچ ڈالے تو ان کی قیمت پر سال گزرنے سے قبل کوئی زکوٰۃ نہیں ہے یعنی فروخت کرنے کے دن سے آگے سال تک۔ اور اگر ان عروض کی اصل تجارت کے لئے ہو تو مالک پر بیع کے وقت زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب کہ اس نے اس سامان کو ایک سال تک روکے رکھا تھا۔ اور جس مال سے اسے خریدا تھا اس کی زکوٰۃ دے چکا تھا۔ (مسئلہ اجتہادی ہے اور اس کی بعض تفاصیل میں حنفیہ کا اختلاف ہے، مگر اصل مسئلہ میں اختلاف نہیں۔)

۲۲- بَابُ مَا لَا زَكٰوةَ فِيْهِ مِنَ الْفَوَاكِهِ وَالْقَضْبِ وَالْبُقُوْلِ

فواکہ اور چارے اور ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں

فواکہ جمع ہے فاکہہ کی اور اس کا معنیٰ ہے وہ پھل جنہیں کھانے سے قبل یا بعد بطور تنعم کھایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کے کھجور، انگور اور کشمش کے سوا باقی پھل فواکہ ہیں۔ مثلاً انار، سنگترہ، مالٹا وغیرہ وغیرہ۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو زمین کی ہر پیداوار میں عُشر ہے۔ مگر صاحبینؒ کا قول اس مسئلہ میں امام مالکؒ جیسا ہے۔ قضب کا معنیٰ چارہ ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے۔

۶۸۸- قَالَ مَالِكٌ: اَلسُّنَّةُ الَّتِىْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهَا عِنْدَنَا، وَالَّذِىْ سَمِعْتُ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ، اَنَّهُ لَيْسَ فِىْ شَىْءٍ مِنَ الْفَوَاكِهِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ. اَلرُّمَّانِ، وَالْفِرْسِكِ، وَالتِّيْنِ، وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ وَمَا لَمْ يُشْبِهْهُ. اِذَا كَانَ مِنَ الْفَوَاكِهِ.

قَالَ: وَلَا فِى الْقَضْبِ وَلَا فِى الْبُقُوْلِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ. وَلَا فِىْ اَثْمَانِهَا اِذَا بِيْعَتْ صَدَقَةٌ، حَتّٰى يَحُوْلَ عَلٰى اَثْمَانِهَا الْحَوْلُ مِنْ يَوْمِ بَيْعِهَا، وَيَقْبِضَ صَاحِبُهَا ثَمَنَهَا.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ سنت جس میں اختلاف نہیں اور جو میں نے علماء سے سُنی ہے وہ یہ ہے کہ کسی فروٹ میں صدقہ نہیں۔ مثلاً انار، اخروٹ، انجیر اور اس جیسی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں اور جو چیزیں ان سے مشابہ نہ ہوں مگر وہ فواکہ (فروٹ) میں سے ہوں، ان میں بھی صدقہ نہیں۔ اور نہ چارے میں اور نہ تمام ترکاریوں میں کوئی زکوٰۃ ہے۔ اور جب انہیں فروخت کریں تو ان کی قیمت پر ایک سال گزر جانے پر صدقہ ہے جب کہ مالک نے قیمت لے لی ہو۔ (شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے۔ مگر ابوحنیفہؒ نے چارے، گھاس سرکنڈے اور ایندھن کے سوا ہر چیز پر زکوٰۃ رکھی ہے۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ صاحبین کا مذہب اس مسئلے میں ابوحنیفہؒ کے برخلاف ہے اور حدیث لَيْسَ فِى الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ ثابت نہیں، بلکہ ترمذی نے کہا کہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوا۔ عارضۃ الاحوذی میں ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ اس باب میں ابوحنیفہؒ کا قول ہی احوط ہے اور اسی میں مساکین کا فائدہ ہے یہی وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ آیت میں عموم پایا گیا ہے۔)

۲۳- بَابُ مَا جَاءَ فِىْ صَدَقَةِ الرَّقِيْقِ وَالْخَيْلِ وَالْعَسَلِ

غلاموں، گھوڑوں اور شہد کی زکوٰۃ کا باب

۶۸۹- حَدَّثَنِىْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عِرَاكِ ابْنِ مَالِكٍ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِىْ عَبْدِهٖ وَلَا فِىْ فَرَسِهٖ صَدَقَةٌ".

ترجمہ: ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلم پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ (امام محمدؒ نے اسے اپنے مؤطا میں باب زکوٰۃ الرقیق والخیل والبراذین میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مختار یہی حدیث ہے۔ گھوڑوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں خواہ جنگل میں چرنے والے ہوں یا غیر سائمہ (جنگل میں نہ چرنے والے) ہوں۔ اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ جب گھوڑے سائمہ (جنگل میں چرنے والے) ہوں اور نسل کشی کے لئے پالے جائیں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔ چاہو تو ہر گھوڑے پر ایک دینار دے دو، ورنہ قیمت لگا کر ہر دوسو درہم پر پانچ درہم ادا کرو۔ اور یہی ابراہیم نخعی کا قول بھی ہے۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ حدیث کے الفاظ فِیْ عَبْدِہٖ وَلَا فِیْ فَرَسِہٖ ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید کرتے ہیں۔ یہ اضافت بتاتی ہے کہ اس گھوڑے سے مراد سواری کی ضرورت کا گھوڑا یا جہاد کے لئے رکھا ہوا گھوڑا ہے۔ جیسا کہ غلام سے مراد خدمت کے لئے رکھا ہوا غلام ہے نہ کہ بغرض تجارت۔ البدائع میں ہے کہ سواری، بوجھ ڈھونے یا جہاد کے لئے پالا ہوا گھوڑا جسے تھان پر کھلایا جاتا ہے، اس میں کوئی زکوٰۃ اجماعاً نہیں ہے۔ اور اگر تجارت کے لئے ہو تو اس میں اجماعاً زکوٰۃ ہے۔ لیکن اس صورت میں امام محمدؒ کے قول میں تاویل کرنی پڑے گی۔ جو یہ ہے کہ غیر تجارتی گھوڑے سائمہ ہوں یا غیر سائمہ ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اور تجارت کے لئے نہ ہوں تو خواہ نسل کشی کے لئے ہوں یا کسی اور غرض کے لئے، ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اہل ظاہر نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا کہ گھوڑے یا غلام اگر تجارت کے لئے ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ نہیں۔ حالانکہ بقول حافظ ابن حجرؒ تمام اموالِ تجارت کی زکوٰۃ پر اجماع ہے جو کئی ائمہ نے نقل کیا ہے۔ پس وہ اس حدیث میں مراد نہیں۔ گدھوں اور خچروں میں بروئے حدیث صحیح صدقہ نہیں ہے اور وہ حدیث کتاب الجہاد میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۹۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ اَهْلَ الشَّامِ قَالُوْا لِاَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ: خُذْ مِنْ خَيْلِنَا وَرَقِيْقِنَا صَدَقَةً۔ فَاَبٰى۔ ثُمَّ كَتَبَ اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ فَاَبٰى عُمَرُ۔ ثُمَّ كَلَّمُوْهُ اَيْضًا، فَكَتَبَ اِلٰى عُمَرَ۔ فَكَتَبَ اِلَيْهِ عُمَرُ: اِنْ اَحَبُّوْا فَخُذْهَا مِنْهُمْ۔ وَارْدُدْهَا عَلَيْهِمْ۔ وَارْزُقْ رَقِيْقَهُمْ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَعْنٰى قَوْلِهٖ، رَحِمَهُ اللّٰهُ "وَارْدُدْهَا عَلَيْهِمْ" يَقُوْلُ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ۔

ترجمہ: اہل شام نے ابوعبیدہ ابن الجراحؓ سے کہا کہ ہمارے گھوڑوں اور ہمارے غلاموں کی زکوٰۃ وصول کیجئے۔ ابوعبیدہؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عمرؓ بن الخطاب کو لکھ بھیجا۔ پس حضرت عمرؓ نے بھی انکار کر دیا۔ پھر ان لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ سے کہا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا۔ اب حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اگر وہ ایسا چاہتے ہیں تو ان سے زکوٰۃ لے لو اور اُسے انہی پر (ان کے فقراء پر) لوٹا دو۔ اور ان کے غلاموں کو بیت المال سے رزق دو۔ (جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ دیا کرتے تھے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا، اُسے ان پر لوٹا دو، یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ انہی کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ (یہ اصل اثر بھی مؤطا ئے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: بظاہر اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عمرؓ کی رائے پہلے یہ تھی کہ ان لوگوں کے گھوڑوں کی زکوٰۃ نہ لی جائے

مگر بعد میں کسی وجہ سے ان کی رائے بدل گئی۔ اس حدیث سے جیسا کہ نظر آ رہا ہے، کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اثبات یا نفی ہر دو صورت میں تاویل کے بغیر استدلال ممکن نہ ہوگا۔ دار قطنی اور عبد الرزاق نے کئی آثار روایت کیے ہیں، جن سے حضرات عمرو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کرنا ثابت ہوتا ہے۔ یہ آثار اور زیرِ نظر اثر بھی اس سے ساکت ہیں کہ یہ گھوڑے تجارت کے لئے تھے۔ ان آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ فی راس ایک دینار یا دس درہم ہے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے کہا کہ زہری کی روایت السائب بن یزید سے دار قطنی کی سنن میں صحیح ہے۔ ابن رشد مالکیؒ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کا گھوڑوں کی زکوٰۃ لینا صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے۔ انہی دلائل کی بنا پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ کا فتویٰ دیا ہے لیکن یہ ان کی دقتِ نظر کی دلیل ہے کہ سواری، بوجھ ڈھونے اور جہاد کے گھوڑوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ تاکہ اس حدیث صحیح کی ممانعت لازم نہ آئے جو اوپر گزر چکی ہے۔ امام محمدؒ نے یہ اثر مؤطا میں روایت کیا اور کہا کہ قول اس میں وہی ہے جو پہلے گزرا کہ مسلم پر اس کے گھوڑے یا غلام میں صدقہ نہیں سوائے غلام کے صدقہ فطر کے۔

۶۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ كِتَابٌ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي وَهُوَ بِمِنًى: أَنْ لَا يَأْخُذَ مِنَ الْعَسَلِ وَلَا مِنَ الْخَيْلِ صَدَقَةً.

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے کہا کہ میرے باپ کو جب کہ وہ منیٰ میں تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کا خط آیا کہ شہد سے اور گھوڑوں سے زکوٰۃ نہ لے۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ جب تم پانچ فرق یا اس سے زیادہ شہد حاصل کرو تو اس میں عشر واجب ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ کم و بیش کی قید کے بغیر شہد پر زکوٰۃ (عشر ہے) اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر پہنچی ہے کہ حضورؐ نے شہد میں زکوٰۃ واجب کی تھی۔ زیر نظر اثر میں انقطاع ہے۔ کیونکہ عبد اللہ جس سے روایت کرتا ہے اس کا نام نہیں لے رہا۔ مگر مؤطائے امام محمدؒ میں عبد اللہ کی روایت اپنے باپ ابو بکرؓ سے ہے۔ تاہم ابن حزم نے المحلیٰ میں کہا ہے کہ یہ اثر ضعیف ہے اور اس میں جہالت ہے۔

۶۹۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ صَدَقَةِ الْبَرَاذِينِ؟ فَقَالَ: وَهَلْ فِي الْخَيْلِ مِنْ صَدَقَةٍ؟

ترجمہ: عبد اللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے سعید بن المسیبؒ سے براذین ٹٹوؤں کی زکوٰۃ کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ کیا گھوڑوں میں زکوٰۃ ہوتی ہے؟ (یہ بطور استفہام انکاری فرمایا گیا۔)

شرح: ترکی گھوڑے کو برذون کہتے تھے۔ یہ چھوٹے قد کا ہوتا تھا۔ اور عربی گھوڑوں کا کسی طور مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ ٹٹو کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، ابو جعفر طحاویؒ کے نزدیک غیر تجارتی گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ ابو حنیفہؒ، زفر بن الہذیلؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، ابراہیم نخعیؒ اور صحابہ میں زید بن ثابتؓ کا قول ہے کہ زکوٰۃ ہے۔ مگر اس قول میں حنفی فقہا کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ گھوڑے مذکر و مونث ملے جلے ہوں۔ وہی بات جو ابو حنیفہؒ نے فرمائی کہ وہ نسل کشی کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔ مشہور حنفی امام ابو بکر جصاصؒ کا بھی یہی قول ہے اور یہ

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ صحابہ کے مشورے سے عائد کی تھی۔ مگر اوپر گزرا کہ اِنْ اَحَبُّوْا کا لفظ وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

شہد کی زکوٰۃ میں قول فیصل یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن الحسنؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک اگر شہد عشری زمین کے علاقے سے اتارا جائے تو اس میں عُشر ہے۔ حافظ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حقیقت حال کا علم ہو جانے پر عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلے قول سے رجوع کیا تھا۔ اور ان کے نزدیک شہد میں عشر ہے۔ یہی قول زہریؒ، ربیعہؒ، مکحولؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، ابن وہب مالکیؒ، سلیمان بن موسیٰ دمشقیؒ، اسحاق بن راہویہؒ، احمد بن حنبلؒ اور ابو عبیدؒ سے مروی ہے۔ ابن ماجہ کی دو احادیث سے شہد میں زکوٰۃ (عشر) کا مرفوع حکم آیا ہے ابو داؤد کی ایک حدیث سے بھی شہد کا عشر ثابت ہے۔ یہ حدیث اگر بقول بخاری صحیح نہیں تو حسن ضرور ہے۔ عدم صحت کے حکم کے لئے دلیل چاہیئے۔

۲۴۔ بَابُ جِزْيَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ

اہل کتاب اور مجوسیوں کے جزیے کا باب

جزیہ اس مال یا رقم کا نام ہے جو معاہد ذمی سے اس کی جان و مال اور عزت و مذہب کی حفاظت کے بدلے میں لیا جاتا ہے اور وہ اس کے باعث فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔ غیر مسلموں کو اسلام نے بہت سے حقوق دیئے ہیں جن کا عشر عشیر بھی کبھی کسی غیر مسلم سلطنت نے اپنی مسلم رعایا کو نہیں دیا۔ تاریخ شاہد ہے اور اب بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ مسلم حکومتوں کی حدود میں غیر مسلموں کا کیا حال ہے۔ بمقابلہ غیر مسلم حکومتیں مسلمانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہیں۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مجوس سے مراد ایرانی آتش پرست (زرتشتی) ہیں جس طرح اہل کتاب میں یہود و نصاریٰ موجودہ داخل ہیں۔ باوجودیکہ ان کی کتب محرف اور ان کا دین منسوخ ہے اسی طرح مجوس کو بھی اہل کتاب کی مانند ٹھیرایا گیا ہے۔ کیونکہ زرتشت کو گو ہم نبی نہیں کہتے۔ لیکن اس کی تعلیم توحید رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی تھی۔ سو ممکن ہے وہ اپنے دور کے کسی اسرائیلی نبی کا پیرو یا اس سے متاثر ہُوا ہو۔

حنفیہ کے نزدیک یہود و نصاریٰ اور مجوس کے علاوہ تمام غیر عربی مشرکوں اور بت پرستوں سے جزیہ لینا جائز ہے۔ مگر عربی سے سوائے اسلام یا قتال کے کچھ بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ یہ کہ آیت جزیہ جس وقت نازل ہوئی تھی اس وقت عرب میں کوئی مشرک باقی نہ تھا اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پر یلغار کی تھی، جو نصاریٰ تھے۔

۶۹۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنْ مَجُوسِ الْبَحْرَيْنِ. وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ فَارِسَ وَأَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَخَذَهَا مِنَ الْبَرْبَرِ.

ترجمہ: مالکؒ نے ابن شہابؒ سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا اور عمر بن الخطابؓ نے ایران کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ اور عثمان بن عفانؓ نے اسے بربر سے وصول کیا تھا۔ (بربر سے مراد افریقہ کے قبائل تھے۔) (یہ روایت مؤطا ئے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

۶۹۴- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ذَكَرَ الْمَجُوْسَ، فَقَالَ: مَا اَدْرِیْ كَیْفَ اَصْنَعُ فِیْ اَمْرِهِمْ. فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ "سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ"۔

ترجمہ: جعفر بن محمدؒ نے اپنے باپ محمد بن علی (الباقر بن زین العابدین) سے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مجوس کا ذکر کیا اور کہا کہ میں نہیں جانتا کہ ان کے معاملہ میں کیا رویہ اختیار کروں۔ پس عبدالرحمان بن عوف نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو۔

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں فرمایا ہے کہ سنت یہ ہے کہ مجوس سے جزیہ لیا جائے۔ مگر ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے اور ان کے ذبیحے نہ کھائے جائیں اور ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح پہنچا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ کوفہ والوں پر جزیہ مقرر کیا تھا۔ عوام پر ۱۲ درہم، درمیانے درجے پر ۲۴ درہم اور مالدار پر ۴۸ درہم۔ اور مالکؒ بن انس نے جو اونٹ کا ذکر کیا ہے تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہمارے علم میں سوائے بنی تغلب کے کسی سے اونٹ وصول نہیں کئے۔ انہوں نے اُن پر صدقہ کا دُگنا مقرر کیا اور یہی ان کا جزیہ ٹھیرایا اور اسے ان کے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری سے وصول کیا تھا۔

حدیث کے یہ الفاظ کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو، بتاتے ہیں کہ مجوس اہل کتاب نہیں مگر ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کیا جائے گا۔ (یعنی جزیے کی حد تک) اس لئے امام محمدؒ نے اوپر کی عبارت میں وضاحت کی ہے کہ نہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے۔ ویسے تو غیر اسرائیلی یہود و نصاریٰ کے متعلق بھی علما میں اختلاف ہے۔ کہ آیا وہ اہل کتاب ہیں یا نہیں۔ کیونکہ تورات و انجیل کا نزول فقط بنی اسرائیل کے لئے ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں علما کا یہ اختلاف مفصل مذکور ہے۔ لیکن ہر یہودی اور عیسائی کہلانے والے کو یہودی اور عیسائی ہی مانا گیا ہے۔ اختلاف ان کی عورتوں سے شادی کے سوال پر ہوا ہے اور محتاط علما نے غیر اسرائیلی یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح روا نہیں رکھا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ امام محمدؒ نے مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے اور ان کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت کیوں کی ہے اور جب مجوسی سے جزیہ لینے کا جواز معلوم ہو گیا تو سب غیر عربی کفار کا یہی حکم ہو گا سوائے عربی بت پرستوں کے ہر ایک پر جزیہ لگایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۹۵- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ اَسْلَمَ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْیَةَ عَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ. وَعَلٰى اَهْلِ الْوَرِقِ اَرْبَعِیْنَ دِرْهَمًا. مَعَ ذٰلِكَ اَرْزَاقُ الْمُسْلِمِیْنَ وَضِیَافَةُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔

ترجمہ: حضرت بن الخطابؓ نے سونے والوں پر چار دینار اور چاندی والوں پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کے ارزاق (مسلم مجاہدوں کی ضیافت)، اور تین دن کی ضیافت کی شرط بھی رکھی تھی۔

شرح: جہاد کی ضرورت سے مسلم لشکریوں کو کفار کے علاقوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ لہٰذا ان کی خوراک اور رہائش کی ذمہ داری

ان کفار پر ڈالی گئی جن سے جزیے پر معاہدہ ہوا تھا۔ اسی طرح مسلمان تجارت اور دیگر کاروبار کی غرض سے ان کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ ابناء سبیل کی ضیافت کی ذمہ داری مسلم علاقوں میں مسلمانوں پر ہوتی ہے۔ اب ان کفار نے جب جزیہ کا معاہدہ قبول کیا تو وہ بھی ذمہ داری کے مخاطب بن گئے اور ان سے یہ شرط کر لی گئی۔ علامہ علی القاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ شرط گو جزیہ کی رقم کے علاوہ تھی مگر در اصل جزیہ میں داخل تھی۔ جزیہ کی مقدار نہایت معمولی رہی ہے۔ اور مسلمانوں پر زکوٰۃ و صدقات کی مقدار ان سے کہیں زیادہ ہے۔ مگر اس کے باوجود یہود و نصاریٰ کے مستشرق اس کے خلاف شور مچاتے ہیں تاکہ ان مظالم پر پردہ ڈالیں جو وہ اپنے علاقوں میں مسلمانوں پر روا رکھتے ہیں۔ سپین کے مسلمانوں کو زبردستی مرتد بنایا گیا۔ اور باقی کو سمندر میں دھکیل دیا گیا۔ اس نام نہاد روشنی اور تہذیب کے دور میں بھی غیر مسلم حکومتیں افریقہ، حبشہ، فلپائن، مشرق اوسط، ہندوستان اور اکثر اشتراکی ممالک میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کئے ہوئے ہیں۔ مگر بے حیا مستشرقین کی جماعت مسلمانوں کے خلاف فرضی مظالم کے الزامات عائد کرنے اور ان کا پرچار کرنے سے نہیں شرماتی۔

۶۹۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: إِنَّ فِي الظَّهْرِ نَاقَةً عَمْيَاءَ۔ فَقَالَ عُمَرُ: ادْفَعْهَا إِلَى أَهْلِ بَيْتٍ يَنْتَفِعُونَ بِهَا۔ قَالَ، فَقُلْتُ: وَهِيَ عَمْيَاءُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: يَقْطُرُونَهَا بِالْإِبِلِ۔ قَالَ فَقُلْتُ: كَيْفَ تَأْكُلُ مِنَ الْأَرْضِ؟ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ: أَمِنْ نَعَمِ الْجِزْيَةِ هِيَ أَمْ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ؟ فَقُلْتُ: بَلْ مِنْ نَعَمِ الْجِزْيَةِ۔ فَقَالَ عُمَرُ: أَرَدْتُمْ، وَاللَّهِ، أَكْلَهَا۔ فَقُلْتُ: إِنَّ عَلَيْهَا وَسْمَ الْجِزْيَةِ۔ فَأَمَرَ بِهَا عُمَرُ فَنُحِرَتْ۔ وَكَانَ عِنْدَهُ صِحَافٌ تِسْعٌ۔ فَلَا تَكُونُ فَاكِهَةٌ وَلَا طُرَيْفَةٌ إِلَّا جَعَلَ مِنْهَا فِي تِلْكَ الصِّحَافِ۔ فَبَعَثَ بِهَا إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَكُونُ الَّذِي يَبْعَثُ بِهِ إِلَى حَفْصَةَ ابْنَتِهِ، مِنْ آخِرِ ذَلِكَ۔ فَإِنْ كَانَ فِيهِ نُقْصَانٌ، كَانَ فِي حَظِّ حَفْصَةَ۔ قَالَ: فَجَعَلَ فِي تِلْكَ الصِّحَافِ مِنْ لَحْمِ تِلْكَ الْجَزُورِ۔ فَبَعَثَ بِهِ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَأَمَرَ بِمَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِ تِلْكَ الْجَزُورِ، فَصُنِعَ۔ فَدَعَا عَلَيْهِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارَ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى أَنْ تُؤْخَذَ النَّعَمُ مِنْ أَهْلِ الْجِزْيَةِ إِلَّا فِي جِزْيَتِهِمْ۔

ترجمہ: اسلم نے عمر بن الخطابؓ سے کہا کہ سواریوں میں ایک اندھی اونٹنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے کسی گھر والوں کو دے دو تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اسلم نے کہا کہ میں نے عرض کیا وہ اندھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ اسے دوسرے اونٹوں کی قطار میں باندھ لیں گے۔ اسلم نے کہا کہ میں نے عرض کیا وہ زمین سے کیونکر کھائے گی؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ آیا وہ جزیہ کے جانوروں میں سے ہے یا صدقہ کے جانوروں میں سے؟ میں نے کہا کہ وہ جزیہ کے جانوروں میں سے ہے۔ حضرت

عمرؓ نے فرمایا کہ واللہ تم نے اسے کھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس پر جزیہ کے جانوروں کی علامت پائی جاتی ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے اسے ذبح کرنے کا حکم دیا اور وہ ذبح کی گئی۔ اور ان کے پاس نو طبق تھے۔ پس جب کوئی پھل یا کوئی تحفہ وغیرہ آتا تو اس میں سے ان تھالوں میں ڈلواتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کے ہاں بھجواتے تھے۔ اور اپنی بیٹی حفصہؓ کے ہاں سب سے آخر میں بھجواتے تھے۔ تاکہ اگر کچھ کمی ہو تو وہ حفصہؓ کے حصے میں ہو۔ اسلم نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس گوشت میں سے ان تھالوں میں ڈلوایا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کو بھیجا اور اس اونٹنی کا جو گوشت بچ گیا اسے پکوا کر مہاجرین وانصار کی دعوت کی

امام مالکؒ نے کہا کہ میرے نزدیک اہل جزیہ کے جانوروں کو صرف جزیہ میں لینا جائز ہے۔

شرح: صدقہ وزکوٰۃ یا جزیہ کے جانوروں پر گرم لوہے سے ایسے الفاظ لکھے جاتے تھے جن سے ان کی پہچان رہے اور دوسرے جانوروں میں خلط ملط نہ ہونے پائیں۔ اس اثر سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ جزیہ کے مال میں سب مسلمانوں کا حق ہے۔ دوسرا یہ کہ خلفائے راشدین امہات المؤمنینؓ کے ساتھ بڑے اعزاز واکرام کا سلوک کرتے تھے۔ تیسرا یہ کہ جناب عمرؓ اپنی بیٹی ام المؤمنین حفصہؓ کو دیگر ازواجِ رسولؐ پر کوئی ترجیح نہ دیتے تھے، بلکہ دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔ مبادا خویش پروری کا شائبہ پیدا ہو۔

اس اثر کے آخر میں امام مالکؒ کا جو قول ہے، اسی کے متعلق امام محمدؒ نے موطا میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جزیہ میں اونٹ لئے ہوں۔ یہ اثر بھی اوپر گزر چکا ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہ بنی تغلب کا جزیہ تھا۔ امام محمدؒ نے موطا میں امام مالکؒ کا یہ اثر — کہ یہ جزیہ کے جانور تھے۔ جو اہل جزیہ سے لئے جاتے تھے — نقل کیا اور اس پر یہ نوٹ لکھا جو ابھی گزرا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٦٩٧- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهِ: اَنْ يَضَعُوا الْجِزْيَةَ عَمَّنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْجِزْيَةِ حِيْنَ يُسْلِمُوْنَ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَضَتِ السُّنَّةُ اَنْ لَا جِزْيَةَ عَلٰى نِسَاءِ اَهْلِ الْكِتَابِ، وَلَا عَلٰى صِبْيَانِهِمْ. وَاَنَّ الْجِزْيَةَ لَا تُؤْخَذُ اِلَّا مِنَ الرِّجَالِ الَّذِيْنَ قَدْ بَلَغُوا الْحُلُمَ. وَلَيْسَ عَلٰى اَهْلِ الذِّمَّةِ، وَلَا عَلَى الْمَجُوْسِ فِيْ نَخِيْلِهِمْ، وَلَا كُرُوْمِهِمْ، وَلَا زُرُوْعِهِمْ، وَلَا مَوَاشِيْهِمْ صَدَقَةٌ. لِاَنَّ الصَّدَقَةَ اِنَّمَا وُضِعَتْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ تَطْهِيْرًا لَهُمْ وَرَدًّا عَلٰى فُقَرَائِهِمْ. وَوُضِعَتِ الْجِزْيَةُ عَلٰى اَهْلِ الْكِتَابِ صَغَارًا لَهُمْ. فَهُمْ مَا كَانُوْا بِبَلَدِهِمُ الَّذِيْنَ صَالَحُوْا عَلَيْهِ، لَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ سِوَى الْجِزْيَةِ. فِيْ شَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ. اِلَّا اَنْ يَتَّجِرُوْا فِيْ بِلَادِ الْمُسْلِمِيْنَ. وَيَخْتَلِفُوْا فِيْهَا. فَيُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْعُشْرُ فِيْمَا يُدِيْرُوْنَ مِنَ التِّجَارَاتِ. وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ، اِنَّمَا وُضِعَتْ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةُ، وَصَالَحُوْا عَلَيْهَا، عَلٰى اَنْ يُقَرُّوْا

بِبِلَادِهِمْ، وَيُقَاتِلُ عَنْهُمْ عَدُوَّهُمْ. فَمَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ مِنْ بِلَادِهِ إِلَى غَيْرِهَا يَتْجُرُ إِلَيْهَا فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ مَنْ تَجَرَ مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ إِلَى الشَّامِ، وَمِنْ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْعِرَاقِ، وَمِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الْمَدِينَةِ أَوِ الْيَمَنِ، أَوْ مَا أَشْبَهَ هٰذَا مِنَ الْبِلَادِ، فَعَلَيْهِ الْعُشْرُ. وَلَا صَدَقَةَ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ، وَلَا الْمَجُوسِ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ مَوَاشِيهِمْ وَلَا ثِمَارِهِمْ وَلَا زُرُوعِهِمْ. مَضَتْ بِذٰلِكَ السُّنَّةُ. وَيُقَرُّونَ عَلَى دِينِهِمْ. وَيَكُونُونَ عَلَى مَا كَانُوا عَلَيْهِ. وَإِنِ اخْتَلَفُوا فِي الْعَامِ الْوَاحِدِ مِرَارًا فِي بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ فَعَلَيْهِمْ كُلَّمَا اخْتَلَفُوا الْعُشْرُ. لِأَنَّ ذٰلِكَ لَيْسَ مِمَّا صَالَحُوا عَلَيْهِ، وَلَا مِمَّا شُرِطَ لَهُمْ. وَهٰذَا الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا.

ترجمہ: مالکؒ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو لکھا تھا کہ جو اہلِ جزیہ ایمان لے آئیں، ان کا جزیہ ایمان لاتے ہی ساقط کر دیا جائے۔

شرح: یعنی جب کوئی ذمی اسلام قبول کرے تو اب اس پر جزیہ نہیں رہا۔ اگر اس کے ذمے کچھ بقایا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک وہ قابلِ وصولی ہوگا۔ مگر امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کے نزدیک بقایا بھی ساقط ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ الخ" کافروں سے کہو کہ اگر وہ باز آ جائیں تو گزشتہ معاف ہے"۔ اور یہ آیت حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ" حتیٰ کہ وہ جھک کر ہاتھ سے جزیہ دیں"۔ پس جب اسلام لے آئے تو اسلام کا اعزاز انہیں حاصل ہو گیا اور صغار کفر جاتا رہا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مر جانے والے ذمی کا جزیہ بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی جو اس کے ذمے واجب الادا تھا اب قابلِ وصول نہیں رہا۔

امام مالکؒ نے کہا کہ سُنت یہ رہی ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں اور بچوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ صرف بالغ مردوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ذمیوں اور مجوسیوں پر ان کی کھجوروں اور انگوروں اور کھیتیوں اور مویشیوں پر کوئی صدقہ (زکوٰۃ وعشر) نہیں۔ کیونکہ صدقہ مسلمانوں پر عائد کیا گیا ہے: تاکہ انہیں پاک کیا جائے اور ان کے ضرورت مندوں پر لوٹایا جائے۔ اور جزیہ اہلِ کتاب پر ان کے اِذلال کے لئے لگایا جاتا ہے۔ پس جب تک وہ اس علاقے میں رہیں، جس پر انہوں نے صلح کی ہے تو ان کے اموال میں جزیہ کے سوا کچھ واجب نہیں، مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں تجارت کریں۔ اور آمد و رفت رکھیں سو جب وہ تجارت کا لین دین کرنے کو آمد و رفت اختیار کریں گے تو ان سے عُشور (ٹیکس) وصول کیا جائے گا اور یہ اس لئے ہے کہ ان پر جزیہ اسی لئے مقرر کیا گیا اور انہوں نے اس پر مصالحت کی کہ وہ اپنے علاقوں میں رہیں گے اور ان کے دشمن کے خلاف اسلامی حکومت قتال کرے گی۔ پس ان میں سے جو اپنے علاقوں سے دوسرے علاقوں (مسلمان شہروں) میں تجارت کے لئے آئیں گے تو ان سے دسواں حصہ ٹیکس لیا جائے گا۔ مثلاً مصر والے شام میں آئیں اور شام والے عراق میں اور عراق والے مدینہ یا یمن وغیرہ کی طرف آئیں تو ان سے عشور لیا جائے گا۔ اور اہلِ کتاب اور مجوس پر ان کے مویشیوں اور پھلوں اور کھیتیوں پر کوئی

صدقہ نہیں۔ یہی سنت چلی آ رہی ہے اور انہیں ان کے دین پر رہنے دیا جائے گا اور ان سے کی گئی شرطوں پر پابندی کی جائے گی اگر وہ ایک سال میں کئی بار مسلمانوں کے شہروں میں آئیں گے تو ہر پھیرے میں ان پر عشور ہوگا۔ کیونکہ اس پر ان کے ساتھ کوئی مصالحت نہیں ہوئی اور نہ ان سے یہ شرط کی گئی ہے۔ میں نے اپنے شہر میں اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔

شرح: حنفی اور شافعی فقہاء کے نزدیک سال میں صرف ایک بار عشور لیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اس سال میں کئی بار اسلامی شہروں میں آمد و رفت کریں۔ بشرطیکہ دار الحرب میں نہ چلے گئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا اور وہ پھر اسلامی علاقے میں داخل ہوئے تو چونکہ اب نئی امان کے ساتھ آئیں گے۔ لہٰذا عشور بھی نئے سرے سے لیا جائے گا۔

۲۵۔ بَابُ عُشُوْرِ اَهْلِ الذِّمَّةِ

ذمیوں کے عشور کا باب

یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ اہل ذمہ پر نہ زکوٰۃ ہے نہ عشر۔ اگر وہ مال تجارت لے کر اپنے علاقوں سے ہمارے شہروں میں داخل ہوں تو ان پر عشور نامی ٹیکس ہے۔ معاہد یا ذمی کو اجازت لے کر حجاز میں داخل ہونے دیا جائے گا۔ مگر حرم مکہ میں ہرگز نہیں حجاز میں داخلے کی اجازت تجارت کی مصلحت سے ہے۔

۷۹۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ یَاْخُذُ مِنَ النَّبَطِ، مِنَ الْحِنْطَةِ وَالزَّیْتِ، نِصْفَ الْعُشْرِ. یُرِیْدُ بِذٰلِكَ اَنْ یَكْثُرَ الْحَمْلُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ. وَیَاْخُذُ مِنَ الْقِطْنِیَّةِ الْعُشْرَ.

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نبطیوں سے گندم اور زیتون میں سے نصف عشر لیا کرتے تھے اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں تجارتی اجناس زیادہ سے زیادہ آئیں اور وہ دالوں کی اجناس سے عشر لیتے تھے۔ (یہ اثر موطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: شامی کفار کو نبطی کہا جاتا تھا اور ان کے ساتھ ذمہ کا عقد ہو چکا تھا۔ امام محمدؒ نے اس اثر پر لکھا ہے کہ اہل ذمہ جب تجارت کے لئے دار الاسلام میں آمد و رفت کریں تو ان سے دالوں کی اجناس اور دیگر اجناس سے ہر سال میں ایک مرتبہ نصف عشر لیا جائے گا۔ اور اہل حرب جب امان لے کر دار الاسلام میں تجارت کے لئے آئیں تو ان سے تمام اجناس میں عشر وصول کیا جائے گا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب زیاد بن حُدیرؓ اور انس بن مالکؓ کو کوفہ اور بصرہ کے عشور کا والی بنا کر بھیجا تو انہیں یہی حکم دیا تھا اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ زیر نظر اثر سے پتہ چلا کہ حکومت اگر مصلحت جانے تو اس عشور میں کمی کر سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اسی مصلحت کے لئے کمی کی تھی کہ لوگ زیادہ مال تجارت مدینہ میں لائیں اور لوگوں کی ضروریات پوری ہوں۔ بلکہ بقول امام شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ یہ وصولی بالکل ترک بھی کی جا سکتی ہے۔

۷۹۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدَ، اَنَّهٗ قَالَ: كُنْتُ غُلَامًا

عَامِلًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَلٰی سُوْقِ الْمَدِيْنَةِ، فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. فَكُنَّا نَأْخُذُ مِنَ النَّبَطِ الْعُشْرَ۔

ترجمہ: السائب بن یزید نے کہا کہ میں نوجوان تھا اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے وقت میں مدینہ کے بازار پر عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے ساتھ مامور تھا (یعنی عشر و عشور کی وصولی پر) پس ہم نبطیوں سے عشور وصول کیا کرتے تھے۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ بظاہر صحابہؓ کے مشورہ سے تھا۔ لہذا اجماعی ہے۔

۵۰۰- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَلٰی أَيِّ وَجْهٍ كَانَ يَأْخُذُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنَ النَّبَطِ الْعُشْرَ؟ فَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: كَانَ ذٰلِكَ يُؤْخَذُ مِنْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. فَأَلْزَمَهُمْ ذٰلِكَ عُمَرُ۔

ترجمہ: مالکؒ نے ابن شہابؒ سے پوچھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نبطیوں سے عشر کس دلیل کی بنا پر لیتے تھے؟ تو ابن شہاب نے کہا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان سے عشور لیا جاتا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے اسے ان پر لازم گردانا۔

شرح: عشور کی مقدار اوپر امام محمدؒ کے حوالے سے گزری ہے۔ دراصل اس تجارتی ٹیکس کا نام ہی عشور تھا۔ ورنہ مصنف عبدالرزاق، کتاب الآثار و امام محمدؒ میں حربیوں سے $\frac{1}{10}$ اور ذمیوں سے $\frac{1}{20}$ وارد ہے اور ایک روایت موطائے امام محمدؒ سے کچھ دور اوپر گزری ہے جس کا یہی مطلب ہے۔

۲۶- بَابُ اشْتِرَاءِ الصَّدَقَةِ وَالْعَوْدِ فِيْهَا

صدقہ کو خریدنے اور اسے واپس لینے کا باب

۵۰۱- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَقُوْلُ: حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ عَتِيْقٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. وَكَانَ الرَّجُلُ الَّذِيْ هُوَ عِنْدَهُ قَدْ أَضَاعَهُ. فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ مِنْهُ. وَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ. فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "لَا تَشْتَرِهِ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ. فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ"۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب کہتے تھے کہ میں نے راہ خدا میں ایک شخص کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کیا (یعنی اسے وہ گھوڑا بخش دیا) اور وہ جس آدمی کے پاس تھا، اس نے اسے بہت کمزور کر دیا تو میں نے چاہا کہ وہ گھوڑا اس سے خرید لوں اور

میں نے گمان کیا کہ وہ اسے سستے داموں فروخت کرنا چاہتا ہے۔ پس میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ تمہیں ایک درہم میں بھی دے تو مت لو۔ کیونکہ صدقہ دے کر واپس لینے والا یوں ہے جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے۔

شرح: جناب عمرؓ اپنا صدقہ واپس نہیں لے رہے تھے۔ مگر ان کے ہاتھ وہ گھوڑا سستے داموں فروخت کئے جانے کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص ان کا ممنونِ احسان تھا۔ اس لئے معمولی قیمت پر دے دینا۔ لہٰذا یہ ایک قسم کا صدقے کو واپس لینا ہونا۔ اس وجہ سے اسے ناپسند فرمایا گیا۔ اپنا دیا ہوا صدقہ خرید لینا حرام نہیں ہے۔ گو ورع و تقویٰ کے اس مقام کے خلاف تھا جس پر اصحابِ رسول فائز تھے، خاص کر حضرت عمر جیسے بلند مرتبہ شخص۔ اس لئے جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اپنا صدقہ خرید لینا جواز کے باوجود کراہتِ تنزیہ سے خالی نہیں۔

۴۰۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَرَادَ أَنْ يَبْتَاعَهُ، فَسَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "لَا تَبْتَعْهُ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ".

قَالَ يَحْيٰى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ، فَوَجَدَهَا مَعَ غَيْرِ الَّذِي تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيْهِ تُبَاعُ، أَيَشْتَرِيهَا؟ فَقَالَ: تَرْكُهَا أَحَبُّ إِلَيَّ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو فی سبیل اللہ (جہاد میں) سواری کا گھوڑا دیا۔ پھر اسے خریدنے ارادہ کیا اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے مت خرید و اور اپنا صدقہ واپس مت لو۔ (یہ وہی گزشتہ حدیث کا قصہ ہے۔)

یحییٰ نے کہا کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے صدقہ کیا اور پھر جسے صدقہ دیا تھا، اس کے سوا کسی اور آدمی کے پاس اسے پایا اور وہ بک رہا تھا، سو کیا وہ اُسے خرید سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے کہا کہ میرے نزدیک پسندیدہ تر یہی ہے کہ اسے نہ لے۔ (کہ آخر وہ ہے تو وہی مال، جسے وہ فی سبیل اللہ ترک کر چکا تھا۔ اب جس چیز کو اللہ کے لئے دے چکا، اسے کسی صورت میں بھی واپس نہ لے، یہی احسن و افضل ہے۔)

۲۷۔ بَابُ مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ زَكٰوةُ الْفِطْرِ

جن لوگوں پر صدقہ فطر واجب ہے

۴۰۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ عَنْ غِلْمَانِهِ الَّذِينَ بِوَادِي الْقُرٰى وَبِخَيْبَرَ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعْتُ فِيمَا يَجِبُ عَلَى الرَّجُلِ مِنْ زَكَاةِ الْفِطْرِ، أَنَّ الرَّجُلَ يُؤَدِّي ذَلِكَ عَنْ كُلِّ مَنْ يَضْمَنُ نَفَقَتَهُ. وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ أَنْ يُنْفِقَ عَلَيْهِ. وَالرَّجُلُ يُؤَدِّي عَنْ مُكَاتَبِهِ، وَمُدَبَّرِهِ، وَرَقِيقِهِ كُلِّهِمْ غَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ. مَنْ كَانَ مِنْهُمْ مُسْلِمًا. وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ لِتِجَارَةٍ أَوْ لِغَيْرِ تِجَارَةٍ. وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ مُسْلِمًا، فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ فِيهِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي الْعَبْدِ الْآبِقِ: إِنَّ سَيِّدَهُ، إِنْ عَلِمَ مَكَانَهُ، أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، وَكَانَتْ غَيْبَتُهُ قَرِيبَةً وَهُوَ يَرْجُو حَيَاتَهُ وَرَجْعَتَهُ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يُزَكِّيَ عَنْهُ. وَإِنْ كَانَ إِبَاقُهُ قَدْ طَالَ، وَيَئِسَ مِنْهُ، فَلَا أَرَى أَنْ يُزَكِّيَ عَنْهُ.

قَالَ مَالِكٌ: تَجِبُ زَكَاةُ الْفِطْرِ عَلَى أَهْلِ الْبَادِيَةِ. كَمَا تَجِبُ عَلَى أَهْلِ الْقُرَى. وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ عَلَى النَّاسِ. عَلَى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ. ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى. مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

حنفیہ نے اپنی اصطلاح میں فرض اور سنت کے درمیان ایک درمیانہ درجہ تجویز کیا ہے جسے واجب کہتے ہیں۔ صدقۂ فطر مال کی زکوٰۃ ہے اور حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابوالعالیہؒ، عطاؒ اور ابن سیرینؒ صدقہ فطر کو فرض کہتے تھے۔ یہی مسلک مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کے ایک قول میں یہ سنت ہے۔ دراصل صدقہ فطر کا وجوب سنت سے ثابت ہوا۔ اس لحاظ سے یہ سنت ہوا۔ اس کی تاکید کے پیش نظر یہ واجب ہوا۔ اور جنہوں نے اسے فرض کہا، ان کے نزدیک بھی اس کا منکر کافر نہیں۔ درآنحالیکہ قطعی فرائض کا منکر کافر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ علماء کا اختلاف اس مسئلہ میں محض لفظی ہے۔ ابراہیم بن علیہؒ اور ابوبکر بن کیسانؒ کا قول یہ ہے کہ صدقہ فطر کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے۔ مگر یہ ایک شاذ قول ہے نسخ کا قول نسائی کی جس روایت کے باعث ہے۔ اس میں ایک مجہول راوی ہے۔ لہٰذا اتنا بڑا مسئلہ اس روایت سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ گو حاکم نے بھی اسے روایت کر کے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ الحاکم بہت بڑے محدث تھے مگر احادیث پر حکم لگانے پر سہل انگار تھے۔ لہٰذا محدثین نے ان کے فیصلوں کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دی۔ صدقہ فطر کا نفاذ ۲ھ میں ہوا تھا۔ جب کہ رمضان کا روزہ فرض ہوا۔ اور اس کے بعد عید آئی۔ صدقۂ فطر ہر گھر کے سربراہ پر اپنی اور اہل و عیال اور نوکر چاکر بلکہ نووارد مہمان کی طرف سے بھی واجب ہے۔ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے صدقہ فطر کا ادا کرنا مستحب ہے۔ تاخیر کی صورت میں بعد میں بھی ادا ہو سکتا ہے۔ اس کے وجوب کا وقت عید کے دن طلوعِ فجر سے شروع ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر صدقہ فطر اپنے ان غلاموں کی طرف سے بھی ادا کرتے تھے جو وادی القریٰ اور خیبر میں تھے۔ (اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زمین پر کام کرتے تھے۔)

(وادی القریٰ مدینہ اور شام کے درمیان ایک مقام تھا جو خیبر کے بعد حضورؐ کے دست اقدس پر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ آدمی خواہ حاضر ہو خواہ غائب، اس کا صدقہ مالک کے ذمّہ ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا، جن لوگوں کا نفقہ آدمی کے ذمّہ ہو اور وہ لازم ہو تو ان کی طرف سے صدقہ فطر اس پر واجب ہے۔ مثلاً اس کا مکاتب، مدبّرا ور غلام، خواہ یہ حاضر ہوں یا غائب، بشرطیکہ وہ مسلم ہوں۔ خواہ غلام تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں۔ مگر غیر مسلم غلام کی زکوٰۃ مالک پر نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے بھاگ جانے والے غلام کے متعلق کہا کہ اس کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو، وہ کچھ ہی دیر پہلے غائب ہؤا ہو اور اس کی زندگی اور واپسی کی امید ہو تو میری رائے میں اس کا صدقہ مالک ادا کرے۔ اگر وہ دیر کا بھاگا ہؤا ہو اور اس کی واپسی کی امید نہ ہو تو اس کی طرف سے کوئی فطرانہ نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ صدقہ فطر صحرائی لوگوں پر بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح آبادی والوں پر ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے فطر کی زکوٰۃ ہر مسلمان پر واجب فرمائی تھی، آزاد ہو یا غلام۔ مذکر ہو یا مؤنث۔

شرح : مالکؒ کے قول کے آخر میں ایک حدیث آئی ہے کہ صدقہ فطر آزاد اور غلام، مذکر اور مونث سب پر واجب ہے۔ غلام کا اپنا مال چونکہ کوئی نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اور اس کا مال مالک کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی رُو سے غلام کا صدقہ تو مالک پر ہے لیکن عورت کا صدقہ خود اس کے اپنے نفس پر واجب ہے۔ غلام کے ساتھ جو مسلم کی قید امام مالک نے لگائی ہے حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک غیر مسلم غلاموں کا صدقہ مالک کے ذمہ ہے۔ عطاؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، نخعیؒ، حنفیہ، ثوریؒ کا مذہب یہی ہے اور یہ ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ اس مسئلے میں کئی آثار مروی ہیں۔ ابن ابی شیبہ، دارقطنی وغیرہ نے یہ آثار روایت کئے ہیں۔ حدیث ابن عمرؓ میں مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کا اضافہ مضطرب ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ خود ابن عمرؓ کا عمل اس کے خلاف تھا صدقہ فطر جس طرح بچوں کی طرف سے دیا جاتا ہے حالانکہ وہ مکلف نہیں۔ اسی طرح غیر مسلم غلاموں کی طرف سے بھی مالک کے ذمہ ہے خود ان پر ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

جمہور کے نزدیک صحرا والوں پر صدقہ فطر واجب ہے مگر لیثؒ، زہریؒ اور ربیعہؒ نے کہا کہ ان پر کوئی فطرانہ نہیں ہے۔ علامہ علی القاریؒ نے الحسن البصریؒ اور سعید بن المسیبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک صدقہ فطر صرف ان پر ہے جنھوں نے روزہ رکھا اور نماز پڑھی۔ اسی قسم کا قول حضرت علیؓ سے بھی مروی ہؤا ہے۔

۲۸۔ بَابُ مَكِيْلَةِ زَكٰوةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کی مقدار کا باب

اس امر پر علماء کا اتفاق ہے کہ کھجور اور جَو سے صدقہ فطر ایک صاع سے کم نہ نکالا جائے۔ گندم کے متعلق اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں نصف صاع ہے اور دوسرے علما اس میں بھی ایک صاع کے قائل ہیں۔ اختلاف کا باعث اس بارے میں آثار کا مختلف ہونا ہے۔

۷۰۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ عَلَى النَّاسِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے فطر کی زکوٰۃ لوگوں پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر آزاد، غلام، مذکر اور مؤنث مسلم پر واجب قرار دی۔

شرح: اس حدیث کے لفظ فَرَضَ کا معنیٰ اصطلاحی فرض نہیں بلکہ اس کا معنیٰ ہے مقرر فرمائی، لازم ٹھیرائی پس اس سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ صدقہ فطر فرض ہے۔ کتاب الایمان کی احادیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص اسلامی فرائض پوچھنے حضورؐ کے پاس آیا تھا۔ حضورؐ نے جب زکوٰۃ کا ذکر کیا تو اس نے پوچھا کہ کیا مجھ پر اس کے علاوہ بھی کچھ فرض ہے؟ آپؐ کا جواب یہ تھا، لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ "نہیں مگر یہ کہ تُو خوشی نفلی صدقہ دے۔" فرض کے علاوہ باقی سب کچھ دراصل نفل ہے اور اس کی واجب سُنت اور نفل کے طور پر حدبندی دلائل کتاب وسنت سے کی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صدقہ فطر فرض نہیں۔ ہاں اس کی اہمیت واہتمام اور تاکید کی بنا پر اسے واجب (جو عملاً سُنتِ مؤکدہ کی طرح ہوتا ہے اور عقیدے میں اس سے کچھ ارفع ہوتا ہے) کہہ سکتے ہیں جس شخص کو صدقہ لینا جائز ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ اس پر ایک طرف خود زکوٰۃ فطر واجب ہے اور دوسری طرف اس کے لئے لوگوں سے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اس حدیث میں صرف دو چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ یعنی کھجور اور جو، کہ ان سے ایک صاع صدقہ فطر ہر شخص کی طرف سے ادا کیا جائے۔ جہاں تک حقدار کا تعلق ہے اس پر اگلی حدیث کے ضمن میں بحث ہوگی۔ یہاں اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ ظاہری حضرات کے نزدیک صدقہ فطر صرف انہی دو چیزوں سے دیا جا سکتا ہے اور کسی جنس سے یا اس کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں۔ ابوداؤد اور نسائی وغیرہما کی روایت میں ان دو چیزوں پر دو اور دو چیزوں یعنی گھٹیا جو اور کشمش کا اضافہ بھی ہے۔ ابن القاسم مکّی نے امام مالکؒ سے نو چیزوں کی روایت کی ہے۔ گندم، جو، سُلت، چاول، جوار، چری، کھجور، پنیر، کش مش۔ یحییٰ کی روایت ابن القاسم سے پانچ چیزوں کی ہے۔ گندم، جو، کھجور، کش مش، پنیر۔ ابن الماجشون مالکی کی روایت میں پانچ چیزیں ہیں۔ گندم، جو، گھٹیا جو، کھجور، کش مش۔ اشہب کی روایت میں چھ چیزیں ہیں۔ پانچ جو ابھی گزریں اور ایک پنیر۔ ابن حبیب کے قول میں نو چیزیں تو وہی ہیں جو ابن القاسم نے بتائیں اور ان میں ایک دسویں چیز علس کا اضافہ ہے۔ اگر غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ حضورؐ نے کھجور اور جو کا نام اس لئے لیا کہ ان حضرات کی خوراک زیادہ تر یہی تھی۔ یہی سبب ہے کہ بعض فقہانے کہا کہ صدقہ فطر شہر کی غالب خوراک سے ادا کیا جائے۔ اس حدیث کے لفظ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کو علماء حدیث نے مضطرب کہا ہے۔ اکثر روایات میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

۷۰۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ سَرْحٍ الْعَامِرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ: كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ۔ وَذٰلِكَ بِصَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ابوسعید خدریؓ کہتے تھے کہ ہم لوگ صدقہ فطر طعام میں سے ایک صاع، یا جو میں سے ایک صاع یا کھجوریں سے ایک صاع یا کشمش میں سے ایک صاع نکالتے تھے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے ہوتا تھا۔

شرح: یہ حدیث بظاہر موقوف ہے مگر بخاری کی روایت میں فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ آتے ہیں۔ لہذا مرفوع ہے۔ بعض شارحین اور فقہا نے طعام سے مراد گندم لی ہے۔ مگر ابن المنذر نے اسے رد کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں گندم کا ذکر ہے ہی نہیں۔ ابوسعیدؓ نے طعام کا ذکر کر کے پھر اس کی شرح میں جو، کھجور، پنیر اور کشمش کا ذکر کیا ہے۔ گویا یہاں صرف چار اجناس کا ذکر ہے۔ بخاری میں بھی ایسا ہی ہے کہ ان لوگوں کا طعام جس سے وہ صدقہ دیتے تھے یہ چار چیزیں تھیں۔ طحاوی کی روایت میں ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی چیز سے صدقہ نہ دیتے تھے۔ پھر جب حضرت معاویہؓ کا دور آیا اور گندم آ گئی الخ۔ یہ لفظ اس بات کی دلیل ہیں کہ معاویہؓ کے وقت سے پہلے گندم اُن لوگوں کی خوراک نہ تھی۔ پس جو چیزیں ان کے پاس نہ تھیں، ان میں صدقہ نکالنے کا مطلب کیا ہوا؟ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ حدیث ابوسعیدؓ میں طعام سے مراد گندم نہیں ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ جوار مراد ہو جس کا ذکر ابوسعیدؓ کی حدیث کے بعض طرق میں موجود ہے۔

حافظ زیلعی نے اور صاحب الدرایہ نے ابوسعیدؓ سے روایات درج کی ہیں، جن میں گندم کا نصف صاع کے لفظ آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اہل مدینہ بلکہ اہل حجاز کی خوراک گندم نہ تھی۔ ہاں کبھی کبھار اسے استعمال کیا جاتا تھا۔ جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب یہ ہے کہ گندم کا نصف صاع کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے۔ امام طحاویؒ نے بہت سی مرفوع اور موقوف احادیث روایت کی ہیں کہ گندم کا صدقہ فطر نصف صاع ہے۔ علامہ ابن الترکمانی کے بقول ابن حزم نے حضرات عثمانؓ علیؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، عائشہ صدیقہؓ اور اسماءؓ سے یہی روایت کی ہے۔ اور ان سب کی نسبت اس روایت کی طرف صحیح ہے۔ الموفق نے کہا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ اور معاویہؓ سے گندم کا نصف صاع مروی ہے۔ اور یہی مذہب ہے سعید بن المسیبؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، عروہ بن الزبیرؒ۔ ابوسعید بن عبدالرحمنؒ، سعید بن جبیرؒ اور سب حنفیہ کا۔ حافظ عینی نے کہا ہے کہ یہی مذہب ابوبکر صدیقؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ ابن مسعودؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابن عباسؓ، معاویہؓ، اسماء بنت الصدیق۔ نخعیؒ، شعبیؒ، علقمہؒ، اسودؒ ابوقلابہؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ، ابن المبارکؒ وغیرہم کا ہے۔ ابن المنذرؒ شافعی نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں گندم برائے نام تھی۔ اصحاب کے دور میں اس کی کثرت ہوئی اور انہوں نے اس کے نصف صاع کو دوسری چیزوں کے ایک صاع کے برابر قرار دیا۔ اب ان کے قول سے پھرنا جائز نہیں ہے۔ گندم کے نصف صاع کے متعلق ابن عباسؓ سے کئی احادیث مروی ہے۔ اسی طرح اسماء بنت ابی بکرؓ سے جابر بن عبداللہ سے ثعلبہ بن صعیرؓ عن ابیہ سے بھی مرفوعاً یہ مضمون کتب حدیث میں وارد ہے۔ تفصیلی گفتگو حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی نے اوجز المسالک میں کی ہے اور کچھ کلام ہم نے ہم نے فضل المعبود میں کیا ہے۔

علما کا اس پر تو اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ۴ مُد کے برابر تھا۔ اختلاف مُد کی مقدار میں ہوا ہے۔ مالکؒ، شافعیؒ احمدؒ اور ابویوسفؒ کے نزدیک مُد ۱⅓ رطل ہے۔ ابوحنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ کے نزدیک مُد دو رطل کا ہے۔ احتیاط اور تقوی کا تقاضا یہی ہے کہ اس مقدار کو قبول کیا جائے۔ مزید بحث فضل المعبود میں آئی ہے۔

۷۰۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يُخْرِجُ فِیْ زَكٰوةِ الْفِطْرِ

إِلَّا التَّمْرَ، إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً فَإِنَّهُ أَخْرَجَ شَعِيرًا.

قَالَ مَالِكٌ: وَالْكَفَّارَاتُ كُلُّهَا، وَزَكَاةُ الْفِطْرِ، وَزَكَاةُ الْعُشُورِ، كُلُّ ذٰلِكَ بِالْمُدِّ الْأَصْغَرِ مُدِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَّا الظِّهَارَ. فَإِنَّ الْكَفَّارَةَ فِيهِ بِمُدِّ هِشَامٍ، وَهُوَ الْمُدُّ الْأَعْظَمُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ صدقۂ فطر ہمیشہ کھجور سے نکالتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ جَو سے نکالا تھا۔
امام مالکؒ نے کہا کہ سب کفارے، صدقۂ فطر، عشور چھوٹے مُدّ سے نکالے جائیں گے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُدّ سے لیکن کفارۂ ظہار کہ ہشام کے مُدّ سے نکالا جائے گا جو سب سے بڑا مُدّ تھا۔

شرح: اہل مدینہ کی زیادہ تر خوراک کھجور تھی اور اس کے بعد جَو۔ ابن عمرؓ کے فعل کی یہی تاویل ہے جس سال انہوں نے جَو دیئے تھے، بخاری کی روایت میں ہے کہ اس سال کھجور کا قحط تھا۔ یہ ہشام جس کی طرف مُدّ منسوب ہے۔ یہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اور یہ ہشام بن اسماعیل بن الولید بن المغیرہ مخزومی تھا۔ امام مالکؒ نے کفارات میں جو ہشام کے مُدّ کے استعمال کا فتویٰ دیا ہے یہ غالباً بربنائے احتیاط ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدینہ میں بھی دو قسم کے پیمانے رائج تھے۔

۲۹۔ بَابُ وَقْتِ إِرْسَالِ زَكَاةِ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کے بھیجنے کا وقت

۷۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ إِلَى الَّذِي تُجْمَعُ عِنْدَهُ قَبْلَ الْفِطْرِ، بِيَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ.

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ رَأَى أَهْلَ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يُخْرِجُوا زَكَاةَ الْفِطْرِ، إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ، قَبْلَ أَنْ يَغْدُوا إِلَى الْمُصَلَّى.

قَالَ مَالِكٌ، وَذٰلِكَ وَاسِعٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ الْغُدُوِّ، مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ وَبَعْدَهُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ صدقۂ فطر جمع کرنے والے کے پاس عیدالفطر سے دو تین دن پہلے بھیج دیتے تھے۔ (یہ اثر موطا امام محمد میں بھی مروی ہے اور امام محمد نے اس پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ہمیں یہ بات پسند ہے کہ عیدگاہ میں جانے سے قبل ہی آدمی صدقۂ فطر ادا کر دے۔ صدقۂ فطر بقول بخاری حاکم کی طرف سے اس کا کارندہ جمع کرتا تھا تاکہ محتاجوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لوگ اپنا صدقہ براہِ راست محتاجوں کو نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اس کی تقسیم کا نظام حکومت کرتی تھی۔)
یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اہل علم کو یہ پسند کرتے پایا تھا کہ وہ عیدالفطر کے دن طلوع فجر

کے بعد اور عیدگاہ میں جانے سے پہلے ہی نکال دیتے تھے۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے۔)
مالکؒ نے کہا کہ انشاء اللہ اس میں گنجائش ہے کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کو جانے سے قبل یا اس کے بعد زکوٰۃ الفطر ادا کریں۔ (یعنی یہ جائز ہے گو مستحب وہی ہے جو اوپر گزرا۔)

۳۰۔ بَابٌ مَنْ لَا تَجِبُ عَلَيْهِ زَكٰوةُ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کس پر واجب نہیں

۶۰۸۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ: لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ فِيْ عَبِيْدِ عَبِيْدِهٖ، وَلَا فِيْ اَجِيْرِهٖ، وَلَا فِيْ رَقِيْقِ امْرَاَتِهٖ، زَكٰوةٌ. اِلَّا مَنْ كَانَ مِنْهُمْ يَخْدِمُهٗ، وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ فَتَجِبُ عَلَيْهِ. وَلَيْسَ عَلَيْهِ زَكٰوةٌ فِيْ اَحَدٍ مِنْ رَقِيْقِهِ الْكَافِرِ، مَا لَمْ يُسْلِمْ. لِتِجَارَةٍ كَانُوْا، اَوْ لِغَيْرِ تِجَارَةٍ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ آدمی پر ان لوگوں کا صدقہ فطر واجب نہیں: غلاموں کے غلام، مزدور، بیوی کا غلام۔ مگر جو ان میں سے اس کی خدمت کرے اور اس کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ ہو۔
مالکؒ نے کہا کہ غیر مسلم غلاموں کا صدقہ فطر آدمی کے ذمّہ نہیں، خواہ وہ تجارت کے لئے ہوں یا غیر تجارت کے لئے۔

شرح: غلاموں کے غلاموں کا صدقہ فطر حنفی اور شافعی فقہا کے نزدیک مالک کے ذمّہ ہے۔ ابو حنیفہؒ نے اس میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ غلام جس کے آگے غلام ہیں، ماذون نہ ہو (یعنی آقا نے اسے اگر معاملات اور تجارت وغیرہ کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ غلام مقروض ہے تو اس کے غلاموں کا صدقہ مالک پر نہیں ہے۔ صاحبین کا مسلک اس میں امام کے خلاف ہے۔) احناف کے نزدیک عورت کا صدقہ چونکہ خود اسی پر ہے لہٰذا اس کے غلاموں کا صدقہ بھی اسی پر ہوگا۔ تجارت کے غلاموں کا صدقہ حنفیہ کے نزدیک مالک کے ذمّہ نہیں۔ مگر خدمت کا غلام غیر مسلم بھی ہو تو اس کا صدقہ مالکؒ کے ذمّہ ہے کیونکہ ان کا صدقہ جس پر واجب ہے وہ مسلم ہے۔

۲۰۔ کِتَابُ الْحَجِّ

حج کا لغوی معنیٰ قصد ہے، جب کہ اس مقصد میں تکرار پایا جائے۔ حج کرنے والا چونکہ ان دنوں میں کئی مرتبہ کعبہ کا قصد کرتا ہے۔ اور طواف کرتا ہے لہٰذا اسے حاجّ کہا گیا۔ شرع میں حج کا معنیٰ ہے: مخصوص دنوں میں مخصوص حالت کے ساتھ (احرام باندھ کر) طواف، سعی، وقوفِ عرفہ، قربانی اور دیگر اعمال بجالانا اور ان کے بعد قربانی کرنا۔ حج عمر بھر میں خاص شرائط کے ساتھ صرف ایک بار فرض ہے۔ نفلی حج چاہے جتنی بار کرے اور سبب اس کا بیت اللہ ہے۔ اس میں چونکہ تکرار نہیں لہٰذا حج میں بھی تکرار فرض نہیں۔ امام شافعیؒ، ثوریؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک حج کی فرضیت ہوچکنے کے بعد تاخیر جائز ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک حج کی شرائط پوری ہوجائیں تو فی الفور فرض ہے۔ ائمہ حنفیہ اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ حج اول ممکن وقت میں فرض ہے۔ پس فرضیت کے بعد جو مؤخر کرے وہ گنہ گار ہے۔ اور مشائخ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

حج کی فرضیت میں مختلف اقوال ہیں یعنی ۶ھ، ۷ھ، ۸ھ، ۹ھ۔ آخری قول صحیح تر ہے۔ قاضی عیاضؒ، قرطبیؒ صاحب درِمختار، ابن عابدین شامیؒ کا یہی قول ہے۔ شامی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس سے قبل حج فرض ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے الھدیٰ میں کہا ہے کہ فرضیت حج ۹ھ یا ۱۰ھ میں ہوئی تھی۔ طحطاوی نے کہا کہ قبل از ہجرت فرضیتِ حج کا قول بعید ہے۔ مگر ۱۰ھ والا اس سے بھی بعید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے حج میں تاخیر کیوں فرمائی؟ محقق ابن الہمام نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی جان چکے تھے کہ حج ضرور کریں گے، پس جو چیز تاخیر کو ناجائز کرنے والی اور فی الفور حج کو لازم کرنے والی ہے یعنی فوت ہوجانے کا خطرہ وہ نہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ۸ھ سے قبل تو مکہ دارالاسلام ہی نہ تھا۔ نویں سال میں جہاد کی مصروفیت رہی اور آپؐ نے اپنی طرف سے ابوبکر صدیقؓ کو نائب بناکر ان کی امارت میں حج کرایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حج درست واقع ہوا تھا۔ کیونکہ گو وہ جاہلیت کی رسم نسیئ کے باعث ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ مگر اس وقت تک نسیئ منسوخ نہ ہوئی تھی۔ اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ میں حج ادا فرمایا اور اعلان کیا کہ زمانہ ہیر پھیر کر درست موقع پر آگیا ہے اور آئندہ کے لئے نسیئ کو منسوخ کر دیا گیا۔ ابن رشدؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے حج میں اس سال تاخیر اس لئے کی تھی کہ آپؐ ساری اسلامی سلطنت سے آنے والوں کو ساتھ لے کر حج ادا فرمانا چاہتے تھے اور طوافِ کعبہ کا رواج مشرکوں میں عریاں ہوکر کرنے کا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک اس کا انتظام نہ کرلیا جاتا، آپؐ کا حج کو جانا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ پہلے اس کا اعلان کرایا گیا اور پھر حج ادا فرمایا۔ علاوہ ازیں حضورؐ کو ان دنوں میں تبلیغِ دین کی شدید مصروفیت تھی۔ عرب بھر سے وفود چلے آتے تھے جن کی پذیرائی اور جنہیں اسلام سکھانا حضورؐ کا اپنا کام تھا۔

احادیث و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ و نوحؑ اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے باذن اللہ حج کیا تھا۔ بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا نام بھی اس سلسلے میں آیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حج بیت اللہ اس وقت صرف انبیا پر فرض ہو اور موجودہ خاص ہیئت و اہتمام کے ساتھ

۲۰- کتابُ الحَجّ

حج کا لغوی معنیٰ قصد ہے، جب کہ اس مقصد میں قرار پایا جائے۔ حج کرنے والا چونکہ ان دنوں میں کئی مرتبہ کعبہ کا قصد کرتا ہے۔ اور طواف کرتا ہے لہٰذا اسے حاجؔ کہا گیا۔ شرع میں حج کا معنیٰ ہے: مخصوص دنوں میں مخصوص حالت کے ساتھ (احرام باندھ کر) طواف، سعی، وقوفِ عرفہ، قربانی اور دیگر اعمال بجالانا اور ان کے بعد قربانی کرنا۔ حج عمر بھر میں خاص شرائط کے ساتھ صرف ایک بار فرض ہے۔ نفلی حج چاہے جتنی بار کرے اور سبب اس کا بیت اللہ ہے۔ اس میں چونکہ تکرار نہیں لہٰذا حج میں بھی تکرار فرض نہیں۔ امام شافعیؒ، ثوریؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک حج کی فرضیت ہو چکنے کے بعد تاخیر جائز ہے۔ امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک حج کی شرائط پوری ہو جائیں تو فی الفور فرض ہے۔ ائمہ حنفیہ اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ امام ابو یوسف نے کہا کہ حج اول ممکن وقت میں فرض ہے۔ پس فرضیت کے بعد جو مؤخر کرے وہ گنہ گار ہے۔ اور مشائخ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

حج کی فرضیت میں مختلف اقوال ہیں یعنی ۶ھ، ۸ھ، ۵ھ، ۹ھ۔ آخری قول صحیح تر ہے۔ قاضی عیاضؒ، قرطبیؒ صاحب درمختار، ابن عابدین شامیؒ کا یہی قول ہے۔ شامی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس سے قبل حج فرض ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے الھدیٰ میں کہا ہے کہ فرضیت حج ۹ھ یا ۱۰ھ میں ہوئی تھی۔ طحطاوی نے کہا کہ قبل از ہجرت فرضیتِ حج کا قول بعید ہے۔ مگر ۱۰ھ والا اس سے بھی بعید ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے حج میں تاخیر کیوں فرمائی؟ محقق ابن الہمام نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ وحی جان چکے تھے کہ حج ضرور کریں گے، پس جو چیز تاخیر کو ناجائز کرنے والی اور فی الفور حج کو لازم کرنے والی ہے یعنی فوت ہو جانے کا خطرہ، وہ نہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ۸ھ سے قبل تو مکہ دار الاسلام ہی نہ تھا۔ نویں سال میں جہاد کی مصروفیت رہی اور آپؐ نے اپنی طرف سے ابوبکر صدیقؓ کو نائب بنا کر ان کی امارت میں حج کرایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حج درست واقع ہوا تھا۔ کیونکہ گو وہ جاہلیت کی رسم نسیئ کے باعث ذوالقعدہ میں ہوا تھا، مگر اس وقت تک نسیئ منسوخ نہ ہوئی تھی۔ اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحجہ میں حج ادا فرمایا اور اعلان کیا کہ زمانہ ہر پھر کر درست موقع پر آگیا ہے اور آئندہ کے لئے نسیئ کو منسوخ کر دیا گیا۔ ابن رشدؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے حج میں اس سال تاخیر اس لئے کی تھی کہ آپؐ ساری اسلامی سلطنت سے آنے والوں کو ساتھ لے کر حج ادا فرمانا چاہتے تھے اور طوافِ کعبہ کا رواج مشرکوں میں عُریاں ہو کر کرنے کا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک اس کا انتظام نہ کر لیا جاتا، آپؐ کا حج کو جانا مناسب نہ تھا۔ چنانچہ پہلے اس کا اعلان کرایا گیا اور پھر حج ادا فرمایا۔ علاوہ ازیں حضورؐ کو ان دنوں میں تبلیغِ دین کی شدید مصروفیت تھی۔ عرب بھر سے وفود چلے آتے تھے جن کی پذیرائی اور جنہیں اسلام سکھانا حضورؐ کا اپنا کام تھا۔

احادیث و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ و نوحؑ اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے باذن اللہ حج کیا تھا۔ بلکہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کا نام بھی اس سلسلے میں آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حج بیت اللہ اس وقت صرف انبیاء پر فرض ہو اور موجودہ خاص ہیئت و اہتمام کے ساتھ

حج کی فرضیت صرف اس اُمّت کے لئے ہے۔ حج میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ مثلاً اجتماعیت، مرکزیت، بین الاقوامیت، مساوات، سفر کی مشقت کا عادی بنانا، وقت کی پابندی کی مشق کرانا، اُمّتِ واحدہ کا تصور زندہ رکھنا وغیرہ۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ہر عبادت میں ایسے مقاصد و مصالح ہیں جنہیں بندے سمجھ سکتے ہیں اور بعض کو شاید نہ بھی سمجھ سکیں۔ مثلاً نماز کی حکمت اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع اور اظہارِ عجز و افتقار ہے۔ روزے کی حکمت نفس کی تیزی کو توڑنا اور اسے قابو میں رکھنا ہے۔ زکوٰۃ کی حکمت حاجت مندوں کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے اور حج کی حکمت محبوب حقیقی کے آگے غبار آلود، پراگندہ مُو، دور دراز کا سفر برداشت کرکے کفن بردوش ہو کر پیش ہونا اور اپنی سچی محبت کا اظہار ہے۔

بیت اللہ کو بندوں کے لئے ارض مقدس اور اسلام کا قبلہ و اجتماع گاہ ٹھہرایا گیا ہے۔ کعبہ کے بے حد و حساب فضائل ہیں یہ ملّت ابراہیمیؑ کا شعارِ اعظم ہے، بابرکت ہے، خدا کی عبادت کا اوّلین گھر ہے۔ دنیا والوں کی رہنمائی اور انہیں توحید کا راز بتانے کا ذریعہ ہے۔ حرم کعبہ کو مقدس اور پُرامن قرار دیا گیا ہے۔ مکّہ زمین کی ناف پر واقع ہے۔ اس لئے مشرق و مغرب کے درمیان یہی مقام ہو سکتا تھا، جسے ساری دنیا کا دینی مرکز قرار دیا جائے۔

١۔ بَابُ الْغُسْلِ لِلْاِهْلَالِ

احرام کے لئے غسل کرنے کا باب

٧٠٩۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، اَنَّهَا وَلَدَتْ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ بِالْبَيْدَاءِ۔ فَذَكَرَ ذٰلِكَ اَبُوْ بَكْرٍ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ: "مُرْهَا فَلْتَغْتَسِلْ، ثُمَّ لِتُهِلَّ"۔

ترجمہ: اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ انہوں نے مقام بیداء میں محمد بن ابی بکرؓ کو جنم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اُسے حکم دو کہ غسل کرے اور احرام باندھ لے۔ (موطا کے امام محمد میں یہ حدیث بَابُ الْمَرْأَةِ تُرِيْدُ الْحَجَّ اَوِ الْعُمْرَةَ فَتَلِدُ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ حیض و نفاس والی حدیث ہماری مختار ہے اور یہی ابوحنیفہؒ اور عام فقہا کا قول ہے۔ بیداء، شجرہ اور ذوالحلیفہ تینوں مقام قریب قریب ہیں۔ اس لئے اس قصے میں کہیں کسی کا نام اور کہیں کسی کا آتا ہے۔ حیض و نفاس صوم و صلوٰۃ کے منافی ہیں مگر حج کے نہیں۔ اگر ایسا ہوتا کہ حج میں بھی وہی پابندی لگائی جاتی تو بے شمار عورتیں اس سعادت سے محروم رہتیں یا انہیں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی۔ یہ غسل نظافت کے لئے تھا، طہارت کے لئے نہیں تھا۔ حدیث سے پتہ چلا کہ حیض و نفاس والی عورت کا احرام صحیح ہے۔

٧١٠۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ وَلَدَتْ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ بِذِى الْحُلَيْفَةِ۔ فَاَمَرَهَا اَبُوْ بَكْرٍ اَنْ تَغْتَسِلَ، ثُمَّ تُهِلَّ۔

ترجمہ: سعید بن المسیّب سے روایت ہے کہ اسماء بنت عمیسؓ نے ذوالحلیفہ میں محمد بن ابی بکرؓ کو جنم دیا۔ پس ابوبکرؓ نے اسے حکم دیا کہ غسل کرے پھر احرام باندھے۔

شرح: ذوالحلیفہ کا مقام بیدا کے قریب ہی ہے معلوم یوں ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے اہل خانہ سمیت قافلہ حج سے ذرا ایک طرف کچھ دُور فروکش تھے۔ کیونکہ انہیں گھر والوں کی حالت کا علم تھا۔

۱۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَغْتَسِلُ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ، وَلِدُخُولِهِ مَكَّةَ، وَلِوُقُوفِهِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر اپنے احرام کی خاطر احرام سے قبل غسل کرتے اور مکّہ میں داخل ہونے کے لئے اور میدانِ عرفات میں وقوف کے لیے پچھلے پہر غسل کرتے تھے۔

شرح: امام محمدؒ نے موطا میں اس حدیث سے ذرا لمبی حدیث روایت کی ہے۔ اس میں دخولِ مکّہ سے قبل ابن عمرؓ کا غسل کرنا اور ساتھیوں کو حکم دینا مذکور ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ دخولِ مکّہ کے وقت غسل کرنا مستحب ہے واجب نہیں بخاری کی روایت میں ہے کہ ذی طوٰی کے مقام پر ابن عمرؓ نے غسل کیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کہ آپؐ نے بھی ایسا کیا تھا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ غسل نظافت و طہارت کے لئے ہے۔ مگر احرام کا غسل اجماعاً سنتِ موکدہ ہے اور بعض نے اسے واجب کہا ہے۔ وقوفِ عرفہ کے لیے بعد از زوال غسل کرنا بھی مسنون ہے۔

۲۔ بَابُ غُسْلِ الْمُحْرِمِ

احرام کی حالت میں غسل کرنا

۱۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ، اخْتَلَفَا بِالْأَبْوَاءِ۔ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ۔ وَقَالَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ: لَا يَغْسِلُ الْمُحْرِمُ رَأْسَهُ۔ قَالَ فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ إِلَى أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ۔ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ بَيْنَ الْقَرْنَيْنِ۔ وَهُوَ يُسْتَرُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَنْ هٰذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ حُنَيْنٍ۔ أَرْسَلَنِي إِلَيْكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ أَسْأَلُكَ: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ قَالَ، فَوَضَعَ أَبُو أَيُّوبَ يَدَهُ عَلَى الثَّوْبِ فَطَأْطَأَهُ حَتَّى بَدَا لِي رَأْسُهُ، ثُمَّ قَالَ لِإِنْسَانٍ يَصُبُّ عَلَيْهِ: اُصْبُبْ۔ فَصَبَّ عَلَى رَأْسِهِ۔ ثُمَّ حَرَّكَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ اور مسوّر بن مخرمہ کا مقامِ ابواء میں اس بات میں اختلاف ہو گیا کہ آیا احرام والا سر دھوئے یا نہ دھوئے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ دھو سکتا ہے۔ مسور بن مخرمہ نے کہا کہ نہیں دھو سکتا۔ راوی حدیث عبداللہ بن حنین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے مجھے ابوایوب انصاریؓ کی طرف بھیجا۔ راوی نے کہا کہ جب میں وہاں گیا تو میں نے ابوایوب انصاریؓ کو غسل کرتے پایا۔ وہ کنوئیں کی چرخی کی دونوں طرفوں کے درمیان تھے اور ان کے کپڑے سے پردہ کیا جا رہا تھا۔ میں نے انہیں سلام کہا تو انہوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں عبداللہ بن حنینؓ ہوں مجھے عبداللہ بن عباسؓ نے آپ سے یہ پوچھنے بھیجا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] احرام میں [illegible] کس طرح دھوتے تھے۔ راوی نے کہا کہ اس پر ابوایوبؓ نے اپنا ہاتھ کپڑے پر رکھا جو پردے کا کام دے رہا تھا) اور اسے جھکایا [illegible] ان کا سر نظر آ گیا۔ پھر پانی ڈالنے والے سے کہا کہ پانی ڈال۔ پس اس نے ان کے سر پر پانی ڈالا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سر ہلایا اور ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے۔ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا۔

شرح: محرم کو اگر جنابت کے باعث غسل کرنا پڑے تو وہ لازماً سر بھی دھوئے گا۔ پس اختلاف صرف سر دھونے کا نہ تھا، بلکہ اس بات میں تھا کہ آیا احرام والا سر کے بالوں کو کسی طرح سے مل کر دھو سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ مل کر دھونے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے میں بعض بالوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ محرم کے لئے سر کو دھونے میں کچھ اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ اور جابرؓ سے اس کا جواز مروی ہے اور حدیث زیر نظر اس کا ثبوت ہے۔ ابوحنیفہؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک نے ابن عمرؓ کے اثر کی بنا پر اسے مکروہ کہا ہے۔ یہ اثر آگے آتا ہے۔

۱۳۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِيَعْلَى بْنِ مُنْيَةَ، وَهُوَ يَصُبُّ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَاءً، وَهُوَ يَغْتَسِلُ: اُصْبُبْ عَلَى رَأْسِي. فَقَالَ يَعْلَى: أَتُرِيدُ أَنْ تَجْعَلَهَا بِي؟ إِنْ أَمَرْتَنِي صَبَبْتُ. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: اُصْبُبْ فَلَنْ يَزِيدَهُ الْمَاءُ إِلَّا شَعَثًا۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ غسل کر رہے تھے اور یعلیٰ بن مُنیہ ان پر پانی ڈال رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے سر پر پانی ڈالو۔ یعلیٰ نے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اگر فدیہ وغیرہ آئے تو ذمہ داری مجھ پر پڑے؟ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ تم پانی ڈالو کیونکہ اس سے سر کی پراگندگی میں اضافہ ہی ہوگا۔

شرح: یعلیٰؓ شاید یہ سمجھتے تھے کہ اگر فدیہ آئے گا تو ان پر ذمہ داری کا بوجھ پڑے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف پانی ڈالنے سے تو سر صاف نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس میں اگر ریت وغیرہ کے ذرات ہوں تو اور بکھر جائیں گے۔ پس فدیہ کا سوال نہیں ہے۔

۱۴۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بَاتَ بِذِي طُوًى، بَيْنَ الثَّنِيَّتَيْنِ حَتَّى يُصْبِحَ. ثُمَّ يُصَلِّي الصُّبْحَ. ثُمَّ يَدْخُلُ مِنَ الثَّنِيَّةِ الَّتِي بِأَعْلَى مَكَّةَ. وَلَا يَدْخُلُ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا حَتَّى يَغْتَسِلَ، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ، إِذَا دَنَا مِنْ مَكَّةَ بِذِي

طُوًى۔ وَبِهَا مُرْمَنْ مَعَهٗ فَيَغْتَسِلُوْنَ قَبْلَ اَنْ يَدْخُلُوْا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب مکہ کے قریب پہنچتے تو مقام ذی طویٰ میں دو تنگ دروں کے درمیان رات گزارتے۔ صبح اُٹھ کر فجر کی نماز پڑھتے۔ پھر اس درے سے مکہ میں داخل ہوتے جو مکہ کے اوپر کی جانب ہے۔ اور جب بھی حج یا عمرہ کے لئے داخل ہوتے تو مکہ کے قریب ذی طویٰ میں غسل کرتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی غسل کا حکم دیتے۔ یہ لوگ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرتے۔ (یہی وہ روایت ہے جس کا ذکر اُوپر ہوا ہے کہ موطائے امام محمد میں مروی ہے۔ یہ غسل جمہور کے نزدیک مستحب ہے)

۱۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَغْسِلُ رَاْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ اِلَّا مِنَ الِاحْتِلَامِ۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ لَا بَاْسَ اَنْ يَغْسِلَ الرَّجُلُ الْمُحْرِمُ رَاْسَهٗ بِالْغَسُوْلِ، بَعْدَ اَنْ يَرْمِيَ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ وَقَبْلَ اَنْ يَحْلِقَ رَاْسَهٗ۔ وَ ذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ قَتْلُ الْقَمْلِ، وَحَلْقُ الشَّعْرِ، وَ اِلْقَاءُ التَّفَثِ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر حالتِ احرام میں سر نہیں دھوتے تھے سوائے احتلام کی صورت کے (مسائل میں عبداللہ بن عمرؓ کی شدتِ احتیاط مشہور ہے۔ لیکن اوپر کی حدیث میں تو دخولِ مکہ کے لئے ان کے غسل کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اور الباجیؒ نے کہا کہ یہ غسل سر دھوئے بغیر تھا۔ مگر امام مالکؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ سر ملے بغیر صرف اس پر پانی بہا دیا جائے۔ اگر امام مالکؒ کا یہ مسلک تھا تو یہ جمہور کے مطابق ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ہم اور امام مالکؒ محرم کے لئے سر دھونے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ اوپر ابوایوب انصاریؓ کی حدیث گزری جس میں انہوں نے حضورؐ کے سر دھونے کا ذکر صراحتہً کیا اور دھو کر دکھایا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے اہل علم کو یہ کہتے سُنا کہ احرام والے کے لئے آخری جمرے کو رمی کر لینے کے بعد اشنان، خطمی یا بیری کے پتوں کے ساتھ سر دھونے میں کوئی حرج نہیں، قبل اس کے کہ وہ اپنا سر منڈوائے۔ اور یہ اس لئے کہ آخری جمرے پر کنکریاں پھینک لینے کے بعد حاجی کے لئے جوؤں یا پسوؤں کا مارنا، بال منڈوانا، میل کچیل اتارنا اور کپڑے پہننا حلال ہو جاتا ہے۔

تشریح: حج میں دو قسم کے تحلّل (حلال ہونا) ہوتے ہیں۔ ایک رمیٔ جمرہ جو چھوٹا تحلّل ہے (یعنی امام مالکؒ کے ہاں اور امام شافعیؒ کے نزدیک) مگر حنفیہ رمی کو اسبابِ تحلّل میں سے نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک حلق اسبابِ تحلّل میں سے ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے۔ دوسرا تحلّل طوافِ افاضہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

۳۔ بَابُ مَا يُنْهَىٰ عَنْهُ مِنْ لُبْسِ الثِّيَابِ فِي الْإِحْرَامِ

احرام میں جو کپڑے پہننا ممنوع ہے

۷۱۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَىٰ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ. إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ، فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ."

قَالَ يَحْيَىٰ: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّا ذُكِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: "وَمَنْ لَمْ يَجِدْ إِزَارًا فَلْيَلْبَسْ سَرَاوِيلَ." فَقَالَ: لَمْ أَسْمَعْ بِهٰذَا. وَلَا أَرَىٰ أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ سَرَاوِيلَ. لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَىٰ عَنْ لُبْسِ السَّرَاوِيلَاتِ، فِيمَا نَهَىٰ عَنْهُ مِنْ لُبْسِ الثِّيَابِ الَّتِي لَا يَنْبَغِي لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَلْبَسَهَا. وَلَمْ يَسْتَثْنِ فِيهَا، كَمَا اسْتَثْنَىٰ فِي الْخُفَّيْنِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، احرام والا کون سے کپڑے پہنے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قمیصیں مت پہنو اور نہ عمامے اور نہ شلواریں اور نہ ٹوپیاں اور چغے اور نہ موزے مگر جس کو جوتے نہ ملیں تو موزے پہن لے اور انہیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے اور کوئی ایسا کپڑا مت پہنو، جسے زعفران یا ورس نے چھوا ہو۔ (یہ حدیث مؤطائے محمد میں بھی ہے۔)

شرح: احرام کا لباس انتہائی عاجزی اور تذلل اور خضوع و خشوع کا لباس ہے۔ لہذا حکم دیا گیا کہ کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس میں ترفہ اور تکبر یا دنیوی شان و شوکت اور زینت پائی جائے۔ پس کفن بردوش ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں کھڑے ہو جائیے، جس طرح لوگ محشر کے میدان میں خدا کے حضور پیش ہوں گے۔ حدیث میں جس لباس کی ممانعت ہے، تمام علماء کے اجماع سے مرد کا لباس ہے۔ عورت یہ ساری چیزیں پہن سکتی ہے مگر زعفران کا استعمال نہ کرے۔ اس حدیث کی وہ روایت جو ہم نے زہری سے کی ہے اس میں یہ اضافہ ہے کہ ایک چادر، ایک تہبند اور ایک چپل پہنے۔ چپل اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اس حدیث میں کعب سے مراد وہ ابھری ہوئی جگہ ہے جہاں پر چپل کا تسمہ باندھتے تھے۔ اور وہ جگہ پاؤں کے درمیان میں ہوتی ہے۔ دراصل کعب کا لفظ قدم کے درمیان میں ابھری ہوئی ہڈی پر اور ٹخنوں پر بولا جاتا ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت سے حنفیہ کا یہ مسلک صریحاً ثابت ہوتا ہے، جب محرم موزے پہننے پر مجبور ہو تو انہیں اوپر سے پھاڑ ڈالے اور صرف اس قدر رہنے دے جس

سے پاؤں موزوں کو تھامے رہیں۔ اگر یہاں پر ٹخنے مراد لئے جائیں تو پھر موزے اور اس عام جوتے میں فرق نہ رہے گا جس سے کہ سارا قدم ڈھکا رہتا ہے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص تہ بند نہ پائے وہ سراویل پہن لے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں سُنا اور میں جائز نہیں سمجھتا کہ احرام والا شلوار پہنے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے لئے ممنوع کپڑوں کے ذکر میں شلواروں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور شلوار کا استثنا نہیں فرمایا۔ جیسا کہ موزوں کا استثنا فرمایا ہے۔

شرح: یہ حدیث جس کے متعلق امام مالکؒ سے پوچھا گیا تھا، بخاریؒ اور مسلمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، شلوار اس کے لئے ہے جو تہ بند نہ پائے اور موزے اس کے لئے جو جوتا نہ پائے۔ امام محمدؒ نے اس حدیث کی بنا پر محرم کے لئے شلوار اور موزے پہننا، بشرطیکہ تہ بند اور جوتا نہ ملے، جائز قرار دیا ہے۔ جمہور نے کہا کہ حدیث ابن عمرؓ کے مطابق ایسی صورت میں موزے کو اوپر سے قطع کیا جائے گا۔ اور شلوار کو پھاڑ دیا جائے گا کہ وہ تہ بند نما بن جائے اور شلوار نہ کہلا سکے۔ امام مالکؒ کو یہ حدیث نہیں پہنچی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر حدیث کا ہر محدث تک پہنچنا ضروری نہیں۔

۴۔ بَابُ لُبْسِ الثِّيَابِ الْمُصَبَّغَةِ فِي الْإِحْرَامِ

احرام میں رنگ دار کپڑے پہننا

۱۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَ الْمُحْرِمُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِزَعْفَرَانٍ أَوْ وَرْسٍ۔ وَقَالَ: "مَنْ لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ۔ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننا ممنوع فرمایا تھا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جسے جوتے نہ ملیں وہ موزے پہن لے اور انہیں پاؤں میں اُبھری ہوئی ہڈیوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ (یہ حدیث موطا امام محمد میں بھی مروی ہے بَابُ مَا يُكْرَهُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ) ورس ایک خوشبودار زرد بوٹی ہوتی ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے تھے۔

۱۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَأَى عَلَى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ ثَوْبًا مَصْبُوغًا وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ فَقَالَ عُمَرُ: مَا هَذَا الثَّوْبُ الْمَصْبُوغُ يَا طَلْحَةُ؟ فَقَالَ طَلْحَةُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ إِنَّمَا هُوَ مَدَرٌ۔ فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّكُمْ أَيُّهَا الرَّهْطُ أَئِمَّةٌ يَقْتَدِي بِكُمُ النَّاسُ۔ فَلَوْ أَنَّ رَجُلًا جَاهِلًا رَأَى هَذَا الثَّوْبَ، لَقَالَ: إِنَّ

طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ كَانَ يَلْبَسُ الثِّيَابَ الْمُصَبَّغَةَ فِي الْإِحْرَامِ. فَلَا تَلْبَسُوا أَيُّهَا الرَّهْطُ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الثِّيَابِ الْمُصَبَّغَةِ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ نے حالتِ احرام میں طلحہؓ بن عبید اللہ کو رنگدار کپڑا پہنے دیکھا۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا اے طلحہ! یہ رنگدار کپڑا کیسا ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ تو صرف مٹی سے رنگا ہوا ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا، اے اصحاب کی جماعت تم پیشوا ہو، لوگ تمہارے پیچھے چلیں گے۔ پس اگر کوئی جاہل آدمی یہ کپڑا دیکھے گا تو کہے گا کہ طلحہؓ بن عبید اللہ رنگدار کپڑا پہنتا ہے۔ پس اے جماعتِ صحابہ! تم ان رنگدار کپڑوں میں سے کچھ نہ پہنو۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ محرم کے لئے عصفر سے رنگا ہوا کپڑا یا ورس یا زعفران کے ساتھ رنگا ہوا کپڑا پہننا مکروہ ہے۔ اگر اس قسم کا کپڑا دھل جائے اور اس کی خوشبو جاتی رہے اور اس میں سے خوشبو نہ نکلے تو اس کے پہننے میں حرج نہیں۔ اور عورت کے لئے نقاب اوڑھنا جائز نہیں۔ اگر وہ اپنا منہ ڈھانکنا چاہے تو اوڑھنی کے اوپر سے منہ پر کپڑا لٹکا لے اور اسے منہ سے الگ رکھے اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ جنابِ عمرؓ نے جو کچھ فرمایا وہ بالکل برمحل اور صحیح ہے۔ جو لوگ عوام کے مقتدا ہوں، انہیں ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ مبادا ان کی کسی جائز حرکت سے بھی لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر گمراہ ہو جائیں حضرت طلحہؓ کا کپڑا صرف گیری یا سرخ مٹی میں رنگا ہوا تھا۔ لیکن جناب عمرؓ نے انہیں اس سے بھی روکا کہ یہ تمہارے مقام اور درجے کے منافی ہے۔ پہلے پہل شاید حضرت عمرؓ نے یہ سمجھ کر ڈانٹ کے رنگ میں سوال فرمایا تھا کہ اے طلحہ! یہ رنگدار کپڑا کیسا ہے؟ کہ یہ کپڑا عصفر (ایک خوشبودار بوٹی) میں رنگا گیا ہے۔

۱۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّهَا كَانَتْ تَلْبَسُ الثِّيَابَ الْمُعَصْفَرَاتِ الْمُشَبَّعَاتِ وَهِيَ مُحْرِمَةٌ، لَيْسَ فِيهَا زَعْفَرَانٌ۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ ثَوْبٍ مَسَّهُ طِيبٌ ثُمَّ ذَهَبَ مِنْهُ رِيحُ الطِّيبِ، هَلْ يُحْرِمُ فِيهِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ صِبَاغٌ: زَعْفَرَانٌ أَوْ وَرْسٌ۔

ترجمہ: اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کسنبہ سے خوب رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں۔ درآنحالیکہ وہ احرام میں ہوتی تھیں۔ مگر ان میں زعفران لگا ہوا نہ ہوتا تھا۔

شرح: قاضی ابن رشد مالکی نے فرمایا ہے کہ عصفر (کسم یا کسنبہ) سے رنگے ہوئے کپڑے میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا محرم اسے پہنے یا نہیں۔ مالکؒ نے اس میں حرج نہیں جانا کیونکہ وہ خوشبودار نہیں۔ ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ نے کہا کہ یہ خوشبو ہے اور اس کے پہننے سے فدیہ لازم آتا ہے۔ دیگر مالکی فقہا نے مالکؒ کا مذہب یہ بنایا کہ اگر کپڑا بار بار ڈبو کر رنگا گیا ہو اور جسم پر اس کا اثر ہو تو ناجائز ہے۔ زعفران اور ورس میں تو کسی فقیہ نے اختلاف نہیں کیا۔ سب نے اس کا استعمال خوشبو کے باعث ناجائز ٹھیرایا۔ مگر کسم میں رنگے ہوئے کپڑے کے متعلق اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ خوشبودار رہتا ہے یا نہیں؟

محقق ابن الہمام نے فرمایا کہ وہ خوشبودار ہوتا ہے لہذا ناجائز ہے۔ ورس کی خوشبو معصفر سے کم ہوتی ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے تو معصفر سے بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہوگی۔ عورتوں کے لئے محض رنگدار کپڑوں کی ممانعت نہیں ہے۔ شاید اسی حضرت اسماءؓ نے سمجھا ہوگا کہ معصفر کی بھی ممانعت نہیں۔ حالانکہ یہ بھی ممنوع ہیں۔ امام احمدؒ، شافعیؒ نے معصفر کی اجازت اس حدیث کے باعث دی ہے۔ امام مالکؒ کے مذہب میں کچھ تفصیل ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔

امام مالکؒ سے اس کپڑے کے متعلق پوچھا گیا کہ جسے خوشبو لگی تھی، مگر پھر خوشبو کا اثر جاتا رہا۔ آیا اس میں احرام باندھا جا سکتا ہے؟ مالک نے کہا کہ ہاں، بشرطیکہ اس میں زعفران یا ورس کا رنگ نہ ہو۔"

شرح: حافظ عینی نے کہا ہے کہ جس کپڑے کو ورس یا زعفران لگا ہو۔ خواہ بعد میں اسے دھو ڈالا گیا ہو، مجاہدؒ، ہشام بن عروہؒ، عروہ بن زبیرؒ اور مالکؒ (حسب روایت ابن القاسم) کے نزدیک محرم کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے مگر سعید بن جبیرؒ، سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ (دوسری روایت کے مطابق) شافعیؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ نے ایسے کپڑے کا استعمال جائز قرار دیا ہے۔ اوپر مؤطائے امام محمدؒ سے جو عبارت ہم نے حدیث نمبر ۷۱۸ کی شرح میں نقل کی ہے اسے بھی مدنظر رکھا جائے

۵۔ بَابُ لُبْسِ الْمُحْرِمِ الْمِنْطَقَةَ

محرم کے لئے پٹکا (ہمیانی) لپیٹنا کیسا ہے؟

۷۲۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَكْرَهُ لُبْسَ الْمِنْطَقَةِ لِلْمُحْرِمِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر محرم کے لئے پٹکا پہننے کو مکروہ جانتے تھے۔ (یہ اثر مؤطائے امام محمد میں بھی آیا ہے۔)

شرح: اگر پٹکا یا ہمیانی بلا ضرورت پہنی جائے تو درست نہیں، لیکن اگر ضرورت سے ہو (مثلاً بعض بیماریوں کا یہ علاج بھی ہے) یا ہمیانی میں نقدی وغیرہ ہو جو زادِ راہ کے طور پر ہو تو اس میں حرج نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا جواز بھی منقول ہے۔ جس کی توجیہ یہی ہے جو بیان ہوئی کہ ضرورت سے ہو تو جائز ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں۔ امام محمدؒ نے مؤطا باب لبس المنطقہ الخ میں فرمایا کہ پٹکا اور ہمیانی میں کوئی حرج نہیں۔ کئی فقہاء نے محرم کے لئے ہمیانی کی رخصت دی ہے اور کہا کہ اپنے زادِ راہ کو مضبوط رکھو۔

۷۲۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: فِي الْمِنْطَقَةِ يَلْبَسُهَا الْمُحْرِمُ تَحْتَ ثِيَابِهِ: إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ، إِذَا جَعَلَ طَرَفَيْهَا جَمِيعًا سُيُورًا يَعْقِدُ بَعْضَهَا إِلَى بَعْضٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب کہتے تھے کہ مُحرم اگر اپنے کپڑوں کے نیچے پیٹی پہن لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جب کہ اس کے دونوں طرف چمڑے کی ڈوریاں ہوں اور انہیں باہم باندھ دیا جائے۔
مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلے میں یہ پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سُنی ہے۔

۶- بَابُ تَخْمِيْرُ الْمُحْرِمِ وَجْهَهُ

مُحرم کا اپنے چہرے کو ڈھانپنا کیسا ہے؟

۷۲۲- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، اَنَّهُ قَالَ اَخْبَرَنِي الْفُرَافِصَةُ بْنُ عُمَيْرٍ الْحَنَفِيُّ: اَنَّهُ رَاٰى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِالْعَرْجِ يُغَطِّيْ وَجْهَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ بن محمد نے کہا ہے کہ مجھے فرافصہ بن عمیر حنفی نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو عرج کے مقام پر بحالتِ احرام اپنا مُنہ ڈھانپتے ہوئے دیکھا تھا۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ شاید حضرت عثمانؓ نے کسی ضرورت کی بنا پر ایسا کیا تھا یا شاید وہ اسے جائز سمجھتے تھے۔ ابن عمرؓ نے اسے ناجائز قرار دیا ہے اور دوسرے بزرگوں نے بھی۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ کو آشوبِ چشم کے باعث اس کی اجازت دی تھی، مگر شاید انہوں نے اسے عام رخصت سمجھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ اس کا جواز حضرت عثمانؓ، زید بن ثابتؓ، مروان بن الحکمؒ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، شافعیؒ اور جمہور اہل علم کے نزدیک ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ نے حدیث ابن عباسؓ کی بنا پر اس سے منع کیا ہے۔ مسلم اور نسائی نے روایت کی ہے کہ ایک محرم کو اس کی اونٹنی نے سر کے بل گرا دیا اور وہ فوت ہو گیا تو حضورؐ نے اس کا سر اور چہرہ کفن سے باہر ننگا رکھنے کا حکم دیا تھا۔ احمد بن حنبلؒ سے اس مسئلہ میں دو روایات ہیں۔
امام محمدؒ نے یہ روایت مؤطا میں درج کی ہے مگر وہ ایک اور سند سے آئی ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہؒ نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو گرمی کے دن میں عرج کے مقام پر ایک ارغوانی کپڑے سے اپنا مُنہ ڈھانپتے ہوئے دیکھا اور وہ احرام میں تھے۔ پھر ایک شکار کا گوشت لایا گیا تو لوگوں سے فرمایا کہ تم کھاؤ۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ نہ کھائیں گے؟ تو فرمایا میں تمہاری مانند نہیں ہوں، اس جانور کو میری خاطر شکار کیا گیا ہے۔ اس روایت سے قاضی ابوالولید کا پیدا کردہ یہ احتمال قوی نظر آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ضرورت سے ایسا کیا تھا۔ یعنی دن بہت گرم تھا۔ لہذا گرمی سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایضاً ۷۲۲- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: مَا فَوْقَ الذَّقَنِ مِنَ الرَّاْسِ، فَلَا يُخَمِّرْهُ الْمُحْرِمُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ مُحرِم ٹھوڑی سے لے کر اور سر سمیت نہ ڈھانپے۔ یہ اثر بھی موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے

شرح: امام محمد نے کہا کہ ہم نے کہا کہ ہم ابن عمرؓ کے اس قول کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا

قول ہے۔ قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ یہی مالکؒ کا قول ہے۔ متاخرین مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا سر اور چہرہ ڈھانپنا حرام ہے یا صرف مکروہ، پہلی صورت میں تو فدیہ لازم ہوگا اور دوسری میں صدقہ۔ حنفیہ کے نزدیک اگر ایک دن رات ڈھانپے رہا تو فدیہ آئے گا ورنہ صدقہ۔ گویا اس مسئلہ میں حنفی اور مالکی فقہ قریب قریب ہے۔

۲۳۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَفَّنَ ابْنَهُ، وَاقِدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ. وَمَاتَ بِالْجُحْفَةِ مُحْرِمًا. وَخَمَّرَ رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ. وَقَالَ: لَوْلَا أَنَّا حُرُمٌ لَطَيَّبْنَاهُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا يَعْمَلُ الرَّجُلُ مَادَامَ حَيًّا. فَإِذَا مَاتَ فَقَدِ انْقَضَى الْعَمَلُ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیٹے واقد بن عبداللہؓ کو کفن دیا، جو کہ مقام جحفہ میں بحالت احرام فوت ہوگیا تھا۔ اور عبداللہؓ نے کہا کہ اگر ہم محرم نہ ہوتے تو اسے خوشبو لگاتے۔ اور اس کا سر اور منہ ڈھانپ دیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ موت کے ساتھ ہی اس کا احرام ختم ہوگیا تھا۔)

مالکؒ نے کہا کہ آدمی جب تک زندہ رہے وہ عمل کرتا ہے اور جب وہ مرجائے تو عمل کی مدت پوری ہوگئی لیکن ابن عباسؓ کی روایت میں جو ایک محرم کا ذکر ہے کہ وہ اپنی سواری سے گر کر مر گیا تھا۔ وہ ایک خاص زعیت کا واقعہ تھا۔ لہذا اسے عموم کا رنگ نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ تلبیہ کہتا ہوا اٹھے گا۔ اور یہ بات کسی اور کے بارے میں ثابت نہیں ہوئی۔ حافظ عینیؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور ظاہریہ نے استدلال کیا ہے کہ محرم موت کے بعد بھی اپنے احرام پر قائم رہتا ہے۔ لہذا اس کا سر ڈھانپنا اور اسے خوشبو لگانا حرام ہے۔ اور یہی قول حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، عطا اور ثوریؒ کا ہے۔ ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور اوزاعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا احرام ختم ہوجاتا ہے۔ لہذا اس میں اور بے احرام میں فرق نہیں۔ یہی روایت حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ اور طاؤس سے ہوئی ہے۔ کیونکہ اس نے ایک عبادت شروع کی تھی جو موت کے باعث نماز اور روزے کی طرح باطل ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے والے کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا احرام باقی رہے تو اسے دوسرے مناسک مثلاً طواف اور وقوف عرفہ وغیرہ بھی کرائے جانے چاہئیں۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

۲۴۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ. وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ احرام والی عورت نقاب نہ پہنے اور نہ دستانے پہنے۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث باب مَا يُكْرَهُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ میں روایت کی ہے۔)

شرح: امام سرخسی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفانؓ کو آشوب چشم کے باعث احرام میں منہ ڈھانپنے کی رخصت دی تھی۔ یہ رخصت ایک عذر کے باعث تھی اور اس بات کی دلیل ہے کہ محرم کو منہ ڈھانپنے کی ممانعت ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ عورت اپنا منہ اس حالت میں نہیں ڈھانپ سکتی۔ حالانکہ عورت کے لئے پردے کا حکم ہے اور

چہرہ کھولنے میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرد کے لئے بدرجۂ اولیٰ چہرہ ڈھانپنے کی ممانعت ہے۔ جہاں تک ہاتھوں کا تعلق ہے، حنفیہ نے اسے جائز کہا ہے۔ کیونکہ دارقطنی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ عورت کا احرام چہرے میں ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں ایک اثر روایت کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنی بیٹیوں کو احرام میں دستانے پہننے کا حکم دیا تھا۔ ابن عمرؓ کی یہ حدیث زیر نظر موقوف ہے اور اس کی جو روایت مرفوع ہے، اس میں ایک راوی ابراہیم بن سعید مدنی مجہول ہے۔ حافظ عینیؒ نے اس سبب سے اس مرفوع حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

۷۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ. وَنَحْنُ مَعَ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ۔

ترجمہ: فاطمہ بنت المنذر (ابن الزبیرؓ) نے کہا کہ ہم حالتِ احرام میں مُنہ ڈھانپتی تھیں اور ہم اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ کے ساتھ تھیں۔ وہ ہمیں ٹوکتی نہ تھیں۔

شرح: اس سے مراد مردوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے ایک پتلا کپڑا لٹکانا ہے جو چہرے کے ساتھ نہ لگتا تھا۔ ورنہ یہ مسئلہ تو اجماعی ہے کہ عورت کے لئے نقاب پہننا احرام میں جائز نہیں ہے۔ یہ روایت اس معنیٰ میں ہے جیسی کہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے کہ جب سوار ہمارے قریب سے گزرتے تو ہم اپنی چادریں نیچے لٹکا لیتیں اور جب وہ چلے جاتے تو پھر اُٹھا لیتیں۔ فاطمہ بنت منذر کی روایت کا معنیٰ اگر لفظ تخمیر کے باعث ڈھانپنا لیا جائے تو یہ ایک شاذ روایت ہے۔ علامہ ابن رشد مالکی نے یہی لکھا ہے۔

۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّطَيُّبِ فِي الْحَجِّ

حج میں خوشبو کے استعمال کا باب

حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد کسی قسم کی خوشبو کا استعمال اجماعًا حرام ہے۔ احرام باندھتے وقت جو خوشبو لگائی جائے اور اس کا اثر بعد میں باقی رہے۔ اس میں البتہ اختلاف ہوا ہے۔ امام مالکؒ نے اسے مکروہ کہا ہے اور اسے حضرت عمر فاروقؓ سے روایت کیا ہے اور یہی قول حضرت عثمانؓ اور ابن عمرؓ کا ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور جن حضرات نے اسے جائز ٹھہرایا ہے، ان میں ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، ثوریؒ، احمدؒ اور داؤد شامل ہیں۔ مالک کی دلیل صفوان بن یعلی کی حدیث ہے اور دوسرے فریق کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے جو اس باب کے ابتداء میں آ رہی ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، ابن الزبیرؓ، ابن جعفرؓ، ابو سعید خدریؓ کا بھی یہی قول ہے۔

۷۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ. وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے احرام کے لئے قبل اس کے کہ آپؐ احرام باندھیں اور آپؐ کے احرام سے نکلنے کے لئے قبل اس کے کہ بیت اللہ کا طواف کریں (طوافِ افاضہ) خوشبو لگاتی تھی۔ (اس حدیث میں ماضی استمراری کا لفظ تکرار پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ یہ صرف حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اور بخاری میں ماضی مطلق کا صیغہ آیا ہے۔)

شرح: اس حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ محرم جب بوقتِ احرام خوشبو کا استعمال کرے اور اس کا اثر بعد میں بھی رہے تو جائز ہے۔

۲۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِحُنَيْنٍ. وَعَلَى الْأَعْرَابِيِّ قَمِيصٌ، وَبِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ. فَكَيْفَ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِنْزِعْ قَمِيصَكَ. وَاغْسِلْ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ عَنْكَ. وَافْعَلْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَفْعَلُ فِي حَجِّكَ"۔

ترجمہ: عطا بن ابی رباح سے (مرسلاً) روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جب کہ آپؐ حنین میں تھے۔ اعرابی نے قمیص پہنی ہوئی تھی اور اس پر زردی کا نشان تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے تو آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ میں کیا کروں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی قمیص اتار دے اور اپنے آپ سے یہ زرد نشان دھو ڈال۔ اور تو اپنے عمرے میں بھی وہی کچھ کر جو اپنے حج میں کرتا ہے۔ (یہ حدیث دوسری روایتوں میں مرفوع آئی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ بن الحسن اس مسئلہ میں امام مالکؒ کے ہمنوا ہیں اور یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔ جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث جس میں یعلیٰ بن امیہؓ (یا یعلیٰ بن منیہؓ) کا واقعہ مذکور ہے ۸ھ کا ہے کیونکہ اس سال میں حضورؐ نے جنگ حنین لڑی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ۱۰ھ کے حجۃ الوداع سے متعلق ہے۔ پس یہ اس پہلے حکم کی ناسخ ہے۔ علاوہ ازیں اس صحابیؓ نے جو زرد خوشبو لگائی تھی وہ خلوق کہلاتی ہے اور اس کی ممانعت تو مردوں کے لئے احرام کی حالت کے علاوہ بھی بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

۲۸۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَسْلَمَ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَجَدَ رِيحَ طِيبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ. فَقَالَ: مِمَّنْ رِيحُ هٰذَا الطِّيبِ؟ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ: مِنِّي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. فَقَالَ: مِنْكَ لَعَمْرُ اللّٰهِ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ طَيَّبَتْنِي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. فَقَالَ عُمَرُ: عَزَمْتُ عَلَيْكَ لَتَرْجِعَنَّ فَلْتَغْسِلَنَّهُ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ نے کسی خوشبودار چیز کی ہوا پائی جب کہ آپ شجرہ کے مقام پر تھے۔ پس فرمایا، یہ خوشبو کس سے آتی ہے؟ معاویہ بن ابی سفیان نے کہا کہ اے امیرالمؤمنین یہ مجھ سے آتی ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں! واللہ یہ تمہیں سے آتی ہے۔ معاویہؓ نے کہا کہ اُمِّ حبیبہؓ نے مجھے خوشبو لگائی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ جاؤ اور اسے دھو ڈالو۔

شرح: اُمِّ حبیبہؓ بنتِ ابی سفیانؓ حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں اور ازواج مطہراتؓ میں سے تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کو یہ خوشبو شاید بیانِ جواز کے لئے قبل از احرام لگائی تھی یا مدینہ منورہ ہی لگائی تھی۔ اس قسم کے مسائل میں امت میں سے سب سے زیادہ عالم ازواج ہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کو شاید اس قدر خوشبو حالتِ احرام میں پسند نہ آئی۔ لہٰذا انہوں نے بطور تنزیہ اسے دھلوا دیا۔ ورنہ یہ ناجائز نہ تھی۔ ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عائشہ صدیقہؓ کی حدیث اس وقت تک معلوم نہ ہوئی ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک فعل ثابت ہو جائے تو اُسی کا اتباع مسنون ہے۔

٧٢٩۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الصَّلْتِ بْنِ زُبَيْدٍ، عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَجَدَ رِيحَ طِيبٍ وَهُوَ بِالشَّجَرَةِ. وَإِلَى جَنْبِهِ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ فَقَالَ عُمَرُ: مِمَّنْ رِيحُ هٰذَا الطِّيبِ؟ فَقَالَ كَثِيرٌ: مِنِّي يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. لَبَّدْتُ رَأْسِي وَأَرَدْتُ أَنْ لَا أَحْلِقَ. فَقَالَ عُمَرُ: فَاذْهَبْ إِلَى شَرَبَةٍ. فَادْلُكْ رَأْسَكَ حَتَّى تُنَقِّيَهُ. فَفَعَلَ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ.

قَالَ مَالِكٌ: اَلشَّرَبَةُ حَفِيرٌ تَكُونُ عِنْدَ أَصْلِ النَّخْلَةِ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مقامِ شجرہ میں ذوالحلیفہ میں ایک کیکر کا درخت جو مدینہ سے چھ میل پر واقع تھا کسی خوشبودار چیز کی خوشبو پائی۔ ان کے پہلو میں کثیر بن الصلت تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خوشبو کس سے آتی ہے؟ کثیر نے کہا کہ مجھ سے آتی ہے کیونکہ میں نے سر پر (خوشبو ملی) لیپ کی ہے اور چاہتا ہوں کہ حج سے فراغت کے بعد سر منڈوا دوں پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی پانی کے گڑھے پر جاؤ اور اپنا سر (پانی سے) مل کر صاف کر دو۔ پس کثیر بن الصلت نے ایسا ہی کیا۔ (اس حدیث میں شربہ کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے کھجور کے گرد پانی ٹھہرانے کا ہالہ یعنی چھوٹا سا حوض)۔ اوپر کی حدیث کی شرح دیکھئے۔ یہ روایت مؤطا ئے امام محمد میں بھی ہے۔

٧٣٠۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، وَرَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ الْوَلِيدَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ سَأَلَ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَخَارِجَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، بَعْدَ أَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ وَحَلَقَ رَأْسَهُ، وَقَبْلَ أَنْ يُفِيضَ، عَنِ الطِّيبِ. فَنَهَاهُ سَالِمٌ. وَ أَرْخَصَ لَهُ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ أَنْ يَدَّهِنَ الرَّجُلُ بِدُهْنٍ لَيْسَ فِيهِ طِيبٌ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ. وَقَبْلَ أَنْ يُفِيضَ مِنْ مِنًى بَعْدَ رَمْيِ الْجَمْرَةِ۔

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ طَعَامٍ فِيهِ زَعْفَرَانٌ، هَلْ يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: أَمَّا مَا تَمَسُّهُ النَّارُ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ أَنْ يَأْكُلَهُ الْمُحْرِمُ. وَأَمَّا مَا لَمْ تَمَسَّهُ النَّارُ مِنْ ذٰلِكَ فَلَا يَأْكُلُهُ الْمُحْرِمُ۔

ترجمہ: الولید بن عبدالملک نے سالم بن عبداللہؒ اور خارجہ بن زیدؒ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ آیا جمرہ کی رمی اور سر منڈوانے کے بعد مگر طوافِ افاضہ سے قبل خوشبو کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟ سالمؒ نے تو اسے اس سے روکا۔ مگر خارجہ بن زید بن ثابتؓ نے اجازت دے دی۔

شرح: الولید بن عبدالملک بنو امیہ کا مشہور حکمران تھا۔ جس کے دور میں ماوراء النہر، سندھ اور افریقہ میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ سالمؒ اور خارجہؒ ہر دو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔ جمہور کے نزدیک اس مسئلہ میں خارجہؒ کا فتویٰ صحیح تھا۔ سالم نے شاید ازراہِ تنزیہہ منع کیا۔

امام مالکؒ نے کہا کہ احرام سے پہلے اور رمیٔ جمرہ کے بعد منیٰ سے طوافِ افاضہ کے لئے جانے سے قبل ایسا تیل استعمال کرنا جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے اس میں حرج نہیں ہے۔ (جمہور کا مسلک یہ نہیں ہے۔)

امام مالکؒ سے ایسے کھانے کے متعلق پوچھا گیا، جس میں زعفران ہو، کہ آیا مُحرم اسے کھا سکتا ہے؟ مالکؒ نے کہا کہ جو کھانا آگ پر پکا یا گیا ہو اس میں حرج نہیں کہ مُحرم اسے کھائے، مگر جو آگ سے نہیں پکایا گیا، مُحرم اسے نہیں کھا سکتا۔ (حنفیہ کے نزدیک اس قسم کے کھانے کی کراہت تو ہے مگر چونکہ کھانا اس زعفران پر غالب ہوتا ہے۔ لہٰذا فدیہ نہیں آتا۔)

۸۔ بَابُ مَوَاقِيتِ الْإِهْلَالِ

مقاماتِ احرام کا بیان

۷۳۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ. وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ. وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ" قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَبَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں

اور اہل شام جحفہ سے احرام باندھیں اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں۔ امام محمدؒ نے اس حدیث کو مؤطا میں روایت کیا ہے۔ اور بَلَغَنِی کے بجائے وَیَزْعُمُوْنَ کا لفظ نقل کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اس باب کی روایت کے بعد یہ نوٹ لکھا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ ان مواقیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا، پس جو کوئی حج کا ارادہ کرے اس کے لئے ان جگہوں سے گزرنا بلا احرام جائز نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حدیث بیان کی ہے کہ بروایت ابن عباسؓ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ احرام کے بغیر میقات سے مت گزرو۔ بخاری نے لیث کے طریق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں کن جگہوں سے احرام باندھنے کا حکم فرماتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضورؐ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے چھ میل پر ہے۔ حلفہ ایک بوٹی کا نام ہے، حلیفہ اس کی تصغیر ہے۔ اس مقام پر بنی جُشَم کا ایک پانی کا چشمہ تھا۔ یہاں پر ایک مسجد ہے۔ جسے مسجد شجرہ کہتے ہیں۔ اور ایک کنواں ہے جو بئر علی کے نام سے معروف ہے۔ یہاں سے مکہ دو میل پر ہے۔ جُحفہ کو مہیعہ بھی کہتے ہیں۔ یہاں عمالیق رہتے تھے، مگر ایک سیلاب نے انہیں برباد کر دیا تو اس کا نام جُحفہ پڑ گیا۔ قرن کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں اور یہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ سے ایک مرحلہ کے فاصلے پر ہے۔ یلملم مکہ سے دو مرحلہ (تیس میل) پر واقع ہے۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابی کی مرسل روایت مقبول ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں ابن عباسؓ سے، صحیح مسلم میں جابرؓ سے، سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے اور نسائی، احمد اور سنن ابی داؤد میں الحارث بن عمرو سہمی سے مروی ہوئی ہے۔

۳۲۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُهِلُّوْا مِنْ ذِی الْحُلَيْفَةِ. وَأَهْلَ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ. وَأَهْلَ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو حکم دیا کہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں اور شام والوں کو حکم دیا کہ جُحفہ سے احرام باندھیں اور اہل نجد کو حکم دیا کہ قرن سے احرام باندھیں۔

۳۲۸۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَمَّا هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثُ فَسَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُخْبِرْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ یہ تین حکم تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنے تھے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ یمن والے یلملم سے احرام باندھیں۔ (یہ حدیث بھی موطائے محمد میں مروی ہے۔)

شرح: بعد میں جب نئے ممالک فتح ہوئے، اسلام پھیلا اور کوفہ و بصرہ نامی شہر بسائے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

علاقہ سے اس طرف کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارا کوئی میقات نہیں۔ اگر ہم یلملم سے احرام باندھنے جائیں تو مشقت ہوتی ہے تو انہوں نے اپنے اجتہاد سے ذاتِ عرق کو ان کا میقات مقرر فرمایا اور اس پر سب لوگ متفق ہو گئے۔

۳۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ اَھَلَّ مِنَ الْفُرْعِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فُرع کے مقام سے احرام باندھا۔ (یہ اثر موطائے محمدؒ میں آیا ہے)

شرح: حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ علما کے نزدیک ابن عمرؓ کے فعل کا مطلب یہ ہے کہ وہ میقات سے گزرے، مکہ جانا نہیں چاہتے تھے، پھر خیال آیا تو فرع کے مقام سے احرام باندھ لیا۔ یہ تاویل امام شافعیؒ وغیرہ کی ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کو جاتے تھے۔ ذوالحلیفہ سے آگے ایک اور میقات ہے یعنی جُحفہ، اور اہل مدینہ کو جحفہ جا کر احرام باندھنا بھی جائز ہے۔ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے لباس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو وہ جُحفہ تک ایسا کر سکتا ہے۔ یہ روایت ہمیں ابو یوسف سے، ان کو اسحٰق بن راشد سے، ان کو محمد الباقر بن علی زین العابدین سے اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ مگر محدثین اس سند کو سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) کہتے ہیں۔ بشرطیکہ الباقر سے نیچے کے راوی ثقہ ہوں۔ عام حالات میں مکہ جانے والے کے لئے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں۔ اگر عمداً ایسا کرے تو ایک جانور قربان کرنا پڑے گا۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ جب ایک میقات سے گزر کر آگے دوسرا آتا ہو تو گزرنے والے کو دوسرے میقات سے احرام باندھنا بھی جائز ہے۔ گو افضل یہی ہے کہ پہلے سے احرام باندھ لے۔

۳۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الثِّقَةِ عِنْدَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَھَلَّ مِنْ اِیْلِیَاءَ

ترجمہ: مالکؒ نے ایک لائق اعتماد شخص سے روایت کی کہ عبداللہ بن عمر نے بیت المقدس سے احرام باندھا۔

شرح: یہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ دومۃ الجندل کے مقام پر ہر دو ثالثوں یعنی ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کا اجتماع ہوا۔ ابن عمرؓ کو بھی موقع پر بلایا گیا تھا۔ جب کسی بات پر اتفاق نہ ہو سکا تو عبداللہ بن عمر بیت المقدس کو روانہ ہو گئے اور وہاں سے بیت اللہ کا احرام باندھ لیا۔ اسحاق بن راہویہ اور داؤد ظاہری اور ابن حزم ظاہریؒ کے سوا ساری امت اس پر متفق ہے کہ میقات سے احرام باندھنا ایک رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ آدمی ان سے بھی دور جہاں سے چاہے احرام باندھ کر آئے۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو جو میقات راستے میں آئے اس پر احرام کی تجدید ضروری ہے۔ مالکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ نے کہا کہ میقات سے احرام باندھنا افضل ہے مگر ثوریؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور دیگر علما نے کہا کہ میقات سے آگے بلا احرام گزرنا جائز نہیں اور میقات تک بلا احرام آ جانا ایک رخصت ہے۔ افضل یہ ہے کہ جہاں سے چلے وہیں سے باندھ لے۔ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر اصحاب سے ثابت ہے کہ انہوں نے میقات پر پہنچنے سے قبل ہی احرام باندھا تھا۔ لیکن احرام کی پابندیاں بہت ہیں، لہٰذا ازراہِ رحمت و شفقت یہ اجازت دی گئی کہ میقات سے احرام باندھا جائے۔ بعید مواضع سے احرام باندھنا علی بن ابی طالبؓ، عمران بن حصینؓ، عثمان بن العاصؓ، ابو مسعود الانصاریؓ، ابن سیرینؒ، انس بن مالکؓ، معاذ بن جبلؓ، حمید بن عبدالرحمٰنؒ، مسلم بن یسار، وکیع بن الجراحؒ وغیرہم سے بھی ثابت ہوا ہے۔

۳۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ بِعُمْرَةٍ۔

ترجمہ: مالک کو خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔

شرح: یہ ۸ھ کا واقعہ ہے کہ حضور جب حنین کے مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو ۱۸ ذی قعدہ کو عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ کو تشریف لے گئے۔ جعرانہ حضورؐ کے مقرر کردہ مواقیت کی نسبت مکہ سے قریب تر ہے۔ جو شخص میقات سے ورے اندر کی طرف ہو وہ جہاں سے چاہے احرام باندھ لے۔ حضورؐ کا یہ عمرہ رات ہی رات ادا ہوا تھا، اس لئے بہت سے لوگوں سے مخفی رہا۔

۹۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْإِهْلَالِ

احرام کے وقت لبیک پکارنا اور دیگر اعمال کا بیان

اس بات پر علما کا اتفاق ہے کہ احرام کے لئے نیت ضروری ہے۔ تلبیہ اسی نیت کا اظہار ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اگر نیت ہو تو تلبیہ نہ کہا جائے تو بھی احرام منعقد ہو جاتا ہے۔ ابو حنیفہؒ کے نزدیک تلبیہ کی حیثیت حج میں ایسی ہے جیسی تکبیر کی نماز میں ہے۔ ایک مرتبہ تلبیہ کہنا فرض ہے یعنی شروع میں۔ پھر اسی مجلس اول میں اس کی تکرار سنت ہے اور بعد ازاں بھی اسے دہرانا سنت ہے۔ اور کثرت سے تلبیہ کہنا مستحب ہے۔ اگر کوئی شخص صرف دل سے نیت کرے اور احرام کے وقت زبان سے تلبیہ نہ کہے تو اس کا احرام منعقد نہیں ہوتا۔

۳۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ"۔

قَالَ: وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَزِيدُ فِيهَا، لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ۔ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ۔ وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ لَبَّيْكَ۔ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یہ تھا۔ لبیک لبیک اللّٰھم لبیک الخ۔ حاضر ہوں میں اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، بیشک تعریف اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور بادشاہت تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور عبداللہ بن عمرؓ اس میں اتنا اضافہ ادا کرتے تھے۔ لبیک لبیک لبیک الخ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں اور اپنی سعادتمندیاں پیش کرتا ہوں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، میں حاضر ہوں اور رغبت تیری ہی طرف ہے اور عمل تیری ہی خاطر ہے۔ (امام محمدؒ نے اسے موطا میں روایت کیا ہے۔ باب التلبیہ)۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ تلبیہ وہی پہلا تلبیہ ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور اگر کچھ زیادہ کرلو تو خوب ہے اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اپنی تفاسیر میں ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور قتادہؒ وغیرہم سے روایت کیا ہے کہ تلبیہ اس پکار کا جواب ہے جو ابراہیم خلیل اللہ نے بامر الٰہی لوگوں کو خانہ کعبہ کا حج کرنے کے لئے دی تھی۔ ابن عمرؓ نے اس میں جو اضافہ کیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ تلبیہ دراصل ثنا ہے۔ حضورؐ کے فرمودہ کلمات میں تو کمی بیشی انہوں نے نہیں کی، اور انہیں جوں کا توں روایت کر دیا۔ پھر بطور دعا اور عرض شوق وتمنا کے طور پر اس میں یہ کلمات بڑھائے۔ جن کا معنیٰ دراصل وہی تھا جو حضورؐ کے اصل تلبیہ کا ہے۔ بعض روایات میں ہے (ابن ابی شیبہ میں) کہ ابن عمرؓ نے یہ اضافہ اپنے والد گرامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اخذ کیا تھا۔ اگر یہ بات تھی تو پھر عمر فاروقؓ کا تلبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی نہ رہ سکتا تھا۔ کیونکہ تلبیہ بآواز بلند پکارا جاتا ہے اور حضورؐ کی خاموشی اسے سند رضا عطا کر چکی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور تلبیہ یہی ہے جو اس حدیث میں ہے اور بعض احادیث میں حضورؐ کے کچھ اور الفاظ بھی مروی ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ حضورؐ کا فرمودہ تلبیہ پکار کر بعد میں بطور دعا اس قسم کے الفاظ جو اصحاب سے مروی ہیں کہنے میں حرج نہیں۔

۳۸۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ، فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ أَهَلَّ.

ترجمہ: عروہؒ سے روایت ہے (مرسلاً) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد ذی الحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور جب اونٹنی آپؐ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو لبیک الخ پکارتے تھے۔

شرح: حضورؐ نے نماز فجر کے بعد مسجد ذی الحلیفہ سے احرام باندھا تھا۔ لیکن تمام علما کے نزدیک احرام سے قبل اگر نماز فرض نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھے جائیں اور بعد میں احرام باندھا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضورؐ نے فرض نہیں بلکہ دو نفل پڑھ کر احرام باندھا تھا۔ مگر ابن القیم نے الہدیٰ میں کہا کہ یہ نماز ظہر کی دو رکعت تھیں۔ بباعث سفر دو پڑھیں اور احرام باندھا۔ پھر جب سوار ہوئے تو اونٹنی پر سے بآواز بلند تلبیہ پکارا۔ بعض نے پہلے فعل کو اور بعض نے دوسرے کو نقل کیا۔ ابن عباسؓ نے دونوں کو جمع کیا کہ پہلے تلبیہ کو بعض لوگوں نے سنا اور بعض نے نہ سنا۔ اسی طرح دوسرے تلبیہ کا بھی حال تھا۔

۳۹۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ يَقُولُ: بَيْدَاؤُكُمْ هٰذِهِ الَّتِي تَكْذِبُونَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ. يَعْنِي مَسْجِدَ ذِي الْحُلَيْفَةِ.

ترجمہ: سالم نے اپنے باپ (عبداللہ بن عمرؓ) کو فرماتے سنا کہ یہ ہے تمہاری وہ جگہ بیدا جس کے متعلق تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ نہیں کہا مگر ذی الحلیفہ کی مسجد کے پاس یعنی مسجد ذی الحلیفہ کے پاس۔ (موطائے امام محمد میں بھی باب الرجل یحرم فی دبر الصلوٰۃ الخ میں یہ حدیث مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ آدمی اگر چاہے تو نماز کے بعد تلبیہ پکارے اور چاہے تو اس وقت پکارے جب اونٹ اسے لے کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ ہر صورت اچھی ہے اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔
ابن عمرؓ کو چونکہ خوب معلوم تھا کہ حضورؐ نے احرام مسجد ذی الحلیفہ سے باندھا تھا۔ لہٰذا جن لوگوں کا خیال تھا کہ بیداء سے باندھا تھا، ان کی تغلیط کی ہے۔ کذب سے مراد یہاں خلاف واقعہ بات کہنا ہے گو قصداً نہ ہو۔ اصحاب رسول کی طرف عمداً جھوٹ کی نسبت جائز نہیں۔ حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے بیداء سے تلبیہ پکارا تھا۔ اوپر ابن عباسؓ کا قول گزرا ہے جس سے دونوں احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔

۴۰۹- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ. رَأَيْتُكَ تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ: وَمَا هُنَّ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ؟ فَقَالَ: رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ. وَرَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ. وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ. وَرَأَيْتُكَ، إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ، أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ، وَلَمْ تُهْلِلْ أَنْتَ حَتّٰى يَكُونَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: أَمَّا الْأَرْكَانُ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ. وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ، فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ، وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا. وَأَمَّا الصُّفْرَةُ، فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا. فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَصْبُغَ بِهَا. وَأَمَّا الْإِهْلَالُ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

ترجمہ: عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا، اے ابو عبدالرحمٰن! میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے دیکھا ہے جو میں نے آپ کے دوستوں میں سے کسی اور کو کرتے نہیں دیکھا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ اے ابن جریج! وہ کون سی چیزیں ہیں؟ اس نے کہا کہ میں نے آپ کو کعبہ کے ارکان میں سے صرف دو یمانی ارکان چھوتے دیکھا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ کو بغیر بال کی کھال کے جوتے پہنتے دیکھا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ جب مکہ میں ہوں تو لوگ ہلال دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے ہیں اور آپ آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ جہاں تک ارکان کا سوال ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف یمانی ارکان کا استلام کرتے دیکھا ہے۔ اور جہاں تک بے بال کے جوتوں کا تعلق ہے، سو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جوتے پہنتے دیکھا تھا۔ جن میں بال نہ تھے۔ اور انہی میں آپؐ وضو کرتے تھے۔ اس لئے میں ان کو پہننا چاہتا ہوں۔ جہاں تک زرد رنگ کا تعلق ہے، سو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رنگ کا خضاب کرتے دیکھا تھا۔

اور جہاں تک احرام کا تعلق ہے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک احرام باندھتے نہیں دیکھا تھا جب تک آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی نہ ہو جاتی۔ (یہ حدیث مؤطا ئے امام محمد میں باب استلام الرکن میں ہے۔)

شرح: رکن یمانی جو یمن کی طرف ہے اور رکن عراقی جو عراق کی طرف ہے۔ کعبہ کی یہ دونوں اطراف ارکان یمانی کہلاتے ہیں۔ اور دوسرے دو اطراف کو شامی ارکان کہا جاتا ہے۔ حجرا سود جس دیوار میں ہے، وہی رکن عراقی ہے۔ سبتی اس کھال کو کہتے ہیں جو دباغت کے ذریعے کمائی گئی ہو اور اس کے بال اتار دیئے گئے ہوں۔ عربوں کی عادت یہ تھی کہ وہ بالعموم غیر کمائی ہوئی (غیر مدبوغ) کھال کے جوتے پہنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس سے زیادہ سفید بال نہ تھے، پھر خضاب سے کیا مراد ہے؟ شاید انہی بالوں کو یا کسی کپڑے کو زرد رنگ میں رنگا ہو۔ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ والے اپنے اونٹوں کو پانی پلاتے تھے۔ اور آگے چونکہ حج کی مصروفیات آنے والی ہوتی تھیں۔ لہذا پانی کا خزانہ جمع کر لیتے تھے۔ اور اسے منیٰ اور عرفہ میں لے جاتے تھے۔ کیونکہ وہاں پانی کا انتظام نہ تھا۔ ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہو کر کعبہ کی طرف چلنے کی مشابہت اس بات میں پیدا کی کہ وہ آٹھویں کو سوار ہو کر منیٰ کی طرف جاتے۔ پہلی ذی الحجہ کو احرام باندھا جائے (یعنی مکہ میں) یا آٹھویں کو، دونوں طرح جائز ہے۔ اور اختلاف صرف افضلیت میں ہے۔

شامی ارکان چونکہ ابراہیمی بنیادوں پر نہ رہے تھے۔ لہذا ابن الزبیرؓ نے جب کعبہ کی از سر نو تعمیر کی اور حطیم کو کعبہ کے اندر داخل کیا تو وہ تمام ارکان کا استلام کرتے تھے۔ بعد میں امویوں نے پھر اسے گرا کر از سر نو تعمیر کی اور پہلی صورت پر کر دیا۔ لہذا ان ارکان کا استلام نہ کیا جاتا تھا۔ یہ اختلاف صرف عصر اول میں تھا۔ اب بھی اگر کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر کیا جائے تو تمام ارکان کو مس کیا جائے گا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور عام فقہا کا یہی قول ہے کہ رکن یمانی اور حجر اسود کو بوسہ دیا جائے۔

۷۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي فِي مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيَرْكَبُ. فَإِذَا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، أَحْرَمَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ مسجد ذی الحلیفہ میں نماز پڑھتے تھے۔ پھر باہر نکل کر سوار ہوتے، پس جب سواری انہیں لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو وہ احرام باندھتے۔ (یعنی تلبیہ شروع کر دیتے تھے۔)

۷۴۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ، حِينَ اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ. وَأَنَّ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ، أَشَارَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبدالملک بن مروان نے مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھا جب کہ سواری اسے لے کر چلنے کو سیدھی ہو گئی (تو تلبیہ کہا) اور ابان بن عثمان نے اسے یہ مسئلہ بتایا تھا۔

شرح: یہ اختلاف پیچھے گزر چکا ہے کہ احرام باندھنے کا محل آیا مسجد ہے کہ اس ہی دو رکعت پڑھ کر تلبیہ شروع کیا جائے یا بیدا کا مقام جو مسجد کے قریب واقع تھا اور اس میں صحابہؓ کے زمانے سے اختلاف رہا ہے۔ اوپر گزر چکا کہ ابن عباسؓ نے اس مسئلہ میں جو بات کہی، اس سے دونوں قسم کی احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔

۱۰۔ بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالْاِهْلَالِ

بآوازِ بلند تلبیہ کہنے کا باب

تلبیہ بآوازِ بلند کہنا مستحب ہے اور ابو حنیفہؒ، ثوریؒ، شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ مالکؒ سے مختلف روایتیں ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ کہے بلکہ آہستہ کہے۔ ظاہر یہ کے نزدیک تلبیہ مردوں کے لئے بآوازِ بلند کہنا واجب ہے۔

۴۳۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ الْاَنْصَارِیِّ، عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ. فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِیْ، اَوْ مَنْ مَعِیَ، اَنْ یَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِیَةِ اَوْ بِالْاِهْلَالِ" یُرِیْدُ اَحَدَهُمَا۔

ترجمہ: السائبؓ بن خلاد بن سُوید انصاری خزرجی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا کہ میں اپنے اصحاب کو یا اپنے ساتھ والوں کو تلبیہ کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کرنے کا حکم دوں یا اہلال کے ساتھ (یعنی حضورؐ نے "تلبیہ یا اہلال" میں سے ایک لفظ بولا تھا، راوی کو شک ہے۔)

شرح: یہ حدیث مؤطا ئے امام محمد میں مروی ہے۔ باب رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِیَةِ میں، اور امام محمدؒ نے اس پر لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ تلبیہ کو بآوازِ بلند کہنا افضل ہے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۴۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ اَهْلَ الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ: لَیْسَ عَلَى النِّسَاءِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِیَةِ. لِتُسْمِعِ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا یَرْفَعُ الْمُحْرِمُ بِالْاِهْلَالِ فِیْ مَسَاجِدِ الْجَمَاعَاتِ. لِیُسْمِعْ نَفْسَهٗ وَمَنْ یَلِیْهِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ مِنًى. فَاِنَّهٗ یَرْفَعُ صَوْتَهٗ فِیْهِمَا۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ یَسْتَحِبُّ التَّلْبِیَةَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ، وَعَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْاَرْضِ۔

ترجمہ: مالکؒ نے علماء کو یہ کہتے سُنا تھا کہ عورتوں کے لئے یہ حکم نہیں کہ تلبیہ بلند آواز سے کہیں۔ بلکہ عورت اپنے آپ کو ہی سُنائے۔

شرح: گو اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ آیا عورت کی آواز بھی عورت (پردے کی چیز) ہے یا نہیں۔ مگر اس بات

میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عورت کی آواز فتنہ ضرور ہے لہٰذا تلبیہ کے لئے ان کو حکم ہے کہ با آواز بلند نہ کہیں۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ مُحرِم منیٰ کی مسجد اور مسجدِ حرام کے سوا کسی اور مسجد میں، جہاں جماعت ہوتی ہو، بآوازِ بلند تلبیہ نہ کہے۔ وہ خود اپنے آپ کو اور اپنے پاس والوں کو سُنائے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے بعض اہلِ علم سے سُنا تھا کہ ہر نماز کے بعد اور زمین کی ہر اونچی جگہ پر تلبیہ مستحب ہے۔

شرح: امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے کہ مسجد حرام اور مسجدِ منیٰ کے سوا کسی اور مسجد میں تلبیہ بلند آواز سے نہ کہا جائے تاکہ نمازیوں کے لئے باعثِ تشویش نہ ہو مسجدیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز کے لئے بنائی جاتی ہیں اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔ یہ آوازِ بلند سے کہنا ان کا اصلی مقصد نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مسجد میں تلبیہ بآوازِ بلند کہا جائے۔ امام احمدؒ کا مسلک اس باب میں جمہور کے موافق ہے۔

١١- بَابُ اِفْرَادِ الْحَجِّ

مفرد حج ادا کرنے کا باب

حج کا احرام تین طرح پر ہے۔ تمتع، افراد اور قِران۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ حاجی جونسا احرام چاہے باندھ سکتا ہے۔ اختلاف صرف افضل میں ہے۔ حنابلہ کے نزدیک تمتع افضل ہے پھر افراد اور پھر قِران۔ حافظ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ جو قربانی ساتھ لے کر جائے اس کے لئے قِران افضل ہے ورنہ تمتع۔ اور یہی مذہب ابن تیمیہ کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک افراد افضل ہے، پھر تمتع اور پھر قِران۔ مالکیہ کے نزدیک افضلیت کی ترتیب یہ ہے۔ افراد، قِران، تمتع۔ حنفیہ کے نزدیک قِران افضل ہے۔ پھر تمتع اور پھر افراد۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا تعلق ہے، امام نوویؒ شافعیؒ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضورؐ نے پہلے افراد کا احرام باندھا۔ پھر عمرہ کو حج میں داخل کرکے اسے قِران بنا لیا تھا۔ یہی بات قاضی عیاض مالکیؒ اور حافظ ابن حجرؒ شافعیؒ نے لکھی ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قِران تھا۔

٧٤٥- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ۔ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ۔ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ۔ وَأَهَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ۔ فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ، فَحَلَّ۔ وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ، أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَلَمْ يَحِلُّوا۔ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم آخری حج کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج اور عمرہ دونوں کا اور بعض نے صرف حج کا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا۔ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، انہوں نے

احرام کھول دیا اور جنھوں نے حج کا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا ۔ انہوں نے احرام نہ کھولا حتیٰ کہ قربانی کا دن (۱۰ ذی الحجہ) آگیا
شرح: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو مدینہ سے گئے تھے (مع اطراف و جوانب کے) ان کی تعداد بیہقی نے نوّے ہزار ، اور ایک قول کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار لکھی ہے ۔ بعض نے اس سے بھی زیادہ تعداد بتائی ہے ۔ زرقانی نے کہا کہ ان میں مکہ والوں اور یمن سے علیؓ اور ابو موسیٰؓ کے ساتھ آنے والوں کی تعداد ملائی جائے تو عدد بہت بڑھ جاتا ہے ۔ بقول علامہ القاریؒ بعض کے نزدیک یہ تعداد ایک لاکھ تیس ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار تھی ۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ غزوہ تبوک کے شرکا کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی اور حجۃ الوداع تو اس کے بعد ہوا تھا ۔ اوپر قاضی عیاض مالکیؒ ، امام نووی شافعیؒ اور حافظ ابن حجر شافعیؒ کی تحقیق کا ذکر گزر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قران (حج و عمرہ ہر دو) ادا کیا تھا ۔ دراصل آپؐ نے شروع ہی سے قران کا احرام باندھا تھا ۔ مگر چونکہ قران کرنے والے کو اجازت ہے کہ تلبیہ میں حج و عمرہ ہر دو کا یا ان میں سے ایک کا ذکر کرے ۔ لہٰذا بعض لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ سے غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے سمجھا کہ آپؐ نے حج مفرد کیا تھا ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی یہی سمجھا ہوگا کہ حضورؐ کا احرام فقط حج کے لئے ہے ۔ بقیہ گفتگو آگے آئے گی ۔

۷۴۶ ۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ ۔

ترجمہ: القاسم نے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مفرد کیا تھا ۔
شرح: حافظ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ کا یہ قول ، اَفْرَدَ الْحَجَّ کے تین مطلب لئے جا سکتے ہیں ۔ (۱) تلبیہ میں صرف حج کا نام لیا تھا ۔ (۲) حج کے اعمال کو عمرہ کے اعمال سے الگ ادا کیا تھا ۔ (۳) حضورؐ نے ایک ہی حج کیا برخلاف عمرہ کے کہ وہ چار مرتبہ ادا فرمایا تھا ۔ شیخ الحدیث کاندھلویؒ نے فرمایا کہ دوسرا معنی حنفی مسلک کے عین مطابق ہے کہ قارن دو طواف کرے ۔ دو بار سعی کرے اور اعمالِ حج کو اعمالِ عمرہ سے الگ ادا کرے ۔

۷۴۷ ۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ ۔

ترجمہ: عروہ نے عائشہ اُم المؤمنینؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے حج مفرد ادا فرمایا تھا ۔
شرح: امام نووی نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ کا مفرد حج کے متعلق استدلال جابرؓ ، ابن عمرؓ ، ابن عباسؓ اور عائشہؓ کی صحیح احادیث سے ہے ۔ تمتع کے قائلین نے ابن عمرؓ ، عائشہؓ اور عمران بن حصینؓ کی احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں تمتع کا لفظ وارد ہے ۔ محقق ابن الہمامؒ کے قول کے مطابق صحابہ کی اصطلاح میں قران اور تمتع بالعموم ایک دوسرے کے معنوں میں استعمال ہوتے رہے ہیں ۔ لہٰذا تفصیل دیکھنی چاہیئے کہ اگر ان حضرات نے تمتع (یا متعہ یا متعۃ الحج) کے الفاظ بولے تھے ۔ تو وہ اس کی تفصیل کیا کرتے ہیں ۔ تاکہ ان کی مراد کھل سکے ۔ صحیحین میں انسؓ کی حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ کرتے سنا تھا ۔ (انسؓ کی عمر اس وقت ۲۰ برس تھی ۔ انس کی قران کی حدیث روایت کرنے والے ۱۶ راوی ہیں انسؓ سفر و حضر میں حضورؐ کے خادم تھے ۔ اور ان بعض روایات میں صراحت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی

مہار پکڑے ہوئے تھا۔ وہ جگالی کرتی تھی اور اس کی جھاگ میرے ہاتھ پر بہتی تھی۔ اور آپ فرماتے تھے لبیک حج اور عمرہ کے ساتھ۔ اس مضمون پر مزید تفصیلی کلام کے لئے دیکھیے فضل المعبود شرح سنن ابی داؤد۔

۷۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ، مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ مُفْرَدٍ، ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُهِلَّ بَعْدَهُ بِعُمْرَةٍ، فَلَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ الَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم کو یہ کہتے سنا کہ جس نے حج مفرد کا احرام باندھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کے ساتھ عمرہ کو بھی ملائے تو وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ مالکؒ نے کہا یہی وہ قول ہے جس پر میں نے اپنے شہر کے لوگوں کو پایا۔

شرح: نوویؒ نے کہا کہ جمہور علما اس بات پر متفق ہیں کہ حج کو عمرہ پر داخل کرنا جائز ہے اور جنھوں نے اس کے خلاف کہا، ان کا قول شاذ ہے۔

۱۲۔ بَابُ الْقِرَانِ فِي الْحَجِّ

حج میں قران کرنے کا بیان

۷۴۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ دَخَلَ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ بِالسُّقْيَا۔ وَهُوَ يَنْجَعُ بَكَرَاتٍ لَهُ دَقِيقًا وَخَبَطًا۔ فَقَالَ: هٰذَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَنْهَى عَنْ أَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ۔ فَخَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَلَى يَدَيْهِ أَثَرُ الدَّقِيقِ وَالْخَبَطِ۔ فَمَا أَنْسَى أَثَرَ الدَّقِيقِ وَالْخَبَطِ عَلَى ذِرَاعَيْهِ، حَتَّى دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ۔ فَقَالَ: أَنْتَ تَنْهَى عَنْ أَنْ يُقْرَنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؟ فَقَالَ عُثْمَانُ: ذٰلِكَ رَأْيِي۔ فَخَرَجَ عَلِيٌّ مُغْضَبًا، وَهُوَ يَقُولُ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ مَعًا۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا، أَنَّ مَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهِ شَيْئًا، وَلَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ، حَتَّى يَنْحَرَ هَدْيًا۔ إِنْ كَانَ مَعَهُ۔ وَيَحِلُّ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ۔

ترجمہ: جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ مقداد بن الاسودؓ سقیا کے مقام پر علی بن ابی طالبؓ کے پاس گئے اور وہ اس وقت اپنی جوان اونٹنیوں کو آٹا اور پتے کھلا رہے تھے۔ مقداد نے ان سے کہا کہ یہ عثمان بن عفانؓ حج اور عمرہ میں قران کو منع کرتے ہیں۔ علی بن ابی طالبؓ باہر نکلے۔ اس حال میں کہ ان کے ہاتھوں پر آٹے اور پتوں کے نشان تھے۔ پس میں ان کے بازوؤں

پڑ آنے اور پیتوں کے نشان بھول نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ وہ عثمان بن عفانؓ کے پاس داخل ہوئے اور کہا، آپ حج اور عمرہ کے قران سے منع کرتے ہیں؟ پس حضرت عثمانؓ نے کہا کہ وہ میری رائے ہے۔ پس علیؓ ناراضگی کے ساتھ باہر نکلے اور کہہ رہے تھے۔ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ بِحَجَّۃٍ وَعُمْرَۃٍ مَعًا۔ (یعنی انہوں نے قران کے تلبیہ کا اعلان کیا۔)

مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ جو شخص حج اور عمرہ کا قران کرے، وہ اپنے بالوں کو نہ کاٹے اور کسی چیز سے حلال نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگر اس کے ساتھ ہدی کا جانور ہو تو، تو ۱۰ ذی الحجہ کو اسے منیٰ میں ذبح کرے۔

شرح: حضرت عثمانؓ کی ممانعت کا منشا شاید یہ تھا کہ قران میں مشقت ہوتی ہے۔ ایک طویل احرام لوگوں کے لئے باعث تکلیف ہوگا اور اسی کا بدل تمتع اور افراد موجود ہے۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے باصرار کہا کہ قران سنت ہے (نسائی) تو حضرت عثمانؓ خاموش رہے۔ گویا انہوں نے علیؓ کا قول قبول کر لیا۔ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق ہی باقی ائمہ ثلاثہ اور جمہور کا قول ہے۔

۷۵۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، خَرَجَ اِلَی الْحَجِّ۔ فَمِنْ اَصْحَابِهٖ مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ۔ وَمِنْهُمْ مَنْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ۔ وَمِنْهُمْ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ۔ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ، اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ یَحْلِلْ۔ وَاَمَّا مَنْ كَانَ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلُّوْا۔

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ آخری حج کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپؐ کے اصحاب میں سے بعض نے حج کا احرام باندھا۔ اور بعض نے حج اور عمرہ کو جمع کیا اور بعض نے عمرہ کا احرام باندھا۔ جن لوگوں نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا تو انہوں نے احرام نہ کھولا اور جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، انہوں نے (عمرہ کے بعد) احرام کھول دیا۔

شرح: اُم المؤمنین عائشہؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ جو لوگ ہدی لے کر آئے تھے انہوں نے یوم النحر تک احرام نہ کھولا اور جن کے پاس ہدی نہ تھی، انہوں نے حضورؐ کے حکم سے احرام کھول دیا۔ اس حدیث سے وضاحت کے ساتھ قران کی مشروعیت ثابت ہوئی۔ یہ روایت مؤطائے محمد میں بھی ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا اور عام فقہا کا اس پر عمل ہے۔ اور یہی ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۷۵۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ: مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ ثُمَّ بَدَا لَهٗ اَنْ یُّهِلَّ بِحَجٍّ مَعَهَا، فَذٰلِكَ لَهٗ۔ مَا لَمْ یَطُفْ بِالْبَیْتِ، وَبَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ وَقَدْ صَنَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ حِیْنَ قَالَ: اِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَیْتِ صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ: مَا اَمْرُهُمَا اِلَّا وَاحِدٌ۔ اُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ اَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَقَدْ أَهَلَّ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ
ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ، فَلْيُهْلِلْ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ
ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا"۔

ترجمہ: مالکؒ نے بعض علما کو یہ کہتے سُنا کہ جو شخص عمرہ کا احرام باندھے پھر اسے خیال آئے، اس کے ساتھ حج کا احرام بھی باندھ لے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ جب تک کہ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی نہ کرے اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہی کیا تھا۔ جب کہ انہوں نے کہا کہ اگر مجھے بیت اللہ تک جانے سے روکا گیا تو ہم ویسا ہی کریں گے۔ جیسا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ پھر عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ ان دونوں کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حج کو عمرہ کے ساتھ واجب کر لیا ہے۔ (ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔)
امام مالکؒ نے کہا کہ حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس قربانی کا جانور ہے وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام بھی باندھے۔ پھر احرام نہ کھولے، جب تک کہ ان دونوں کے اعمال سے فارغ نہ ہو لے۔ (یعنی دسویں ذی الحجہ کو)۔

شرح: ہدی ساتھ لے جانے والے کے لئے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام کھولنا جائز نہیں یعنی اگر وہ تمتع بھی کرے تو ہدی ساتھ ہونے کے باعث یوم النحر تک احرام نہ کھولے۔ مؤطا امام محمد میں عبداللہ بن عمرؓ کی یہ مذکورہ روایت أَخْبَرَنَا مَالِكٌ أَخْبَرَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ خَرَجَ فِي الْفِتْنَةِ الخ کے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ اور آگے بھی بعض الفاظ کا اضافہ ہے۔ فتنے سے مراد حجاج کا محاصرہ تھا۔ جو اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کر رکھا تھا۔ اس کا ذکر بخاری و مسلم کی بعض احادیث میں بھی ہے۔

۱۳۔ بَابُ قَطْعِ التَّلْبِيَةِ

تلبیہ کو قطع کرنے کا باب

ابن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ، الفضل بن عباسؓ سے کئی صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۃ العقبہ کی رمی تک تلبیہ جاری رکھی تھا۔ پس مذہب ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، ثوریؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک تلبیہ یوم عرفہ کے زوال آفتاب تک ہے اور یہ حضرت عائشہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور علیؓ کی احادیث سے ثابت ہے۔ امام طحاوی نے ان مختلف آثار و احادیث کو اس طرح جمع کیا ہے کہ یوم عرفہ کو جن لوگوں نے تلبیہ ترک کیا تھا وہ دوسرے اوراد و ادعیہ میں مشغولیت کے باعث تھا۔

۷۵۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ: أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وسلم: قَالَ: كَانَ يُهِلُّ الْمُهِلُّ مِنَّا، فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ، فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: محمد بن ابی بکر ثقفی نے انس بن مالکؓ سے پوچھا، جب کہ وہ دونوں منیٰ سے عرفہ کو جا رہے تھے کہ آپ لوگ آج کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ انسؓ نے کہا کہ جو چاہتا تلبیہ کہتا اور اسے کچھ نہ کہا جاتا اور جو چاہتا تکبیر کہتا اور اسے کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ (یہ حدیث موطائے محمد میں بھی اسی نام کے باب میں ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارا قول مختار یہی ہے کہ عرفہ کے دن تلبیہ ہی واجب ہے لیکن کسی حال تکبیر کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور تلبیہ اپنے مقام پر ہوتا ہے۔ طیبی نے کہا ہے کہ تلبیہ جمرۃ العقبہ کی رمی تک جاری رہتا ہے۔ مگر دوسرے اذکار کی مانند تکبیر بھی جائز ہے۔ منذری نے کہا ہے کہ صریح دلیل اس پر قائم ہے کہ عرفہ کے دن تلبیہ افضل ہے۔ کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس دن تلبیہ کی معاونت ثابت ہے۔ ہاں اگر تلبیہ کہنے والا اس میں کہیں تکبیر بھی داخل کر دے تو حرج نہیں۔ بخاری نے بعض احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک باب کے عنوان میں عرفہ کے دن تلبیہ اور تکبیر دونوں کا ذکر کیا ہے۔ احمدؒ، ابن ابی شیبہؒ اور طحاویؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن تلبیہ نہیں چھوڑا اور اسے جمرہ کی رمی تک جاری رکھا۔ مگر کبھی کبھی اس میں تکبیر کو داخل کر دیا تھا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کی طرف طحاوی کا اشارہ اوپر مذکور ہوا۔

۵۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ كَانَ يُلَبِّيْ فِي الْحَجِّ. حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ۔

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ الْأَمْرُ الَّذِيْ لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

ترجمہ: جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ علی بن ابی طالبؓ حج میں تلبیہ کہتے تھے، حتیٰ کہ عرفہ کے دن جب سورج زائل ہو جاتا تو تلبیہ کو قطع کرتے تھے۔ مالکؒ نے کہا کہ یہی وہ امر ہے جس پر ہمارے شہر کے اہل علم ہمیشہ سے عمل پیرا رہے ہیں۔

شرح: یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ محمدؒ الباقر نے حضرت علیؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ امام مالکؒ نے اس اثر پر عمل کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے خود وضاحت کی ہے۔ مگر اوپر گزرا کہ دیگر حضرات صحیح احادیث کی بنا پر جمرۂ عقبہ کی رمی تک تلبیہ کے قائل ہیں۔

۵۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَتْرُكُ التَّلْبِيَةَ إِذَا رَجَعَتْ إِلَى الْمَوْقِفِ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ جب موقف کی طرف جاتیں تو تلبیہ ترک کر دیتی تھیں۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ جناب عائشہؓ اور علیؓ اور سعدؓ کا یہی مذہب تھا) یہ حدیث امام محمدؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے۔

۵۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْحَجِّ إِذَا

انْتَهٰى إِلَى الْحَرَمِ. حَتّٰى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ. وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. ثُمَّ يُلَبِّي حَتّٰى يَغْدُوَ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ فَإِذَا غَدَا تَرَكَ التَّلْبِيَةَ. وَكَانَ يَتْرُكُ التَّلْبِيَةَ فِي الْعُمْرَةِ، إِذَا دَخَلَ الْحَرَمَ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ حج میں جب حرم تک پہنچتے تو تلبیہ موقوف کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ بیت اللہ طواف کرتے اور صفا و مروہ میں سعی کرتے۔ پھر جب منیٰ سے عرفات کو جاتے تو تلبیہ کہتے۔ یعنی چلنے سے پہلے تک۔ جب چلنا شروع کرتے تو تلبیہ ترک کر دیتے تھے۔ اور عمرہ میں جب حرم کے اندر داخل ہوتے تو تلبیہ ترک کر دیتے تھے۔ (یہ اثر بھی موطائے محمد میں مروی ہے اور اس سے حضرت ابن عمرؓ کا مذہب ظاہر ہوتا ہے۔)

۷۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَا يُلَبِّي وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ.

ترجمہ: ابن شہابؒ کہتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ بیت اللہ کے طواف کے دوران میں تلبیہ نہ کہتے تھے۔

شرح: ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کے طریق سے اس کے برعکس روایت کی ہے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ آیا حالت طواف میں تلبیہ کہیں یا نہ کہیں۔ امام مالکؒ کے مذہب کی روایات اس میں مضطرب ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک طواف میں تلبیہ نہ کہا جائے بلکہ دیگر اذکار کا ورد رکھیں۔ حنفیہ تلبیہ اور اذکار و ادعیہ کو جمع کرنے کے قائل ہیں۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جو شخص حج مفرد یا قران کا احرام باندھے، وہ یوم النحر میں جمرہ کو پہلی کنکری مارنے تک تلبیہ جاری رکھے اور پھر تلبیہ قطع کرے۔ اور جو صرف عمرہ کا احرام باندھے تو طواف میں رکن کے استلام تک تلبیہ کہے۔ ابن عباسؓ اور دوسرے بزرگوں کے آثار میں بھی آیا ہے اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ امام احمدؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ طوافِ قدوم میں تلبیہ جاری رکھا جائے۔

۷۵۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَنْزِلُ مِنْ عَرَفَةَ بِنَمِرَةَ. ثُمَّ تَحَوَّلَتْ إِلَى الْأَرَاكِ.

قَالَتْ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تُهِلُّ مَا كَانَتْ فِي مَنْزِلِهَا. وَمَنْ كَانَ مَعَهَا، فَإِذَا رَكِبَتْ، فَتَوَجَّهَتْ إِلَى الْمَوْقِفِ، تَرَكَتِ الْإِهْلَالَ.

قَالَتْ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَعْتَمِرُ بَعْدَ الْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ فِي ذِي الْحِجَّةِ. ثُمَّ تَرَكَتْ ذٰلِكَ فَكَانَتْ تَخْرُجُ قَبْلَ هِلَالِ الْمُحَرَّمِ، حَتّٰى تَأْتِيَ الْجُحْفَةَ فَتُقِيمَ بِهَا حَتّٰى تَرَى الْهِلَالَ. فَإِذَا رَأَتِ الْهِلَالَ أَهَلَّتْ بِعُمْرَةٍ.

ترجمہ: عائشہ اُم المؤمنینؓ سے روایت ہے کہ وہ عرفہ میں نمرہ کے مقام پر اُترتی تھیں۔ پھر وہ اراک کے مقام کی طرف منتقل

ہو گئیں ۔ ام علقمہ راویہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی جب تک اپنی منزل میں رہتیں وہ تلبیہ کہتیں اور وہ بھی جو ان کے ساتھ ہوتیں ۔ پھر جب وہ سوار ہوتیں اور موقف کی طرف متوجہ ہوتیں تو تلبیہ ترک کر دیتیں ۔ راویہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی حج کے بعد ذی الحجہ میں مکہ ہی سے عمرہ ادا کرتی تھیں ۔ پھر انہوں نے اسے ترک کر دیا ۔ پس وہ محرم کا چاند ہونے سے مدینہ سے نکلتیں حتیٰ کہ جحفہ میں آتیں اور وہیں مقیم رہتیں ، حتیٰ کہ نیا چاند دیکھتیں ۔ پس چاند دیکھ کر عمرہ کا احرام باندھ لیتیں ۔ (یہ اثر موطا امام محمد ؒ میں بھی مروی ہے ۔)

شرح : امام محمد ؒ نے کہا جو حج مفرد یا قران کا احرام باندھے تو جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہے پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ قطع کر دے ذی الحجہ کی دس تاریخ کو ۔ اور جو عمرہ کا احرام باندھے تو رکن کا استلام کرنے تک تلبیہ کہے ۔ اسی مضمون میں آثار وارد ہوئے ہیں حضرت ابن عباس رضی اور دیگر حضرات سے ۔ اور یہی قول ابو حنیفہ ؒ اور ہمارے عام فقہا کا ہے ۔

نمرہ ایک جگہ کا نام ہے جو عرفات میں داخل ہے ۔ لیکن شارحین کے نزدیک وہ عرفات سے باہر ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمرہ کے مقام پر نازل ہوئے تھے ۔ جس سے اس کا عرفات میں داخل ہونا بیان ہوا ہے اور اراک بھی عرفات میں داخل ہے ۔ جس . من ام المومنین نے نمرہ کو ترک کر کے منزل اختیار فرمائی ۔ کیونکہ نمرہ میں لوگوں کا اژدحام ہونے لگا تھا ۔

صرف عمرہ ادا کرنے کی خاطر وطن سے سفر کر کے جانا بہر حال افضل و اعلیٰ ہے ۔

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ غَدَا يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ مِنًى . فَسَمِعَ التَّكْبِيْرَ عَالِيًا . فَبَعَثَ الْحَرَسَ يَصِيْحُوْنَ فِي النَّاسِ ، اَيُّهَا النَّاسُ . اِنَّهَا التَّلْبِيَةُ .

ایضاً ترجمہ : عمر بن عبد العزیز نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفہ کو چلے تو بلند آواز سے تکبیر کی آواز سنی ۔ پس آپ نے پولیس والوں کو بھیجا اور وہ لوگوں میں چیخ کر کہتے تھے ، اے لوگو تلبیہ کہو ۔

شرح : یعنی اس دن کا وظیفہ تلبیہ ہے ۔ پیچھے جو حدیث انس رضی میں تلبیہ کے اندر تکبیر کا ذکر ہوا وہ جواز پر مبنی ہے ۔ اسے ایک بار پھر دیکھ لیا جائے ۔

۱۴ ۔ بَابُ اِهْلَالِ اَهْلِ مَكَّةَ وَمَنْ بِهَا مِنْ غَيْرِهِمْ

اہل مکہ کا احرام اور وہ جو مکہ میں ہوں ان کا احرام

۵۷ ۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ ، عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، قَالَ : يَا اَهْلَ مَكَّةَ . مَا شَانُ النَّاسِ يَاْتُوْنَ شُعْثًا وَاَنْتُمْ مُدَّهِنُوْنَ ؟ اَهِلُّوْا اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ .

ترجمہ : القاسم (بن محمد ؒ) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے مکہ والو ! یہ کیا بات ہے کہ لوگ تو پراگندہ بال آئیں اور تم تیل ملے ہوئے ہو ۔ جب تم چاند دیکھو تو احرام باندھ لو ۔

شرح : یہاں یہ اثر منقطع ہے مگر ابن المنذر نے اسے موصول بیان کیا ہے ۔ اہل مکہ سے مراد وہ سب لوگ ہیں جو مکہ میں رہتے ہوں ، خواہ مکی ہوں یا باہر کے رہنے والے ۔ ان کے لئے افضل یہی ہے کہ یکم ذی الحجہ سے احرام باندھیں ۔ یہی قول

امام مالکؒ، ابوحنیفہؒ، ابوثورؒ، اور ایک جماعت کا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اہل مکہ کے لیے ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھنا افضل ہے۔ عام صحابہؓ اور تابعین کا مختار پہلا قول ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں اس اثر کو روایت کر کے فرمایا ہے کہ در باب تعجیل الاہلال احرام میں جلدی کرنا تاخیر کی نسبت بہتر ہے۔ جب کہ تم اپنے اوپر کنٹرول رکھ سکو۔ یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۷۵۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَقَامَ بِمَكَّةَ تِسْعَ سِنِيْنَ. يُهِلُّ بِالْحَجِّ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ. وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ مَعَهُ يَفْعَلُ ذٰلِكَ.

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ، وَإِنَّمَا يُهِلُّ أَهْلُ مَكَّةَ وَغَيْرُهُمْ بِالْحَجِّ إِذَا كَانُوا بِهَا. وَمَنْ كَانَ مُقِيمًا بِمَكَّةَ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهَا مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْحَرَمِ.

قَالَ يَحْيٰى، قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ أَهَلَّ مِنْ مَكَّةَ وَغَيْرُهُمْ بِالْحَجِّ. فَلْيُؤَخِّرِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى. وَكَذٰلِكَ صَنَعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ مِنْ مَكَّةَ. لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ كَيْفَ يَصْنَعُ بِالطَّوَافِ؟ قَالَ: أَمَّا الطَّوَافُ الْوَاجِبُ، فَلْيُؤَخِّرْهُ. وَهُوَ الَّذِي يَصِلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَلْيَطُفْ مَا بَدَا لَهُ. وَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ. كُلَّمَا طَافَ سُبْعًا. وَقَدْ فَعَلَ ذٰلِكَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ أَهَلُّوا بِالْحَجِّ. فَأَخَّرُوا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتّٰى رَجَعُوا مِنْ مِنًى. وَفَعَلَ ذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ. فَكَانَ يُهِلُّ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ، بِالْحَجِّ مِنْ مَكَّةَ. وَيُؤَخِّرُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، وَالسَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى.

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ. هَلْ يُهِلُّ مِنْ جَوْفِ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ؟ قَالَ: بَلْ يَخْرُجُ إِلَى الْحِلِّ فَيُحْرِمُ مِنْهُ.

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نو ۹ سال مکہ میں رہے۔ ذی الحجہ کا چاند دیکھ کر حج کا احرام باندھتے تھے۔ اور عروہ بن زبیرؒ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کرتا تھا۔ (عبداللہ بن زبیرؓ کا دورِ خلافت یزید کی موت ۶۴ھ سے لے کر ۷۳ھ تک تھا) مالکؒ نے کہا کہ مکہ کے باشندے جب مکہ میں ہوں اور وہ لوگ جو مکہ میں مقیم ہوں، گو اہل مکہ نہ ہوں وہ حرم سے نہ نکلیں۔ بلکہ مکہ کے اندر سے ہی احرام باندھیں۔ (مسجد حرام سے احرام افضل ہے اور حرم کے اندر سے جہاں چاہیں، دا)

باندھ سکتے ہیں۔)

مالکؒ نے کہا کہ جو مکہ سے حج کا احرام باندھے وہ بیت اللہ کے طواف اور صفا مروہ کی سعی کو اس وقت تک مؤخر کرے جب تک کہ منیٰ سے واپس ہو۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (اس طواف سے مراد طوافِ افاضہ ہے جو حج کا رکن ہے۔ طوافِ قدوم باہر سے آنے والوں کے لئے ہے کہ جب مکہ میں آئیں تو تحیۃ المسجد کی مانند بیت اللہ کا طواف کریں۔ اور صفا و مروہ کی سعی بھی طوافِ بیت اللہ کے بعد ہے۔ مکی پر طوافِ افاضہ ہی واجب ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو مدینہ والے اور دوسرے آفاقی لوگ (ذی الحجہ کے چاند کے وقت مکہ میں ہوں اور وہ ذی الحجہ کے ہلال کے ساتھ مکہ سے احرام باندھیں تو طواف کا کیا کریں؟ مالکؒ نے کہا کہ وہ لوگ واجب طواف (طواف افاضہ) کو مؤخر کریں اور یہی وہ طواف ہے جس کے ساتھ آدمی صفا و مروہ کی سعی کو ملاتا ہے۔ یہ لوگ نفلی طواف جتنے چاہیں کریں اور ہر طواف (سات شوط) کے بعد دو رکعت نماز بھی پڑھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جب کہ مکہ سے ہی حج کا احرام باندھا تھا (بیت اللہ کے طواف (واجب طواف یعنی افاضہ) کو مؤخر کیا تھا۔ اور صفا مروہ کی سعی کو بھی مؤخر کیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ منیٰ سے واپس آئے تھے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے بھی یہی کیا تھا۔ اور وہ حج کا احرام مکہ میں (جب وہاں ہوتے) تو چاند دیکھ کر باندھتے تھے۔ اور بیت اللہ کا طواف (افاضہ) اور صفا و مروہ کی سعی کو منیٰ سے واپسی تک مؤخر کرتے تھے۔ (امام مالکؒ کے نزدیک نفلی طواف کے بعد سعی نہیں ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے مکہ میں ہوتے ہوئے ۸ ذی الحجہ کو بھی حج کا احرام باندھا ہے۔ جیسا کہ عبید بن جریج کی حدیث میں آیا ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا مکہ میں رہنے والا (مکی ہو یا آفاقی) عمرہ کا احرام بھی مکہ ہی سے باندھے؟ تو مالکؒ نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ اسی احرام کے لئے حِل کی طرف نکلے اور وہاں سے احرام باندھے۔ (جمہور کا یہی قول ہے۔)

۱۵۔ بَابُ مَالَا يُوجِبُ الْإِحْرَامَ مِنْ تَقْلِيدِ الْهَدْيِ

صرف ہدی بھیج دینے سے احرام واجب نہیں ہوتا

ہدی وہ اونٹ، گائے بھینس یا بھیڑ بکری ہے، جسے کعبہ کی نیاز کے طور پر حرم کی طرف لے جایا جائے۔ سلف میں اس مسئلہ میں کچھ اختلاف تھا، مگر پھر وہ دور ہو گیا اور فیصلہ یہی ٹھہرا کہ صرف ہدی کو کعبہ کی طرف روانہ کرنے سے احرام واجب نہیں ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ غیر حاجی بھی ہدی کسی کے ہاتھ بھیج سکتا ہے۔ لیکن جو شخص مناسکِ حج ادا کرنا چاہتا ہے یا عمرہ کا ارادہ کر چکا ہے تو وہ جب ہدی کو ہانک دے گا تو حنفیہ کے نزدیک احرام واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرے حضرات کا اس میں اختلاف ہے۔ پس یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں۔

۷۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ زِيَادَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ، كَتَبَ عَلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنْ أَهْدٰى هَدْيًا حَرُمَ عَلَيْهِ مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ، حَتّٰى يُنْحَرَ الْهَدْيُ. وَقَدْ بَعَثْتُ

بِهَدْيٍ. فَاكْتُبِي إِلَيَّ بِأَمْرِكِ. أَوْ مُرِي صَاحِبَ الْهَدْيِ. قَالَتْ عَمْرَةُ، قَالَتْ عَائِشَةُ: لَيْسَ كَمَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ. أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ. ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ. ثُمَّ بَعَثَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي. فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ أَحَلَّهُ اللَّهُ لَهُ، حَتَّى نُحِرَ الْهَدْيُ.

ترجمہ: زیاد بن ابی سفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف لکھا کہ عبداللہ بن عباسؓ نے کہا ہے، جو شخص ہدی بھیجے تو اس پر وہ سب کچھ حرام ہو گیا جو حاجی پر حرام ہوتا ہے، جب تک کہ وہ ہدی کو ذبح نہ کرے اور میں نے آپ کی طرف ہدی بھیجی ہے۔ پس آپ مجھے اپنا حکم لکھیں یا ہدی لانے والے کو حکم دیں۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مسئلہ وہ نہیں جو ابن عباسؓ نے بتایا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے قلادے اپنے ہاتھوں سے بٹے تھے۔ پھر آپؐ نے انہیں اپنے دست مبارک سے وہ قلادے پہنائے تھے۔ پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ چیزیں حرام نہ ہوئیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر حلال کی تھیں، حتیٰ کہ اس ہدی کو ذبح کیا گیا۔

شرح: حضورؐ نے یہ ہدی ۹ھ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ بھیجی تھی۔ جب کہ انہیں امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور خود دیگر مصروفیات کے باعث تشریف نہ لے جا سکتے تھے۔ ابن عباسؓ کے علاوہ کچھ اور اصحاب کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ تمام فقہا کا مذہب وہی ہے جو ام المؤمنینؓ نے فرمایا۔ یہ اس شخص کا بیان ہے جو خود حج کو نہ جائے مگر دوسرے کے ہاتھ ہدی بھیج دے۔ دوسرا مسئلہ جو اوپر بیان ہوا، اس کی یہ حیثیت نہیں ہے اور بعض لوگوں پر یہ بات مشتبہ رہی ہے اور انہوں نے حنفیہ کی طرف ایک غلط نسبت کر دی۔

۷۶۱- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَمْرَةَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الَّذِي يَبْعَثُ بِهَدْيِهِ وَيُقِيمُ، هَلْ يَحْرُمُ عَلَيْهِ شَيْءٌ؟ فَأَخْبَرَتْنِي أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ تَقُولُ: لَا يَحْرُمُ إِلَّا مَنْ أَهَلَّ وَلَبَّى.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے عمرہؒ بنت عبدالرحمٰن سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی ہدی بھیج دے اور خود نہ جائے، کیا اس پر کوئی چیز حرام ہوتی ہے؟ پس عمرہ نے مجھے بتایا کہ اس نے حضرت عائشہؓ کو فرماتے سُنا تھا کہ احرام صرف اس کا ہے جو احرام باندھے اور تلبیہ کہے۔ (یعنی احرام صرف نیت سے نہیں ہوتا۔ جب اس کے ضروری اعمال سرانجام نہ دیے جائیں۔ فقہائے امصار کا یہی مذہب ہے۔)

۷۶۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ

عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ، اَنَّهُ رَأٰى رَجُلًا مُتَجَرِّدًا بِالْعِرَاقِ. فَسَأَلَ النَّاسَ عَنْهُ. فَقَالُوْا: اِنَّهُ اَمَرَ بِهَدْيِهٖ اَنْ يُقَلَّدَ، فَلِذٰلِكَ تَجَرَّدَ. قَالَ رَبِيْعَةُ: فَلَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ. فَقَالَ: بِدْعَةٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ خَرَجَ بِهَدْيٍ لِنَفْسِهٖ، فَاَشْعَرَهٗ وَقَلَّدَهٗ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَلَمْ يُحْرِمْ هُوَ حَتّٰى جَاءَ الْجُحْفَةَ. قَالَ: لَا اُحِبُّ ذٰلِكَ. وَلَمْ يُصِبْ مَنْ فَعَلَهٗ. وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يُقَلِّدَ الْهَدْيَ وَلَا يُشْعِرَهٗ اِلَّا عِنْدَ الْاِهْلَالِ اِلَّا رَجُلٌ لَا يُرِيْدُ الْحَجَّ، فَيَبْعَثُ بِهٖ وَيُقِيْمُ فِيْ اَهْلِهٖ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ: هَلْ يَخْرُجُ بِالْهَدْيِ غَيْرُ مُحْرِمٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ.

وَسُئِلَ اَيْضًا: عَمَّا اخْتَلَفَ فِيْهِ النَّاسُ مِنَ الْاِحْرَامِ لِتَقْلِيْدِ الْهَدْيِ مِمَّنْ لَا يُرِيْدُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ فَقَالَ: اَلْاَمْرُ عِنْدَنَا الَّذِيْ نَاْخُذُ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ، قَوْلُ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِهَدْيِهٖ ثُمَّ اَقَامَ. فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِمَّا اَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهٗ، حَتّٰى نُحِرَ هَدْيُهٗ.

ترجمہ: ربیعہ بن عبداللہ بن الہدیر سے روایت ہے کہ اس نے ایک آدمی کو عراق میں لباس سے عاری دیکھا اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی ہدی کو قلادہ پہنایا جائے۔ اس لئے وہ لباس سے عاری ہو گیا۔ (یعنی احرام کا لباس پہن لیا ہے۔ سلے ہوئے کپڑے اتار دیئے ہیں۔) ربیعہ نے کہا کہ پھر میں عبداللہ بن الزبیرؓ سے ملا۔ اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ربّ کعبہ کی قسم یہ بدعت ہے۔

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی ہدی لے کر خود نکلا۔ پھر ذوالحلیفہ کے مقام پر اس پر ہدی کا نشان لگایا اور قلادہ گلے میں ڈال دیا، اور خود احرام نہ باندھا۔ حتیٰ کہ جحفہ جا پہنچا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ اور اس نے درست کام نہیں کیا۔ اور اس کے لئے مناسب نہیں کہ ہدی کو قلادہ ڈالے یا اس پر نشان لگائے، مگر اس وقت جب کہ احرام باندھے سوائے اس شخص کے جو خود حج کرنا نہیں چاہتا، مگر قربانی کا جانور بھیج دیتا ہے اور خود گھر میں مقیم رہتا ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک جب وہ ہدی لے کر حج کی نیت سے چل پڑا تو محرم ہو گیا اور اہل مدینہ کی میقات سے اگلی میقات تک یوں گزر جانا بھی خلاف سنت فعل تھا۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا احرام کے بغیر وہ ہدی لے کر جا سکتا ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں! اس میں حرج نہیں (مگر وہ میقات سے بلا احرام نہ گزرے)۔

اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتا کیا اگر وہ ہدی کا جانور روانہ کرے تو اس کے لیے احرام ضروری ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہم جس امر کو اخذ کرتے ہیں وہ اس معاملے میں حضرت عائشہ اُمّ المؤمنینؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کو روانہ فرما دیا تھا لیکن آپ پر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں کوئی چیز حرام نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ قربانی ذبح کر دی گئی۔ (احرام سے مراد یہاں اَن سلے کپڑے پہن لینا ہے جیسے کہ مُحرم پہنتا ہے) اس پر اوپر کچھ بحث گزر چکی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔)

۱۶۔ بَابُ مَا تَفْعَلُ الْحَائِضُ فِي الْحَجِّ

حیض والی عورت حج میں کیا کرے؟

اس سے مراد وہ عورت ہے جسے احرام سے پہلے ہی حیض آ جائے۔ اس کے بعد اگر یہ صورت ہو تو اس کا حکم آگے ہے۔

۷۶۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ الَّتِي تُهِلُّ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، إِنَّهَا تُهِلُّ بِحَجِّهَا أَوْ عُمْرَتِهَا إِذَا أَرَادَتْ۔ وَلٰكِنْ لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ وَهِيَ تَشْهَدُ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَعَ النَّاسِ۔ غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ بِالْبَيْتِ۔ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ وَلَا تَقْرَبُ الْمَسْجِدَ حَتّٰى تَطْهُرَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ حائضہ عورت جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو وہ جب چاہے ایسا کر سکتی ہے (حیض اس میں مانع نہیں)۔ مگر وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی نہ کرے۔ وہ طواف اور سعی کے سوا حج کے تمام مناسک میں حاضر رہے گی۔ اور جب تک پاک نہ ہو لے مسجد کے قریب نہ جائے گی۔

شرح: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ہاں اس کی تفاصیل میں کچھ فقہی اختلاف ہے۔ یہ روایت کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ موطائے محمد میں مروی ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ یہی ہمارا مختار ہے۔

۱۷۔ بَابُ الْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ

حج کے مہینوں میں عمرہ کا بیان

۷۶۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ ثَلَاثًا، عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَعَامَ الْقَضِيَّةِ، وَعَامَ الْجِعِرَّانَةِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار عمرہ کیا۔ حدیبیہ کے سال اور جس سال عمرہ قضا کیا اور جعرانہ کے سال۔

شرح : اور جمہور کے نزدیک وہ عمرہ ان میں شامل نہیں جو آپ نے حج کے ساتھ ملا کر کیا تھا۔ حدیبیہ کے سال گو عمرہ ادا نہ ہو سکا مگر حضورؐ نے حلق اور نحر کیا اور اصحاب سے کرایا۔ لہذا اسے بھی عمرات میں شمار کر لیا گیا۔ پس بقول محقق ابن الہمامؒ عمرے دراصل تین ہوئے تھے۔ اگر حدیبیہ کا عمرہ تمام ہوتا تو اس کی قضا کا سوال خارج از بحث تھا۔ لیکن سب مانتے ہیں کہ وہ عمرہ قضا کیا گیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ حج والے عمرہ کے علاوہ بقول ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمرے ادا فرمائے تھے۔

۷۶۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْتَمِرْ إِلَّا ثَلَاثًا: إِحْدَاهُنَّ فِي شَوَّالٍ۔ وَاثْنَتَيْنِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین عمرے ادا فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک شوال میں اور دو ذی قعدہ میں ہوئے۔

شرح: محقق ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ شوال والا عمرہ اہل تحقیق کے نزدیک جعرانہ کا عمرہ تھا اور وہ بھی دراصل ذلیقعدہ میں واقع ہوا تھا۔ شوال کی طرف اسے اس بنا پر منسوب کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ حنین کے لئے مکہ سے شوال میں تشریف لے گئے تھے۔ عمرۃ القضا بھی ذوالقعدہ میں ہوا۔ عروہ نے صلح حدیبیہ والے ناتمام عمرے کو بھی شمار کیا ہے۔ لیکن آخری حج کے ساتھ جو عمرہ آپؐ نے ادا فرمایا تھا، اسے شمار نہیں کیا۔ گو یا صرف وہ عمرے شمار کئے (بشمول حدیبیہ) جو حج کے ساتھ نہ تھے۔ پس اگر حدیبیہ کو بھی شمار کیا جائے تو کل تعداد چار رہتی ہے اور اہل علم کے نزدیک ان کے علاوہ اور کوئی عمرہ حضورؐ سے ثابت نہیں ہوا۔ بخاری اور مسلم نے ابن عمرؓ سے ایک عمرہ رجب میں ادا ہونے کی روایت کی ہے۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کا صراحتہً انکار فرمایا اور بتایا کہ حضورؐ کا کوئی عمرہ رجب میں نہیں ہوا۔

۷۶۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَرْمَلَةَ الْأَسْلَمِيِّ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ سَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ، فَقَالَ: أَعْتَمِرُ قَبْلَ أَنْ أَحُجَّ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: نَعَمْ۔ قَدِ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ۔

ترجمہ: ایک شخص نے سعید بن المسیبؒ سے پوچھا کہ کیا میں حج سے پہلے عمرہ کر لوں؟ سعید نے کہا کہ ہاں حج سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کئے تھے۔ (یہ مسئلہ اجماعی ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔)

شرح: سنن ابی داؤد میں ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے حج سے قبل عمرہ کے بارے میں یہ شہادت دی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کرتے سنا تھا۔ امام خطابی نے معالم السنن میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں شک و شبہ ہے۔

۷۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَنْ يَعْتَمِرَ فِي شَوَّالٍ، فَأَذِنَ لَهُ۔ فَاعْتَمَرَ ثُمَّ قَفَلَ إِلَى أَهْلِهِ، وَلَمْ يَحُجَّ۔

ترجمہ: عمر بن ابی سلمہؓ نے عمر بن الخطابؓ سے شوال میں عمرہ ادا کرنے اجازت مانگی تو انہوں نے (عمر بن ابی سلمہ کو) اجازت دے دی۔ پس اس نے عمرہ ادا کیا۔ پھر وہ حج کے بغیر گھر کو لوٹ گیا۔

شرح: عمر بن ابی سلمہؓ کے اجازت مانگنے کا باعث یہ امر تھا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا تھا کہ حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ اگر کوئی شخص حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرے پھر گھر لوٹ جائے اور آئندہ سال حج کرے تو وہ متمتع شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ تمتع کا مطلب ہے ایک ہی سال میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ اس کے خلاف حسن بصریؒ کا ایک شاذ قول منقول ہے۔

۱۸- بَابُ قَطْعِ التَّلْبِيَةِ فِي الْعُمْرَةِ

عمرہ میں تلبیہ کو قطع کرنے کا باب

۷۶۸- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ فِي الْعُمْرَةِ، إِذَا دَخَلَ الْحَرَمَ.

قَالَ مَالِكٌ، فِيمَنْ أَحْرَمَ مِنَ التَّنْعِيمِ: إِنَّهُ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ حِينَ يَرَى الْبَيْتَ.

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَعْتَمِرُ مِنْ بَعْضِ الْمَوَاقِيتِ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ. مَتَى يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ؟ قَالَ: أَمَّا الْمُهِلُّ مِنَ الْمَوَاقِيتِ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ إِذَا انْتَهَى إِلَى الْحَرَمِ.

قَالَ: وَبَلَغَنِي أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: ہشام نے اپنے باپ عروہؓ کے بارے میں روایت کی کہ وہ عمرہ میں حرم کے اندر داخل ہو کر تلبیہ کو قطع کر دیتا تھا۔

شرح: ابن عباسؓ، عطاءؒ، عمرو بن میمونؒ، طاؤسؒ، نخعیؒ، ثوریؒ، شافعیؒ، اسحٰقؒ اور حنفیہ کے نزدیک تلبیہ اس وقت قطع کرے، جب رکن کا استلام کرے۔ ابن عمرؓ، عروہؒ اور الحسنؒ نے کہا کہ حرم میں داخل ہو کر تلبیہ قطع کرے۔ اس باب میں ابن عباسؓ سے ترمذی نے ایک حدیث حسن مروایت کی ہے۔ مرفوعاً کہ قطع تلبیہ استلام رکن کے ساتھ ہے۔

ایضاً، امام مالکؒ نے کہا کہ جو تنعیم سے عمرہ ادا کرے تو وہ جب تک بیت اللہ کو نہ دیکھے تلبیہ قطع نہ کرے۔ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص مدینہ والوں میں سے ہو یا کوئی اور ہو، کسی میقات سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے۔ وہ تلبیہ کب قطع کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ جو میقات سے احرام باندھنے والا ہو وہ حرم تک پہنچ کر تلبیہ قطع کرے۔ اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ایسا کیا کرتے تھے۔ (یعنی اس مسئلہ میں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ میں اختلاف تھا۔ ابن الطیب نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے کئے

اور ہر ایک میں استلام حجر اسود تک تلبیہ قطع نہیں کرتے تھے۔

۱۹- بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَتُّعِ

تمتع کا باب

اوپر گزر چکا ہے کہ تمتع کا معنی ہے حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنا۔ پھر حلال ہو جانا اور پھر حج کا احرام باندھنا اور حج ادا کرنا۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ سلف کی اصطلاح میں تمتع کا لفظ قران پر بھی بولا جاتا تھا۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ میں جس عمرے کا ذکر ہے، یہ حج کے مہینوں والا ہے اور قران کو تمتع کہا گیا ہے۔ اسی طرح حج کا احرام فسخ کر کے عمرہ کرنا اور پھر حج کرنا بھی تمتع کہلاتا ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قران افضل ہے، پھر تمتع اور پھر افراد۔

۷۶۹- حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ، وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ، عَامَ حَجَّ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، وَهُمَا يَذْكُرَانِ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ۔ فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ: لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ جَهِلَ أَمْرَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ فَقَالَ سَعْدٌ: بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أَخِي۔ فَقَالَ الضَّحَّاكُ: فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَدْ نَهَى عَنْ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ سَعْدٌ: قَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَصَنَعْنَاهَا مَعَهُ۔

ترجمہ: جس سال معاویہ بن ابی سفیانؓ نے حج کیا، محمد بن عبداللہ بن الحارث نے سعد بن ابی وقاصؓ اور الضحاکؓ بن قیس کو حج کرنے کے ساتھ عمرہ ملا کر تمتع کرنے کا ذکر کرتے سنا۔ ضحاک بن قیسؓ نے کہا کہ یہ کام تو وہی کرتا ہے جو خدا کے حکم سے جاہل ہو۔ سعدؓ نے کہا کہ اے بھتیجے تو نے بری بات کہی۔ ضحاکؓ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس سے منع کیا ہے۔ سعدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تھا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ یہی کیا تھا۔

شرح: اوپر حافظ ابن حجرؒ کا قول گزر چکا ہے کہ سلف کی اصطلاح میں قران کو بھی تمتع کہتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے حضورؐ کا جو قول نقل کیا ہے سب علماء کے نزدیک یہ قران تھا۔ حضرت عمرؓ نے مطلقاً تمتع سے نہیں روکا تھا۔ بلکہ بقول ابن عمرؓ ان کی غرض دراصل یہ تھی کہ حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کر کے جانا بہر صورت اعلیٰ و افضل ہے۔ پس حضرت عمرؓ کی ممانعت تحریم کے طور پر نہ تھی۔

۷۷۰- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: وَاللَّهِ لَأَنْ أَعْتَمِرَ قَبْلَ الْحَجِّ وَأُهْدِيَ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَمِرَ بَعْدَ الْحَجِّ فِي ذِي الْحِجَّةِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ بعد از حج سے قبل عمرہ کرنا اور ہدی پیش کرنا مجھے اس بات سے محبوب تر ہے کہ حج کے بعد حج کے مہینوں میں عمرہ کروں۔

شرح: حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کرنے ہی سے ہدی واجب ہوتی ہے بشرطیکہ اسی سال حج بھی کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ابن عمرؓ قران اور تمتع والے عمرے کو دوسرے عمرے پر ترجیح دیتے تھے۔

۱۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنِ اعْتَمَرَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ فِي شَوَّالٍ، أَوْ ذِي الْقَعْدَةِ، أَوْ فِي ذِي الْحِجَّةِ، قَبْلَ الْحَجِّ. ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَتَّى يُدْرِكَهُ الْحَجُّ، فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ، إِنْ حَجَّ. وَعَلَيْهِ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ. فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ إِذَا أَقَامَ حَتَّى الْحَجِّ، ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، انْقَطَعَ إِلَى غَيْرِهَا، وَسَكَنَ سِوَاهَا، ثُمَّ قَدِمَ مُعْتَمِرًا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَقَامَ بِمَكَّةَ حَتَّى أَنْشَأَ الْحَجَّ مِنْهَا: إِنَّهُ مُتَمَتِّعٌ يَجِبُ عَلَيْهِ الْهَدْيُ. أَوِ الصِّيَامُ إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا. وَأَنَّهُ لَا يَكُونُ مِثْلَ أَهْلِ مَكَّةَ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ، دَخَلَ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ. وَهُوَ يُرِيدُ الْإِقَامَةَ بِمَكَّةَ حَتَّى يُنْشِئَ الْحَجَّ. أَمُتَمَتِّعٌ هُوَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. هُوَ مُتَمَتِّعٌ. وَلَيْسَ هُوَ مِثْلَ أَهْلِ مَكَّةَ. وَإِنْ أَرَادَ الْإِقَامَةَ. وَذَلِكَ، أَنَّهُ دَخَلَ مَكَّةَ، وَلَيْسَ هُوَ مِنْ أَهْلِهَا وَإِنَّمَا الْهَدْيُ أَوِ الصِّيَامُ عَلَى مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ. وَأَنَّ هَذَا الرَّجُلَ يُرِيدُ الْإِقَامَةَ. وَلَا يَدْرِي مَا يَبْدُو لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ. وَلَيْسَ هُوَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جو شخص حج کے مہینوں، شوال، ذوالقعدہ یا ذوالحجہ میں حج سے پہلے عمرہ ادا کرے۔ پھر مکہ میں ٹھہرا رہے حتیٰ کہ حج کا وقت آ جائے تو وہ متمتع ہے بشرطیکہ حج کرے۔ اور اس کے ذمہ ہدی واجب ہے جو بآسانی دے سکے۔ پھر اگر وہ ہدی نہ پائے تو حج کے ایام میں تین دن کے روزے رکھے اور سات اس وقت جب حج سے فارغ ہو جائے۔ (موطا امام محمد میں یہ اثر موجود ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ یہ تب ہے جب کہ وہ مکہ میں حج تک مقیم رہے پھر حج کرے۔

امام مالکؒ نے اس شخص کے متعلق کہا کہ جو اہل مکہ میں سے تھا، پھر وہاں کی سکونت چھوڑ کر چلا گیا اور کہیں اور جا کر رہ گیا۔ پھر حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے آیا اور مکہ میں مقیم رہا حتیٰ کہ حج اس نے وہاں سے کیا تو وہ متمتع ہے اور اس پر ہدی واجب ہے یا اگر ہدی نہ پائے تو روزے واجب ہیں (یعنی دس روزے) اور یہ شخص اہل مکہ کے حکم میں نہیں ہے۔ (کیونکہ یہ مکہ کی سکونت ترک کر چکا ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص اہل مکہ میں سے نہیں اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں داخل ہوا ہے اور وہ مکہ میں رہنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ یہیں سے حج کا احرام باندھے، تو کیا یہ شخص متمتع ہے؟ مالکؒ نے کہا کہ ہاں وہ متمتع ہے اور یہ اہل مکہ کی مانند نہیں ہے گو وہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ رکھے (سبب یہ کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوا تھا تو وہ مکی نہ تھا) اور ہدی یا صیام اس پر واجب ہے جو اہل مکہ میں سے نہ ہو۔ اور یہ آدمی اقامت کا ارادہ رکھتا ہے۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ بعد میں اس کا خیال کیا ہوگا۔ (آیا) بنے گا یا واپس چلا جائے گا۔) اور یہ اہل مکہ میں سے نہیں ہے۔ (امام مالکؒ کے اس جواب کی دلیل یہ بھی ہے کہ اکثر صحابہؓ مہاجر تھے جو بباعث ہجرت مکہ معظمہ کی سکونت ترک کر چکے تھے۔ اور انہوں نے حضورؐ کے آخری حج کے موقع پر تمتع کیا تھا۔)

۷۷۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ: مَنِ اعْتَمَرَ فِیْ شَوَّالٍ، اَوْ ذِی الْقَعْدَةِ، اَوْ ذِی الْحِجَّةِ، ثُمَّ اَقَامَ بِمَكَّةَ حَتّٰی یُدْرِكَهُ الْحَجُّ، فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ اِنْ حَجَّ۔ وَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ، فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید (انصاری) نے کہا کہ میں نے سعید بن المسیب کو یہ فرماتے سنا تھا جس نے شوال میں یا ذوالقعدہ میں یا ذی الحجہ میں عمرہ ادا کیا۔ پھر حج کے آنے تک مکہ ہی میں رہا تو اگر وہ حج کرے تو متمتع ہے اور اس کے ذمہ ہدی واجب ہے جو آسانی میسر ہو سکے۔ پھر جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات حج سے فارغ ہو کر (یہاں رَجَعَ کا یہی معنیٰ ہے کہ وہ حج سے فارغ ہوا یہی حنفیہ کا قول ہے اور مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے۔)

۲۰۔ بَابُ مَا لَا یَجِبُ فِیْهِ التَّمَتُّعُ

جن صورتوں میں تمتع کی ہدی یا صوم واجب نہیں

۷۷۳۔ قَالَ مَالِكٌ: مَنِ اعْتَمَرَ فِیْ شَوَّالٍ، اَوْ ذِی الْقَعْدَةِ، اَوْ ذِی الْحِجَّةِ، ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی اَهْلِهٖ ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهٖ ذٰلِكَ۔ فَلَیْسَ عَلَیْهِ هَدْیٌ۔ اِنَّمَا الْهَدْیُ عَلٰی مَنِ اعْتَمَرَ فِیْ اَشْهُرِ الْحَجِّ۔ ثُمَّ اَقَامَ حَتَّی الْحَجِّ۔ ثُمَّ حَجَّ۔ وَكُلُّ مَنِ انْقَطَعَ اِلٰی مَكَّةَ مِنْ اَهْلِ الْاٰفَاقِ وَسَكَنَهَا، ثُمَّ اعْتَمَرَ فِیْ اَشْهُرِ الْحَجِّ۔ ثُمَّ اَنْشَاَ الْحَجَّ مِنْهَا۔ فَلَیْسَ بِمُتَمَتِّعٍ۔ وَلَیْسَ عَلَیْهِ هَدْیٌ وَلَا صِیَامٌ۔ وَهُوَ بِمَنْزِلَةِ

أَهْلِ مَكَّةَ، إِذَا كَانَ مِنْ سَاكِنِيهَا۔

سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، خَرَجَ إِلَى الرِّبَاطِ أَوْ إِلَى سَفَرٍ مِنَ الْأَسْفَارِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَّةَ۔ وَهُوَ يُرِيدُ الْإِقَامَةَ بِهَا۔ كَانَ لَهُ أَهْلٌ بِمَكَّةَ أَوْ لَا أَهْلَ لَهُ بِهَا۔ فَدَخَلَهَا بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ، ثُمَّ أَنْشَأَ الْحَجَّ، وَكَانَتْ عُمْرَتُهُ الَّتِي دَخَلَ بِهَا مِنْ مِيقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ دُونَهُ، أَمُتَمَتِّعٌ مَنْ كَانَ عَلَى تِلْكَ الْحَالَةِ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُتَمَتِّعِ مِنَ الْهَدْيِ أَوِ الصِّيَامِ۔ وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے شوال یا ذوالقعدہ یا ذوالحجہ میں عمرہ کیا۔ پھر اپنے گھر کو لوٹ گیا۔ پھر اسی سال حج کیا تو اس کے ذمہ کوئی ہدی نہیں۔ ہدی تو اس کے ذمّے ہے جس نے حج کے مہینوں میں عمرہ کیا پھر مکّہ میں ٹھہرا رہا اور حج کا وقت آیا تو حج کیا۔ (اس مسئلہ میں اتفاق ہے، صرف حسن بصریؒ اور عطاءؒ سے اس کے خلاف منقول ہے)

مالکؒ نے کہا کہ اہل آفاق میں سے جو شخص مکّہ میں آ بسا، پھر اس نے حج کے مہینوں میں عمرہ ادا کیا پھر حج کا احرام باندھا (یعنی مکّہ سے ہی) تو وہ متمتع نہیں۔ اس کے ذمّے کوئی ہدی یا صیام نہیں اور وہ مکّہ کے باشندوں کی مانند ہے۔ (کیونکہ یہ مکّہ میں مقیم ہوچکا ہے۔ حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔)

امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مکّہ کا باشندہ تھا، وہ جہاد کے لئے گیا یا کسی سفر میں گیا۔ پھر مکّہ واپس آیا اور وہیں مقیم رہنا چاہتا ہو، خواہ مکّہ میں اس کے بیوی بچے ہوں یا نہ ہوں۔ پس وہ مکّہ میں حج کے مہینوں میں عمرہ کے لئے داخل ہُوا پھر احرام باندھا۔ اور جس عمرے کے لئے وہ مکّہ میں احرام باندھ کر آیا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر فرمودہ میقات تھی، اگلی یا پچھلی میقات۔ تو کیا جس شخص کا یہ حال تھا، وہ متمتع ہُوا یا نہیں؟ مالکؒ نے جواب دیا کہ اس شخص کے ذمّے تمتع والے کی ہدی یا روزے نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرماتا ہے، یہ اس شخص کے لئے ہے کہ جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔ (حنفیہ کا ان ہر دو مسئلوں میں یہی مذہب ہے اور ان کے نزدیک آیت میں ذٰلک کا اشارہ تمتع کی طرف ہے اور یہ شخص مکّہ کو وطن بنانے کے ارادے کے باعث مکّی ہوچکا ہے۔ خواہ بیوی بچے ہوں یا نہ ہوں۔)

۲۰۔ بَابُ جَامِعِ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ

عمرہ کے مزید متفرق مسائل کا باب

عمرہ کا لفظ عمارۃ سے نکلا ہے جس سے مراد عِمَارَۃُ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ہے۔ یہ تو اس کا لغوی معنیٰ ہے۔ مگر شرع میں ایک

خاص کیفیت کے ساتھ بیت اللہ الحرام کی زیارت خاص شرائط کے ساتھ کرنا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک عمرہ سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستحب نفل ہے اور دیگر ائمہ فقہ کے نزدیک واجب ہے۔ داؤد ظاہری اور ابوثور کا مذہب بھی اس میں ابوحنیفہ جیسا ہے۔

۷۷۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا. وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عمرہ سے عمرہ تک کفارہ ہے ان کے درمیان والے گناہوں کا اور حج مقبول کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

شرح: یعنی دو عمرے کئے جائیں تو درمیان کے صغائر کا کفارہ ہیں۔ کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے۔ جب کہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں اور آدمی کا حق ہو تو اس سے معاف کرائے بغیر معاف نہیں ہوتا۔ یہ مضمون آیت قرآنی میں بھی وارد ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ خَطِيْئٰتِكُمْ الآیہ۔ حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جسے اس کے تمام احکام و واجبات و سنن و آداب سمیت ادا کیا جائے۔ اور یہ بات تو مسلّم ہے کہ محض ظاہری افعال کا نام عبادت نہیں بلکہ باطن کی طہارت نیت کی صفائی، دل کا خلوص اور حضور خداوندی میں حقیقی قصد و ارادہ حج مطلوب ہے۔

۷۷۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ كُنْتُ تَجَهَّزْتُ لِلْحَجِّ. فَاعْتَرَضَ لِي. فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اِعْتَمِرِي فِي رَمَضَانَ فَإِنَّ عُمْرَةً فِيهِ كَحَجَّةٍ"۔

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے حج کی تیاری کی تھی اور کوئی مانع پیش آ گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تو رمضان میں عمرہ کر لے۔ کیونکہ اس میں حج کی طرح ہے (امام محمدؒ نے اسے بَابُ فَضْلِ الْعُمْرَةِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ میں روایت کیا ہے۔)

شرح: اس عورت کی کنیت اُم معقل تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی وغیرہما کی روایت میں ہے مؤطا میں یہ روایت مرسل ہے۔ مگر بقول حافظ ابن عبدالبر صحیح طور پر ثابت ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث خود اُم معقل سے سن کر روایت کی ہے۔ یہ ابوبکر فقہائے سبعہ میں سے تھے۔ اس حدیث پر مفصل بحث ہم نے فضل المعبود میں کی ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے اس کی مختلف روایات میں جمع و توفیق نقل کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اس حدیث پر گفتگو کے سلسلے میں کہا ہے کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ میں فی الجملہ (بعض چیزوں میں) مشابہت ضروری ہے نہ کہ ہر حیثیت سے۔ اُم معقلؓ کا یہ حج نفلی تھا جیسا کہ ابن الخطابی نے کہا مگر بعض حفاظ و شراح نے اس کا رد کیا ہے۔ حضورؐ کے

ارشاد کے مطلب یہ نہیں ہے کہ عمرہ کی حیثیت سے زیادہ فضیلت میں ہو اور حج کے برابر ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کا ثواب حج جیسا ہے امام اسحٰق بن راہویہ نے فرمایا ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد اس کی وضاحت کرتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (یعنی سورہ اخلاص) ثلث قرآن کے برابر ہے۔ یعنی اس لحاظ سے کہ اس میں بنیادی عقائد توحید، رسالت، آخرت، میں سے توحید کو کھول کر واضح فرمایا گیا ہے۔ شارح طیبی نے کہا کہ یہ قول ترغیب کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے۔ ورنہ حج کا ثواب عمرہ کے ثواب سے بدرجہا زائد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے عمرے ادا فرمائے، حج کے مہینوں میں ادا فرمائے۔ کوئی بھی رمضان میں نہ تھا۔ یا تو اس کا سبب تقاضائے احوال تھا یا آپؐ کے لئے وہی وقت افضل تھا جس میں آپؐ نے انہیں ادا فرمایا اور امت کے لئے یہ حکم ہے جو اس حدیث میں ہے۔

۷۷۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: اِفْصِلُوا بَيْنَ حَجِّكُمْ وَعُمْرَتِكُمْ۔ فَاِنَّ ذٰلِكَ اَتَمُّ لِحَجِّ اَحَدِكُمْ۔ وَاَتَمُّ لِعُمْرَتِهِ۔ اَنْ يَعْتَمِرَ فِي غَيْرِ اَشْهُرِ الْحَجِّ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، اپنے حج اور عمرہ کے درمیان فاصلہ رکھو کیونکہ یہ تمہارے حج اور عمرہ کو پورا کرنے والی بات ہے۔ عمرہ کو اس طرح کہ اسے حج کے مہینوں کے علاوہ ادا کیا جائے۔

شرح: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخوبی معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے ساتھ عمرہ ادا فرمایا تھا تاکہ مشرکین عرب کے اس غلط وہم کا رد کیا جائے کہ وہ حج کے مہینوں میں عمرہ روا نہ رکھتے تھے۔ دراصل غرض ان کی لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ اگر عمرہ کے لیے الگ منفرد سفر کیا جائے تو وہ افضل ہے۔ اس کی افضلیت پر سب ائمہ فقہ کا اتفاق ہے۔ عبادت کے لئے جس قدر سفر، مال، وقت خرچ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ پس اس مسئلہ کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں جو قران، تمتع اور افراد کے متعلق ہوئی ہے۔ یہ افراد جو اس اثر میں ہے اس کی افضلیت میں کسی کو کلام نہیں ہے۔

۷۷۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَ اِذَا اعْتَمَرَ، رُبَّمَا لَمْ يَحْطُطْ عَنْ رَاحِلَتِهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔

قَالَ مَالِكٌ: اَلْعُمْرَةُ سُنَّةٌ۔ وَلَا نَعْلَمُ اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَرْخَصَ فِي تَرْكِهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا اَرٰى لِاَحَدٍ اَنْ يَعْتَمِرَ فِي السَّنَةِ مِرَارًا۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْمُعْتَمِرِ يَقَعُ بِاَهْلِهِ، اِنَّ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ الْهَدْيَ۔ وَعُمْرَةً اُخْرٰى يَبْتَدِئُ بِهَا بَعْدَ اِتْمَامِهِ الَّتِي اَفْسَدَ۔ وَيُحْرِمُ مِنْ حَيْثُ اَحْرَمَ بِعُمْرَتِهِ الَّتِي اَفْسَدَ۔ اِلَّا اَنْ يَكُونَ اَحْرَمَ مِنْ مَكَانٍ اَبْعَدَ مِنْ مِيقَاتِهِ۔ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُحْرِمَ اِلَّا مِنْ مِيقَاتِهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ دَخَلَ مَكَّةَ بِعُمْرَةٍ. فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهُوَ جُنُبٌ. أَوْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. ثُمَّ وَقَعَ بِأَهْلِهِ. ثُمَّ ذَكَرَ قَالَ: يَغْتَسِلُ أَوْ يَتَوَضَّأُ. ثُمَّ يَعُودُ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَيَعْتَمِرُ عُمْرَةً أُخْرَى، وَيُهْدِي. وَعَلَى الْمَرْأَةِ، إِذَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا وَهِيَ مُحْرِمَةٌ، مِثْلُ ذَلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا الْعُمْرَةُ مِنَ التَّنْعِيمِ فَإِنَّهُ مَنْ شَاءَ أَنْ يَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ يُحْرِمَ، فَإِنَّ ذَلِكَ مُجْزِئٌ عَنْهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَلَكِنِ الْفَضْلُ أَنْ يُهِلَّ مِنَ الْمِيقَاتِ الَّذِي وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ مَا هُوَ أَبْعَدُ مِنَ التَّنْعِيمِ.

ترجمہ: امام مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ جب عمرہ ادا کرتے تھے تو بارہا اپنی سواری سے کجاوہ اور سامان بھی نہ اُتارتے تھے۔ حتیٰ کہ (عمرہ کرکے) واپس لوٹ جاتے تھے۔

شرح: اتنی جلدی واپس ہو جانے کا باعث یا تو معاملاتِ خلافت کی ضرورت ہوتی تھی یا پھر اس لئے کہ جس جگہ کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ دیا تھا، اس میں بلا ضرورت شرعیہ قیام ناپسند تھا۔ آنا عبادت کی ضرورت سے تھا اور جلد واپسی بھی ایک دینی مصلحت سے تھی یا اس لئے کہ جس نیت سے آئے ہوتے تھے، جب وہ پوری ہو گئی تو جتنی جلدی واپس ہو جاتے اتنا ہی بہتر تھا تاکہ ورع و تقویٰ کے خلاف نہ ہو اور خلوص نیت میں ذرا سا فرق بھی نہ آنے پائے۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ عمرہ سنت ہے۔ اور ہم مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتے جس نے اس کے ترک کی رخصت دی ہو۔ (سنت کے کئی درجے ہیں، جو دلائل شرع سے ثابت ہیں۔ (۱) واجب عملی مثلاً وتر (۲) سُنت موکدہ جو واجب کے قریب ہو۔ مثلاً فجر کی دو سنت (۳) سنتِ غیر موکدہ مستحبہ جیسے عصر اور عشا کی چار چار سُنن (۴) محض نفل علی الاطلاق۔ امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ عمرہ پہلے درجے کی بلکہ اس سے بھی زیادہ موکد سنت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عمرہ سنت موکدہ تو ہے مگر وتر جیسی نہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ عمرہ سنت غیر موکدہ ہے۔ اور بعض مالکیہ نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ میں کسی کے لیے یہ مسنون نہیں دیکھتا کہ ایک سال میں کئی بار عمرہ کرے۔ (لیکن جمہور نے اور بعض مالکی فقہاء نے بھی تکرار کو جائز کہا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ کتاب و سنت کی کوئی دلیل تکرار عمرہ کی کراہت ثابت نہیں کرتی۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ معتمر اگر بیوی سے جماع کرلے تو اس پر ہدی واجب ہے۔ (جس کی مقدار جمہور کے نزدیک ایک بکری ہے) اور اس پر دوسرا عمرہ واجب ہے کہ جس عمرے کو فاسد کیا ہے اس کے اتمام کے بعد دوسرا شروع کرے۔ اور اس کے لئے وہیں سے احرام باندھے، جہاں سے پہلے کے لئے باندھا تھا۔ مگر یہ کہ اس نے اپنی میقات سے کسی دُور تر مقام سے احرام باندھا ہو پس اس صورت میں اس پر واجب یہ ہے کہ اپنی میقات سے احرام باندھے۔ (جمہور فقہا کا مذہب یہی ہے کہ جو حج یا عمرہ فاسد ہو جائے اسے اسی طرح پورا کیا جائے۔ جس طرح غیر فاسد کو پورا کرتے ہیں۔ فاسد عمرے کے بعد دوسرے عمرے کا احرام حنفیہ کے نزدیک

حدِ حرم سے کہیں باہر سے بھی باندھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مکہ ہی داخل ہو کر وہ حل سے ہو جاتے ہیں۔ اور تمتع کا احرام بھی حل سے ہوتا ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص مکہ میں داخل ہوا عمرہ کرنے کے لئے۔ پس اس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ میں سعی کی۔ درآنحالیکہ وہ جُنبی تھا یا بے وضو تھا، پھر بھول کر اپنی بیوی سے جماع کیا۔ پھر اسے یاد آگیا۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ غسل کرے یا وضو کرے (یعنی جیسی بھی صورت ہو) پھر لوٹے اور بیت اللہ کا طواف کرے۔ اور صفا مروہ میں سعی کرے اور ایک اور عمرہ کرے اور ہدی دے۔ اور عورت سے جب وہ احرام میں ہو، اس کا خاوند مقاربت کرے تو اس پر بھی یہی کچھ ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں ہدی واجب ہے۔ اور عمرہ کی قضا واجب نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنا متعین نہیں ہے۔ جو شخص عمرہ کا احرام باندھنا چاہے تو حرم سے باہر جا کر جہاں چاہے باندھ لے، انشاءاللہ تعالیٰ درست ہوگا۔ لیکن فضیلت اس میں ہے کہ جو حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادی ہے اس سے احرام باندھے۔ یا وہ تنعیم سے بعید تر ہو۔ (تنعیم مکہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے اور یہ حِل کا وہاں سے قریب ترین مقام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کے دائیں طرف جبل نعیم اور بائیں طرف جبل ناعم ہے اور اس کی وادی کا نام نعمان ہے۔ حجۃ الوداع میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہیں سے احرام بندھوایا تھا۔ پس مالکیہ کے نزدیک اس مقام میں فضیلت تو ضرور ہے مگر مکہ میں عمرہ کے لئے احرام باندھنے کے لئے وہ جگہ متعین نہیں۔ بعض علما کے نزدیک یہ عمرہ کا میقات ہے مگر مالکؒ نے اس کے خلاف کہا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تنعیم افضل ہے۔

۲۲- بَابُ نِكَاحِ الْمُحْرِمِ

مُحرم کے نکاح کا باب

حنفیہ کے نزدیک، اور اسی طرح ابراہیم نخعیؒ، ثوریؒ، عطاءؒ، الحکم بن عتیبہؒ، حمادؒ، عکرمہؒ، مسروقؒ کے نزدیک مُحرم کا نکاح جائز ہے مگر مقاربت نہیں۔ یہی مذہب ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا ہے اور بقول قاضی عبدالولید الباجیؒ یہی القاسمؒ اور معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے۔ اور انس بن مالکؓ کا قول بھی یہی ہے۔ سعید بن جبیرؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، جابرؓ اور عمرو بن دینارؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ امام محمدؒ نے موطا میں مختلف احادیث و آثار نقل کر کے لکھا ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ مدینہ والوں نے مُحرم کے نکاح کو باطل ٹھیرایا ہے اور اہل مکہ و اہل عراق نے اسے جائز کہا ہے اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ بنت الحارثؓ کے ساتھ حالت احرام میں نکاح کیا تھا، اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میمونہؓ کے ساتھ نکاح کو عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ کوئی اور جاننے والا سمجھیں۔ ابن عباسؓ میمونہؓ کے بھانجے تھے پس ہمارے نزدیک مُحرم کے نکاح میں کوئی حرج نہیں مگر وہ احرام سے نکلنے سے قبل بیوی کے قریب نہ جائے۔ یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۷۷۸ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا رَافِعٍ، وَرَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَزَوَّجَاهُ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الْحَارِثِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ۔

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع اور ایک انصاری مرد کو بھیجا پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح میمونہ بنت الحارث کے ساتھ کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے۔ قبل اس کے کہ (عمرۃ القضا کے لئے) باہر نکلتے۔

شرح: یہ مرسل روایت ہے۔ مطر الوراق نے اسے عن ربیعہ عن سلیمان عن ابی رافع کے طریق سے موصول کیا ہے اور وہ موصول حدیث مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں ہے۔ ابن عبدالبر نے التمہید میں کہا ہے کہ ابورافع کی وفات مدینہ میں ۳۵ھ میں ہوئی تھی اور سلیمان بن یسار کی پیدائش ۳۴ھ یا ۲۷ھ کی ہے۔ پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ سلیمان ابورافع سے روایت کرے؟ ابن ابی حاتم نے اس روایت کو بہر طور مرسل قرار دیا ہے۔ مبہم انصاری صحابی اوس بن خولی انصاری تھے۔ اس قصے کی تمام روایات متعارض ہیں۔ صحیح تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو حضرات پیغام نکاح لے کر گئے تھے۔ احمد اور نسائی کی روایت ہے کہ یہ نکاح عباس کی تولیت میں ہوا تھا۔ خود میمونہ کی ایک روایت میں نکاح کا مکہ سے واپسی کے بعد مقام سرف میں ہونا آیا ہے۔ لیکن اس کی تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ تزوج سے مراد وہاں مقاربت ہے۔

۷۷۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ، أَخِي بَنِي عَبْدِ الدَّارِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ أَرْسَلَ إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ. وَأَبَانُ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْحَاجِّ. وَهُمَا مُحْرِمَانِ. إِنِّي قَدْ أَرَدْتُ أَنْ أُنْكِحَ طَلْحَةَ بْنَ عُمَرَ، بِنْتَ شَيْبَةَ بْنِ جُبَيْرٍ. وَأَرَدْتُ أَنْ تَحْضُرَ. فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عَلَيْهِ أَبَانُ، وَقَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْكِحِ الْمُحْرِمُ، وَلَا يُنْكِحْ وَلَا يَخْطُبْ".

ترجمہ: عمر بن عبیداللہ نے ابان بن عثمان کو پیغام بھیجا، اور ابان ان دنوں امیر الحاج تھے اور وہ دونوں محرم تھے کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ طلحہ بن عمر کا نکاح شیبہ بن جبیر کی بیٹی سے کردوں، اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی حاضر ہوں۔ پس ابان نے اس بات (کو غلط جان کر) اس سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں نے عثمان بن عفان سے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ محرم نہ اپنا نکاح نہ کسی اور کا کرائے اور نہ پیغام نکاح دے۔ (یہ روایت موطا امام محمد میں مروی ہے۔)

شرح: شافعیہ نے خطبہ (پیغام نکاح) کی نہی کو تنزیہ پر مبنی قرار دیا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ تینوں صیغے نہی تنزیہ پر مبنی ہیں۔ مالکیہ کی عبارات بھی خطبہ کی نہی کو تنزیہ پر محمول کرتی ہیں۔ مگر یہ تینوں صیغے، لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ ایک ہی ربط میں واقع ہیں اور اس ربط کو توڑنے کی یہاں کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا یہی انسب ہے کہ تینوں کو تنزیہ پر محمول کیا جائے۔

۷۸۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، أَنَّ أَبَا غَطَفَانَ بْنَ طَرِيفٍ الْمُرِّيَّ، أَخْبَرَهُ

أَنَّ أَبَاهُ طَرِيفًا تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَهُوَ مُحْرِمٌ. فَرَدَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ نِكَاحَهُ.

ترجمہ: ابوغطفان بن طریف المری نے کہا کہ اس کے باپ طریف نے حالت احرام میں مکہ کے اندر نکاح کیا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے نکاح کو رد کر دیا۔ (امام محمد نے بھی اسے مؤطا میں روایت کیا ہے۔)

شرح: الباجی نے لکھا ہے کہ ردّ سے مراد فسخ بینا انسب ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کا نکاح نہیں ہوتا۔ لیکن حنفیہ کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ردّ سے مراد بطور زجر و توبیخ تھا۔ ورنہ نکاح میمونہؓ سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے

۷۸۱- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا يَنْكِحِ الْمُحْرِمُ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا عَلَى غَيْرِهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ محرم نکاح نہ کرے اور نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کے لئے پیغام نکاح دے۔

شرح: اوپر بیان مذاہب کو پھر ایک دفعہ دیکھ لیا جائے۔

۷۸۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَسَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ، وَسُلَيْمَانَ ابْنَ يَسَارٍ، سُئِلُوا عَنْ نِكَاحِ الْمُحْرِمِ؟ فَقَالُوا: لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلَا يُنْكِحُ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي الرَّجُلِ الْمُحْرِمِ: إِنَّهُ يُرَاجِعُ امْرَأَتَهُ إِنْ شَاءَ. إِذَا كَانَتْ فِي عِدَّةٍ مِنْهُ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ سعید بن المسیبؒ اور سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسارؒ سے محرم کے نکاح کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ محرم نہ نکاح کرے نہ کسی کا کرائے۔

شرح: امام مالکؒ نے اس مسئلہ کے آثار بیان کئے ہیں تاکہ نکاح محرم کے خلاف باعث تقویت ہوں۔ لیکن ابن عباسؓ کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ان آثار کا وزن اتنا نہیں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تسلیم کیا ہے کہ یہ مضمون حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ابوہریرہؓ کی احادیث سے بھی صحیح طور پر ثابت ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث صحاح ستہ میں وارد ہے۔ بخاری نے صحیح میں اسے دو جگہ روایت کیا ہے اور ہر دو جگہ پر عنوان باب میں یہی ظاہر کیا کہ یہ نکاح احرام میں ہوا تھا۔ بقول حافظ ابن حجرؒ امام بخاری نے اسے حضورؐ کی خصوصیت بھی نہیں سمجھا۔ حدیث ابن عباسؓ کی تاویل ممکن نہیں۔ جب کہ اس کے خلاف احادیث کی تاویل بآسانی ممکن ہے۔ حدیث ابی ہریرہؓ کو طحاوی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور الحاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ حدیث عائشہؓ بھی طحاوی اور مسند بزار میں ابوعوانہ عن مغیرہ عن ابی الضحیٰ عن مسروق مروی ہے۔ اور یہ سب راوی مشاہیر ائمہ حدیث اور ثقہ ہیں۔

(ایضاً) ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ احرام والا مرد اپنی مطلقہ بیوی کو جو عدت میں ہو، اگر چاہے تو اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ (اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔)

۲۳- بَابُ حِجَامَةِ الْمُحْرِمِ

مُحرم کے سنگی لگوانے کا باب

حجامت کا معنیٰ ہے چوسنا۔ پچھلے لگوا کر ناساعد خون لگوانے کا یہ ایک طریقہ تھا جسے سنگی لگوانا بھی کہتے ہیں۔ حافظ عینیؒ نے کہا کہ اس کے مطلق جواز کے یہ بزرگ قائل ہیں۔ عطاؒ، مسروقؒ، ابراہیم نخعیؒ، طاؤسؒ، ثوریؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ شرط صرف یہ رکھی گئی ہے کہ اس سے بال قطع نہ ہوں۔ ابن عمرؓ اور مالکؒ کے نزدیک علاج کی ضرورت کے لئے حجامت جائز ہے۔

۷۸۳۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَوْقَ رَأْسِهِ۔ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِلَحْيَيْ جَمَلٍ۔ مَكَانٌ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ۔

ترجمہ: سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لحییٰ جمل کے مقام پر جو مکہ کے راستے میں تھا، حالت احرام میں اپنے سر پر حجامت کرائی۔ (حافظ حازمیؒ وغیرہ کے نزدیک یہ حجۃ الوداع کے سفر کا واقعہ ہے۔)

۷۸۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ اِلَّا مِمَّا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ اِلَّا مِنْ ضَرُوْرَةٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ مُحرم صرف انتہائی ضروری حالت میں حجامت کرا سکتا ہے۔

مالکؒ کا قول بھی یہی ہے کہ مُحرم صرف ضرورت کے وقت ہی حجامت کرا سکتا ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں ابن عمرؓ کا اثر نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ مُحرم کے لئے حجامت میں کوئی حرج نہیں مگر وہ بال نہ مونڈے۔ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر پہنچی ہے کہ آپ نے حالت احرام میں، جب کہ روزہ دار بھی تھے، حجامت کرائی تھی۔ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۲۴- بَابُ مَا يَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ اَكْلُهُ مِنَ الصَّيْدِ

مُحرم کے لئے جس شکار کا کھانا جائز ہے

۷۸۵۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي النَّضْرِ، مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ التَّيْمِيِّ، عَنْ نَافِعٍ، مَوْلٰى اَبِيْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ، عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ، اَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا بِبَعْضِ طَرِيْقِ مَكَّةَ۔ تَخَلَّفَ مَعَ اَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِيْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ۔ فَرَاٰى حِمَارًا وَحْشِيًّا۔ فَاسْتَوٰى

عَلٰى فَرَسِهٖ. فَسَأَلَ أَصْحَابَهٗ أَنْ يُنَاوِلُوْهُ سَوْطَهٗ. فَأَبَوْا عَلَيْهِ. فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهٗ. فَأَبَوْا. فَأَخَذَهٗ. ثُمَّ شَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهٗ. فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَأَبٰى بَعْضُهُمْ. فَلَمَّا أَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَأَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ: "إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوْهَا اللّٰهُ".

ترجمہ: ابوقتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حتیٰ کہ مکہ کے راستے میں ایک جگہ وہ اپنے محرم ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا اور خود غیر محرم تھا۔ پس اس نے ایک جنگلی گدھا دیکھا تو اپنے گھوڑے پر سیدھا ہو بیٹھا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اسے اس کا کوڑا پکڑا دیں۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ پھر اس نے ان سے اپنا نیزہ مانگا تو انہوں نے انکار کیا۔ پس اس نے نیزہ پکڑا اور گدھے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا۔ پس اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے کھایا اور بعض نے انکار کیا۔ پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا کر ملے تو آپؐ سے یہ دریافت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک کھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا۔ (یہ حدیث موطأ امام محمد میں مروی ہے۔)

شرح: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ ابوقتادہؓ محرم کیوں نہ تھے؟ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی کام پر مامور فرمایا تھا اور ابوقتادہؓ کا ارادہ عمرہ کا نہ تھا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ یا عمرۃ القضا کے دور کا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ عمرۃ القضا کا واقعہ ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کی خاطر شکار کیا ہو بشرطیکہ محرم نے اس کی کسی قسم کی کوئی اعانت نہ کی ہو تو محرم کے لئے اس کا شکار کھانا جائز ہے۔ حنفیہ کا اس مسئلہ میں یہی مذہب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو شکار محرم کی خاطر کیا گیا ہو، اسے اس کا کھانا جائز نہیں۔ اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابوقتادہؓ نے ان کی خاطر شکار کیا تھا۔ امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ جب شکار کرنے والا حلال ہو (محرم نہ ہو) اور اس نے اسے ذبح کیا ہو تو محرم کو اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ خواہ شکار اس کی خاطر کیا گیا اور خواہ دوسری صورت ہو۔ کیونکہ شکار کرنے والا حلال تھا اور اس کو ایسا کرنا جائز تھا۔ پس وہ گوشت صید ہونے سے نکل گیا اور محض گوشت رہ گیا۔ لہٰذا محرم کے لئے اس کا کھانا جائز ہے اور محرم کے لئے ٹڈی کا شکار بھی جائز نہیں۔ اگر وہ اسے شکار کرے گا تو کفارہ ادا کرے گا۔ اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا ہے کہ ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔ اور یہ سب ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۷۸۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ كَانَ يَتَزَوَّدُ صَفِيْفَ الظِّبَاءِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالصَّفِيْفُ الْقَدِيْدُ.

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ زبیر بن العوام احرام میں ہرنوں کا بھنا ہوا گوشت بطورِ زادِ راہ ساتھ لیتے تھے۔ (یہ اثر موطأ امام محمدؒ میں موجود ہے باب الحلال یذبح الصید الخ یہ اثر گزشتہ حدیث کا مؤید ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ صفیف کا معنیٰ خشک بھنا ہوا گوشت ہے۔

۷۸۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ فِي الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ، مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ، إِلَّا أَنَّ فِي حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ"۔

ترجمہ: عطاء بن یسار نے ابو قتادہؓ سے گوشتہ جنگلی گدھے والی حدیث روایت کی اور اس میں یہ لفظ ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے؟

شرح: یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی اسی طرح آئی ہے اور بخاری و مسلم نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ اصحاب نے اثبات میں جواب دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر وہ گوشت "تناول فرمایا"۔ ظاہر ہے کہ یہ گوشت حضورؐ کے لئے شکار نہ کیا گیا تھا۔ اس لئے آپؐ کے لئے اس کا کھانا بہر صورت جائز تھا۔ مگر اوپر یہ بحث گزر چکی ہے کہ ابو قتادہؓ نے بظاہر یہ شکار اپنے محرم ساتھیوں کے لئے کیا تھا اور حضورؐ نے اس کا کھانا ان کے لئے حلال قرار دیا تھا۔

۷۸۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيُّ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ عُمَيْرِ بْنِ سَلَمَةَ الضَّمْرِيِّ، عَنِ الْبَهْزِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يُرِيدُ مَكَّةَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالرَّوْحَاءِ، إِذَا حِمَارٌ وَحْشِيٌّ عَقِيرٌ۔ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ: "دَعُوهُ۔ فَإِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ صَاحِبُهُ" فَجَاءَ الْبَهْزِيُّ، وَهُوَ صَاحِبُهُ، إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ شَأْنَكُمْ بِهَذَا الْحِمَارِ۔ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ۔ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الرِّفَاقِ۔ ثُمَّ مَضَى۔ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْأُثَايَةِ، بَيْنَ الرُّوَيْثَةِ وَالْعَرْجِ إِذَا ظَبْيٌ حَاقِفٌ فِي ظِلٍّ فِيهِ سَهْمٌ۔ فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يَقِفَ عِنْدَهُ۔ لَا يُرِيبُهُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ، حَتَّى يُجَاوِزَهُ۔

ترجمہ: بہزیؓ (زید بن کعب) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احرام میں مکہ کے ارادے سے نکلے حتیٰ کہ جب روحاء کے مقام پر پہنچے تو وہاں ایک جنگلی گدھا زخمی پڑا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا شکار کنندہ آ جائے۔ پس بہزی آیا اور وہی اس

کا شکاری تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ! آپ لوگ یہ گدھا لے لیں۔ پس حضورؐ نے حکم دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر حضورؐ آگے چلے۔ حتیٰ کہ جب مقام اثایہ پر پہنچے، جو رویثہ اور عرج کے درمیان ہے۔ تو ایک ہرن سر جھکائے سائے میں کھڑا دیکھا۔ اس میں ایک تیر تھا۔ پس راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اس کے پاس کھڑا ہونے کا حکم دیا تاکہ لوگ گزر جائیں اور اسے کوئی نہ چھیڑے۔

شرح: حافظ ابن القیمؒ نے کہا ہے کہ گدھے اور ہرن کے معاملے میں فرق یہ تھا کہ گدھے کو شکار کرنے والا حلال تھا۔ مگر ہرن کے شکاری کا علم نہ تھا کہ کون ہے۔ الباجی نے کہا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس تیر کی وجہ سے جو ہرن کے جسم میں تھا، وہ اس شکاری کی ملک ہو گیا تھا۔ اور ہرن زندہ تھا۔ محرم اسے ذبح بھی نہ کر سکتے تھے۔

۷۸۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ أَقْبَلَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ۔ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالرَّبَذَةِ، وَجَدَ رَكْبًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ مُحْرِمِينَ۔ فَسَأَلُوهُ عَنْ لَحْمِ صَيْدٍ وَجَدُوهُ عِنْدَ أَهْلِ الرَّبَذَةِ۔ فَأَمَرَهُمْ بِأَكْلِهِ۔ قَالَ: ثُمَّ إِنِّي شَكَكْتُ فِيمَا أَمَرْتُهُمْ بِهِ۔ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ فَقَالَ عُمَرُ مَاذَا أَمَرْتَهُمْ بِهِ؟ فَقَالَ: أَمَرْتُهُمْ بِأَكْلِهِ۔ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: لَوْ أَمَرْتَهُمْ بِغَيْرِ ذٰلِكَ لَفَعَلْتُ بِكَ۔ يَتَوَاعَدُهُ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب بیان کرتے تھے کہ ابوہریرہؓ بحرین سے آئے حتیٰ کہ جب ربذہ میں پہنچے تو انہوں نے ایک عراقی قافلہ پایا، جو مُحرم تھے۔ انہوں نے ابوہریرہؓ سے شکار کے گوشت کے متعلق پوچھا جو انہوں نے ربذہ والوں کے پاس پایا ابوہریرہؓ نے انہیں کھانے کا حکم دیا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر جو حکم میں نے دیا تھا اس میں مجھے شک ہو گیا۔ پس جب میں مدینہ پہنچا تو اس کا ذکر عمر بن الخطابؓ سے کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا حکم دیا تھا؟ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے انہیں اس کے کھانے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے اس کے سوا کوئی دوسرا حکم دیا ہوتا تو میں تمہیں سزا دیتا۔ یہ بات دھمکی کے طور پر کہی۔ (اس گوشت کا کھانا عراقی سواروں کے لئے بہرحال جائز تھا)

۷۹۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ: أَنَّهُ مَرَّ بِهِ قَوْمٌ مُحْرِمُونَ بِالرَّبَذَةِ۔ فَاسْتَفْتَوْهُ فِي لَحْمِ صَيْدٍ، وَجَدُوا نَاسًا أَحِلَّةً يَأْكُلُونَهُ۔ فَأَفْتَاهُمْ بِأَكْلِهِ۔ قَالَ: ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ: بِمَ أَفْتَيْتَهُمْ؟ قَالَ فَقُلْتُ: أَفْتَيْتُهُمْ بِأَكْلِهِ۔ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ: لَوْ أَفْتَيْتَهُمْ بِغَيْرِ ذٰلِكَ، لَأَوْجَعْتُكَ۔

ترجمہ: سالم بن عبداللہ نے ابوہریرہؓ کو عبداللہ بن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ وہ (ابوہریرہؓ) ربذہ میں کچھ لوگوں پر گزرے جو محرم تھے۔ انہوں نے ابوہریرہؓ سے فتویٰ پوچھا کہ وہ غیر محرم لوگوں کے پاس گئے اور انہیں شکار کا گوشت کھاتے پایا آیا محرموں کو اس کا کھانا جائز تھا؟ ابوہریرہؓ نے انہیں کھا لینے کا فتویٰ دیا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر میں مدینہ میں گیا اور حضرت عمر بن الخطابؓ سے مل کر ان سے یہ مسئلہ پوچھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو نے انہیں کیا فتویٰ دیا تھا۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے انہیں کھا لینے کا فتویٰ دیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ اگر تو انہیں دوسرا فتویٰ دیتا تو میں تجھے سزا دیتا۔ (یعنی صحابیٔ رسولؐ ہو کر تیرا یہی فرض تھا کہ انہیں صحیح فتویٰ سوچ سمجھ کر دیتا ورنہ تو تادیب کا حقدار تھا) یہ روایت امام محمدؒ نے بھی درج کی ہے۔

۷۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ كَعْبَ الْأَحْبَارِ أَقْبَلَ مِنَ الشَّامِ فِي رَكْبٍ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ، وَجَدُوا لَحْمَ صَيْدٍ. فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ بِأَكْلِهِ. قَالَ فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِالْمَدِينَةِ ذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ. فَقَالَ: مَنْ أَفْتَاكُمْ بِهَذَا؟ قَالُوا: كَعْبٌ. قَالَ: فَإِنِّي قَدْ أَمَّرْتُهُ عَلَيْكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا. ثُمَّ لَمَّا كَانُوا بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ، مَرَّتْ بِهِمْ رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ. فَأَفْتَاهُمْ كَعْبٌ أَنْ يَأْخُذُوهُ، فَيَأْكُلُوهُ. فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ذَكَرُوا لَهُ ذَلِكَ. فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تُفْتِيَهُمْ بِهَذَا؟ قَالَ: هُوَ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ. قَالَ: وَمَا يُدْرِيكَ؟ قَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ. إِنْ هِيَ إِلَّا نَثْرَةُ حُوتٍ يَنْثُرُهُ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّتَيْنِ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّا يُوجَدُ مِنْ لُحُومِ الصَّيْدِ عَلَى الطَّرِيقِ: هَلْ يَبْتَاعُهُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ أَمَّا مَا كَانَ مِنْ ذَلِكَ يُعْتَرَضُ بِهِ الْحَاجُّ، وَمِنْ أَجْلِهِمْ صِيدَ، فَإِنِّي أَكْرَهُهُ. وَأَنْهَى عَنْهُ. فَأَمَّا أَنْ يَكُونَ عِنْدَ رَجُلٍ لَمْ يُرِدْ بِهِ الْمُحْرِمِينَ، فَوَجَدَهُ مُحْرِمٌ، فَابْتَاعَهُ. فَلَا بَأْسَ بِهِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِيمَنْ أَحْرَمَ وَعِنْدَهُ صَيْدٌ قَدْ صَادَهُ أَوِ ابْتَاعَهُ: فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُرْسِلَهُ. وَلَا بَأْسَ أَنْ يَجْعَلَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ.

قَالَ مَالِكٌ: فِي صَيْدِ الْحِيتَانِ فِي الْبَحْرِ وَالْأَنْهَارِ وَالْبِرَكِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ، إِنَّهُ حَلَالٌ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَصْطَادَهُ.

ترجمہ: عطا بن یسار سے روایت ہے کہ کعب الاحبارؓ ایک محرم سواروں کی جماعت میں شام سے آیا۔ جب وہ راستے میں تھے تو انہوں نے شکار کا گوشت پایا۔ کعب الاحبارؓ نے انہیں کھا لینے کا فتویٰ دیا۔ عطاؒ نے کہا کہ جب یہ لوگ مدینہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس گئے تو ان سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کو یہ فتویٰ کس نے دیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ کعبؓ نے فتویٰ دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں "تمہاری واپسی تک اس کو تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ پھر جب وہ مکہ کے کسی راستے میں تھے تو ان کے پاس ایک ٹڈی دل گزرا۔ کعبؓ نے انہیں فتویٰ دیا کہ اسے پکڑیں اور کھائیں۔ عطاؒ نے کہا کہ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو ان سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ تجھے یہ فتویٰ دینے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ کعبؓ نے کہا کہ وہ سمندری شکار ہے۔ کعبؓ نے کہا اے امیر المؤمنین خدا کی قسم یہ تو مچھلی کی چھینک ہے۔ جو وہ ہر سال میں دو بار مارتی ہے۔ (کعبؓ کا جواب غلط تھا مگر مجتہد کی خطا جان کر اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ المحلی)

شرح: یہ مضمون کہ ٹڈی دل مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتا ہے، ابن ماجہ کی ایک ضعیف مگر مرفوع حدیث میں بھی وارد ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں یہ مضمون روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ ٹڈی کے شکار سے جزا واجب ہے۔ جیسا کہ ابن المنذر نے بیان کیا ہے۔ اس میں ابوسعید خدریؓ اور عروہؓ کا اختلاف مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بحری نہیں بلکہ بری شکار ہے۔ یہ اثر موطا سے امام محمد میں بھی وارد ہے۔

(ایضاً) یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا، راستے میں جو شکار کا گوشت پایا جاتا ہے، کیا محرم اسے خرید سکتا ہے؟ مالکؒ نے کہا کہ جس شکار کو حاجیوں کے سامنے لایا جاتا ہے اور وہ انہی کے لئے شکار کیا جاتا ہے۔ میں اسے مکروہ جانتا ہوں اور اس سے منع کرتا ہوں۔ لیکن اگر وہ کسی شخص کے پاس ہوا اور اس نے احرام والوں کے مقصد سے شکار نہیں کیا ہوتا تو اگر کوئی محرم اسے پالے اور خرید لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مگر حنفیہ کا قول ہے کہ محرم نے اگر کوئی تعاون نہیں کیا اور کسی نے خود اسے محرم کے لئے شکار کیا تو اس کا کھانا محرم کو جائز ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کوئی آدمی احرام باندھے اور اس کے پاس کوئی شکار ہے جو اس نے پکڑا ہو تو اس پر ضروری نہیں کہ اسے چھوڑ دے۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ اسے اپنے گھر والوں کے پاس رکھ دے۔ (کیونکہ وہ حالتِ احرام میں اس نے نہیں پکڑا تھا۔ پہلے کا پکڑا ہوا تھا یا خریدا ہوا تھا۔)

امام مالکؒ نے سمندروں، نہروں، تالابوں وغیرہ کی مچھلیوں کے شکار کے متعلق کہا کہ محرم یہ شکار کر سکتا ہے۔ (اس کا جواز تو نصِ قرآنی سے ثابت ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ الخ اور اس آیت میں البحر کا لفظ سمندر کے نمکین پانی اور دریاؤں وغیرہ کے پانی کو حاوی ہے۔)

۲۵۔ بَابُ مَا لَا يَحِلُّ لِلْمُحْرِمِ أَكْلُهُ مِنَ الصَّيْدِ

محرم کے لئے جو شکار کھانا جائز نہیں ہے

۷۹۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ

مَسْعُوْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيِّ، اَنَّهُ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ، اَوْ بِوَدَّانَ. فَرَدَّهُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِيْ وَجْهِيْ قَالَ: "اِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ، اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ".

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے الصعبؓ بن جثامہ لیثی سے روایت کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگلی گدھا بطور ہدیہ پیش کیا، اس وقت حضورؐ ابواء یا ودّان کے مقام پر تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اسے واپس کر دیا۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے کو دیکھا کہ اس پر تغیر کی علامات تھیں تو فرمایا کہ ہم نے اسے اس وجہ سے واپس کیا ہے کہ ہم احرام میں ہیں۔ (یہ حدیث موطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔)

شرح: اُوپر قتادہؓ کی حدیث پہلے باب میں گزر چکی ہے جو اس کے خلاف ہے۔ امام طحاویؒ نے کہا کہ اس حدیث میں اضطراب ہے لہٰذا حدیث ابی قتادہؓ ہی پر عمل کرنا چاہیئے۔ یہ گورخر جو پیش کیا گیا تھا زندہ تھا اور ظاہر ہے کہ شکار کو ذبح کرنا مُحرم کے لئے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ ممکن ہے حضورؐ کو کسی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا ہو کہ اس گورخر کو پکڑنے میں کسی محرم کا ہاتھ ہے۔

۷۹۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ: رَاَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِالْعَرْجِ. وَهُوَ مُحْرِمٌ، فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ. قَدْ غَطّٰى وَجْهَهُ بِقَطِيْفَةِ اُرْجُوَانٍ ثُمَّ اُتِيَ بِلَحْمِ صَيْدٍ. فَقَالَ لِاَصْحَابِهِ: كُلُوْا. فَقَالُوْا: اَوَلَا تَاْكُلُ اَنْتَ؟ فَقَالَ: اِنِّيْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ. اِنَّمَا صِيْدَ مِنْ اَجْلِيْ.

ترجمہ: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے کہا کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو عرج کے مقام پر دیکھا، وہ احرام میں تھے اور یہ گرمی کا دن تھا۔ انہوں نے اپنا چہرہ ارغوانی کپڑے (سرخ کپڑے) سے چھپایا ہوا تھا۔ پھر شکار کا گوشت لایا گیا، تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم کھا لو۔ انہوں نے کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے۔ تو فرمایا میں اس معاملے میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ یہ میری خاطر شکار کیا گیا ہے۔

شرح: دوسرے ساتھی بھی مُحرم تھے، مگر حضرت عثمانؓ نے خود نہیں کھایا اور ان کو کھانے کا حکم دیا۔ قاضی ابوالولید الباجی نے کہا کہ یہ حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ دوسرے مُحرم کھا سکتے ہیں مگر خود وہ نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ ان کے لئے شکار کیا گیا تھا۔ مگر علی بن ابی طالبؓ نے بھی نہ کھایا۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ مُحرم کو مطلقاً شکار نہ کھانا چاہیئے۔ ابن القاسم کے بقول مالکؒ نے حضرت عثمانؓ کی رائے کو اختیار نہیں کیا۔

۷۹۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَنَّهَا قَالَتْ لَهُ: يَا ابْنَ اُخْتِيْ. اِنَّمَا هِيَ عَشْرُ لَيَالٍ. فَاِنْ تَخَلَّجَ فِيْ نَفْسِكَ شَيْءٌ فَدَعْهُ. تَعْنِيْ اَكْلَ لَحْمِ

الصَّیْدِ۔

قَالَ مَالِكٌ: فِي الرَّجُلِ الْمُحْرِمِ يُصَادُ مِنْ أَجْلِهِ صَيْدٌ، فَيُصْنَعُ لَهُ ذٰلِكَ الصَّيْدُ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَنَّهُ مِنْ أَجْلِهِ صِيدَ۔ فَإِنَّ عَلَيْهِ جَزَاءَ ذٰلِكَ الصَّيْدِ كُلِّهِ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنِ الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى أَكْلِ الْمَيْتَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ أَيَصِيدُ الصَّيْدَ فَيَأْكُلُهُ، أَمْ يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ؟ فَقَالَ: بَلْ يَأْكُلُ الْمَيْتَةَ۔ وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يُرَخِّصْ لِلْمُحْرِمِ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ، وَلَا فِي أَخْذِهِ، فِي حَالٍ مِنَ الْأَحْوَالِ۔ وَقَدْ أَرْخَصَ فِي الْمَيْتَةِ عَلَى حَالِ الضَّرُورَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَمَّا مَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ أَوْ ذَبَحَ مِنَ الصَّيْدِ، فَلَا يَحِلُّ أَكْلُهُ لِحَلَالٍ وَلَا لِمُحْرِمٍ۔ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِذَكِيٍّ۔ كَانَ خَطَأً أَوْ عَمْدًا۔ فَأَكْلُهُ لَا يَحِلُّ۔ وَقَدْ سَمِعْتُ ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ وَاحِدٍ۔ وَالَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ ثُمَّ يَأْكُلُهُ، إِنَّمَا عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ۔ مِثْلُ مَنْ قَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ۔

ترجمہ: عروہ نے اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے عروہ سے فرمایا، اے میرے بھانجے یہ تو بس دس دن کی بات ہے، بس اگر کوئی بات تمہارے جی میں کھٹکے تو اسے چھوڑ دو۔ ان کی مراد شکار کا گوشت کھانے سے تھی۔ (عروہ اپنے بھائی عبداللہ بن الزبیرؓ کے پاس مکہ میں رہتے تھے۔ اور وہ یکم ذی الحجہ سے ہی حج کا احرام باندھ لیتے تھے اس لئے اُمّ المؤمنینؓ نے یہ فرمایا۔ (اُمّ المؤمنینؓ کے قول سے وہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا جو اس باب کا عنوان ہے۔ حلت و حرمت نہیں بلکہ اس سے فقط احتیاط اور ورع و تقویٰ ثابت ہوتا ہے۔)

یحییٰ نے مالکؒ سے روایت کی کہ محرم کے لئے جو شکار کیا گیا ہو اور اسے پکایا گیا ہو۔ اگر وہ اس میں سے کھالے۔ تو اگر وہ جانتا ہو کہ اس کی خاطر شکار ہوا تھا تو اس پر اس تمام جانور کی جزا واجب ہے۔ (اوپر کے باب میں گزر چکا ہے کہ حنفیہ کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اگر شکار میں اس کا کوئی دخل نہ تھا تو اس کے کھانے میں کوئی جزا نہیں آتی۔)

یحییٰ نے کہا کہ مالکؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی حالتِ احرام میں مُردار کھانے پر مُضطر ہوگیا تو کیا وہ شکار کر کے اسے کھالے یا مُردار کھالے؟ امام مالکؒ نے کہا کہ بلکہ وہ مُردار کو کھالے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے محرم کے لئے شکار کو کھانے یا پکڑنے کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی۔ اور بوقت ضرورت مُردار کو کھانے کی اجازت دی ہے۔ (اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے مگر اجمالاً حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ محرم نے جو شکار مارا یا ذبح کیا تو اس کا کھانا کسی محرم کے لئے یا حلال کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ ذبیحہ نہیں ہے۔ چاہے خطاءً ایسا کرے یا عمداً۔ اس کا کھانا بہر صورت حلال نہیں۔ مالکؒ نے کہا کہ میں نے بہت سے لوگوں سے یہ مسئلہ سُنا ہے۔ (حنفیہ کا اور اکثر علما کا یہی قول ہے۔ الحسنؒ، ثوریؒ اور ابو ثورؒ نے کہا کہ وہ ذبیحہ مُردار نہیں حلال اسے کھا سکتے ہیں۔)

مالکؒ نے کہا کہ جو محرم شکار مارے اور اُسے کھالے تو اس پر ایک ہی کفارہ ہے جیسا کہ اگر قتل کرے اور کھائے نہیں تو ایک ہی کفارہ ہے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ شافعیؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا قول یہی ہے۔ مگر ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اس پر شکار کے قتل کے باعث جزائے کامل ہے اور کھانے کے باعث ضمان ہے۔

۲۶۔ بَابُ اَمْرِالصَّیْدِ فِی الْحَرَمِ

حرم میں شکار کرنے کا معاملہ

حدودِ حرم کے اندر شکار کرنا کسی کے لیئے جائز نہیں۔ آدمی محرم ہو یا نہ ہو۔ وہ کسی حالت میں شکار نہیں کر سکتا۔ بخاری و مسلم نے ابن عباسؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ دیا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُھَا۔ یعنی صرف شکار کرنا ہی حرام نہیں بلکہ اسے ڈرانا اور حل کی طرف نکالنا بھی حرام ہے۔ مکہ کی پُر امن سرزمین میں صرف انسانوں کو نہیں بلکہ حیوانوں کو بھی امن ہے۔ چند موذی جانوروں اور درندوں کے سوا کسی جانور کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں مکہ کو امن کا شہر فرمایا گیا ہے۔ اور ایک آیت میں حَرَمًا اٰمِنًا کے لفظ بھی آئے ہیں۔ اس مسئلہ پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ حرم میں مُحرِم اور غیر مُحرِم دونوں کے لیئے شکار حرام ہے۔ جن چیزوں کی احرام میں ممانعت ہے۔ وہ حرم کے اندر بھی ممنوع ہیں۔ جُوں کا قتل کرنا اور مچھلی کا شکار یہ دو چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ آیت قرآنی وَلَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ حالتِ احرام میں شکار مت کرو اور یہ بھی ہے کہ حدودِ حرم میں شکار مت کرو۔

۹۵۔ قَالَ مَالِكٌ: كُلُّ شَيْءٍ صِيْدَ فِي الْحَرَمِ، اَوْ اُرْسِلَ عَلَيْهِ كَلْبٌ فِي الْحَرَمِ، فَقُتِلَ ذٰلِكَ الصَّيْدُ فِي الْحِلِّ۔ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ۔ وَعَلٰى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ، جَزَاءُ الصَّيْدِ۔ فَأَمَّا الَّذِي يُرْسِلُ كَلْبَهُ عَلَى الصَّيْدِ فِي الْحِلِّ۔ فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يَصِيْدَهُ فِي الْحَرَمِ۔ فَإِنَّهُ لَا يُؤْكَلُ، وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ جَزَاءٌ۔ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ أَرْسَلَهُ عَلَيْهِ، وَهُوَ قَرِيْبٌ مِنَ الْحَرَمِ۔ فَإِنْ أَرْسَلَهُ قَرِيْبًا مِنَ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس چیز کو حرم کے اندر شکار کیا جائے یا حرم کے اندر اس پر کتا چھوڑا جائے اور وہ اسے حل میں جا کر قتل کرے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ اور ایسا کرنے والے پر جزا ہے۔ جو شخص اپنا کتا حل میں شکار پر چھوڑے اور وہ اس کے پیچھے جا کر اسے حرم میں قتل کر دے تو وہ شکار نہ کھایا جائے لیکن اس شخص پر جزا نہیں۔ مگر یہ کہ اس نے وہ کتا حدِ حرم کے قریب جا کر چھوڑا ہو۔ اگر حرم کے قریب چھوڑا تھا تو پھر اس پر جزا ہے۔

شرح: امام مالکؒ نے اس مسئلے میں جو فروع بیان فرمائی ہیں، ان میں خود مالکی فقہا کا بھی اختلاف ہے۔ تفاصیل کو اگر نہ چھوڑا جائے تو مسئلہ اجماعی ہے۔

۲۷۔ بَابُ الْحُكْمِ فِي الصَّيْدِ

شکار کی جزا میں فیصلے کا بیان

۹۷۲۔ قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ (سورۃ المائدہ ۵:۹۵)

قَالَ مَالِكٌ: فَالَّذِي يَصِيدُ الصَّيْدَ وَهُوَ حَلَالٌ. ثُمَّ يَقْتُلُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ. بِمَنْزِلَةِ الَّذِي يَبْتَاعُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ. ثُمَّ يَقْتُلُهُ. وَقَدْ نَهَى اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهِ. فَعَلَيْهِ جَزَاؤُهُ۔

وَالْأَمْرُ عِنْدَنَا أَنَّ مَنْ أَصَابَ الصَّيْدَ وَهُوَ مُحْرِمٌ حُكِمَ عَلَيْهِ۔

قَالَ يَحْيَى، قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ فَيُحْكَمُ عَلَيْهِ فِيهِ، أَنْ يُقَوَّمَ الصَّيْدُ الَّذِي أَصَابَ، فَيُنْظَرَ كَمْ ثَمَنُهُ مِنَ الطَّعَامِ، فَيُطْعِمَ كُلَّ مِسْكِينٍ مُدًّا. أَوْ يَصُومَ مَكَانَ كُلِّ مُدٍّ يَوْمًا. وَيُنْظَرَ كَمْ عِدَّةُ الْمَسَاكِينِ. فَإِنْ كَانُوا عَشَرَةً، صَامَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ. وَإِنْ كَانُوا عِشْرِينَ مِسْكِينًا، صَامَ عِشْرِينَ يَوْمًا. عَدَدَهُمْ مَا كَانُوا، وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ سِتِّينَ مِسْكِينًا۔

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ أَنَّهُ يُحْكَمُ عَلَى مَنْ قَتَلَ الصَّيْدَ فِي الْحَرَمِ وَهُوَ حَلَالٌ، بِمِثْلِ مَا يُحْكَمُ بِهِ عَلَى الْمُحْرِمِ الَّذِي يَقْتُلُ الصَّيْدَ فِي الْحَرَمِ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ایمان والو! احرام اور حرم میں شکار مت کرو اور تم میں سے جو شخص جان بوجھ کر شکار کو قتل کرے تو مقتول کی جزا اس کی مانند جانوروں میں سے ہے۔ اس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل شخص کریں۔ ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو یا کفارہ مساکین کا کھانا یا اس کے برابر روزے۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائے

شرح: امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ صید کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے ہر وحشی جانور مراد ہے حلال ہو یا حرام۔ اسے قتل کرنے سے جزا آئے گی۔ جو بکری کی قیمت سے زاید نہ ہوگی یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ مگر از روئے حدیث حل و حرم میں قتل کی جانے والی پانچ فاسق چیزیں ـــ سانپ، کوا، چیل، درندہ، دیوانہ کتا اس سے خارج ہیں۔ یہی امام مالکؒ کا قول بھی ہے وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ سے مراد احرام والا اور حدِ حرم کے اندر والا دونوں ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک قتل سے مراد قیمت کا مثل ہے اور دوسرے علما کے نزدیک شکل و صورت اور خلقت کا مثل۔ دو عادل فیصلہ

کرنے والوں کے فیصلے کے بعد قاتل کو اختیار ہے کہ اس جزاء کی ہدی بھیجے یا مساکین کو کھلا دے یا اس کے بجائے روزے رکھ لے۔ ایک مسکین کا دو وقت کا کھانا ایک روزے کے برابر ہو گا۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص حلال ہونے کی حالت میں شکار کو پکڑے اور محرم ہونے کی حالت میں اسے قتل کرے تو وہ بھی اسی کی مانند ہے جس نے حالتِ احرام میں اسے خریدا اور قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ لہذا اس پر اس کی جزا واجب ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ جس نے محرم ہو کر شکار کیا تو اس کے خلاف حکم (فیصلہ حکومت) لگایا جائے گا۔ (اگر شکاری ایک سے زیادہ ہوں تو ہر ایک پر جزا واجب ہے۔ یہی ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور ثوریؒ کا قول ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ شکار کو قتل کرنے والے کے بارے میں بہترین قول جو میں نے سُنا وہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں فیصلہ (حکم) کیا جائے۔ وہ شکار جو اس نے کیا تھا۔ اس کی قیمت لگائی جائے۔ پھر دیکھا جائے کہ کھانے کی چیزوں میں سے اس کی قیمت کیا ہے۔ پھر وہ ہر مسکین کو ایک مُد کھلائے یا ہر مُد کے بجائے ایک دن روزہ رکھے اور دیکھا جائے کہ مسکینوں کی تعداد کیا ہے۔ پھر اگر وہ دس ہوں تو دس دن کے روزے رکھے۔ اور اگر وہ بیس ہوں تو بیس دن کے روزے رکھے۔ غرض ان کی تعداد جتنی ہو، اس کے مطابق روزے رکھے، اگرچہ وہ ساٹھ مسکینوں سے بھی بڑھ جائیں۔ (یعنی مالکؒ کے نزدیک جَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ میں قیمت کی مثل مراد ہے نہ کہ حسی اور جسمانی مثل۔ یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ صرف ایک مُد کی بجائے حنفیہ کے ہاں روزانہ گندم کے دو مُد کفارہ ہو گا۔)

مالکؒ نے کہا کہ جو شخص حرم میں شکار کو قتل کرے اور خود حلال (غیر محرم) ہو تو اس کے خلاف بھی حکم (فیصلہ) ہو گا۔ جیسا کہ اس محرم کے خلاف ہو گا، جو حرم میں شکار کرے۔ (ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے کہ شکار کی جزا کے معاملہ میں حرم اور احرام کے احکام ایک جیسے ہیں۔)

۲۸۔ بَابُ مَا یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

محرم جن جانوروں کو قتل کر سکتا ہے۔

۹۷۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ، لَیْسَ عَلَی الْمُحْرِمِ فِیْ قَتْلِهِنَّ جُنَاحٌ: اَلْغُرَابُ، وَالْحِدَاَۃُ، وَالْعَقْرَبُ وَالْفَارَۃُ، وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ جانور ایسے ہیں کہ محرم پر ان کے قتل میں کوئی گناہ نہیں۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا، دیوانہ کتا۔ (یہ حدیث امام محمدؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہی ہمارا قول مختار ہے اور ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول یہی ہے۔

شرح: دابّہ کا لفظ اہل لغت میں زمین پر رینگ کر چلنے والے جانوروں کے لئے ہے اور پھر تمام جانوروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اس حدیث میں کوے اور چیل پر بھی دابّہ کا لفظ بولا گیا ہے۔ حالانکہ وہ پرندے ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے

کہ دوسری بیان شدہ چیزیں دواب ہیں۔ لہٰذا انہیں بھی ان میں شامل کیا گیا۔ اور اس طرح سب پرندے اس آیت کے لفظ دابۃ میں داخل ہیں۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ اس کے بعض طرق میں چھ اور بعض میں چار جانوروں کا لفظ ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں عدد کا ذکر نہیں اور سانپ بھی مذکور ہے۔ اسی طرح یہ حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی مروی ہے۔ ابوداؤد نے یہ حدیث ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے۔ اور اس میں "سات درندے" کا لفظ ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن المنذر نے یہ حدیث ابوہریرہؓ سے روایت کی اور اس میں بھیڑیے اور چیتے کا لفظ بھی ہے۔ پس اس لحاظ سے جانور نو ۹ ہو گئے۔ بعض احادیث میں بھیڑیے اور چیتے کا لفظ دیوانے کتے کی تفسیر کے طور پر آیا ہے۔

کوے کی پانچ قسمیں ہیں، جن میں سے ایک کا کھانا مباح بھی ہے اور وہ قتل کے حکم سے خارج ہے۔ یہ وہ چھوٹا کوا ہے جو صرف انگوری ہی کھاتا ہے اور موذی نہیں ہوتا۔ ابوہریرہؓ نے اَلْكَلْبُ الْعَقُوْرُ سے (دیوانہ کتا) سے مراد شیر لیا ہے۔ زید بن اسلم نے سانپ، زفرؒ نے بھیڑیا مراد لیا ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اس سے مراد یہی کتا ہے۔ جسے ہم سب اس نام سے جانتے ہیں۔ امام مالکؒ نے اس سے مراد شیر، چیتا، بھیڑیا اور ہر درندہ لیا ہے جو انسان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھیڑیا بھی اس حکم میں داخل ہے۔ دوسرے درندے پہلے حملہ نہیں کرتے اور جب تک انہیں چھیڑا نہ جائے مشتعل نہیں ہوتے۔

۷۹۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "خَمْسٌ مِنَ الدَّوَابِّ۔ مَنْ قَتَلَهُنَّ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ: الْعَقْرَبُ وَالْفَأْرَةُ وَالْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ جانور ایسے ہیں کہ جس نے احرام یا دار حرم میں بھی قتل کیا۔ اس پر کوئی گناہ نہیں: بچھو، چوہا، دیوانہ کتا، چیل اور کوا۔ (اس حدیث کی روایت سے مراد گزشتہ حدیث کی تقویت ہے۔ مضمون بالکل وہی ہے۔) یہ حدیث موطا امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔

۷۹۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَمْسٌ فَوَاسِقُ۔ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ: الْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْغُرَابُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ"۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ فاسق جانور ایسے ہیں، جن کو حل و حرم میں قتل کیا جائے گا۔ چوہا، بچھو، کوا، چیل اور دیوانہ کتا۔

۸۰۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فِي الْحَرَمِ

قَالَ مَالِكٌ: فِي الْكَلْبِ الْعَقُورِ الَّذِي أُمِرَ بِقَتْلِهِ فِي الْحَرَمِ - إِنَّ كُلَّ مَا عَقَرَ النَّاسَ، وَعَدَا عَلَيْهِمْ، وَأَخَافَهُمْ، مِثْلُ الْأَسَدِ وَالنَّمِرِ وَالْفَهْدِ وَالذِّئْبِ - فَهُوَ الْكَلْبُ الْعَقُورُ - وَأَمَّا مَا كَانَ مِنَ السِّبَاعِ، لَا يَعْدُو - مِثْلُ الضَّبُعِ، وَالثَّعْلَبِ، وَالْهِرِّ، وَمَا أَشْبَهَهُنَّ مِنَ السِّبَاعِ - فَلَا يَقْتُلُهُنَّ الْمُحْرِمُ - فَإِنْ قَتَلَهُ فَدَاهُ - وَأَمَّا مَا ضَرَّ مِنَ الطَّيْرِ، فَإِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَقْتُلُهُ - إِلَّا مَا سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ - وَإِنْ قَتَلَ الْمُحْرِمُ شَيْئًا مِنَ الطَّيْرِ سِوَاهُمَا، فَدَاهُ -

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سانپوں کو حدِ حرم میں قتل کرنے کا حکم دیا۔ (یہ اثر موطّائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔ سانپ تو بچھو سے زیادہ زہریلا اور خطرناک ہوتا ہے۔ پس یہ قتل کے حکم میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔)

مالکؒ نے جس دیوانے کتے کے حرم میں قتل کا حکم ہے اس کی تفسیر میں کہا کہ ہر جانور جو لوگوں کو کاٹے اور ان پر حملہ آور ہو اور انہیں ڈرائے مثلاً شیر، چیتا، باگھ شیر (یا ریچھ) اور بھیڑیا، وہ اَلْکَلْبُ الْعَقُوْرُ ہے۔ اور جو درندے حملہ آور نہ ہوں مثلاً بجو، لومڑی اور جنگلی بلا اور ان جیسے اور درندے، سو محرم انہیں قتل نہ کرے۔ اگر اس نے انہیں قتل کیا تو فدیہ دے گا۔ (حنفیہ کے نزدیک جن فاسق جانوروں کا ذکر حدیث میں آ چکا ہے، ان کے قتل سے کوئی فدیہ واجب نہیں۔ دوسرے درندے اگر حملہ آور ہوں تو ان کے قتل سے بھی کوئی فدیہ نہیں آتا اور اگر وہ ابتدا نہ کریں تو انہیں قتل نہ کیا جائے۔ ورنہ ایک بھیڑ یا بکری بطور فدیہ آئے گی۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ مضر جانوروں کو محرم قتل نہ کرے مگر وہ جن کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا ہے۔ یعنی کوا اور چیل۔ اور ان کے سوا اگر محرم کسی پرندے کو قتل کرے تو اس کا فدیہ واجب ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک اگر موذی اور شکاری پرند مثلاً باز یا شکرہ انسان پر جھپٹ پڑے تو اس کے قتل میں کوئی فدیہ نہیں۔)

۲۹- بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَفْعَلَهُ

محرم کے لئے جن افعال کا کرنا جائز ہے

۸۰۱- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهُدَيْرِ، أَنَّهُ رَأَى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُقَرِّدُ بَعِيرًا لَهُ فِي طِينٍ بِالسُّقْيَا - وَهُوَ مُحْرِمٌ -

قَالَ مَالِكٌ: وَأَنَا أَكْرَهُهُ -

ترجمہ: ربیعہ بن عبداللہ بن الہدیر سے روایت ہے کہ اس نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالت احرام میں سُقیا نامی بستی میں اپنے ایک اونٹ کی چچڑیاں اتار کر کیچڑ میں پھینکتے دیکھا تھا۔ مالکؒ نے کہا کہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔
(امام محمدؒ نے یہ اثر باب الحجامۃ والقراد وغیرہ للمحرم میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔)

۸۰۲۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِیْ عَلْقَمَةَ، عَنْ أُمِّهٖ، أَنَّهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُسْأَلُ عَنِ الْمُحْرِمِ، أَیَحُكُّ جَسَدَهٗ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ فَلْیَحْكُكْهُ وَلْیَشْدُدْ۔ وَلَوْ رُبِطَتْ یَدَایَ، وَلَمْ أَجِدْ إِلَّا رِجْلَیَّ لَحَكَكْتُ۔

ترجمہ: علقمہ کی ماں مرجانہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مُحرم کے متعلق یہ سوال ہوتے سُنا کہ کیا مُحرم اپنا جسم کھجلا سکتا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہاں! وہ کھجلائے اور خوب کھجلائے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر میرے دونوں ہاتھ باندھ دیئے جائیں اور مجھے پاؤں کے ساتھ کھجلانا پڑے تو بھی کھجلاؤں۔ (یہ بطور مبالغہ فرمایا، امام محمدؒ نے یہ حدیث باب المحرم یحکّ جلدہ میں روایت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ جسم کو کھجلانے میں تو حرج نہیں مگر یہ احتیاط کرے کہ بال وغیرہ نہ توڑ ڈالے۔ اور کوئی خلاف احرام حرکت نہ کرے۔)

۸۰۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَیُّوْبَ بْنِ مُوْسٰی، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ نَظَرَ فِی الْمِرْاٰةِ لِشَكْوٍ كَانَ بِعَیْنَیْهِ، وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ترجمہ: ایوب بن موسیٰ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے آشوب چشم کے باعث احرام کی حالت میں آئینہ دیکھا تھا۔ (احرام میں انسان کو اپنا سارا جسم دیکھنا جائز ہے۔ لہٰذا آئینہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آئینہ چونکہ بالعموم زیب وزینت کی خاطر دیکھا جاتا ہے لہٰذا اس کے جواز اور عدم جواز کی بحث پیدا ہوسکتی تھی۔ پس صرف آئینہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ خلاف احرام کوئی کام نہ کیا جائے۔)

۸۰۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَكْرَهُ أَنْ یَنْزِعَ الْمُحْرِمُ حَلَمَةً أَوْ قُرَادًا عَنْ بَعِیْرِهٖ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَیَّ فِیْ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ محرم اپنے اونٹ کی چچڑیاں (چھوٹی بڑی) اُتارے۔ مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلے میں میں نے جو کچھ سُنا، اس میں یہ بات پسندیدہ تر ہے۔ (امام محمدؒ نے یہ روایت کیا ہے اور کہا کہ ہمارا عمل عمر بن الخطابؓ کے فعل پر ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ عمرؓ کا قول عبداللہ بن عمرؓ کے قول سے پسندیدہ تر ہے۔)

۸۰۵ - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ ظُفْرٍ لَهُ انْكَسَرَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. فَقَالَ سَعِيدٌ: اقْطَعْهُ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَكِي أُذُنَهُ. أَيَقْطُرُ فِي أُذُنِهِ مِنَ الْبَانِ الَّذِي لَمْ يُطَيَّبْ، وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ فَقَالَ: لَا أَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا. وَلَوْ جَعَلَهُ فِي فِيهِ، لَمْ أَرَ بِذَلِكَ بَأْسًا.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَبُطَّ الْمُحْرِمُ خُرَاجَهُ، وَيَفْقَأَ دُمَّلَهُ، وَيَقْطَعَ عِرْقَهُ، إِذَا احْتَاجَ إِلَى ذَلِكَ.

ترجمہ: محمد بن عبداللہ بن ابی مریم نے سعید بن المسیبؒ سے اپنے ایک شکستہ ناخن کے متعلق پوچھا اور وہ احرام میں تھا۔ سعید نے کہا کہ اسے کاٹ دو۔ (ہدایہ میں ٹوٹے ہوئے ناخن کو حرم کے خشک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چونکہ ٹوٹ جانے کے بعد اس میں نشو و نما نہیں رہتا۔ لہٰذا اسے اُتار دینا جائز ہے اور یہ ایک شرعی ضرورت بھی ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جب ان سے سوال ہوا کہ ایک آدمی کے کان میں تکلیف ہو تو کیا وہ اپنے کان میں بکا ئن کا غیر خوشبودار تیل ٹپکا سکتا ہے؟ جب کہ وہ احرام میں ہو؟ مالکؒ نے کہا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا اور اگر وہ اسے اپنے منہ میں ٹپکائے، تب بھی حرج نہیں ہے۔ (یعنی یہ علاج کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ محرم کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے کیل مہاسے وغیرہ نکال دے اور جسم کے چھالے کو پھوڑ دے اور اپنی رگ بوقت ضرورت کاٹ دے (ابن حزم نے کہا کہ یہی جمہور کا مذہب ہے مگر الحسنؒ کے نزدیک فدیہ آئے گا۔)

۳۰ - بَابُ الْحَجِّ عَمَّنْ يُحَجُّ عَنْهُ

دوسروں کی طرف سے حج کرنے کا باب

اس مسئلہ پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص خود حج پر قادر ہو وہ فریضۂ حج میں کسی کو اپنا نائب نہیں بنا سکتا اور اس حکم میں نذر کا واجب حج بھی فریضہ کی مانند ہے۔ حجِ نفل کی اس مسئلہ میں تین قسمیں ہیں۔ (۱) جس شخص نے خود فریضہ حج ادا نہیں کیا وہ نفلی حج میں کسی کو نائب نہیں بنا سکتا (۲) جس نے فریضہ حج ادا کر لیا ہے مگر اب خود حج ادا کرنے سے عاجز ہو وہ نفلی حج میں کسی کو نائب بنا سکتا ہے۔ (۳) جس شخص نے فریضہ حج ادا کر لیا ہو اور اب نفلی حج پر بھی قادر ہو تو آیا وہ نفلی حج میں کسی کو نائب بنا سکتا ہے؟ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہاں! بنا سکتا ہے اور یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ دوسری یہ کہ نہیں بنا سکتا اور یہ شافعیؒ کا قول ہے۔ امام احمدؒ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔

جس آدمی کو کسی اور وجہ سے استطاعت حاصل ہو مثلاً اس میں فرضیت حج کی شرائط تو موجود ہیں مگر لا علاج بیماری کا مریض ہے جس کے دُور ہونے کی امید نہیں تو اگر وہ کسی ایسے شخص کو پائے جس کو اپنا نائب بنا سکے۔ تو اس پر حج فرض ہے۔ یہ ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول ہے۔ مگر مالکؒ کے نزدیک اس پر حج نہیں ہے، جب تک کہ خود جانے کی استطاعت نہ رکھے۔

علامہ محدث علی القاری الحنفی نے شرح اللباب میں کہا ہے کہ حج کے وجوبِ ادا کی یہ شرائط ہیں پہلی امراض سے جسم کا سلامت ہونا۔ دوسری عقل (اور کہا گیا ہے کہ یہ شرائطِ وجوب میں سے ہے نہ کہ شرائطِ ادا میں سے) اور یہ ساری بحث اس وقت ہے، جب کہ فرضیتِ حج کے وقت وہ صحیح البدن اور صحیح العقل نہ ہو۔ ورنہ اس پر حج فرض ہے اور وہ کسی اور سے کرائے گا۔ معذور کی طرف سے اس کے نائب کا حج ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب، ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک جائز ہے۔ مالکؒ، لیثؒ اور الحسن بن صالحؒ کے نزدیک صرف میت کی طرف سے حج بدل جائز ہے اور کسی کی طرف سے نہیں۔

جو شخص بیمار تو ہے مگر لا علاج اور مزمن مرض میں مبتلا نہیں۔ بلکہ اس کی بیماری کے زوال کی امید ہے وہ کسی اور سے حج نہیں کرا سکتا۔ اگر کرائے گا تو جائز نہ ہوگا۔ گو وہ تندرست نہ ہو۔ یہ شافعیؒ کا مسلک ہے۔ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اس صورت میں اس کا کرایا ہوا حج واقع ہو جائے گا۔

جو شخص معذور ہو، مثلاً کسی لا علاج مرض کا شکار ہو تو جب بھی وہ کسی حج بدل کرنے والے کو پائے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی طرف سے حج کرائے (جب شرائطِ وجوب پائی جائیں)۔ جب اس سے حج بدل کرا دیا تو اس کے بعد اگر اس کے بعد وہ تندرست ہو جائے اور حج کرنے پر قادر ہو جائے تو پہلا حج کافی ہو چکا۔ دوبارہ حج ضروری نہیں۔ یہ امام اسحٰقؒ کا قول ہے۔ حنفیہ شافعیؒ اور ابن المنذرؒ کے نزدیک اب اس وقت خود حج کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ مامور بہ پر عمل کر چکا ہے۔ شارع کے حکم پر اس نے فریضۂ حج جیسا اس پر واجب تھا، ابھی ادا نہیں کیا۔ کیونکہ تندرست ہونے سے معلوم ہو گیا کہ وہ مایوس العلاج اور دائم المرض نہ تھا۔

کسی اور کی طرف سے حجِ بدل ادا کرنا اس وقت جائز ہے، جب کہ اصل شخص کو اس کا علم ہو۔ اور اس کا اذن دے فرض اور نفل کا اس میں ایک ہی حکم ہے۔ ہاں امیت کی طرف سے ایسا کرنا جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حجِ نفل کی صورت میں اصل کا امر یا اذن یا اطلاع ضروری نہیں اور فرض میں ضروری ہے۔ پہلا مسلک شوافع کا ہے۔

جس پر حج فرض تھا، اگر وہ مر گیا اور وصیت نہیں کر گیا (جو تیسرے حصۂ مال تک جائز ہے) تو وارثوں کو یا کسی اور کو اس کا حجِ بدل ادا کرنا واجب نہیں۔ اگر وہ کریں گے تو انشاء اللہ ادا ہو جائے گا۔

جس شخص نے خود حج ادا نہیں کیا، آیا وہ دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کر سکتا ہے؟ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، ابراہیمؒ، ایوب، الحسن البصریؒ، جعفر بن محمدؒ اور احمد بن حنبلؒ ــــ ایک روایت میں ــــ کے نزدیک وہ ایسا کر سکتا ہے۔ شافعیؒ اور اوزاعیؒ اور احمدؒ ــــ دوسری روایت میں ــــ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک حج بدل اس کی طرف سے واقع ہوتا ہے، جس کی طرف سے کیا جائے۔ اس میں مذکر و مونث میں اختلاف نہیں۔ مگر امام محمد بن الحسنؒ کے نزدیک حج تو حج کرنے والے کی طرف سے ہے اور خرچ کا ثواب اس کے لئے ہے جس کی طرف سے کیا جا رہا ہو۔ حج بدل کے بعض فرعی مسائل میں بہت تفصیل درکار ہے۔ جس کا یہاں موقع نہیں۔ بعض باتیں آپ کو فضل المعبود میں ملیں گی۔ یہاں ہم نے بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۰۰۔ حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنِ ابْنِ شِہَابٍ، عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: کَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِیْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ. فَجَاءَتْہُ امْرَأَۃٌ مِنْ خَثْعَمَ تَسْتَفْتِیْہِ. فَجَعَلَ الْفَضْلُ یَنْظُرُ اِلَیْہَا وَتَنْظُرُ اِلَیْہِ. فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْرِفُ وَجْہَ الْفَضْلِ اِلَی الشِّقِّ الْاٰخَرِ. فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. اِنَّ فَرِیْضَۃَ اللّٰہِ فِی الْحَجِّ اَدْرَکَتْ اَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا. لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّثْبُتَ عَلَی الرَّاحِلَۃِ. اَفَاَحُجُّ عَنْہُ؟ قَالَ: "نَعَمْ". وَذٰلِکَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ الفضل بن عباسؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ قبیلہ خثعم کی ایک عورت حضورؐ سے ایک مسئلہ پوچھنے آئی۔ الفضلؓ اس کی طرف دیکھنے لگا اور وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ (الفضلؓ بہت خوبصورت نوجوان تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا منہ دوسری طرف کو پھیرتے تھے۔ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! خداوند تعالیٰ کا فریضہ حج جو اس کے بندوں پر ہے وہ میرے باپ کو پہنچا ہے جو بہت بوڑھا آدمی ہے اور سواری پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اور یہ آخری حج کا قصہ ہے۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث اپنے مؤطا میں روایت کی ہے اور اس کے علاوہ دو اور مرفوع احادیث بھی روایت کی ہیں۔)

شرح: امام محمدؒ نے بابُ الحج عن المیتِ اَوْ عَنِ الشَّیْخِ الْکَبِیْرِ میں کہا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے کہ میت، عورت اور مرد کی طرف سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ بڑھاپے کے باعث خود حج پر قادر نہ ہوں اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ اور امام مالکؒ نے کہا کہ میرے نزدیک کوئی کسی کی طرف سے حج نہیں کر سکتا۔

۳۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْمَنْ اُحْصِرَ بِعَدُوٍّ

جس شخص کو دشمن کی طرف سے رکاوٹ پیش آئے اس کا باب

رکاوٹ صرف دشمن ہی کی طرف سے نہیں بلکہ بیماری وغیرہ اعذار کے باعث بھی ہو سکتی ہے۔ فقہائے حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور یہ ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور زید بن ثابتؓ سے یہی مروی ہے۔ لیث بن سعدؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک احصار (روکنا، رکاوٹ) صرف دشمن کا معتبر ہے۔ اور یہی عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے اور ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کی رکاوٹ کے بغیر حاجی یا معتمر کے لئے احرام کھولنا جائز نہیں ہے۔

۸۰۱۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، قَالَ: مَنْ حُبِسَ بِعَدُوٍّ، فَحَالَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْبَیْتِ، فَاِنَّہٗ یَحِلُّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ. وَیَنْحَرُ ھَدْیَہٗ. وَیَحْلِقُ رَأْسَہٗ حَیْثُ حُبِسَ. وَلَیْسَ عَلَیْہِ قَضَاءٌ۔

وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَلَّ ھُوَ وَاَصْحَابُہٗ

بِالْحُدَيْبِيَةِ۔ فَنَحَرُوا الْهَدْيَ۔ وَحَلَقُوْا رُءُوْسَهُمْ۔ وَحَلُّوْا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ قَبْلَ اَنْ يَطُوْفُوْا بِالْبَيْتِ۔ وَقَبْلَ اَنْ يَصِلَ اِلَيْهِ الْهَدْيُ۔ ثُمَّ لَمْ يُعْلَمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِهٖ، وَلَا مِمَّنْ كَانَ مَعَهٗ، اَنْ يَقْضُوْا شَيْئًا، وَلَا يَعُوْدُوْا لِشَيْءٍ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو کسی دشمن کی وجہ سے روک دیا جائے اور وہ اس کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو جائے، اپنی ہدی کو ذبح کر دے اور سر وہیں منڈوا دے جہاں وہ روکا گیا ہو اور اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔ احنفیہ کے نزدیک اس کے ذمہ قضا لازم ہے۔ کیونکہ عبادت ادا نہیں ہوئی اور اس کی دلیل حضورؐ کا حدیبیہ میں روک دیا جانا اور پھر آپؐ کا اصحاب سمیت عمرہ کو ادا کرنا ہے۔)

امام مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے حدیبیہ میں احرام کھول دیا اور ہدی کو ذبح کر دیا۔ اور اپنے سر منڈوا دیئے اور ہر چیز سے حلال ہو گئے۔ قبل اس کے کہ بیت اللہ کا طواف کریں۔ اور قبل اس کے ہدی مکہ میں پہنچے۔ پھر ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو اور ساتھ والوں کو قضا کا حکم دیا ہوا ور کوئی اور کام دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہو۔

شرح: امام محمدؒ نے موطا میں باب المحصر کے اندر دو اثر روایت کئے ہیں۔ ایک عبداللہ بن عمرؓ سے اور دوسرا عبداللہ بن مسعودؓ سے بطور بلاغ اور لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے مرض کے باعث رکنے والے کو دشمن کی رکاوٹ کے باعث راہ میں ایک جانے والے کی مانند قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کو سانپ نے ڈس لیا اور وہ چلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو عبداللہ نے کہا کہ وہ ایک ہدی بھیج دے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک وقت معین کر لے۔ جو ان کے دخولِ مکہ کی علامت ہو۔ پس جب اس کی طرف سے ہدی ذبح کی گئی تو وہ احرام کھول دے اور حلال ہو جائے۔ اور اس عمرہ کی بجائے اس پر ایک اور عمرہ واجب ہے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ یہی ہمارا ماخذ ہے اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ۔ اس سے معلوم ہوا کہ محصر اس وقت سر منڈوائے گا، جب ہدی حرم کعبہ میں جا پہنچے۔ حدیبیہ جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مشرکوں نے ۶ ہجری میں روکا تھا، اس کا کچھ حصہ حِل میں اور کچھ حرم میں داخل تھا۔ اور حرم میں داخل حصہ ہدی کے ذبح کرنے کی جگہ بن سکتی تھی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں پر ہدی کو ذبح کیا تھا۔ المسور بن مخرمہؓ اور مروان بن الحکم نے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ داخلِ حرم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل حل میں اور نماز کی جگہ حرم تھی۔ یہ بیہقی اور طحاوی کی روایات ہیں ہے۔

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے دوسرے سال جب عمرہ قضا کیا تو ہدی کو بھی ذبح کیا تھا۔ الحاکم نے کہا کہ اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اصحاب سمیت عمرہ قضا کرنے کی روایات متواتر ہیں اور اصحاب حدیبیہ میں سے سوائے خیبر کے شہدا کے سب اس میں شامل تھے۔ اور اسی ۷ھ والے عمرہ کا نام ہی عمرۃ القضاء رکھا گیا ہے۔

۸۰۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ، حِينَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ مُعْتَمِرًا فِي الْفِتْنَةِ: إِنْ صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ، صَنَعْنَا كَمَا صَنَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَأَهَلَّ بِعُمْرَةٍ مِنْ أَجْلِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ.

ثُمَّ إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ نَظَرَ فِي أَمْرِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ. ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: مَا أَمْرُهُمَا إِلَّا وَاحِدٌ. أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ أَوْجَبْتُ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ.

ثُمَّ نَفَذَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ. فَطَافَ طَوَافًا وَاحِدًا. وَرَأَى ذٰلِكَ مُجْزِيًا عَنْهُ. وَأَهْدَى.

قَالَ مَالِكٌ: فَهٰذَا الْأَمْرُ عِنْدَنَا. فِيمَنْ أُحْصِرَ بِعَدُوٍّ. كَمَا أُحْصِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ. فَأَمَّا مَنْ أُحْصِرَ بِغَيْرِ عَدُوٍّ. فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ دُونَ الْبَيْتِ.

ترجمہ: نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ جب فتنہ (حجاج کے فتنے) کے زمانے میں مکہ کی طرف عمرہ کرنے کو نکلے تو کہا کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روک لیا گیا تو ہم اسی طرح کریں گے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ پس عبداللہ نے عمرے کا احرام باندھا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے معاملے پر غور کیا تو کہا کہ حج اور عمرہ کا معاملہ تو ایک ہی جیسا ہے۔ پس اپنے ساتھیوں کی طرف التفات کیا اور کہا کہ ان دونوں کا معاملہ ایک ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حج کو عمرہ کے ساتھ واجب کیا ہے۔ پھر وہ چلتے رہے حتیٰ کہ بیت اللہ میں آئے اور ایک ہی طواف کیا اور جانا کہ یہ اس کی طرف سے کافی ہے اور ہدی پیش کی۔

شرح: یہ واقعہ ۷۲ھ یا ۷۳ھ کا ہے۔ اس قصے کی دوسری روایات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کو سالمؒ اور عبیداللہؒ نے (ان کے بیٹوں) فتنے کے زمانے میں مکہ جانے سے روکا تھا۔ اس وقت حجاج نے عبداللہ بن الزبیرؓ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ عبداللہ کا ارادہ حج کا تھا۔ مگر بیٹوں کے کہنے پر انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا۔ مگر پھر کہا کہ حج اور عمرہ کا معاملہ احصار کے مسئلہ میں واحد ہے۔ لہٰذا دونوں کا احرام باندھ لیا۔ گویا وہ حجِ قران کرنے جا رہے تھے۔ اور ان کے اس قول کا مطلب کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روکا گیا الخ یہ تھا کہ جس طرح حدیبیہ کے زمانے میں ہم نے وہیں رک کر احرام کھولے تھے اور ہدی ذبح کی تھی؟ اب بھی کریں گے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ حدیبیہ میں تو حضورؐ کو احصار کا پہلے سے علم نہ تھا اور اچانک یہ قصہ پیش آ گیا۔ مگر عبداللہ بن عمرؓ کو تو فتنۂ حجاج سے خبردار کر کے جانے سے روکا گیا تھا؟ تو ممکن ہے، اس وقت انہیں فتنے کا یقین نہ ہو، فقط خدشے کی حد تک معاملہ ہو، لہٰذا چل پڑے۔ ورنہ احصار والے کو اس کا اگر پہلے سے علم ہو تو اس کے لئے آگے بڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں عبادت کا ضیاع اور خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا ہونا ہے۔
شارحین نے اس حدیث کو ائمہ ثلاثہ کی دلیل ٹھیرایا ہے کہ قارن اپنے حج اور عمرہ کے لئے ایک ہی طواف کرے گا اور یہ بظاہر حنفی مسلک کے خلاف ہے مگر شارحین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قارن تین طواف کرتا ہے۔ طوافِ قدوم۔ طوافِ رکن اور طوافِ وداع۔ قارن کے لئے حنفیہ کے نزدیک ایک طواف عمرہ کا ہے۔ پس تین طواف تو سبھی مانتے ہیں۔ صرف چوتھا زیر بحث ہے۔

طواف زیارت تو حج کا رکن ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ طوافِ قدوم سنت ہے اور اگر کسی نے اسے ترک کر دیا۔ تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ طوافِ وداع واجب ہے مگر اسے ادا نہ کرنے کی صورت میں دم اسی کا ہے۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوریؒ کا یہی قول ہے۔

مالکؒ نے کہا کہ طوافِ وداع کے تارک کے ذمہ کچھ واجب نہیں مگر طوافِ قدوم کے ترک سے دم واجب ہے۔ اب اس حدیث کو اگر ظاہر پر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے فقط ایک طواف کیا، یعنی یا طوافِ قدوم ترک کیا جو حسبِ اقوالِ ائمہ واجب یا سنت تھا۔ اور یا طوافِ وداع ترک کیا کہ اس کا بھی یہی حکم تھا۔ یا دونوں ترک کئے تو بالاتفاق واجب اور سنت کو ترک کیا۔ لہٰذا اب شارحین کو متعین کرنا پڑے گا کہ ابن عمرؓ نے کون سا طواف کیا اور کون کون سا ترک کر دیا تھا۔

صحیح بخاری میں زہری عن سالم کے طریق سے عبداللہ بن عمرؓ کی اپنی روایت موجود ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ عمرہ ملایا تھا۔ اس میں دو طوافوں کی صراحت موجود ہے۔ پس حدیث زیرِ نظر کو اس کے ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہیں۔ یہی سبب ہے کہ سب شارحینِ حدیث نے اس کی تاویل کی ہے حتیٰ کہ ان کے کلام میں تضاد بھی پایا گیا ہے۔ بعض نے قریب اور بعض نے اس کی بعید تاویلیں کی ہیں۔ زرقانی کی تاویل کے مطابق تو ابن عمرؓ نے طوافِ قدوم ترک کیا تھا جو واجب ہے۔ زرقانی نے بعض حنفیہ کی تاویل یہ بیان کی ہے کہ ابن عمرؓ نے حج اور عمرہ ہر ایک کے لئے ایک ایک طواف کیا تھا۔ العرف الشذی میں ہے کہ ابن عمرؓ نے طوافِ قدوم کیا۔ جو دراصل طوافِ عمرہ تھا اور طوافِ قدوم اس میں درج ہو گیا تھا۔ اور ابن عمرؓ کے فعل کی یہ توجیہ دراصل امام طحاویؒ سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابن عمرؓ نے جو طواف دخولِ مکہ کے وقت عمرہ کے لئے کیا تھا، اس کا اعادہ حج میں نہیں کیا۔ گویا عملاً طوافِ قدوم ترک کر دیا اور وہ سنت ہے۔ جس کے ترک سے فدیہ وغیرہ کچھ لازم نہیں آتا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ ابن عمرؓ نے پہلا طواف جو عمرہ کے لئے کیا تھا اس پر اکتفا کیا اور اس کے سوا قدوم کے لئے کوئی دوسرا طواف نہ کیا۔ شاید ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہو کہ عمرے والا طواف ہی قدوم کے لئے کافی ہے۔

دایضاً ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ یہی ہے امر ہمارے نزدیک اس شخص میں جو محصور ہو گیا ہو۔ یعنی اس کے بعد بھی کسی دشمن کے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو رکاوٹ پیش آگئی تھی۔ مالکؒ نے کہا کہ جو شخص دشمن کے بغیر محصور ہوا تو وہ بیت اللہ سے ورے احرام نہ کھولے۔ (یعنی وہ شرعی محصور نہیں ہے) اوپر گزر چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مرض کے احصار میں اور دشمن کے احصار میں کوئی فرق نہیں۔

۳۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ أُحْصِرَ بِغَيْرِ عَدُوٍّ

جو شخص دشمن کے بغیر محصور ہو جائے اس کا باب

۸۰۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: الْمُحْصَرُ بِمَرَضٍ لَا يَحِلُّ. حَتّٰى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَيَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ فَإِذَا اضْطُرَّ إِلٰى لُبْسِ شَيْءٍ مِنَ الثِّيَابِ الَّتِي لَا بُدَّ لَهُ مِنْهَا، أَوِ الدَّوَاءِ، صَنَعَ ذٰلِكَ وَافْتَدٰى۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے کہ جو شخص بیماری کے سبب محصور ہو وہ بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے بغیر احرام نہیں کھول سکتا۔ اگر وہ کپڑے پہننے اور دوا پر مجبور ہو تو ایسا کرے۔ اور فدیہ دے۔

شرح: اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک احصار خواہ دشمن کا ہو یا مرض کا، احکام کے لحاظ سے برابر ہے اور مرض کے احصار والا احرام کھول سکتا ہے۔

۸۱۰۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: الْمُحْرِمُ لَا يُحِلُّهُ إِلَّا الْبَيْتُ.

ترجمہ: مالکؒ نے یحییٰ بن سعید سے روایت کی کہ انہیں یہ خبر ملی ہے کہ حضرت عائشہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ نے فرمایا کہ محرم کا احرام صرف بیت اللہ ہی کھول سکتا ہے۔

شرح: یہ حدیث بیہقی وغیرہ میں موصول آئی ہے۔ اس کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ کے احصار کا مطلقاً کوئی لحاظ نہیں ہے۔ گویا احصار ان کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ لیکن امام مالکؒ کا یہ مذہب نہیں۔ وہ دشمن کے احصار کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس حدیث میں ان کے مسلک کی کوئی دلیل نہیں۔

۸۱۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، كَانَ قَدِيمًا، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ إِلَى مَكَّةَ. حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِبَعْضِ الطَّرِيقِ كُسِرَتْ فَخِذِي. فَأَرْسَلْتُ إِلَى مَكَّةَ. وَبِهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَالنَّاسُ. فَلَمْ يُرَخِّصْ لِي أَحَدٌ أَنْ أَحِلَّ. فَأَقَمْتُ عَلَى ذٰلِكَ الْمَاءِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ. حَتَّى أَحْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ.

ترجمہ: مالکؒ نے ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی سے اور اس نے ایک بزرگ سے روایت کی جو بصرہ میں رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں مکہ کی طرف نکلا۔ جب راستے میں تھا تو میری ران ٹوٹ گئی تو میں نے مکہ میں پیغام بھیجا اور وہاں عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے لوگ تھے۔ ان میں سے کسی نے مجھے احرام کھولنے کی اجازت نہ دی۔ پس میں سات ماہ تک اسی چشمہ پر مقیم رہا۔ حتیٰ کہ عمرہ ادا کر کے احرام کھولا۔ (یعنی ان حضرات کے نزدیک عمرہ میں کوئی احصار نہیں یا مرض کا احصار کوئی چیز نہیں گفتگو اوپر ہو چکی) یہ مبہم راوی ابو قلابہ عبداللہ بن زید ہے۔

۸۱۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ حُبِسَ دُونَ الْبَيْتِ بِمَرَضٍ، فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ. أَنَّ سَعِيدَ بْنَ حُزَابَةَ الْمَخْزُومِيَّ صُرِعَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ، وَهُوَ مُحْرِمٌ. فَسَأَلَ: مَنْ يَلِي عَلَى الْمَاءِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ؟ فَوَجَدَ عَبْدَ اللّٰهِ

ابن عمر، و عبد اللہ بن الزبیر، و مروان بن الحکم۔ فذکر لھم الذی عرض لہ۔ فکلھم امرہ
ان یتداوی بما لا بد لہ منہ۔ ویفتدی۔ فاذا صح اعتمر۔ فحل من احرامہ۔ ثم علیہ حج
قابل، ویھدی ما استیسر من الھدی۔

قال مالک، وعلی ھذا الامر عندنا فیمن احصر بغیر عدو۔ وقد امر عمر بن الخطاب
ابا ایوب الانصاری، وھبار بن الاسود، حین فاتھما الحج، واتیا یوم النحر: ان یحلا بعمرۃ،
ثم یرجعا حلالا۔ ثم یحجان عاما قابلا، ویھدیان۔ فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام فی الحج
وسبعۃ اذا رجع الی اھلہ۔

قال مالک: وکل من حبس عن الحج بعد ما یحرم، اما بمرض او بغیرہ۔ او بخطا
من العدد۔ او خفی علیہ الھلال۔ وھو محصر۔ علیہ ما علی المحصر۔

قال یحیی: سئل مالک عمن اھل من اھل مکۃ بالحج۔ ثم اصابہ کسر، او بطن
متحرق او امراۃ تطلق۔ قال: من اصابہ ھذا منھم فھو محصر۔ یکون علیہ مثل ما علی
اھل الآفاق، اذا ھم احصروا۔

قال مالک: فی رجل قدم معتمرا فی اشھر الحج۔ حتی اذا قضی عمرتہ اھل بالحج
من مکۃ۔ ثم کسر اواصابہ امر لا یقدر علی ان یحضر مع الناس الموقف۔ قال مالک
اری ان یقیم۔ حتی اذا برا خرج الی الحل۔ ثم یرجع الی مکۃ فیطوف بالبیت۔ ویسعی بین
الصفا والمروۃ۔ ثم یحل۔ ثم علیہ حج قابل والھدی۔

قال مالک: فیمن اھل بالحج من مکۃ۔ ثم طاف بالبیت وسعی بین الصفا والمروۃ۔ ثم
مرض فلم یستطع ان یحضر مع الناس الموقف۔

قال مالک: اذا فاتہ الحج۔ فان استطاع خرج الی الحل، فدخل بعمرۃ، فطاف بالبیت

وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ - لِأَنَّ الطَّوَافَ الْأَوَّلَ لَمْ يَكُنْ نَوَاهُ لِلْعُمْرَةِ - فَلِذٰلِكَ يَعْمَلُ بِهٰذَا - وَعَلَيْهِ حَجٌّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ - فَإِنْ كَانَ مِنْ غَيْرِ أَهْلِ مَكَّةَ فَأَصَابَهُ مَرَضٌ حَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَجِّ - فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ - حَلَّ بِعُمْرَةٍ وَطَافَ بِالْبَيْتِ طَوَافًا آخَرَ - وَسَعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ - لِأَنَّ طَوَافَهُ الْأَوَّلَ، وَسَعْيَهُ، إِنَّمَا كَانَ نَوَاهُ لِلْحَجِّ - وَعَلَيْهِ حَجٌّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ -

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ جو شخص مرض کے باعث محبوس ہو جائے تو وہ اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا۔ جب تک بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی نہ کرے ۔

(ایضاً) سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ سعید بن حزابہ مخزومی مکے کے رستے میں سواری سے گر پڑا اور وہ محرم تھا۔ پس جس چشمے پر وہ تھا، وہاں اس نے علما کا پتہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہاں پر عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیر اور مروان بن الحکم موجود تھے ۔اس نے ان کے سامنے اپنا عارضہ (حادثہ) پیش کیا ۔ان سب نے حکم دیا کہ وہ اس بیماری کا علاج کرائے اور فدیہ ادا کرے ۔ پھر جب تندرست ہو تو عمرہ ادا کرے اور پھر احرام کھول دے ۔اس کے ذمے آئندہ سال کا حج واجب ہوگا اور حسب استطاعت ہدی دے ۔ (یعنی حج تو فوت ہو گیا ۔وہ اب اگلے سال ادا کرنا ہوگا ۔)

(ایضاً) مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک جو شخص دشمن کے بغیر محصور ہو اس کا حکم یہ ہے ۔(یعنی وہ عمرہ کر کے ہی حلال ہوگا ۔ اور دشمن کے بغیر احصار ثابت نہیں ہوتا ۔)

(ایضاً) مالکؒ نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے ابوایوب انصاریؓ اور ہبار بن الاسود کو حکم دیا جبکہ ان کا حج فوت ہو گیا تھا اور وہ دونوں دسویں ذی الحجہ کو آئے تھے کہ وہ عمرہ ادا کر کے احرام کھولیں ۔پھر بلا احرام واپس جائیں اور آئندہ سال حج ادا کریں ۔ اور ہدی قربان کریں اور جو ہدی نہ پائے وہ تین دن کے روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب گھر واپس جائیں ۔ (یعنی اعمال حج سے فراغت کے بعد جو واپسی کا وقت ہوتا ہے ۔ اس اثر کے بیان سے امام مالکؒ کی مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اس مسلک کا اثبات کریں کہ دشمن کے احصار کے بغیر اور کسی صورت میں جب حج فوت ہو جائے تو عمرہ سے احرام کھلتا ہے ۔مگر یہ لوگ تو احصار میں نہ تھے ۔ دیر سے پہنچے تھے ۔)

(ایضاً) مالکؒ نے کہا کہ جو شخص بھی احرام کے بعد حج سے روکا گیا یا مرض کے سبب اور یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے یا اس نے دنوں کے شمار میں غلطی کی یا پھر ہلال مخفی رہا ۔ تو وہ محصر ہے ۔ اور اس کے ذمے وہی ہے جو محصر پر لازم ہے ۔ (یعنی عمرہ کر کے حلال ہو اور ہدی دے ۔ اور قضا کرے اور محصر کا معنیٰ مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ محصر کے حکم میں ہے ورنہ مالکؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن سے ہوتا ہے ۔ اس طرح سے جس کا حج فوت ہو اس کا حکم حنفیہ کے نزدیک بھی یہی ہے کہ وہ عمرہ کر کے اور اس پر دم واجب ہے ۔مگر وہ محصر نہیں ۔کیونکہ دشمن یا مرض کے باعث نہیں رکا تھا بلکہ خطا سے یا کسی اور ایسے سبب سے رہ گیا تھا ۔)

(ایضاً) امام مالک سے پوچھا گیا کہ اہل مکّہ میں سے کسی نے جب احرام باندھا، پھر اس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا طویل اسہال میں مبتلا ہو گیا یا عورت کو دردِ زِہ شروع ہو گئی۔ تو امام مالکؒ نے کہا کہ جسے یہ صورت پیش آجائے وہ محصر ہے۔ اس کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو مکّہ سے باہر والوں کے لئے ہے جب کہ انہیں احصار ہو جاتے۔ (امام محمد بن الحسنؒ اور احمدؒ کے نزدیک مکّہ والوں پر کوئی احصار نہیں ہوتا۔ دیگر حنفی علما نے اسے محصر مانا ہے، بشرطیکہ وہ وقوفِ عرفہ اور طواف ہر دو نہ کر سکے۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے اس شخص کے بارے میں کہا جو حج کے مہینوں میں مکّہ میں عمرہ کرنے آیا اور عمرہ ادا کر کے حج کا احرام باندھ لیا یعنی مکّہ سے ہی۔ پھر اس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا کوئی ایسی بیماری آپہنچی جس کے باعث وہ لوگوں کے ساتھ موقف یعنی عرفہ میں نہ آسکا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میرے خیال میں وہ مقیم رہے۔ حتیٰ کہ جب تندرست ہو تو حل کی طرف نکلے پھر وہاں سے مکّہ آئے پس بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا مروہ کی سعی کرے، پھر احرام کھولے۔ اور اس پر آئندہ سال حج واجب ہے اور ہدی بھی۔ (یہ اجماعی مسئلہ ہے گو ہدی میں کچھ اختلاف ہے)

(ایضاً) امام مالکؒ نے اس شخص کے متعلق کہا جو مکّہ سے حج کا احرام باندھے پھر طواف بھی کرے۔ اور صفا و مروہ کی سعی بھی پھر بیمار ہو جائے اور لوگوں کے ساتھ عرفہ کا وقوف نہ کر سکے۔ مالکؒ نے کہا کہ جب اس کا حج فوت ہو گیا تو اگر اس کو استطاعت ہو تو حل کی طرف نکلے۔ پھر عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، بیت اللہ کا طواف کرے اور صفا اور مروہ میں سعی کرے۔ کیونکہ پہلے طواف میں اس کی نیت عمرہ کی نہ تھی۔ اس لئے اب ایسا کرے اور اس کے ذمے آئندہ سال کا حج اور ہدی ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ کا یہی جواب ہے۔)

(ایضاً) مالک نے کہا کہ اگر وہ شخص مکّی نہ ہو اور بیمار ہو جائے اور اس کی بیماری اس کے اور حج کے درمیان حائل ہو جائے اور وہ پہلے طواف بھی کر چکا ہو اور صفا مروہ کی سعی بھی۔ اب وہ عمرہ کر کے حلال ہو اور بیت اللہ کا ایک اور طواف کرے۔ اور صفا مروہ میں سعی کرے۔ کیونکہ اس کا پہلا طواف اور سعی حج کی نیت سے تھی۔ اور اس پر آئندہ سال حج اور ہدی واجب ہے۔ (یعنی حج کے فوت ہونے کی صورت میں مکّی اور غیر مکّی کا کوئی فرق نہیں۔ مگر امام مالکؒ کے نزدیک مکّی اس صورت میں حل سے احرام باندھ کر آئے نہ کہ آفاقی۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک مکّی کے لئے بھی باہر سے احرام باندھ کر آنا لازم نہیں۔)

۳۳- بَابُ مَا جَاءَ فِي بِنَاءِ الْكَعْبَةِ

عمارت کعبہ کی تعمیر کا باب

کتب تفسیر و سیر اور شروحِ حدیث میں کعبہ کی تعمیر کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے کائنات سے اب تک کعبۃ اللہ کی تعمیر دس بار ہوئی ہے۔ (۱) فرشتوں کی تعمیر (۲) آدمؑ کی تعمیر (۳) شیثؑ کی تعمیر (۴) ابراہیمؑ کی تعمیر (۵) عمالقہ کی (۶) بنی جرہم کی تعمیر (۷) قریش کی تعمیر (۸) قصی بن کلاب کی تعمیر (۹) عبداللہ بن الزبیر کی تعمیر (۱۰) حجاج بن یوسف کی تعمیر ان میں سے ابراہیم علیہ السلام، قریشِ مکہ، عبداللہ بن الزبیر اور حجاج بن یوسف کی تعمیر تو ثابت شدہ ہے۔ اور باقی تعمیرات کا کوئی ذکر قرآن و حدیثِ صحیح میں نہیں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کا ذکر کتاب اللہ نے فرمایا ہے۔ قریش کی تعمیر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن الزبیر اور حجاج کی تعمیر بھی تاریخ کے ثابت شدہ حقائق ہیں۔ ان کے علاوہ باقی جو کچھ ہے وہ قصے کہانیاں افسانوں کے سوا کچھ نہیں۔

۸۱۳ - حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ، اقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ ؟" قَالَتْ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ. أَفَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَفَعَلْتُ" قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا أُرَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ، اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیری قوم (قریش) نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو قواعد ابراہیمی پر اقتصار کیا تھا؟ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ اسے ابراہیمی بنیادوں پر کیوں نہیں لوٹا دیتے؟ حضورؐ نے فرمایا، اگر تیری قوم کا زمانہ کفر سے قریب العہد نہ ہوتا تو میں ایسا کر دیتا۔ عبداللہ بن محمد راوی نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہ اگر عائشہ رضؓ نے یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی تو میرے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکنوں (عراقی وشامی) کا استلام جو کہ حجر (حطیم) کے ساتھ ہیں، صرف اس لئے ترک فرمایا تھا کہ بیت اللہ کو ابراہیمی بنیادوں پر پورا نہیں کیا گیا تھا۔ (یہ حدیث کچھ اختلافِ الفاظ کے ساتھ مؤطائے محمد میں باب استلام (رکن) میں آئی ہے)

شرح: قریش نے جب کعبہ کو ہدم کر کے ازسرنو بنایا تو حضورؐ کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی۔ طے یہ ہؤا تھا کہ اللہ کے گھر پر صرف جائز روپیہ خرچ کریں گے۔ اس شرط کے باعث حلال رقم کم تھی۔ اس لئے انہوں نے کعبہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا۔ جسے حجر یا حطیم کہتے ہیں۔ طواف اس کے باہر سے ہوتا ہے۔ اور عبداللہ بن عمر رضؓ نے حضورؐ کے عدم استلام سے یہ استدلال کیا کہ کعبہ کی عمارت پوری نہیں ہے۔ عبداللہ بن الزبیرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں (۶۵ھ) کعبۃ اللہ کو ازسرنو بنوایا۔ یزید بن معاویہؓ کے دور میں مسلم بن عقبہ مرّی نے مدینہ منورہ پر لشکر کشی کر کے حرم مدینہ کی عصمت کو توڑا۔ پھر اس نے مکہ کا رُخ کیا۔ جہاں عبداللہ بن الزبیرؓ نے یزید کی خلافت کا انکار کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مسلم بن عقبہ تو راستے میں مر گیا مگر اس کی جگہ پر حصین بن نمیر سپہ سالار ہؤا۔ اس نے دو ماہ تک مکہ کا محاصرہ جاری رکھا اور اسی دوران میں یزید کی موت کی خبر آ گئی تو یہ محاصرہ ختم ہو گیا۔ کعبہ کی عمارت کو شامی فوج کی سنگ باری سے نقصان پہنچا تھا۔ لہٰذا ابن الزبیرؓ نے یہ عمارت ازسرنو تعمیر کی اور اصل ابراہیمی بنیاد پر بیت اللہ کو کھڑا کر دیا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جب حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کیا اور ابن الزبیرؓ شہید ہو گئے۔ تو عبدالملک کے حکم سے حطیم کو پھر کعبہ کی عمارت سے نکال دیا گیا اور قریش کی بنیادوں پر تعمیر کر دیا گیا۔ بنی عباس نے منصور یا مہدی یا رشید کے زمانے میں کعبہ کو پھر ابراہیمی بنیادوں پر استوار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر امام مالک بن انسؒ نے کہا کہ اس طرح تو کعبۃ اللہ بادشاہوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے گا۔ ایسا مت کیجیے۔ چنانچہ کعبہ کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا۔ عبداللہ بن عباس رضؓ نے بھی بات

ابن الزبیر سے کہی تھی کہ عمارت کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی مرمت کرا دی جائے مگر نئی تعمیر نہ کی جائے۔ مبادا آپ کے بعد کوئی اور شخص آئے اور اسے پھر ڈھا کر بنائے۔ چنانچہ ابن عباسؓ کا اندازہ درست نکلا۔ اس وقت سے لے کر تا ایں دم مسجد حرام میں تو اضافے ہوئے۔ فرش نئے سرے سے بنایا گیا۔ اس میں توسیع ہوئی۔ مگر کعبہ کی عمارت کو نہیں چھیڑا گیا۔ ضرورت کے موقع پر معمولی مرمت کرائی گئی۔ ۱۰۰۹ھ میں سلطان مراد ابن سلطان احمد عثمانی نے کعبہ کی عمارت کا ایک حصہ منہدم ہو جانے کے باعث اسے از سرِ نو بنوایا تھا۔

۴۱۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: مَا أُبَالِي: أَصَلَّيْتُ فِي الْحِجْرِ أَمْ فِي الْبَيْتِ۔

ترجمہ: عائشہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ حجر میں نماز پڑھوں یا بیت اللہ میں۔ (یعنی حجر بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنا کعبہ ہی میں نماز پڑھنا ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبہ میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے انہیں ہاتھ سے پکڑ کر حجر میں لا کھڑا کیا اور فرمایا یہاں نماز پڑھ لے کیونکہ یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔)

۴۱۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ بَعْضَ عُلَمَائِنَا يَقُولُ: مَا حُجِرَ الْحِجْرُ، فَطَافَ النَّاسُ مِنْ وَرَائِهِ، إِلَّا إِرَادَةَ أَنْ يَسْتَوْعِبَ النَّاسُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ كُلِّهِ۔

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا کہ میں نے اپنے بعض علما سے سُنا وہ کہتے تھے کہ حجر کے گرد دیوار اس لئے کھینچی گئی ہے کہ لوگ اس کے گرد سے طواف کریں تاکہ سارے بیت اللہ کا طواف ہو جائے۔

شرح: الحجر یا الحطیم کے گرد دیوار کھینچی ہوئی ہے تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ یہ جگہ بھی کعبہ کے اندر داخل ہے۔ طواف ہمیشہ سے اس دیوار کے باہر سے ہوتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ پس بیت اللہ کا طواف تبھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ الحجر کو طواف میں شامل کیا۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے طواف میں الحجر کے داخل ہو کر چکر لگائے تو کعبہ کا کچھ حصہ اس کے طواف میں داخل نہ ہوا۔ لہٰذا جب تک وہ مکہ میں ہے طواف کا اعادہ کرے۔ اگر مکہ سے چلا گیا ہو تو اس پر دم واجب ہوا۔ کیونکہ اس نے کعبہ کے کچھ حصہ کو طواف سے خارج کر دیا۔ باقی ائمہ کے نزدیک اس کا طواف سرے سے نہیں ہوا۔ اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے جو حدیث کی روایات پر مبنی ہے اور یہاں اسی قدر کافی ہے جو بیان ہوا۔

۳۴۔ بَابُ الرَّمَلِ فِي الطَّوَافِ

طواف میں رمل کرنا

رمل سے مراد وہ چال ہے جو طواف کے پہلے تین چکروں میں کندھے مٹکا کر تیز چل کر اختیار کی جاتی ہے۔ طواف میں رمل کا حکم عمرۃ القضا میں دیا گیا تھا۔ مشرکین نے کہا تھا کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ پس حضورؐ نے حکم دیا کہ اس طور پر چلو کہ کفار کو تمہاری قوت کا علم ہو سکے۔ رمل سنت ہے اور اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور علما کا یہی مذہب ہے۔ رمل صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتیں یہ چال نہ چلیں کیونکہ یہ ان کے لئے ستر کے منافی ہے۔

۸۱۶۔ حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِبْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ حَتّٰی انْتَهٰی اِلَیْهِ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ الْاَمْرُ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ عَلَیْهِ اَهْلُ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود سے لے کر پھر وہیں تک تین چکروں میں رمل کرتے دیکھا تھا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے شہر کے اہل علم ہمیشہ اسی پر کاربند رہے ہیں۔

شرح: اس حدیث کو جو جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر کے طریق سے وارد ہے۔ امام مالکؒ نے موطا میں کئی مقامات پر موقع ومحل کی مناسبت سے الگ الگ ٹکڑوں کی صورت میں درج کیا ہے۔ دراصل یہ حضرت جابرؓ کی ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جو مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ جابرؓ حجۃ الوداع کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث کا تعلق عمرۃ القضاء سے ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک طواف بیت اللہ کے پہلے کامل تین چکروں میں رمل مسنون ہے۔ امام محمدؒ نے یہ حدیث اپنے موطا میں روایت کرکے لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ رمل تین شوط (چکر) ہیں۔ حجر اسود سے لے کر پھر حجر اسود تک اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (باب الرمل بالبیت)۔

۸۱۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَرْمُلُ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ اِلَی الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ، ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ۔ وَیَمْشِیْ اَرْبَعَةَ اَطْوَافٍ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ حجر اسود سے لے کر حجر اسود تک تین چکروں میں رمل کرتے تھے اور چار چکروں میں عام رفتار سے چلتے تھے۔

شرح: اگر کسی نے پہلے تین شوط میں رمل کو ترک کیا تو وہ ایک سنت کا تارک ہوا۔ آخری چار شوط سکون ووقار کے ساتھ چلنے کے ہیں۔ ان میں بالکل رمل نہیں۔ اگر کوئی پہلے تین شوط کی تلافی آخری چار شوط میں رمل سے کرنے لگے تو اس نے دو سنتوں کو ترک کر دیا۔ یہ اثر موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے۔

۸۱۸۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، اَنَّ اَبَاهُ كَانَ اِذَا طَافَ بِالْبَیْتِ، یَسْعٰی الْاَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ۔ یَقُوْلُ:

اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَا　　وَاَنْتَ تُحْیِیْ بَعْدَ مَا اَمَتَّا

یَخْفِضُ صَوْتَهٗ بِذٰلِكَ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ ان کا باپ (عروہ) جب بیت اللہ کا طواف کرتا تو پہلے تین شوط میں

تیز چلتا اور کہتا تھا، اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور مارنے کے بعد تو ہی زندہ کرے گا۔" وہ یہ کلمات آہستہ آواز میں کہتے تھے۔

شرح: عروہؒ یہ الفاظ بطور دعا کہتے ہوں گے مگر ان الفاظ کا کہنا مسنون نہیں۔ اس لئے امام مالکؒ سے ابن حبیب نے روایت کیا ہے کہ یہ ایک متروک عمل تھا، جس پر عمل نہیں ہوتا۔ امام مالکؒ سے تو مدونہ میں یہ تک مروی ہے کہ حالت طواف میں قرارت بھی نہ کی جائے چہ جائے کہ کوئی موزوں کلام یا شعر۔

۸۱۹- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ مِنَ التَّنْعِيْمِ۔

قَالَ ثُمَّ رَأَيْتُهُ يَسْعَى، حَوْلَ الْبَيْتِ، الْأَشْوَاطَ الثَّلَاثَةَ۔

ترجمہ: عروہؒ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو مقام تنعیم سے احرام باندھتے اور پھر بیت اللہ کے گرد تین چکروں میں بھاگتے دیکھا تھا۔ (یہ اثر موطائے امام محمد میں مروی ہے باب الرمل وغیرہ الحج الخ)

شرح: امام محمدؒ نے کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ رمل اہل مکہ اور دوسروں پر بھی واجب ہے۔ عمرہ میں بھی اور حج میں بھی۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۸۲۰- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا أَحْرَمَ مِنْ مَكَّةَ، لَمْ يَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، حَتّٰى يَرْجِعَ مِنْ مِنًى۔ وَكَانَ لَا يَرْمُلُ إِذَا طَافَ حَوْلَ الْبَيْتِ، إِذَا أَحْرَمَ مِنْ مَكَّةَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب مکہ سے احرام باندھتے تھے تو بیت اللہ کا طواف نہ کرتے (یعنی طواف قدوم جو باہر سے آنے والے کے لئے ہے۔) اور نہ صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے (کیونکہ وہ تو بیت اللہ کے طواف پر مرتب ہے) حتیٰ کہ منیٰ سے واپس لوٹتے۔ اور جب وہ مکہ سے احرام باندھتے تو طواف کعبہ میں رمل نہ کرتے تھے۔

شرح: یہ ابن عمرؓ کا مذہب تھا۔ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ طواف جس کے بعد صفا مروہ کی سعی ہے۔ اس میں رمل مسنون ہے اور اس میں مکی اور غیر مکی کا کوئی امتیاز نہیں جس کی طرف اشارہ اوپر بھی گزرا ہے۔

۳۵- بَابُ الْاِسْتِلَامِ فِي الطَّوَافِ

طواف میں استلام کا باب

۸۲۱- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا

قَضٰى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ، وَرَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَأَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، اسْتَلَمَ الرُّكْنَ الْأَسْوَدَ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کا طواف کر چکتے اور دو رکعت نماز پڑھ لیتے اور صفا مروہ کی طرف نکلنے کا ارادہ فرماتے تو نکلنے سے قبل حجر اسود کو مس کرتے تھے۔

شرح: امام محمدؒ نے باب اِسْتِلَامِ الرُّكْنِ میں فرمایا ہے کہ صرف دو ارکان یعنی یمانی اور حجر اسود کا استلام ہونا چاہئے۔ انہی دونوں کا استلام ابن عمرؓ نے کیا تھا۔ اور یہی ابو حنیفہ اور فقہا کا قول ہے۔ طوافِ کعبہ کے بعد حجر اسود کا استلام جمہور علما کے نزدیک مسنون ہے۔

۸۲۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: "كَيْفَ صَنَعْتَ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ فِي اسْتِلَامِ الرُّكْنِ؟" فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: اِسْتَلَمْتُ۔ وَتَرَكْتُ۔ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَصَبْتَ"۔

ترجمہ: عروہؒ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا، اے ابو محمد! تم نے حجر اسود کے استلام میں کیا طریقہ اختیار کیا؟ عبدالرحمٰنؓ نے کہا، میں نے استلام کیا بھی اور نہ بھی کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تُو نے درست کیا۔

شرح: حجر اسود کا استلام سنت ہے مگر واجب نہیں۔ اگر بھیڑ نہ ہو اور کسی کو اذیت دیئے بغیر استلام ہوسکے تو بہتر ہے۔ ورنہ دُور سے تکبیر کہی جائے۔ موطّا میں یہ حدیث مُرسل ہے مگر ابن عبدالبرؒ نے موصول روایت کیا ہے۔

۸۲۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ كَانَ إِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ، يَسْتَلِمُ الْأَرْكَانَ كُلَّهَا۔ وَكَانَ لَا يَدَعُ الْيَمَانِيَّ، إِلَّا أَنْ يُغْلَبَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ سے روایت ہے کہ اس کا باپ جب بیت اللہ کا طواف کرتا تو تمام ارکان کو چھوتا تھا۔ اور وہ رکن یمانی کو ترک نہ کرتا تھا، مگر جب کہ مغلوب ہو جائے۔

شرح: شاید یہ اس دَور کا ذکر ہو جب کہ ابن الزبیرؓ نے کعبہ کی تعمیر قواعد ابراہیمی پر کر دی تھی۔ ورنہ احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ مَا جَاءَ فِي بِنَاءِ الْكَعْبَةِ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث سے صراحتہً حضورؐ کا صرف رکنِ یمانی اور حجر اسود کا استلام ثابت ہوا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی احادیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے۔

۳۶۔ بَابُ تَقْبِيلِ الرُّكْنِ الْأَسْوَدِ فِي الْاِسْتِلَامِ

استلام میں حجر اسود کو بوسہ دینے کا باب

۸۲۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

قَالَ، وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، لِلرُّكْنِ الْأَسْوَدِ: إِنَّمَا أَنْتَ حَجَرٌ. وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَكَ، مَا قَبَّلْتُكَ. ثُمَّ قَبَّلَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: سَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ، إِذَا رَفَعَ الَّذِي يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، يَدَهُ عَنِ الرُّكْنِ الْيَمَانِي، أَنْ يَضَعَهَا عَلَى فِيهِ.

ترجمہ: عروہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے حجر اسود سے فرمایا کہ تو ایک پتھر ہے۔ نہ نقصان دیتا ہے نہ نفع پہنچاتا ہے۔ اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔ پھر انہوں نے اسے چوما۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے بعض علما سے سنا کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا جب رکن یمانی سے اپنا ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھ دے۔

شرح: حجر اسود کو بوسہ دینے کی احادیث بہت سی ہیں بشرطیکہ بھیڑ نہ ہو اور کسی کو اذیت نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو اسے بوسہ دے۔ یا اس پر ہاتھ رکھ کر ہاتھ کو چومے۔ یا ہاتھ سے یا کسی اور چیز کے ساتھ اشارہ کرکے ہاتھ یا اس چیز کو چومے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ جہاں تک حجر اسود کی فضیلت کا تعلق ہے، سو وہ کعبۃ اللہ میں طواف شروع کرنے اور سات شوط وہاں سے وہیں تک ختم کرنے کے لئے ایک علامت ہے۔ جناب عمرؓ نے اس قول میں اپنی دینی بصیرت وصلابت کا اظہار کیا ہے۔ پتھر بہرحال پتھر ہے۔ عبادت فقط اللہ تعالیٰ کی ہے۔ پتھر میں نفع و ضرر کی کوئی طاقت نہیں۔ رکن یمانی کو چومنا علما کے نزدیک ضروری نہیں۔ صرف استلام کافی ہے۔

۳۷۔ بَابُ رَكْعَتَا الطَّوَافِ

طواف کی دو رکعتوں کا باب

۸۲۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ لَا يَجْمَعُ بَيْنَ السُّبْعَيْنِ. لَا يُصَلِّي بَيْنَهُمَا. وَلَكِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ كُلِّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ. فَرُبَّمَا صَلَّى عِنْدَ الْمَقَامِ أَوْ عِنْدَ غَيْرِهِ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الطَّوَافِ، إِنْ كَانَ أَخَفَّ عَلَى الرَّجُلِ أَنْ يَتَطَوَّعَ بِهِ، فَيَقْرُنَ بَيْنَ الْأُسْبُوعَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ، ثُمَّ يَرْكَعُ مَا عَلَيْهِ مِنْ رُكُوعِ تِلْكَ السُّبُوعِ؟ قَالَ: لَا يَنْبَغِي ذٰلِكَ. وَإِنَّمَا السُّنَّةُ أَنْ يُتْبِعَ كُلَّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي الرَّجُلِ يَدْخُلُ فِي الطَّوَافِ فَيَسْهُو حَتَّى يَطُوفَ ثَمَانِيَةَ أَوْ تِسْعَةَ أَطْوَافٍ

قَالَ: يَقْطَعُ، إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ قَدْ زَادَ. ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ. وَلَا يَعْتَدُّ بِالَّذِي كَانَ زَادَ. وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَبْنِيَ عَلَى التِّسْعَةِ، حَتَّى يُصَلِّيَ سُبْعَيْنِ جَمِيعًا. لِأَنَّ السُّنَّةَ فِي الطَّوَافِ، أَنْ يُتْبِعَ كُلَّ سُبْعٍ رَكْعَتَيْنِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ شَكَّ فِي طَوَافِهِ، بَعْدَ مَا يَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ، فَلْيَعُدْ. فَلْيُتَمِّمْ طَوَافَهُ عَلَى الْيَقِينِ. ثُمَّ لِيُعِدِ الرَّكْعَتَيْنِ. لِأَنَّهُ لَا صَلَاةَ لِطَوَافٍ، إِلَّا بَعْدَ إِكْمَالِ السُّبْعِ.

وَمَنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ بِنَقْضِ وُضُوئِهِ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، أَوْ يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، أَوْ بَيْنَ ذٰلِكَ. فَإِنَّهُ مَنْ أَصَابَهُ ذٰلِكَ، وَقَدْ طَافَ بَعْضَ الطَّوَافِ، أَوْ كُلَّهُ. وَلَمْ يَرْكَعْ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ. فَإِنَّهُ يَتَوَضَّأُ. وَيَسْتَأْنِفُ الطَّوَافَ وَالرَّكْعَتَيْنِ. وَأَمَّا السَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. فَإِنَّهُ لَا يَقْطَعُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ، مَا أَصَابَهُ مِنِ انْتِقَاضِ وُضُوئِهِ. وَلَا يَدْخُلُ السَّعْيَ، إِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ بِوُضُوءٍ.

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ وہ دو بار کے سات اشواط (دو طوافوں) کو اس صورت میں جمع نہ کرتے تھے کہ ان کے درمیان نماز نہ پڑھتے۔ بلکہ ہر سات شوط کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔ بارہا انہوں نے مقام ابراہیم کے پاس یا کسی اور جگہ پڑھی۔ (یہ طواف کی دو رکعتیں ہیں، جو حدیث جابرؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور امام زہریؒ کے نزدیک یہ سُنت ہے۔ اور اگر مقامِ ابراہیم کے پیچھے اژدہام کے باعث نہ پڑھی جا سکیں تو جہاں چاہے پڑھ لے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آسانی کی خاطر اگر کوئی آدمی دو طواف یا زیادہ کرلے اور ان کے بعد ہر ایک طواف کے لئے دو دو رکعت پڑھے تو کیا یہ درست ہوگا؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں۔ سُنت یہ ہے کہ ہر کامل طواف کے بعد دو رکعت پڑھے۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص طواف شروع کرے اور بھول کر سات کے بجائے آٹھ یا نو چکر کاٹ لے تو جب اسے یاد آئے طواف کو قطع کر دے۔ پھر دو رکعات ادا کرے اور زائد چکروں کو شمار نہ کرے۔ اور اس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ نو پر بنا کرے اور دو طوافوں کو باہم ملا دے۔ کیونکہ طواف کی سنت یہ ہے کہ ہر سات شوط کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ (احنفیہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر بھول کر کوئی آدمی ایک کامل طواف کے بعد دوسرا شروع کر دے اور اسے یاد آجائے تو چکر پورا کئے بغیر اسے چھوڑ دے۔ اور نماز پڑھے تاکہ طواف کی سنت ادا ہو سکے۔ اگر ایک چکر دوسرے طواف کا پورا کر لیا تو اب یہ طواف بھی سات شوط پورے کرے۔ اور پھر ہر کامل طواف کی دو دو رکعات ادا کرے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو طواف کی دو رکعت پڑھنے کے بعد اپنے طواف میں شک ہو جائے (کہ اس نے شوط پورے نہ کیے تھے) تو وہ دوبارہ اپنے یقین کی بنا پر طواف کرے (اور چھوٹے ہوئے شوط پورے کرے) پھر وہ دو رکعت لوٹائے کیونکہ طواف کی نماز طواف کو کامل طور پر ادا کرکے ہی ہوتی ہے۔ (اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر ارکان حج میں کسی کو بہت دفعہ شک لاحق ہو تو تحری کرے جیسے کہ نماز میں تحری کا حکم ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے یا صفا و مروہ کی سعی کے دوران میں اگر کسی کا وضو ٹوٹ جائے یا طواف اور سعی کے دوران وضو ٹوٹ جائے، سو جس نے کچھ طواف یا پورا طواف کر لیا تھا اور طواف کی دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں تو وہ وضو کرے اور نئے سرے سے طواف کرکے دو رکعتیں پڑھے۔ لیکن اگر سعی کے دوران میں وضو ٹوٹ گیا تو اس کی سعی نہیں ٹوٹی لیکن سعی میں داخل ہونے سے قبل وضو کا ہونا ضروری ہے۔ (یعنی امام مالکؒ کے نزدیک سعی میں طہارت شرط نہیں صرف مسنون ہے۔ کیونکہ اس عبادت کا بیت اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک طواف کی صورت میں از سر نو شروع کرنا گو افضل ہے لیکن گزشتہ طواف پر بنا بھی جائز ہے۔)

۳۸- بَابُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ فِي الطَّوَافِ

طواف میں صبح اور عصر کے بعد نماز پڑھنے کا باب

ان دو اوقات میں نفل پڑھنا از روئے احادیث ممنوع ہے۔ پس اس نہی میں طواف اور غیر طواف کا کوئی فرق امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک نہیں ہے۔ شافعیؒ اور احمدؒ نے طواف کی رکعتوں کو ممانعت کی احادیث سے مستثنیٰ مانا ہے۔

۸۲۶- حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ۔ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدِ الْقَارِيِّ اَخْبَرَهُ، اَنَّهُ طَافَ بِالْبَيْتِ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ۔ فَلَمَّا قَضٰى عُمَرُ طَوَافَهُ، نَظَرَ فَلَمْ يَرَ الشَّمْسَ طَلَعَتْ۔ فَرَكِبَ حَتّٰى اَنَاخَ بِذِيْ طُوًى۔ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے بتایا کہ اس نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نمازِ صبح کے بعد طواف کیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ نے طواف مکمل کر لیا تو دیکھا کہ سورج طلوع نہیں ہوا، پس وہ سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ ذی طویٰ کے مقام پر اونٹنی کو بٹھایا پھر دو رکعتیں پڑھیں۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث باب الطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ میں روایت کی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ طواف کی دو رکعتیں اس وقت تک ادا نہ کرے جب تک کہ سورج طلوع ہو کر سفید نہ ہو جائے۔ یہی ابوحنیفہؒ کا اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ طواف وداع تھا۔ قاضی ابو الولید الباجی نے کہا کہ نمازِ صبح اور نماز عصر کے بعد طواف کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ طواف کی رکعات اس وقت مالکؒ اور حنفیہؒ کے نزدیک مکروہ ہیں۔

۸۲۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ يَطُوفُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَدْخُلُ حُجْرَتَهُ، فَلَا أَدْرِي مَا يَصْنَعُ۔

ترجمہ: ابوالزبیر مکی نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کو نمازِ عصر کو بعد طواف کرتے دیکھا۔ پھر انہیں اپنے حجرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ معلوم نہیں کہ وہاں کیا کیا۔

شرح: اگر عبداللہ بن عباسؓ اس وقت رکعاتِ طواف پڑھتے تو مسجدِ حرام میں پڑھتے، پس صاف بات یہ ہے کہ انہوں نے اس وقت یہ رکعتیں نہیں پڑھیں۔ سبب یہی تھا کہ ان کے نزدیک اس وقت نفل نماز کی کراہت تھی۔ امام مالکؒ نے یہ اثر یہاں بیان ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ مکروہ اوقات میں نمازِ طواف نہیں ہوتی۔

۸۲۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الْبَيْتَ يَخْلُو بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَبَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ. مَا يَطُوفُ بِهِ أَحَدٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ بَعْضَ أُسْبُوعِهِ. ثُمَّ أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ، أَوْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَإِنَّهُ يُصَلِّي مَعَ الْإِمَامِ. ثُمَّ يَبْنِي عَلَى مَا طَافَ، حَتَّى يُكْمِلَ سَبْعًا. ثُمَّ لَا يُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ أَوْ تَغْرُبَ۔

قَالَ: وَإِنْ أَخَّرَهُمَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ، فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا بَأْسَ أَنْ يَطُوفَ الرَّجُلُ طَوَافًا وَاحِدًا، بَعْدَ الصُّبْحِ وَبَعْدَ الْعَصْرِ. لَا يَزِيدُ عَلَى سُبْعٍ وَاحِدٍ. وَيُؤَخِّرُ الرَّكْعَتَيْنِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ. كَمَا صَنَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ. وَيُؤَخِّرُهُمَا بَعْدَ الْعَصْرِ، حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ. فَإِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، صَلَّاهُمَا إِنْ شَاءَ. وَإِنْ شَاءَ أَخَّرَهُمَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْمَغْرِبَ. لَا بَأْسَ بِذَلِكَ۔

ترجمہ: ابوالزبیر مکی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد بیت اللہ خالی ہوتا تھا۔ اور اس کا طواف کوئی نہ کرتا تھا۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر موطا میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے کہا کہ ان دو اوقات میں بیت اللہ کے خالی ہونے کا مطلب یہی تھا کہ لوگ ان اوقات میں نماز کو مکروہ جانتے تھے۔ اور دو رکعات کا طواف کے لئے ہونا ضروری ہے۔ پس اس میں حرج نہیں کہ کوئی اس وقت پورا طواف کرے مگر دو رکعت اس وقت تک نہ پڑھے جب تک کہ سورج بلند اور صاف نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کیا تھا۔ اگر نمازِ عصر کے بعد طواف کرے تو نمازِ مغرب پڑھ کر دو رکعت طواف ادا کرے۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے طواف شروع کیا اور کچھ طواف کر لیا۔ پھر صبح کی نماز یا عصر کی نماز با جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ امام کے ساتھ پہلے نماز پڑھے، پھر اپنے طواف کو مکمل کرے۔ (یعنی پہلے اشواط پر بنا کرے۔ حتیٰ کہ سات شوط پورے کرے پھر وہ نماز نہ پڑھے۔ حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے یا جب تک غروب نہ ہو جائے۔ اور اگر ان رکعاتِ طواف کو نمازِ مغرب سے بھی موخر کرے، (جیسا کہ محمد بن الحسن کا قول گزرا) تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اس بات میں حرج نہیں کہ آدمی ایک پورا طواف کرے۔ صبح کے بعد یا عصر کے بعد اور ایک کال طواف پر اضافہ نہ کرے۔ اور دو رکعتوں کو سورج طلوع ہونے تک موخر کر دے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کیا تھا۔ اور وہ ان رکعتوں کو نمازِ عصر کے بعد (طواف کی صورت میں) غروبِ آفتاب تک موخر کرے۔ پھر جب سورج غروب ہو جائے تو چاہے تو نمازِ مغرب سے پہلے پڑھ لے یا نمازِ مغرب کے بعد پڑھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (استذکار میں موطا کے راویوں کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ امام مالکؒ نے کہا، مجھے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ انہیں نمازِ مغرب کے بعد پڑھے۔ فرض نماز کی خاطر طواف کو قطع کرنا اور اس کے بعد گزشتہ اشواط پر بنا کرنا مالکیہ اور حنفیہ میں متفق علیہ ہے۔)

۳۹۔ بَابُ وَدَاعِ الْبَيْتِ

بیت اللہ سے الوداع کا باب

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوریؒ اور شافعیؒ کے نزدیک طوافِ وداع واجب ہے۔ جس کے ترک سے دم (قربانی) واجب ہے۔ مگر اس مسئلہ میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وداع کا معنیٰ ہے افعالِ حج سے رجوع کرنا اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مطلب گھر کو واپسی کے وقت طواف کرنا ہے۔

۸۲۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لَا يَصْدُرَنَّ أَحَدٌ مِنَ الْحَاجِّ، حَتّٰى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔ فَإِنَّ اٰخِرَ النُّسُكِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِي قَوْلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَإِنَّ اٰخِرَ النُّسُكِ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، إِنَّ ذٰلِكَ فِيمَا نُرٰى۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، لِقَوْلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ وَقَالَ: ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ فَمَحِلُّ الشَّعَائِرِ كُلِّهَا، وَانْقِضَاؤُهَا، إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کوئی حاجی بیت اللہ کا طواف کئے بغیر واپس نہ ہو۔ کیونکہ آخری عبادت بیت اللہ کا طواف ہے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر باب الصدر میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ طوافِ صدر حاجی پر واجب ہے جو اسے ترک کرے، اس پر دم آتا ہے۔ سوائے حیض یا نفاس والی عورت کے۔ وہ اگر چاہے تو بلا طواف واپس جا سکتی ہے۔ یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ ابن نجیم نے کہا ہے کہ اس طواف کے پانچ نام ہیں۔ طوافِ صدر (صدر کا معنی واپسی ہے)۔ طواف وداع۔ طواف افا[ضہ]

طواف واجب بیت اللہ کا آخری طواف۔

وایضاً حضرت عمر بن الخطابؓ کا یہ قول کہ آخری عبادت بیت اللہ کا طواف ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہماری رائے ہیں۔ واللہ اعلم، اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔ اور فرمایا، پھر ان قربانیوں کے پہنچنے کی جگہ بیت اللہ شریف ہے۔ پس تمام شعائر کی جائے اختتام اور محل اللہ تعالیٰ کا قدیم گھر ہے۔ پس اس آخری طواف سے مراد طوافِ صدر ہوا۔ کیونکہ یہ تمام عبادات کے بعد ہوتا ہے۔

۸۳۰۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَدَّ رَجُلًا مِنْ مَرِّ الظَّهْرَانِ، لَمْ يَكُنْ وَدَّعَ الْبَيْتَ حَتّٰى وَدَّعَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو مرّ ظہران کے مقام سے واپس لوٹا یا کیونکہ اس نے بیت اللہ کا طوافِ وداع نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے بیت اللہ کا آخری طواف کیا۔

شرح: مرّ الظہران کا مقام مکّہ سے باہر ہے مگر میقات کے اندر ہے۔ اسی بنا پر حنفیہ نے کہا کہ جس نے طوافِ صدر نہ کیا، اور واپس چلا گیا، اسے میقات سے گزرنا جائز نہیں بلکہ واپس ہو اور طواف کرے۔

۸۳۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَفَاضَ فَقَدْ قَضَى اللّٰهُ حَجَّهُ۔ فَإِنَّهُ، إِنْ لَمْ يَكُنْ حَبَسَهُ شَيْءٌ، فَهُوَ حَقِيْقٌ أَنْ يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ۔ وَإِنْ حَبَسَهُ شَيْءٌ، أَوْ عَرَضَ لَهُ، فَقَدْ قَضَى اللّٰهُ حَجَّهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا جَهِلَ أَنْ يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ، حَتّٰى صَدَرَ لَمْ أَرَ عَلَيْهِ شَيْئًا۔ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ قَرِيْبًا۔ فَيَرْجِعَ فَيَطُوْفَ بِالْبَيْتِ۔ ثُمَّ يَنْصَرِفَ إِذَا كَانَ قَدْ أَفَاضَ

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ جو شخص طوافِ افاضہ سے فارغ ہو گیا تو اللہ نے اس کا حج پورا کر دیا۔ اب اگر کوئی چیز اسے روکتی نہیں تو اس پر یہ حق (واجب) ہے کہ اب وہ بیت اللہ کا آخری طواف کرے۔ اور اگر اسے کوئی چیز روکتی ہے یا کوئی عارضہ پیش آگیا تو اللہ نے اس کا حج پورا کر دیا۔ (مالکیہ کے نزدیک تو طوافِ صدر سنت ہے۔ لہٰذا اب اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہا۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی تلافی دم سے ہوگی۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ تھا کہ آخری کام بیت اللہ کا طواف ہے حتیٰ کہ وہ واپس چلا گیا تو میرے نزدیک اب اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ لیکن اگر وہ قریب ہو تو واپس آکر طواف کرے۔ پھر واپس جائے۔ جب کہ وہ اس سے قبل یوم النحر میں یا اس کے بعد طوافِ افاضہ کر چکا تھا۔ (گویا طوافِ افاضہ ہی اسے کافی ہو جائے گا۔ مگر یہ مسلک صرف مالکیہ کا ہے۔)

۴۰۔ بَابُ جَامِعِ الطَّوَافِ

طواف کے متفرق احکام کا باب

۸۳۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي۔ فَقَالَ: "طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ" قَالَتْ: فَطُفْتُ رَاكِبَةً بَعِيرِي۔ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ يُصَلِّي إِلَى جَانِبِ الْبَيْتِ۔ وَهُوَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ امّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تو لوگوں سے پرے پرے ہو کر سوار ہو کر طواف کر لے۔ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میں نے طواف کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک طرف لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور آپؐ سورہ وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ کی قرأت کر رہے تھے۔

شرح: بخاری کی روایت کے مطابق یہ فجر کی نماز تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ معذوری کی حالت میں سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی بھیڑ سے بچنے کے لئے اور عوام کو مناسکِ حج عملاً دکھانے کے لئے اور ان کی طرف سے ہونے والے سوالات کا جواب دینے کے لئے اونٹ پر طواف کیا تھا۔ اس سے یہ استدلال کرنا درست نہیں کہ حلال جانوروں کا بول و براز پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بچوں کو مسجد میں لایا جاتا تھا۔ حالانکہ ان کی طرف سے بول و براز کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور کسی نے بھی اس سے یہ دلیل نہیں پکڑی کہ ان کا بول و براز طاہر ہے۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا تھا۔

۸۳۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، أَنَّ أَبَا مَاعِزٍ الْأَسْلَمِيَّ، عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سُفْيَانَ، أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ تَسْتَفْتِيهِ۔ فَقَالَتْ: إِنِّي أَقْبَلْتُ أُرِيدُ أَنْ أَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔ حَتَّى إِذَا كُنْتُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ، هَرَقْتُ الدِّمَاءَ۔ فَرَجَعْتُ حَتَّى ذَهَبَ ذٰلِكَ عَنِّي۔ ثُمَّ أَقْبَلْتُ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ هَرَقْتُ الدِّمَاءَ فَرَجَعْتُ حَتَّى ذَهَبَ ذٰلِكَ عَنِّي۔ ثُمَّ أَقْبَلْتُ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ هَرَقْتُ الدِّمَاءَ۔ فَقَالَ

عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: اِنَّمَا ذٰلِكَ رَكْضَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ فَاغْتَسِلِي ثُمَّ اسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ۔ ثُمَّ طُوفِي۔

ترجمہ: ابو ماعز اسلمی عبداللہ بن سفیان نے کہا کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک عورت فتویٰ پوچھنے آئی۔ اس نے کہا کہ میں بیت اللہ کے طواف کے ارادے سے آئی۔ حتیٰ کہ جب مسجد کے دروازے کے قریب پہنچی تو مجھے بہت سا خون آگیا۔ پھر میں واپس چلی گئی۔ حتیٰ کہ مجھ سے وہ حالت جاتی رہی۔ پھر میں آئی، حتیٰ کہ جب مسجد کے دروازے کے پاس تھی تو مجھے بہت سا خون آگیا۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ یہ شیطانی اثر کا نتیجہ ہے۔ پس تو غسل کرلے پھر کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے پھر طواف کرے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر باب "اَلْمُسْتَحَاضَةِ فِى الْحَجِّ" میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ مستحاضہ عورت تھی۔ وہ وضو کرے اور کپڑے کا لنگوٹ کس لے پھر طواف کرے۔ اور وہ سب کچھ کرے جو پاک عورت کرتی ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ مؤطا کے راویوں کی ایک جماعت نے اس اثر میں بہ لفظ روایت کیا کہ وہ ایک بڑھیا تھی۔ پس ابن عمرؓ نے جان لیا کہ یہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔

۹۴۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ، كَانَ اِذَا دَخَلَ مَكَّةَ مُرَاهِقًا خَرَجَ اِلَى عَرَفَةَ۔ قَبْلَ اَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ ثُمَّ يَطُوفُ بَعْدَ اَنْ يَرْجِعَ۔

قَالَ مَالِكٌ۔ وَذٰلِكَ وَاسِعٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ: هَلْ يَقِفُ الرَّجُلُ فِي الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ الْوَاجِبِ عَلَيْهِ، يَتَحَدَّثُ مَعَ الرَّجُلِ؟ فَقَالَ: لَا اُحِبُّ ذٰلِكَ لَهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَطُوفُ اَحَدٌ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، اِلَّا وَهُوَ طَاهِرٌ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ جب وقت کی تنگی کے باعث جلدی سے مکہ میں داخل ہوتے تو بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنے سے پہلے عرفات کی طرف نکل جاتے تھے۔ پھر واپس ہو کر طواف کرتے تھے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ انشاء اللہ اس میں گنجائش ہے۔

مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آدمی واجب طواف کرتے ہوئے آیا کسی سے گفتگو کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں یہ بات اس کے لئے پسند نہیں کرتا۔

امام مالکؒ نے کہا کہ کوئی آدمی بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی بغیر طاہر ہونے کی صورت میں نہ کرے۔

شرح: طواف قدوم ایسے شخص سے ساقط ہو جاتا ہے جو عین وقت پر مکہ پہنچے اور خطرہ ہو کہ عرفات میں وقوف نہ کر سکے

کے باعث اس کا حج فوت ہو جائے گا۔ وہ عرفات کے بعد طواف افاضہ کرے گا۔ شوافع اور حنفیہ کا مسلک بھی اس مسئلہ میں یہی ہے۔ امام نوویؒ نے کتاب المناسک میں لکھا ہے کہ یہ شخص جب بعد میں طواف کرے گا تو گو طوافِ قدوم کی نیت کرے، واقع ہوگا طوافِ افاضہ ہی۔ ہدایہ کی بھی اسی قسم کی عبارت ہے۔

محقق ابن الہمامؒ نے لکھا ہے کہ مسجد میں مباح کلام بھی مکروہ ہے۔ جو نیکیوں کو کھا جاتا ہے تو طواف میں گفتگو کیونکر جائز ہوگی۔ جب کہ طواف بھی صلوٰۃ کے حکم میں ہے جیسا کہ ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

طہارت طواف کے واجبات میں سے ہے اور سعی میں مستحب ہے۔ یہ مسئلہ اوپر گزر چکا ہے۔

۴۱- بَابُ الْبَدْءِ بِالصَّفَا فِي السَّعْيِ

سعی کو صفا سے شروع کرنے کا باب

۸۳۵- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، حِينَ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَهُوَ يُرِيدُ الصَّفَا، وَهُوَ يَقُولُ: "نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ" فَبَدَأَ بِالصَّفَا.

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا جب کہ آپ مسجد حرام سے نکلے اور صفا کا ارادہ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے، ہم اسی سے شروع کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا۔ پھر آپ نے صفا سے سعی شروع کی۔

شرح: یہ جابر بن عبداللہ کی اس لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام مالکؒ نے مختلف ابواب میں پھیلا دیا ہے۔ جابرؓ سے اس کی روایت محمد بن علی (ابا قر بن زین العابدین) نے اور ان سے جعفر (الصادق) نے کی ہے۔ یہ مسئلہ ایک دوسرے اصولی مسئلہ کی فرع ہے کہ آیا واؤ مطلق جمع کے لئے ہے یا جمع و ترتیب ہر دو کے لئے۔ امام مالکؒ کی زیادہ تر روایات میں، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب ثوریؒ اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ اور مزنیؒ شافعیؒ کے قول میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ اور سب علماء کے نزدیک حج سے پہلے عمرہ جائز ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي۔ حالانکہ رکوع سب کے نزدیک سجدہ پر مقدم ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ حضورؐ کے اس قول سے کہ نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ۔ یہ بات نکلتی ہے کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضورؐ کو یہ فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لوگ اہل زبان تھے خود ہی سمجھ لیتے کہ واؤ ترتیب کے لئے ہے۔

القصہ جمہور کے نزدیک سعی کو صفا سے شروع کرنا واجب ہے۔ کیونکہ نسائی کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ سعی میں صفا کو پہلے اور مروہ کو بعد میں رکھو۔ الحسنؒ، مالکؒ، شافعیؒ، اوزاعیؒ اور حنفیہ کا یہی قول ہے۔ صفا سے شروع کرکے مروہ پر ایک چکر ختم ہو جاتا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ حنفیہ میں سے طحاوی اور شوافع میں سے کئی فقہا نے کہا ہے کہ صفا سے لے کر مروہ تک اور پھر مروہ سے صفا تک ایک شوط ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

۸۳۶ - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ، إِذَا وَقَفَ عَلَى الصَّفَا، يُكَبِّرُ ثَلَاثًا. وَيَقُولُ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ. لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ." يَصْنَعُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. وَيَدْعُو وَيَصْنَعُ عَلَى الْمَرْوَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ.

شرح: جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا پر کھڑے ہوتے تو تین بار تکبیر کہتے اور تین بار یہ دعا کہتے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اِلخ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور مروہ پر بھی اسی طرح کرتے تھے۔

شرح: حدیث کی عبارت میں یہ گنجائش بھی ہے کہ تین بار تکبیر اور ایک بار دعا پھر تین بار تکبیر اور تین بار تکبیر اور ایک بار دعا پھر تین بار تکبیر اور ایک بار یہ دعا پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی کہ ہر تکبیر کے بعد دعا۔ اور اسی طرح تین بار کرتے اور یہ بھی کہ پہلے تین بار تکبیر کہتے پھر تین بار یہ دعا پڑھتے تھے۔

۸۳۷ - وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَهُوَ عَلَى الصَّفَا يَدْعُو يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ. وَإِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ. وَإِنِّي أَسْأَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِي لِلْإِسْلَامِ، أَنْ لَا تَنْزِعَهُ مِنِّي. حَتَّى تَتَوَفَّانِي وَأَنَا مُسْلِمٌ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ اس نے عبداللہ بن عمرؓ کو صفا پر دُعا کرتے ہوئے یہ کہتے سُنا، اے اللہ تو نے فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں جس طرح تو نے مجھے اسلام کی ہدایت دی، اسے مجھ سے دور نہ کرنا حتیٰ کہ تو مجھے اس حال میں قبض کرے کہ میں مسلم ہوں۔

شرح: اعتبار خاتمے کا ہے اس لئے بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر بھی یوں دعا کرتے رہے تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِينَ۔ حضورؐ نے دعا فرمائی وَإِذَا أَرَدْتَ بِالنَّاسِ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ۔ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ استدراج سے وہی بے خوف ہو سکتا ہے جو مفتون ہو۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

۴۲ - بَابُ جَامِعِ السَّعْيِ

سعی کے متفرق مسائل کا باب

فضل المعبود میں ہم نے کچھ تفصیل دی ہے کہ سعی کے متعلق علماء کے تین قول ہیں (۱) ابن عمرؓ، عائشہ صدیقہؓ، جابرؓ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ، ابو ثورؒ کے نزدیک سعی حج کا رکن ہے جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ (۲) ابو حنیفہ، ثوری اور مالکؒ کے ایک قول میں سعی واجب ہے۔ اگر کوئی اسے ادا نہ کرے تو دم واجب ہے (۳) وہ رکن یا واجب نہیں،

بلکہ سنت اور مستحب ہے۔ یہ ابن عباسؓ، ابن سیرینؒ، عطاءؒ، مجاہدؒ اور ایک قول میں احمدؒ کا مذہب ہے۔ حافظ عینی نے کہا ہے کہ الحسنؒ اور قتادہؒ کا قول بھی وہی ہے۔ جو حنفیہ اور ثوری کا ہے۔

۸۳۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى- إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا. فَمَا عَلَى الرَّجُلِ شَيْءٌ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا. فَقَالَتْ عَائِشَةُ، كَلَّا. لَوْ كَانَ كَمَا تَقُولُ، لَكَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا. إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ. كَانُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ. وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطُوفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ. سَأَلُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ. فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى- إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ میں نے عائشہ ام المومنینؓ سے پوچھا اور میں ان دنوں کم عمر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا. پس جو آدمی ان کا طواف نہ کرے، اسے کوئی گناہ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اگر وہ بات ہوتی تو جو تو کہتا ہے تو عبارت یوں ہوتی فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا یہ آیت انصار کے متعلق اتری تھی، جو مناۃ کے لئے احرام باندھتے تھے۔ مناۃ قدید کے بالمقابل تھا اور وہ صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ پس جب اسلام آیا تو انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا۔

شرح: عروہ کے سوال کا منشا یہ تھا کہ اس آیت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ صفا و مروہ، ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں، مگر ان کا طواف کرنے میں حرج نہیں۔ گو ان کی سعی صرف جائز ہے کہ کریں تو کوئی گناہ نہیں۔ گویا یہ الفاظ جواز و اباحت کو ثابت کرتے ہیں۔ ام المومنینؓ کے ارشاد کا یہ مطلب تھا کہ اگر یہ مطلب ہوتا جو تم لیتے ہو تو عبارت یوں ہوتی صفا اور مروہ بیشک اللہ کے دین کی علامات ہیں۔ مگر جو حج یا عمرہ کرے وہ اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر جناب ام المومنینؓ نے اپنے قول کی وضاحت میں اس آیت کا شان نزول بیان فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انصار زمانہ جاہلیت میں بھی صفا مروہ کی صفائی نہ کرتے تھے۔ بلکہ ایک بت مناۃ کے لئے احرام باندھتے تھے۔ اسلام آیا تو انہوں نے سمجھا کہ جس طرح مناۃ کی سعی ایک شرکیہ رسم تھی۔ ہمارا صفا مروہ کی سعی اسی طرح ہے گویا انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد اس سعی میں گناہ سمجھا لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمی کو دور کیا اور فرمایا کہ یہ گناہ کا کام نہیں بلکہ اعمال حج میں داخل ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا اور مروہ پر بھی دو بت جما دیئے تھے۔ اساف اور نائلہ۔ پس انصار نے

اسلام کے بعد مناۃ کے احرام کو چھوڑا تو سمجھا کہ صفا مروہ کے اُوپر بھی دو بُت تھے، لہٰذا ان میں سعی ناجائز ہے۔ ان بتوں کو فتح مکہ کے دن توڑا گیا تھا۔

مناۃ قُدید کے مقام پر مشلّل نامی ایک گھاٹی پر گڑا ہوا تھا اور اسے عمرو بن لُحی نے لگایا تھا۔ اساف بن عمرو ایک مرد تھا، اور نائلہ بنتِ وہب ایک عورت تھی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کعبۃ اللہ کے اندر بدکاری کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا۔ پہلے ان پتھروں کو کعبہ کے نزدیک عبرت و نصیحت کے لئے گاڑا گیا۔ پھر عمرو بن لحی نے انہیں بالترتیب صفا اور مروہ پہ لگا دیا۔ اور ہوتے ہوتے ان کی بھی پوجا ہونے لگی تھی۔ یہ جو کچھ بیان ہوا صحاح کی احادیث کا خلاصہ ہے سوائے اساف اور نائلہ کے زنا اور مسخ کے واقعہ کے۔ کہ یہ اہلِ عرب میں مشہور تھا، کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔

۲۹ ۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ كَانَتْ عِنْدَ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ. فَخَرَجَتْ تَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ، مَاشِيَةً وَكَانَتِ امْرَأَةً ثَقِيلَةً. فَجَاءَتْ حِيْنَ انْصَرَفَ النَّاسُ مِنَ الْعِشَاءِ. فَلَمْ تَقْضِ طَوَافَهَا، حَتّٰى نُوْدِيَ بِالْأُوْلٰى مِنَ الصُّبْحِ. فَقَضَتْ طَوَافَهَا، فِيْمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ۔

وَكَانَ عُرْوَةُ إِذَا رَآهُمْ يَطُوفُونَ عَلَى الدَّوَابِّ، يَنْهَاهُمْ أَشَدَّ النَّهْيِ فَيَعْتَلُّوْنَ بِالْمَرَضِ حَيَاءً مِنْهُ. فَيَقُوْلُ لَنَا، فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ. لَقَدْ خَابَ هٰؤُلَاءِ وَخَسِرُوْا۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ نَسِيَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فِيْ عُمْرَةٍ. فَلَمْ يَذْكُرْ حَتّٰى يَسْتَبْعِدَ مِنْ مَكَّةَ: أَنَّهُ يَرْجِعُ فَيَسْعٰى. وَإِنْ كَانَ قَدْ أَصَابَ النِّسَاءَ، فَلْيَرْجِعْ، فَلْيَسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى يُتِمَّ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْعُمْرَةِ. ثُمَّ عَلَيْهِ عُمْرَةٌ أُخْرٰى، وَالْهَدْيُ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَلْقَاهُ الرَّجُلُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَيَقِفُ مَعَهُ يُحَدِّثُهُ؟

فَقَالَ: لَا أُحِبُّ لَهُ ذٰلِكَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ نَسِيَ مِنْ طَوَافِهِ شَيْئًا، أَوْ شَكَّ فِيْهِ، فَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. فَإِنَّهُ يَقْطَعُ سَعْيَهُ. ثُمَّ يُتِمُّ طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ، عَلٰى مَا يَسْتَيْقِنُ. وَيَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ. ثُمَّ يَبْتَدِئُ سَعْيَهُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے کہا کہ سودہ بنتِ عبداللہ بن عمرؓ کا نکاح عروہ بن زبیرؓ سے ہوا تھا۔ پس وہ حج یا عمرہ میں

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے نکلی، وہ پیدل تھی اور ایک بوجھل عورت تھی۔ وہ طواف کرنے اس وقت آئی جب کہ لوگ نماز عشا سے واپس ہوئے۔ مگر اس نے اپنا طواف پورا نہ کیا، حتیٰ کہ صبح کی پہلی اذان نہ ہوگئی۔ عشا کی نماز اور فجر کی اذان کے درمیان اس نے طواف کیا۔ اور عروہ جب لوگوں کو جانوروں پر سوار ہو کر طواف کرتے دیکھتا تو سختی سے منع کرتا تھا۔ اور وہ اس سے شرما کر بیماری کا بہانہ کرتے تھے اور وہ ہم سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ ان لوگوں نے نقصان اٹھایا اور ناکام ہوئے۔

شرح: اثر کا مفاد یہ ہے کہ عروہ کی زوجہ نے باوجود اس قدر بوجھل ہونے کے پیدل طواف کیا، کیونکہ عروہ سوار ہو کر طواف کرنے کے سخت خلاف تھے۔ غالباً سودہ بنت عبداللہؓ سعی کے دوران میں بار بار استراحت کے لئے بیٹھ جاتی تھی اور یہ اس کا ایک عذر تھا۔ بلا عذر بیٹھ جانا یا استراحت جائز نہیں۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص کو عمرہ میں صفا و مروہ کی سعی بھول گئی۔ اور جب تک وہ مکہ سے دور نہ چلا گیا اسے یاد نہ آیا، تو وہ واپس ہو کر سعی کرے۔ اور اگر وہ بیوی سے مباشرت کر چکا ہو تو بھی واپس آئے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے حتیٰ کہ جو کچھ اس کے ذمہ تھا اس عمرہ میں سے وہ پورا کرے۔ پھر اس پر ایک اور عمرہ اور ہدی واجب ہے۔ (یعنی جس صورت میں وہ جماع کر چکا ہو قضا بھی واجب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سعی واجب ہے اور اس کے ترک سے دم واجب ہے۔)

(ایضاً) امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص کو سعی کے دوران میں صفا و مروہ کے مابین کوئی اور شخص مل جائے اور وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو کر بات چیت کرنے لگے (تو اس کا حکم کیا ہے؟) مالکؒ نے کہا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ (یہ اجماعی مسئلہ ہے اور اوپر بھی گزر چکا ہے۔)

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ جو آدمی اپنے طواف میں سے کچھ حصہ بھول چکا ہو یا اس کو اس میں شک ہو جائے اور اس وقت یاد آئے جب کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا۔ تو وہ سعی کو قطع کر دے پھر بیت اللہ کا طواف پورا کرے۔ حتیٰ کہ یقین ہو جائے کہ وہ پورا ہو گیا ہے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھے۔ پھر صفا مروہ کے درمیان سعی شروع کرے۔ (حنفیہ کے نزدیک طواف کا اکثر حصہ یعنی چار شوط کل کا قائم مقام ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس سے کم ترک کیا تو دم ادا کرنا کافی ہے۔ یہی حکم سعی کا ہے۔)

۸۰۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ إِذَا نَزَلَ مِنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، مَشٰى. حَتّٰى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ، سَعٰى حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْهُ.

قَالَ مَالِكٌ: فِيْ رَجُلٍ جَهِلَ فَبَدَأَ بِالسَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، قَبْلَ أَنْ يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ. قَالَ لِيَرْجِعْ. فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ. ثُمَّ لِيَسْعَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَإِنْ جَهِلَ ذٰلِكَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ مَكَّةَ وَيَسْتَبْعِدَ. فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِلٰى مَكَّةَ. فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَإِنْ كَانَ أَصَابَ النِّسَاءَ رَجَعَ، فَطَافَ بِالْبَيْتِ، وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. حَتّٰى يُتِمَّ مَا بَقِيَ

عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْعُمْرَةِ. ثُمَّ عَلَيْهِ عُمْرَةٌ أُخْرٰى. وَالْهَدْيُ.

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صفا و مروہ کے درمیان اُترتے تو چل پڑتے حتیٰ کہ جب آپ کے قدم وادی کے اندر جم جاتے تو دوڑ پڑتے حتیٰ کہ اس سے نکل جاتے۔ (یعنی سعی اس وقت شروع ہوتی ہے جب ان پہاڑیوں کے نیچے اُتر آئیں۔ چڑھتے اُترتے وقت عام رفتار سے چلیں گے۔ اور دوڑنا مستحب سنت ہے جو عذر سے تو ترک ہو ہی سکتی ہے۔ اگر بلا عذر سعی (دوڑنا) ترک کی جائے تو فضیلت کا ترک ہے اور اس کا کفارہ کوئی نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر ازراہِ نادانی کوئی آدمی بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے ہی صفا و مروہ کی سعی شروع کر دے تو وہ واپس جائے اور پہلے بیت اللہ کا طواف کرے۔ پھر صفا و مروہ میں سعی کرے۔ اور اگر وہ اسے نہ جانتا ہو، حتیٰ کہ مکہ سے باہر نکل جائے اور دُور نکل جائے (تو معلوم ہونے پر مکہ واپس جائے اور پہلے بیت اللہ کا طواف کرے پھر صفا و مروہ میں سعی کرے اور اگر وہ بیویوں سے مل چکا ہو تو واپس ہو کر پہلے طواف کرے۔ پھر صفا و مروہ میں سعی کرے۔ پھر اس پر ایک اور عمرہ واجب ہے۔ (حنفیہ کے نزدیک طواف سے پہلے کی جانے والی سعی لغو ہے اور اگر اسے نہ لوٹائے تو اس پر دم واجب ہے۔ اگر سعی ترک کر کے گھر کو واپس چلا گیا ہو اور میقات سے باہر نکل چکا ہو تو نئے احرام کے ساتھ واپس ہو گا۔)

۴۳۔ بَابُ صِيَامِ يَوْمِ عَرَفَةَ

یوم عرفہ کے روزے کا باب

عرفہ (۹ ذی الحج) کے دن کے روزے کے بہت سے فضائل احادیث میں وارد ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کا کفارہ ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بباعثِ رحمت اور امت کی آسانی و تعلیم کی خاطر عرفہ کا روزہ افطار کر لیا تھا۔ پس غیر حاجیوں کے لئے تو روزہ ایک مستحب سنت کی حیثیت رکھتا ہے اور حاجیوں کے لئے اگر اس کے ضعف کے باعث اعمالِ حج میں نقص کا اندیشہ نہ ہو تو افضل ہے۔

۱۴۸ ۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ، مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ عُمَيْرٍ، مَوْلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ. فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيرِهِ. فَشَرِبَ.

ترجمہ: اُمّ الفضلؓ بنت الحارث سے روایت ہے کہ ان کے پاس عرفہ کے دن کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے متعلق باہم اختلاف کیا۔ بعض نے کہا کہ آپؐ کا روزہ ہے اور بعض نے کہا کہ آپؐ کو روزہ نہیں ہے۔ پس میں نے آپؐ کے لئے دودھ کا پیالہ بھیجا، جب کہ آپ عرفات میں اپنے اُونٹ پر وقوف فرما رہے تھے۔ آپؐ نے وہ دودھ پی لیا۔

شرح: اونٹ مذکر و مؤنث ہر دو کو کہہ دیا جاتا ہے۔ حضورؐ اس دن اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے اور سواری کا باعث بغیر سے

بچنا اور لوگوں کو مناسکِ حج کی تعلیم دینا تھا۔ مجمع بہت بڑا تھا۔ ہر شخص حضورؐ کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ اور آپ نے کبھی محافظ یا باڈی گارڈ یا دربان وغیرہ نہیں رکھا۔ مجمع کی کثرت اس بات کی متقاضی تھی کہ حضورؐ سوار رہوں۔

۴۲ ۸۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانَتْ تَصُوْمُ يَوْمَ عَرَفَةَ۔

قَالَ الْقَاسِمُ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهَا عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، يَدْفَعُ الْإِمَامُ ثُمَّ تَقِفُ حَتّٰى يَبْيَضَّ مَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ مِنَ الْأَرْضِ، ثُمَّ تَدْعُوْ بِشَرَابٍ فَتُفْطِرُ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ عائشہ اُمّ المومنینؓ عرفہ کے دن روزہ رکھتی تھیں۔ القاسم بن محمدؒ نے کہا کہ میں نے ان کو عرفہ کی شام کو دیکھا کہ امیرالحج (غروب آفتاب کے بعد) وہاں سے روانہ ہوتا تو وہ کچھ دیر رہتیں۔ حتّٰی کہ وہ زمین لوگوں سے خالی ہو جاتی۔ تو وہ مشروب منگوا کر نوش فرماتی تھیں۔

شرح: کیونکہ اس سے پہلے اگر افطار فرمائیں تو چہرہ کھولنا پڑتا۔ اور آنے جانے کے باعث زحمت ہوتی۔ اور خواتین کے لیے یہی افضل ہے کہ بھیڑ سے بچنے کے لئے امیرالحج کے روانہ ہو چکنے کے بعد جائیں۔

۴۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِيَامِ أَيَّامِ مِنًى

ایامِ منیٰ کے روزے کا باب

یوم النحر کے بعد تین دن ایام منیٰ کہلاتے ہیں اور یوم النحر سمیت ان کو ایامِ معدودات کہا گیا ہے۔ اور یوم النحر اور بعد کے دو دن ایامِ معلومات ہیں۔ یوم النحر کے بعد والے تین دن ایامِ تشریق بھی کہلاتے ہیں۔ یوم النحر اور اس کے بعد تین دن کا روزہ حنفیہ کے نزدیک اور شافعیؒ کے قولِ جدید میں جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے قول قدیم میں قارن اور متمتع کے لئے یوم النحر اور بعد کے تین دن کا روزہ جائز ہے۔ امام احمدؒ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن احمدؒ کے دوسرے قول میں ان دنوں میں کوئی روزہ جائز نہیں۔

۴۳ ۸۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِی النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صِيَامِ أَيَّامِ مِنًى۔

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ منیٰ کے روزے سے منع فرمایا۔ (موطا میں یہ حدیث مرسلاً آئی ہے مگر نسائی میں موصول وارد ہوئی ہے۔ یہ روزے یوم النحر کے تین بعد والے دنوں کے ہیں اور یہ نہی مطلق ہے لہٰذا حنفیہ کی دلیل ہے) موطائے محمدؒ میں یہ روایت کتاب الصوم میں ہے۔

۴۴ ۸۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ

عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حُذَافَةَ أَيَّامَ مِنًى، يَطُوفُ. يَقُولُ: إِنَّمَا هِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ.

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذیفہ کو ایام منیٰ میں پھر کر منادی کرنے کو کہا کہ یہ دن کھانے پینے کے ہیں اور یاد الٰہی کے ہیں۔ (یہ حدیث مؤطا میں مرسل اور نسائی میں موصول آئی ہے۔ اس مضمون کی ابوہریرہؓ نے بھی روایت کی ہے کہ حضورؐ نے عبداللہ بن حذیفہ کو بھیجا الخ۔ ان دنوں میں لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور مہمان کو جائز نہیں کہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔ کھانے پینے کے ساتھ ذکر اللہ کا لفظ بھی فرمادیا۔ تاکہ لوگ صرف نفسانی خواہشات کے ہی غلام نہ بن جائیں۔)

۸۴۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ: يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحَى.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن کے روزے سے منع فرمایا ہے۔ عیدالفطر کا دن اور عیدالاضحیٰ کا دن۔ (یہ حدیث کتاب الصیام میں گزر چکی ہے۔ یوم النحر پر بھی چونکہ بعض دفعہ ایام منیٰ کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا اسے یہاں بھی درج کیا گیا ہے۔)

۸۴۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِي، عَنْ أَبِي مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ أُخْتِ أَبِي طَالِبٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِيهِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ فَوَجَدَهُ يَأْكُلُ. قَالَ فَدَعَانِي. قَالَ فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي صَائِمٌ. فَقَالَ: هٰذِهِ الْأَيَّامُ الَّتِي نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِنَّ، وَأَمَرَنَا بِفِطْرِهِنَّ.

قَالَ مَالِكٌ: هِيَ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بتایا کہ وہ اپنے والد عمرو بن العاصؓ کے پاس گئے اور انہیں کھانا کھاتے پایا۔ عبداللہ نے کہا کہ انہوں نے مجھے بھی دعوت دی تو میں نے کہا میں روزہ دار ہوں۔ پس عمروؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان دنوں کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان میں افطار کریں۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ ایام تشریق تھے۔

شرح: احناف کی یہ صریح اور پختہ دلیل ہے کہ ایام تشریق کا روزہ مطلقاً جائز نہیں ہے۔ امام محمدؒ نے کتاب الصوم۔ باب الایام التی یکرہ فیہا الصوم میں یہ وارد ہے۔ امام محمدؒ نے اس پر لکھا ہے کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں۔ ایام تشریق میں تمتع کے لئے یا کسی اور سبب سے روزہ جائز نہیں۔ کیونکہ ان میں روزے کی نہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آچکی ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور عام فقہا کا قول ہے۔ مالک بن انسؒ نے کہا کہ جو متمتع ہدی کو نہ پائے اور یوم النحر سے قبل تین دن کا روزہ نہ رکھ سکے وہ ان میں روزہ رکھ لے۔

۴۵۔ بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْهَدْيِ

جو ہدی جائز ہے اس کا باب

۸۴۷۔ حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْدَى جَمَلًا كَانَ لِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حج یا عمرہ میں ایک اونٹ قربان کیا جو ابوجہل بن ہشام کا تھا۔

شرح: ابوداؤد کی حدیث کے مطابق یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ ترمذی کی روایت جو جابرؓ سے ہے اس میں اس اونٹ کا حجۃ الوداع میں ذبح ہونا مذکور ہے۔ الکوکب الدری میں مولانا محمد یحییٰؒ نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اونٹ مقام حدیبیہ میں ذبح کیا گیا تھا۔ اور اس کی ناک میں سونے کا چھلا اور سر پر چاندی کا چھلا تھا۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے۔

۸۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ: "ارْكَبْهَا" فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهَا بَدَنَةٌ۔ فَقَالَ: "ارْكَبْهَا، وَيْلَكَ" فِي الثَّانِيَةِ أَوِ الثَّالِثَةِ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اونٹ ہانکتے دیکھا تو فرمایا، اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا یا رسول اللہ یہ قربانی کا ہے۔ حضورؐ نے دوسری یا تیسری بار فرمایا کہ تیری خرابی ہو، اس پر سوار ہو جا۔

شرح: یہ حدیث مؤطا ئے امام محمدؒ میں بھی آئی ہے باب الرجل یسوق بدنۃ "ویضطر الی رکوبھا۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ جو شخص مضطر ہو وہ قربانی کے اونٹ پر سوار ہو جائے اور اگر اس میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس کے حساب سے صدقہ دے۔ یہی قول ابوحنیفہؒ کا ہے۔ اس حدیث کی نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ شخص پیدل چل کر تھک چکا تھا۔ حضورؐ نے ویلک کا لفظ بطور زجر و تادیب فرمایا تھا نہ کہ بطور بددعا۔

۸۴۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، أَنَّهُ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يُهْدِي فِي الْحَجِّ بَدَنَتَيْنِ بَدَنَتَيْنِ۔ وَفِي الْعُمْرَةِ بَدَنَةً بَدَنَةً۔ قَالَ: وَرَأَيْتُهُ فِي الْعُمْرَةِ يَنْحَرُ بَدَنَةً، وَهِيَ قَائِمَةٌ فِي دَارِ خَالِدِ بْنِ أَسِيدٍ، وَكَانَ فِيهَا مَنْزِلُهُ۔ قَالَ: وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ طَعَنَ فِي لَبَّةِ بَدَنَتِهِ، حَتَّى خَرَجَتِ الْحَرْبَةُ مِنْ تَحْتِ كَتِفِهَا۔

ترجمہ عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ کو حج میں دو دو اونٹ قربان کرتے دیکھتے تھے۔ اور عمرہ میں ایک ایک اونٹ۔ عبداللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو عمرہ میں اپنا اونٹ نحر کرتے دیکھا اور وہ خالد بن اسید کے مکان میں کھڑا تھا۔ جہاں پر عبداللہؓ فروکش تھے۔ عبداللہ بن دینار نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ عمرہ میں انہوں نے اپنے اونٹ کی نحر کی جگہ پر نیزہ مارا۔ حتیٰ کہ اونٹ کے کندھے کے نیچے سے نکل گیا۔

شرح: اپنی ہدی کو خود ذبح کرنا افضل ہے۔ اونٹ کو پاؤں باندھ کر کھڑا کر کے نحر کرتے ہیں، کیونکہ اسے لٹانا بہت مشکل ہے۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ بٹھا کر نحر کیا جائے۔ حنفیہ نے کہا کہ جو صورت بھی ممکن اور بہتر ہو، اسے اختیار کر لیا جائے۔

۷۵۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَهْدَى جَمَلًا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کسی حج یا عمرہ میں اونٹ قربان کیا (ہدی میں مذکر مونث کا کوئی فرق نہیں اور اونٹ سب سے افضل ہے۔)

۷۵۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْقَارِيِّ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيَّ أَهْدَى بَدَنَتَيْنِ. إِحْدَاهُمَا بُخْتِيَّةٌ.

ترجمہ: ابو جعفر القاری سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی نے دو اونٹ قربان کیے جن میں ایک بختی تھا۔ (اونٹ کی ایک خاص نسل جس کی دو کوہان ہوتی ہیں۔)

۷۵۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: إِذَا نُتِجَتِ النَّاقَةُ فَلْيُحْمَلْ وَلَدُهَا حَتَّى يُنْحَرَ مَعَهَا. فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ لَهُ مَحْمَلٌ، حُمِلَ عَلَى أُمِّهِ حَتَّى يُنْحَرَ مَعَهَا.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہدی کی اونٹنی بچہ جن دے تو اسے بھی لے جایا جائے حتیٰ کہ اس کے ساتھ اسے بھی ذبح کیا جائے۔ اگر کوئی چیز اسے اٹھانے کی نہ ملے تو اسے اس کے اوپر لاد دیا جائے۔ حتیٰ کہ اسے بھی اس کے ساتھ نحر کیا جائے۔ (وہ قربانی کا حصہ ہے۔ لہٰذا سوائے قربانی کے کسی اور کام کا نہیں۔)

۷۵۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: إِذَا اضْطُرِرْتَ إِلَى بَدَنَتِكَ فَارْكَبْهَا رُكُوبًا غَيْرَ فَادِحٍ، وَإِذَا اضْطُرِرْتَ إِلَى لَبَنِهَا، فَاشْرَبْ بَعْدَ مَا يَرْوَى فَصِيلُهَا فَإِذَا نَحَرْتَهَا فَانْحَرْ فَصِيلَهَا مَعَهَا.

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ جب تو اپنی ہدی کی سواری پر مجبور ہو جائے تو اس پر سوار ہو جا، بشرطیکہ اسے نقصان نہ پہنچے۔ عروہ نے کہا کہ جب تو اس کے دودھ کی طرف مضطر ہو جائے تو اس کے بچے کو سیر کرنے کے بعد خود پی لے اور جب تو اسے نحر کرے تو

اس کے بچے کو بھی اس کے ساتھ نحر کرے۔ (یعنی بلا ضرورت نہ اس کی سواری کی جا سکتی ہے اور نہ اس کا دودھ پیا جا سکتا ہے۔)

۴۶۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْهَدْيِ حِينَ يُسَاقُ

ہدی کو ہانکنے کے متفرق مسائل

۸۵۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَهْدَى هَدْيًا مِنَ الْمَدِينَةِ، قَلَّدَهُ وَأَشْعَرَهُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ. يُقَلِّدُهُ قَبْلَ أَنْ يُشْعِرَهُ. وَذَلِكَ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ. وَهُوَ مُوَجَّهٌ لِلْقِبْلَةِ. يُقَلِّدُهُ بِنَعْلَيْنِ. وَيُشْعِرُهُ مِنَ الشِّقِّ الْأَيْسَرِ. ثُمَّ يُسَاقُ مَعَهُ، حَتَّى يُوقَفَ بِهِ مَعَ النَّاسِ بِعَرَفَةَ. ثُمَّ يَدْفَعُ بِهِ مَعَهُمْ إِذَا دَفَعُوا. فَإِذَا قَدِمَ مِنًى غَدَاةَ النَّحْرِ، نَحَرَهُ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ. وَكَانَ هُوَ يَنْحَرُ هَدْيَهُ بِيَدِهِ. يَصُفُّهُنَّ قِيَامًا وَيُوَجِّهُهُنَّ إِلَى الْقِبْلَةِ. ثُمَّ يَأْكُلُ وَيُطْعِمُ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ جب مدینہ سے ہدی لے جاتے تو اسے قلادہ پہنا دیتے اور اس پر بمقام ذی الحلیفہ نشان لگا دیتے تھے۔ (کوہان پر زخم لگا کر نشان لگاتے تاکہ اس کا ہدی ہونا واضح ہے) قلادہ نشان لگانے سے قبل پہناتے تھے اور دونوں کام ایک ہی جگہ کرتے تھے۔ اور وہ ہدی کو قبلہ رُخ کر کے ایسا کرتے تھے۔ دو جوتوں کا قلادہ پہناتے تھے۔ اور بائیں جانب سے اِشعار کرتے تھے۔ وہ ہدی پھر ان کے ساتھ ہانکی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اسے عرفہ میں لوگوں کے ساتھ کھڑا کیا جاتا تھا۔ پھر اسے لوگوں کے ساتھ ہی عرفہ سے لایا جاتا تھا۔ پس جب یوم النحر کو صبح کے وقت وہ منیٰ میں آتے تو حلق یا قصر کرانے سے قبل اسے نحر کرتے تھے۔ اور وہ اپنی ہدی کو اپنے ہاتھ سے نحر کرتے تھے۔ کھڑا کر کے قبلہ رُخ ان کی صف باندھتے تھے۔ پھر ان کا گوشت پکوا کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ (موطأ امام محمدؒ میں یہ روایت موجود ہے۔)

۸۵۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا طَعَنَ فِي سَنَامِ هَدْيِهِ، وَهُوَ يُشْعِرُهُ، قَالَ: بِسْمِ اللهِ. وَاللهُ أَكْبَرُ.

ترجمہ: نافعؒ سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ اشعار کرتے (نشان لگاتے) وقت جب اپنی ہدی کی کوہان پہ نیزہ مارتے تو بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔ (امام محمدؒ نے بھی اسے باب تَقْلِيدِ الْبُدْنِ وَ اِشْعَارِهَا میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ قلادہ ڈالنا اشعار سے افضل ہے اور اشعار بھی بہتر ہے اور اشعار بائیں جانب سے ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ اونٹ سخت قسم کے ہوں۔ اور بندھے ہوئے ملے ہوئے ہوں کہ ان کے اندر آدمی داخل نہ ہو سکے تو پھر جس طرف سے چاہے اشعار کرے۔

(ایضاً) وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: اَلْهَدْيُ مَا

تُقَلَّدَ وَتُشْعَرَ، وَتُوقَفَ بِهٖ بِعَرَفَةَ۔

ترجمہ: ابن عمرؓ کہتے تھے کہ ہدی وہ ہے جسے قلادہ ڈالا جائے اور اشعار کیا جائے اور اسے لے جا کر عرفہ میں کھڑا کیا جائے۔ (گائے بھینس اور بھیڑ بکری میں اشعار نہیں ہوتا۔)

(ایضاً) وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُجَلِّلُ بُدْنَهُ الْقَبَاطِيَّ وَالْأَنْمَاطَ، وَالْحُلَلَ۔ ثُمَّ يَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْكَعْبَةِ، فَيَكْسُوهَا إِيَّاهَا۔

ترجمہ: ابن عمرؓ اپنی ہدی کے اونٹوں پر کتان کا مصری کپڑا بطور جھل ڈالتے تھے اور اونی کپڑا اور یمنی چادر۔ پھر انہیں کعبہ کی طرف روانہ کرتے اور وہ کپڑے کعبہ کو پہنا دیتے تھے۔ (بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔ پھر اس کے بعد عبداللہ بن دینار سے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ ان کپڑوں کا صدقہ کر دیتے تھے۔ امام محمدؒ نے اسی پر لکھا ہے کہ ہمارا اختیار یہ ہے کہ صدقہ کیا جائے، اور اونٹوں کی تکمیل کو بھی۔ اور قصاب کو اس میں سے کچھ نہ دیا جائے۔ نہ ان کے گوشت میں سے کچھ دیا جائے۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب کے ساتھ ہدی کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کے جھل اور نکیل صدقہ کی جائیں۔ اور ان میں سے قصاب کو کچھ نہ دیا جائے۔)

(ایضاً) وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ دِينَارٍ: مَا كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَصْنَعُ بِجِلَالِ بُدْنِهٖ، حِينَ كُسِيَتِ الْكَعْبَةُ هٰذِهِ الْكِسْوَةَ؟ قَالَ، كَانَ يَتَصَدَّقُ بِهَا۔

ترجمہ: مالکؒ نے عبداللہ بن دینار سے پوچھا کہ جب کعبہ کو یہ معروف پہنایا گیا (یعنی عبداللہ بن الزبیر نے ریشمی کپڑے کا پردہ کعبہ پر ڈلوایا۔ اس سے قبل خلفا کتان کا پردہ ڈلواتے تھے) تو عبداللہ بن عمرؓ اپنے اونٹوں کے جھل کا کیا کرتے تھے؟ ابن دینار نے کہا کہ صدقہ کر دیتے تھے۔

۷۵۶۔ وَحَدَّثَنِیْ مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: فِي الضَّحَايَا وَالْبُدْنِ، الثَّنِيُّ فَمَا فَوْقَهُ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر قربانیوں اور ہدی کے بارے میں کہتے تھے کہ پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے یا ایک سالہ بھیڑ بکری ہو۔ (احادیث میں آ چکا ہے کہ دنبہ ایک سال سے کم کا بھی جائز ہے جب کہ کافی موٹا تازہ نظر آتا ہو۔)

(ایضاً) وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَشُقُّ جِلَالَ بُدْنِهٖ وَلَا يُجَلِّلُهَا حَتّٰى يَغْدُوَ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ اپنے اونٹوں کے جھل نہیں پھاڑتے تھے اور جھل اس وقت ڈالتے تھے جب کہ منیٰ سے عرفات کو روانہ ہوتے۔ (بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ جھل میں سے صرف وہ حصہ پھاڑتے جس سے کوہان ننگی ہو جاتی۔)

اور جب انہیں نحر کرتے تو ان کپڑوں کو صدقہ کر دیتے تھے۔

۵۶ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِبَنِيهِ: يَا بَنِيَّ لَا يُهْدِيَنَّ أَحَدُكُمْ مِنَ الْبُدْنِ شَيْئًا يَسْتَحِي أَنْ يُهْدِيَهُ لِكَرِيمِهِ. فَإِنَّ اللّٰهَ أَكْرَمُ الْكُرَمَاءِ وَأَحَقُّ مَنِ اخْتِيرَ لَهُ۔

ترجمہ: عروہ اپنے بیٹوں سے کہتے تھے کہ تم صرف وہ اونٹ بطور ہدی پیش کرو، جسے بطور ہدیہ اپنے کسی بزرگ کو بھی دے سکو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا بزرگ ہے اور اسی بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے اچھا مال پیش کیا جائے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حدیبیہ میں بہترین جانور قربان کئے تھے۔)

۴۷- بَابُ الْعَمَلِ فِي الْهَدْيِ إِذَا عَطِبَ أَوْ ضَلَّ

ہدی جب ہلاک ہو جائے یا گم ہو جائے تو کیا کریں؟

۸۵۷ - حَدَّثَنِيْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ صَاحِبَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ - كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُلُّ بَدَنَةٍ عَطِبَتْ مِنَ الْهَدْيِ فَانْحَرْهَا. ثُمَّ أَلْقِ قَلَائِدَهَا فِي دَمِهَا. ثُمَّ خَلِّ بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَهَا"۔

ترجمہ: عروہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی پر جو صحابی مقرر تھا (ناجیہ بن جندب اسلمی رضی جس کا نام ذکوان تھا، مگر قریش سے بچ نکلنے کے باعث حضور نے اس کا نام "ناجیہ" رکھ دیا تھا۔) اس نے کہا یا رسول اللہ! ہدی میں سے جو جانور ہلاک ہو جائے اس کا کیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہدی میں سے جو اونٹ ضائع ہو رہا ہو، اسے ذبح کر دو۔ پھر اس کے قلادہ کو اس کے خون سے بھگو دو۔ پھر اسے لوگوں کے لئے چھوڑ دو تاکہ وہ اسے کھالیں۔ (حدیث کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ وہ خود اس میں سے نہ کھائے۔ یہی ابن عباس رض سے مروی ہے۔ اور ابوحنیفہ رح، مالک رح اور شافعی رح کا یہی قول ہے۔ اور حدیث میں آچکا ہے کہ ہدی ہانکنے والے کے ساتھی بھی اس میں سے نہ کھائیں۔ جب کہ غنی ہوں۔ فقراء سب کھا سکتے ہیں، اس کے ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔)

۸۵۸ - وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ سَاقَ بَدَنَةً تَطَوُّعًا، فَعَطِبَتْ، فَنَحَرَهَا، ثُمَّ خَلَّى بَيْنَهَا وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَهَا، فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. وَإِنْ أَكَلَ مِنْهَا، أَوْ أَمَرَ مَنْ يَأْكُلُ مِنْهَا، غَرِمَهَا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، مِثْلَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: سعید بن المسیب نے کہا کہ جو شخص نفلی اونٹ (ہدی) لے کر گیا اور وہ مرنے کو ہوگیا تو اس نے اسے نحر کر دیا اور اسے لوگوں کے سپرد کر دیا کہ اسے کھالیں تو اس کے ذمہ کوئی کفارہ نہیں۔ اور اگر اس نے اس میں سے خود کھالیا یا کسی کو کھانے کا حکم دیا تو اس کے بدلے میں اور ہدی دے۔ (امام ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، ثوریؒ اور احمدؒ نے کہا کہ جس قدر اس نے خود کھایا یا کسی اور کو کھلایا اس کے بدلے میں طعام کا صدقہ آئے گا۔)

مالکؒ نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی روایت آئی ہے۔

۵۹۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَهْدٰى بَدَنَةً، جَزَاءً أَوْ نَذْرًا۔ أَوْ هَدْيَ تَمَتُّعٍ، فَأُصِيبَتْ فِي الطَّرِيقِ، فَعَلَيْهِ الْبَدَلُ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ أَهْدٰى بَدَنَةً۔ ثُمَّ ضَلَّتْ أَوْ مَاتَتْ۔ فَإِنَّهَا، إِنْ كَانَتْ نَذْرًا، أَبْدَلَهَا۔ وَإِنْ كَانَتْ تَطَوُّعًا، فَإِنْ شَاءَ أَبْدَلَهَا وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهَا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَهْلَ الْعِلْمِ يَقُولُونَ: لَا يَأْكُلُ صَاحِبُ الْهَدْيِ مِنَ الْجَزَاءِ وَالنُّسُكِ۔

ترجمہ: ابن شہابؒ نے کہا کہ جس نے اونٹ بطور ہدی بھیجا یا لے گیا، خواہ کفارے کا ہو یا نذر کا یا تمتع کی ہدی ہو، وہ راستے میں ہلاک ہوگیا تو اس پر بدل واجب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ جس نے ہدی بھیجی پھر وہ گم ہوگئی یا مر گئی تو اگر وہ نذر تھی تو اس کا بدل واجب ہے اور اگر نفلی ہدی تھی تو خواہ بدل دے یا نہ دے۔

مالکؒ نے اہل علم کو کہتے سنا کہ ہدی والا جزا کی ہدی میں سے اور کفارے میں سے نہ کھائے۔

شرح: قران، تمتع اور نفلی ہدی میں سے کھانا جائز ہے اسے شکرانے کی ہدی کہتے ہیں۔ صحیح احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ہدی میں سے کھانا ثابت ہے اور یہ ہدی اُضحیہ یعنی قربانی کی مانند ہے۔ اس میں سے تیسرے حصے کا صدقہ، تیسرے حصے کا احباب کو کھلانا اور تیسرا حصہ خود کھانا مستحب ہے۔ جزا اور کفارے کی ہدی میں سے خود کھانا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کا یہی مذہب ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے مسلک میں تفصیل اور ان کے فقہا کا باہم اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۸۔ بَابُ هَدْيِ الْمُحْرِمِ إِذَا أَصَابَ أَهْلَهُ

مُحرم کی ہدی جبکہ وہ بیوی سے مقاربت کرے

وقوفِ عرفہ سے قبل اگر یہ صورت پیش آئی تو حج سب کے نزدیک فاسد ہوگیا۔ جس کی قضا اور کفارہ واجب ہے۔ اگر وقوف کے بعد جماع کیا تو حنفیہ کے نزدیک حج فاسد نہیں ہوتا کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے، اَلْحَجُّ عَرَفَۃٌ۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک وقوف کے بعد بھی حالتِ احرام میں اگر جماع کرلے تو حج فاسد ہے۔ مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد جماع کیا تو اس سے حج فاسد نہیں ہوتا۔ یہی ابن عباسؓ، عکرمہؒ، عطاؒ، شعبیؒ، ربیعہؒ، مالکؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ اور حنفیہ کا مذہب ہے نخعیؒ، زہریؒ اور حمادؒ کے نزدیک حج فاسد ہے۔ جن حضرات نے کہا کہ حج فاسد نہیں، ان کے نزدیک دم واجب ہے۔ قبل از وقوف جب کسی نے وطی سے حج فاسد کیا تو حج کی قضا واجب ہے۔ اور ایک بکری کی ہدی بھی۔

۸۶۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ سُئِلُوا: عَنْ رَجُلٍ أَصَابَ أَهْلَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِالْحَجِّ؟ فَقَالُوا: يَنْفُذَانِ، يَمْضِيَانِ لِوَجْهِهِمَا حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا. ثُمَّ عَلَيْهِمَا حَجٌّ قَابِلٍ وَالْهَدْيُ. قَالَ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: وَإِذَا أَهَلَّا بِالْحَجِّ مِنْ عَامٍ قَابِلٍ، تَفَرَّقَا حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ اور ابو ہریرہؓ سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس نے حالتِ احرام میں بیوی سے جماع کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے حج کے اعمال جاری رکھیں۔ حتّٰی کہ حج کو پورا کریں۔ پھر ان پر آئندہ سال حج اور ہدی واجب ہے۔

شرح: جمہور کے نزدیک فاسد حج کے اعمال کو جاری رکھنا ضروری ہے اور کسی عمل کا یہ حال نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل اس قرآنی آیت کو بتایا گیا ہے وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ اور مسئلہ زیر بحث کا تعلق وقوفِ عرفہ سے پہلے کے ساتھ ہے۔ جس میں بالاجماع حج فاسد ہو جاتا ہے۔ اعمال حج کو جاری رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ احرام وطی سے باطل نہیں ہوتا۔ ورنہ اعمال حج کی ادائیگی جائز نہ رہتی۔ داؤد بن علی کے نزدیک وطی سے عقدِ احرام باطل ہو جاتا ہے۔ علی بن ابی طالبؓ نے کہا کہ اگلے سال جب وہ حج کا احرام باندھیں تو حج تمام کرنے تک الگ الگ رہیں۔ (یہ احتیاط کی بنا پر ہے۔)

۸۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: مَا تَرَوْنَ فِي رَجُلٍ وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ؟ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ الْقَوْمُ شَيْئًا. فَقَالَ سَعِيدٌ: إِنَّ رَجُلًا وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ، فَبَعَثَ إِلَى الْمَدِينَةِ يَسْأَلُ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا إِلَى عَامٍ قَابِلٍ. فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: لِيَنْفُذَا لِوَجْهِهِمَا. فَلْيُتِمَّا حَجَّهُمَا الَّذِي أَفْسَدَاهُ

فَإِذَا فَرَغَا رَجَعَا. فَإِنْ أَدْرَكَهُمَا حَجٌّ قَابِلٌ، فَعَلَيْهِمَا الْحَجُّ وَالْهَدْيُ. وَيُهِلَّانِ مِنْ حَيْثُ أَهَلَّا بِحَجِّهِمَا الَّذِي أَفْسَدَاهُ. وَيَتَفَرَّقَانِ حَتَّى يَقْضِيَا حَجَّهُمَا.

قَالَ مَالِكٌ: يُهْدِيَانِ جَمِيعًا، بَدَنَةً بَدَنَةً.

قَالَ مَالِكٌ، فِي رَجُلٍ وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِي الْحَجِّ، مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَدْفَعَ مِنْ عَرَفَةَ وَيَرْمِيَ الْجَمْرَةَ: إِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ الْهَدْيُ وَحَجٌّ قَابِلٍ. قَالَ: فَإِنْ كَانَتْ إِصَابَتُهُ أَهْلَهُ بَعْدَ رَمْيِ الْجَمْرَةِ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ أَنْ يَعْتَمِرَ وَيُهْدِيَ. وَلَيْسَ عَلَيْهِ حَجٌّ قَابِلٍ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالَّذِي يُفْسِدُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ. حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ، فِي ذَلِكَ. الْهَدْيُ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، الْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَاءٌ دَافِقٌ.

قَالَ: وَيُوجِبُ ذَلِكَ أَيْضًا الْمَاءُ الدَّافِقُ، إِذَا كَانَ مِنْ مُبَاشَرَةٍ. فَأَمَّا رَجُلٌ ذَكَرَ شَيْئًا، حَتَّى خَرَجَ مِنْهُ مَاءٌ دَافِقٌ، فَلَا أَرَى عَلَيْهِ شَيْئًا. وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا قَبَّلَ امْرَأَتَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مِنْ ذَلِكَ مَاءٌ دَافِقٌ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ فِي الْقُبْلَةِ إِلَّا الْهَدْيُ. وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ الَّتِي يُصِيبُهَا زَوْجُهَا وَهِيَ مُحْرِمَةٌ مِرَارًا، فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، وَهِيَ لَهُ فِي ذَلِكَ مُطَاوِعَةٌ. إِلَّا الْهَدْيُ وَحَجٌّ قَابِلٍ. إِنْ أَصَابَهَا فِي الْحَجِّ. وَإِنْ كَانَ أَصَابَهَا فِي الْعُمْرَةِ، فَإِنَّمَا عَلَيْهَا قَضَاءُ الْعُمْرَةِ الَّتِي أَفْسَدَتْ وَالْهَدْيُ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید انصاری نے سعید بن المسیب کو لوگوں سے یہ سوال کرتے سنا کہ جو شخص احرام میں اپنی عورت سے جماع کرے اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے اس کا جواب نہ دیا۔ تو سعیدؒ نے کہا کہ ایک آدمی نے احرام میں عورت سے مقاربت کر لی۔ پھر مدینہ میں پیغام بھیج کر اس کا حکم پوچھا تو بعض لوگوں نے کہا کہ آئندہ ایک سال تک ان میں جدائی کر لی جائے۔ سعید نے کہا کہ وہ دونوں اعمالِ حج جاری رکھیں، جس کو انہوں نے فاسد کیا ہے۔ پھر اگر وہ آئندہ حج تک زندہ رہیں تو ان پر حج اور ہدی واجب ہے اور وہیں سے احرام باندھیں جہاں سے اس توڑے جانے والے حج کا احرام باندھا تھا اور دونوں الگ الگ رہیں حتیٰ کہ اپنا حج قضا کریں۔

مالکؒ نے کہا کہ وہ دونوں ایک ایک اونٹ کی ہدی ادا کریں۔ (حنفیہ کے ہاں ہدی کو جلد از جلد پیش کرنا مستحب ہے صرف آئندہ سال ہی نہیں)۔

مالکؒ نے اس شخص کے متعلق کہا کہ عرفات سے واپسی تک اور رمی جمار تک جو شخص اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس پر ہدی واجب ہے اور آئندہ سال حج بھی۔ اور اگر جمرہ کی رمی کے بعد جماع کرے تو وہ صرف عمرہ کرے اور ہدی دے اس پر آئندہ سال حج نہیں ہے (اگر وقوف عرفہ سے قبل یہ فعل کیا تو اجماعاً حج فاسد ہے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے اور ہدی دے۔ اس عبارت میں فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْ يَدْفَعَ مِنْ عَرَفَةَ میں اس مسئلے کا بیان ہے۔ دوسرے مسئلہ کا بیان رمی جمرہ کے بعد کے ساتھ ہے۔ اور اگر وقوف عرفہ کے بعد مگر رمی سے قبل وطی کرے۔ تو اس کا بیان اس عبارت میں نہیں موجود ہے۔ قاضی ابو محمدؒ نے اس میں مالکؒ سے دو روایات کا ذکر کیا ہے پہلی مشہور ہے اور وہ یہ کہ اس صورت میں بھی حج فاسد ہے۔ اور یہی شافعیؒ کا مذہب ہے۔ دوسری یہ کہ اس صورت میں حج فاسد نہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ جماع میں جو چیز حج یا عمرہ کو فاسد کرتی ہے اور اس سے ہدی واجب ہے۔ وہ دونوں شرم گاہوں کا ملاپ ہے۔ اگرچہ انزال نہ ہو۔ اور اگر انزال بھی ہو جائے تو مباشرت کی صورت میں قضا اور کفارہ واجب ہے۔ لیکن اگر صرف خیال کرنے سے ہی انزال ہو گیا تو میرے نزدیک اس پر کچھ نہیں آتا۔ (یعنی حج فاسد نہیں ہوتا نہ ہدی واجب ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ اگر کسی مرد نے اپنی عورت کا بوسہ لے لیا اور اس سے انزال نہ ہوا تو اس صورت میں ہدی واجب ہے قضا نہیں۔

مالکؒ نے کہا کہ جس عورت کو حالتِ احرام میں اس کا مرد کئی بار مقاربت کرے تو حج ہو یا عمرہ، دونوں میں اگر عورت کی رضا سے ایسا ہوا تو اس پر آئندہ سال حج کی قضا اور ہدی واجب ہے۔ اور عمرہ تھا تو اس کی قضا اور ہدی واجب ہے۔ (اگر ایک وطی کا کفارہ دے دیا اور پھر وطی کر لی تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک اور کفارہ واجب ہو گیا۔ شافعیؒ کے نزدیک ہر وطی کا الگ الگ کفارہ ہے۔ چاہے ایک کا کفارہ ادا کر کے ایسا کیا یا اس کے بغیر کیا۔)

۴۹۔ بَابُ هَدْيِ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ

جس کا حج فوت ہوا اس کی ہدی کا باب

۸۶۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ خَرَجَ حَاجًّا. حَتَّى إِذَا كَانَ بِالنَّازِيَةِ مِنْ طَرِيقِ مَكَّةَ. أَضَلَّ رَوَاحِلَهُ. وَإِنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَوْمَ النَّحْرِ. فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ. فَقَالَ عُمَرُ: اِصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْمُعْتَمِرُ. ثُمَّ قَدْ حَلَلْتَ. فَإِذَا أَدْرَكَكَ الْحَجُّ قَابِلًا فَاحْجُجْ، وَأَهْدِ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ.

ترجمہ: سلیمان بن یسار نے بتایا کہ ابو ایوب انصاریؓ حج کرنے کو نکلے۔ جب مکّہ کے راستے میں نازیہ کے مقام پر پہنچے تو ان کے اونٹ گم ہو گئے اور وہ یوم النحر کو حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ تو وہی کر جو عمرہ کرنے والا کرتا ہے۔ پھر تو حلال ہو جائے گا۔ آئندہ سال جب حج کا وقت آئے تو حج کر اور جو میسّر ہو ہدی پیش کر۔ (یعنی احرام سے نکلنے کے لئے عمرہ کی نیت کرے اور اس کے پورے اعمال ادا کرے۔ یہی ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا قول ہے۔ ابو یوسفؒ نے کہا کہ اس صورت میں اس کا احرام ہی بدل کر عمرہ کا ہو جاتا ہے۔)

۸۶۳۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ هَبَّارَ بْنَ الْأَسْوَدِ جَاءَ يَوْمَ النَّحْرِ، وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَنْحَرُ. فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَخْطَأْنَا الْعِدَّةَ. كُنَّا نُرَى أَنَّ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمُ عَرَفَةَ. فَقَالَ عُمَرُ: اِذْهَبْ إِلَى مَكَّةَ، فَطُفْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ. وَانْحَرُوا هَدْيًا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ. ثُمَّ احْلِقُوا أَوْ قَصِّرُوا وَارْجِعُوا. فَإِذَا كَانَ عَامٌ قَابِلٌ فَحُجُّوا وَاهْدُوا. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَمَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ. ثُمَّ فَاتَهُ الْحَجُّ فَعَلَيْهِ أَنْ يَحُجَّ قَابِلًا. وَيَقْرُنَ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ. وَيُهْدِي هَدْيَيْنِ: هَدْيًا لِقِرَانِهِ الْحَجَّ مَعَ الْعُمْرَةِ، وَهَدْيًا لِمَا فَاتَهُ مِنَ الْحَجِّ.

ترجمہ: سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے کہ ہبار بن الاسود یوم النحر میں آیا جب کہ حضرت عمر بن الخطابؓ اپنی ہدی کو نحر کر رہے تھے۔ پس اس نے کہا اے امیر المؤمنین! ہم نے گنتی میں غلطی کی۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ آج یوم عرفہ ہے۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم مکہ جاؤ اور تم بھی اور تمہارے ساتھی بھی طواف کرو اور اگر ہدی تمہارے ساتھ ہے تو اسے نحر کرو۔ پھر سر منڈواؤ یا بال کترواؤ اور واپس چلے جاؤ۔ اگلے سال حج کرو اور ہدی دو۔ جسے ہدی نہ ملے وہ تین دن ایام حج میں اور سات دن اس سے فراغت کے بعد روزہ رکھے۔

مالکؒ نے کہا کہ جو حج اور عمرہ میں قران کرے پھر اس کا حج فوت ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ اگلے سال حج قران کرے اور دو ہدی ادا کرے۔ ایک ہدی قرآن کی اور ایک حج فوت ہونے کی۔ (اس صورت میں کچھ علما کے نزدیک ایک تیسری ہدی بھی واجب ہے اور وہ اگلے سال قران کی ہے۔ یعنی فوت شدہ قران کے لئے دو عدد ہدی ہیں، ایک قران کی اور ایک فوات کی اور تیسری ہدی ادا شدہ قران کی ہے۔)

۵۰۔ بَابُ مَنْ أَصَابَ أَهْلَهُ قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ

افاضہ سے قبل اپنی بیوی سے مقاربت کرنے والے کی ہدی کا باب

۸۶۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ وَقَعَ بِأَهْلِهِ وَهُوَ بِمِنًى قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ. فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْحَرَ بَدَنَةً.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو منیٰ میں طوافِ افاضہ کرنے سے قبل اپنی اہلیہ سے مل لے تو ابن عباسؓ نے اسے ایک اونٹ نحر کرنے کا حکم دیا (یعنی ابھی اس نے رمی کی ہو یا نہ کی ہو بہرصورت)۔

شرح: امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک اس مسئلے کا تعلق پہلے تحلل سے قبل کے ساتھ ہے۔ ان کے نزدیک مناط (یعنی اس مسئلہ کا مرکزی معیار) پہلا تحلل ہے اور حنفیہ کے نزدیک مناط وقوفِ عرفہ ہے۔ یہاں چونکہ وقوف ہو چکا تھا، لہٰذا حج صحیح تھا اور نفل کا کفارہ لازم ہوا۔ امام محمدؒ نے یہ اثر موطا میں بابُ الرَّجُلِ یجامعُ قَبْلَ اَنْ یُفِیْضَ میں روایت کیا ہے۔ اور اس پر لکھا ہے کہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے عرفات میں وقوف کر لیا اس نے حج کو پا لیا۔ پس جس نے عرفہ کے وقوف کے بعد جماع کیا، اس کا حج فاسد نہ ہوا۔ لیکن اس کے ذمہ ایک اونٹ کی ہدی ہے۔ اور اس کا حج پورا ہے۔ اور جب کوئی طوافِ زیارت سے جماع کرے اس کا حج فاسد نہیں ہوتا۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۸۶۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَظُنُّهُ إِلَّا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: اَلَّذِي يُصِيبُ أَهْلَهُ قَبْلَ أَنْ يُفِيضَ، يَعْتَمِرُ وَيُهْدِي۔

ترجمہ: عکرمہ مولائے ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ روایت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو شخص افاضہ کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے مباشرت کر لے۔ وہ عمرہ کرے اور ہدی دے۔

شرح: عکرمہؒ مولائے ابن عباس پر بڑی لے دے ہوتی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ ثقہ اور ثبت ہے اور اس پر جو اباضی خارجی یا صفری ہونے کا الزام تھا۔ وہ اہل تحقیق کے نزدیک غلط ہے۔ اس روایت میں قَالَ لَا أَظُنُّهُ إِلَّا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ کی عبارت ثور بن یزید دیلی کی ہے کہ وہ عکرمہؒ کی روایت کے متعلق کہہ رہا ہے کہ میرے گمان میں یہ عکرمہ کا قول نہیں بلکہ ابن عباسؓ کا قول ہے اور ابن عباسؓ کا فتویٰ جو اوپر کی روایت میں گزرا ہے، اس اثر کا مطلب بھی وہی ہے۔ اور ابن عباسؓ کا وہی قول اوپر ہے کہ اس شخص پر عمرہ لازم نہیں، صرف ہدی آتی ہے۔

۸۶۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ فِي ذٰلِكَ، مِثْلَ قَوْلِ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ الْإِفَاضَةَ حَتّٰى خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَرَجَعَ إِلٰى بِلَادِهِ؟ فَقَالَ: أَرٰى إِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَ النِّسَاءَ، فَلْيَرْجِعْ، فَلْيُفِضْ۔ وَإِنْ كَانَ أَصَابَ النِّسَاءَ، فَلْيَرْجِعْ، فَلْيُفِضْ، ثُمَّ لِيَعْتَمِرْ وَلْيُهْدِ۔ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ هَدْيَهُ مِنْ مَكَّةَ وَيَنْحَرَهُ بِهَا۔ وَلٰكِنْ، إِنْ لَمْ يَكُنْ

سَاقَهُ مَعَهُ مِنْ حَيْثُ اعْتَمَرَ، فَلْيَشْتَرِهِ بِمَكَّةَ. ثُمَّ لِيُخْرِجْهُ إِلَى الْحِلِّ. فَلْيَسُقْهُ مِنْهُ إِلَى مَكَّةَ. ثُمَّ يَنْحَرُهُ بِهَا.

ترجمہ: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کو بھی وہی کہتے سنا جو عکرمہؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ (یہی سبب ہے کہ مالکؒ کا مذہب عمرہ اور ہدی ہر دو کا ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ یہ اس مسئلہ میں پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سنی۔

مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو آدمی افاضہ کو بھول جائے، حتیٰ کہ مکہ سے نکل گیا اور اپنے علاقہ کو واپس چلا گیا (تو وہ کیا کرے؟)

مالکؒ نے کہا کہ میرے خیال میں اگر اس نے عورت سے جماع نہیں کر لیا تو واپس آئے اور افاضہ کرے۔ اور اگر عورت سے مل چکا ہو تو واپس آکر افاضہ کرے۔ پھر عمرہ کرے اور ہدی دے اور اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہدی کو مکہ سے خریدے اور وہاں نحر کرے۔ بلکہ اگر اس نے عمرہ کا احرام باندھتے وقت وہیں سے ہدی نہ لی اور ہانک کر نہ لایا تو پھر وہ مکہ سے خریدے اور اسے حل کی طرف نکال لے جائے اور وہاں سے ہانک کر مکہ لائے اور وہاں پر نحر کرے۔ (دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا کرنا ضروری نہیں۔)

۵۱۔ بَابُ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

جو ہدی میسر ہو اس کا باب

جمہور کے نزدیک مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ سے مراد بھیڑ بکری ہے اور اس میں بعض صحابہ اور تابعین کا اختلاف بھی ہے۔

۸۶۷۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ. شَاةٌ.

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالبؓ کہتے تھے کہ جو "ہدی میسر ہو" وہ بھیڑ بکری ہے۔

۸۶۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ، شَاةٌ.

قَالَ مَالِكٌ: وَذَلِكَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذَلِكَ. لِأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ

عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا۔ فِيمَا يُحْكَمُ بِهِ فِي الْهَدْيِ، شَاةٌ۔ وَقَدْ سَمَّاهَا اللّٰهُ هَدْيًا۔ وَذٰلِكَ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا۔ وَكَيْفَ يَشُكُّ أَحَدٌ فِي ذٰلِكَ؟ وَكُلُّ شَيْءٍ لَا يَبْلُغُ أَنْ يُحْكَمَ فِيهِ بِبَعِيرٍ أَوْ بَقَرَةٍ۔ فَالْحُكْمُ فِيهِ شَاةٌ۔ وَمَا لَا يَبْلُغُ أَنْ يُحْكَمَ فِيهِ بِشَاةٍ۔ فَهُوَ كَفَّارَةٌ مِنْ صِيَامٍ، أَوْ إِطْعَامِ مَسَاكِينَ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے "جو ہدی میسّر ہو" وہ بھیڑ بکری ہے۔ (یہ دونوں اثر موطائے محمدؒ میں بابُ الْمُتَمَتِّعِ اَوِ الْمُعْتَمِرِ ۃ الخ میں وارد ہیں۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ہم اسے اختیار کرتے ہیں کہ کم از کم ہدی بھیڑ بکری ہے اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں پسندیدہ تر بات ہے جو میں نے سُنی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے، اے ایمان والو! حالتِ احرام میں (اور حدِ حرم میں) شکار مت کرو۔ جس نے جان بوجھ کر شکار کیا تو جو جانور اس نے مارا، اس جیسے جانور کو بطور جزا دے۔ تم میں سے دو عدل والے اس کا فیصلہ کریں، اس حال میں کہ وہ ہدی ہو جسے کعبہ تک پہنچایا جائے یا مساکین کو کھانا بطور کفارہ دے یا اس کے برابر روزہ۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائے۔ پس ہدی میں جو حکم دیا جاتا ہے وہ بھیڑ بکری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہدی رکھا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس میں ہمارے نزدیک کوئی اختلاف نہیں۔ اور کوئی اس میں کیونکر شک کر سکتا ہے جب کہ ہر چیز جس کا فیصلہ کیا جائے گا وہ اونٹ یا گائے نہیں ہو سکتی۔ پس اس میں فیصلہ بھیڑ بکری کا ہی ہے اور جس کا فیصلہ بکری نہ ہو تو اس کا کفارہ ہے یا روزہ یا مساکین کے طعام کا۔ (یعنی چھوٹے شکاری جانور عموماً بھیڑ بکری جیسے ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا کم از کم ہدی یہی ہے اور ہدی کا لفظ جب مطلق ہوگا تو اس سے یہی مراد ہے۔)

۸۶۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ بَدَنَةٌ أَوْ بَقَرَةٌ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ "جو ہدی میسّر ہو" وہ بھیڑ بکری ہے یا گائے بھینس۔ (موطائے محمدؒ میں شاۃ کی جگہ بعیر کا نسخہ ہے۔)

۸۷۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ مَوْلَاةً لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُقَالُ لَهَا رُقَيَّةُ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهَا خَرَجَتْ مَعَ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِلَى مَكَّةَ. قَالَتْ فَدَخَلَتْ عَمْرَةُ مَكَّةَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ۔ وَأَنَا مَعَهَا۔ فَطَافَتْ بِالْبَيْتِ، وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. ثُمَّ دَخَلَتْ صُفَّةَ الْمَسْجِدِ۔ فَقَالَتْ: أَمَعَكِ مِقَصَّانِ؟ فَقُلْتُ: لَا۔ فَقَالَتْ: فَالْتَمِسِيهِ لِي۔ فَالْتَمَسْتُهُ حَتَّى جِئْتُ بِهِ۔ فَأَخَذَتْ مِنْ قُرُونِ رَأْسِهَا۔ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ، ذَبَحَتْ شَاةً۔

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی ایک لونڈی رقیہ نے بتایا کہ وہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے ساتھ مکہ کو گئی۔ اس نے کہا کہ عمرہ مکہ میں ۸ ذی الحجہ کو داخل ہوئی اور میں اس کے ساتھ تھی۔ پس اس نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ میں سعی کی۔ پھر وہ مسجد کے صفہ میں داخل ہوئی اور کہا کہ کیا تیرے پاس قینچی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اسے میرے لئے تلاش کر۔ پس میں نے وہ تلاش کی اور اس کے پاس لائی، تو اس نے اپنے سر کی مینڈھیوں میں کچھ بال کاٹے اور جب یوم النحر ہوا تو ایک بکری ذبح کی (یہ اثر مؤطا محمد میں بَابُ الْمُعْتَمِرِ اَوِ الْمُعْتَمِرَةِ مَا تَجِبُ عَلَيْهِمَا مِنَ التَّقْصِيرِ وَالْهَدْيِ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ عمرہ والے مرد و عورت کے لئے مناسب ہے کہ طواف اور سعی کے بعد بالوں کا قصر کرے اور یوم النحر میں جو میسر ہو ہدی پیش کرے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ امام مالکؒ کے حسب روایت ابن القاسم نے فرمایا کہ میرے خیال میں عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ عمرہ کر رہی تھی۔ ورنہ اس کے لئے سر کے بال کاٹنا مکہ میں جائز نہ ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ عمرہؒ نے تمتع کیا تھا۔ عمرہ کرکے احرام سے نکل گئی اور پھر حج کیا۔

۵۲۔ بَابُ جَامِعِ الْهَدْيِ

ہدی کی متفرق روایات کا باب

۸۷۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَدَقَةَ بْنِ يَسَارٍ الْمَكِّيِّ، اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ، جَاءَ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَقَدْ ضَفَرَ رَاْسَهُ۔ فَقَالَ: يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ۔ اِنِّي قَدِمْتُ بِعُمْرَةٍ مُفْرَدَةٍ۔ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: لَوْ كُنْتُ مَعَكَ، اَوْ سَاَلْتَنِي، لَاَمَرْتُكَ اَنْ تَقْرِنَ۔ فَقَالَ الْيَمَانِيُّ: قَدْ كَانَ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: خُذْ مَا تَطَايَرَ مِنْ رَاْسِكَ، وَاَهْدِ۔ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ: مَا هَدْيُهُ۔ يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فَقَالَ: هَدْيُهُ۔ فَقَالَتْ لَهُ: مَا هَدْيُهُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: لَوْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا اَنْ اَذْبَحَ شَاةً، لَكَانَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصُومَ۔

ترجمہ: صدقہ بن یسار مکی سے روایت ہے کہ ایک مرد یمن والوں میں سے عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا۔ اور اس نے اپنے سر کے بالوں کی مینڈھیاں بنا رکھی تھیں۔ اس نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن! میں نے مفرد عمرے کا احرام باندھا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے کہا کہ اگر تو میرے ساتھ ہوتا یا مجھ سے پہلے پوچھ لیتا۔ تو میں تجھے قران کا حکم دیتا۔ یمن والے نے کہا کہ اب وہ وقت تو جاتا رہا۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اپنے سر کے لمبے بالوں کو کاٹ دے۔ اور ہدی پیش کر۔ (یعنی تمتع کی ہدی) عراق والوں میں سے ایک عورت بولی، اے ابو عبدالرحمٰن اس کی ہدی کیا ہے؟ عبداللہؓ نے کہا کہ جو اس کی ہدی ہے (یعنی جو میسر ہو) وہ پھر کہنے لگی کہ اس کی ہدی کیا ہے۔ اس پر عبداللہ نے کہا کہ اگر مجھے ایک بھیڑ یا بکری ذبح کرنے کو مل جائے تو روزہ رکھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر بَابُ الْقِرَانِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ میں کچھ اختلاف الفاظ کے ساتھ درج کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ قران افضل ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہے۔ پس جب عمرہ مو،

اور حج کا وقت آجائے تو عمرہ کے لئے طواف اور سعی کرے۔ اور بال کٹوائے۔ پھر حج کا احرام باندھے اور جب یوم النحر آئے تو سر منڈوائے اور اسے ایک بکری کافی ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ یہ سائل طواف اور سعی کر چکا تھا۔ اور اس کی گفتگو ابن عمرؓ کی منزل میں ہوئی تھی۔

۸۰۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: اَلْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ إِذَا حَلَّتْ لَمْ تَمْتَشِطْ، حَتّٰى تَأْخُذَ مِنْ قُرُونِ رَأْسِهَا. وَإِنْ كَانَ لَهَا هَدْيٌ، لَمْ تَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهَا شَيْئًا، حَتّٰى تَنْحَرَ هَدْيَهَا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے احرام والی عورت جب احرام کھولے تو اس وقت تک کنگھی نہ کرے جب تک کہ اپنے سر کے بالوں کی تقصیر نہ کرے اور اگر اس کی ہدی ہے تو اپنے بالوں کو نہ کاٹے جب تک کہ اپنی ہدی قربان نہ کر دے۔

۸۰۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: لَا يَشْتَرِكُ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ فِي بَدَنَةٍ وَاحِدَةٍ. لِيُهْدِ كُلُّ وَاحِدٍ بَدَنَةً بَدَنَةً۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَمَّنْ بُعِثَ مَعَهُ بِهَدْيٍ يَنْحَرُهُ فِي حَجٍّ، وَهُوَ مُهِلٌّ بِعُمْرَةٍ. هَلْ يَنْحَرُهُ إِذَا حَلَّ، أَمْ يُؤَخِّرُهُ حَتّٰى يَنْحَرَهُ فِي الْحَجِّ. وَيَحِلُّ هُوَ مِنْ عُمْرَتِهِ؟ فَقَالَ: بَلْ يُؤَخِّرُهُ حَتّٰى يَنْحَرَهُ فِي الْحَجِّ. وَيَحِلُّ هُوَ مِنْ عُمْرَتِهِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالَّذِي يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالْهَدْيِ فِي قَتْلِ الصَّيْدِ، أَوْ يَجِبُ عَلَيْهِ هَدْيٌ فِي غَيْرِ ذٰلِكَ. فَإِنَّ هَدْيَهُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِمَكَّةَ. كَمَا قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ـ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ ـ وَأَمَّا مَا عُدِلَ بِهِ الْهَدْيُ مِنَ الصِّيَامِ أَوِ الصَّدَقَةِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ يَكُونُ بِغَيْرِ مَكَّةَ. حَيْثُ أَحَبَّ صَاحِبُهُ أَنْ يَفْعَلَهُ، فَعَلَهُ۔

ترجمہ: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے بعض اہل علم سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ مرد اور اس کی بیوی ایک اونٹ میں شریک نہ ہوں بلکہ وہ الگ الگ اپنا اپنا اونٹ قربان کریں۔ (یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ جمہور کے نزدیک ایک اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور مسلم نے جابرؓ سے صریح حدیث مرفوع اس اجازت کی روایت کی ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک اگر کچھ لوگ خلوص سے اور کچھ محض گوشت کے لئے شامل ہوں تو بھی ہدی والے کی ہدی جائز ہے۔ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ سب کا مخلص ہونا ضروری ہے۔ داؤد ظاہریؒ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ اشتراک جائز ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص عمرہ کرنے آئے اور اس کے ساتھ کسی اور نے ہدی بھیجی تاکہ اسے حج میں نحر کیا جائے تو کیا جب وہ عمرہ کر کے احرام کھولے تو اس ہدی کو نحر کر دے یا حج تک مؤخر کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ بلکہ اسے مؤخر کرے حتیٰ کہ حج میں نحر کرے۔ اور وہ خود عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ (حنفیہ کے نزدیک ہدی کسی خاص زمانے سے مقید نہیں۔ اور پورے حرم کے اندر نحر کی جا سکتی ہے ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ قران، تمتع اور اضحیہ کی قربانی صرف ایام نحر میں ہو سکتی ہے۔ باقی سب ان سے پہلے بھی جائز ہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس پر شکار کے قتل کے باعث ہدی کا فیصلہ ہوا ہو یا کسی اور سبب سے واجب ہوئی ہو تو اس کی ہدی صرف مکہ میں ہی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ۔ (جو ہدی راستے میں تھک کر رہ گئی ہو اور اسے وہیں ذبح کر دیں وہ اس حکم سے خارج ہے) لیکن ہدی کے بجائے جس کو روزے یا صدقے کا حکم کیا گیا ہو تو وہ مکہ کے علاوہ بھی جہاں چاہیں ادا کر دیں۔ (اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔)

۱۰۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيِّ، عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ۔ فَخَرَجَ مَعَهُ مِنَ الْمَدِينَةِ۔ فَمَرُّوا عَلَى حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، وَهُوَ مَرِيضٌ بِالسُّقْيَا۔ فَأَقَامَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَتَّى إِذَا خَافَ الْفَوَاتَ خَرَجَ۔ وَبَعَثَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، وَهُمَا بِالْمَدِينَةِ، فَقَدِمَا عَلَيْهِ۔ ثُمَّ إِنَّ حُسَيْنًا أَشَارَ إِلَى رَأْسِهِ۔ فَأَمَرَ عَلِيٌّ بِرَأْسِهِ فَحُلِقَ۔ ثُمَّ نَسَكَ عَنْهُ بِالسُّقْيَا۔ فَنَحَرَ عَنْهُ بَعِيرًا۔

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَكَانَ حُسَيْنٌ خَرَجَ مَعَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ، فِي سَفَرِهِ ذٰلِكَ إِلَى مَكَّةَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن جعفرؓ کا غلام ابو اسماء کہتا ہے کہ وہ عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ تھا۔ وہ مدینہ سے نکلے تو وہ سقیا کے مقام پر حسین بن علیؓ پر سے گزرے جو بیمار تھے۔ حتیٰ کہ کچھ دن ٹھہر کر ابن جعفرؓ کو حج کے فوت ہونے کا خوف لاحق ہوا تو وہاں سے چل پڑے اور مدینہ میں علی بن ابی طالبؓ اور اسماء بنت عمیس کو پیغام بھیجا۔ وہ دونوں آئے تو حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا (کہ سر میں تکلیف ہے) پس علی بن ابی طالبؓ نے ان کا سر مونڈنے کا حکم دیا۔ پھر اسی مقام سقیا پر ان کی طرف سے ایک اونٹ نحر کیا (یعنی بطور فدیہ)۔

یحییٰ بن سعید نے کہا کہ حسینؓ اس سفر میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

شرح: اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک وہ ہے جس کو امام محمدؒ نے مؤطا میں بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے مرض کے باعث رک کے جانے والے کو دشمن کے سبب سے روکے جانے والے کی مانند قرار دیا ہے۔ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا کہ جس شخص کو راستے میں سانپ ڈس لے اور وہ آگے نہ جا سکے تو کیا کرے؟ ابن مسعودؓ نے کہا کہ ہدی بھیج دے اور لے جانے والوں کے ساتھ

ایک دن مقرر کرلے۔ جب اس کی ہدی ذبح ہوگی تو اُدھر وہ حلال ہو جائے۔

۵۳۔ بَابُ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

عرفہ اور مزدلفہ کے وقوف کا باب

سب فقہا اس پر متفق ہیں کہ عرفہ کا وقوف حج کا رکن ہے اور اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔ اس میں ابن الحسنؒ کا اختلاف منقول ہے کہ ان کے نزدیک یہ وقوف واجب تو ہے، لیکن اگر یہ فوت ہو جائے، حرم کے اندر کسی مقام پر وقوف اس کا قائم مقام ہوسکتا ہے لیکن باقی سب علم اس پر اجماع کر چکے ہیں کہ وقوفِ عرفہ حج کا رکن ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی صحت اس شرط پر موقوف ہے کہ عرفہ میں رات گزارے۔ جمہور کے نزدیک جو شخص زوال آفتاب کے بعد عرفہ میں وقوف کرلے، اس کا حج پورا ہو گیا۔ لیکن اگر وہ غروب آفتاب سے قبل عرفہ سے چلا جائے تو اس پر دم واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم یعنی عطاؒ، حنفیہ، ثوریؒ، شافعیؒ اور ابو ثورؒ کے نزدیک اس پر دم واجب ہے۔

مزدلفہ کے دو نام اور بھی ہیں، جمع اور المشعر الحرام۔ اور مزدلفہ میں رات گزارنا واجب ہے۔ جس کے ترک سے دم واجب ہے۔ یہی قول عطاؒ، زہری قتادہؒ، شافعیؒ، ابو ثورؒ، اسحاقؒ اور حنفیہ کا ہے۔ اور علقمہؒ، نخعیؒ اور شعبیؒ کے نزدیک مزدلفہ میں ٹھہرنا حج کا رکن ہے جس کے ترک سے حج فوت ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کوئی مزدلفہ سے گزرے اور نزول نہ کرے تو اس پر دم ہے۔ اگر نزول کرلے تو جب چاہے وہاں سے چلا جائے

۸۷۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ۔ وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عرفہ سارے کا سارا موقف ہے۔ مگر بطن عرنہ سے الگ رہو۔ اور مزدلفہ سارا موقف ہے صرف بطن محسّر سے الگ رہو۔

شرح: عرنہ عرفات کے اندر ایک وادی ہے جس کے متعلق حضورؐ کا فرمان ہے کہ یہاں شیطان ہے۔ محسّر وہ جگہ ہے جہاں پر ابرہہ کا ہاتھی تھک کر رہ گیا تھا۔

۸۷۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اِعْلَمُوا أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ عُرَنَةَ۔ وَأَنَّ الْمُزْدَلِفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ۔ إِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ۔ قَالَ مَالِكٌ: قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ قَالَ الرَّفَثُ إِصَابَةُ النِّسَاءِ، وَاللهُ أَعْلَمُ۔ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى۔ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ

إِلَىٰ نِسَائِكُمْ - قَالَ: وَالْفُسُوقُ الذَّبْحُ لِلْأَنْصَابِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ. قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ - أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ - قَالَ: وَالْجِدَالُ فِي الْحَجِّ، أَنَّ قُرَيْشًا كَانَتْ تَقِفُ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِقُزَحَ. وَكَانَتِ الْعَرَبُ وَغَيْرُهُمْ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ. فَكَانُوا يَتَجَادَلُونَ يَقُولُ هٰؤُلَاءِ نَحْنُ أَصْوَبُ، وَيَقُولُ هٰؤُلَاءِ نَحْنُ أَصْوَبُ. فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ - وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ - فَهٰذَا الْجِدَالُ، فِيمَا نُرَىٰ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَقَدْ سَمِعْتُ ذٰلِكَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ.

ترجمہ: عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے تھے کہ عرفہ سارا وقوف کی ہے سوائے بطن عرنہ کے اور مزدلفہ سارا موقف ہے، سوائے بطنِ محسّر کے۔

مالکؒ نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا، حج میں رفث اور فسوق اور جدال نہ ہو۔ مالکؒ نے کہا کہ رفث کا مطلب ہے عورتوں سے مقاربت کرنا۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تمہارے لئے روزے کی رات میں اپنی عورتوں سے رفث حلال ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ فسوق کا معنیٰ ہے گڑے ہوئے پتھروں کے لئے جانور ذبح کرنا۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یا وہ فسق جسے غیراللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ مالکؒ نے کہا کہ حج میں جدال یہ ہے کہ قریش مشعرِ حرام کے پاس مزدلفہ میں قزح پہاڑ پر وقوف کرتے تھے۔ اور دوسرے عرب وغیرہ عرفہ میں وقوف کرتے تھے۔ اور وہ باہم جھگڑتے تھے۔ یہ کہتے تھے کہ ہم درست ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ درست ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہر اُمت کے لئے ہم نے عبادت کا ضابطہ مقرر فرمایا، جو اُسے اختیار کئے ہوئے ہیں، پس وہ تیرے ساتھ دین کے بارے میں ہرگز نزاع نہ کریں۔ (اور آپؐ کا اتباع کریں۔) اور تو اپنے رب کی طرف دعوت دے۔ بیشک تو ہی سیدھی ہدایت پر ہے۔ پس یہ ہے جدال جو حج میں تھا خیال ہمارے میں۔ واللہ اعلم۔ اور میں نے یہ اہلِ علم سے سنا ہے۔

شرح: امام مالکؒ نے فسوق اور جدال کے خاص معانی بیان کئے ہیں، یہ بھی مراد ہوں گے مگر اہلِ تفسیر و معانی نے ان کے معانی میں یہ تخصیص نہیں کی۔ فسوق سے مراد ہر قسم کی نافرمانی اور جدال سے مراد ہر قسم کا جھگڑا اور دنگا فساد ہے۔ اسی طرح رفث سے مراد صرف جماع ہی نہیں بلکہ ہر قبیح کلام بھی رفث کہاتا ہے۔ واللہ اعلم

۵۴۔ بَابُ وُقُوفِ الرَّجُلِ وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ، وَوُقُوفُهُ عَلَىٰ دَابَّةٍ

غیرطاہر ہونے کی حالت میں وقوف اور سواری پر وقوف

۸۷۰۔ سُئِلَ مَالِكٌ: هَلْ يَقِفُ الرَّجُلُ بِعَرَفَةَ، أَوْ بِالْمُزْدَلِفَةِ، أَوْ يَرْمِي الْجِمَارَ أَوْ يَسْعَىٰ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ؟ فَقَالَ: كُلُّ أَمْرٍ تَصْنَعُهُ الْحَائِضُ مِنْ أَمْرِ الْحَجِّ، فَالرَّجُلُ

يَصْنَعُهُ وَهُوَ غَيْرُ طَاهِرٍ. ثُمَّ لَا يَكُونُ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي ذَٰلِكَ. وَالْفَضْلُ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ فِي ذَٰلِكَ كُلِّهِ طَاهِرًا. وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَتَعَمَّدَ ذَٰلِكَ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنِ الْوُقُوفِ بِعَرَفَةَ لِلرَّاكِبِ. أَيَنْزِلُ أَمْ يَقِفُ رَاكِبًا؟ فَقَالَ: بَلْ يَقِفُ رَاكِبًا. إِلَّا أَنْ يَكُونَ بِهِ، أَوْ بِدَابَّتِهِ، عِلَّةٌ. فَاللّٰهُ أَعْذَرُ بِالْعُذْرِ.

ترجمہ: یحییٰ نے کہا کہ امام مالکؒ سے سوال کیا گیا، کیا کوئی شخص عرفہ یا مزدلفہ میں بغیر طہارت کے وقوف کر سکتا ہے؟ یا رمی جمار کر سکتا ہے؟ یا صفا و مروہ میں سعی کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہر وہ کام جو حیض والی عورت حج کے امور میں کر سکتی ہے تو مرد بھی بلا طہارت اسے کر سکتا ہے اور اس پر اس میں کوئی کفارہ نہیں آتا اور فضیلت اس میں ہے کہ مرد ان تمام امور میں طہارت سے ہو اور جان بوجھ کر ایسا کرنا نا مناسب ہے۔ (یہ مسئلہ اجماعی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف مذکور نہیں۔)

امام مالکؒ سے سوار ہو کر عرفات میں وقوف کے متعلق سوال کیا گیا کہ آدمی سواری سے اتر جائے یا سوار ہو کر وقوف کرے؟ تو مالکؒ نے فرمایا کہ سوار ہو کر وقوف کرے۔ مگر یہ کہ اس کو یا اس کی سواری کو کوئی عذر ہو۔ تو اللہ تعالیٰ عذر کو سب سے زیادہ قبول فرمانے والا ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سواری پر وقوف فرمایا تھا۔)

۵۵- بَابُ وُقُوفِ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ بِعَرَفَةَ

کون سا وقوف حج کے فوت ہونے کا باعث ہے؟

اس مسئلہ پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صحتِ وقوف کی شرط یہ ہے کہ رات بھر وقوف کرے مگر جمہور کے نزدیک جو شخص زوالِ آفتاب سے بعد عرفہ میں وقوف کرے اس کا حج ہو گیا۔

۸۷۰- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: مَنْ لَمْ يَقِفْ بِعَرَفَةَ، مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ، قَبْلَ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ. وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ، مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ، مِنْ قَبْلِ أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے جو آدمی عرفہ میں مزدلفہ کی رات کو طلوع فجر سے قبل وقوف نہ کرے اس کا حج فوت ہو گیا۔ اور جو شخص عرفہ میں مزدلفہ کی رات کو طلوع فجر سے قبل وقوف نہ کرے۔ اس کا حج فوت ہو گیا۔ اور جو شخص عرفہ میں مزدلفہ کی رات کو طلوع فجر سے قبل وقوف کرے، اس نے حج کو پا لیا۔

شرح: قاضی ابو الولید باجی نے کہا کہ اس اثر کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) پہلا یہ کہ یہ وقوف کو پا لینے کا آخری وقت ہے، اگر وقوف اس سے قبل بھی جائز ہے۔ اور اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔ (۲) دوسرا یہ کہ جو شخص مزدلفہ کی رات کو عرفہ میں نہ ہے اس کا کوئی وقوف نہیں اور اس کا حج فوت ہو گیا۔ امام مالکؒ نے دوسرا معنی مراد لیا ہے۔ اور جمہور اور ائمہ ثلاثہ نے پہلا معنی۔ اصحاب

سنن نے عبدالرحمٰن بن یعمر دیلمی سے جو مرفوع روایت صحیح سند کے ساتھ روایت کی وہ پہلے معنی کی تائید کرتی ہے۔

۸۷۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّهٗ قَالَ: مَنْ اَدْرَكَهُ الْفَجْرُ مِنْ لَیْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ۔ وَلَمْ یَقِفْ بِعَرَفَةَ۔ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ۔ وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ مِنْ لَیْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ۔ قَبْلَ اَنْ یَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِی الْعَبْدِ یُعْتَقُ فِی الْمَوْقِفِ بِعَرَفَةَ: فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا یُجْزِیْ عَنْهُ مِنْ حَجَّةِ الْاِسْلَامِ اِلَّا اَنْ یَكُوْنَ لَمْ یُحْرِمْ، فَیُحْرِمُ بَعْدَ اَنْ یُعْتَقَ۔ ثُمَّ یَقِفُ بِعَرَفَةَ مِنْ تِلْكَ اللَّیْلَةِ قَبْلَ اَنْ یَطْلُعَ الْفَجْرُ۔ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ اَجْزَاَ عَنْهُ۔ وَاِنْ لَمْ یُحْرِمْ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ، كَانَ بِمَنْزِلَةِ مَنْ فَاتَهُ الْحَجُّ اِذَا لَمْ یُدْرِكِ الْوُقُوْفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ لَیْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ۔ وَیَكُوْنُ عَلَی الْعَبْدِ حَجَّةُ الْاِسْلَامِ یَقْضِیْهَا۔

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ جس شخص کو فجر نے پایا مزدلفہ کی رات سے اور اس نے عرفہ میں وقوف نہ کیا تھا۔ تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ اور جو (دس) مزدلفہ کی رات میں وقوف کرے عرفہ میں طلوع فجر سے پہلے تو اس نے حج پا لیا۔ (یعنی عرفہ میں دن کا وقوف معتبر نہیں۔ یہی مالکؒ کا مذہب ہے اور جمہور کے نزدیک وقوف فرض ہے دن رات کی قید نہیں۔

مالکؒ نے کہا کہ جو غلام عرفہ میں آزاد ہوا تو اس کا حج "فریضہ اسلام ادا نہ ہوا۔ مگر یہ کہ اس نے اس سے پہلے احرام نہ باندھا ہو۔ اور آزاد ہونے کے بعد احرام باندھے پھر اس رات میں طلوعِ فجر سے قبل وقوف کرے۔ سو اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کا فریضہ حج ادا ہو جائے گا۔ اور اس نے اگر طلوع فجر سے پہلے احرام نہ باندھا تو وہ اس شخص کی مانند ہو گیا جس نے عرفہ کا وقوف نہ پایا۔ اور اس کے باعث اس کا حج فوت ہو گیا یعنی مزدلفہ کی رات میں طلوع فجر سے قبل۔ اور اس غلام کے ذمے اسلام کا حج باقی ہے جسے وہ پورا کرے گا۔ (حنفیہ نے اس مسئلہ میں اس حد تک امام مالکؒ سے اتفاق کیا ہے کہ اس غلام کا یہ حج نفلی ہے نہ کہ فرضی۔ کیونکہ جب اس نے حج کا احرام باندھا تھا تو وہ آزاد نہ تھا۔ اور بلوغ کے علاوہ آزادی بھی اس کی شرط تھی رہا وقوف کا مسئلہ، سو اس سے قبل امام مالکؒ اور جمہور کا اختلاف بیان ہو چکا ہے۔)

۵۶۔ بَابُ تَقْدِیْمِ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ

عورتوں اور بچوں کو آگے بھیجنے کا باب

یعنی اژدحام سے بچانے کے لیے انہیں مزدلفہ سے منیٰ کو دوسروں سے قبل بھیج دینا جائز ہے۔ صحیح احادیث میں حضورؐ سے یہ ثابت ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عائشہؓ کا اسی پر عمل تھا اور یہی قول عطاؒ، ثوریؒ، شافعیؒ، ابو ثورؒ، مالکؒ اور حنفیہ کا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ بقولِ امام نوویؒ عذر کے باعث مزدلفہ میں رات گزارنے کا

ترک جائز ہے۔ اور عذر کی کئی قسمیں ہیں۔ ا۔ زمزم کا پانی پلانے والوں کو اجازت ہے۔ ب۔ اونٹ چرانے والوں کو اجازت ہے۔ ج جیسے مال کے ضیاع کا خوف ہو یا اپنی جان کا خوف ہو۔ د جو عید کی رات کو عرفات میں پہنچے اور وہاں کے وقوف کے باعث مزدلفہ میں رات نہ گزار سکے۔

۸۸۰۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ سَالِمٍ وَعُبَيْدِ اللّٰهِ، ابْنَيْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ، اَنَّ اَبَاهُمَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُقَدِّمُ اَهْلَهٗ وَصِبْيَانَهٗ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى. حَتّٰى يُصَلُّوا الصُّبْحَ بِمِنًى. وَيَرْمُوْا قَبْلَ اَنْ يَاْتِيَ النَّاسُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر والوں اور بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف پہلے بھیج دیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ صبح کی نماز منیٰ میں پڑھتے۔ اور لوگوں کے آنے سے پہلے رمی کر لیتے۔ اس اثر کو امام محمدؒ نے موطا میں باب مَنْ قَدَّمَ الضَّعَفَةَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ میں روایت کر کے لکھا ہے کہ ضعفا کو آگے بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر انہیں یہ تاکید کی جائے کہ طلوع آفتاب سے قبل رمی نہ کریں۔ یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔)

۸۸۱۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ، اَنَّ مَوْلَاةً لِاَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ اَخْبَرَتْهُ. قَالَتْ: جِئْنَا مَعَ اَسْمَاءَ ابْنَةِ اَبِيْ بَكْرٍ مِنًى بِغَلَسٍ. قَالَتْ فَقُلْتُ لَهَا: لَقَدْ جِئْنَا مِنًى بِغَلَسٍ. فَقَالَتْ: قَدْ كُنَّا نَصْنَعُ ذٰلِكَ مَعَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكِ۔

ترجمہ: اسماء بنت ابی بکرؓ کی ایک لونڈی نے کہا کہ ہم اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ منیٰ میں اندھیرے اندھیرے میں آ گئے۔ لونڈی نے کہا کہ میں نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ ہم لوگ تو منیٰ میں اندھیرے میں ہی آ گئے ہیں، تو حضرت اسماءؓ نے کہا کہ ہم یہ کام اُس کے ساتھ کیا کرتے تھے جو تجھ سے بہتر تھا۔ (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔)

۸۸۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ: اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ كَانَ يُقَدِّمُ نِسَاءَهٗ وَصِبْيَانَهٗ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہؓ اپنے ہاں کی عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ کو پہلے بھیج دیتے تھے۔

۸۸۳۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُ رَمْيَ الْجَمْرَةِ حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ. وَمَنْ رَمٰى فَقَدْ حَلَّ لَهُ النَّحْرُ۔

ترجمہ: مالکؒ نے بعض اہل علم سے سُنا کہ وہ رمی جمرہ کو یوم النحر کے طلوعِ فجر سے قبل مکروہ جانتے تھے۔ اور جس نے رمی کر لی تو اس کے لئے نحر حلال ہو گیا۔

شرح: امام ابن رشد مالکی نے کہا ہے کہ سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشعر حرام یعنی مزدلفہ

میں وقوف فرمایا نماز فجر پڑھنے کے بعد، پھر وہاں سے طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف کوچ فرمایا اور آپؐ نے اس دن یعنی یوم النحر میں طلوع آفتاب کے بعد جمرہ عقبہ پر رمی کی اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے یوم النحر بس اس وقت رمی کی، تو اس نے صحیح وقت پر رمی کی۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ حضورؐ نے یوم النحر میں کسی اور جمرے پر رمی نہیں کی۔ اور اس میں اختلاف ہوا کہ جس نے طلوع فجر سے پہلے جمرۂ عقبہ پر رمی کی تو اس کا کیا حکم ہے۔ مالکؒ، ابو حنیفہؒ، سفیانؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے اور شافعیؒ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور علما کا اس پر اجماع ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا مستحب وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے۔ جو اس کے بعد غروب آفتاب سے پہلے پہلے رمی کرے اس کی رمی بھی درست ہے۔ مگر مالک نے کہا کہ اس پر دم واجب ہے اور ذبح و نحر کا وقت رمی جمرہ عقبہ کے بعد ہے۔

۸۰۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا كَانَتْ تَرَى أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ بِالْمُزْدَلِفَةِ۔ تَأْمُرُ الَّذِي يُصَلِّي لَهَا وَلِأَصْحَابِهَا الصُّبْحَ ـ يُصَلِّي لَهُمُ الصُّبْحَ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ. ثُمَّ تَرْكَبُ فَتَسِيرُ إِلَى مِنًى۔ وَلَا تَقِفُ۔

ترجمہ: فاطمہؓ بنت منذر نے کہا کہ اسماؓ بنت ابی بکرؓ مزدلفہ میں اپنے امام صلوٰۃ کو ۔ جو انہیں اور ان کے ساتھ والوں کو نماز پڑھاتا تھا ۔ حکم دیتی تھیں کہ طلوع فجر کے وقت انہیں نماز پڑھائے۔ پھر وہ سوار ہو جاتیں منیٰ کی طرف اور وقوف نہ کرتیں۔ (یعنی نماز کے بعد مزدلفہ میں نہ ٹھہرتیں۔ مگر صحیح بخاری میں ہے کہ وہ چاند کے غروب ہونے پر کوچ کرتیں۔ پھر جمرہ پر رمی کرتیں اور پھر صبح کی نماز اپنی منزل پر پڑھتی تھیں۔ شاید اسے مختلف احوال پر محمول کیا جا سکے۔)

۵۷۔ بَابُ السَّيْرِ فِي الدَّفْعَةِ

عرفہ سے مزدلفہ آتے وقت رفتار کی کیفیت کا باب

۸۰۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ، سُئِلَ أُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ، وَأَنَا جَالِسٌ مَعَهُ، كَيْفَ كَانَ يَسِيرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ، حِينَ دَفَعَ ؟ قَالَ، كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ. فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ هِشَامٌ: وَالنَّصُّ فَوْقَ الْعَنَقِ۔

ترجمہ: عروہؒ نے کہا کہ میں اُسامہ بن زیدؓ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ان سے سوال کیا گیا: آخری حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ سے واپسی پر کیسی رفتار اختیار فرمائی تھی؟ اُسامہ نے کہا کہ حضورؐ درمیانہ چال اختیار فرماتے تھے۔ اور جب گنجائش ملتی، تو سواری کو بھگا دیتے تھے۔ (موطا نے محمدؒ میں یہ حدیث مروی ہے باب الدفع۔)
راوی ہشام نے کہا کہ اس حدیث میں بیان شدہ چال نَصّ عَنَق سے تیز تر ہوتی ہے۔

شرح: متفق علیہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا، اے لوگو، سکون و وقار اختیار کرو۔ کیونکہ نیکی گھوڑوں کو تیز دوڑانے میں نہیں ہے۔ یہ مضمون بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے۔

۸۸۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُحَرِّكُ رَاحِلَتَهُ فِيْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ، قَدْرَ رَمْيَةٍ بِحَجَرٍ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بطن محسر میں اپنی اونٹنی کو اتنی دُور تک تیز دوڑاتے جتنی دُور پتھر پھینکا جا سکے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر باب بطن محسر میں درج کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اُوپر کی حدیث ۸۸۵ پر لکھا ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تم پر سکون لازم ہے کیونکہ نیکی اونٹ گھوڑوں کو تیز دوڑانے میں نہیں اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ پھر زیر نظر اثر پر لکھا ہے، یہ سب گنجائش رکھتا ہے اگر تم چاہو تو سواری کو تیز چلاؤ اور چاہو تو عام رفتار سے چلو ہمیں خبر ملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقام کی رفتار میں سکون کا حکم دیا تھا۔ جب عرفہ سے واپس ہوئے تب بھی اور جب مزدلفہ سے واپس ہوئے تب بھی۔

۵۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّحْرِ فِي الْحَجِّ

حج میں نحر کا باب

۸۸۷۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، بِمِنًى: "هٰذَا الْمَنْحَرُ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ" وَقَالَ فِي الْعُمْرَةِ "هٰذَا الْمَنْحَرُ" يَعْنِي الْمَرْوَةَ "وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ وَطُرُقِهَا مَنْحَرٌ"۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی کے متعلق فرمایا، یہ نحر کی جگہ ہے اور عمرہ میں فرمایا یہ نحر کی جگہ ہے یعنی مکہ اور مروہ کی تمام گھاٹیاں اور راستے نحر کی جگہ ہیں۔ (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدودِ حرم کے اندر ہر جگہ ذبح اور نحر جائز ہے۔ گو افضل ان مقامات پر ہے جہاں حضورؐ نے نحر فرمایا تھا۔ آیت قرآنی ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ سے بھی ثابت ہوتا ہے)

۸۸۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ: اَخْبَرَتْنِيْ عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ تَقُوْلُ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَمْسِ لَيَالٍ بَقِيْنَ مِنْ ذِي الْقَعْدَةِ، وَلَا نُرٰى اِلَّا اَنَّهُ الْحَجُّ۔ دَنَوْنَا مِنْ مَكَّةَ، اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ، اِذَا طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اَنْ يَحِلَّ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَدُخِلَ عَلَيْنَا، يَوْمَ النَّحْرِ، بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا

نَحَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَزْوَاجِهِ۔

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فَذَكَرْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ۔ فَقَالَ: أَتَتْكَ، وَاللّٰهِ بِالْحَدِيثِ عَلَى وَجْهِهِ۔

ترجمہ: عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ اس نے حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سُنا، وہ فرماتی تھیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ ذی القعدہ کو چلے اور ہم سمجھتے تھے کہ صرف حج ہی ادا کریں گے۔ پھر جب ہم مکّہ کے قریب گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو حکم دیا جن کے ساتھ ہدی نہ تھی کہ وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کریں اور حلال ہو جائیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ یوم نحر کو ہمارے پاس گائے کا گوشت لایا گیا۔ میں نے کہا یہ کیسا ہے؟ تو لانے والوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی طرف سے ہدی ذبح فرمائی ہے۔ یحییٰ راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث القاسم بن محمدؒ سے بیان کی تو اس نے کہا کہ واللہ عمرہ نے تجھ سے درست حدیث بیان کی ہے۔ (اس حدیث کے مضامین پر قبل ازیں کئی جگہ گفتگو ہو چکی ہے، جسے دہرانا باعث تطویل ہوگا۔)

۸۸۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ حَفْصَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا شَأْنُ النَّاسِ حَلُّوا وَلَمْ تَحْلِلْ أَنْتَ مِنْ عُمْرَتِكَ؟ فَقَالَ: إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي، فَلَا أَحِلُّ حَتَّى أَنْحَرَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے جناب حفصہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یہ کیا بات ہے کہ اور لوگ تو احرام کھول چکے، مگر آپؐ نے اپنے عمرہ کا احرام نہیں کھولا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر پر لیپ کر دی ہے اور اپنی ہدی کے گلے میں قلادہ ڈالا ہے۔ لہٰذا جب تک نحر نہ کرلوں، احرام نہ کھولوں گا۔

شرح: یہ حدیث اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا نہ کہ مفرد حج۔ اور یہ تمتع بھی نہ تھا۔

۵۹۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي النَّحْرِ

نحر کے مسائل کا باب

۸۹۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ بَعْضَ هَدْيِهِ۔ وَنَحَرَ غَيْرُهُ بَعْضَهُ۔

ترجمہ: محمدؒ (الباقر) نے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدی کے کچھ جانور اپنے دستِ مبارک

سے نحر کیے اور کچھ جانور اوروں نے نحر کیے۔

شرح: اس حدیث میں انقطاع ہے۔ کیونکہ محمد الباقر نے اپنے دادا جناب علیؓ کو نہیں پایا۔ یہ حدیث حضرت جابرؓ کی ہی کی طویل حدیث کا حصہ ہے۔ لہٰذا کئی جگہ عن جعفر عن ابیہ (محمدؒ) عن جابرؓ وارد ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث ابوداؤدؒ نے روایت کی ہے اور جابرؓ کی طویل حدیث مسلم اور ابوداؤدؒ کے علاوہ کئی اور محدثین نے بھی روایت کی ہے۔ مگر ان دونوں حدیثوں کے سیاق میں کچھ تعارض بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ۶۳ اونٹ نحر کئے تھے اور باقی آنجنابؐ کے کہنے سے حضرت علی بن طالبؓ نے نحر کیے تھے۔ اس تعداد میں احادیث کی روایات میں اختلاف ہوا ہے۔ مگر حدیث جابر میں تعداد یہی ہے جو بیان ہوئی۔ اس پر مزید گفتگو ہم نے فضل المعبود میں کی ہے۔

۸۹۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: مَنْ نَذَرَ بَدَنَةً، فَإِنَّهُ يُقَلِّدُهَا نَعْلَيْنِ، وَيُشْعِرُهَا. ثُمَّ يَنْحَرُهَا عِنْدَ الْبَيْتِ. أَوْ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ. لَيْسَ لَهَا مَحِلٌّ دُونَ ذٰلِكَ. وَمَنْ نَذَرَ جَزُوْرًا مِنَ الْإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ، فَلْيَنْحَرْهَا حَيْثُ شَاءَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ (بدنہ کے نام سے) نذر کرے تو وہ اس کے گلے میں دو جوتے ڈال دے اور اسے اِشعار کرے۔ (کوہان پر زخم لگائے) پھر اسے بیت اللہ کے پاس یا منیٰ میں یوم النحر کو نحر کرے۔ اس کے سوا اس کا کوئی محل نہیں اور جو کوئی جزور کے لفظ کے ساتھ اونٹ یا گائے کی نذر کرے تو جہاں چاہے اسے نحر کرے۔

شرح: یہ ایک اجتہادی و لفظی اختلاف ہے۔ لہٰذا فقہاء امصار کی رائے اس باب میں بہت مختلف رہی ہے۔ حسن بصریؒ اور سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ ہدی کی نذر مکہ سے خاص ہے اور بدنہ کا لفظ بولے تو جہاں چاہے ذبح کرے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ بدنہ جزور کی مانند ہے اور ضروری نہیں کہ اس کی نذر کا تعلق بالخصوص کسی جگہ سے ہو۔ لیکن ہدی کا لفظ حرم سے خاص ہے ہَدْیًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ۔ دراصل یہ بحث محاورے اور استعمال کی ہے کہ کس لفظ کو کہاں بولا جاتا ہے اور کہاں نہیں۔ ابوبکر جصاص رازیؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بُدن (جمع بدنہ) کو شعائر اللہ فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ حرم سے مخصوص نہیں ہیں۔

۸۹۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَنْحَرُ بُدْنَهُ قِيَامًا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ، حَتّٰى يَنْحَرَ هَدْيَهُ. وَلَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَنْحَرَ قَبْلَ الْفَجْرِ، يَوْمَ النَّحْرِ. وَإِنَّمَا الْعَمَلُ كُلُّهُ يَوْمَ النَّحْرِ، الذَّبْحُ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ، وَإِلْقَاءُ التَّفَثِ وَالْحِلَاقُ. لَا يَكُوْنُ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ. يُفْعَلُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ۔

ترجمہ: ہشام بن عروہ نے کہا کہ اس کا باپ اونٹوں کو کھڑا کرکے نحر کرتا تھا (یہی مستحب ہے بشرطیکہ ان کے پاؤں باندھ لئے جائیں اور بھاگنے اور بھڑکنے کا اندیشہ نہ ہو۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ ہدی کو نحر کرنے سے پہلے سر منڈوا دے اور نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ

یوم النحر کو فجر سے قبل نحر کرے اور یوم النحر کا سارا کام یعنی ذبح، کپڑے پہننا اور نہانا دھونا اور سر منڈوانا یوم النحر سے قبل نہیں ہوتا۔ (ان مسائل کی بعض فروع میں ائمہ فقہا میں اختلاف بھی ہے جو اپنے اپنے محل پر بیان ہوا۔)

۶۰۔ بَابُ الْحِلَاقِ

سر منڈوانے کا باب

حلق یا تقصیر (سر منڈوانا یا اس کے بال کٹوانا) جمہور کے نزدیک عباداتِ حج میں داخل ہے حلق افضل ہے کیونکہ اس میں تقصیر کی نسبت مشقت زیادہ ہے اور جسم کی خوبصورتی بھی اس سے کم ہوتی ہے۔

۸۹۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اللَّهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ". قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ. يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "اللَّهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ". قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ. يَا رَسُولَ اللهِ. قَالَ: "وَالْمُقَصِّرِينَ".

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ لوگوں نے یا رسول اللہ بال کٹوانے والوں پر بھی۔ حضورؐ نے فرمایا اے اللہ سر منڈوانے والو[ں پر رحم فرما۔] لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ اور بال کٹوانے والوں پر بھی۔ آپؐ نے فرمایا اور بال کٹوانے والوں پر بھی۔

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا حدیبیہ میں اور حجۃ الوداع میں فرمائی تھی۔ حدیبیہ میں اس لئے کہ کچھ لوگ سر منڈوانے میں جھجک رہے تھے۔ اور ان کے دلوں میں صلح حدیبیہ کے باعث بہت رنج و غم تھا۔ کیونکہ بظاہر اس کی سب شرائط مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ حجۃ الوداع میں اس لئے کہ جب ذوالحلیفہ سے چلے تھے تو لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ صرف حج ہوگا۔ ایام حج میں عمرہ ادا کرنا ویسے بھی اہل عرب کی عادت کے خلاف تھا۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ جن کے پاس قربانی ہے وہ عمرہ کا احرام باندھ لیں۔ اور اس کی ادائیگی کے بعد مراسم حج ادا کریں۔ یہ چیز لوگوں کے ذہن میں نہ تھی۔ اس لئے شاید کچھ لوگ بال کٹوانے پر ہی اکتفا کرنا چاہتے تھے۔ حضورؐ نے ترغیباً سر منڈوانے والوں کے لئے رحم کی دعا فرمائی۔

۸۹۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ مَكَّةَ لَيْلًا وَهُوَ مُعْتَمِرٌ. فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ. وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَيُؤَخِّرُ الْحِلَاقَ حَتَّى يُصْبِحَ.

قَالَ: وَلٰكِنَّهُ لَا يَعُودُ إِلَى الْبَيْتِ، فَيَطُوفُ بِهِ حَتَّى يَحْلِقَ رَأْسَهُ.

قَالَ مَالِكٌ: التَّفَثُ حِلَاقُ الشَّعْرِ، وَلُبْسُ الثِّيَابِ، وَمَا يَتْبَعُ ذٰلِكَ

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ نَسِيَ الْحِلَاقَ بِمِنًى فِي الْحَجِّ. هَلْ لَهُ رُخْصَةٌ فِي

اَنْ يَحْلِقَ بِمَكَّةَ؟ قَالَ ذٰلِكَ وَاسِعٌ. وَالْحِلَاقُ بِمِنًى اَحَبُّ اِلَيَّ.

قَالَ مَالِكٌ: اَلْاَمْرُ الَّذِيْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهِ عِنْدَنَا. اَنَّ اَحَدًا لَا يَحْلِقُ رَاْسَهُ، وَلَا يَاْخُذُ مِنْ شَعَرِهِ، حَتّٰى يَنْحَرَ هَدْيًا. اِنْ كَانَ مَعَهُ، وَلَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ. حَتّٰى يَحِلَّ بِمِنًى يَوْمَ النَّحْرِ. وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ — وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن القاسم نے اپنے باپ القاسمؒ کے متعلق بتایا کہ وہ رات کو مکّہ میں داخل ہوتے، عمرہ کرتے یعنی بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرتے اور سر منڈوانے کو صبح تک مؤخر کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا، مگر جب تک سر نہ منڈوا لیتے، دوبارہ جا کر بیت اللہ کا طواف نہ کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ بعض دفعہ وہ مسجد حرام میں داخل ہو کر وتر (تہجد سمیت) ادا کرتے مگر بیت اللہ کے قریب نہ جاتے تھے۔ (تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو جائے کہ عمرہ کے دو طواف ہوتے ہیں۔ سنت یہی ہے کہ پہلے عمرہ کے تمام اعمال ختم ہو جائیں۔ پھر نفل طواف کیا جائے۔ مولانا عبدالحیؒ نے لکھا ہے کہ یہی مستحب ہے۔)

(ایضاً) امام مالکؒ نے فرمایا کہ (قرآن میں ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ جو آیا ہے) تفث سے مراد یہ ہے کہ بال منڈوائے جائیں اور کپڑے پہنے جائیں اور جو چیزیں ان کے بعد اور اسی قسم کی ہیں۔ (مثلاً ناخن اُتارنا، صابن وغیرہ کا استعمال کرنا اور خوشبو لگانا) اور مالکؒ سے پوچھا گیا اس شخص کے متعلق جو حج میں سر منڈوانا بھول گیا۔ کیا اس کے لیے رخصت ہے کہ وہ مکّہ میں سر منڈوائے تو انھوں نے کہا کہ اس میں گنجائش ہے مگر منیٰ میں سر منڈوانا میرے نزدیک پسندیدہ تر ہے۔ ابوحنیفہؒ کے نزدیک عبادت میں تاخیر کے باعث اس مسئلہ میں دم واجب ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک (مدینہ منورہ میں) اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ کوئی آدمی اپنا سر نہ مونڈے اور بال نہ کاٹے حتیٰ کہ ہدی کو نحر کرے اگر اس کے پاس ہو۔ اور وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال ہو اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور سر مت مونڈو جب تک کہ ہدی اس کے حلال ہونے کے مقام پر نہ پہنچ جائے۔ (اور یہ سنت ہے حج مفرد کرنے والے کے حق میں۔ قارن اور متمتع کے لئے ترتیب قائم رکھنا واجب ہے جس کے ترک سے دم واجب ہے۔)

۶۱۔ بَابُ التَّقْصِيْرِ

بال کٹوانے کا باب

۸۹۵۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ مِنْ رَمَضَانَ، وَهُوَ يُرِيْدُ الْحَجَّ. لَمْ يَاْخُذْ مِنْ رَاْسِهِ وَلَا مِنْ لِحْيَتِهِ شَيْئًا، حَتّٰى يَحُجَّ.

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ.

ترجمہ: نافعؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب رمضان کا روزہ ختم کرتے اور ان کا ارادہ حج کا ہوتا تو اپنے سر یا داڑھی کے بالوں کو نہ چھیڑتے جب تک کہ حج نہ کر لیتے۔

مالکؒ نے کہا کہ یہ لوگوں پر واجب نہیں ہے (یعنی صرف مستحب ہے کوئی واجب شرعی حکم نہیں ہے۔)

۸۹۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ، إِذَا حَلَقَ فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ، أَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهٖ وَشَارِبِهٖ۔

ترجمہ: نافعؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ سر منڈواتے تو داڑھی اور مونچھوں کے بال بھی کتراتے تھے۔ (داڑھی کو قبضہ سے زائد کٹواتے تھے جیساکہ ترمذی کی روایت میں ہے اور علامہ ابن حزم نے المحلیٰ میں لکھا ہے۔)

۸۹۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ رَجُلًا أَتَى الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ۔ فَقَالَ: إِنِّيْ أَفَضْتُ وَأَفَضْتُ مَعِيَ أَهْلِيْ۔ ثُمَّ عَدَلْتُ إِلٰى شِعْبٍ۔ فَذَهَبْتُ لِأَدْنُوَ مِنْ أَهْلِيْ، فَقَالَتْ: إِنِّيْ لَمْ أُقَصِّرْ مِنْ شَعَرِيْ بَعْدُ۔ فَأَخَذْتُ مِنْ شَعَرِهَا بِأَسْنَانِيْ۔ ثُمَّ وَقَعْتُ بِهَا۔ فَضَحِكَ الْقَاسِمُ وَقَالَ مُرْهَا فَلْتَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهَا بِالْجَلَمَيْنِ۔

قَالَ مَالِكٌ أَسْتَحِبُّ فِيْ مِثْلِ هٰذَا أَنْ يُهْرِقَ دَمًا۔ وَذٰلِكَ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهٖ شَيْئًا فَلْيُهْرِقْ دَمًا۔

ترجمہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے کہا کہ ایک مرد القاسم بن محمدؒ کے پاس آیا اور بولا کہ میں نے طواف افاضہ کرلیا اور میری بیوی نے میرے ساتھ طواف افاضہ کیا۔ پھر میں ایک گھاٹی کی طرف گیا اور اپنی بیوی سے مقاربت کا ارادہ کیا تو وہ بولی کہ میں نے ابھی بالوں میں سے تقصیر نہیں کی۔ پس میں نے اس کے کچھ بال اپنے دانتوں کے ساتھ کاٹ دیئے۔ پھر اس سے مقاربت کی۔ ربیعہ نے کہا کہ القاسم بن محمدؒ ہنس پڑے اور فرمایا کہ اسے کہو کہ اپنے کچھ بال قینچی سے کاٹ ڈالے۔ (یعنی اس شخص کا دانتوں سے بیوی کے بالوں کو کاٹ دینا کافی ہوگیا تھا۔ مگر بالوں کی درستگی کی خاطر القاسم نے یہ حکم دیا۔ یا یہ تھا کہ آئندہ ایسا مت کرنا بلکہ مقراض سے بال کاٹنا چاہیئے۔ مالکیہ کے نزدیک عورت کے لئے بھی ضروری ہے کہ تمام سر کے تھوڑے تھوڑے بال کاٹے۔ لہٰذا اس اثر کی انہوں نے تاویلیں کی ہیں۔)

(ایضاً) امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں اس قسم کے واقعہ میں پسند کرتا ہوں کہ متعلقہ شخص خون بہاتے اور یہ اس لئے کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو حج کی عبادات میں سے کچھ بھول جائے وہ ایک جانور کا خون بہائے۔ (استحباب کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ مالکؒ کے نزدیک یہ واجب نہیں۔)

۸۹۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهٗ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِهٖ يُقَالُ لَهُ الْمُجَبَّرُ۔ قَدْ أَفَاضَ وَلَمْ يَحْلِقْ وَلَمْ يُقَصِّرْ۔ جَهِلَ ذٰلِكَ۔ فَأَمَرَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ أَنْ يَرْجِعَ فَيَحْلِقَ أَوْ يُقَصِّرَ، ثُمَّ يَرْجِعَ إِلَى الْبَيْتِ فَيُفِيْضَ۔

(ترجمہ: نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ وہ اپنے رشتہ داروں میں سے ایک شخص کو ملے، جسے مجبر کہا جاتا تھا۔ اس نے طوافِ افاضہ کر لیا تھا مگر حلق یا قصر نہ کرایا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے حکم دیا کہ جا کر پہلے حلق یا قصر کرائے پھر بیت اللہ کا طوافِ افاضہ واپس آ کر کرے۔ تاکہ مناسک حج کی ترتیب قائم رہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اور دیگر حضرات اسے واجب کہتے ہیں۔)

۸۹۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ دَعَا بِالْجَلَمَيْنِ فَقَصَّ شَارِبَهُ. وَأَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهِ. قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ. وَقَبْلَ أَنْ يُهِلَّ مُحْرِمًا.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ سالم بن عبداللہ جب احرام کا ارادہ کرتے تو مقراض منگواتے، اپنی مونچھیں کاٹتے اور داڑھی کے کچھ بال کاٹتے، قبل اس کے کہ احرام باندھتے۔ (داڑھی کے بارے میں سالم کا یہ فعل اپنے والدِ محترم اور دیگر علما کے خلاف تھا۔ شاید یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔ وہ مشہور فقہائے مدینہ میں سے تھے۔)

۶۲۔ بَابُ التَّلْبِيدِ

تلبید کا باب

تلبید کا لفظی معنیٰ ہے لیپنا، لپائی کرنا، بالوں کو جوڑ دینا۔ سر کے بالوں کو خشکی اور ریت وغیرہ سے بچانے کے لئے گوند میں خوشبوئیں ملا کر لیپ کر دیتے تھے۔ اسے تلبید کہا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں تلبید کی تھی۔

۹۰۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: مَنْ ضَفَرَ رَأْسَهُ فَلْيَحْلِقْ. وَلَا تَشَبَّهُوا بِالتَّلْبِيدِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس نے سر کی مینڈھیاں بنائیں وہ حلق کرائے اور مینڈھیوں کو تلبید جیسا مت سمجھو۔

شرح: اس اثر کی شرح میں شارحین حدیث کافی مضطرب ہوئے ہیں۔ صاف سا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص سر کے بالوں گوندھے اسے سر منڈوانا چاہئے کیونکہ یہ فعل تلبید جیسا نہیں ہے۔ تلبید تو ثابت شدہ چیز ہے۔ مگر بال گوندھنا اور الگ الگ مینڈھیاں بنانا درست نہیں۔ اگلے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں حلق کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں حکم ایک جیسا ہے۔ پیچھے ایک حدیث گزری ہے جس میں حضورؐ کا حلق کرانے والوں کے ساتھ دو بدرجہ ثانیہ سہی قصر والوں کے لئے دعا کرنا بھی ثابت ہے۔ اور وہ مطلق ہے جس میں تلبید وغیرہ کی کوئی شرط نہیں۔ اس سے حنفیہ نے سمجھا کہ گو حلق افضل ہے مگر واجب نہیں۔ دیگر ائمہ تلبید کی صورت میں حلق کو واجب کہتے ہیں۔

۹۰۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ مَنْ عَقَصَ رَأْسَهُ، أَوْ ضَفَرَ أَوْ لَبَّدَ. فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْحِلَاقُ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ نے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جس نے اپنے سر کا جوڑا بنایا یا گوندھ کر زلفیں بنائیں یا تلبید کی تو اس پر سر منڈوانا واجب ہو گیا۔

شرح: ابن عباسؓ کا قول اس کے خلاف ہے۔ حضورؐ سے گو حلق کی فضیلت ثابت ہے مگر قصر کی تنقیص بھی نہیں فرمائی۔ ہذا اصولاً دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے۔ امام محمدؒ نے یہ اثر نافع عن ابن عمرؓ کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور پھر حضورؐ کی دعا والی حدیث روایت کر کے لکھا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ جو بال گوندھے وہ حلق کرائے اور حلق تقصیر سے افضل ہے اور تقصیر کافی ہے یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ اور ابن عمرؓ کے مونچھوں اور داڑھی کے بالوں کو کترانے کا اثر روایت کر کے کہا ہے کہ یہ واجب نہیں، جو چاہے کرے اور نہ چاہے نہ کرے۔

٦٣۔ بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الْبَيْتِ وَقَصْرُ الصَّلٰوةِ وَتَعْجِيلُ الْخُطْبَةِ بِعَرَفَةَ

بیت اللہ میں نماز پڑھنا، نماز کا قصر کرنا اور عرفات میں خطبہ جلدی دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کعبہ کے اندر نماز پڑھنا صحاح میں ثابت ہے۔ جمہور کے نزدیک کعبہ میں فرض، نفل، وتر ہر نماز جائز ہے۔ امام مالکؒ نے نفل کو جائز اور فرض ووتر کو ناجائز کہا ہے۔ ابن جریر طبریؒ، اصبغ مالکی اور بعض ظاہریہ کے نزدیک کعبہ کے اندر کوئی نماز جائز نہیں۔ جمہور کے نزدیک عرفات میں صرف مسافروں کے لئے قصر ہے اہل مکہ کے لئے نہیں۔ مالکؒ، اوزاعیؒ، القاسمؒ اور سالمؒ کے نزدیک سب کے لئے قصر ہے۔ خطبہ کا اختصار اور عرفہ میں نماز بالکل اول وقت میں پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

٩٠٢۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، هُوَ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَبِلَالُ بْنُ رِبَاحٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ۔ فَاَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيْهَا۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَسَاَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ، مَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَمِيْنِهٖ، وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَسَارِهٖ، وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهٗ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ۔ ثُمَّ صَلّٰى۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے، آپؐ کے ساتھ اسامہ بن زید بلال بن رباحؓ اور عثمان بن طلحہ حجبی تھے۔ پھر عثمان حجبی نے کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ حضورؐ اس میں کچھ دیر رہے۔ عبداللہ نے کہا پھر میں نے بلالؓ سے پوچھا جب کہ حضورؐ باہر نکل گئے کہ حضورؐ نے وہاں کیا کیا؟ بلالؓ نے کہا کہ آپؐ نے ایک ستون بائیں ہاتھ دو ستون دائیں ہاتھ اور تین ستون پیچھے رکھے اور بیت اللہ اس وقت چھ ستونوں پر قائم تھا، پھر آپؐ نے نماز پڑھی۔

شرح: امام محمدؒ نے اس حدیث کو مؤطا میں باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ ودخولھا میں روایت کیا اور کہا کہ ہم اسی کو

کرتے ہیں۔ کعبہ میں نماز پڑھنا بہت اچھا ہے اور یہی ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے حضور صلی اللہ علیہ حجۃ الوداع کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حبان نے تصریح کی ہے۔ حدیث زیر نظر میں نماز کا ذکر ہے مگر رکعات کی تعداد نہیں آئی۔ بعض احادیث میں دو رکعت کا ذکر ہے۔ کعبہ شریف میں جس طرف منہ کر کے بھی نماز پڑھ لیں جائز ہے۔ کیونکہ ہر طرف کعبہ کی دیوار ہوگی۔

٢٠٣۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّهُ قَالَ: كَتَبَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ إِلَى الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ. أَنْ لَا تُخَالِفَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْحَجِّ. قَالَ: فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ. جَاءَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ حِيْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ، وَأَنَا مَعَهُ فَصَاحَ بِهِ عِنْدَ سُرَادِقِهِ: أَيْنَ هٰذَا؟ فَخَرَجَ عَلَيْهِ الْحَجَّاجُ وَعَلَيْهِ مِلْحَفَةٌ مُعَصْفَرَةٌ. فَقَالَ مَا لَكَ؟ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فَقَالَ: الرَّوَاحَ. إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ. فَقَالَ: أَهٰذِهِ السَّاعَةَ؟ قَالَ نَعَمْ. قَالَ: فَأَنْظِرْنِيْ حَتّٰى أُفِيْضَ عَلَيَّ مَاءً، ثُمَّ أَخْرُجَ. فَنَزَلَ عَبْدُ اللّٰهِ. حَتّٰى خَرَجَ الْحَجَّاجُ. فَسَارَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ أَبِيْ. فَقُلْتُ لَهُ: إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ أَنْ تُصِيْبَ السُّنَّةَ الْيَوْمَ، فَاقْصُرِ الْخُطْبَةَ وَعَجِّلِ الصَّلَاةَ. قَالَ فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ. كَيْمَا يَسْمَعَ ذٰلِكَ مِنْهُ. فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: صَدَقَ سَالِمٌ.

ترجمہ: سالم بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مروان نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ حج کے معاملے میں کسی بات میں عبداللہ بن عمرؓ کے خلاف نہ کرنا۔ سالم نے کہا کہ عرفہ کا دن آیا تو عبداللہ بن عمرؓ سورج ڈھلتے ہی آئے اور میں ان کے ساتھ تھا۔ اور باآواز بلند کہا کہ یہ شخص (حجاج) کہاں ہے؟ پس حجاج باہر نکلا اور اس پر عصفری رنگی ہوئی چادر تھی، پس وہ بولا، اے ابو عبدالرحمن کیا بات ہے؟ پس عبداللہؓ نے کہا کہ اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو جلدی کوچ کر۔ حجاج نے کہا کہ اسی وقت؟ عبداللہ نے کہا کہ ہاں! حجاج بولا کہ مجھے مہلت دیجئے کہ نہاؤں۔ پس عبداللہ سواری سے اُترے حتیٰ کہ حجاج باہر نکلا اور وہ میرے اور میرے باپ کے درمیان چلا۔ پس میں نے اس سے کہا کہ اگر آج تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو خطبہ مختصر کرنا اور نماز میں جلدی کرنا۔ حجاج عبداللہ بن عمرؓ کی طرف دیکھنے لگا تاکہ ان کی تصدیق سُنے۔ عبداللہؓ نے یہ دیکھا تو تصدیق کی۔

شرح: خطبہ میں اختصار ویسے بھی مسنون ہے اور عرفات کا خطبہ بہت ہی مختصر ہونا چاہیے۔ حج میں تین خطبے ہیں۔ پہلا سات ذی الحجہ کو، دوسرا نو ذی الحجہ کو عرفات میں اور تیسرا منیٰ میں ١١ ذی الحجہ کو۔

۶۴- بَابُ الصَّلَاةِ بِمِنًى يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَالْجُمُعَةِ بِمِنًى وَعَرَفَةَ

۸ ذی الحجہ کو منیٰ میں نماز پڑھنا اور جمعہ منیٰ میں اور عرفہ میں

۹۰۴- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى. ثُمَّ يَغْدُو، إِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ، إِلَى عَرَفَةَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الْإِمَامَ لَا يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ فِي الظُّهْرِ يَوْمَ عَرَفَةَ. وَأَنَّهُ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ. وَأَنَّ الصَّلَاةَ يَوْمَ عَرَفَةَ إِنَّمَا هِيَ ظُهْرٌ. وَإِنْ وَافَقَتِ الْجُمُعَةَ فَإِنَّمَا هِيَ ظُهْرٌ. وَلَكِنَّهَا قُصِرَتْ مِنْ أَجْلِ السَّفَرِ.

قَالَ مَالِكٌ، فِي إِمَامِ الْحَاجِّ إِذَا وَافَقَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ، أَوْ يَوْمَ النَّحْرِ، أَوْ بَعْضَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ: إِنَّهُ لَا يُجَمِّعُ فِي شَيْءٍ مِنْ تِلْكَ الْأَيَّامِ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ظہر، عصر، مغرب، عشا اور صبح کی نمازیں منیٰ میں پڑھتے تھے۔ پھر جب سورج طلوع ہوتا تو عرفہ کو روانہ ہو جاتے تھے۔ (یعنی نویں کی صبح بھی وہیں پڑھتے تھے۔)

شرح: جابر بن عبداللہؓ کی طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل مروی ہے۔ یہ حدیث تمام کتابوں میں موجود ہے۔ تمام ائمہ فقہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔ امام محمدؒ نے یہ اثر موطا میں باب الصلوٰۃ بمنیٰ یوم الترویۃ میں درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہی سنت ہے۔ لیکن اگر کوئی تقدیم و تاخیر کرے تو انشاء اللہ کوئی حرج نہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(ایضاً) امام مالکؒ نے کہا کہ اس امر میں ہمارے نزدیک (مدینہ منورہ میں) کوئی اختلاف نہیں کہ امام عرفہ کے دن نماز ظہر میں قراءت با آواز بلند نہ کرے۔ (یہ اجماعی مسئلہ ہے) اور امام یوم عرفہ میں لوگوں کو خطبہ دے اور یوم عرفہ کی نماز ظہر ہی ہے۔ لیکن سفر کے باعث اس میں قصر ہوتا ہے۔ (یہ خطبہ جمہور کے نزدیک اکیلا نہیں بلکہ دو خطبے ہیں جن کے درمیان امام بیٹھ جاتا ہے۔ خطبہ ہو چکنے کے بعد ظہر و عصر کو ملا کر ظہر کے وقت پڑھا جاتا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جب اتفاق سے یوم عرفہ یا یوم النحر یا ایام تشریق میں سے کسی دن جمعہ آ جائے تو امام الحج ان دنوں میں جمعہ نہ پڑھائے۔ (یہ اس وقت ہے جب کہ امام بھی مسافر ہو، ورنہ وہ لوگوں کو جمعہ پڑھائے گا۔)

۶۵- بَابُ صَلَاةِ الْمُزْدَلِفَةِ

مزدلفہ میں نماز کا بیان

سنت یہی ہے کہ عرفہ سے واپسی پر مغرب اور عشا کی نماز ملا کر مزدلفہ میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے

۹۰۵۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشا جمع کر کے پڑھی تھی۔ (یہ حدیث موطائے امام محمد میں باب الصلوۃ بالمزدلفۃ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ آدمی مغرب کی نماز مزدلفہ جا کر ہی پڑھے اگرچہ نصف رات گزر جائے۔ جب وہاں پہنچے تو اذان اور اقامت کہے اور مغرب اور عشا کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۹۰۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ: دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ فَتَوَضَّاَ، فَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوْءَ۔ فَقُلْتُ لَهُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ فَقَالَ "اَلصَّلٰوةُ اَمَامَكَ" فَرَكِبَ۔ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ، نَزَلَ فَتَوَضَّاَ فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ۔ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ۔ ثُمَّ اَنَاخَ كُلُّ اِنْسَانٍ بَعِيْرَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ۔ ثُمَّ اُقِيْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّاهَا وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

ترجمہ: ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب نے اُسامہ بن زیدؓ کو کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے واپس ہوئے۔ حتی کہ جب (مزدلفہ کے قریب) درّے میں پہنچے تو سواری سے اُتر کر بول کیا اور وضو کیا۔ لیکن ہلکا پھلکا سا وضو فرمایا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز! تو آپؐ نے فرمایا، نماز تمہارے آگے پڑھی جائے گی۔ پھر آپؐ سوار ہوئے اور جب مزدلفہ میں آئے تو سواری سے اُترے اور خوب اچھی طرح وضو کیا۔ پھر نماز کھڑی ہوئی اور آپؐ نے نماز مغرب پڑھائی۔ پھر ہر شخص نے اپنا اونٹ اپنی منزل میں بٹھایا۔ پھر عشا کی نماز کھڑی ہوئی اور آپؐ نے وہ بھی پڑھائی اور ان کے درمیان کوئی چیز نہ پڑھی۔ (نفل وسنت نہ پڑھنے کا باعث ایک ترجیح بین الصلوتین ہے دوسرا سفر، عشا کے بعد گنجائش ہے کہ جو چاہے پڑھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے حسب روایت بخاری دونوں نمازوں کے درمیان نوافل پڑھے تھے۔ مگر کسی فقیہ نے ان کا فعل اختیار نہیں کیا۔)

۹۰۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ يَزِيْدَ الْخَطْمِيَّ اَخْبَرَهٗ: اَنَّ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ اَخْبَرَهٗ، اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا۔

ترجمہ: ابو ایوب انصاریؓ نے بتایا کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب اور عشاکی نمازیں جمع کرکے پڑھیں۔ (یہ حدیث امام محمدؒ نے بھی روایت کی ہے۔)

۹۰۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيعًا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مغرب اور عشاکی نمازیں مزدلفہ میں جمع کرکے پڑھتے تھے۔ (یہ اثر بھی مؤطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: ان روایات میں سے ۹۰۵، ۹۰۷، ۹۰۸ میں اذان و اقامت دونوں کا ذکر نہیں آیا۔ ۹۰۶ میں اقامت کا لفظ آیا ہے۔ علامہ ابن حزم کے بقول ابن عمرؓ کی احادیث جو اس باب میں ہیں، ان میں شدید اضطراب ہے۔ ابن عمرؓ کا اپنا فعل بلا اذان و اقامت مروی ہے۔ ان کا فعل ایک اقامت کے ساتھ، اور پھر ایک روایت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ مروی ہوا ہے۔ ان کی ایک مسند روایت میں دو اقامتوں کا ذکر ہے۔ ایک مستدرروایت میں ایک اذان اور ایک اقامت کا ذکر ہے۔ یہ سب روایتیں المحلی میں اور طحاوی میں موجود ہیں۔ اسی بنا پر علما کے اقوال اس بارے میں مختلف ہوئے ہیں، اور حنفیہ نے دونوں نمازوں کے لئے ایک ہی اذان اور ایک ہی اقامت اختیار کی ہے۔

۶۶- بَابُ صَلٰوةِ مِنًى

منیٰ کی نماز کا باب

اوپر اشارۃً گزر چکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک منیٰ، عرفہ، اور مزدلفہ میں نماز کا قصر مسافروں کے لئے ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ قصر بطور عبادت ہے جو حج کے سفر کے باعث ہے نہ کہ شرعی سفر کے باعث۔

۹۰۹- قَالَ مَالِكٌ: فِي أَهْلِ مَكَّةَ۔ إِنَّهُمْ يُصَلُّونَ بِمِنًى إِذَا حَجُّوا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ۔ حَتَّى يَنْصَرِفُوا إِلَى مَكَّةَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ اہل مکہ جب حج کریں تو منیٰ میں دو دو رکعت پڑھیں، جب تک کہ مکہ واپس آئیں۔ (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہل مکہ چار چار رکعت پڑھیں گے، کیونکہ وہ شرعاً مسافر نہیں ہوتے۔)

۹۱۰- وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلٰوةَ الرُّبَاعِيَةَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ وَأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔ وَأَنَّ عُثْمَانَ صَلَّاهَا بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ، شَطْرَ إِمَارَتِهِ۔ ثُمَّ أَتَمَّهَا بَعْدُ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی

منیٰ میں دو رکعت پڑھی اور حضرت عمر بن الخطابؓ نے بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھی اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنی خلافت کے پہلے نصف حصے میں منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی پھر اس کے بعد پوری نماز پڑھی۔

شرح: جن علما کے نزدیک قصر جائز ہے (واجب نہیں) وہ تو حضرت عثمانؓ کے فعل کی تاویل یہ بیان کرتے ہیں کہ قصر و اتمام دونوں جائز تھے۔ لہذا آپ نے پہلے ایک صورت پر اور پھر دوسری پر عمل کر لیا۔ صحیح بخاری میں زہری کا قول ہے کہ میں نے عروہؒ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سفر میں پوری نماز کیوں پڑھی؟ تو عروہؒ نے جواب دیا کہ حضرت عائشہؓ نے بھی وہی تاویل اختیار فرمائی جو حضرت عثمانؓ نے فرمائی تھی۔ اس قول سے پتہ چلا کہ ان حضرات نے قصر و اتمام ہر دو کو جائز نہیں سمجھا ورنہ نقطۂ تاویل کی کیا ضرورت تھی؟ علاوہ ازیں جہاں ہر دو جانب برابر ہوں وہاں اس قدر نکیر نہیں ہوتی جتنی کہ ان حضرات کے اس فعل پر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور کئی وجوہ بیان ہوئی ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ مثلاً اس سال اعراب کا زیادہ تعداد میں حج کو آنا اور حضرت عثمانؓ کا یہ خوف کہ مبادا یہ لوگ اصل نماز کو ہی دو رکعت سمجھ لیں۔ مگر اعراب تو حضورؐ کے زمانے سے اور تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے بکثرت حج کو آتے تھے۔ پھر ان بزرگوں نے اس خوف سے ایسا کیوں نہ کیا۔ ابن حزم سے یہ تاویل منقول ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ امام وقت تھے اور ہر شہر ان کا اپنا شہر تھا۔ لیکن حضورؐ تو امام کائنات تھے؟ اور ان کے بعد تینوں حضرات بھی ائمہ زمان تھے۔ پھر ان حضرات نے نماز پوری کیوں نہ پڑھی؟

طحاویؒ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حج کے بعد مکہ میں کافی دن رہنے کا ارادہ کر لیا تو اس لئے پوری نماز پڑھی شرعی ضرورت کے وقت مہاجرین کے لئے مکہ میں عارضی قیام کی اجازت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دنوں میں ۱۵ بلکہ اس سے زیادہ دیر قیام فرما رہے تھے۔ اور پابندی اس وقت تو بالکل اٹھ گئی تھی جب کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت فرض نہ رہی تھی۔ زہریؒ نے ایک تاویل اور بیان کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طائف میں جائداد خریدی تھی اور حج کے بعد کچھ دیر وہیں رہنے کا ارادہ تھا۔ اس لئے نماز کا قصر نہ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا اجتہاد یہ تھا کہ مسافر جب حالتِ سفر میں ہو تو اس پر قصر ضروری ہے اور جب کہیں قیام پذیر ہو، گویا بالکل عارضی قیام ہو تو اس کے لئے اتمام جائز ہے۔ بیہقی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی شخص کسی شہر میں نکاح کرلے تو وہ اس شہر کا باشندہ بن جاتا ہے اور حضرت عثمانؓ نے بھی حدیث پیش کر کے اپنے اتمامِ صلوٰۃ کا عذر بیان کیا تھا۔ یہ حدیث گو ضعیف ہے مگر فقہا کی ایک جماعت نے اس سے استدلال کیا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ جب کوئی فقیہ کسی ضعیف حدیث سے استدلال کرے تو وہ قوی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ استدلال کرنے والے کے پیش نظر اس حدیث کے علاوہ اور بہت سی چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی بستی میں جائے جہاں اس کی جائداد ہو یا اس نے وہاں نکاح کر لیا ہو تو وہ نماز پوری کرے گا۔ زہریؒ اور مالکؒ کا قول یہی ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی مروی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تاویل اور تھی۔ ان کے نزدیک سفر میں قصر ان لوگوں کے لئے تھا جو مشقت محسوس کریں یا جنہیں خوف ہو۔ دوسروں کے لئے اتمام جائز تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۹۱۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ، صَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ. ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ. أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ. فَإِنَّا قَوْمٌ

سَفْرٌ. ثُمَّ صَلّٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَكْعَتَيْنِ بِمِنًى، وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ شَيْئًا۔

ترجمہ: سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ آئے تو لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر منہ پھیر کر فرمایا، اے مکہ والو! اپنی نماز پوری کر لو۔ کیونکہ ہم تو مسافر لوگ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ بن الخطاب نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی اور ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ ان سے بھی کچھ کہا ہو۔

شرح: امام مالکؒ نے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہل مکہ بھی منیٰ میں گو شرعی مسافر نہیں ہوتے۔ مگر حج کے سفر میں ہوتے ہیں اور وہاں پر دو ہی رکعت واجب ہیں۔ لیکن یہ استدلال تام نہیں، کیونکہ ان کی اقتدا میں تو اہل منیٰ نے بھی نماز پڑھی تھی سو کیا وہ بھی مسافر ہو گئے تھے؟ پس سیدھی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسی اعلان کو کافی سمجھا جو مکہ میں کر چکے تھے۔

۹۱۲۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلّٰى لِلنَّاسِ بِمَكَّةَ رَكْعَتَيْنِ. فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: يَا أَهْلَ مَكَّةَ! أَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ. فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ. ثُمَّ صَلّٰى عُمَرُ رَكْعَتَيْنِ بِمِنًى. وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّهُ قَالَ لَهُمْ شَيْئًا۔

سُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ أَهْلِ مَكَّةَ كَيْفَ صَلَاتُهُمْ بِعَرَفَةَ؟ أَرَكْعَتَانِ أَمْ أَرْبَعٌ؟ وَكَيْفَ بِأَمِيْرِ الْحَاجِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ؟ أَيُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ بِعَرَفَةَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ رَكْعَتَيْنِ؟ وَكَيْفَ صَلٰوةُ أَهْلِ مَكَّةَ فِيْ إِقَامَتِهِمْ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: يُصَلِّيْ أَهْلُ مَكَّةَ بِعَرَفَةَ وَمِنًى. مَا أَقَامُوْا بِهِمَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ. يَقْصُرُوْنَ الصَّلٰوةَ، حَتّٰى يَرْجِعُوْا إِلٰى مَكَّةَ. قَالَ: وَأَمِيْرُ الْحَاجِّ أَيْضًا إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ قَصَرَ الصَّلَاةَ بِعَرَفَةَ، وَأَيَّامَ مِنًى. وَإِنْ كَانَ أَحَدٌ سَاكِنًا بِمِنًى، مُقِيْمًا بِهَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ يُتِمُّ الصَّلٰوةَ بِمِنًى. وَإِنْ كَانَ أَحَدٌ سَاكِنًا بِعَرَفَةَ، مُقِيْمًا بِهَا، فَإِنَّ ذٰلِكَ يُتِمُّ الصَّلٰوةَ بِهَا أَيْضًا۔

ترجمہ: زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مکہ میں لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا، اے مکہ والو اپنی نماز پوری کرو۔ کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھائی اور ہمیں یہ خبر نہیں کہ ان سے کچھ کہا ہو۔

اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اہل مکہ کی نماز عرفہ میں کتنی ہوگی؟ آیا دو رکعت یا چار رکعت۔ اور امیر الحج اگر اہل مکہ میں سے ہو تو کیا وہ ظہر اور عصر کی نمازیں عرفہ میں چار چار رکعت پڑھائے گا یا دو دو رکعت؟ اور اہل مکہ جب منیٰ میں ٹھہریں گے تو ان کی نماز وہاں کتنی ہوگی؟ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ اہل مکہ عرفہ میں اور منیٰ کی اقامت کے دنوں میں دو دو رکعات

پڑھیں گے جب تک کہ مکہ واپس نہ آجائیں۔ مالکؒ نے کہا کہ امیر الحج بھی جب مکی ہو تو عرفہ میں اور منیٰ دونوں میں قصر کرے گا۔
(پیچھے گزر چکا ہے کہ جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے)۔
امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص منیٰ کا باشندہ ہو تو وہ منیٰ میں نماز پوری کرے گا۔ اور کوئی عرفہ کا باشندہ ہو تو وہ بھی وہاں پر نماز پوری پڑھے گا۔

۶۷۔ بَابُ صَلٰوةِ الْمُقِيْمِ بِمَكَّةَ وَمِنًى

مکہ اور منیٰ کے باشندوں کی نماز کا باب

۹۱۳۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ قَالَ: مَنْ قَدِمَ مَكَّةَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ. فَاَهَلَّ بِالْحَجِّ فَاِنَّهٗ يُتِمُّ الصَّلٰوةَ. حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ مَكَّةَ لِمِنًى، فَيَقْصُرَ. وَذٰلِكَ اَنَّهٗ قَدْ اَجْمَعَ عَلٰى مُقَامٍ، اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِ لَيَالٍ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص ذی الحجہ کی ابتدا میں مکہ میں آگیا اور اس نے حج کا احرام باندھا تو وہ نماز پوری پڑھے گا جب تک کہ مکہ سے نکل نہ جائے منیٰ کی طرف۔ وہاں پر وہ قصر کرے گا اور یہ اس لئے کہ اس نے چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ کر لیا ہے۔ (اور اتنی مدت کی اقامت کی نیت سے وہ مقیم ہو جاتا ہے یعنی امام مالکؒ کے نزدیک۔ اور اس اقامت سے مراد مکہ کی اقامت ہے۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک مکہ والے بھی منیٰ میں قصر کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر کچھ کلام ابواب السفر میں گزرا ہے۔)

۶۸۔ بَابُ تَكْبِيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

ایام تشریق کی تکبیر کا باب

ان ایام میں تکبیرات کی حکمت امام خطابیؒ نے یہ لکھی ہے کہ مشرکین جاہلیت میں ان دنوں کے اندر اپنے بتوں کے لئے جانور ذبح کرتے تھے۔ لہٰذا ان تکبیروں کو مشروع کیا گیا، تاکہ اعلان توحید ہو اور پتہ چلے کہ جانوروں کو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ یہ تکبیرات واجب یا سنت ہیں۔ فقہا کی عبارات سے اور خود فقہ حنفیہ کی عبارات سے ان دونوں الفاظ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اگر اس آیت کو مدنظر رکھیں، جس کے متعلق اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس میں ذکر اللہ سے مراد تکبیرات تشریق ہیں تو ان کا واجب ہونا ثابت ہو گا۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اسی بنا پر اکثر فقہائے حنفیہ ان کے وجوب کے قائل ہیں۔ تکبیرات صرف باجماعت نماز کے بعد ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور سفیان ثوریؒ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب یہی ہے۔ یہ تکبیرات یوم عرفہ کی صبح سے شروع ہو کر ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک ہیں۔ دارقطنی کی حدیث جابرؓ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور دارقطنی نے اسے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور ان میں حاجی اور غیر حاجی سب برابر ہیں۔

۹۱۴۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ

پڑھیں گے جب تک کہ مکہ واپس نہ آجائیں۔ مالکؒ نے کہا کہ امیر الحج بھی جب نکل ہو تو عرفہ میں اور منیٰ دونوں میں قصر کرے گا۔ (اوپر گزر چکا ہے کہ جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے)۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کوئی شخص منیٰ کا باشندہ ہو تو وہ منیٰ میں نماز پوری کرے گا۔ اور کوئی عرفہ کا باشندہ ہو تو وہ بھی وہاں پر نماز پوری پڑھے گا۔

٦٧۔ بَابُ صَلٰوةِ الْمُقِيمِ بِمَكَّةَ وَمِنًى

مکہ اور منیٰ کے باشندوں کی نماز کا باب

٩١٣۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ قَالَ: مَنْ قَدِمَ مَكَّةَ لِهِلَالِ ذِي الْحِجَّةِ. فَاَهَلَّ بِالْحَجِّ فَاِنَّهُ يُتِمُّ الصَّلٰوةَ. حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ مَكَّةَ لِمِنًى، فَيَقْصُرَ. وَذٰلِكَ اَنَّهُ قَدْ اَجْمَعَ عَلٰى مُقَامٍ، اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِ لَيَالٍ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص ذی الحجہ کی ابتدا میں مکہ میں آگیا اور اس نے حج کا احرام باندھا تو وہ نماز پوری پڑھے گا جب تک کہ مکہ سے نکل نہ جائے منیٰ کی طرف۔ وہاں پر وہ قصر کرے گا۔ اور یہ اس لئے کہ اس نے چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ کرلیا ہے۔ (اور اتنی مدت کی اقامت کی نیت سے وہ مقیم ہو جاتا ہے یعنی امام مالکؒ کے نزدیک۔ اور اس اقامت سے مراد مکہ کی اقامت ہے۔ اور پیچھے گزر چکا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک مکہ والے بھی منیٰ میں قصر کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر کچھ کلام ابواب السفر میں گزرا ہے۔)

٦٨۔ بَابُ تَكْبِيرِ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ

ایام تشریق کی تکبیر کا باب

ان ایام میں تکبیرات کی حکمت امام خطابیؒ نے یہ لکھی ہے کہ مشرکین جاہلیت میں ان دنوں کے اندر اپنے بتوں کے لئے جانور ذبح کرتے تھے۔ لہٰذا ان تکبیروں کو مشروع کیا گیا، تاکہ اعلان توحید ہو اور پتہ چلے کہ جانوروں کو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح کیا جاسکتا ہے۔ یہ تکبیرات واجب یا سنت ہیں. فقہا کی عبارات سے اور خود فقہ حنفیہ کی عبارات سے ان دونوں الفاظ کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اگر اس آیت کو مدنظر رکھیں، جس کے متعلق اہل تفسیر کا قول ہے کہ اس میں ذکر اللہ سے مراد تکبیرات تشریق ہیں تو ان کا واجب ہونا ثابت ہوگا۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ اسی بنا پر اکثر فقہائے حنفیہ ان کے وجوب کے قائل ہیں۔ تکبیرات صرف باجماعت نماز کے بعد ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور سفیان ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے۔ یہ تکبیرات یوم عرفہ کی صبح سے شروع ہو کر ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک ہیں۔ دارقطنی کی حدیث جابرؓ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور دارقطنی نے اسے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور ان میں حاجی اور غیر حاجی سب برابر ہیں۔

٩١٤۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ

الْغَدِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ شَيْئًا. فَكَبَّرَ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ. ثُمَّ خَرَجَ الثَّانِيَةَ مِنْ يَوْمِهِ ذٰلِكَ بَعْدَ ارْتِفَاعِ النَّهَارِ. فَكَبَّرَ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ. ثُمَّ خَرَجَ الثَّالِثَةَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَكَبَّرَ، فَكَبَّرَ النَّاسُ بِتَكْبِيرِهِ. حَتَّى يَتَّصِلَ التَّكْبِيرُ وَيَبْلُغَ الْبَيْتَ. فَيُعْلَمَ أَنَّ عُمَرَ قَدْ خَرَجَ يَرْمِي۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا، أَنَّ التَّكْبِيرَ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ دُبُرَ الصَّلَوَاتِ. وَأَوَّلُ ذٰلِكَ تَكْبِيرُ الْإِمَامِ وَالنَّاسُ مَعَهُ. دُبُرَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ. وَآخِرُ ذٰلِكَ تَكْبِيرُ الْإِمَامِ وَالنَّاسُ مَعَهُ دُبُرَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ آخِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ. ثُمَّ يَقْطَعُ التَّكْبِيرَ۔

قَالَ مَالِكٌ، وَالتَّكْبِيرُ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ عَلَى الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ. مَنْ كَانَ فِي جَمَاعَةٍ أَوْ وَحْدَهُ بِمِنًى أَوْ بِالْآفَاقِ. كُلُّهَا وَاجِبٌ. وَإِنَّمَا يَأْتَمُّ النَّاسُ فِي ذٰلِكَ بِإِمَامِ الْحَاجِّ. وَبِالنَّاسِ بِمِنًى. لِأَنَّهُمْ إِذَا رَجَعُوا وَانْقَضَى الْإِحْرَامُ ائْتَمُّوا بِهِمْ. حَتَّى يَكُونُوا مِثْلَهُمْ فِي الْحِلِّ. فَأَمَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ حَاجًّا فَإِنَّهُ لَا يَأْتَمُّ بِهِمْ إِلَّا فِي تَكْبِيرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَيَّامُ الْمَعْدُودَاتُ أَيَّامُ التَّشْرِيقِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ اسے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ یوم النحر سے اگلے دن کچھ آفتاب بلند ہونے پر نکلے اور تکبیر کہی تو لوگوں نے ان کی تکبیر پر تکبیر کہی۔ پھر اسی دن دوسری بار نکلے جب کہ دن خوب بلند ہو چکا تھا، تو تکبیر کہی اور لوگوں نے ان کی تکبیر پر تکبیر کہی۔ پھر حضرت عمرؓ اس وقت باہر آئے جب کہ سورج ڈھل گیا تھا، پس انہوں نے تکبیر کہی تو لوگوں نے ان کی تکبیر پر تکبیر کہی۔ حتیٰ کہ لوگوں کی متصل آواز بیت اللہ تک جا پہنچی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمرؓ رمی کے لئے باہر تشریف لے گئے ہیں۔

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان اوقات میں تکبیر کہہ کر لوگوں کو ذکر اللہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں یہی طریقہ جاری ہے۔ اہل منیٰ کے لئے یہی مناسب ہے کہ ان اوقات میں بلند آواز سے تکبیر کہیں۔ دیگر مقامات کے لوگ نمازوں کے بعد تکبیر کہتے ہیں (ایضاً)، امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) عمل اس پر ہے کہ ایام تشریق میں نمازوں کے بعد تکبیر کہی جائے۔ اور اس کا پہلا وقت یوم النحر کو نماز ظہر کے بعد ہے کہ امام اور مقتدی تکبیر کہیں۔ اور اس کا آخری وقت یہ ہے کہ امام اور اس کے ساتھ لوگ بھی ایام تشریق کے آخری دن صبح کی نماز کے بعد تکبیر کہیں۔ پھر تکبیر موقوف کر دی جائے۔ مالکؒ نے کہا کہ ایام تشریق ہی

تکبیر مردوں اور عورتوں پر واجب ہے، جماعت میں بھی اور اکیلے میں بھی۔ منیٰ میں بھی اور دیگر آفاق میں بھی۔ اور غیر حاجی لوگ اس معاملے میں امام الحج کی اور منیٰ میں موجود (حاجی) لوگوں کی اقتدا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ واپس جاتے ہیں اور ان کا احرام ختم ہو جاتا ہے تو وہ محلّین کی اقتدا کرتے ہیں تاکہ حِل میں ان کی مانند ہو جائیں۔ مگر جو لوگ حاجی نہیں وہ حاجیوں کی اقتدا صرف ایام تشریق کی تکبیریں کرتے ہیں۔

امام مالک رح نے کہا کہ (قرآنی آیت میں) اَلْاَیَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ ایام تشریق ہیں۔

شرح: اوپر گزر چکا ہے کہ تکبیراتِ تشریق کی ابتدا و انتہا میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر عرفہ کے دن نماز فجر سے شروع ہو کر ایام تشریق کے آخری دن کی عصر تک ہوتی ہے۔ حنفیہ کا استدلال جن احادیث سے ہے، ان کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

۶۹۔ بَابُ صَلٰوةِ الْمُعَرَّسِ وَالْمُحَصَّبِ

مُعرّس اور مُحصّب کی نماز کا باب

مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ سے ورے وہ جگہ جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا تھا مُعرّس کہلاتی ہے۔ اس لفظ کا معنیٰ رات گزارنے کی جگہ، رات کے آخری حصے میں آرام کرنے کی جگہ اور جائے قیام ہے۔ محصّب مکہ کے قریب ایک پتھریلی اور کنکری دار جگہ کا نام ہے۔

۹۱۵ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِيْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَصَلّٰى بِهَا۔

قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يُجَاوِزَ الْمُعَرَّسَ اِذَا قَفَلَ، حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيْهِ۔ وَاِنْ مَرَّ بِهٖ فِيْ غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ، فَلْيُقِمْ حَتّٰى تَحِلَّ الصَّلٰوةُ، ثُمَّ صَلّٰى مَا بَدَا لَهٗ۔ لِاَنَّهٗ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَّسَ بِهٖ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَنَاخَ بِهٖ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پتھریلی زمین پر اونٹنی بٹھائی جو ذی الحلیفہ کے پاس ہے۔ پھر وہاں نماز پڑھی۔ نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رض بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی پیروی میں بہت سخت تھے)۔

مالک رح نے کہا کہ کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ حج یا عمرہ سے واپسی پر معرّس میں نماز پڑھے بغیر آگے بڑھے اور اگر اس کے گزرنے کے وقت نماز کا وقت نہ ہو تو وہیں ٹھہر جائے حتیٰ کہ نماز کا وقت آئے پھر جو ہو سکے وہاں پڑھے۔ کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پچھلی رات کو نزول فرمایا تھا اور عبداللہ بن عمر رض نے وہاں سواری کو بٹھایا تھا۔ (بقیہ)

حضور کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کے لئے وہاں ٹھہرنا اور نماز پڑھنا باعث فضیلت ہے۔ تو یہ مناسب نہیں ہے

۹۱۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُحَصَّبِ. ثُمَّ يَدْخُلُ مَكَّةَ مِنَ اللَّيْلِ فَيَطُوفُ بِالْبَيْتِ

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں محصب میں پڑھتے تھے پھر رات کے وقت مکہ میں داخل ہوتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ (یہ طواف وداع ہے اور حضورؐ کا ٹھکانا حجۃ الوداع میں اسی محصب کے مقام پر تھا۔ جسے حدیث میں خیف بنی کنانہ بھی کہا گیا ہے۔ اور بروئے حدیث یہی وہ جگہ ہے جہاں کفار مکہ نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف قسمیں کھا کر معاہدہ کیا تھا۔ حضورؐ کا نزول یہاں پر محض اتفاقی نہ تھا بلکہ جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیث اسامہؓ میں ہے، آپؐ نے قصداً یہ منزل اختیار فرمائی تھی۔ یہی سبب ہے کہ یہاں ٹھہرنا ۔۔ گو قلیل وقت کے لئے ہو ۔ سنت ٹھہرایا گیا ہے مگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنت عباداتی نہیں ہے۔ بلکہ عاداتی سنن میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۰۔ بَابُ الْبَيْتُوتَةِ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى

منیٰ کی راتوں میں مکہ میں شب باش ہونا

منیٰ کی راتوں میں منیٰ کے اندر ہی رہنا مشروع ہے۔ کوئی رات باہر نہ گزاری جائے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک ان راتوں میں منیٰ کے اندر قیام واجب ہے اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک سُنت ہے۔ حضورؐ نے عباسؓ کو ان راتوں میں مکہ رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ کیونکہ ان کے سپرد زمزم کا انتظام تھا۔ شرعی اجازت کے بغیر منیٰ سے باہر رہنے سے مالکؒ اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک کفارہ آتا ہے۔ حسن بصریؒ اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر وہ منیٰ میں آمد و رفت رکھے اور جمروں پر رمی کرے تو کوئی کفارہ نہیں۔ گو اس نے بُرا کیا۔

۹۱۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّهُ قَالَ: زَعَمُوا أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَبْعَثُ رِجَالًا يُدْخِلُونَ النَّاسَ مِنْ وَرَاءِ الْعَقَبَةِ.

ترجمہ: نافع نے کہا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ مردوں کو بھیجا کرتے تھے جو لوگوں کو گھاٹی کے اُوپر سے منیٰ میں داخل کریں۔ (تاکہ اس جگہ کے سوا کوئی اور جگہ رات نہ گزارے۔)

۹۱۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: لَا يَبِيتَنَّ أَحَدٌ مِنَ الْحَاجِّ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ وَرَاءِ الْعَقَبَةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کوئی حاجی منیٰ کی راتوں کو گھاٹی کے پرلی طرف نہ گزارے۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں بھی باب اَلْبَيْتُوتَةِ وَرَاءَ عَقَبَةِ مِنًى وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذَالِكَ مروی ہے اور اسی ح ح ت سے پہلا اثر بھی۔)

۹۱۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ فِي الْبَيْتُوتَةِ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى: لَا يَبِيتَنَّ أَحَدٌ إِلَّا بِمِنًى۔

ترجمہ: عروہؒ نے منیٰ کی راتیں مکہ میں بسر کرنے کے متعلق کہا کہ کوئی شخص ہرگز منیٰ کے سوا کسی اور جگہ رات نہ گزارے۔

۱۷۔ بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

جمروں پر کنکریاں مارنے کا باب

جمار یا جمرات جمرہ کی جمع ہے۔ جس کا معنیٰ ہے لکڑی یا دہکتا ہوا کوئلہ یا بھڑکتی ہوئی آگ۔ یہاں پر مراد مناسک حج کے جمرات ہیں۔ جو کل تین ہیں۔ پہلا، درمیانی، اور آخری۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ جمرہ کہتے ہیں کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ کو۔ لوگ چونکہ وہاں پر جمع ہو کر کنکریاں پھینکتے ہیں۔ لہذا انہیں جمرات کہا گیا۔ بعض علما نے کہا ہے کہ آدم علیہ السلام یا ابراہیم علیہ السلام کو اس مقام پر ابلیس کا سامنا ہوا تھا اور انہوں نے اس پر پتھر پھینکے تھے۔ لہذا اس جگہ کو جمرہ یعنی کنکریاں مارنے کی جگہ کہا گیا۔ جمرات پر رمی کرنا مناسک حج میں سے ہے اور جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ جس کے ترک سے خون کا کفارہ لازم آتا ہے۔ مالکیہ کے نزدیک رمی سنت مؤکدہ ہے۔

۹۲۰۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وُقُوفًا طَوِيلًا۔ حَتَّى يَمَلَّ الْقَائِمُ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو جمروں کے پاس بہت دیر تک کھڑے رہتے تھے حتیٰ کہ اتنا کھڑا ہونے والا ملول ہو جاتا۔ (ان دو سے مراد پہلا اور وسطی جمرہ ہے۔)

۹۲۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وُقُوفًا طَوِيلًا۔ يُكَبِّرُ اللّٰهَ، وَيُسَبِّحُهُ وَيَحْمَدُهُ، وَيَدْعُو اللّٰهَ۔ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ پہلے دو جمروں کے پاس کافی لمبا وقوف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کہتے اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اللہ سے دعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے۔

شرح: امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ اثر باب مایقول عند الجمار میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑے ہو کر کافی دیر تک دعا اور اظہار عاجزی کرتے رہے۔ اور تیسرے جمرے کے پاس کھڑے نہیں ہوئے۔ پس بخاری وغیرہ کی ان احادیث کی رو سے جو اس باب میں وارد ہیں، ہر کنکری پر تکبیر کہنا مشروع ہوا۔ اگر کوئی تکبیر کو ترک کرے تو کوئی کفارہ نہیں آتا۔ مگر امام ثوریؒ نے کہا ہے کہ وہ مساکین کو کھانا کھلائے۔

۹۲۲- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُكَبِّرُ عِنْدَ رَمْيِ الْجَمْرَةِ كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ رمی جمار کے وقت تکبیر کہتے تھے۔ جب بھی کنکری مارتے تکبیر کہتے (یہ اثر بھی موطائے امام محمدؒ میں آیا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ یہی مضمون صحاح کی بہت سی مرفوع احادیث سے ثابت ہے۔)

۹۲۳- وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ اَهْلِ الْعِلْمِ يَقُوْلُ الْحَصَى الَّتِيْ يُرْمَى بِهَا الْجِمَارُ مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَاَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَلِيْلًا اَعْجَبُ اِلَيَّ۔

وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ مِنْ اَوْسَطِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَهُوَ بِمِنًى فَلَا يَنْفِرَنَّ، حَتّٰى يَرْمِيَ الْجِمَارَ مِنَ الْغَدِ۔

ترجمہ: مالکؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے بعض علما کو یہ کہتے سُنا کہ وہ کنکریاں جو جمروں پر پھینکی جائیں وہ چھوٹی ہونی چاہئیں کہ انہیں انگشت شہادت اور انگوٹھے سے پھینکا جا سکے۔

مالکؒ نے کہا کہ اس سے ذرا بڑی ہوں تو مجھے زیادہ پسند ہیں۔

شرح: مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ کا لفظ کئی مرفوع احادیث سے ثابت ہوا ہے جن میں حضورؐ کا قول و فعل مذکور ہے۔ یہ احادیث ابوداؤد، احمد، اسحاق، نسائی، ابن ماجہ، الحاکم، مسلم نے روایت کی ہیں۔ اور حدیث صحیح میں جو کنکری پھینکنے سے نہی آئی ہے اس سے مراد رمی جمار نہیں بلکہ عموماً جو لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کنکریاں ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں۔ اس سے ممانعت ہے۔ رمیٔ جمار کا حکم ایک خاص حکم ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث مرفوع میں صراحتاً موجود ہے کہ حضورؐ نے چھوٹی سی کنکری دکھا کر فرمایا کہ اس قسم کی کنکریاں مارو اور دین میں غلو سے بچو۔ پھر امام مالکؒ کے اس قول پر جو اُوپر مذکور ہے۔ محدثین نے حیرانی کا اظہار کیا ہے۔ علی القاریؒ نے مالکؒ کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ مالکؒ کی مراد یہ ہے کہ کنکریاں بالکل ہی چھوٹی نہ ہوں بلکہ چھوٹی کنکریوں میں سے ذرا بڑی ہوں۔ تاکہ آسانی سے پھینکی جا سکیں۔ قاضی ابوالولید الباجی المالکی نے کہا کہ شاید امام مالکؒ کو وہ حدیث پہنچی ہی نہیں جس میں حصی الخذف کا لفظ ہے ورنہ وہ ایسا نہ کہتے۔ واللہ اعلم۔

(ایضاً ترجمہ) نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے۔ ایام تشریق کے وسط میں جسے منیٰ میں سورج غروب ہو جائے تو وہ اگلے دن رمی جمار کئے بغیر ہرگز وہاں سے نہ جائے۔ (یہ اثر موطائے محمد میں باب مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: ایام تشریق کا وسطی دن وہ ہے جو یوم النحر کے بعد تیسرا دن ہے۔ ابن عمرؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ۔ پس اُسے غروب شمس سے پہلے جانے کی جلدی کرنی لازم تھی جو اس نے نہیں کی یہ مطلب تو آیت کا ابن عمرؓ کے قول کے مطابق ہے اور جمہور علما کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جب تک تیسرے دن کی فجر طلوع نہ ہو جائے وہ شخص جا سکتا ہے کیونکہ ابھی تیسرا دن داخل نہیں ہوا۔ اور یہ مسئلہ ایک فرعی اور فقہی سا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ نے اس پر لکھا ہے کہ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ اور عام فقہا کا قول ہے۔

۹۲۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا، اِذَا رَمَوُا الْجِمَارَ، مَشَوْا ذَاهِبِيْنَ وَرَاجِعِيْنَ۔ وَاَوَّلُ مَنْ رَكِبَ، مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِیْ سُفْيَانَ۔

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن القاسمؒ نے اپنے والد سے روایت کی کہ لوگ جب جمروں پر رمی کرتے کرتے تھے تو آتے جاتے وقت پیدل چلتے تھے۔ اور سب سے اوّل سوار ہونے والے معاویہ بن ابی سفیانؓ تھے۔ (قاضی ابوالولید نے کہا ہے کہ شاید معاویہؓ کو کوئی عذر تھا۔ امام محمدؒ نے یہ اثر موطّا میں باب رمی الجمار راکبًا میں روایت کیا ہے اور اس پر لکھا ہے کہ پیدل چلنا افضل ہے، مگر سوار ہونے میں بھی حرج نہیں۔)

شرح: حافظ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں جمرہ کی رمی سوار ہو کر کی تھی۔ علما اس پر متفق ہیں کہ رمی پیدل اور سوار ہو کر دونوں طرح جائز ہے۔ گو پیدل رمی کرنا افضل ہے جیسا کہ امام محمدؒ نے کہا ہے۔

۹۲۵۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَاَلَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ: مِنْ اَيْنَ كَانَ الْقَاسِمُ يَرْمِیْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ؟ فَقَالَ: مِنْ حَيْثُ تَيَسَّرَ۔

قَالَ يَحْيٰى: سُئِلَ مَالِكٌ، هَلْ يُرْمٰى عَنِ الصَّبِیِّ وَالْمَرِيْضِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ۔ وَيَتَحَرَّى الْمَرِيْضُ حِيْنَ يُرْمٰى عَنْهُ فَيُكَبِّرُ وَهُوَ فِیْ مَنْزِلِهٖ وَيُهَرِيْقُ دَمًا۔ فَاِنْ صَحَّ الْمَرِيْضُ فِیْ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ رَمَى الَّذِیْ رُمِیَ عَنْهُ۔ وَاَهْدٰى وُجُوْبًا۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا اَرٰى عَلَى الَّذِیْ يَرْمِی الْجِمَارَ، اَوْ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَهُوَ غَيْرُ مُتَوَضِّئٍ، اِعَادَةً۔ وَلٰكِنْ لَا يَتَعَمَّدُ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے عبدالرحمٰن بن القاسمؒ سے پوچھا کہ القاسمؒ آخری جمرہ کی رمی کہاں سے کرتے تھے؟ تو اس نے جواب دیا، جہاں سے بھی میسر ہو سکتی۔ (یہ اثر موطّائے محمدؒ میں باب مِنْ اَیِّ مَوْضِعٍ یَرْمِی الْجِمَارَ میں مروی ہے۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ وادی کے بطن — درمیان — سے رمی کرے۔ اور جہاں سے بھی رمی کرے جائز ہے اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور عام فقہا کا قول ہے۔ یہی مضمون حافظ ابن حزمؒ نے المحلیٰ میں لکھا ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا بچے اور مریض کی طرف سے بھی رمی کی جائے؟ مالکؒ نے کہا کہ ہاں۔ اور جس وقت مریض

ی طرف سے رمی کی جانے اس وقت کو جانچ کر مریض اپنی منزل میں تکبیر کہے اور ایک جانور کا خون بہائے۔ (اگر مریض کو
اٹھا کر لایا جا سکے اور وہ خود رمی کرے تو بہتر ہے۔ اور بچے کی طرف سے کوئی کفارہ نہیں ادا کیا جاتا۔) پھر اگر مریض ایام تشریق
میں تندرست ہو جائے تو اس کی طرف سے جو رمی کی گئی ہو وہ خود کرے اور ہدی دے۔ (یعنی اصل وقت پر رمی نہ کرنے کا کفارہ
ہر حال ادا کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ کی بعض فروع میں اختلاف ہے جسے ہم نے نظر انداز کیا ہے۔)
امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص وضو کئے بغیر رمی جمار کرے یا صفا و مروہ میں سعی کرے تو میرے نزدیک اس پر اعادہ واجب
نہیں مگر وہ عمداً ایسا نہ کرے۔ (کیونکہ ان اعمال کی ادائیگی میں طہارت گو شرط نہیں مگر افضل ضرور ہے۔)

۹۲۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: لَا تُرْمَى الْجِمَارُ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ حَتَّى تَزُولَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے، تینوں ایام میں زوال آفتاب سے پہلے رمی جمار نہ کی جائے
(بعض الفاظ کی زیادتی کے ساتھ یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔
اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ نے تیسرے دن کے متعلق فرمایا کہ اس میں قبل از زوال آفتاب بھی رمی جائز ہے۔ عطاؒ
اور طاؤسؒ کے نزدیک تینوں دن قبل از زوال جائز ہے۔)

۷۲۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ

رمی جمار میں رخصت کا باب

۹۲۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا الْبَدَّاحِ ابْنَ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ، أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ. خَارِجِينَ عَنْ مِنًى. ثُمَّ يَرْمُونَ الْغَدَ. وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ لِيَوْمَيْنِ ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ.

ترجمہ: عاصم بن عدیؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو منیٰ سے باہر رات گزارنے
کی اجازت دی تھی۔ وہ یوم النحر کو رمی کریں پھر آئندہ کل یا پرسوں کو دو دن کی رمی کریں اور پھر وہ منیٰ سے کوچ کے دن
کی رمی کریں۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث باب تاخیر رمی الجمار الخ میں روایت کی۔ اور اس پر یہ نوٹ لکھا کہ جس شخص نے دو دن کی
رمی کو ایک دن میں جمع کیا، کسی سبب سے یا بلا سبب، تو اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں لیکن بلا سبب آج کی رمی کو کل
پر اٹھا رکھنا مکروہ ہے اور ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جب کوئی ایک دن کی رمی کو ترک کر کے دوسرے دن کرے تو اس پر خون
بہانا واجب ہو گیا۔)
شرح: اس حدیث کے لفظ لِيَوْمَيْنِ کی تفسیر میں شراح حدیث کا اختلاف ہوا ہے۔ شارح طیبیؒ نے کہا کہ حضورؐ نے

اونٹ چرانے والوں کو رخصت دی تھی کہ عید کے دن آخری جمرہ پر رمی کریں فقط۔ پھر کل کو رمی نہ کریں بلکہ پرسوں دو دن کی رمی کریں۔ ایک کی ادا اور ایک گزشتہ کی قضا۔ امام شافعیؒ اور مالکؒ نے عید کے دوسرے دن اس دن کی اور اگلے دن کی پیشگی رمی کو جائز نہیں رکھا۔ محدث علی القاریؒ نے المرقات میں کہا ہے کہ ائمہ احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

۹۲۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِيْ رَبَاحٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَذْكُرُ، أَنَّهُ أُرْخِصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوْا بِاللَّيْلِ، يَقُوْلُ: فِي الزَّمَانِ الْأَوَّلِ۔

قَالَ مَالِكٌ: تَفْسِيْرُ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ أَرْخَصَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِيْ تَأْخِيْرِ رَمْيِ الْجِمَارِ، فِيْمَا نُرٰى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، أَنَّهُمْ يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّحْرِ۔ فَإِذَا مَضَى الْيَوْمُ الَّذِيْ يَلِيْ يَوْمَ النَّحْرِ رَمَوْا مِنَ الْغَدِ۔ وَذٰلِكَ يَوْمُ النَّفْرِ الْأَوَّلِ۔ فَيَرْمُوْنَ لِلْيَوْمِ الَّذِيْ مَضٰى ثُمَّ يَرْمُوْنَ لِيَوْمِهِمْ ذٰلِكَ۔ لِأَنَّهُ لَا يَقْضِيْ أَحَدٌ شَيْئًا حَتّٰى يَجِبَ عَلَيْهِ۔ فَإِذَا وَجَبَ عَلَيْهِ وَمَضٰى كَانَ الْقَضَاءُ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ فَإِنْ بَدَا لَهُمُ النَّفْرُ فَقَدْ فَرَغُوْا وَإِنْ أَقَامُوْا إِلَى الْغَدِ رَمَوْا مَعَ النَّاسِ يَوْمَ النَّفْرِ الْآخِرِ، وَنَفَرُوْا۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ نے عطا بن ابی رباح کو یہ بیان کرتے سُنا کہ چرواہوں کو رخصت دی گئی تھی کہ وہ رات کو رمی کریں۔ عطا کہتے تھے کہ یہ رخصت پہلے زمانے (دورِ نبویؐ) میں دی گئی تھی۔

شرح: اس رخصت کی حدیث ابن ابی شیبہ اور دارقطنی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے اور جمہور کے نزدیک رات کو رمی کرنا جائز ہے اور رمی کا اصل وقت غروب سے پہلے تک ہے۔ مگر عُذر کے احکام اور ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہمارے خیال میں اس حدیث کی تفسیر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے چرواہوں کو رمی جمار کی اجازت دی تھی۔ یہ ہے واللہ اعلم۔ کہ وہ یوم النحر کو رمی کریں پھر جب اس سے اگلا دن گزر جائے تو کل کو رمی کریں۔ اور وہ نفر اول کا دن ہے۔ اس دن وہ گزشتہ دن کی رمی کریں۔ پھر اس دن کی رمی کریں، جس میں وہ آئیں کیونکہ جب تک کسی پر کوئی چیز واجب نہ ہو جائے، اس کی قضا کا سوال نہیں ہوتا۔ پس جب وہ واجب ہو جائے اور گزر جائے تو قضا اس کے بعد ہوتی ہے۔ پھر اگر ان کا کوچ کا ارادہ ہو تو وہ فارغ ہو چکے اور اگر وہ کل تک قیام کریں تو آخری کوچ کے دن لوگوں کے ساتھ رمی کریں اور کوچ کر جائیں۔ (اس سے قبل اس پر کلام ہو چکا ہے۔)

۹۲۹۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ أَبِيْهِ، أَنَّ ابْنَةَ أَخٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ أَبِيْ عُبَيْدٍ۔ نُفِسَتْ بِالْمُزْدَلِفَةِ۔ فَتَخَلَّفَتْ هِيَ وَصَفِيَّةُ حَتّٰى أَتَتَا مِنًى بَعْدَ أَنْ غَرَبَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ۔ فَأَمَرَهُمَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنْ تَرْمِيَا الْجَمْرَةَ حِيْنَ أَتَتَا وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِمَا

شَيْئًا۔

قَالَ يَحْيٰى: سُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ نَسِيَ جَمْرَةً مِنَ الْجِمَارِ فِي بَعْضِ أَيَّامِ مِنًى حَتّٰى يُمْسِيَ؟ قَالَ لِيَرْمِ أَيَّ سَاعَةٍ ذَكَرَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ۔ كَمَا يُصَلِّي الصَّلَاةَ إِذَا نَسِيَهَا ثُمَّ ذَكَرَهَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا۔ فَإِنْ كَانَ بَعْدَ مَا صَدَرَ وَهُوَ بِمَكَّةَ، أَوْ بَعْدَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، فَعَلَيْهِ الْهَدْيُ۔

ترجمہ: ابوبکر بن نافع نے اپنے باپ سے روایت کی کہ صفیہ بنت ابو عبید کی ایک بھتیجی کو مزدلفہ میں نفاس ہو گیا (بچہ پیدا ہوا) پس وہ اور صفیہ دونوں پیچھے رہ گئیں۔ حتیٰ کہ منیٰ میں یوم النحر کو غروب آفتاب کے بعد آئیں۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ جب وہ منیٰ میں آئیں اس وقت جمرہ پر رمی کریں اور عبداللہؓ نے ان پر کوئی کفارہ نہ بیان کیا کیونکہ یوم النحر کی رمی کی قضا آئندہ دن جمہور کے نزدیک جائز ہے اور حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں کوئی کفارہ بھی واجب نہیں یہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس میں کچھ اختلاف ہے۔)

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ جو شخص ایام منیٰ میں کسی جمرہ کی رمی بھول جائے۔ حتیٰ کہ پچھلا پہر ہو جائے یا سورج غروب ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ مالکؒ نے کہا کہ دن رات کی جس گھڑی میں اسے یاد آ جائے وہ رمی کرے۔ جس طرح کہ کوئی نماز کو بھول جائے تو بھی وہ رات یا دن کو یاد آنے پر پڑھ لیتا ہے اور اگر یہ صورت منیٰ سے واپسی پر ہوئی، حالانکہ وہ ابھی مکہ میں تھا یا مکہ سے چلے جانے کے بعد یاد آیا تو اس پر ہدی واجب ہے۔

شرح: اور حنفیہ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر کسی نے پورے دن کی رمی چھوڑ دی یعنی پہلے دن آخری جمرہ کی سات کنکریاں یا دوسرے دن سب جمروں کی ۲۱ کنکریاں یا تیسرے دن کی ۲۱ کنکریاں بھی۔ یا اکثر کنکریاں پھینکنا چھوڑ گیا، مثلاً پہلے دن چار یا دوسرے دن ۱۱ یا تیسرے دن بھی ۱۱۔ تو اس پر دم آئے گا۔ ہاں اگر آئندہ رات تک چھوڑ دے اور پھر قضا کرے تو اس پر اتفاقاً کوئی کفارہ نہیں۔ تاخیر کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک کچھ نہیں اور بعض حنفیہ جمار کی ترتیب کو واجب اور اکثر سنت کہتے ہیں۔

۷۳۔ بَابُ الْإِفَاضَةِ

طواف افاضہ کا باب

طواف افاضہ ارکان حج میں داخل ہے اور اس کے بغیر حج تمام نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ علماء نے کہا ہے کہ جو اسے بھول گیا اور گھر کو واپس چلا گیا تو اس پر مکہ واپس آنا اور یہ طواف کرنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

۹۲۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِعَرَفَةَ، وَعَلَّمَهُمْ أَمْرَ الْحَجِّ۔ وَقَالَ لَهُمْ فِيمَا قَالَ: إِذَا جِئْتُمْ مِنًى، فَمَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ، فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَى الْحَاجِّ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ۔ لَا يَمَسَّ أَحَدٌ نِسَاءً وَلَا

طِيبًا، حتى يطوف بالبيت

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو عرفہ میں خطبہ دیا اور انہیں حج کے مسائل بتائے اور اس خطبے میں فرمایا، جب تم منیٰ میں پہنچو تو جس نے جمرہ پر رمی کر لی تو اس پر عورتوں کے سوا اور خوشبو کے سوا ہر چیز جو حاجی پر حرام تھی، حلال ہو گئی۔ کوئی بھی عورتوں سے مس نہ کرے نہ خوشبو لگائے، حتیٰ کہ بیت اللہ کا طواف کر لے۔ (یہ اثر موطا امام محمد میں باب مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ الخ میں مروی ہے۔ امام محمدؒ کا کلام آگے آتا ہے۔ اگلا اثر دیکھئے۔)

۹۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَالَ مَنْ رَمَى الْجَمْرَةَ، ثُمَّ حَلَقَ أَوْ قَصَّرَ وَنَحَرَ هَدْيًا، إِنْ كَانَ مَعَهُ، فَقَدْ حَلَّ لَهُ مَا حَرُمَ عَلَيْهِ، إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ، حَتَّى يَطُوفَ بِالْبَيْتِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، جس نے جمرے پر رمی کی اور سر منڈوایا یا بال کتروائے اور اگر اس کے ساتھ ہدی تھی تو اسے نحر کیا تو اس پر ساری حرام شدہ چیزیں (یعنی جو حج کے باعث حرام تھیں) حلال ہو گئیں، سوائے عورتوں اور خوشبو کے، جب تک کہ وہ طواف نہ کر لے۔ (یہ اثر بھی موطائے امام محمدؒ کے باب مَا يَحْرُمُ عَلَى الْحَاجِّ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: یہ دونوں آثار روایت کرنے کے بعد امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کا قول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے خلاف روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ان دونوں ہاتھوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی، جب کہ آپ نے حلق کرا لیا قبل اس کے کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کرتے۔ پس ہم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کو اختیار کیا ہے اور ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا اسی مسلک پر ہیں۔ امام محمدؒ نے مالکؒ کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بیان کی اور آخر میں کہا کہ بیت اللہ کی زیارت سے قبل خوشبو لگانے کے مسئلہ میں ہم اس حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کی روایت کو ترک کرتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا یہی قول ہے اور ابن عباسؓ، طاؤسؒ اور عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۴۔ بَابُ دُخُولِ الْحَائِضِ مَكَّةَ

حیض والی عورت کے مکہ میں داخل ہونے کا باب

۹۳۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ، خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

فَاَهْلَلْنَا بِعُمْرَةٍ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيُهْلِلْ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ، ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيْعًا"۔ قَالَتْ: فَقَدِمْتُ مَكَّةَ وَاَنَا حَائِضٌ فَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ فَشَكَوْتُ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "اُنْقُضِيْ رَاْسَكِ، وَامْتَشِطِيْ، وَاَهِلِّيْ بِالْحَجِّ وَدَعِي الْعُمْرَةَ" قَالَتْ: فَفَعَلْتُ۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا الْحَجَّ، اَرْسَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ اِلَى التَّنْعِيْمِ، فَاعْتَمَرْتُ۔ فَقَالَ "هٰذَا مَكَانُ عُمْرَتِكِ" فَطَافَ الَّذِيْنَ اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ ثُمَّ حَلُّوْا مِنْهَا۔ ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا اٰخَرَ بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى لِحَجِّهِمْ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْحَجِّ، اَوْ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ۔ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (مدینہ سے) نکلے تو ہم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ ہدی ہے وہ عمرہ کے ساتھ حج کا بھی احرام باندھے۔ پھر وہ حلال نہ ہوگا جب تک کہ ان دونوں سے حلال نہ ہو۔ حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا کہ جب میں مکہ آئی تو ماہواری سے تھی۔ پس میں نے نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا اور نہ صفا مروہ کی سعی کی۔ پس میں نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، تو آپؐ نے فرمایا تو اپنے سر کی مینڈھیاں کھول دے اور کنگھی کرے اور حج کا احرام باندھ لے۔ اور عمرہ ترک کر دے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے یہی کیا۔ جب ہم نے حج کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا۔ پھر میں نے عمرہ ادا کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا یہ عمرہ تیرے اس ترک شدہ عمرے کی جگہ ہے۔ سو جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی، پھر حلال ہو گئے۔ پھر منیٰ سے واپسی کے بعد انہوں نے ایک اور طواف اپنے حج کی طرف سے کیا۔ لیکن جن لوگوں نے حج کا یا حج اور عمرہ ہر دو کا احرام باندھا تھا تو انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔

مالکؒ نے اسی طرح کی حدیث ابن شہاب عن عروہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے۔

شرح: یہ حدیث موطا امام محمدؒ میں بھی مروی ہے باب اَلْمَرْاَةُ تَقْدَمُ مَكَّةَ بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ الخ۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ حائضہ عورت طوافِ بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ حج کے تمام مناسک ادا کرے حتیٰ کہ پاک ہو جائے۔ پس اگر اس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور حج کے فوت ہونے کا خوف ہو جائے تو اپنا عمرہ قضا کرے جس طرح کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قضا کیا اور جو ہدی میسر ہو ذبح کرے۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف سے گائے ذبح کی تھی۔ اور یہ سب ابو حنیفہؒ کا قول ہے لیکن قران کرنے والا دو طواف اور دو سعی کرے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن ایک طواف اور ایک سعی کرے مگر حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے اس زیرِ نظر حدیث سے کیونکر استدلال کیا ہے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رجو قارن تھے نے مکہ میں داخل ہوتے ہی طوافِ کعبہ کیا۔ تمام صحاح کی احادیث پکار پکار کر یہی کہتی ہیں۔ پھر صفا و مروہ کی سعی زبانی جو تمام احادیث سے ثابت ہے۔ کوئی سی کتاب اور کوئی سی حدیث لے لو۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ آپ کا پہلا طواف تھا پھر عرفہ اور دیگر مناسک کی ادائیگی کے بعد حضور کا مکہ آکر یوم النحر میں طواف افاضہ بھی ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ رہے چار دن جو حضور مکہ میں رہے، ان میں طواف کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہے)۔ یہ دوسرا اجماعی طواف ہوا۔ پھر حضور مکہ میں رہے اور ابن عباسؓ کے بقول ہر روز بیت اللہ کا طواف کرتے رہے۔ پھر ۱۴ ویں تاریخ کو طوافِ وداع کیا۔ جس پر اجماع ہے۔ پس اجماعاً حضور کے یہ تین طواف تو سب کے نزدیک ثابت ہوئے۔ طوافِ وداع میں بے شمار قولی و فعلی احادیث موجود ہیں۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ طوافِ وداع ایک بار فرمایا یا کہ دو بار۔

پس اندریں احوال حدیث زیرِ نظر بالاجماع مؤول (لائق تاویل) ہوئی۔ اس حدیث کی سب نے ہی تاویل کی ہے اور اگر اس لفظ طافوا طوافاً واحداً سے مراد صفا و مروہ کی سعی لی جائے تو سارا گرد و غبار چھٹ جاتا ہے اور ساری حیرت دُور ہو جاتی ہے سعی پر طواف کا لفظ بے شمار احادیث میں بولا گیا ہے۔ اگر اس کی یہ تاویل نہ کی جائے تو تمام احادیث ترک کرنی پڑتی ہیں جن میں حضور کے متعدد طوافوں کا ذکر موجود ہے اور خود حضرت عائشہؓ کی روایات میں بھی موجود ہے۔ اس مسئلے پر کچھ گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، بِمِثْلِ ذَلِكَ

۹۳۳- حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: قَدِمْتُ مَكَّةَ وَأَنَا حَائِضٌ، فَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. فَشَكَوْتُ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "افْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ، وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتَّى تَطْهُرِي".

قَالَ مَالِكٌ، فِي الْمَرْأَةِ الَّتِي تُهِلُّ بِالْعُمْرَةِ، ثُمَّ تَدْخُلُ مَكَّةَ مُوَافِيَةً لِلْحَجِّ وَهِيَ حَائِضٌ، لَا تَسْتَطِيعُ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ: إِنَّهَا إِذَا خَشِيَتِ الْفَوَاتَ، أَهَلَّتْ بِالْحَجِّ وَأَهْدَتْ. وَكَانَتْ مِثْلَ مَنْ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَأَجْزَأَ عَنْهَا طَوَافٌ وَاحِدٌ. وَالْمَرْأَةُ الْحَائِضُ إِذَا كَانَتْ قَدْ طَافَتْ بِالْبَيْتِ، وَصَلَّتْ، فَإِنَّهَا تَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. وَتَقِفُ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ. وَتَرْمِي الْجِمَارَ غَيْرَ أَنَّهَا لَا تُفِيضُ، حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں مکّہ آئی اور ماہواری ایام میں تھی۔ میں نے نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان (یہاں بھی سعی پر طواف کا لفظ آیا ہے)۔ پس میں اس بات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپؐ نے فرمایا، تو وہ سب کچھ کرجو حاجی کرتے ہیں۔ مگر نہ بیت اللہ کا طواف کر اور نہ صفا مروہ کے درمیان۔ حتیٰ کہ تو پاک ہو جائے۔

مالکؒ نے اس حائضہ عورت کے کہا کہ جو عمرہ کا احرام باندھ کر مکّہ میں داخل، حج کا زمانہ قریب ہو اور وہ حائضہ ہو، لہٰذا بیت اللہ کا طواف نہ کرسکے تو جب وہ حج کے فوت ہونے کا خوف کرے تو حج کا احرام باندھ لے اور ہدی پیش کرے اور وہ اس شخص کی مثل ہوگی جس نے حج اور عمرہ کا قران کیا ہو اور اس کے لئے ایک ہی طواف کافی ہے۔ (طوافاً واحداً پر اوپر گفتگو ہو چکی ہے)۔ اور حائضہ عورت جب بیت اللہ کا طواف کر چکی ہو اور حیض آنے سے قبل طواف کی دو رکعت نماز پڑھ چکی ہو تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے۔ عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کرے اور جمروں پر رمی کرے۔ لیکن وہ پاک ہونے سے قبل طوافِ افاضہ نہیں کر سکتی۔

۷۵۔ بَابُ اِفَاضَةِ الْحَائِضِ

حیض والی عورت کے افاضہ کا باب

شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ افاضہ کا یا تو لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی واپسی۔ مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ اگر وہ طوافِ افاضہ حیض سے پہلے کر چکی ہو تو مکّہ سے طوافِ وداع کئے بغیر واپس جا سکتی ہے۔ اگر افاضہ کا اصطلاحی معنیٰ مراد ہو تو اس کا معنیٰ طوافِ افاضہ ہے۔ اس صورت میں وہ طوافِ افاضہ کئے بغیر مکّہ سے نہیں جا سکتی۔ کیونکہ یہ طواف واجب ہے اور کسی سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک اگر عورت کو طوافِ افاضہ کر چکنے کے بعد حیض آ جائے تو اس کے لئے طوافِ وداع کی خاطر توقف کرنا واجب نہیں ہے۔

۹۳۴۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ حَاضَتْ. فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "اَحَابِسَتُنَا هِيَ؟" فَقِيْلَ: اِنَّهَا قَدْ اَفَاضَتْ. فَقَالَ "فَلَا. اِذًا"

ترجمہ: حضرت عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ صفیہ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا (اُمّ المومنین) کو ماہواری ہو گئی تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی۔ آپؐ نے فرمایا، کیا وہ ہم کو روکنے والی ہے؟ کہا گیا کہ اس نے طوافِ افاضہ کر لیا تھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا تب نہیں (یعنی اب ہم اس کے لئے نہیں رکیں گے۔ اور اس پر طوافِ وداع کرنا ضروری نہیں ہے۔)

۹۳۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَمْرَةَ

بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. اِنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَعَلَّهَا تَحْبِسُنَا. اَلَمْ تَكُنْ طَافَتْ مَعَكُنَّ بِالْبَيْتِ؟" قُلْنَ: بَلٰى. قَالَ "فَاخْرُجْنَ".

ترجمہ: عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ صفیہ بنت حیی کو ماہواری ایام آگئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ ہمیں روک دے گی کیا اس نے تمہارے ساتھ بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا؟ ازواج نے کہا کہ ہاں کر لیا تھا۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ پھر تم اب مکہ سے چلو۔

۹۳۶۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الرِّجَالِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، اَنَّ عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانَتْ اِذَا حَجَّتْ، وَمَعَهَا نِسَاءٌ تَخَافُ اَنْ يَحِضْنَ، قَدَّمَتْهُنَّ يَوْمَ النَّحْرِ فَاَفَضْنَ. فَاِنْ حِضْنَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمْ تَنْتَظِرْهُنَّ. فَتَنْفِرُ بِهِنَّ وَهُنَّ حُيَّضٌ، اِذَا كُنَّ قَدْ اَفَضْنَ.

ترجمہ: عمرہ بنت عبد الرحمٰنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حج کرتیں اور ان کے کچھ عورتیں ہوتیں تو حضرت عائشہؓ اس خوف سے کہ مبادا انہیں ماہواری آجائے (طواف افاضہ سے قبل) انہیں یوم النحر میں اور لوگوں سے پہلے ہی بھیج دیتیں تو طواف افاضہ کر لیتیں۔ اگر اس کے بعد انہیں حیض آجاتا تو آپ ان کا انتظار نہ کرتیں (کہ پاک ہو جائیں) انہیں لے کر واپس ہو جاتیں۔ درآنحالیکہ وہ حائضہ ہوتیں، جبکہ طواف افاضہ کر چکی ہوتیں۔

۹۳۷۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ. فَقِيْلَ لَهُ: قَدْ حَاضَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَعَلَّهَا حَابِسَتُنَا" فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. اِنَّهَا قَدْ طَافَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَلَا. اِذًا".

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ هِشَامٌ، قَالَ عُرْوَةُ، قَالَتْ عَائِشَةُ. وَنَحْنُ نَذْكُرُ ذٰلِكَ. فَلِمَ يُقَدِّمُ النَّاسُ نِسَاءَهُمْ اِنْ كَانَ ذٰلِكَ لَا يَنْفَعُهُنَّ. وَلَوْ كَانَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ، لَاَصْبَحَ بِمِنًى اَكْثَرُ مِنْ سِتَّةِ اٰلَافِ امْرَاَةٍ حَائِضٍ، كُلُّهُنَّ قَدْ اَفَاضَتْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر فرمایا (یعنی ان سے ملاقات کی خاطر یاد فرمایا) تو آپ کو بتایا گیا کہ انہیں تو ماہواری کے ایام آ گئے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید وہ ہمیں روکنے والی ہے۔ گھر والوں نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے طواف افاضہ کر لیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تب نہیں۔ (یعنی پھر اب ہم نہیں رکیں گے۔)

ایضاً ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ ہشام نے کہا ہم آپس میں اس مسئلے کا ذکر کر رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر عورتوں کو آگے بھیجنے میں کوئی فائدہ نہیں تو لوگ پھر اپنی عورتوں کو آگے کیوں بھیجتے ہیں (تاکہ وہ جلدی سے طواف افاضہ کر لیں اور ان کی خاطر رکنا نہ پڑے۔) اگر بات وہ ہے جو وہ کہتے ہیں (کہ طواف وداع واجب ہے۔ اس کے بغیر گھر واپسی نہیں ہو سکتی) تو منیٰ میں ان عورتوں کی تعداد چھ ہزار سے بھی زاید ہو جاتی، جو طوافِ افاضہ کر چکی ہوتیں (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان لوگوں کا قول رد کر رہی ہیں، جو کہتے تھے کہ طوافِ وداع واجب ہے اور اس کے بغیر مکہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔)

۳۸ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ بِنْتَ مِلْحَانَ اسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَاضَتْ، أَوْ وَلَدَتْ بَعْدَ مَا أَفَاضَتْ يَوْمَ النَّحْرِ. فَأَذِنَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَتْ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَالْمَرْأَةُ تَحِيضُ بِمِنًى تُقِيمُ حَتَّى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ. لَا بُدَّ لَهَا مِنْ ذٰلِكَ. وَإِنْ كَانَتْ قَدْ أَفَاضَتْ، فَحَاضَتْ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ، فَلْتَنْصَرِفْ إِلَى بَلَدِهَا. فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنَا فِي ذٰلِكَ رُخْصَةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَائِضِ۔

قَالَ: وَإِنْ حَاضَتِ الْمَرْأَةُ بِمِنًى قَبْلَ أَنْ تُفِيضَ، فَإِنَّ كَرِيَّهَا، يُحْبَسُ عَلَيْهَا، أَكْثَرَ مِمَّا يَحْبِسُ النِّسَاءَ الدَّمُ۔

ترجمہ: اُمِّ سُلیم بنتِ ملحانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا اور اسے حیض آیا یا یوم النحر کو طواف افاضہ کے بعد اس نے بچہ جنا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔ پس وہ مکہ سے مدینہ کو چلی گئی۔ (امام محمدؒ نے یہ حدیث باب اَلْمَرْاَۃِ تَحِیْضُ فِیْ حَجِّھَا الخ میں روایت کی ہے مگر اس کے الفاظ اس سے کافی مختلف ہیں۔)

شرح: موطا امام محمدؒ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اُمِّ سلیمؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اور عورت کے متعلق یہ مسئلہ پوچھا تھا۔ جب کہ امام مالکؒ کی زیرِ اثر روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُمِّ سُلیم کا اپنا واقعہ ہے۔ بخاری کی ایک حدیث سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اُمِّ سُلیم کا سوال اپنے بارے میں نہ تھا اور اس میں اُمّ المؤمنین صفیہؓ کا حوالہ موجود ہے کہ اُم سلیمؓ نے کچھ لوگوں کے سوال کے جواب میں ان کا واقعہ بیان کیا تھا۔

ایضاً ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ جس عورت کو منیٰ میں حیض آئے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرنے تک

ٹھہرے اور اگر اس نے طوافِ افاضہ کر لیا تھا اور اس کے بعد حیض آیا تو وہ اپنے شہر کو واپس چلی جائے۔ کیونکہ اس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت پہنچی ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ اگر عورت کو منیٰ میں حیض آیا اور ابھی اس نے طوافِ افاضہ نہیں کیا تھا۔ تو اس کی مصیبت اسے اتنی دیر تک روکے رکھے گی جتنے دن کہ خون اکثر عورتوں کو روکتا ہے۔

شرح: ہم نے جو ترجمہ کیا ہے یہ فَاِنَّ کَرِیْہَا کا ہے۔ موطا کے شارحین کا قول ہے کہ یہ لفظ کَرِیْہَا ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے اس عورت کو کرائے پر اپنے اونٹ پر سوار کیا ہو اسے اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا جتنی دیر کہ عورتوں کو زیادہ سے زیادہ ایام حیض ہوتے ہیں۔ شیخ الحدیثؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ مدونہ میں یہی لفظ آیا ہے۔

۷۶۔ بَابُ فِدْیَةِ مَا اُصِیْبَ مِنَ الطَّیْرِ وَالْوَحْشِ

پرندوں اور وحشی جانوروں کے فدیے کا باب

۹۳۹۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَضٰی فِی الضَّبُعِ بِکَبْشٍ۔ وَفِی الْغَزَالِ بِعَنْزٍ، وَفِی الْاَرْنَبِ بِعَنَاقٍ وَفِی الْیَرْبُوْعِ بِجَفْرَةٍ۔

ترجمہ: ابو الزبیر مکی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجّو میں مینڈھے کا اور ہرن میں ایک بکری کا اور خرگوش میں بکری کے بچے کا اور جنگلی چوہے میں بکری کے چھوٹے بچے کا فیصلہ کیا۔ (یعنی محرم جب ان شکاری جانوروں کو مار ڈالے تو جزا یہ ہوگی۔ یہ اثر موطائے محمد میں باب جزاء الصید میں مروی ہے۔ امام محمدؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ جانوروں کی مثل جو مل سکے، اس میں ان کا مذہب بھی یہی ہے۔)

۹۴۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ قُرَیْرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ: اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: اِنِّیْ اَجْرَیْتُ اَنَا وَصَاحِبٌ لِیْ فَرَسَیْنِ۔ نَسْتَبِقُ اِلٰی ثُغْرَةِ ثَنِیَّةٍ فَاَصَبْنَا ظَبْیًا وَنَحْنُ مُحْرِمَانِ۔ فَمَا تَرٰی؟ فَقَالَ عُمَرُ، لِرَجُلٍ اِلٰی جَنْبِهٖ: تَعَالَ حَتّٰی اَحْکُمَ اَنَا وَاَنْتَ۔ قَالَ فَحَکَمَا عَلَیْهِ بِعَنْزٍ۔ فَوَلَّی الرَّجُلُ وَهُوَ یَقُوْلُ: هٰذَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَحْکُمَ فِیْ ظَبْیٍ حَتّٰی دَعَا رَجُلًا یَحْکُمُ مَعَهٗ۔ فَسَمِعَ عُمَرُ قَوْلَ الرَّجُلِ، فَدَعَاهُ فَسَاَلَهٗ: هَلْ تَقْرَاُ سُوْرَةَ الْمَائِدَةِ؟ قَالَ لَا۔ قَالَ: فَهَلْ تَعْرِفُ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِیْ حَکَمَ مَعِیْ؟ فَقَالَ: لَا۔ فَقَالَ: لَوْ اَخْبَرْتَنِیْ اَنَّكَ تَقْرَاُ سُوْرَةَ الْمَائِدَةِ لَاَوْجَعْتُكَ ضَرْبًا۔ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ فِیْ کِتَابِهٖ۔ یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْکُمْ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَةِ۔ وَهٰذَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ۔

ترجمہ: محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے

اور میرے ایک ساتھی نے ایک درّے کے منہ کی طرف گھوڑے دوڑ لئے تو ہمیں ایک ہرن ملا اور ہم دونوں احرام میں تھے۔ آپ فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پاس والے ایک آدمی سے کہا کہ آؤ میں اور تم فیصلہ کریں۔ ابن سیرینؒ نے کہا کہ ان دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس کی جزا بکری ہے۔ پس وہ آدمی یہ کہتا ہوا واپس گیا کہ یہ امیر مومنین ہیں جو ایک ہرن کے متعلق بھی فیصلہ نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک اور آدمی کو بلایا جو ان کے ساتھ مل کر فیصلہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی بات سن لی۔ اور اسے بلایا۔ اس سے پوچھا کہ کیا تو سورۃ المائدہ پڑھتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تو اس شخص کو پہچانتا ہے کہ جس نے میرے ساتھ فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تو مجھے بتاتا کہ تو سورۃ المائدہ کو پڑھتا ہے (جس میں کہ جنگلی شکار کے احکام ہیں جبکہ محرم اسے مار ڈالے) تو میں تجھے خوب پیٹتا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے، تم میں دو عادل شخص فیصلہ کریں ہدی کا جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو اور یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ (یعنی حکم خداوندی کے مطابق ہم دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے جسے تو نے اپنی جہالت کے باعث سمجھا نہیں۔)

۹۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، اَنَّ اَبَاهُ كَانَ يَقُولُ: فِي الْبَقَرَةِ مِنَ الْوَحْشِ بَقَرَةٌ. وَفِي الشَّاةِ مِنَ الظِّبَاءِ شَاةٌ.

ترجمہ: ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ اس کا باپ کہتا تھا، جنگلی گائے میں گھریلو گائے ہے اور ہرنوں میں سے بکری (یعنی مؤنث) میں بکری ہے۔ (یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تماثل اجسام کا معتبر نہیں بلکہ قیمت کا تماثل ہے۔ اور ان کا استدلال آیت قرآنی: فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ سے ہے۔)

۹۴۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: فِي حَمَامِ مَكَّةَ، إِذَا قُتِلَ، شَاةٌ.

وَقَالَ مَالِكٌ، فِي الرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ، يُحْرِمُ بِالْحَجِّ اَوِ الْعُمْرَةِ، وَفِي بَيْتِهِ فِرَاخٌ مِنْ حَمَامِ مَكَّةَ. فَيُغْلَقُ عَلَيْهَا فَتَمُوتُ. فَقَالَ: اَرَى بِاَنْ يَفْدِيَ ذٰلِكَ، عَنْ كُلِّ فَرْخٍ بِشَاةٍ.

ترجمہ: سعید بن المسیب کہتے تھے کہ مکّہ کے کبوتر کو اگر کوئی قتل کر دے تو اس میں ایک بکری ہے۔ (اب بکری تو صورت یا معنی کے لحاظ سے کبوتر کی مثل نہیں ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ مثل مطلق تو وہ ہے جو صورت و معنی ہر دو کے لحاظ سے ایک جیسی ہو۔ اور یہ ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا مثل سے مراد معنوی ہوگی۔ جو کہ شرع میں معہود ہے۔ ارشاد خداوندی ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ۔ حالانکہ زیادتی کرنے والے کی زیادتی کی مثل صورت و معنی ہر دو کے لحاظ سے ممکن ہی نہیں ہوتی۔ پس وہاں سے بھی مثل سے مراد معنوی مثل ہے۔ صحابہ میں سے ابن عباس کا یہی مسلک تھا۔ اور یہ مسئلہ اختلافی ہے۔)

ایضاً ترجمہ: امام مالکؒ نے اہل مکہ سے کسی شخص کے بارے میں کہا جو حج یا عمرہ کا احرام باندھے اور اس کے گھر میں مکہ کے کبوتروں کے بچے ہوں، وہ ان پر دروازہ بند کر دے اور وہ مر جائیں۔ مالکؒ نے کہا کہ میری رائے ہے وہ ہر چوزے کا بدلہ ایک بکری دے گا۔ (شاید مالکؒ نے اس ضمن میں سعیدؒ کے قول کا اتباع کیا ہے۔)

۹۴۳۔ قَالَ مَالِكٌ: لَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ أَنَّ فِي النَّعَامَةِ إِذَا قَتَلَهَا الْمُحْرِمُ، بَدَنَةً۔

قَالَ مَالِكٌ: أَرَى أَنَّ فِي بَيْضَةِ النَّعَامَةِ عُشْرَ ثَمَنِ الْبَدَنَةِ۔ كَمَا يَكُونُ فِي جَنِينِ الْحُرَّةِ، غُرَّةٌ، عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ۔ وَقِيمَةُ الْغُرَّةِ خَمْسُونَ دِينَارًا۔ وَذٰلِكَ عُشْرُ دِيَةِ أُمِّهِ۔ وَكُلُّ شَيْءٍ مِنَ النُّسُورِ أَوِ الْعِقْبَانِ أَوِ الْبُزَاةِ أَوِ الرَّخَمِ، فَإِنَّهُ صَيْدٌ يُودَى كَمَا يُودَى الصَّيْدُ۔ إِذَا قَتَلَهُ الْمُحْرِمُ

وَكُلُّ شَيْءٍ فُدِيَ، فَفِي صِغَارِهِ مِثْلُ مَا يَكُونُ فِي كِبَارِهِ۔ وَإِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ، مَثَلُ دِيَةِ الْحُرِّ الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ۔ فَهُمَا، بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ، سَوَاءٌ۔

ترجمہ: مالکؒ نے کہا کہ میں ہمیشہ شترمرغ کے بارے میں سنتا رہا کہ جب محرم اسے مار ڈالے تو اس کا بدلہ اونٹ ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ شترمرغ کے انڈے میں میری رائے میں اونٹ کی قیمت کا دسواں حصہ ہے۔ جیسا کہ آزاد عورت کے پیٹ کے بچے میں غلام یا لونڈی کا تاوان ہوتا ہے۔ (یعنی امام مالکؒ نے شترمرغ کے انڈے کو آزاد عورت کے پیٹ کے بچے پر قیاس کر کے یہ حکم دیا ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ گدھ، عقاب، باز یا شاہین، یہ سب شکار ہیں۔ ان کا بھی اس طرح فدیہ ہے جس طرح شکار کے جانوروں کا فدیہ ہے۔ جب محرم انہیں مار ڈالے۔ (پرندوں کے بارے میں بالعموم اکثر ائمہ کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے مثل واجب ہے۔ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے مطلقاً ہر جنگلی شکار میں قیمت کی مثل قرار دی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جن چیزوں کی مثل موجود ہو، ان میں وہ مثل ورنہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ائمہ اربعہ کی فروع کی کتابوں کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پرندوں میں بالعموم قیمت کی مثل کا اصول مدنظر رکھا ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ ہر چیز جس کا فدیہ دیا جائے اس کے چھوٹے بچوں کا فدیہ بھی بڑوں کی مانند ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے آزاد کی دیت خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔

۷۷۔ بَابُ فِدْيَةِ مَنْ أَصَابَ شَيْئًا مِنَ الْجَرَادِ وَهُوَ مُحْرِمٌ

محرم جب ٹڈی کو مار دے تو اس کی جزا کا بیان

۹۴۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ: أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ إِنِّي أَصَبْتُ جَرَادَاتٍ بِسَوْطِي وَأَنَا مُحْرِمٌ۔ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَطْعِمْ

قَبْضَةٌ مِنْ طَعَامٍ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین! میں نے اپنے کوڑے کے ساتھ کچھ ٹڈیاں مار دی تھیں جب کہ میں محرم تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ طعام کی ایک مٹھی کسی مسکین کو کھلا دے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر باب الحلال یذبح الصید الخ میں روایت کیا ہے اور اس میں اَنَا مُحْرِمٌ کا لفظ نہیں ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ مُحرم کے لئے جائز نہیں کہ ٹڈی کا شکار کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو کفارہ دے گا۔ اور ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹڈی معمولی سی چیز ہے لہذا اس کا فدیہ بھی معمولی ہونا چاہئے۔ آگے دیکھئے۔

۹۴۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَسَأَلَهُ عَنْ جَرَادَاتٍ قَتَلَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ فَقَالَ عُمَرُ لِكَعْبٍ: تَعَالَ حَتَّى نَحْكُمَ۔ فَقَالَ كَعْبٌ: دِرْهَمٌ۔ فَقَالَ عُمَرُ لِكَعْبٍ: إِنَّكَ لَتَجِدُ الدَّرَاهِمَ۔ لَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ میں نے ایک ٹڈی مار دی ہے جب کہ احرام میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے کعبؓ (الاحبار) سے فرمایا، آؤ ہم فیصلہ کریں۔ کعبؓ نے کہا کہ ایک درہم، تو حضرت عمرؓ نے کعبؓ سے فرمایا کہ تجھ کو درہم ملتے ہیں مگر ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔ (یعنی تیری رائے غلط ہے۔ ٹڈی ایک معمولی چیز ہے اس میں ایک درہم فدیہ نہیں ہو سکتا۔)

۷۸۔ بَابُ فِدْيَةِ مَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَنْحَرَ

جس نے نحر سے پہلے حلق کرا لیا اس کے فدیہ کا بیان

۹۴۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ بْنِ مَالِكٍ الْجَزَرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمًا۔ فَآذَاهُ الْقَمْلُ فِي رَأْسِهِ، فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ۔ وَقَالَ "صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ، مُدَّيْنِ مُدَّيْنِ لِكُلِّ إِنْسَانٍ۔ أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ۔ أَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ أَجْزَأَ عَنْكَ۔"

ترجمہ: کعب بن عُجرہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام میں تھا۔ تو اس کے سر میں جوئیں پڑ گئیں اور انھوں نے تکلیف دی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اپنا سر منڈوا دے اور فرمایا کہ تین دن کے روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ ہر انسان کو دو دو مُد۔ یا ایک بکری قربان کر دے۔ ان میں سے جو بھی کر لے، کافی ہوگا۔ (یہ حدیث موطّا امام محمدؒ میں باب کفّارۃ الاذٰی میں آئی ہے)

شرح: یہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ طعام کے بارے میں اس حدیث کی روایات کے الفاظ مختلف ہیں۔ ایک کا لفظ یہ ہے، تین صاع کھجور چھ مسکینوں کو کھلا دے۔ ایک میں یہ لفظ ہیں ایک فرق چھ مسکینوں کو بانٹ دے اور فرق کی مقدار تین صاع ہوتی تھی۔ امام محمدؒ نے اس حدیث پر لکھا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ اور یہی ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور عام فقہا کا مذہب ہے۔

۹۴۷۔ حَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ أَبِي الْحَجَّاجِ، عَنِ ابْنِ أَبِيْ لَيْلٰى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ "لَعَلَّكَ آذَاكَ هُوَامُّكَ"؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِحْلِقْ رَأْسَكَ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، أَوِ انْسُكْ بِشَاةٍ"۔

ترجمہ: کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شاید تیری جوؤں نے تجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ میں نے ہاں یا رسول اللہ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنا سر منڈوا دے اور تین دن کے روزے رکھ یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ایک بکری قربان کر۔

۹۴۸۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُرَاسَانِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: حَدَّثَنِيْ شَيْخٌ بِسُوْقِ الْبُرَمِ بِالْكُوْفَةِ، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، أَنَّهُ قَالَ: جَاءَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَنْفُخُ تَحْتَ قِدْرٍ لِأَصْحَابِيْ۔ وَقَدِ امْتَلَأَ رَأْسِيْ وَلِحْيَتِيْ قَمْلًا۔ فَأَخَذَ بِجَبْهَتِيْ، ثُمَّ قَالَ "اِحْلِقْ هٰذَا الشَّعَرَ۔ وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ" وَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ عِنْدِيْ مَا أَنْسُكُ بِهٖ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِيْ فِدْيَةِ الْأَذٰى: إِنَّ الْأَمْرَ فِيْهِ، أَنَّ أَحَدًا لَا يَفْتَدِيْ حَتّٰى يَفْعَلَ مَا يُوْجِبُ عَلَيْهِ الْفِدْيَةَ۔ وَإِنَّ الْكَفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُوْنُ بَعْدَ وُجُوْبِهَا عَلٰى صَاحِبِهَا وَأَنَّهٗ يَضَعُ فِدْيَتَهٗ حَيْثُ مَا شَاءَ۔ اَلنُّسُكَ، أَوِ الصِّيَامَ، أَوِ الصَّدَقَةَ۔ بِمَكَّةَ أَوْ بِغَيْرِهَا مِنَ الْبِلَادِ۔

قَالَ مَالِكٌ، لَا يَصْلُحُ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَنْتِفَ مِنْ شَعَرِهٖ شَيْئًا، وَلَا يَحْلِقَهٗ، وَلَا يُقَصِّرَهٗ،

يَحِلَّ، إِلَّا أَنْ يُصِيبَهُ أَذًى فِي رَأْسِهِ، فَعَلَيْهِ فِدْيَةٌ. كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى. وَلَا يَصْلُحُ لَهُ أَنْ يُقَلِّمَ أَظْفَارَهُ، وَلَا يَقْتُلَ قَمْلَةً، وَلَا يَطْرَحَهَا مِنْ رَأْسِهِ إِلَى الْأَرْضِ، وَلَا مِنْ جِلْدِهِ وَلَا مِنْ ثَوْبِهِ. فَإِنْ طَرَحَهَا الْمُحْرِمُ مِنْ جِلْدِهِ أَوْ مِنْ ثَوْبِهِ، فَلْيُطْعِمْ حَفْنَةً مِنْ طَعَامٍ.

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ نَتَفَ شَعَرًا مِنْ أَنْفِهِ، أَوْ مِنْ إِبْطِهِ، أَوِ اطَّلَى جَسَدَهُ بِنُورَةٍ، أَوْ يَحْلِقُ عَنْ شَجَّةٍ فِي رَأْسِهِ لِضَرُورَةٍ، أَوْ يَحْلِقُ قَفَاهُ لِمَوْضِعِ الْمَحَاجِمِ وَهُوَ مُحْرِمٌ، نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا إِنَّ مَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ، فَعَلَيْهِ الْفِدْيَةُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ. وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَحْلِقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ. وَمَنْ جَهِلَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ الْجَمْرَةَ، افْتَدَى.

ترجمہ: کعب بن عجرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں اس وقت اپنے دوستوں کی ایک ہنڈیا کے نیچے آگ دہکانے کے لئے پھونکیں مار رہا تھا اور میرا سر اور میری داڑھی جوؤں سے بھری پڑی تھی۔ پس حضورؐ نے میری پیشانی کو پکڑا، پھر فرمایا، یہ بال منڈوا دے اور تین دن کے روزے رکھ یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ مجھ میں جانور قربان کرنے کی قوت نہیں۔

شرح: ان دونوں حدیثوں میں مساکین کے کھانے کی مقدار نہیں آئی اور یہ حدیث اس لحاظ سے پچھلی احادیث کے خلاف ہے کہ اس میں قربانی کا حکم نہیں۔ کیونکہ حضورؐ کو علم ہوگیا تھا کہ کعب قربانی نہیں کرسکتا مطلب یہ ہے کہ پہلے آپؐ نے قربانی کا حکم بھی دیا تھا۔ مگر جب پتہ چل گیا کہ کعب میں استطاعت نہیں تو صرف کھانا کھلانے یا روزہ رکھنے میں اختیار دیا۔

ایضاً ترجمہ: امام مالکؒ نے اذی کے فدیے کے متعلق کہا کہ اس میں حکم یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص فدیے کا موجب کام نہ کرے، فدیہ ادا نہ کرے۔ کیونکہ کفارہ تو اس وقت دیا جاتا ہے جب کسی پر واجب ہو جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا جو چاہے فدیہ دے۔ جانور قربان کرے یا روزے رکھے یا صدقہ کرے۔ یہ کام مکہ میں کرے یا کسی اور شہر میں۔

مالکؒ نے کہا کہ محرم کے لئے اپنا کوئی بال اکھاڑنا حرام ہے اور نہ مونڈنا جائز ہے اور نہ کاٹنا جائز ہے جب تک کہ وہ احرام سے باہر نہ ہو جائے۔ مگر یہ کہ اس کے سر میں تکلیف ہو (مثلاً جوئیں وغیرہ) تو اس پر فدیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔ اور اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے ناخن کاٹے یا کوئی جوں مارے۔ اور نہ اسے اپنے سر سے نکال کر زمین پر پھینکے اور نہ اپنے جسم سے اور نہ اپنے کپڑے سے نکالے۔ اگر محرم اسے اپنے جسم سے یا اپنے کپڑے سے نکال پھینکے تو ایک مٹھی طعام کھلائے۔

(امام نوویؒ نے جوں کو نکالنے، پھینکنے اور مارنے میں کوئی کراہت اور کوئی فدیہ نہ ہونا لکھا ہے لیکن بالعموم یہ مسائل متفق علیہا ہیں۔

حاجی کو بہت اللہ میں پراگندہ حال ہو کر پیش ہونا ہوتا ہے۔ حاجی کی وضع قطع اور چال ڈھال عاشقانہ ہے اور عاشق ان معمولی باتوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ جس نے اپنی ناک سے یا بغل سے بال اکھاڑا یا بال صفا پاؤڈر اپنے جسم کی لیپ کی یا سر کے زخم سے بضرورت

بال مونڈے یا سینگی لگوانے کے لئے اپنی گدی کو مونڈا، درآنحالیکہ وہ مُحرِم تھا، بھول کرایسا کیا یا ناوانی کے ساتھ کیا تو ان سب کاموں کو کرنے والے پر فدیہ آتا ہے اور سینگی لگوانے کی جگہ کو مونڈنا جائز نہیں ہے۔ (فدیے کی مقدار میں علما کا اختلاف ہے جس کی تفصیل فقہ میں ملے گی۔ حنفی فقہ میں ہے کہ کسی عضو کے چوتھے حصے سے کم کو اگر مونڈا جائے تو صدقہ ہے اور زیادہ میں دم ہے۔ لیکن حالتِ اضطرار اور ضرورت میں اگر ایسا کرے تو روزے، صدقے اور دم میں سے کسی کو اختیار کرنے کا مجاز ہے۔)

مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے از راہ نادانی جمرہ کی رمی سے پہلے سر منڈایا تو اس پر فدیہ ہے۔ (کیونکہ جمرۃ العقبہ کی رمی سے قبل احرام کی پابندیاں نرم نہیں ہوتیں۔)

۷۹۔ بَابُ مَا يَفْعَلُ مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا

جو شخص مناسکِ حج میں سے کوئی بھول جائے اس کا بیان

شیخ الحدیث نے فرمایا کہ افعالِ حج تین قسم کے ہیں، ارکان، واجبات اور سُنن اور اس باب کے اثر سے مراد واجبات ہیں۔

۹۴۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا أَوْ تَرَكَهُ، فَلْيُهْرِقْ دَمًا۔

قَالَ أَيُّوبُ: لَا أَدْرِي، قَالَ: تَرَكَ، أَوْ نَسِيَ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ هَدْيًا، فَلَا يَكُونُ إِلَّا بِمَكَّةَ۔ وَمَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ نُسُكًا، فَهُوَ يَكُونُ حَيْثُ أَحَبَّ صَاحِبُ النُّسُكِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ جو شخص اپنے مناسک میں سے کسی چیز کو بھول گیا یا اسے چھوڑ دیا تو وہ ایک جانور کا خون گرائے۔ ایوب راوی نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ میرے اُستاد سعید بن جبیرؒ نے تَرَکَ کا لفظ بولا تھا یا نَسِیَ کا۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر باب مَنْ قَدَّمَ نُسُکًا قَبْلَ نُسُکٍ میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں اس اثر سے پہلے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث روایت کی ہے جو یحییٰ نے مؤطائے مالک میں باب جامع الحج میں بیان کی ہے اور آگے آ رہی ہے۔ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ لوگوں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی سوال کئے، جن کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے مناسکِ حج میں تقدیم وتاخیر کر دی ہے۔ حضورؐ ہر سوال کے جواب میں فرماتے جاتے کہ وہ اب کر لو کوئی حرج نہیں۔ امام محمدؒ نے لکھا ہے کہ ہم اس حدیث کو اختیار کرتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ان میں سے کسی چیز میں حرج نہیں ہے۔ اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان میں سے کسی چیز میں حرج نہیں ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان میں سے کسی چیز میں کفارہ نہیں سوائے ایک چیز کے، اور وہ یہ ہے کہ تمتع اور قِران کرنے والا جب ہدی ذبح کرنے سے پہلے حلق کرائے تو ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اس پر دم واجب ہے لیکن ہم اس پر کچھ واجب نہیں سمجھتے۔ (خلاصہ یہ کہ اس مسئلے کی ایک شق میں استاد اور شاگرد میں اختلاف واقع ہوا ہے۔)

ایضاً ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ اُوپر کے اثر میں جو ہدی ہو وہ مکّہ کے سوا اور کہیں نہیں ہوتی اور جو چیز نسک رفدیۃ الاذیٰ) ہو تو اسے جہاں بھی وہ نسک والا شخص چاہے ادا کر دے۔ (مگر حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہدی اور نسک کا محل حرم ہے لہٰذا وہیں ذبح ہوگی، اس سے باہر نہیں۔)

۴۰- بَابُ جَامِعِ الْفِدْيَةِ

فدیہ کے مختلف متفرق مسائل کا باب

۹۵۰- قَالَ مَالِكٌ، فِيمَنْ أَرَادَ أَنْ يَلْبَسَ شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ الَّتِي لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَلْبَسَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ، أَوْ يُقَصِّرَ شَعَرَهُ، أَوْ يَمَسَّ طِيبًا مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ، لِيَسَارَةِ مُؤْنَةِ الْفِدْيَةِ عَلَيْهِ. قَالَ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ وَإِنَّمَا أُرْخِصَ فِيهِ لِلضَّرُورَةِ. وَعَلَى مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ الْفِدْيَةُ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ: عَنِ الْفِدْيَةِ مِنَ الصِّيَامِ، أَوِ الصَّدَقَةِ، أَوِ النُّسُكِ، أَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ فِي ذٰلِكَ؟ وَمَا النُّسُكُ؟ وَكَمِ الطَّعَامُ؟ وَبِأَيِّ مُدٍّ هُوَ؟ وَكَمِ الصِّيَامُ؟ وَهَلْ يُؤَخِّرُ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ أَمْ يَفْعَلُهُ فِي فَوْرِهِ ذٰلِكَ؟ قَالَ مَالِكٌ: كُلُّ شَيْءٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فِي الْكَفَّارَاتِ، كَذَا أَوْ كَذَا، فَصَاحِبُهُ مُخَيَّرٌ فِي ذٰلِكَ. أَيَّ شَيْءٍ أَحَبَّ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ، فَعَلَ: وَأَمَّا النُّسُكُ فَشَاةٌ وَأَمَّا الصِّيَامُ فَثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. وَأَمَّا الطَّعَامُ فَيُطْعِمُ سِتَّةَ مَسَاكِينَ. لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدَّانِ. بِالْمُدِّ الْأَوَّلِ، مُدِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَسَمِعْتُ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ: إِذَا رَمَى الْمُحْرِمُ شَيْئًا مِنَ الصَّيْدِ لَمْ يُرِدْهُ، فَقَتَلَهُ. إِنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَفْدِيَهُ. وَكَذٰلِكَ الْحَلَالُ يَرْمِي فِي الْحَرَمِ شَيْئًا، فَيُصِيبُ صَيْدًا لَمْ يُرِدْهُ، فَيَقْتُلُهُ: إِنَّ عَلَيْهِ أَنْ يَفْدِيَهُ. لِأَنَّ الْعَمْدَ وَالْخَطَأَ فِي ذٰلِكَ بِمَنْزِلَةٍ. سَوَاءٌ.

قَالَ مَالِكٌ: فِي الْقَوْمِ يُصِيبُونَ الصَّيْدَ جَمِيعًا وَهُمْ مُحْرِمُونَ. أَوْ فِي الْحَرَمِ. قَالَ أَرَى أَنَّ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ جَزَاءَهُ. إِنْ حُكِمَ عَلَيْهِمْ بِالْهَدْيِ، فَعَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ هَدْيٌ. وَإِنْ حُكِمَ عَلَيْهِمْ بِالصِّيَامِ، كَانَ عَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمُ الصِّيَامُ. وَمِثْلُ ذٰلِكَ الْقَوْمُ يَقْتُلُونَ الرَّجُلَ

خَطَأً۔ فَتَكُونُ كَفَّارَةُ ذٰلِكَ، عِتْقَ رَقَبَةٍ عَلٰى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ۔ أَوْ صِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ عَلٰى كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ۔

قَالَ مَالِكٌ: مَنْ رَمٰى صَيْدًا، أَوْ صَادَهُ بَعْدَ رَمْيِهِ الْجَمْرَةَ، وَحِلَاقِ رَأْسِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يُفِضْ: إِنَّ عَلَيْهِ جَزَاءَ ذٰلِكَ الصَّيْدِ۔ لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا۔ وَمَنْ لَمْ يُفِضْ، فَقَدْ بَقِيَ عَلَيْهِ مَسُّ الطِّيبِ وَالنِّسَاءِ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَيْسَ عَلَى الْمُحْرِمِ فِيمَا قَطَعَ مِنَ الشَّجَرِ فِي الْحَرَمِ شَيْءٌ۔ وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنَّ أَحَدًا حَكَمَ عَلَيْهِ فِيهِ بِشَيْءٍ۔ وَبِئْسَ مَا صَنَعَ۔

قَالَ مَالِكٌ، فِي الَّذِي يَجْهَلُ، أَوْ يَنْسٰى صِيَامَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، أَوْ يَمْرَضُ فِيهَا فَلَا يَصُومُهَا حَتّٰى يَقْدَمَ بَلَدَهُ۔ قَالَ: لِيُهْدِ إِنْ وَجَدَ هَدْيًا وَإِلَّا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي أَهْلِهِ، وَسَبْعَةً بَعْدَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جو کپڑے حالتِ احرام میں پہننے جائز نہیں، جو ان میں کچھ پہننا چاہے یا وہ اپنے بال کٹائے یا بلا ضرورت خوشبو لگائے، کیونکہ وہ فدیے کے بوجھ کو آسان جانتا ہو، امام مالکؒ نے کہا کہ اسے ان میں سے کوئی کام کرنا جائز نہیں اور رخصت اگر ہے تو صرف ضرورت کی وجہ سے ہے، اور جو آدمی ایسا کرے اس پر فدیہ واجب ہے۔ (یعنی ضرورت کی وجہ سے اگر ایسا کرے تو فدیہ آئے گا۔ کیونکہ محظوراتِ احرام میں عمد و سہو اور عذر اور بغیر عذر سب کا حکم ایک جیسا ہے۔)

اور مالکؒ سے روزے یا صدقے یا قربانی کے فدیے کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا اس میں آدمی کو اختیار ہے اور یہ کہ نسک کیا چیز ہے اور طعام کتنا ہے اور کس مُد کے ساتھ ہے؟ اور روزے کتنے ہیں؟ اور آیا ان سب کو فوراً کرنا واجب ہے یا کچھ تاخیر بھی جائز ہے؟ مالکؒ نے کہا کہ ہر چیز جو اللہ کی کتاب میں "اَوْ (یا)" کے لفظ کے ساتھ آئی ہے تو اس میں اختیار دیا گیا ہے۔ ان میں جس چیز کو زیادہ اچھا جانے کہ کرے تو کر لے۔ جہاں تک نسک کا تعلق ہے اس سے مراد بکری ہے اور روزے تین دن کے ہیں اور کھانا چھ مساکین کا ہے۔ ہر مسکین کو دو مُد کھلائے پہلے مُد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد کے ساتھ۔ (ابواب القیام میں تفصیل گزر چکی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نصف صاع ہے اور اس کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض علما سے سنا وہ کہتے تھے کہ جب محرم نے شکار کے علاوہ کسی اور چیز پر پتھر یا تیر پھینکا اور اس کے ارادے کے بغیر وہ کسی شکار کو جا لگا۔ اور اسے مار دیا تو اس پر اس کا فدیہ واجب ہے۔ اور اسی طرح غیر محرم جب حدِ حرم کے اندر کسی چیز پر پتھر پھینکے اور وہ اس کے ارادے کے بغیر کسی شکار کو جا لگے اور اسے قتل کر دے تو اس پر اس کا فدیہ واجب ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں عمد اور خطا برابر ہے۔ (اہل ظاہر کے سوا یہ مسئلہ سب کا اجماعی ہے۔ بقول زہریؒ عمد کا فدیہ کتاب اللہ سے

اور خطا کا فدیہ سنت سے ثابت ہے۔)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر چند لوگ مل کر شکار کریں اور وہ احرام میں ہوں یا حدِ حرم میں ہوں، تو میری رائے میں ان میں سے ہر انسان پر پوری جزا ہے۔ اور اگر ان کے خلاف ہدی کا فیصلہ ہو تو ان میں سے ہر انسان پر ہدی واجب ہے۔ اور اگر ان کے خلاف صیام کا فیصلہ ہوا تو ہر انسان پر جدا گانہ روزے ہیں۔ اور اسی طرح کچھ لوگ اگر ایک آدمی کو خطا سے مار ڈالیں تو ایک غلام آزاد کرنے کا کفارہ ان میں سے ہر انسان پر الگ الگ ہوگا یا دو دو کے مسلسل روزے ہر ایک پر جدا گانہ ہوں گے۔ (حنفیہ کا مذہب مُحرِم میں یہی ہے۔ مگر حدِ حرم کے اندر والے مسئلے میں ان کا کچھ اختلاف ہے۔ جس کا ذکر ابواب الصید میں ہوا۔ قتلِ خطا کا مسئلہ آگے آئے گا۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس شخص نے جمرہ کی رمی اور سر کے حلق کے بعد شکار پر تیر چلایا یا اسے شکار کر لیا۔ اور اس نے ابھی طوافِ افاضہ نہ کیا تھا تو اس کے ذمہ اس شکار کی جزا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو۔ اور جس نے طوافِ افاضہ نہیں کیا تو اس کے احرام کا کچھ حصہ باقی ہے۔ مثلاً عورتوں سے ملاقات اور خوشبو لگانا منع ہے۔ (خوشبو کا مسئلہ صرف مالکیہ کے نزدیک ہے۔ دوسرے علما کے نزدیک بالاجماع اس کے ذمے صرف عورتوں کے ملنے کی حرمت باقی ہے۔ اور جمہور کے نزدیک رمی اور حلق کے بعد شکار بھی حلال ہے۔ یعنی جب کہ حرم کے اندر نہ ہو۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جس نے حرم کے درختوں میں سے کچھ قطع کیا تو اس نے بہت بُرا کیا۔ مگر اس کا کوئی فدیہ نہیں اور نہ ہمیں خبر پہنچی ہے کہ کسی نے اس میں کوئی فیصلہ کیا ہو۔ (اس مسئلے میں ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک جزا ہے۔ اور یہ ابن عباسؓ اور عطا سے بھی مروی ہے۔ اور اس جزا کا فیصلہ درخت کے بڑے چھوٹے ہونے کے لحاظ سے ہوگا۔ گھاس کاٹنا بروئے حدیث جائز ہے۔ درختوں کے بارے میں مسائل کی بے شمار فروع ہیں۔ جن میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ مگر ہم نے بنظرِ اختصار اسے چھوڑ دیا ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو از راہِ نادانی یا بھول کر ایامِ حج میں تین دن کے روزے نہ رکھے (جب کہ وہ واجب ہو گئے تھے۔) یا بیماری کے باعث نہ رکھ سکے اور واپس اپنے وطن چلا جائے۔ تو اگر ہدی پائے تو ہدی دے ورنہ تین دن کے روزے رکھے اور پھر کچھ دیر بعد سات روزے رکھے۔ (حنفیہ کے نزدیک جو یوم نحر سے قبل تین روزے نہ رکھ سکے، اب اس کا کفارہ صرف ہدی متعین ہو گیا اور یہ ہدی حدودِ حرم کے اندر دی جائے گی۔

۸۱۔ بَابُ جَامِعُ الْحَجِّ

حج کے مسائل کی متفرق روایات کا باب

۹۵۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ قَالَ: وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنَّاسِ بِمِنًى. وَالنَّاسُ يَسْأَلُونَهُ. فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ. لَمْ أَشْعُرْ، فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "انْحَرْ، وَلَا حَرَجَ" ثُمَّ جَاءَهُ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. لَمْ

أَشْعُرَ، فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ "إِرْمِ، وَلَا حَرَجَ" قَالَ: فَمَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ، قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ، إِلَّا قَالَ "إِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے (اپنی اونٹنی پر) وقوف فرما رہے تھے۔ اور لوگ آپؐ سے سوال کر رہے تھے۔ پس ایک مرد آیا اور بولا، یا رسول اللہ مجھے نسیان ہوا اور میں نے نحر سے پہلے حلق کرا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ذبح کرا اور کوئی حرج نہیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور بولا یا رسول اللہؐ میں نے بھولے سے رمی سے قبل نحر کر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمی کرا، کوئی حرج نہیں۔ عبداللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدیم و تاخیر کے متعلق جو سوال بھی کیا گیا آپؐ نے فرمایا کرا اور کوئی حرج نہیں۔

شرح: حضورؐ لوگوں کے سوالات کا جواب دینے اور انہیں مناسکِ حج کی تعلیم دینے کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجمع چونکہ بہت بڑا تھا لہٰذا اپنی اور لوگوں کی آسانی کے خیال سے آپؐ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ اور لوگوں نے اونٹنی کو گھیر رکھا تھا۔ اس حدیث کی مختلف روایات جو کتبِ حدیث میں ہیں، ان میں دن اور جگہ کا تعین کا اختلاف بھی ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ حضورؐ کی سواری جدھر کو نکلتی تھی، لوگ اسے گھیرے رہتے تھے۔ اور سوال کرتے تھے۔ طحاوی کی روایت میں ہے کہ سوال کرنے والے اعراب تھے۔ پس یہی سبب ہے کہ ان کے نام محفوظ نہیں رہے۔ یہی وہ حدیث ہے جسے مؤطائے محمد میں باب مَنْ قَدَّمَ نُسُكًا قبل نُسُكٍ میں روایت کیا گیا ہے۔ اور امام محمدؒ نے اس پر نوٹ لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک تقدیم و تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ مگر ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک مسئلہ میں کہا ہے کہ اس شخص پر دم واجب ہے۔ اور وہ یہ کہ قران یا متمتع والا اگر ذبح سے پہلے حلق کرا لے۔ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کا مسلک تو واضح ہوا، مگر مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک رمی اور ذبح پر حلق کو مقدم کرنے سے دم واجب ہے۔ اور ان کے نزدیک حضورؐ کے ارشاد لَا حَرَجَ کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہ نہیں ہوا۔ مگر اس میں دم کے وجوب کی نفی نہیں ہے۔ اور سائل نے جو کچھ کیا، چونکہ نادانی سے کیا تھا، لہٰذا حضورؐ نے گناہ کی نفی فرمائی۔

۹۵۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ، إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ، يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ. ثُمَّ يَقُولُ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ. لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آئِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ. لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ. وَنَصَرَ عَبْدَهُ. وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے یا حج یا عمرہ سے واپس تشریف لاتے تو زمین کی ہر بلند جگہ پر تین بار تکبیر کہتے۔ پھر یہ دعا کرتے تھے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الخ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود

نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس آرہے ہیں۔ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں۔ اپنے رب کے لئے سجدہ کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دے دی۔ (موطا ے امام محمد میں یہ حدیث باب اَلْقُفُوْلِ مِنَ الْحَجِّ اَوِالْعُمْرَةِ میں مروی ہے۔)

۹۵۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَیْبٍ مَوْلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِامْرَاَةٍ وَهِیَ فِیْ مِحَفَّتِهَا۔ فَقِیْلَ لَهَا: هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ فَاَخَذَتْ بِضَبْعَیْ صَبِیٍّ كَانَ مَعَهَا۔ فَقَالَتْ: اَلِهٰذَا حَجٌّ؟ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ "نَعَمْ۔ وَلَكِ اَجْرٌ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کریب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک زنانہ ہودج میں سوار تھی۔ اسے بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اس نے ایک بچے کے بازو پکڑے جو اس کے ساتھ تھا۔ اسے ہودج سے باہر نکالا اور کہنے لگی، یا رسول اللہ کیا اس کا بھی حج ہے؟ آپؐ نے ہاں اور تجھے اجر ملے گا۔

شرح: جمہور کے نزدیک بچوں کا حج صحیح ہے۔ بعض بدعتیوں نے اس سے انکار کیا ہے مگر ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور اجماع امت کے سامنے مردود ہے۔ حضورؐ کے آخری حج میں آپؐ کے رشتہ دار بعض بچے بھی موجود تھے جنہیں بھیڑ بھاڑ سے بچانے کے لئے منیٰ سے جلدی مکہ روانہ کیا گیا۔ اور عرفہ سے منیٰ کو بھیجا گیا تھا۔ بعض لڑکے باری باری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوتے رہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچوں کا حج ان کی تربیت و تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ ان پر محظورات احرام کی خلاف ورزی سے کوئی شرعی فدیہ واجب نہیں ہوتا۔ جمہور کے نزدیک بچے کا حج نفل ہے اور بالغ ہو کر اگر اس پر حسب شرائط حج فرض ہو جائے تو وہ اسے ادا کرے۔ وَلَكِ اَجْرٌ کا معنی یہ نہیں کہ بچے کا حج کا ثواب تجھے ہوگا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ تجھے بھی ثواب ہوگا۔ یہاں یہ حدیث مرسل ہے۔ مگر صحاح میں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ موصول بھی آئی ہے۔

۹۵۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ اَبِیْ عَبْلَةَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِیْزٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَا رُؤِیَ الشَّیْطَانُ یَوْمًا، هُوَ فِیْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْیَظُ مِنْهُ فِیْ یَوْمِ عَرَفَةَ۔ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا رَاٰی مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ، وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ، اِلَّا مَا اُرِیَ یَوْمَ بَدْرٍ" قِیْلَ: وَمَا رَاٰی، یَوْمَ بَدْرٍ، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "اَمَا اِنَّهُ قَدْ رَاٰی جِبْرِیْلَ یَزَعُ الْمَلَائِكَةَ"۔

ترجمہ: طلحہ بن عبیداللہ بن کریز (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان کو کسی دن اتنا

ذلیل، اتنا مردود، اتنا حقیر اور اتنا غصہ سے بھرا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ جتنا کہ وہ یوم عرفہ میں ہوتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ رحمت کے نازل ہونے کو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کبیرہ گناہوں کے درگزر کرنے کو دیکھتا ہے۔ ہاں یوم بدر میں بھی وہ اسی طرح حقیر و ذلیل دیکھا گیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یوم بدر میں اس نے کیا دیکھا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جبرئیل کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف بندی کر رہے تھے۔

شرح: بدر میں ملائکۃ اللہ اہل ایمان کے لئے رحمتیں، سکون و امن اور یقین و اطمینان لے کر آئے تھے۔ اور حسب ضرورت ان کا جنگ میں حصہ لینا بھی ثابت ہے۔ عرفہ کے دن وہ اسلام کی شان و شوکت، مومنوں کا عجز و نیاز اور رحمت الٰہی کا ان پر احاطہ دیکھتا ہے تو نہایت ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث بعض دوسری سندوں سے کتب حدیث میں مسند آئی ہے۔

۹۵۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، مَوْلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ كَرِيزٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ قَالَ "أَفْضَلُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ. وَأَفْضَلُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ"۔

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ بن کریز سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور میری اور مجھ سے پہلے نبیوں کی دعا یہ ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الخ " اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں"۔

شرح: یہ حدیث موطا میں مرسل ہے اور علیؓ، ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ سے دوسری کتابوں سے مسند آئی ہے۔ حدیث ابی ہریرہؓ میں اس کے بعد اتنا اضافہ ہے لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور حدیث علیؓ میں يُحْيِي وَيُمِيتُ کا اضافہ نہیں آیا۔

۹۵۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ، عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ. فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اقْتُلُوهُ".

قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَوْمَئِذٍ، مُحْرِمًا. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے سال مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر مغفر (لوہے کا ٹوپ) تھا۔ جب آپ نے اسے اتارا تو آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے قتل کر دو۔

مالکؒ نے ابن شہاب کا قول نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن احرام باندھے ہوئے نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

شرح: ابن خطل کا نام عبداللہ بن ہلال بن خطل یا غالب بن عبداللہ بن خطل تھا۔ یہ ان دس آدمیوں میں شامل تھا، جن کے

متعلق دخول مکّہ سے قبل حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں پناہ نہیں ہے اور جہاں ملیں قتل کیے جائیں۔ یہ اسلام کا شدید دشمن، حضورؐ کا ہجوگو اور ایمان کے بعد مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا۔ ارتداد کا باعث بھی ایک مسلمان کا قتل ناحق تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں، جو حضورؐ کے ہجو کے اشعار گاتی تھیں اور دشمنانِ اسلام کا دل لبھاتی تھیں۔ اسے فتح مکّہ کے دن کعبۃ اللہ کے پردوں سے نکال کر زمزم اور مقامِ ابراہیم کے مابین قتل کیا گیا تھا۔ سعید بن حُریث رضؓ اور ابوبرزہ اسلمی اس کے قاتل تھے۔ محدثین اور سیرت نگاروں میں سے کسی نے یہ نقل نہیں کیا کہ حضورؐ نے فتح مکّہ کے واقعہ کے بعد احرام کھولا ہو۔ بعض نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ آپؐ مُحرم تھے۔ مگر احتمال بہرحال احتمال ہی ہے۔ حدِّ حرم سے احرام کے بغیر گزرنا بلا ضرورتِ شرعی جائز نہیں ہے۔ حضورؐ کے اپنے ارشاد کے مطابق ایک شرعی ضرورت کی بناپر دن کے تھوڑے سے حصے میں صرف حضورؐ کی خاطر حرمت کعبہ حلال کی گئی تھی۔ (امام محمدؒ نے اسے بابِ دُخولِ مکّہ بِسلاَح میں روایت کیا ہے۔ امام محمدؒ نے کہا ہے کہ فتح مکّہ کے دن حضورؐ مکّہ میں بلا احرام داخل ہو گئے تھے۔ اور یہی باعث تھا کہ آپؐ کے سر پر خود تھا۔ اور ہمیں خبر ملی ہے کہ جب آپؐ نے حنین سے احرام باندھا تو فرمایا ُعمرہ اس لیے ہے کہ ہم مکّہ میں بلا احرام داخل ہو گئے تھے۔ یعنی فتح مکّہ کے دن۔ پس ہمارے نزدیک یہی حکم ہے کہ جو مکّہ میں بلا احرام داخل ہو، اسے لازم ہے کہ باہر نکل کر احرام باندھے اور حج یا عمرہ کرے اور یہ ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

٩٥٧- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ. حَتّٰى إِذَا كَانَ بِقُدَيْدٍ جَاءَهُ خَبَرٌ مِنَ الْمَدِينَةِ. فَرَجَعَ فَدَخَلَ مَكَّةَ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ بِمِثْلِ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مکّہ میں قدید تک آ گئے تھے کہ انہیں مدینہ سے ایک خبر ملی وہ واپس ہوئے اور بلا احرام مکّہ میں داخل ہوئے۔ مالکؒ نے ابن شہاب سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔

شرح: مدینہ اس وقت مسلم بن عقبہ مُرّی کی فوج کے گھیرے میں تھا اور واقعۂ حرّہ انہی دنوں میں پیش آیا تھا۔ جس میں حرمِ مدینہ کی حرمت کو پامال کیا گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کا دَور تھا۔ حنفیہ نے کہا ہے کہ مقامِ قُدید میقات کے اندر ہے۔ لہٰذا ابن عمرؓ نے احرام نہ باندھا۔

٩٥٨- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ الدِّيلِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِمْرَانَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ، عَدَلَ إِلَيَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَأَنَا نَازِلٌ تَحْتَ سَرْحَةٍ بِطَرِيقِ مَكَّةَ. فَقَالَ: مَا أَنْزَلَكَ تَحْتَ هٰذِهِ السَّرْحَةِ؟ فَقُلْتُ: أَرَدْتُ ظِلَّهَا. فَقَالَ: هَلْ غَيْرُ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ: لَا. مَا أَنْزَلَنِي إِلَّا ذٰلِكَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِذَا كُنْتَ بَيْنَ الْأَخْشَبَيْنِ مِنْ مِنًى، وَنَفَخَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، فَإِنَّ هُنَاكَ وَادِيًا يُقَالُ

لَهُ السُّرَرُ۔ بِهِ شَجَرَةٌ سُرَّ تَحْتَهَا سَبْعُونَ نَبِيًّا۔

ترجمہ: محمد بن عمران انصاری نے اپنے باپ سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ میری طرف لوٹے۔ جب کہ میں مکہ کے راستے میں ایک درخت کے نیچے اُترا ہوا تھا۔ عبداللہؓ نے کہا کہ تُو اس درخت کے نیچے کیوں اُترا ہے۔ میں نے کہا میں نے اس کے سائے کا ارادہ کیا تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ تُو نے اس کے علاوہ بھی کچھ چاہا تھا؟ میں نے کہا کہ نہیں مجھے یہاں صرف اس چیز نے اتارا ہے۔ پس عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو منیٰ کے دو پہاڑوں (ابو قبیس اور الاحمر) کے درمیان ہو، اور اپنے ہاتھ کے ساتھ مشرق کی طرف اشارہ فرمایا، تو بے شک وہاں ایک وادی ہے جس کو سرر کہتے ہیں۔ اس میں ایک درخت ہے، جس کے نیچے ستر نبیوں کی پیدائش ہوئی اور نال کاٹی گئی۔

۹۵۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ مَرَّ بِامْرَاَةٍ مَجْذُومَةٍ، وَهِيَ تَطُوفُ بِالْبَيْتِ۔ فَقَالَ لَهَا: يَا اَمَةَ اللّٰهِ۔ لَا تُؤْذِي النَّاسَ۔ لَوْ جَلَسْتِ فِي بَيْتِكِ۔ فَجَلَسَتْ۔ فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ بَعْدَ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ لَهَا: اِنَّ الَّذِي كَانَ قَدْ نَهَاكِ، قَدْ مَاتَ، فَاخْرُجِي۔ فَقَالَتْ: مَا كُنْتُ لِاُطِيعَهُ حَيًّا۔ وَاَعْصِيَهُ مَيِّتًا۔

ترجمہ: ابن ابی مُلیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کوڑھ زدہ عورت کے پاس سے گزرے جو بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ آپ نے اس سے فرمایا: اے اللہ کی بندی تو لوگوں کو دُکھ نہ دے کاش کہ تو اپنے گھر بیٹھی رہتی۔ پس وہ بیٹھ گئی (یعنی گھر میں) اس کے بعد وہاں سے ایک مرد گزرا اور اس سے کہنے لگا جس نے تجھ کو منع کیا تھا وہ فوت ہو چکا ہے تو اب تو گھر سے باہر نکل آ (اور طواف کرے) وہ بولی، یہ نہیں ہو سکتا کہ زندگی میں میں اس کی اطاعت کروں اور وفات کے بعد اس کی نافرمانی کروں۔

شرح: اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھ کو منع کرنے والے کی بات برحق تھی اور اس کا ماننا ہر وقت لازم ہے۔ اس کی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بدبُودار چیزیں کھا کر آنے والوں کو مسجد کے داخلے سے روکا جاتا تھا۔ اور کئی دفعہ اسے بقیع تک پرے جایا جاتا تھا۔ تو کوڑھ والے کا معاملہ تو اس سے شدید تر تھا۔ یہی سبب تھا کہ جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے نہایت نرم الفاظ میں منع فرمایا تھا۔ تاکہ ایک طرف تو اس کی دل شکنی نہ ہو اور دوسری طرف لوگوں کو بھی اس سے اذیت نہ پہنچے۔ مرض اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اسی کے حکم سے دُور ہوتا ہے۔ لیکن شرع نے ہمیں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ مرض کے متعدی ہو جانے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں جو من جانب اللہ ہیں۔

۹۶۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُولُ، مَا بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ الْمُلْتَزَمُ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے، حجرِ اسود اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے درمیان ملتزم ہے

رحیٹ کر دعا کرنے کی جگہ، جہاں پر دعا قبول ہوتی ہے۔)

شرح: اس حدیث میں بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ کے لفظ بھی ہیں مگر صحیح بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْبَابِ ہے اور ان کے درمیان چار ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ ابو داؤد کی روایت کے مطابق عبداللہ بن عمرؓ نے اس مقام پر چمٹ چمٹ کر بڑے الحاح وزاری سے دعا مانگی تھی۔ اور کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے تھے۔ حصن حصین میں ایک مسلسل حدیث کا ذکر ہے جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا، ملتزم ایسی جگہ ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ بندہ وہاں جو دعا بھی کرے، قبول ہوتی ہے۔

۹۶۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَذْكُرُ: أَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ. وَأَنَّ أَبَا ذَرٍّ سَأَلَهُ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ فَقَالَ: أَرَدْتُ الْحَجَّ. فَقَالَ: هَلْ نَزَعَكَ غَيْرُهُ؟ فَقَالَ: لَا. قَالَ فَأْتَنِفِ الْعَمَلَ. قَالَ الرَّجُلُ فَخَرَجْتُ حَتَّى قَدِمْتُ مَكَّةَ. فَمَكَثْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ. ثُمَّ إِذَا أَنَا بِالنَّاسِ مُنْقَصِفِينَ عَلَى رَجُلٍ. فَضَاغَطْتُ عَلَيْهِ النَّاسَ. فَإِذَا أَنَا بِالشَّيْخِ الَّذِي وَجَدْتُ بِالرَّبَذَةِ. يَعْنِي أَبَا ذَرٍّ. فَلَمَّا رَآنِي، عَرَفَنِي فَقَالَ هُوَ الَّذِي حَدَّثْتُكَ.

ترجمہ: محمد بن یحییٰ بن حبان نے کہا کہ ایک آدمی ابوذرؓ کے پاس سے ربذہ میں گزرا۔ اور ابوذرؓ نے اس سے پوچھا کہ تیرا ارادہ کہاں کا ہے؟ اس نے کہا کہ میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ ابوذرؓ نے کہا کہ کیا اس کے سوا کسی اور چیز نے تجھ کو گھر سے نکالا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ ابوذرؓ نے کہا پھر تو نئے سرے سے عمل شروع کر۔ (یعنی گزشتہ گناہ تو بخشے گئے اب اگلوں کی فکر کر) اس مرد نے کہا کہ میں نکلا حتیٰ کہ مکہ میں گیا۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں رہا۔ پھر اچانک ایک دن میں نے لوگوں کو ایک شخص پر بھیڑ لگائے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو دھکیل کر اس تک پہنچا تو وہاں پر وہی بوڑھا تھا جسے میں نے ربذہ میں پایا تھا۔ یعنی ابوذرؓ۔ اس نے کہا کہ ابوذر نے مجھے پہچان لیا اور کہا کہ بات وہی ہے جو میں نے تجھے بتائی تھی۔ (یعنی گزشتہ گناہ معاف ہو گئے اور اب نیا حساب شروع ہو گا۔)

۹۶۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ، عَنِ الِاسْتِثْنَاءِ فِي الْحَجِّ. فَقَالَ: أَوَ يَصْنَعُ ذَلِكَ أَحَدٌ؟ وَأَنْكَرَ ذَلِكَ.

سُئِلَ مَالِكٌ. هَلْ يَحْتَشُّ الرَّجُلُ لِدَابَّتِهِ مِنَ الْحَرَمِ؟ فَقَالَ: لَا.

ترجمہ: مالکؒ نے ابن شہابؒ سے حج میں استثناء کے متعلق پوچھا (یعنی احرام باندھتے وقت یہ کہنا کہ اگر مجبوری ہو گئی تو احرام کھول دوں گا) تو ابن شہاب نے کہا کہ کیا کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے؟ اور اس نے اس چیز کا انکار کیا۔

شرح: مجبوری کی صورت میں جب آدمی خود ہی عام احکام کا مخاطب نہیں رہتا تو پھر مُنہ سے استثنا کا لفظ بولنے کا حاصل؟ امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کا یہی مذہب ہے کہ یہ استثنا بے کار ہے۔ اس پر کوئی شرعی حکم مبنی نہیں۔

۸۲۔ بَابُ حَجِّ الْمَرْاَةِ بِغَيْرِ ذِي مَحْرَمٍ

عورت کا حج غیر محرم کے ہمراہ

۹۶۳۔ قَالَ مَالِكٌ فِي الصَّرُورَةِ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَمْ تَحُجَّ قَطُّ: اِنَّهَا اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ يَخْرُجُ مَعَهَا، اَوْ كَانَ لَهَا، فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا: اَنَّهَا لَا تَتْرُكُ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلَيْهَا فِي الْحَجِّ. لِتَخْرُجْ فِي جَمَاعَةِ النِّسَاءِ۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے اس تارکِ نکاح عورت کے بارے میں کہا جس نے حج نہیں کیا کہ اگر اس کا کوئی محرم نہ ہو، جو اس کے ساتھ حج کو جائے، یا ہے تو سہی مگر اسے جانے کی استطاعت نہیں، تو وہ عورت اللہ تعالیٰ کے اس فرض کو ترک نہ کرے، جو اس کے ذمّے ہے۔ یعنی حج، اور اسے عورتوں کی جماعت میں حج کو چلے جانا چاہیئے۔

شرح: امام ابو حنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ اور فقہا و محدثین کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حج کی فرضیت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ عورت کے ساتھ جانے والا کوئی محرم مرد موجود ہو اور وہ جانے پر بھی رضا مند ہو۔ مالک اور شافعیؒ کے نزدیک محرم کا وجود اور اس کی رضامندی شرطِ وجوب نہیں ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ عورت اپنے کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ اس مضمون کی حدیث ابوہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے بھی مروی ہے۔

۸۳۔ بَابُ صِيَامِ التَّمَتُّعِ

تمتع والے کا روزہ رکھنا

۹۶۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ: اَلصِّيَامُ لِمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ لِمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا، مَا بَيْنَ اَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ عَرَفَةَ۔ فَاِنْ لَمْ يَصُمْ، صَامَ اَيَّامَ مِنًى۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِي ذٰلِكَ، مِثْلَ قَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ تمتع کرنے والے کو روزہ رکھنا پڑتا ہے، جب کہ وہ

شخص حج کا احرام باندھنے سے لے کر یوم عرفہ تک ہدی نہ پائے۔ پس اگر اس مدت میں روزہ نہ رکھے تو ایامِ منیٰ میں رکھ لے۔ (یعنی ایام تشریق میں۔ مگر صریح احادیث میں ایام تشریق کے روزے کی حرمت بیان کی ہے۔ پس حنفیہ کے نزدیک جو آدمی اس حالت میں مبتلا ہو اس پر ہدی باقی رہے گی۔ جب تک کہ اسے حسبِ دستورِ شرع ادا نہ کرے۔)
عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسا قول ہے۔

۲۱۔ کِتَابُ الجِہَادِ

جہاد مصدر ہے اور اس کا مادہ جہد ہے۔ شرعاً جہاد کا معنیٰ ہے دینِ حق کی سربلندی کے لئے سر توڑ کوشش کرنا۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً مالی جہاد، زبانی جہاد، قلمی جہاد، تبلیغی جہاد، جہاد بالنفس، جہاد بالکفار۔ آخری جہاد اس کی انتہائی صورت ہے۔ نفس کے ساتھ جہاد اسلامی عقائد کو صحیح طور پر سمجھنے، دل سے ان پر یقین کرنے اور ان کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے نیک اعمال کی بجا آوری اور بداعمال سے پرہیز کے ساتھ ہوتا ہے۔ ابلیس انسان کا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن ہے۔ اس کی راہ پر چلنے سے گریز کرنا، اس کے وسوسوں کا مقابلہ کرنا اور اس کی گہری چالوں سے بچنا شیطان کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور یہ بھی جہاد بالنفس کا ہی ایک شعبہ ہے۔ حدیث میں ہے اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ " مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔" ایک اور ارشاد ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ عَنْهُ " مہاجر وہ ہے جس نے خدا اور رسول کی منہیات سے گریز کیا۔" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا " اور جو لوگ ہماری رضا میں جہاد کریں گے، ہم ضرور انہیں اپنی راہوں پر چلائیں گے۔" علماء نے اس جہاد سے مراد جہاد بالنفس لیا ہے۔ مالی جہاد یہ ہے، کہ دینِ حق کی سرفرازی کے لئے اس کی ضروریات میں مال خرچ کیا جائے۔ خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں لگایا جائے۔ ہر نیک کام میں انفاق مالی جہاد کہلا سکتا ہے۔ اپنی خداداد لسانی قوت کو اسلامی حقانیت ثابت کرنے، لوگوں کو اس کی طرف بلانے، دشمنوں کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا بطریقِ احسن جواب دینے کو زبانی جہاد کہا جاتا ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ صاحبِ قلم بنائے تو وہ اپنے ادب اور نثر و نظم کو اسلام کے لئے صرف کرے، یہ قلمی جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں کو سکھانے، کتاب و سنت کی تعلیم دینے، درس و تدریس اور تفہیم اسلام کو تبلیغی جہاد کہا جاتا ہے۔

کفر کی فطرت ہے کہ وہ اسلام کو برداشت نہیں کرتا، اور اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اسلام کی گاڑی کو تیز رفتاری سے چلانے کے لئے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کا نام جہاد بالسیف ہے۔ یہ مسلح جہاد بھی کہلاتا ہے۔ اس کی تیاری کرنا بھی فرض ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ الآیۃ اور دشمنانِ حق کے لئے ہر قسم کی طاقت مہیا کرو۔"

ہجرت سے پہلے جہاد بالسیف کی صورت نہیں نکل سکتی تھی۔ قتالِ کفار کے لئے جس تیاری اور جس قسم کے ساز و سامان کی ضرورت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کی حکومت بالفعل کسی علاقے پر قائم ہو جائے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد جہاد بالسیف فرض ہوا۔

اعدائے اسلام نے اسلامی جہاد کی جو خوفناک تصویر بنائی ہے وہ ان کے بغض و عداوت کا نتیجہ ہے۔ ان کی اپنی کارروائیوں نے دنیا کے کونے کونے اور گوشے گوشے کو فتنہ و فساد کا اکھاڑہ بنا رکھا ہے مگر وہ اسلام پر گندگی اچھالنے سے نہ

کبھی باز آئے تھے نہ اب آتے ہیں، اور نہ آئندہ آئیں گے۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی قومی ومذہبی زندگی اس پر منحصر ہے کہ اسلام پر گندگی پھینکی جائے۔ ہزاروں بار ان کے اعتراضات کا جواب دیا جا چکا ہے مگر وہ اپنی کوششوں سے کبھی بھی باز نہیں آئے۔ علاج صرف مسلمانوں کے اتحاد اور جہاد فی سبیل اللہ میں پوشیدہ ہے۔

جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے بشرطیکہ بقدر ضرورت لوگ اس میں مصروف ہوں جس علاقے پر کفر وشرک کی مسلح یلغار ہو جائے وہاں کے مسلمانوں پر جہاد وقتال فرض عین ہو جاتا ہے۔ مسئلے کی ضروری تفصیلات احادیث کی شرح کے ضمن میں آئیں گی۔

۱- بَابُ التَّرْغِيبِ فِي الْجِهَادِ

جہاد کی ترغیب کا باب

۹۶۵- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الدَّائِمِ، الَّذِي لَا يَفْتُرُ مِنْ صَلٰوةٍ وَلَا صِيَامٍ، حَتّٰى يَرْجِعَ"

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اس روزے دار نمازی کی مانند ہے جو کبھی نماز اور روزے سے نہ ہٹے جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ (یعنی جہاد کرنے والا۔ مؤطائے امام محمد باب فضل الجہاد میں یہ حدیث مروی ہے۔) یعنی جہاد کا ثواب قائم ودائم اور تر وتازہ ہے۔

۹۶۶- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ. أَوْ يَرُدَّهُ إِلٰى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ"

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرے اسے اس کے گھر سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے سوا اور کوئی چیز باہر نہ نکالے اور اس کا باعث اللہ کے کلمے کی تصدیق ہو تو اللہ نے اس کے لئے یہ ذمہ داری لی ہے کہ وہ اسے یا تو شہادت دے کر جنت میں داخل کرے گا یا اپنے جس ٹھکانے سے وہ باہر نکلا تھا، اللہ اُسے اجر یا مال غنیمت سمیت اُس کے گھر واپس لائے گا۔

شرح: یعنی اگر مال غنیمت حاصل نہ ہوا، پھر تو اسے بہت بڑے اجر وثواب کا مستحق گردانا گیا اور اگر غنیمت بھی مل گئی، تو اجر وثواب اور مال ہر دو مل گئے پہلی صورت میں اجر دوسری صورت کی نسبت بہتر ہے۔ دوسری صورت میں کچھ مال بھی حاصل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس حساب سے اخروی اجر تھوڑا ہوگا۔ پس جہاد کے نتیجے میں محرومی تو خارج از بحث ہے اور حصول کی دو صورتیں

فرمادی گئیں یا بہت بڑا اخروی ثواب اور یا کافی اخروی ثواب کے ساتھ کچھ دنیوی فوائد کا حصول۔

۹۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْخَيْلُ لِرَجُلٍ أَجْرٌ. وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ. وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ. فَأَمَّا الَّذِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ، فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ. فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ. فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذَلِكَ مِنَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ، كَانَ لَهُ حَسَنَاتٌ. وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا ذَلِكَ، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ، كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ. وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ، فَشَرِبَتْ مِنْهُ. وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ، كَانَ ذَلِكَ لَهُ حَسَنَاتٍ. فَهِيَ لَهُ أَجْرٌ. وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا. وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللَّهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا فِي ظُهُورِهَا، فَهِيَ لِذَلِكَ سِتْرٌ. وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ عَلَى ذَلِكَ وِزْرٌ" وَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمُرِ، فَقَالَ: "لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هَذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ. فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ. وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گھوڑے تین قسم کے ہیں کسی آدمی کے لئے تو وہ باعث ثواب ہیں۔ اور کسی کے لئے باعث پردہ پوشی، اور کسی کے لئے بوجھ کا سبب۔ پس وہ گھوڑا جو آدمی کے لئے اجر ثواب کا سبب ہے وہ اس شخص کا گھوڑا ہے جس نے اسے راہ خدا میں باندھا اور کسی چراگاہ میں یا کسی باغیچے میں اس کو لمبی رسی باندھی پس وہ گھوڑا اپنی اس رسی میں اس چراگاہ یا باغیچے میں سے جو کچھ کھائے گا پیئے گا وہ مالک کے لئے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر وہ اپنی رسی توڑ دے اور ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھے تو اس کے نشانات قدم اور لید بھی مالک کے لئے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر وہ کسی نہر پر گزرے تو اس سے پانی پئے، حالانکہ مالک کی نیت نہ تھی کہ اسے پانی پلائے، تو یہ بھی اس کی نیکیاں ہوں گی۔ پس یہ گھوڑا تو مالک کے لئے باعث اجر و ثواب ہے۔ اور دوسرا جسے اس کے مالک نے لوگوں سے مستغنی ہونے اور سوال سے بچنے کے لئے باندھا اور اس کی گردن اور اس کی پشت میں جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اسے نہ بھلایا تو وہ اس شخص کے لئے پردہ ہے۔ اور تیسرا جسے اس کے مالک نے ازراہ فخر و ریاکاری اور اہل اسلام کی عداوت کی خاطر باندھا، تو وہ اس کے مالک کے لئے باعث گناہ ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے متعلق مجھ پر اس جامع منفرد آیت کے سوا کوئی حکم نہیں اتارا گیا " اور جو کوئی ذرہ بھر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ بھر برائی کرے گا وہ اسے پا لے گا۔"

شرح: جہاد و قتال میں کام آنے والے گھوڑوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے سورہ والعدیات میں فرمائی ہے۔ مسلمان کی جو چیز راہِ حق میں کام آئے اور اس سے اسلام کی سرفرازی کا ذریعہ بنایا جائے اس کی فضیلت اور برتری میں کیا کلام ہوسکتا ہے؟ یہ حدیث صحیح مسلم میں کتاب الزکوٰۃ کے اندر بہت طویل آئی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث کے لفظ وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا سے یہ استدلال کیا ہے کہ گھوڑوں کی گردن میں جو اللہ کا حق ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ مگر جمہور علما نے گھوڑے میں زکوٰۃ تسلیم نہیں کی اور کہا ہے کہ گھوڑوں کی گردن میں جو اللہ کا حق ہے اس سے مراد اس کی اچھی نگہداشت اور خدمت ہے۔ ابو حنیفہؒ کی دلیل ان کی نظر کی گہرائی اور فقاہت کی وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ حافظ زیلعی نے کہا ہے کہ اس سے مراد تجارت کے گھوڑے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ مال تجارت تو اگر گدھے بھی ہوں تو بحیثیت مالِ تجارت ان پر زکوٰۃ آئے گی۔ لہٰذا امام کی بات درست ہے کہ گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ ہے اور یہ جو فرمایا کہ وہ گھوڑا اس کے مالک کے لئے باعث ستر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کو کسی سے سواری طلب کرنا اور دوسروں کی حاجت مندی نہ رہے گی، لہٰذا یہ گھوڑا پردہ پوشی کا سبب بنا اور دوسروں کی ضرورت کو پورا کرنے کے باعث کلی یہ مالک کے لئے پردہ کا سبب ہوا۔ گدھوں کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں نیکی میں استعمال کیا جائے مثلاً جہاد میں بار برداری یا سواری وغیرہ اور دوسروں کی ضروریات کو پورا کرنا۔ اور اگر وہ مالِ تجارت ہوں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرنا، تو وہ اس جامع منفرد مضمون والی آیت کا مصداق ہوں گے اور اس ارشاد سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ حضورؐ نے گھوڑوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ وحیِ خداوندی سے تھا۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

۹۶۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْاَنْصَارِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، اَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلًا؟ رَجُلٌ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ، يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ مَنْزِلًا بَعْدَهٗ؟ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَتِهٖ۔ يُقِيْمُ الصَّلٰوةَ، وَيُؤْتِي الزَّكٰوةَ، وَيَعْبُدُ اللّٰهَ، لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا"۔

ترجمہ: عطاء بن یسار نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں سب لوگوں سے بہتر مقام والا آدمی نہ بتاؤں؟ وہ شخص جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے، اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے۔ کیا میں اس کے بعد سب سے بہتر درجے والا آدمی نہ بتاؤں؟ وہ آدمی جو اپنی چند بھیڑ بکریاں لے کر الگ تھلگ رہتا ہے، نماز قائم رکھتا، زکوٰۃ ادا کرتا اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

شرح: الگ تھلگ رہنے کا مطلب خود الفاظ حدیث سے ہی ظاہر ہے کہ رزقِ حلال کی طلب اسے لوگوں کے ساتھ زیادہ خلا ملا کی فرصت نہیں دیتی۔ تاہم وہ فرائض کو کما حقہا بجا لاتا ہے۔ مجاہدین فی سبیل اللہ کا درجہ اس دوسرے شخص سے بہرحال بلند ہے اور جہاد سے مراد اس حدیث میں وہ جہاد ہے جو فرض کفایہ ہے۔ ورنہ فرض عین ہو جانے کی صورت میں کسی کو اس سے سرتابی اور انحراف کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ مطلب یہ کہ جب جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر اعمالِ اسلام کا مقابلہ ہو تو حکم یہ ہے۔ یہ تو طے شدہ امر ہے کہ احوال و اشخاص اور ازمان و امکنہ کی تبدیلی سے احکام بدلتے رہتے ہیں۔

۹۶۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيْدِ بْنِ عُبَادَةَ

ابْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ، وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ نَقُولَ أَوْ نَقُومَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللَّهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں پر بیعت کی تھی، سُننا اور اطاعت آسانی اور تنگی ہر دو احوال میں اور خوشی اور ناخوشی میں، اور یہ کہ ہم امراء سے امارت کے بارے میں جھگڑا نہ کریں گے اور یہ کہ ہم جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی ہوں گے حق کہیں گے۔ یا یہ فرمایا کہ حق پر قائم رہیں گے، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے۔

شرح: یہ حدیث مسلم جماعت کے اتحاد و اتفاق، اس کی ہمہ وقتی اصلاح، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے بنیادی احکام پر مشتمل ہے۔ ان میں باہم کوئی تضاد نہیں۔ حاکم سے حکومت چھیننا اور خود حاصل کرنا مطلوب نہیں۔ بلکہ ہر حال میں اس کی اصلاح اور حق گوئی مطلوبِ شرع ہے۔ نظم جماعت اسی طرح برقرار رہ سکتا ہے۔ بغاوت جائز نہیں۔ لیکن کچھ رد حکام کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا واجب ہے۔ حاکم اگر ظلم بھی کرے تو اس کی اطاعت فی المعروف ضروری ہے۔ ورنہ امت کی مرکزیت فنا ہو جائے گی۔ ان دونوں چیزوں میں افراط و تفریط اختیار کی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ بگاڑ اور منفعت کے سوا کچھ نہیں۔

۹۷۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، قَالَ: كَتَبَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ، إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. يَذْكُرُ لَهُ جُمُوعًا مِنَ الرُّومِ، وَمَا يَتَخَوَّفُ مِنْهُمْ. فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَمَّا بَعْدُ. فَإِنَّهُ مَهْمَا يَنْزِلْ بِعَبْدٍ مُؤْمِنٍ مِنْ مُنْزَلِ شِدَّةٍ، يَجْعَلِ اللَّهُ بَعْدَهُ فَرَجًا. وَإِنَّهُ لَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ. وَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ ـ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

ترجمہ: ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو خط لکھا اور اس میں رومی فوجوں کی کثرت کا ذکر کیا اور یہ کہ ان کی طرف سے مسلم فوج کو فلاں فلاں اندیشہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ مومن بندے پر جب کبھی اور جہاں کہیں کوئی مصیبت سخت یا وقت آ پڑے تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد آسانی پیدا کر دیتا ہے اور یاد رکھو کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہ آ سکے گی۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے اے ایمان والو! صبر کرو اور کفار کے مقابلے میں زیادہ ہمت و حوصلہ دکھاؤ اور جہاد میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فوز و فلاح پا سکو۔

شرح: جناب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشارہ سورہ انشراح کی ان آیات کی طرف تھا کہ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔ ان میں الْعُسْر کو معرفہ لایا گیا ہے جس سے مراد دونوں جگہ ایک ہی ہے اور يُسْرًا نکرہ آیا ہے جو دونوں جگہ

الگ الگ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں ہیں۔

۲۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ

دشمنوں کی سرزمین میں قرآن کو لے جانے کی ممانعت

۹۷۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّمَا ذٰلِكَ، مَخَافَةَ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ۔

ترجمہ: ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ قرآن کو لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر کیا جائے۔ امام مالکؒ نے کہا۔ ۔ اس خوف کے باعث ہے کہ مبادا دشمن اسے پالے (اور اس کی توہین کرے)۔

شرح: عبدالرحمٰن بن مہدی نے مالکؒ سے اسی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں قرآن کی بجائے مصحف کا لفظ ہے۔ یعنی وہ کاغذ، دفتر یا کتاب جس میں کہ قرآن مجید لکھا ہوا ہو۔ ممانعت کا سبب مصحف کو مشرکوں کے ہاتھوں سے بچانا ہے، مبادا وہ اس کی اہانت کریں۔ جیسا کہ صدیوں کے تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ دشمن اس کتاب پاک کی توہین کرتے ہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جب مسلم فوج فاتحانہ حیثیت سے دشمن کی سرزمین داخل ہو تو اس وقت مصاحف کو ساتھ لے جانے کی ممانعت نہیں۔ بطور اقتضائے نص یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دشمنوں کے استخفاف و اہانت کا اندیشہ نہ ہو تو ان کی سرزمین میں مصحف کو لے جایا جاسکتا ہے۔ مالکیہ نے اس نہی کو مطلق سمجھا ہے اور کسی حالت میں مصحف کو دشمن کی سرزمین میں لے جانے کو جائز نہیں رکھا۔ مگر امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ اور دیگر علماء نے یہی کہا ہے کہ جب نہی کی علت نہ رہے تو مصحف کو ان کی سرزمین میں لے جانے میں حرج نہیں ہے۔

اختلاف تو مصحف میں ہے۔ جہاں تک کفار کے ساتھ خط وکتابت میں قرآن کی آیات لکھنے کا تعلق ہے اس کے جواز پر علما کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط ہیں جو حضورؐ نے کفار کو لکھے ہیں۔ اور ان میں قرآن مجید کی آیات لکھوائی تھیں۔ امام بخاریؒ کی عبارت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب اہل اسلام کا کوئی کثیر لشکر دشمن کی سرزمین میں داخل ہو تو چونکہ ان کے ساتھ جو مصاحف ہوں گے، ان کی اہانت کا اندیشہ نہیں، لہٰذا یہ جائز ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان سے قرآن پڑھے تو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ اس سے اسلام کی تبلیغ ہوگی۔ اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اسلام لانے کی توفیق دے دے۔ امام طحاوی کی یہ رائے بڑی وقیع ہے کہ یہ ممانعت ابتدا ہی میں تھی۔ بعد میں جب مصاحف کی کثرت ہوگئی تو یہ ممانعت منسوخ ہوگئی تھی۔ آج دنیا میں لائبریریوں میں قرآن کے ہزاروں سیکڑوں نسخے موجود ہیں۔ اور بہت سے غیر مسلموں نے قرآن کے تراجم و تفاسیر لکھی ہیں۔ انگریزی، فرانسیسی اور کئی اور زبانوں میں غیر مسلموں کے تراجم و تفاسیر موجود ہیں۔ لہٰذا اب اس ممانعت کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ واللہ اعلم

۴۔ اَلنَّهْيُ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ فِي الْغَزْوِ

جنگ میں عورتوں کا قتل اور بچوں کے قتل کی ممانعت کا باب

یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کا قتل جائز نہیں ہے۔ اگر عورتیں اور بچے لڑائی میں شریک ہوں تو جمہور کے نزدیک ان کا قتل جائز ہے۔ اسی طرح جب جائز شرعی ضرورت کی بنا پر چھاپہ مارا جائے یا شب خون مارا جائے تو امتیاز مشکل ہوتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی عورت یا بچہ قتل ہو جائے تو اس کے جواز کے سوا چارہ نہیں۔

۹۷۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ، أَنَّهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِينَ قَتَلُوا ابْنَ أَبِي الْحُقَيْقِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ. قَالَ: فَكَانَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يَقُولُ: بَرَّحَتْ بِنَا امْرَأَةُ ابْنِ أَبِي الْحُقَيْقِ بِالصِّيَاحِ. فَأَرْفَعُ السَّيْفَ عَلَيْهَا، ثُمَّ أَذْكُرُ نَهْيَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَكُفُّ. وَلَوْلَا ذٰلِكَ اسْتَرَحْنَا مِنْهَا۔

ترجمہ: عبدالرحمن بن کعب نے کہا کہ جن لوگوں نے ابن ابی الحقیق (یہودی) کو قتل کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا تھا۔ عبدالرحمن نے کہا کہ ان میں سے ایک شخص کہتا تھا کہ ابن ابی الحقیق کی بیوی نے چلا کر ہمارے معاملے کی تشہیر کر دی۔ پس میں اس پر تلوار اٹھاتا تھا مگر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کو یاد کرتا اور اس کے قتل سے رک جاتا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اسے قتل کر کے راحت پا لیتے۔

شرح: ابو رافع سلام بن ابی الحقیق جسے عبداللہ بھی کہا گیا ہے، اسلام کے نہایت کمینے دشمنوں میں سے تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا، آپ کے خلاف الزام تراشیاں کرتا اور یہود و مشرکین کو آپ کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ اس کا خیبر میں ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اور سرزمین میں بھی جائداد تھی۔ یہودی سازشی لوگ تھے۔ قلعہ نما مکانوں اور گڑھیوں میں رہائش پذیر ہوتے تھے۔ رات کو قلعہ کا دروازہ بند ہو جاتا اور چوکی پہرے کا انتظام ہوتا تھا۔ پانچ آدمیوں نے اس کا کام تمام کرنے کی ٹھانی اور ٹھکانے لگا دیا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں، عبداللہ بن عتیک، عبداللہ بن انیس، ابو قتادہؓ، مسعود بن سنانؓ، عبداللہ بن عتبہؓ۔ غالباً یہ جنگ خندق کے بعد کا واقعہ ہے۔ ابن ابی الحقیق کے دو بھائی اور تھے۔ کنانہ بن ابی الحقیق اور ربیع بن ابی الحقیق۔ یہ فتح خیبر کے بعد قتل ہوئے تھے۔ کنانہ حضرت صفیہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پہلا خاوند تھا۔

۹۷۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ امْرَأَةً مَقْتُولَةً، فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ، وَنَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض جنگوں میں ایک مقتول عورت کو دیکھا تو اس کے قتل کو برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ (شاید یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا تھا۔ اس سلسلے میں جنگ خیبر، فتح مکہ، محاصرۂ طائف اور جنگِ حنین کا نام روایات میں آتا ہے۔ ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ جان بوجھ کر انہیں قتل نہ کیا جائے لیکن جیسا کہ اوپر گزرا بعض دفعہ ان کا قتل چھاپے کی صورت میں بے جانے بوجھے ہو جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ایسا کرنا ناگزیر بھی ہوتا ہے۔)

۹۷۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ بَعَثَ جُيُوشًا إِلَى الشَّامِ. فَخَرَجَ يَمْشِي مَعَ يَزِيدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَكَانَ أَمِيرَ رُبْعٍ مِنْ تِلْكَ الْأَرْبَاعِ. فَزَعَمُوا أَنَّ يَزِيدَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: إِمَّا أَنْ تَرْكَبَ، وَإِمَّا أَنْ أَنْزِلَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا أَنْتَ بِنَازِلٍ، وَمَا أَنَا بِرَاكِبٍ. إِنِّي أَحْتَسِبُ خُطَايَ هَذِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. ثُمَّ قَالَ لَهُ: إِنَّكَ سَتَجِدُ قَوْمًا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ لِلَّهِ. فَذَرْهُمْ وَمَا زَعَمُوا أَنَّهُمْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ. وَسَتَجِدُ قَوْمًا فَحَصُوا عَنْ أَوْسَاطِ رُءُوسِهِمْ مِنَ الشَّعَرِ. فَاضْرِبْ مَا فَحَصُوا عَنْهُ بِالسَّيْفِ. وَإِنِّي مُوصِيكَ بِعَشْرٍ، لَا تَقْتُلَنَّ امْرَأَةً، وَلَا صَبِيًّا، وَلَا كَبِيرًا هَرِمًا، وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا، وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا، وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً، وَلَا بَعِيرًا، إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ. وَلَا تَحْرِقَنَّ نَحْلًا، وَلَا تُغَرِّقَنَّهُ وَلَا تَغْلُلْ، وَلَا تَجْبُنْ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ابوبکر الصدیقؓ نے شام کی طرف لشکروں کو بھیجا۔ ان لشکروں میں سے ایک کا امیر یزید بن ابی سفیانؓ تھا۔ پس حضرت صدیقؓ اس کے ساتھ پیدل چلتے ہوئے باہر نکلے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یزید بنؓ ابی سفیان نے کہا تھا، حضرت یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں سواری سے اُتر جاؤں۔ ابوبکرؓ نے فرمایا نہ تو اُترے گا اور نہ میں سوار ہوں گا۔ میں اپنے ان قدموں کو راہِ خدا میں چلانے کے باعث ثواب کا امیدوار ہوں۔ پھر فرمایا کہ تو عنقریب کچھ لوگوں کو پائے گا: جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جانوں کو اللہ کے لئے روک رکھا ہے (یعنی تارک الدنیا راہب اور خالص مذہبی لوگ) پس تو انہیں اسی کام کے لئے چھوڑ دے۔ جس کے لئے اپنی جانوں کو اللہ کے لئے روکنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ (یعنی جب یہ جنگی معاملات میں اور دنیوی امور میں دخل نہیں دیتے تو ان سے تعرض مت کرو۔ یہ اسلام کی منفرد تعلیم ہے۔ کسی اور قانونِ جنگ میں اسلام سے قبل اس کا وجود نہیں ملتا۔) اور تو عنقریب کچھ ایسے لوگوں کو پائے گا جو اپنے سر کے درمیانی بال منڈواتے ہیں۔ (یہ شماسہ جمع شماس تھے جو نصاریٰ کے رؤسا ہوتے تھے۔ اور یہ ان کا خاص شعار تھا کہ سر کے اردگرد کے بال چھوڑ کر وسط سے منڈواتے تھے۔ پس تو ان کی ان منڈی ہوئی جگہوں کو تلوار سے اڑا دینا۔ اور میں تجھے دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا، نہ بچے کو، نہ بہت بوڑھے کو، پھلدار درخت کو مت کاٹنا، کسی

آبادی کو مت اجاڑنا، کسی بھیڑ بکری یا اونٹ کو کھانے کی ضرورت کے علاوہ قتل مت کرنا۔کھجوروں کے باغ مت جلانا، باغوں کو پانی میں غرق نہ کرنا، مالِ غنیمت میں بد دیانتی مت کرنا اور بزدلی اختیار نہ کرنا۔

شرح: دشمنانِ اسلام نے ہمیشہ گھناؤنے الزام لگا کر اپنی عداوت کا ثبوت دیا ہے اور اپنے پوشیدہ بغض کی بھڑاس نکالی ہے۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ اس دین کے احکام ہیں، جسے دشمنوں نے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اسے قوت دی تھی اور دشمن اس وقت بھی اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے، یہ احکام بے مثال اسی دین کے ہیں، جن سے اسلامی جہاد کے مقاصد پر روشنی پڑتی ہے۔ ابوبکرؓ جب خانہ جنگی کو مٹانے سے فارغ ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ قیصر وکسریٰ کے لشکر اس موقع کو غنیمت جان کر مقبوضاتِ اسلامی پر دانت تیز کئے کھڑے ہیں۔ لہٰذا شام اور عراق میں جنگی کارروائی ناگزیر دکھائی دی۔ اس دور میں شرجیل بن حسنہؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ، عمرو بن العاصؓ اور یزید بن ابی سفیانؓ کو مختلف اطراف وحدود میں روانہ فرمایا۔ خالد بن الولیدؓ بچے کھچے مرتدین کا صفایا کرنے میں مصروف تھے۔

۹۷۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عُمَرَبْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ اِلٰى عَامِلٍ مِنْ عُمَّالِهِ: اَنَّهُ بَلَغَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً يَقُوْلُ لَهُمْ "اُغْزُوْا بِاسْمِ اللّٰهِ. فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تُقَاتِلُوْنَ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ. لَا تَغُلُّوْا. وَلَا تَغْدِرُوْا. وَلَا تُمَثِّلُوْا، وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا." وَقُلْ ذٰلِكَ لِجُيُوْشِكَ وَسَرَايَاكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ.

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عاملوں میں سے ایک عامل کو لکھا کہ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر کا ٹکڑا روانہ فرماتے تو اسے حکم دیا کرتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ ان سے قتال کرو جو اللہ کا کفر کرتے ہیں۔ بد دیانتی مت کرو، بدعہدی مت کرو، مُثلہ مت کرو۔ کسی بچے اور عورت کو مت قتل کرو اور تو یہی بات اپنے لشکروں اور ان کے قطعات کو انشاء اللہ کہہ دے۔ اور تجھ پر سلامتی ہو۔ (آخری فقرہ عمر بن عبدالعزیز کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت تم بھی اپنے لشکروں اور اطراف میں بھیجے جانے والے چھوٹے قطعات میں پہنچا دو تاکہ وہ اس پر عمل کریں۔)

۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَفَاءِ بِالْاَمَانِ

امان کا وعدہ پورا کرنے کا باب

۹۷۶۔ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ اِلٰى عَامِلِ جَيْشٍ، كَانَ بَعَثَهُ: اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْجَ. حَتّٰى اِذَا اَسْنَدَ فِي الْجَبَلِ وَامْتَنَعَ. قَالَ رَجُلٌ: مَطْرَسْ يَقُوْلُ لَا تَخَفْ، فَاِذَا اَدْرَكَهُ قَتَلَهُ. وَاِنِّيْ، وَالَّذِيْ

نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَعْلَمُ مَكَانَ وَاحِدٍ فَعَلَ ذَلِكَ، إِلَّا ضَرَبْتُ عُنُقَهُ۔

قَالَ يَحْيَى، سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: لَيْسَ هَذَا الْحَدِيثُ بِالْمُجْتَمَعِ عَلَيْهِ۔ وَلَيْسَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ۔ وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الْإِشَارَةِ بِالْأَمَانِ، أَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ وَإِنِّي أَرَى أَنْ يُتَقَدَّمَ إِلَى الْجُيُوشِ: أَنْ لَا تَقْتُلُوا أَحَدًا أَشَارُوا إِلَيْهِ بِالْأَمَانِ۔ لِأَنَّ الْإِشَارَةَ عِنْدِي بِمَنْزِلَةِ الْكَلَامِ۔ وَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ مَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ، إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ۔

ترجمہ: مالکؒ نے ایک کوفہ کے رہنے والے سے روایت کی (شاید یہ سفیان ثوریؒ ہیں) کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک لشکر روانہ کیا تھا، اس کے سردار کو لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ کسی کافر کا پیچھا کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائے اور محفوظ ہو جائے تو ایک شخص کہتا ہے، مت ڈر۔ پھر جب وہ اسے پا لیتا ہے تو اسے قتل کر دیتا ہے اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر مجھے ایسے کسی شخص کا پتہ چل گیا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اس حدیث پر اجماع نہیں ہے۔ اور اس پر عمل نہیں ہے۔

(اس اثر میں مطرس کا لفظ آیا ہے جو دراصل فارسی لفظ مترس ہے جس کا ترجمہ ہے مت ڈر۔ امام مالکؒ نے یہ جو کہا کہ اس حدیث پر عمل نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امان دے کر کافر کو قتل کر دینا گو قتل کر دینا حرام ہے مگر اس کے قاتل کا قتل لازم نہیں آتا۔ شاید حضرت عمرؓ کا یہ قول (اگر ثابت ہو تو) بطور تہدید و زجر تھا۔ امان دینے والے کے قاتل کو امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ شافعیؒ کے نزدیک قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کی رائے ان حضرات کے خلاف ہے۔ اور وہ مستامن کے قاتل پر قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں۔ حنفی فقہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ مستامن اگر ذمی بن چکا ہے تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے۔ ورنہ نہیں۔)

اور مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا امان کا اشارہ بھی امان کی مانند ہے؟ تو مالکؒ نے کہا کہ ہاں۔ اور لشکروں کو اس بارے میں پہلے سے بتا دینا چاہیئے کہ جس شخص کو انہوں نے اشارے سے امان دے دی ہو، اسے قتل نہ کریں۔ کیونکہ میرے نزدیک اشارہ بھی کلام کے مانند ہے اور مجھے خبر ملی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو قوم عہد کو توڑ دے اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (ضروری نہیں کہ مسلمان کی زبان غیر مسلم سمجھتے ہوں۔ پس اگر اشارے سے امان دے دی جائے یا کوئی ایسا اشارہ کیا جائے جس کو وہ امان سمجھ لیں تو یہ شرعی امان سمجھی جائے گی۔ اور ان کا قتل جائز نہ ہوگا۔ دراصل ایفائے عہد کے سلسلے میں اسلامی احکام نہایت سخت ہیں اور وہ نقض عہد کا ہرگز روادار نہیں۔)

۵- بَابُ الْعَمَلِ فِيمَنْ أُعْطِيَ شَيْئًا فِي سَبِيلِ اللهِ

کوئی چیز فی سبیل اللہ دینے کے احکام

۹۷۷- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَعْطَى شَيْئًا فِي سَبِيلِ اللهِ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ: إِذَا بَلَغْتَ وَادِيَ الْقُرَى، فَشَأْنَكَ بِهِ.

ترجمہ: نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ جب وہ کوئی چیز فی سبیل اللہ عطا کرتے تو جسے دیتے اُسے کہتے، جب تو وادی القریٰ تک پہنچ جائے تو پھر اس سے جو چاہے کرنا۔

شرح: وادی القریٰ مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ اس کلام سے مقصود یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں سفر کرو۔ اور اس چیز سے فائدہ اُٹھاؤ۔ وادی القریٰ کا نام محض بطور مثال لیا گیا ہے۔

۹۷۸- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يَقُولُ: إِذَا أُعْطِيَ الرَّجُلُ الشَّيْءَ فِي الْغَزْوِ، فَيَبْلُغُ بِهِ رَأْسَ مَغْزَاتِهِ، فَهُوَ لَهُ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ الْغَزْوَ فَتَجَهَّزَ، حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ مَنَعَهُ أَبَوَاهُ، أَوْ أَحَدُهُمَا. فَقَالَ: لَا يُكَابِرْهُمَا. وَلَكِنْ يُؤَخِّرُ ذَلِكَ إِلَى عَامٍ آخَرَ. فَأَمَّا الْجِهَازُ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَرْفَعَهُ، حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ. فَإِنْ خَشِيَ أَنْ يَفْسُدَ، بَاعَهُ وَأَمْسَكَ ثَمَنَهُ حَتَّى يَشْتَرِيَ بِهِ مَا يُصْلِحُهُ لِلْغَزْوِ. فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا، يَجِدُ مِثْلَ جِهَازِهِ إِذَا خَرَجَ، فَلْيَصْنَعْ بِجِهَازِهِ مَا شَاءَ.

ترجمہ: سعید بن المسیب نے کہا کہ جب کسی کو جہاد و قتال کے لئے کوئی چیز عطا کی جائے اور وہ اسے وہاں لے جائے جہاں پر کہ جہاد کرنا ہے تو وہ چیز اس کی ہو جاتی ہے۔

شرح: امام مالکؒ اور بعض اور علما کا یہی مذہب ہے کہ راہ خدا میں دی ہوئی چیز اس شخص کی ملکیت تب بنے گی جبکہ وہ اسے لے کر میدان میں پہنچ جائے۔ مجاہدؒ اور طاؤسؒ کہتے ہیں کہ وہ اس چیز کو جہاں اور جس طرح چاہے، استعمال کر سکتا ہے کیونکہ وہ عطیے کے ساتھ ہی اس کی ملک میں چلی گئی۔ بخاری نے مجاہدؒ اور طاوسؒ کے اثر کو تعلیقاً روایت کیا ہے۔ (باب الجعائل والحملان) اور اس میں جناب عمرؓ کا گھوڑے والا قصہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فی سبیل اللہ ایک گھوڑا دیا۔ اور بعد میں اسے بازار میں فروخت ہوتے پایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ شخص اس گھوڑے میں یہ تصرف نہیں کر سکتا۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ مجاہدؒ اور طاؤسؒ کی رائے

...ست ہے۔ حنفی فقہ نے یہی کہا ہے کہ یہ عطیہ بھی عام ہبہ اور عطیہ سمجھا جائے گا۔ اور غیر مشروط طور پر شخص موہوب کی ملک میں چلا جائے گا

(ایضاً) اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے غزوہ کی نذر مانی اور اس کی تیاری کر لی جب وہ گھر سے جانے لگا تو اس کے والدین نے یا ان میں سے ایک نے اسے روک دیا تو وہ کیا کرے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ ان کی رائے کے خلاف نہ کرے۔ بلکہ جہاد کو کسی اور سال تک ملتوی کر دے۔ جہاں تک ساز و سامان کا تعلق ہے میرے خیال میں وہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھے، حتیٰ کہ اس کو لے کر جہاد کے لیے نکلے۔ اگر اسے یہ ڈر ہو کہ یہ خراب ہو جائے گا تو اسے بیچ دے اور اس کی قیمت محفوظ رکھے، حتیٰ کہ پھر اس سے جہاد کا سامان خریدے۔ اور اگر وہ صاحبِ حیثیت ہو کہ جب جانے کا ارادہ کرے، سامان تیار کرے۔ تو پھر وہ اس سامان کو جو چاہے کرے۔

شرح: والدین جب غیر مسلم ہوں تو جہاد کے معاملے میں ان کی اطاعت جائز نہیں جلیل القدر اصحاب مثلاً ابوبکر صدیقؓ اور ابوحذیفہؓ بن ربیعہ غیر مسلم والدین کی اجازت کے بغیر جہاد کو جاتے رہے۔ جب والدین مسلم ہوں تو جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں والدین کی اطاعت کو فوقیت حاصل ہے کیونکہ ان کی اطاعت فرضِ عین ہے۔ جب جہاد فرضِ عین ہو تو کسی کی اجازت کا سوال نہیں رہتا۔

۶۔ بَابٌ جَامِعُ النَّفْلِ فِي الْغَزْوِ

جنگ میں غنیمت کے متفرق احکام کا باب

۹۰۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ قِبَلَ نَجْدٍ. فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً. فَكَانَ سُهْمَانُهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا. أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا. وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر علاقۂ نجد کی طرف بھیجا۔ اس میں عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔ پس انہیں بہت سے اونٹ غنیمت میں ملے۔ ان کے حصّے بارہ بارہ اونٹ تھے یا گیارہ گیارہ اونٹ حصے کے تھے۔ اور ایک ایک اونٹ بطورِ نفل (زائد عطیہ) ملا تھا۔ (اور حسب روایت ۱۲ ہونے کی صورت میں ایک ایک اونٹ بطورِ نفل ملا تھا)

شرح: بخاریؒ نے صحیح میں اس غزوہ کو طائف کے غزوہ کے بعد بیان کیا ہے۔ اہل مغازی نے فتح مکّہ سے پہلے بیان کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس غزوہ کا امیر ابوقتادہؓ تھا۔ اور اہلِ سعدیہ کی تعداد ۲۵ تھی۔ پھر اس تعداد میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے پندرہ بتائی ہے۔ اور کہا ہے کہ مالِ غنیمت کی مقدار ۲۰۰ اونٹ اور دو ہزار بکریاں بتائی جاتی تھی۔ سنن ابی داؤد میں یہ روایت کچھ اختلاف کے ساتھ مروی ہے اور اس پر ہم نے فضل المعبود میں مفصل بحث کی ہے۔ لشکر کا سردار اپنی صوابدید کے مطابق جب مصلحت دیکھے تو کچھ لوگوں کو یا سب کو مالِ غنیمت کے مقررہ حصے پر کچھ بطورِ نفل بھی دے سکتا ہے۔ پھر سوال

یہ پیدا ہوا کہ وہ نفل کس حصے سے دے گا؟ تو مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور کچھ اور علماء کے نزدیک خمس الخمس میں سے دے گا، اور دیگر فقہا کے نزدیک اہل غنیمت میں سے دے گا۔

۱۰۰۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ فِي الْغَزْوِ، إِذَا اقْتَسَمُوا غَنَائِمَهُمْ، يَعْدِلُونَ الْبَعِيرَ بِعَشْرِ شِيَاهٍ۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الْأَجِيرِ فِي الْغَزْوِ: إِنَّهُ إِنْ شَهِدَ الْقِتَالَ، وَكَانَ مَعَ النَّاسِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَكَانَ حُرًّا، فَلَهُ سَهْمُهُ۔ وَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ، فَلَا سَهْمَ لَهُ۔ وَأَرَى أَنْ لَا يُقْسَمَ إِلَّا لِمَنْ شَهِدَ الْقِتَالَ مِنَ الْأَحْرَارِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے سعید بن المسیبؒ کو کہتے سُنا کہ لوگ جب اپنی غنیمتوں کو تقسیم کرتے تھے تو اونٹ کو دس بھیڑ بکریوں کے برابر ٹھہراتے تھے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ غزوے میں جسے مزدور رکھا جائے۔ اگر وہ قتال میں حاضر تھا اور لڑائی کے وقت لوگوں کے ساتھ تھا اور وہ آزاد تھا (غلام نہ تھا) تو اس کے لئے حصہ ہوگا۔ اور اگر وہ یہ کام نہ کرے تو اس کا کوئی حصہ نہیں۔ مالکؒ نے کہا کہ میرے نزدیک غنیمت کو صرف ان پر تقسیم کیا جائے گا جو آزادوں میں سے لڑائی میں حاضر تھے۔

شرح: ایک اونٹ کو دس بھیڑ بکریوں کے برابر قرار دینا صحاح کی حدیث رافع بن خدیج میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اونٹ اور بھیڑ بکریوں کی قیمت کا تناسب یہ ہوگا یا یوں کہئے کہ اس وقت اُونٹ جن کا مقابلہ بھیڑ بکریوں سے کیا گیا، اتفاق سے زیادہ گراں تھے۔ لہٰذا ایک اونٹ کو دس کے برابر قرار دیا گیا۔ پس قربانی میں جو اُونٹ اور گائے بھینس میں سات سات آدمیوں کی شرکت کا جواز فرمایا گیا ہے، اسے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں صورتوں میں بنیادی فرق ہے۔

امام مالکؒ نے جو مزدوروں کا مسئلہ بیان کیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہیں بوقتِ ضرورت کفار یا غلاموں میں سے امام بطور مزدور مقرر کرے۔ آزاد مسلمانوں کو کرائے کے فوجی بنانا جائز نہیں۔ لشکر میں جو مسلم تاجر ہوں یا آزاد مزدور ہوں، مگر بوقت حاجت جنگ کے لئے بھی تیار رہیں، وہ خواہ بالفعل جنگ کریں یا نہ کریں انہیں مالِ غنیمت سے حصہ دیا جا سکتا ہے۔ اور جن لوگوں کو امام نے کسی خاص خدمت پر مامور کر دیا ہو اور اس کے باعث شاملِ قتال نہ ہو سکے، اسے حصہ دیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو دیا تھا۔ اسی طرح جنگ میں کوئی خدمت انجام دینے والے ملازموں اور مزدوروں اور غلاموں کو بھی بطور عطیہ کچھ دیا جا سکتا ہے۔ مالِ غنیمت کا مسئلہ آج کل پیچیدہ ہو گیا۔ کیونکہ اب لشکری سب تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ اب تو علما کو بیٹھ کر یہ مسئلہ طے کرنا چاہیے۔ اس دَور میں مجاہدین رضاکار ہوتے تھے۔ اور فی سبیل اللہ لڑتے تھے، یہ تحقیق ضروری ہے کہ دَورِ فاروقی میں تنخواہ دار فوجیوں کا آیا مالِ غنیمت میں حصہ ہوتا تھا یا نہیں؟ یہ بات تحقیق طلب ہے۔

۷- بَابُ مَا لَا يَجِبُ فِيهِ الْخُمُسُ

جن چیزوں سے خمس واجب نہیں ہے

شیخ الحدیث کاندھلوی نے فرمایا کہ امام مالک کی مراد غالبًا اس عنوان سے مالِ فئے کا بیان ہے۔ کیونکہ اس میں جو کچھ زیر بحث آیا ہے وہ مالکیہ کے نزدیک فئے ہے اور فئے میں خمس نہیں۔ فئے میں خمس نہ ہونا حنفیہ اور مالکیہ میں متفق علیہ ہے دیگر ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ کے نزدیک فئے میں خمس ہوتا ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا ہے۔

(ایضًا) قَالَ مَالِكٌ، فِيمَنْ وُجِدَ مِنَ الْعَدُوِّ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ بِأَرْضِ الْمُسْلِمِينَ، فَزَعَمُوا أَنَّهُمْ تُجَّارٌ، وَأَنَّ الْبَحْرَ لَفَظَهُمْ، وَلَا يَعْرِفُ الْمُسْلِمُونَ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنَّ مَرَاكِبَهُمْ تَكَسَّرَتْ أَوْ عَطِشُوا فَنَزَلُوا بِغَيْرِ إِذْنِ الْمُسْلِمِينَ: أَرَى أَنَّ ذٰلِكَ لِلْإِمَامِ يَرَى فِيهِمْ رَأْيَهُ، وَلَا أَرَى لِمَنْ أَخَذَهُمْ فِيهِمْ خُمُسًا۔

ایضًا ترجمہ: امام مالک نے فرمایا کہ اسلامی علاقے میں ساحل سمندر پر جو دشمن پائے جائیں اور وہ کہیں کہ وہ تاجر ہیں اور انہیں سمندر نے کنارے پر پھینک دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کے قول کی تصدیق نہ ہوسکے لیکن ان کی کشتیاں ٹوٹ گئی ہوں اور پیاس سے نڈھال ہوں اور اس سبب سے بلا اجازت وہ اسلامی علاقے میں اُتر پڑیں، تو میرے خیال میں امام ان کا فیصلہ اپنی صوابدید سے کرے گا اور میرے خیال میں وہ یا ان کا مال غنیمت نہیں کہ اس کا خمس پکڑنے والے کو ملے۔

شرح: مدونہ میں امام مالک کا قول اور مالکی حضرات کی دوسری عبارات یہ بتاتی ہیں کہ یہ لوگ مالِ فئے ہیں۔ حنفیہ کا مذہب اس میں یہ ہے کہ اگر غیر مسلم تاجروں کا اس طرح بلا اجازت اسلامی علاقوں میں آجانے کا رواج ہو اور ان کے پاس مال تجارت ہو، تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اگر مال تجارت ساتھ نہ ہو، اور وہ یہ دعویٰ کریں کہ ہم امان حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے معاملے کا فیصلہ امام کرے گا اور محض ان کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا۔ امام شافعی اور اوزاعی کا قول بھی یہی ہے دشمن اگر راستہ بھول کر مسلم سلطنت میں آگھسے، یا سمندری طوفان اسے ہمارے ساحل پر پھینک دے تو وہ اور اس کا مال فئے ہے۔

۸- بَابُ مَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ أَكْلُهُ قَبْلَ الْخُمُسِ

مال غنیمت میں سے خمس سے پہلے جو کچھ مسلمانوں کو کھانا جائز ہے۔

اس مسئلے کا تعلق دار الحرب سے ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے اور اس سے مراد روزمرہ کے کھانے پینے کی چیزیں اور جانوروں کا چارہ وغیرہ ہے۔ جس کے بغیر لشکر کا گزارا ممکن نہیں ہوگا۔ اس میں امام کی اجازت کا سوال بھی نہیں ہے۔

(ایضًا) قَالَ مَالِكٌ: لَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يَأْكُلَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلُوا أَرْضَ الْعَدُوِّ مِنْ

طعامهم، ما وجدوا من ذلك كله قبل أن يقع في المقاسم.

قَالَ مَالِكٌ: وَأَنَا أَرَى الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ بِمَنْزِلَةِ الطَّعَامِ. يَأْكُلُ مِنْهُ الْمُسْلِمُونَ إِذَا دَخَلُوا أَرْضَ الْعَدُوِّ. كَمَا يَأْكُلُونَ مِنَ الطَّعَامِ. وَلَوْ أَنَّ ذَلِكَ لَا يُؤْكَلُ حَتَّى يَحْضُرَ النَّاسُ الْمَقَاسِمَ، وَيُقْسَمَ بَيْنَهُمْ، أَضَرَّ ذَلِكَ بِالْجُيُوشِ. فَلَا أَرَى بَأْسًا بِمَا أُكِلَ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ عَلَى وَجْهِ الْمَعْرُوفِ. وَلَا أَرَى أَنْ يَدَّخِرَ أَحَدٌ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا يَرْجِعُ بِهِ إِلَى أَهْلِهِ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يُصِيبُ الطَّعَامَ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ، فَيَأْكُلُ مِنْهُ وَيَتَزَوَّدُ، فَيَفْضُلُ مِنْهُ شَيْءٌ. أَيَصْلُحُ لَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ فَيَأْكُلَهُ فِي أَهْلِهِ، أَوْ يَبِيعَهُ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ بِلَادَهُ فَيَنْتَفِعَ بِثَمَنِهِ؟ قَالَ مَالِكٌ: إِنْ بَاعَهُ وَهُوَ فِي الْغَزْوِ، فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَجْعَلَ ثَمَنَهُ فِي غَنَائِمِ الْمُسْلِمِينَ. وَإِنْ بَلَغَ بِهِ بَلَدَهُ، فَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ يَأْكُلَهُ وَيَنْتَفِعَ بِهِ، إِذَا كَانَ يَسِيرًا تَافِهًا.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ مسلمان جب دشمن کی سرزمین میں داخل ہوں تو انہیں تقسیم سے پہلے کھانے پینے کی تمام چیزوں کا استعمال، جو چیزیں وہ وہاں پائیں، جائز ہے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔

مالکؒ نے کہا کہ کھانے کی چیزوں میں میرے نزدیک اونٹ، گائے بھینس اور بھیڑ بکری بھی داخل ہے، جب کہ وہ دشمن کی سرزمین داخل ہوں، تو جس طرح اور اشیا (پھل غلہ وغیرہ) کھا سکتے ہیں، اسی طرح وہ ان جانوروں کو بھی کھا سکتے ہیں۔ مالکؒ نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا استعمال تقسیم سے قبل جائز نہ رکھا جائے تو لشکروں کو نقصان پہنچے گا۔ پس ان میں سے جو چیز بھی معروف طریقے سے اور ضرورت کے وقت کھالی جائے، اس میں حرج نہیں۔ ہاں! کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں کو جمع کرلے اور گھر لے جائے۔

اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کوئی آدمی اگر دشمن کی سرزمین پر کھانے کا سامان پائے، پھر اس میں سے کھائے اور جمع بھی کرے۔ پھر اس کے پاس اس میں سے کچھ بچ رہے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ اسے روک رکھے اور اسے اپنے گھر والوں میں جاکر کھائے؟ کیا وہ اپنے وطن واپس آنے سے پہلے بیچ ڈالے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے؟ تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ اگر وہ اسے گھر آنے سے قبل بیچ دے تو میری رائے ہیں اس کی قیمت مسلمانوں کی غنیمت میں داخل کرے۔ اور اگر اسے اپنے وطن میں لے آئے تو میں اسے اس کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتا۔ یا وہ اس سے نفع پالے، بشرطیکہ وہ بالکل معمولی قسم کی چیز ہو۔

۹۔ بَابُ مَا يُرَدُّ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ الْقَسْمُ مِمَّا أَصَابَ الْعَدُوُّ

مسلمانوں کی جو چیزیں دشمن لے جائیں تو اس سے واپس لے کر تقسیم سے انہیں لوٹایا جائے

خدانخواستہ اگر دشمن مسلمانوں کے اموال پر قابض ہو جائے اور پھر اسے اس سے چھڑایا جائے تو آیا وہ بطور مال غنیمت تقسیم ہوں گی یا اصل مالکوں کو لوٹائی جائیں گی؟ اس مسئلے میں کئی اصولی اور بہت سے فروعی اختلافات ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ کفار کا غلبہ آیا مسلمانوں کے اموال پر قانونی ملک کا باعث ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ ایک روایت کی رو سے ــ کے نزدیک کفار مالک ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ان اموال کے غنیمت یا فئے بننے کا سوال خارج از بحث ہوگا۔ اور اس کی ملکیت سے مراد ان کی قانونی ملکیت ہے نہ کہ حقیقی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ مالک نہیں ہوتے اور احمدؒ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے۔ لیکن احمدؒ نے کہا کہ اگر وہ چیز بطور مال غنیمت تقسیم ہو گئی تو اب مالک کا حق ساقط ہو گیا۔ سوچا جائے تو مآل اس قول کا بھی یہی ہے کہ وہ چیز کفار کی ملک میں چلی گئی تھی۔ ورنہ اس کا بطور مال غنیمت تقسیم ہونا ہرگز جائز نہ ہوتا۔

۹۸۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدًا لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَبَقَ. وَأَنَّ فَرَسًا لَهُ عَارَ. فَأَصَابَهُمَا الْمُشْرِكُونَ. ثُمَّ غَنِمَهُمَا الْمُسْلِمُونَ. فَرُدَّا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ. وَذَلِكَ قَبْلَ أَنْ تُصِيبَهُمَا الْمَقَاسِمُ.

قَالَ وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: فِيمَا يُصِيبُ الْعَدُوُّ مِنْ أَمْوَالِ الْمُسْلِمِينَ: إِنَّهُ إِنْ أُدْرِكَ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِيهِ الْمَقَاسِمُ، فَهُوَ رَدٌّ عَلَى أَهْلِهِ. وَأَمَّا مَا وَقَعَتْ فِيهِ الْمَقَاسِمُ، فَلَا يُرَدُّ عَلَى أَحَدٍ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ رَجُلٍ حَازَ الْمُشْرِكُونَ غُلَامَهُ، ثُمَّ غَنِمَهُ الْمُسْلِمُونَ. قَالَ مَالِكٌ: صَاحِبُهُ أَوْلَى بِهِ بِغَيْرِ ثَمَنٍ، وَلَا قِيمَةٍ، وَلَا غُرْمٍ، مَا لَمْ تُصِبْهُ الْمَقَاسِمُ. فَإِنْ وَقَعَتْ فِيهِ الْمَقَاسِمُ فَإِنِّي أَرَى أَنْ يَكُونَ الْغُلَامُ لِسَيِّدِهِ بِالثَّمَنِ، إِنْ شَاءَ.

قَالَ مَالِكٌ فِي أُمِّ وَلَدِ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، حَازَهَا الْمُشْرِكُونَ، ثُمَّ غَنِمَهَا الْمُسْلِمُونَ. فَقُسِمَتْ فِي الْمَقَاسِمِ، ثُمَّ عَرَفَهَا سَيِّدُهَا بَعْدَ الْقَسْمِ، إِنَّهَا لَا تُسْتَرَقُّ. وَأَرَى أَنْ يَفْتَدِيَهَا الْإِمَامُ لِسَيِّدِهَا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَعَلَى سَيِّدِهَا أَنْ يَفْتَدِيَهَا وَلَا يَدَعُهَا. وَلَا أَرَى لِلَّذِي صَارَتْ لَهُ أَنْ يَسْتَرِقَّهَا، وَلَا يَسْتَحِلَّ فَرْجَهَا. وَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ الْحُرَّةِ. لِأَنَّ سَيِّدَهَا يُكَلَّفُ أَنْ يَفْتَدِيَهَا إِذَا جُرِحَتْ فَهَذَا بِمَنْزِلَةِ ذَلِكَ. فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُسْلِمَ أُمَّ وَلَدِهِ تُسْتَرَقُّ

وَلَيْسَتَحِلَّ فَرْجَهَا۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَخْرُجُ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ فِي الْمُفَادَاةِ، أَوْ فِي التِّجَارَةِ. فَيَشْتَرِي الْحُرَّ أَوِ الْعَبْدَ، أَوْ يُوهَبَانِ لَهُ. فَقَالَ: أَمَّا الْحُرُّ، فَإِنَّ مَا اشْتَرَاهُ بِهِ، دَيْنٌ عَلَيْهِ. وَلَا يُسْتَرَقُّ، وَإِنْ كَانَ وُهِبَ لَهُ، فَهُوَ حُرٌّ. وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ أَعْطَى فِيهِ شَيْئًا مُكَافَأَةً فَهُوَ دَيْنٌ عَلَى الْحُرِّ. بِمَنْزِلَةِ مَا اشْتُرِيَ بِهِ وَأَمَّا الْعَبْدُ، فَإِنَّ سَيِّدَهُ الْأَوَّلَ مُخَيَّرٌ فِيهِ. إِنْ شَاءَ أَنْ يَأْخُذَهُ، وَيَدْفَعَ إِلَى الَّذِي اشْتَرَاهُ ثَمَنَهُ، فَذَلِكَ لَهُ. وَإِنْ أَحَبَّ أَنْ يُسْلِمَهُ أَسْلَمَهُ. وَإِنْ كَانَ وُهِبَ لَهُ فَسَيِّدُهُ الْأَوَّلُ أَحَقُّ بِهِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. إِلَّا أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ أَعْطَى فِيهِ شَيْئًا مُكَافَأَةً، فَيَكُونُ مَا أَعْطَى فِيهِ غُرْمًا عَلَى سَيِّدِهِ إِنْ أَحَبَّ أَنْ يَفْتَدِيَهُ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کا ایک غلام بھاگ گیا اور ایک گھوڑا بھی آوارہ ہو کر دشمن کی طرف بھاگ گیا۔ ان دونوں کو مشرکوں نے لے لیا۔ اور پھر مسلمانوں نے انہیں بطور مالِ غنیمت حاصل کیا۔ تو یہ دونوں چیزیں عبداللہ بن عمرؓ کو واپس کی گئیں اور یہ واقعہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے۔ (یہ حدیث اور عمران بن حصین کی ایک حدیث جسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس پر دلالت کرتی ہے کہ کافر مسلمانوں کے اموال پر غالب وقابض ہوں تب بھی ان کے مالک نہیں ہوتے مگر فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ کیا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا ہے۔ یعنی حضورؐ کے مکان اور جائیداد کو اس نے بیچ دیا تھا۔ اور کفار اس کے مالک ہو گئے تھے۔ پس یہ ارشاد بتاتا ہے کہ کفار مسلمانوں کی جائداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔)

مالکؒ نے کہا کہ مسلمانوں کے اموال جو دشمن ہتھیا لیں تو واپسی پر تقسیم سے قبل ان کے مالکوں کو لوٹائے جائیں گے۔ مگر جب وہ تقسیم ہو گئے تو پھر اصل مالکوں کو نہیں لوٹائے جا سکتے۔ اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ مشرکوں نے اگر کسی کے غلام کو قبضہ میں کر لیا ہو، پھر مسلمان اسے بطور غنیمت حاصل کریں۔ مالکؒ نے کہا کہ جب تک وہ تقسیم میں نہ آ جائے، اس کا مالک قیمت یا تاوان وغیرہ کے بغیر اس کا مالک ہوگا۔ جب وہ تقسیم میں آ گیا تو پہلا مالک چاہے تو قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ (امام شافعیؒ کے نزدیک تقسیم کے بعد بھی وہ اپنے پہلے مالک کا ہوگا۔)

مالکؒ نے کہا کہ کسی مسلمان کی اُمِّ ولد ہو۔ جسے مشرک لے جائیں۔ پھر مسلمانوں کے مال غنیمت میں آ جائے اور تقسیم بھی ہو جائے اور تقسیم کے بعد اس کا مالک اسے پہچان لے تو اسے لونڈی نہیں بنایا جا سکتا اور میری رائے میں امام اس کا فدیہ دے کر پہلے مالک کے لئے حاصل کرے گا۔ اگر امام ایسا نہ کرے تو مالک کا فرض ہے کہ اس کا فدیہ دے کر چھڑا لے اور اسے بطور لونڈی نہ رہنے دے۔ اور جس کے حصے میں وہ گئی ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اسے لونڈی بنا لے اور وہ اس کی شرمگاہ کو حلال نہ جانے۔ کیونکہ وہ آزاد عورت کی مانند ہے کیونکہ اگر وہ کسی کو زخمی کر دے تو اس کے مالک کو اس کا تاوان دینا پڑتا ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی اسی کی مانند ہے۔ لہٰذا مالک کو جائز نہیں کہ وہ اپنی اُمِّ ولد کو غلام بننے دے اور اس کی شرمگاہ کو کسی کے لئے حلال نہ ہونے دے۔

(...) مالک سے پوچھا گیا وہ جو آدمی دشمن کی سرزمین میں قیدیوں کا فدیہ دینے یا تجارت کرنے کے لیئے جائے۔ پھر وہ لاعلمی سے کسی آزاد کو خریدے یا غلام کو خریدے یا کوئی اسے ان کا ہبہ کرے (تو اس کا حکم کیا ہے؟) مالک نے کہا کہ آزاد کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ لہذا اس کی جو قیمت اس نے ادا کی، وہ اس (خریدے ہوئے آزاد) کے ذمے قرض ہے اور اگر وہ اسے ہبہ میں ملا تھا تو وہ آزاد ہے اور اس کے ذمّہ کچھ نہیں۔ ہاں اگر اس مسلم نے اس کے بدلے میں کچھ بطور مکافات دیا تھا تو وہ اس پر قرض ہے، اسی طرح جس طرح اس نے آزاد کو خریدا تھا۔ اور غلام کے پہلے مالک کو اختیار ہے، چاہے تو اس کی ادا شدہ قیمت دے کر اسے واپس لے لے اور اگر وہ اسے اس مسلم کے سپرد ہی کرنا چاہے تو کر دے۔ اور اگر اس نے بطور ہبہ دیا تھا تو اس کا پہلا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ ہاں اگر اس مسلم نے کوئی چیز بطور مکافات دی تھی تو وہ چیز پہلے مالک پر قرض ہے۔ اگر وہ واپس دے کر غلام کو لینا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔

۱۰- بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّلَبِ فِي النَّفَلِ

مالِ غنیمت میں سلب کا کیا حکم ہے

سلب سے مراد مقتول کا لباس، کپڑے، تھیلے، ہتھیار وغیرہ ہیں جو اس کے پاس پائے جائیں۔ اگر امام مصلحت سمجھے تو جنگ کے بعد یہ چیزیں بطور انعام قاتل کو دے سکتا ہے، ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک امام دے یا نہ دے، مقتول کا سلب قاتل کے لئے واجب ہے۔ اس مسئلے میں کئی فرعی اختلافات بھی ہیں۔

۹۸۲- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرِ بْنِ أَفْلَحَ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ، مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ. فَلَمَّا الْتَقَيْنَا، كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ. قَالَ: فَرَأَيْتُ رَجُلاً مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَدْ عَلاَ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ. قَالَ: فَاسْتَدَرْتُ لَهُ، حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ، فَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ. فَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِي ضَمَّةً، وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ. ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، فَأَرْسَلَنِي. قَالَ فَلَقِيتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. فَقُلْتُ: مَا بَالُ النَّاسِ؟ فَقَالَ: أَمْرُ اللَّهِ. ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً، لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ، فَلَهُ سَلَبُهُ" قَالَ فَقُمْتُ، ثُمَّ قُلْتُ: مَنْ يَشْهَدُ لِي؟ ثُمَّ جَلَسْتُ. ثُمَّ قَالَ ذَلِكَ الثَّالِثَةَ. فَقُمْتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟" قَالَ: فَاقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: صَدَقَ. يَا رَسُولَ اللَّهِ. وَسَلَبُ ذَلِكَ الْقَتِيلِ عِنْدِي. فَأَرْضِهِ عَنْهُ يَا رَسُولَ

اللہِ۔ فَقَالَ اَبُوبَکْرٍ: لَاھَاءَ اللّٰہِ۔ اِذًا لَا یَعْمِدُ اِلٰی اَسَدٍ مِنْ اُسْدِ اللّٰہِ، یُقَاتِلُ عَنِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَیُعْطِیْکَ سَلَبَہٗ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "صَدَقَ۔ فَاَعْطِہٖ اِیَّاہُ" فَاَعْطَانِیْہِ۔ فَبِعْتُ الدِّرْعَ۔ فَاشْتَرَیْتُ بِہٖ مَخْرَفًا فِیْ بَنِیْ سَلِمَۃَ۔ فَاِنَّہٗ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُہٗ فِی الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ: ابوقتادہ بن ربعیؓ نے کہا کہ ہم لوگ جنگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابوقتادہؓ نے کہا کہ میں نے ایک مشرک کو دیکھا جو ایک مسلم پر غالب آچکا تھا۔ ابوقتادہؓ نے کہا کہ میں چکر کاٹ کر پچھلی طرف سے آیا اور اس کے کندھے کے جوڑ پر تلوار ماری۔ وہ میری طرف مڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے موت جیسی شدت محسوس ہوئی۔ پھر اسے موت آگئی اور اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ ابوقتادہؓ نے کہا کہ پھر میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے ملا۔ اور کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آگیا ہے۔ پھر لوگ واپس مڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی کو قتل کرے تو اُسے مقتول کا سامان ملے گا۔ بشرطیکہ اس کے پاس شہادت ہو۔ ابوقتادہؓ نے کہا کہ اس پر میں اٹھا اور کہا کہ میرا گواہ کون ہے؟ پھر میں بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا کہ جس نے کسی کو قتل کیا ہو تو مقتول کا سامان اسی کا ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی گواہ ہو۔ ابوقتادہؓ نے کہا کہ میں پھر اُٹھا، اور کہا کہ ہے کوئی میری گواہی دینے والا؟ میں پھر بیٹھ گیا۔ حضورؐ نے پھر تیسری مرتبہ بھی فرمایا تو میں اُٹھا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا، اے ابوقتادہ کیا بات ہے؟ پس وہ قصہ میں نے بیان کر دیا۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہؐ نے یہ سچ کہتا ہے اور اس مقتول کا سامان میرے پاس ہے۔ یا رسول اللہؐ آپ اسے مجھ سے راضی فرما دیں (یعنی سامان مجھے ہی دلوا دیں۔) اس پر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے، نہیں واللہ ایسا نہ ہوگا کہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے قتال کرے اور سامان حضورؐ تجھے عطا کر دیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ابوبکرؓ نے) سچ کہا ہے تو وہ سامان ابوقتادہ کو دے دے۔ پس حضورؐ نے وہ سامان مجھے دلوایا اور میں نے زرہ کو بیچا اور اس سے بنی سلمہ میں ایک باغ خرید لیا اور یہ اولین مال تھا جو میں نے اسلام میں حاصل کیا۔ (سلب کے بارے میں مالکؒ، ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کا مذہب بعینہٖ اس حدیث پر ہے کہ وہ امام کے اجتہاد پر ہے اور مصلحت پر ہے۔ اگر چاہے تو وہ اس کا اعلان کرے، اور مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرے۔)

١٠٨٣- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِھَابٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، اَنَّہٗ قَالَ: سَمِعْتُ رَجُلًا یَسْاَلُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ عَنِ الْاَنْفَالِ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلْفَرَسُ مِنَ النَّفَلِ۔ وَالسَّلَبُ مِنَ النَّفَلِ۔ قَالَ ثُمَّ عَادَ الرَّجُلُ لِمَسْاَلَتِہٖ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، ذٰلِكَ اَیْضًا۔ ثُمَّ قَالَ الرَّجُلُ: اَلْاَنْفَالُ الَّتِیْ قَالَ اللّٰہُ فِیْ کِتَابِہٖ مَا ھِیَ؟ قَالَ الْقَاسِمُ: فَلَمْ یَزَلْ یَسْاَلُہٗ حَتّٰی کَادَ اَنْ یُحْرِجَہٗ۔ ثُمَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَتَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ ھٰذَا؟ مَثَلُ صَبِیْغٍ الَّذِیْ ضَرَبَہٗ عُمَرُ بْنُ

الْخَطَّابِ۔

قَالَ وَسُئِلَ مَالِكٌ عَمَّنْ قَتَلَ قَتِيلًا مِنَ الْعَدُوِّ، أَيَكُونُ سَلَبُهُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ؟ قَالَ: لَا يَكُونُ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ۔ وَلَا يَكُونُ ذٰلِكَ مِنَ الْإِمَامِ إِلَّا عَلَى وَجْهِ الْاِجْتِهَادِ وَلَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" إِلَّا يَوْمَ حُنَيْنٍ۔

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ نے کہا کہ میں نے ایک مرد کو عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کرتے سنا کہ انفال کیا چیز ہے؟ پس ابن عباسؓ نے کہا کہ گھوڑا بھی نفل (مال غنیمت) ہے۔ مقتول کا سامان بھی نفل ہے۔ القاسم نے کہا کہ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تو ابن عباسؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر وہ آدمی بولا کہ وہ انفال جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے وہ کیا ہیں؟ القاسم نے کہا کہ وہ شخص برابر وہی سوال کرتا رہا حتیٰ کہ قریب تھا کہ انہیں تنگ کر ڈالے۔ اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ اس شخص کی مثال کیا ہے۔ اس کی مثال صبیغ کے مانند ہے جسے حضرت عمر بن الخطابؓ نے پیٹا تھا۔

شرح: یہ شخص کوئی بیہودہ قسم کا آدمی تھا جس کی سوال سے غرض محض ستانا تھا۔ اور لایعنی باتیں کرنا تھا۔ اسی لئے ابن عباسؓ نے اس کے سوال پر اپنا جواب بار بار دُہرایا۔ صبیغ بن عسل بھی ایک لایعنی سوال کرنے والا اور فضول باتیں بنانے والا تھا۔ یہ قرآن کی متشابہات کے بارے میں لوگوں سے سوال کرنے والا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے پیٹا اور بصرہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ صبیغ ایک شامی شخص تھا۔

(ایضاً) امام مالکؒ سے سوال ہوا کہ جو شخص کسی دشمن کو قتل کرے، کیا اس کا سامان امام کی اجازت کے بغیر اسے مل جائے گا؟ اس پر امام مالکؒ نے کہا کہ امام کے اذن کے بغیر یہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ اور یہ امام کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ اور مجھے یہ خبر نہیں ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے علاوہ کسی اور موقع پر یہ فرمایا ہو کہ جس نے کسی کو قتل کیا، اس کا سامان اس قاتل کو ملے گا۔

شرح: اصل مسئلہ تو وہی ہے جو اوپر گزرا کہ مقتول کا سلب امام حسبِ مصلحت قاتل کو دے سکتا ہے۔ لیکن امام مالکؒ کو شاید نہیں پہنچ سکیں۔ جن میں جنگ حنین کے علاوہ بھی حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ صحیحین کی روایت کے مطابق ابوجہل کا سلب حضورؐ نے معاذؓ بن عمرو بن جموح کو عطا کیا تھا۔ جنگ اُحد میں حاطب ابن ابی بلتعہؓ نے ایک مشرک کو قتل کیا تھا۔ اور حسب روایت بیہقی حضورؐ نے اس کا سلب حاطبؓ کو دیا تھا۔ عقیل ابن ابی طالبؓ نے حسب روایت جابرؓ جنگ موتہ میں ایک مشرک قتل کیا تھا اور اس کی زرہ حضورؐ نے عقیلؓ کو دلوائی۔ اور اسی طرح کئی اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے۔

۱۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْطَاءِ النَّفَلِ مِنَ الْخُمُسِ

خمس میں نفل عطا کرنے کا باب

اس پر تو ائمہ فقہا کا اتفاق ہے کہ امام حسبِ مصلحت کسی کو مال غنیمت میں اس کے حصے کے علاوہ بھی بطور نفل و عطیہ

یا انعام دے سکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام اگر اعلان کر دے کہ فلاں فلاں کارنامہ سرانجام دینے والے کو خمس نکال کر مالِ غنیمت میں سے اتنا اتنا اور ملے گا تو اس نفل کا محل وہی خمس کے بعد بچے میں سے ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ اصل خمس میں سے دیا جائے گا۔ احمدؒ کے نزدیک بچے میں سے اور امام شافعیؒ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں۔ جن میں سے صحیح ترین یہ ہے کہ یہ اضافہ خمس الخمس میں سے ہوگا۔

۹۰۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّهُ قَالَ، كَانَ النَّاسُ يُعْطَوْنَ النَّفَلَ مِنَ الْخُمُسِ۔

قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ النَّفَلِ، هَلْ يَكُونُ فِي أَوَّلِ مَغْنَمٍ؟ قَالَ: ذٰلِكَ عَلَى وَجْهِ الْاِجْتِهَادِ مِنَ الْإِمَامِ۔ وَلَيْسَ عِنْدَنَا فِي ذٰلِكَ أَمْرٌ مَعْرُوفٌ مَوْقُوفٌ۔ إِلَّا اجْتِهَادُ السُّلْطَانِ۔ وَلَمْ يَبْلُغْنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ فِي مَغَازِيهِ كُلِّهَا۔ وَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّهُ نَفَّلَ فِي بَعْضِهَا يَوْمَ حُنَيْنٍ۔ وَإِنَّمَا ذٰلِكَ عَلَى وَجْهِ الْاِجْتِهَادِ مِنَ الْإِمَامِ، فِي أَوَّلِ مَغْنَمٍ وَفِيمَا بَعْدَهُ۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ لوگوں کو نفل خمس میں سے دیا جاتا تھا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ یہ بہترین بات ہے۔ جو میں نے اس مسئلہ میں سنی۔ (سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکال کر پھر ثلث میں سے نفل دیتے تھے۔ خطابی نے کہا کہ دونوں امر جائز ہیں۔) اور امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آیا نفل غنیمت کے اوّل سے دیا جاتا ہے (یا بعد کی غنیمتوں میں سے ہے؟) مالکؒ نے کہا کہ یہ امام کے اجتہاد کے طور پر ہے۔ اور اس میں ہمارے نزدیک (مدینہ منورہ میں) کوئی مشہور یا مقرر شدہ امر سوائے حاکم کے اجتہاد کے نہیں ہے۔ اور مجھے یہ خبر نہیں پہنچی کہ بعض مغازی میں آپؐ نے نفل عطا فرمایا تھا۔ مثلاً جنگِ حنین۔ اور یہ امام کے اجتہاد پر ہے کہ پہلی غنیمت میں سے دے یا بعد کی غنیمتوں میں سے۔

۱۲۔ اَلْقَسْمُ لِلْخَيْلِ فِي الْغَزْوِ

غزوے میں گھوڑے کے حصّے کا باب

اہل علم و فقہ کا اس پر اجماع ہے کہ قتال میں پیدل کا (مالِ غنیمت میں سے) فقط ایک حصّہ ہے۔ سوار میں اختلاف ہے کہ اس کے گھوڑے کا بھی ایک حصہ ہے یا دو حصے؟ ائمہ حنفیہ میں سے ابویوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک سوار کو تین حصّے ملیں گے۔ ایک اس کا اپنا اور دو گھوڑے کے۔ اور یہی قول شافعیؒ، مالکؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور جمہور کا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور زفرؒ کے نزدیک سوار کے دو حصے ہیں، ایک اس کا اپنا اور ایک گھوڑے کا۔ امام ابوبکر الجصاصؒ رازی الحنفی نے کہا ہے کہ یہی روایت حسن بصریؒ سے بھی ہے ان دونوں مذاہب کی دلیل میں احادیث و آثار موجود ہیں۔ اور اس مسئلہ میں مزید تفصیل کے لئے

(تفصیل کے لیے شرح سنن ابی داؤد کو دیکھیے۔)

۱۰۰۵۔ حَدَّثَنِی یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، اَنَّہٗ قَالَ: بَلَغَنِی اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ کَانَ یَقُوْلُ: لِلْفَرَسِ سَھْمَانِ۔ وَلِلرَّجُلِ سَھْمٌ۔

قَالَ مَالِکٌ: وَلَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ ذٰلِکَ۔

وَسُئِلَ مَالِکٌ، عَنْ رَجُلٍ یَحْضُرُ بِاَفْرَاسٍ کَثِیْرَۃٍ، فَھَلْ یُقْسَمُ لَھَا کُلِّھَا؟ فَقَالَ: لَمْ اَسْمَعْ بِذٰلِکَ۔ وَلَا اَرٰی اَنْ یُقْسَمَ اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ، اَلَّذِیْ یُقَاتِلُ عَلَیْہِ۔

قَالَ مَالِکٌ: لَا اَرٰی الْبَرَاذِیْنَ وَالْھُجُنَ اِلَّا مِنَ الْخَیْلِ۔ لِاَنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قَالَ فِیْ کِتَابِہٖ۔ وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً۔ وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ۔ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَیْلِ، تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ۔

فَاَنَا اَرٰی الْبَرَاذِیْنَ وَالْھُجُنَ مِنَ الْخَیْلِ، اِذَا اَجَازَھَا الْوَالِیْ۔ وَقَدْ قَالَ سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ، وَسُئِلَ عَنِ الْبَرَاذِیْنِ، ھَلْ فِیْھَا مِنْ صَدَقَۃٍ؟ فَقَالَ: وَھَلْ فِی الْخَیْلِ مِنْ صَدَقَۃٍ؟۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے تھے: گھوڑے کے دو حصّے ہیں۔ اور مرد کا ایک حصّہ ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ میں اسے برابر سنتا رہا ہوں۔ (یہ کئی ثابت شدہ صحیح روایات سے ثابت ہے۔ دوسری طرف گھوڑے کے ایک حصّے کے متعلق مسلم میں ایک صحیح حدیث موجود ہے اور دو حصوں کی احادیث کا محمل ابو حنیفہؒ اور زفرؒ کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ زائد حصّہ بطورِ نفل تھا۔ حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے سلمہ بن اکوعؓ کو پیدل اور سوار کا حصّہ بیک وقت دیا حالانکہ وہ پیدل تھے۔)

اور مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک آدمی کئی گھوڑے میدان میں لایا ہو تو کیا ان سب کو حصّہ ملے گا؟ تو مالکؒ نے کہا کہ میں نے نہیں سُنا اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ حصہ صرف اسی گھوڑے کا ہے جس پر وہ قتال کرے (جمہور کا یہی مذہب ہے۔) مالکؒ نے کہا کہ غیر عربی گھوڑے اور دوغلے گھوڑے بھی گھوڑے ہی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، اور گھوڑا اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہوا اور ان سے زینت بھی ہے۔ اور فرمایا، دشمنوں کے لئے امکان بھر قوت تیار رکھو۔ اور انہیں پالو۔ تاکہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمن پر رعب ڈالو۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ غیر عربی گھوڑے اور دوغلے گھوڑے بھی گھوڑے ہی ہیں۔ (گھوڑوں اور گھوڑوں میں اس مسئلہ میں امتیاز نہیں) جبکہ حاکم ان کی اجازت دے۔ اور سعید بن المسیب سے غیر عربی گھوڑوں کی زکوٰۃ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کیا عربی گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے؟ (یعنی ہر دو کا حکم اثبات و نفی میں برابر ہے۔)

۱۳- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُلُوْلِ

مالِ غنیمت میں بددیانتی کا باب

۹۸۶- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ صَدَرَ مِنْ حُنَيْنٍ، وَهُوَ يُرِيْدُ الْجِعِرَّانَةَ، سَأَلَهُ النَّاسُ، حَتّٰى دَنَتْ بِهِ نَاقَتُهُ مِنْ شَجَرَةٍ، فَتَشَبَّكَتْ بِرِدَائِهِ، حَتّٰى نَزَعَتْهُ عَنْ ظَهْرِهِ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رُدُّوْا عَلَيَّ رِدَائِي۔ أَتَخَافُوْنَ أَنْ لَا أَقْسِمَ بَيْنَكُمْ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ سَمُرِ تِهَامَةَ نَعَمًا، لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ، ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِي بَخِيْلًا، وَلَا جَبَانًا، وَلَا كَذَّابًا" فَلَمَّا نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي النَّاسِ، فَقَالَ: "أَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَإِنَّ الْغُلُوْلَ عَارٌ وَنَارٌ، وَشَنَارٌ عَلٰى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" قَالَ. ثُمَّ تَنَاوَلَ مِنَ الْأَرْضِ وَبَرَةً مِنْ بَعِيْرٍ، أَوْ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا لِي مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ، وَلَا مِثْلَ هٰذِهٖ إِلَّا الْخُمُسُ۔ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ"۔

ترجمہ: عمرو بن شعیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین سے واپس ہوئے اور جعرانہ کا ارادہ کیا تو لوگوں نے آپؐ سے سوال کئے۔ حتیٰ کہ آپؐ کی اونٹنی آپؐ کو ایک درخت کے قریب لے گئی۔ یہاں تک کہ وہ (ببول کا درخت) آپؐ کی چادر سے پھنس گیا۔ حتیٰ کہ آپؐ کی پشت مبارک سے چادر کو ہٹا دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری چادر مجھے واپس کرو۔ کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ میں اللہ کا دیا ہوا مال تم پر تقسیم نہ کروں گا؟ اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر مال غنیمت دے جتنے کہ تہامہ کے ببول کے درخت ہیں تو وہ میں تم پر بانٹ دوں گا۔ پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ بزدل نہ دروغ گو۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اُترے تو فرمایا کہ دھاگہ اور سوئی تک واپس کرو کیونکہ بددیانتی عار ہے اور آگ ہے اور بدترین عیب ہے جو قیامت کے دن بددیانتی والوں کو ملے گا۔ راوی نے کہا کہ پھر آپؐ نے زمین سے اونٹ یا بھیڑ کا ایک بال پکڑا اور فرمایا جس ذات کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس کی قسم تمہارے مالِ غنیمت میں خمس کے سوا میرا حصہ اتنا بھی نہیں ہے اور خمس کو بھی تم پر ہی لوٹا دیا جاتا ہے۔

شرح: مالِ غنیمت کا خمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر رکھا گیا تھا۔ اور آپؐ اسے یتامیٰ و مساکین اور مسافروں پر خرچ فرماتے تھے۔ آپؐ کے اہل بیت پر صدقہ حرام ہے لہذا اسی خمس میں سے ان کی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔ اگر کچھ بچ جاتا تو اسے جہاد کی تیاری میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔ آپؐ نے اسے کبھی ذاتی ملکیت بنا کر جمع نہیں فرمایا۔ اس لئے علما میں یہ بحث چل نکلی کہ

آیا خمس الخمس بھی حضورؐ کی ملکیت تھا یا نہیں؟ الحسن بن محمدؒ بن الحنفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کا حصہ اور ذوالقربیٰ کا حصہ فی سبیل اللہ جہاد و قتال کی تیاری میں صرف ہوتا تھا۔ ہر چہار خلفائے راشدینؓ کا عمل اسی پر رہا ہے۔ حضورؐ کے قرابتداروں کو باقی تین حصے تقسیم کرتے وقت ترجیح دی جاتی تھی۔ یعنی یتامیٰ، مساکین اور ابن السبیل کے حصے اور بنی ہاشم کے اغنیا کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ امام شافعیؒ کا مسلک اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ خمس الخمس بھی حضورؐ کے قرابتداروں کا ہے اور اس میں غنی و فقیر برابر کے حصہ دار ہیں۔ مگر یہ ثابت شدہ امر ہے کہ خمس کو چاروں خلفائے راشدین نے تین حصوں پر تقسیم کیا تھا اور صحابہ میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

یہ مرسل ہے مگر نسائی نے اسے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے موصول کیا ہے اور ابو داؤدؒ نے اسے ایک اور سند سے موصول روایت کیا ہے۔

۹۸۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ يَوْمَ حُنَيْنٍ. وَإِنَّهُمْ ذَكَرُوهُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَعَمَ زَيْدٌ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ" فَتَغَيَّرَتْ وُجُوهُ النَّاسِ لِذَالِكَ. فَزَعَمَ زَيْدٌ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ" قَالَ فَفَتَحْنَا مَتَاعَهُ، فَوَجَدْنَا خَرَزَاتٍ مِنْ خَرَزِ يَهُودَ، مَا تُسَاوِينَ دِرْهَمَيْنِ۔

ترجمہ: زید بن خالد جہنیؓ نے کہا کہ جنگ حنین کے دن ایک آدمی فوت ہو گیا تو لوگوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ زیدؓ نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا تم اپنے دوست کی نماز جنازہ پڑھو۔ اس پر لوگوں کے چہرے فق ہو گئے۔ زیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دوست نے مال غنیمت میں سے چوری کی تھی۔ زیدؓ نے کہا کہ ہم نے اس کا سامان کھولا تو ہم نے اس میں یہود کے کچھ موتی (منکے) پائے جن کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

شرح: حضورؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے بطور زجر و تنبیہ و تشدید ابا فرمایا تھا۔ مگر نماز سرے سے ناجائز ہوتی تو دوسروں کو پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ اس سے مال غنیمت میں سے چوری کی شدت معلوم ہو جاتی ہے۔

۹۸۸۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ الْكِنَانِيِّ، أَنَّهُ بَلَغَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى النَّاسَ فِي قَبَائِلِهِمْ يَدْعُو لَهُمْ وَأَنَّهُ تَرَكَ قَبِيلَةً مِنَ الْقَبَائِلِ. قَالَ، وَإِنَّ الْقَبِيلَةَ وَجَدُوا فِي بَرْدَعَةِ رَجُلٍ مِنْهُمْ عِقْدَ جَزْعٍ، غُلُولًا. فَأَتَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ عَلَيْهِمْ، كَمَا يُكَبِّرُ عَلَى الْمَيِّتِ۔

ترجمہ: عبداللہ بن المغیرہ بن ابی بردہ کنانی سے روایت ہے کہ اسے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس ان کے قبائل میں دعا کرنے کی خاطر تشریف لے گئے، اور آپ نے قبائل میں سے ایک قبیلے کو چھوڑ دیا۔ راوی نے کہا کہ اس قبیلے والوں نے اپنے میں سے ایک شخص کے پالان میں یمنی منکوں کا ایک ہار پایا جو اس نے مالِ غنیمت سے چرایا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان پر اس طرح تکبیر کہی کہ جیسے میت پر کہی جاتی ہے۔

شرح: یہ حدیث مرسل ہے اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یہ کسی سند کے ساتھ بھی مسند نہیں آئی حضورؐ کا ان پر چار بار تکبیر کہنا، گویا انہیں مُردوں سے تشبیہ دینا تھا۔

٩٨٩۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ سَالِمٍ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ، فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا وَرِقًا، إِلَّا الْأَمْوَالَ وَالثِّيَابَ وَالْمَتَاعَ، قَالَ، فَأَهْدَى رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا أَسْوَدَ، يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ، فَوَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى وَادِي الْقُرَى. حَتَّى إِذَا كُنَّا بِوَادِي الْقُرَى، بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ. فَأَصَابَهُ فَقَتَلَهُ. فَقَالَ النَّاسُ: هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَلَّا. وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَ يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا" قَالَ فَلَمَّا سَمِعَ النَّاسُ ذَلِكَ، جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ".

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے کہ ہم لوگ جنگ حنین کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور ہمیں سونا اور چاندی بطور مالِ غنیمت نہیں ملا۔ بلکہ اموال و متاع اور کپڑے ملے۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ رفاعہ بن زیدؓ نے رسول اللہؐ کو ایک سیاہ فام غلام بطور ہدیہ دیا۔ جسے مدعم کہا جاتا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رُخ کیا۔ حتیٰ کہ جب ہم وادی القریٰ میں پہنچے تو مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اونٹ سے اتار رہا تھا کہ ایک نامعلوم تیر اسے آکر لگا اور مار ڈالا۔ پس لوگوں نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہرگز نہیں، مجھے اس خدا کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ چادر جو اس نے جنگ حنین میں تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے چرائی تھی، آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ پس لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو ایک آدمی ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تسمہ یا دو تسمے آگ کے ہیں۔

شرح: اس سے غلول کی شدت واضح ہوئی۔ حضورؐ نے اس شخص کے سازوسامان کو جلانے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ اس قسم کے اور کئی واقعات میں یہ فرمایا۔ اس بنا پر جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ غلول کرنے والے کو سزا دی جائے۔ مگر اس کا سامان نہ جلایا جائے۔ جس حدیث میں سامان جلانے کا حکم ہے اس میں ایک راوی صالح بن محمد بن زیاد ہ ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہے۔

۹۹۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا أُلْقِيَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ. وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ. وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ. وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ الْحَقِّ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ. وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ جس قوم میں بددیانتی بڑھ جائے، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جائے، ان میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے اور جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرے اس سے رزق کو قطع کر دیا جاتا ہے اور جس قوم میں ناحق فیصلے ہوتے ہوں ان میں خون خرابہ پھیل جاتا ہے اور جو قوم عہد شکنی کرے ان پر دشمن مسلّط کر دیا جاتا ہے۔

شرح: یہ حدیث ابن ماجہ نے مرفوعاً روایت کی ہے اور حافظ ابن عبدالبر نے بھی اسے موصول کیا ہے۔ اگر موقوف بھی ہو تو مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ یہ باتیں کوئی شخص اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ کئی مرفوع روایات میں اس حدیث کے مختلف ٹکڑے مروی ہوئے ہیں۔

۱۴۔ بَابُ الشُّهَدَاءِ فِي سَبِيلِ اللهِ

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا باب

۹۹۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ. ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ. ثُمَّ أُحْيَا فَأُقْتَلُ." فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُ ثَلَاثًا: أَشْهَدُ بِاللهِ۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ یہ ابوہریرہؓ تین بار کہتے تھے کہ میں اللہ کے لئے گواہی دیتا ہوں۔

شرح: بخاری کی حدیث میں حیات کا ذکر تین اور قتل کا چار مرتبہ آیا ہے۔ دراصل کوئی خاص عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ بخاری و مسلم میں انسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جنت کے داخلے کے بعد کوئی شخص شہید کے سوا دنیا میں واپس جانے کی تمنّا نہ کرے گا۔ شہید تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار قتل ہو۔ احادیث میں اسبابِ شہادت ساٹھ کے قریب آئے ہیں۔ لیکن حقیقی شہید وہ ہے جو کفر و اسلام کے معرکے میں قتل ہو یا جسے باغی وحربی یا ڈاکو مار ڈالیں۔ شہید کے کچھ احکام کتاب الجنائز

میں گزرے ہیں۔ حدیث زیر نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مبالغہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

۹۹۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَضْحَكُ اللَّهُ إِلَى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ. يُقَاتِلُ هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُ. ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْتَشْهَدُ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دو آدمیوں کی طرف ہنسے گا جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرے گا مگر وہ دونوں جنت میں جائیں گے۔ وہ اس طرح کہ ایک اللہ کی راہ میں قتال کرے گا اور قتل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ کی توفیق دے گا۔ اور وہ بھی فی سبیل اللہ قتال کرکے شہید ہو جائے گا۔

شرح: اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے بزرگ و برتر اور بالا تر ہے۔ انسان کو خوشی کے غلبے کے باعث جو تعجب لاحق ہوتا ہے اور اس سے وہ بے اختیار ہنس پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ہنسنا بطور ضرب المثل اس کی رضا کو ظاہر کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نے ہنسنے کا مطلب رحمت کا اظہار بتایا ہے اور یہ بھی درست ہے۔ بخاری نے بَابُ الْكَافِرِ يَقْتُلُ الْمُسْلِمَ ثُمَّ يُسْلِمُ الخ کے عنوان کے تحت میں یہ حدیث درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک قاتل سے مراد کافر قاتل ہے اور توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ حدیث سے بظاہر یہ واضح نہیں ہوتا بلکہ عام قاتل ہے مسلم ہو یا کافر۔ پھر سچی توبہ کے بعد وہ بھی راہ حق میں شہید ہو جائے تو جنتی ہو گا مگر مسند احمد میں یہی حدیث آئی اور اس میں قاتل کے بوقت قتل کافر ہونے کی صراحت ہے اور عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ مسلم کو عمداً بلا سبب قتل کرنے والے مسلمان کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق نہیں دیتا۔ یا اگر وہ توبہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا

۹۹۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ، إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَمًا. اللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ. وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ"۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی بھی اللہ کی راہ میں زخمی نہیں ہوتا، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے۔ مگر وہ قیامت کے دن آئے گا اور اس کے زخم میں سے خون جوش مار کر نکل رہا ہو گا۔ اس کا رنگ تو خون کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔

شرح: یہ میدان قیامت میں ساری مخلوق کے سامنے راہ حق پر مرنے والوں کی عزت افزائی کے لئے ہو گا۔

۹۹۴۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَقُولُ،

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَتْلِىْ بِيَدِ رَجُلٍ صَلّٰى لَكَ سَجْدَةً وَاحِدَةً يُحَاجُّنِىْ بِهَا عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کہتے تھے، اے اللہ میرا قتل اس شخص کے ہاتھ سے نہ کرانا جس نے تیرے لئے ایک بھی سجدہ کیا ہو مبادا وہ اس کے باعث قیامت کے دن تیرے پاس جھگڑا کرے۔

شرح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات سے حضرت عمرؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ راہِ حق میں شہید ہوں گے۔ بخاری، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کوہ اُحد پر چڑھے تو وہ لرزنے لگا۔ حضورؐ نے فرمایا اے اُحد، ٹھہر جا، تیرے اُوپر ایک نبیؐ، ایک صدیق اور دو شہید ہیں اور یہ حضرت عمر کا کمالِ تقویٰ تھا کہ انہوں نے دُعا کی کہ ان کے قتل میں ملوث ہونے کے باعث کوئی مسلم داخلِ جہنم نہ ہو۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو زخمی ہونے کے بعد ہوش آیا۔ اور پتہ چلا کہ ان کا قاتل ایک مجوسی غلام ہے تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ان کے قتل کے باعث کوئی مسلم مبتلائے عذاب نہ ہوگا۔

٩٩٥۔ وَحَدَّثَنِىْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِىِّ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ قَتَادَةَ، عَنْ اَبِيْهِ، اَنَّهٗ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. اِنْ قُتِلْتُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ، اَيُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّىْ خَطَايَاىَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَعَمْ" فَلَمَّا اَدْبَرَ الرَّجُلُ، نَادَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَوْ اَمَرَ بِهٖ فَنُوْدِىَ لَهٗ. فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَيْفَ قُلْتَ؟" فَاَعَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ. فَقَالَ لَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَعَمْ، اِلَّا الدَّيْنَ كَذٰلِكَ قَالَ لِىْ جِبْرِيْلُ"۔

ترجمہ: ابو قتادہؓ نے کہا کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا، یا رسول اللہؐ اگر میں راہِ خدا میں صابر مجاہد دشمنوں کی طرف جاتے ہوئے نہ کہ پھیر کر قتل ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! جب وہ شخص واپس چلا گیا تو آپؐ نے اُسے بلایا یا حکم دیا کہ اسے بلایا جائے اور اس سے ارشاد فرمایا کہ تو نے کیا کہا تھا؟ بس اس شخص نے اپنی بات دُہرائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! سوائے قرض کے۔ جبریلؑ نے مجھ سے یوں ہی کہا ہے۔

شرح: نوویؒ نے کہا کہ اس سے پتہ چلا کہ حقوق العباد جہاد اور شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کا تعلق بندوں سے ہے اور وہی انہیں معاف کر سکتے ہیں۔ علی القاری نے کہا کہ قرض سے مراد وہ قرض ہے جس کی ادائیگی کی نیت نہ ہو۔ نیز بحری جنگ میں شہید ہونے والوں کا قرض بھی معاف ہو جاتا ہے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ قرض خواہ کو اپنی رحمت اور فضل و کرم سے راضی کر دے گا

اور معانی دو دادے کا۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ذہن کے بجائے امانت کا لفظ آیا ہے۔

۹۹۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِشُهَدَاءِ أُحُدٍ «هَؤُلَاءِ أَشْهَدُ عَلَيْهِمْ» فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ: أَلَسْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ بِإِخْوَانِهِمْ أَسْلَمْنَا كَمَا أَسْلَمُوا. وَجَاهَدْنَا كَمَا جَاهَدُوا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بَلَى. وَلَكِنْ لَا أَدْرِي مَا تُحْدِثُونَ بَعْدِي» فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ. ثُمَّ بَكَى. ثُمَّ قَالَ: أَئِنَّا لَكَائِنُونَ بَعْدَكَ؟

ترجمہ: مالکؒ نے ابوالنضر سے روایت کی کہ اسے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کے متعلق فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جن پر میں گواہی دیتا ہوں۔ پس ابوبکر الصدیقؓ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ کیا ہم ان کے بھائی نہیں؟ ہم بھی اسلام لائے جیسے کہ وہ اسلام لائے اور ہم نے بھی جہاد کیا جس طرح کہ انہوں نے جہاد کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں نہیں۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ لوگ میرے بعد کیا نئے کام کریں گے۔ راوی نے کہا کہ اس پر ابوبکرؓ رو پڑے اور بہت روئے۔ پھر کہا ہم آپ کے بعد بھی موجود ہوں گے؟

شرح: شہدائے اُحد حضورؐ کے سامنے شہید ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے نیک انجام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ اس لئے حضورؐ نے ان کے متعلق شہادت ایمان دی۔ بعد والے لوگوں کے متعلق آپ کو بذریعہ وحی خبر نہ دی گئی لہٰذا ان کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ بہت رقیق القلب اور حضورؐ کی محبت میں ایسے مقام پر فائز تھے۔ جو کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔ اس حدیث کے الفاظ سے یہ رقت قلبی اور حُبِّ رسولؐ واضح ہوتی ہے۔ جن بزرگوں کو جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ ان کے تقرب اور خلوص کا یہ تقاضا تھا کہ ان میں تقویٰ و خلوص اور خوف و خشیتِ الٰہی دوسروں سے زیادہ ہو۔ دراصل بشارت ملی ہی ایسے لوگوں کو تھی جو ہمہ وجوہ لائق اعتماد تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جس صحابی کو جنت کی بشارت دیتے تھے، وہ دخولِ جنت کے اسباب سے بے نیاز نہیں ہو جاتا تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص اسبابِ نجات کو اختیار کرے گا۔ اور آخر کار اس کا انجام بخیر ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم تھے۔ مگر اس کا مطلب بھی یہ نہ تھا کہ وہ دنیا میں ایسے اسباب سے بے نیاز تھے جن سے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بے شمار اسباب پیدا فرمائے جن کو اختیار کر کے وہ اپنے مرتبہ عصمت کو ہمہ وقت محفوظ رکھ سکے۔

۹۹۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا. وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِينَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ، فَقَالَ: بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بِئْسَ مَا قُلْتَ». فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي لَمْ أُرِدْ هَذَا

یا رَسُولَ اللّٰہِ اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " لَا مِثْلَ لِلْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۔ مَا عَلَی الْاَرْضِ بُقْعَۃٌ ھِیَ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَکُوْنَ قَبْرِیْ بِھَا ، مِنْھَا " ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، یَعْنِی الْمَدِیْنَۃَ ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی پس ایک شخص نے قبر میں جھانکا اور کہا یہ مومن کی بہت بُری لیٹنے کی جگہ ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تو نے بہت بُری بات کہی ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ میری مراد یہ نہیں کہ قبر کی بُرائی بیان کروں، بلکہ میری مراد تو اللہ کی راہ میں قتل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے جیسی تو کوئی چیز بھی نہیں۔ زمین پر کوئی ٹکڑا بھی ایسا نہیں کہ جس پر مجھے اپنی قبر کا ہونا یہاں (مدینہ) کی نسبت محبوب تر ہو۔ یہ تین بار فرمایا۔

شرح: قاضی ابوالولید الباجی نے کہا ہے کہ موت کے لحاظ سے مدینہ منورہ تمام دنیا سے افضل ہے اور اس کی دلیل اس حدیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں۔ ترمذیؒ اور احمدؒ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جس کو مدینہ میں مرنے کی استطاعت ہو، وہ یہاں مرے۔ کیونکہ یہاں مرنے والوں کی میں شفاعت کروں گا۔ حضرت عمرؓ کی دُعا مشہور ہے کہ اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسولؐ کے شہر میں ہو۔ اور یہ دعا ابھی اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

۱۵۔ بَابُ مَا تَکُوْنُ فِیْہِ الشَّھَادَۃُ

صحتِ شہادت کی شرائط کا باب

۹۹۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَقُوْلُ : اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ ۔ وَوَفَاۃً بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ ۔

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کہتے تھے اے اللہ میں تجھ سے تیرے راستے میں شہادت مانگتا ہوں اور یہ کہ میری وفات تیرے رسولؐ کے شہر میں ہو۔ (یہ دونوں دعائیں قبول ہوئیں اور ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو ابولؤلؤ مجوسی غلام کے ہاتھوں جناب عمرؓ نماز فجر میں زخمی ہوئے اور اسی زخم کے باعث شہادت پائی۔ حضرت عمرؓ کو بروئے احادیث اپنی شہادت کا یقین تھا۔ لیکن سبب اس کا یہ دعا بھی ہوئی۔ جیسا کہ وسیلہ اور فضیلت اور مقام محمود کے مقام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر فرما دیئے۔ مگر پھر حضورؐ نے اُمّت کو اذان کے بعد کی دعا میں انہیں آپؐ کے لئے طلب کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

۹۹۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ : کَرَمُ الْمُؤْمِنِ تَقْوَاہُ ۔ وَدِیْنُہٗ حَسَبُہٗ ۔ وَمُرُوْءَتُہٗ خُلُقُہٗ ۔ وَالْجُرْاَۃُ ۔ وَالْجُبْنُ غَرَائِزُ یَضَعُھَا اللّٰہُ حَیْثُ شَاءَ ۔ وَالْجَبَانُ یَفِرُّ عَنْ اَبِیْہِ وَاُمِّہٖ ۔ وَالْجَرِیُّ یُقَاتِلُ عَمَّا لَا یَؤُوْبُ بِہٖ اِلٰی رَحْلِہٖ ۔ وَالْقَتْلُ حَتْفٌ مِنْ

الْحُتُوفِ۔ وَالشَّهِيدُ مَنِ احْتَسَبَ نَفْسَهُ عَلَى اللّٰهِ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کہ مومن کا کرم اس کا تقویٰ ہے اور اس کا دین اس کا فخر ہے اور اس کی جوانمردی اس کا اخلاق ہے اور دلیری اور بزدلی فطری چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہاں چاہے اسے رکھ دے پس بُزدل تو اپنے باپ اور ماں (کو بچانے) سے بھی بھاگ جاتا ہے۔ اور دلیران کی خاطر بھی لڑتا ہے جنہیں لے کر وہ اپنے ڈیرے میں نہیں آتا۔ (جن سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا) اور قتل موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور شہید وہ ہے جو اللہ کی خاطر اپنی جان پیش کرے۔

شرح: یہ حدیث موقوف، مرفوع، متصل اور مرسل ہر طرح سے مروی ہے۔ اگر یہ مرفوع نہ ہوتی تو بھی اس میں سے کلامِ نبوتؐ کی خوشبو آتی ہے۔ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ بروئے حدیث حضرت عمرؓ میں صفات نبوت موجود تھیں۔ نبوت اگر ملی نہیں تو اس لئے کہ سلسلۂ نبوت منقطع ہو چکا تھا۔ اس حدیث میں کرم سے مراد صرف انفاق مال نہیں بلکہ کثرتِ خیر ومنفعت مراد ہے۔ حسب سے مراد آباؤ اجداد کے باعث فخر وشرف ہوتا ہے اور اس حدیث کی رُو سے اصل شرف وفخر کی چیز مومن کا دین ہے نہ کہ نسلی معاخرت۔ مروت کا معنیٰ جوانمردی اور مردانگی ہے یعنی وہ اوصاف جو مرد کا زیور ہے۔ اس حدیث کی رُو سے فضائلِ اخلاق مثلاً صبر، حلم، جود وکرم، ہمدردی اور ایثار وہ چیزیں ہیں جو اصل مردانگی ہیں۔ جرأت کا معنیٰ ہے شجاعت وا قدام اور بلا توقف دلیری کا اظہار کرنا۔ صرف قتل تو موت کی ایک قسم ہے اور وہ شہادت تب بنتی ہے جب راہِ حق میں نیک نیتی کے ساتھ ہو۔

۱۶۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي غُسْلِ الشَّهِيدِ

شہداء کے غسل کا باب

شہید کی تین قسمیں ہیں (۱) دنیا وآخرت دونوں کے لحاظ سے شہید (۲) صرف احکامِ آخرت کے لحاظ سے شہید جس پر شہادت کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ بلکہ آخرت میں شہادت کا ثواب ملے گا۔ (۳) فقط دنیوی احکام کے لحاظ سے شہید۔ دوسری قسم کے شہیدوں کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔ مثلاً پیٹ، طاعون، غرق وغیرہ سے مرنے والے پہلی اور تیسری قسم کے احکام (یعنی معرکے میں شہید ہونے والا یا جو اس کے معنی میں ہے) دوسری اموات سے کچھ مختلف ہیں۔ جمہور کے نزدیک انہیں غسل نہیں دیا جاتا اور اس باب کے عنوان سے مراد یہی دو قسم کے شہید ہیں۔

...۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غُسِّلَ وَكُفِّنَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ۔ وَكَانَ شَهِيدًا۔ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا اور ان پر نماز پڑھی گئی اور وہ اللہ کی رحمت سے شہید ہوئے۔

شرح: جناب عمرؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی۔ ان کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر اٹھایا گیا تھا ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے انہیں غسل دیا تھا اور صہیب رومیؓ نے حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی۔ انہیں اُمّ المؤمنین

عائشہؓ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفن کیا گیا۔ قبر میں عثمانؓ، علیؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور ایک روایت میں زبیرؓ اور سعدؓ کے بجائے صہیبؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اترے۔ جناب عمرؓ باتفاق علماء و اہل سیر شہید تھے۔ مگر اس کے باوجود انہیں غسل بھی دیا گیا اور ان پر نماز بھی پڑھی گئی۔ گفتگو آگے دیکھئے۔

۱۰۰۱- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ: الشُّهَدَاءُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يُغَسَّلُونَ، وَلَا يُصَلَّى عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ، وَإِنَّهُمْ يُدْفَنُونَ فِي الثِّيَابِ الَّتِي قُتِلُوا فِيهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَتِلْكَ السُّنَّةُ فِيمَنْ قُتِلَ فِي الْمُعْتَرَكِ، فَلَمْ يُدْرَكْ حَتَّى مَاتَ.

قَالَ: وَأَمَّا مَنْ حُمِلَ مِنْهُمْ فَعَاشَ مَا شَاءَ اللَّهُ بَعْدَ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ يُغَسَّلُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ۔ كَمَا عُمِلَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔

ترجمہ: مالکؒ کو اہل علم سے خبر ملی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو غسل نہیں دیا جاتا، نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور انہیں ان ہی کپڑوں میں دفنا دیا جاتا ہے جن میں وہ قتل ہوئے۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ سنت ان شہدا میں ہے۔ جو میدان جنگ میں شہید ہوں اور انہیں وہاں شہادت کے بعد پایا جائے لیکن جن کو اٹھا کر (زخمی حالت میں) لایا گیا اور اس کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ زندہ رہے۔ تو انہیں غسل بھی دیا جاتا ہے اور نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں کیا گیا تھا۔

شرح: سعید بن المسیبؒ اور حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ شہید کو غسل دیا جائے۔ ان کے سوا سب علما اس پر متفق ہیں کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حنظلہ بن الراہبؓ بحالت جنابت شہید ہوئے تو انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ اگر شہید کا غسل واجب ہوتا تو ملائکہ کے غسل کی حاجت نہ تھی۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ جو شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو جائے، اسے غسل دینا چاہئے اور یہ غسل موت سے پہلے کے ایک سبب (جنابت) کے باعث ہے۔ شہید کے غسل اور نماز کے متعلق مالکیہ کی روایات میں اختلاف ہے۔ حنفیہ میں سے ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ شہید اگر جنبی بھی ہو، تب بھی اسے غسل نہ دیا جائے۔ کیونکہ جو غسل جنابت کے باعث واجب تھا وہ شہادت کے سبب سے ساقط ہو گیا ہے۔ دھر حنظلہ غسیل الملائکہ کی ان حضرات کے نزدیک کوئی خصوصیت ہو گی، جس کے باعث اسے غسل دیا گیا۔ جہاں تک شہید کی نماز کا سوال ہے شافعیؒ، مالکؒ، اور احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ شہید پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔ بلکہ سرے سے جائز ہی نہیں۔ ابن حزم ظاہریؒ نے کہا کہ اگر نماز پڑھ لیں تو بہتر ہے۔ اور نہ پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، ثوریؒ اور احمدؒ کی ایک روایت میں شہید پر نماز پڑھی جانی چاہئے۔ بقول حافظ عینی یہی مذہب ابن ابی لیلیٰ۔ الحسن بن حیؒ۔ عبداللہ بن الحسنؒ۔ سلیمان بن موسیٰ۔ سعید بن عبدالعزیزؒ۔ اوزاعیؒ اور ایک روایت میں اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن ماجہ کی روایت کے مطابق شہدائے احد پر دس دس کر کے نماز پڑھی گئی۔ یہ روایت طحاویؒ، بزارؒ، الحاکمؒ، طبرانیؒ اور بیہقیؒ نے بھی درج کی ہے۔ بخاری سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے وفات شریف سے کچھ دن قبل شہدائے احد پر نماز پڑھی تھی جیسی کہ میت

پر پڑھی جاتی ہے اور اس سے جن لوگوں نے دُعا مراد لی ہے، بقول حافظ عینیؒ انہوں نے بے انصافی کی ہے۔ صلوٰۃ علی المیت کا لفظ صاف ہے اور اس کی تاویل نہیں ہوسکتی۔

۱۷۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الشَّيْءِ يُجْعَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ

فی سبیل اللہ کی چیز کا کوئی استعمال مکروہ ہے

۱۰۰۲۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَحْمِلُ فِي الْعَامِ الْوَاحِدِ عَلَى أَرْبَعِينَ أَلْفَ بَعِيرٍ. يَحْمِلُ الرَّجُلَ إِلَى الشَّامِ عَلَى بَعِيرٍ. وَيَحْمِلُ الرَّجُلَيْنِ إِلَى الْعِرَاقِ عَلَى بَعِيرٍ. فَجَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، فَقَالَ: احْمِلْنِي وَسُحَيْمًا. فَقَالَ لَهُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ. نَشَدْتُكَ اللهَ! أَسُحَيْمٌ زِقٌّ؟ قَالَ لَهُ: نَعَمْ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ ایک سال میں جہاد کے لئے چالیس ہزار سواریاں بھیجتے تھے۔ شام کی طرف جانے والے ایک شخص کو ایک اُونٹ پر سوار کرتے اور عراق کی طرف جانے دو آدمیوں کو ایک اُونٹ دیتے تھے۔ عراق والوں میں سے ایک آدمی آیا اور بولا، مجھ کو اور سحیم کو سواری دیجئے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا سحیم مشک ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! (یعنی اس شخص نے بظاہر سُحیم کا لفظ بول کر باطن کچھ اور مراد لیا۔ سحیم مشک کو بھی کہتے تھے۔ اور اس کا سوال یہ ظاہر کرتا تھا کہ یہ کسی شخص کا نام ہے۔ اس لفظ سے مشک مراد لینا ایک دُور کی بات تھی۔ مگر جناب عمرؓ نے جو حسب حدیث صاحب الہام تھے، فراستِ ایمانی سے تاڑ لیا کہ اس شخص کی مراد کیا ہے۔ یحییٰ کی روایت میں اس عنوان کے تحت میں فقط یہ اثر مروی ہے مگر بعض دوسرے مؤطآت میں اور آثار بھی موجود ہیں۔ اس اثر کی مطابقت عنوان کے ساتھ یہ ہے کہ اس شخص نے توریہ سے کام لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فریب دینا چاہا تھا، جو ناجائز تھا، مگر جناب عمرؓ نے اپنی ایمانی فراست سے تاڑ لیا تھا کہ اس کی غرض کیا ہے۔)

۱۸۔ بَابُ التَّرْغِيبِ فِي الْجِهَادِ

جہاد کی ترغیب کا باب

یہ عنوان کتاب الجہاد کے ابتدا میں بھی گزرا ہے، مگر موجودہ ترجمہ کے تحت میں کچھ دوسری روایات بیان ہوئی ہیں۔ لہٰذا یہ تکرار نہیں ہے۔

۱۰۰۳۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ، يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ. فَتُطْعِمُهُ. وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ. فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَأَطْعَمَتْهُ. وَجَلَسَتْ تَفْلِي فِي رَأْسِهِ. فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا. ثُمَّ اسْتَيْقَظَ، وَهُوَ يَضْحَكُ. قَالَتْ فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ. يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ. مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ. أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ" يَشُكُّ إِسْحَاقُ. قَالَتْ فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ. فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ. ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ. قَالَتْ قُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا يُضْحِكُكَ؟ قَالَ "نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ. مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ. أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ" كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى. قَالَتْ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ. فَقَالَ "أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ" قَالَ، فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ. فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ. فَهَلَكَتْ.

ترجمہ: انس بن مالکؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا میں تشریف لے جاتے تو اُمِ حرام بنتِ ملحانؓ کے ہاں جاتے اور وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور اُمِ حرامؓ عبادہ بن الصامتؓ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس نے آپ کو کھانا کھلایا اور بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر صاف کرنے لگی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ اُمِ حرامؓ نے کہا کہ میں نے پوچھا، یا رسول اللہ آپ کس بات پر ہنستے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میری اُمت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے سمندر کی پشت پر سوار ہوں گے، گویا کہ بادشاہ ہیں جو تختوں پر بیٹھے ہیں یا وہ تخت نشین بادشاہوں کی مانند ہیں۔ اسحاق راوی کو الفاظ میں شک ہے۔ پس میں نے کہا یا رسول دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے۔ حضورؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور سر تکیے پر رکھ کر سو گئے پھر دوبارہ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرامؓ نے کہا میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ بات پر ہنستے ہیں؟ فرمایا میری اُمت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کئے گئے جو اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے اور تخت نشین بادشاہ یا تخت نشین بادشاہوں کی مانند ہوں گے جیسا کہ پہلی بار فرمایا تھا۔ ام حرامؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے ان میں شامل کرے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو پہلے گروہ میں ہو گی۔ راوی نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ کے زمانے میں اُمِ حرام سمندری سفر پر گئیں اور جب سمندر سے باہر آئیں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور ہلاک ہو گئیں۔

شرح: اُمِ حرام بنتِ ملحان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی طرف سے آپؐ کی محرم تھیں۔ یہ اُمِ سلیمؓ کی بہن اور انسؓ کی خالہ تھیں۔ حدیث کے الفاظ جَلَسَتْ تَفْلِي فِي رَأْسِهِ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ معاذ اللہ آپؐ کے سر میں جوئیں تھیں۔ سر ملنے اور بالوں کو سہلانے سے انسان کو راحت ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طیب و طاہر تھے۔ اور آپؐ کا پسینہ تک خوشبودار تھا۔ جوئیں بدبو کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اور اس سے آپؐ پاک تھے۔ یہ امکان البتہ تھا کہ سر میں خشکی، ریت کے ذرے یا تنکے وغیرہ نہ اٹک گئے ہوں۔ کیونکہ آپؐ کے سر اکثر لمبے بال ہوتے تھے۔ اس حدیث میں حضرت امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیانؓ کی بڑی منقبت پائی جاتی ہے کہ انہی کے بھیجے ہوئے مجاہدین کا نظارہ حضورؐ کو دکھایا گیا اور آپؐ خوش ہوئے۔ تخت نشین بادشاہ

اور اس وعدے کا تقاضا تھا کہ آپ کی زندگی کسی کافر، مشرک اور دشمن کے ہاتھ سے اختتام کو نہ پہنچے۔ ان مصالح کی بنا پر باوجود مطلوب و مقصود ہونے کے آپ کو شہادت کی موت نہ دی گئی، ہاں اسباب شہادت میں سے ایک سبب دشمن کی زہر خورانی کا شکار ہونا بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے یہود کی زہر خورانی کا تختہ مشق بنے اور اس زہر قاتل کا اثر تا دم آخر آنجناب نے محسوس فرمایا۔ اس لحاظ سے بے کھٹکے کہا جا سکتا ہے کہ اس جہت سے حضورؐ کو باوجود طبعی موت کے شہادت کی موت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۰۰۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ؟" فَقَالَ رَجُلٌ: أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَطُوفُ بَيْنَ الْقَتْلَى. فَقَالَ لَهُ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: بَعَثَنِي إِلَيْكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِآتِيَهُ بِخَبَرِكَ. قَالَ: فَاذْهَبْ إِلَيْهِ فَاقْرَأْهُ مِنِّي السَّلَامَ. وَأَخْبِرْهُ أَنِّي قَدْ طُعِنْتُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ طَعْنَةً. وَأَنِّي قَدْ أُنْفِذَتْ مَقَاتِلِي. وَأَخْبِرْ قَوْمَكَ أَنَّهُ لَا عُذْرَ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ، إِنْ قُتِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَوَاحِدٌ مِنْهُمْ حَيٌّ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے کہ جب اُحد کی جنگ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے سعد بن ربیع انصاریؓ کی خبر کون لا کر دے گا؟ ایک شخص بولا، یا رسول اللہ میں لاتا ہوں، پس وہ شخص گیا اور مقتولوں کے اندر گھومتا رہا۔ پس سعد بن الربیعؓ نے اس سے کہا کہ تم کیا کرتے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری خبر لانے کو بھیجا ہے۔ سعدؓ نے کہا کہ پھر تم حضورؐ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرو اور کہو کہ مجھ کو نیزے کے بارہ زخم لگے ہیں اور وہ زخم کاری ہیں۔ اور اے شخص تو اپنی قوم کو میرا پیغام دے کہ ان میں سے اگر ایک بھی زندہ رہا اور اللہ کا رسولؐ شہید ہو گیا تو اللہ کے ہاں ان کا کوئی عذر بھی قابل سماعت نہ ہوگا۔

شرح: سعد بن ربیع انصاریؓ بیعت عقبہ میں انصار کے نقیبوں میں سے ایک مقرر ہوئے تھے۔ یہ عقبہ کی ہر دو بیعتوں میں شامل تھے۔ حضورؐ نے مواخات کے وقت انہیں عبدالرحمن بن عوفؓ کا بھائی بنایا تھا۔ اور انہی نے یہ پیش کش کی تھی کہ میں اپنا نصف مال مہاجر بھائی کو دیتا ہوں اور دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں، تاکہ عدت کے بعد مہاجر بھائی اس سے نکاح کر لے اور اس کا گھر بس جائے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ الاستیعاب میں ہے کہ سعد بن ربیعؓ کی خبر لانے والا شخص اُبی بن کعبؓ تھا۔ اور سعدؓ نے ان کے ہاتھ اپنی قوم کو یہ پیغام دیا تھا کہ اس قول و قرار کو مت بھولنا جو تم نے عقبہ کی رات میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، تمہاری زندگی میں اگر اللہ کے رسولؐ کو نقصان پہنچا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا۔ یہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب! رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۰۰۶۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغَّبَ فِي الْجِهَادِ، وَذَكَرَ الْجَنَّةَ، وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَأْكُلُ تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ. فَقَالَ: إِنِّي لَحَرِيصٌ عَلَى الدُّنْيَا إِنْ جَلَسْتُ حَتَّى أَفْرُغَ مِنْهُنَّ. فَرَمٰى مَا فِي يَدِهِ. فَحَمَلَ بِسَيْفِهِ، فَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی ترغیب دی اور جنت کا ذکر فرمایا اور انصار میں سے ایک شخص اپنے ہاتھ میں کھجوریں لئے کھا رہا تھا پس وہ کہنے لگا کہ میں اتنی دیر بیٹھا رہوں کہ ان کے کھانے سے فارغ ہوں تو میں دنیا کا بڑا لالچی ہوں۔ پس اس نے ہاتھ کی کھجوریں پھینکیں اور لڑا حتیٰ کہ قتل ہوگیا۔

شرح: یعنی موت تو آنی ہی ہے۔ اول مرنا آخر مرنا پھر مرنے سے کیا ڈرنا۔ اور شہادت کا موقع جب ملا ہے تو ہاتھ سے کیوں دوں۔ دنیا میں تو بس ایک ہی بار آنا ہے اور وہ میں آچکا۔

مسلم نے یہ واقعہ انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس انصاری کا نام عمیر بن الحمامؓ بتایا ہے۔ یہ قصہ جنگ بدر کے دن پیش آیا تھا۔ سبحان اللہ ان لوگوں کے خلوص و ایمان کا کیا کہنا ہے۔

۱۰۰۷۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، أَنَّهُ قَالَ: الْغَزْوُ غَزْوَانِ: فَغَزْوٌ تُنْفَقُ فِيهِ الْكَرِيمَةُ، وَيُيَاسَرُ فِيهِ الشَّرِيكُ، وَيُطَاعُ فِيهِ ذُو الْأَمْرِ، وَيُجْتَنَبُ فِيهِ الْفَسَادُ. فَذَالِكَ الْغَزْوُ خَيْرٌ كُلُّهُ. وَغَزْوٌ لَا تُنْفَقُ فِيهِ الْكَرِيمَةُ، وَلَا يُيَاسَرُ فِيهِ الشَّرِيكُ، وَلَا يُطَاعُ فِيهِ ذُو الْأَمْرِ، وَلَا يُجْتَنَبُ فِيهِ الْفَسَادُ، فَذَلِكَ الْغَزْوُ لَا يَرْجِعُ صَاحِبُهُ كَفَافًا۔

ترجمہ: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا، جنگ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جنگ جس میں کہ جان و مال لگائی جائے اور ساتھی کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے اور فساد سے پرہیز کیا جائے۔ پس یہ جنگ تو ساری کی ساری خیر ہے۔ اور دوسری جنگ وہ ہے جس میں کہ مال و جان کو نہ لگایا جائے اور رفیق کے ساتھ نرم سلوک نہ کیا جائے اور امیر کی اطاعت نہ کی جائے۔ اور فساد سے اجتناب نہ کیا جائے۔ پس اس جنگ سے آدمی بقدر ضرورت لے کر بھی واپس نہیں آتا۔

شرح: یعنی ثواب و اجر تو رہا ایک طرف، اس دوسری قسم کی جنگ سے تو یہ امید بھی نہیں کہ آدمی عذاب الٰہی سے بچ سکے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے ریاکاری، فخر اور شہرت پسندی کے لئے جنگ کی اور امیر کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد کیا۔ الخ

۱۹۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَيْلِ وَالْمُسَابَقَةِ بَيْنَهَا، وَالنَّفَقَةِ فِي الْغَزْوِ

گھوڑوں اور گھوڑ دوڑ کا باب اور جہاد میں خرچ کرنا

۱۰۰۸۔ حَدَّثَنِیْ يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلْخَیْلُ فِیْ نَوَاصِیْھَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت کے دن تک بھلائی بندھی ہوئی ہے۔

شرح: یعنی گھوڑا ہمیشہ انسان کی دینی اور دنیوی کاموں میں استعمال ہوتا رہے گا۔ آج جب کہ جدید ترین سواریوں کا دور ہے، گھوڑے کا نفع اپنے جگہ پر ہے اور جہاں پر گھوڑا استعمال ہوتا ہے وہاں کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

۱۰۰۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَیْنَ الْخَیْلِ الَّتِیْ قَدْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْیَاءِ۔ وَکَانَ اَمَدُھَا ثَنِیَّۃَ الْوَدَاعِ۔ وَسَابَقَ بَیْنَ الْخَیْلِ الَّتِیْ لَمْ تُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِیَّۃِ اِلٰی مَسْجِدِ بَنِیْ زُرَیْقٍ۔ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ کَانَ مِمَّنْ سَابَقَ بِھَا۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گھوڑوں میں دوڑ کا مقابلہ کرایا جن کا اضمار کیا گیا تھا۔ حفیا سے دوڑ شروع ہوئی اور آخری ہدف ثنیۃ الوداع تھی۔ اور آپؐ نے ان گھوڑوں کے درمیان مقابلہ کرایا جن کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ثنیۃ سے لے کر مسجد بنی زریق تک اور یہ کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اس مقابلے میں حصّہ لیا تھا۔

شرح: گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر ان کی تہذیب و تدریب کی جاتی تھی اور اس فعل کو اضمار کہتے تھے۔ گھوڑ دوڑ جہاد کی تیاری کا ایک حصہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ میں دیا ہے۔

۱۰۱۰۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّہٗ سَمِعَ سَعِیْدَ بْنَ الْمُسَیَّبِ یَقُوْلُ: لَیْسَ بِرِھَانِ الْخَیْلِ بَاْسٌ، اِذَا دَخَلَ فِیْھَا مُحَلِّلٌ۔ فَاِنْ سَبَقَ اَخَذَ السَّبَقَ وَاِنْ سُبِقَ لَمْ یَکُنْ عَلَیْہِ شَیْءٌ۔

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ کہتے تھے کہ گھوڑوں کی شرط بدنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ان میں کوئی محلّل (حلال کنندہ) داخل ہو جائے۔ پس اگر وہ اول آئے تو انعام لے جائے اور اول نہ آئے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔

شرح: اگر دو شخصوں نے مثلاً ایک ایک سو روپے کی شرط رکھی کہ جس کا گھوڑا اول آئے وہ یہ دو سو لے جائے تو یہ شرط حرام ہے اور اس میں ربٰوا پایا جاتا ہے۔ اگر تیسرا شخص رقم کے بغیر ان میں داخل ہو جائے اور اس کے اول آنے کی صورت میں بھی انعام سارا اسی کا ہو۔ مگر بصورت دیگر اس پر کوئی جرمانہ وغیرہ نہ ہو، تو اب ربٰوا کی صورت نہیں رہی ہے۔ لہٰذا یہ جائز ہے۔ مؤطا امام محمدؒ میں یہی لکھا ہے۔

۱۰۱۱۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رُئِیَ وَهُوَ یَمْسَحُ وَجْهَ فَرَسِهِ بِرِدَائِهِ. فَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: "إِنِّي عُوتِبْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْخَيْلِ"

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپؐ اپنی چادر مبارک کے ساتھ اپنے گھوڑے کا منہ پونچھ رہے تھے۔ آپؐ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ آج رات مجھے گھوڑوں کے متعلق عتاب کیا گیا ہے۔

شرح: حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھوڑوں کی بہت دیکھ بھال اور نگرانی کا حکم دیا گیا ہے۔ رات کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو یہ حکم خواب میں ملا تھا۔ مگر ممکن ہے بیداری میں ملا ہو۔ گھوڑا آلۂ جہاد ہے اس لئے اس کی خصوصی نگرانی کا حکم دیا گیا۔

۱۰۱۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ خَرَجَ إِلَى خَيْبَرَ، أَتَاهَا لَيْلًا. وَكَانَ إِذَا أَتَى قَوْمًا بِلَيْلٍ لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ. فَخَرَجَتْ يَهُودُ بِمَسَاحِيهِمْ وَمَكَاتِلِهِمْ. فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: مُحَمَّدٌ، وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ، وَالْخَمِيسُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللّٰهُ أَكْبَرُ. خَرِبَتْ خَيْبَرُ. إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ".

ترجمہ: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر کی طرف چلے تو بوقت شب خیبر میں پہنچے اور آپؐ جب کسی قوم یا بستی میں رات کو تشریف لاتے تو صبح سے قبل رات نہ ڈالتے۔ پس یہودی اپنی کدالیں اور ٹوکرے لے کر نکلے۔ تو جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بولے، واللہ محمدؐ اور لشکر آ گیا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اکبر، خیبر برباد ہوا۔ ہم جب کسی قوم کے صحن میں اُتریں تو ان کی صبح بہت بُری ہوتی ہے جن کو انجام سے خبردار کر دیا گیا تھا۔

شرح: یہود ویسے ہی ایک خبیث، بدعہد اور سازشی قوم ہے۔ ان کی کچھ آبادی خیبر میں رہتی تھی۔ اور کچھ مدینہ سے جلاوطن ہو کر ہجرت کے دوسرے (بنو قینقاع) اور تیسرے (بنونضیر) سال یہاں آ بسے تھے۔ ان سب نے مشرکین سے مل کر جنگ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کرلیا اور اسلام اور اہل اسلام کو مٹا ڈالنے کی ناپاک تدبیریں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح حدیبیہ کے بعد ۷ھ میں اہل خیبر کی خبر لینے کا موقع ملا۔ اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

۱۰۱۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ نُودِيَ فِي الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا خَيْرٌ. فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ

وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ، وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ. وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ، دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ". فَقَالَ أَبُو بَكْرِنِ الصِّدِّيقُ: يَا رَسُولَ اللهِ. مَا عَلَى مَنْ يُدْعَى مِنْ هٰذِهِ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ. فَهَلْ يُدْعَى أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا؟ قَالَ: نَعَمْ. وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ".

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کرے تو اسے جنت میں پکارا جائے گا کہ اے اللہ کے بندے یہ بہتر ہے۔ پس جو اہل نماز میں سے ہوگا، اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا، اسے باب الجہاد میں سے پکارا جائے گا۔ اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا، اسے باب الصدقہ میں سے پکارا جائے گا۔ اور روزے والوں میں سے ہوگا، اسے باب الریان میں سے بلایا جائے گا۔ اس پر ابوبکر الصدیقؓ بولے یا رسول اللہ، ان دروازوں میں سے جس کسی سے بھی بلایا جائے ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور اور طرف سے پکارے جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ پس کیا کوئی ایسا بھی ہوگا، جسے ان سب دروازوں میں سے بلایا جائے گا؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں، اور مجھے امید ہے کہ تو ان میں سے ہوگا۔

شرح: اہل الصلوٰۃ یا اہل الصوم وغیرہما سے مراد یہ ہے کہ یہ صفت جن پر غالب ہوگی وہ اس سے موسوم ہو جائیں گے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ فرائض تو ہر ایک پر واجب ہیں اور اہل صلوٰۃ روزے، زکوٰۃ اور حج سے بے نیاز تو نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث میں اس اُمت کے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خاص فضیلت ہے کہ جنت کا ہر دروازہ ان کا منتظر و مشتاق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ فرمائیں کہ مجھے امید ہے، تو اس کا مطلب یقینی طور پر وقوع ہوتا ہے۔

٢٠۔ بَابُ إِحْرَازِ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَأَرْضَهُ

نومسلم ذمّی کیا اپنی زمین کا مالک ہوگا؟

(ایضاً) سُئِلَ مَالِكٌ: عَنْ إِمَامٍ قَبِلَ الْجِزْيَةَ مِنْ قَوْمٍ فَكَانُوا يُعْطُونَهَا. أَرَأَيْتَ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ أَتَكُونُ لَهُ أَرْضُهُ، أَوْ تَكُونُ لِلْمُسْلِمِينَ، وَيَكُونُ لَهُمْ مَالُهُ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: ذٰلِكَ يَخْتَلِفُ. أَمَّا أَهْلُ الصُّلْحِ، فَإِنَّ مَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ فَهُوَ أَحَقُّ بِأَرْضِهِ وَمَالِهِ. وَأَمَّا أَهْلُ الْعَنْوَةِ الَّذِينَ أُخِذُوا عَنْوَةً، فَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ فَإِنَّ أَرْضَهُ وَمَالَهُ لِلْمُسْلِمِينَ. لِأَنَّ أَهْلَ الْعَنْوَةِ قَدْ غُلِبُوا عَلَى بِلَادِهِمْ، وَصَارَتْ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ. وَأَمَّا أَهْلُ الصُّلْحِ، فَإِنَّهُمْ قَدْ مَنَعُوا أَمْوَالَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ حَتّٰى صَالَحُوا عَلَيْهَا. فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ إِلَّا مَا صَالَحُوا عَلَيْهِ.

(ایضاً) امام مالکؒ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ امام نے ایک قوم سے جزیہ قبول کر لیا۔ اور اسے جزیہ دیتے رہے۔ تو کہا ان میں سے

جو مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین اس کی اپنی ہوگی یا مسلمانوں کی؟ اور آیا اس کا مال مسلمانوں کی ملکیت ہوگا یا نہیں؟ مالک نے کہا کہ اس کا جواب مختلف صورتوں میں الگ الگ ہے۔ اہل صلح میں سے جو لوگ اسلام لے آئیں تو ان کی زمین اور مال کے وہی یار حقدار ہیں۔ اور بزور شمشیر فتح ہونے والے، جن کو زبردستی مفتوح کیا گیا تھا، تو جو اُن میں مسلمان ہو جائے تو زمین اور مال مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ بزورِ شمشیر فتح ہونے والے بجبر مغلوب کیے گئے۔ لہٰذا ان کی زمین مسلمانوں کے لئے فَے ہو گئی لیکن اہل صلح نے اپنی جانوں اور مالوں کا دفاع کیا اور انہیں بچانے پر صلح کر لی۔ پس وہ انہی شرطوں پر رہیں گے جو ان کے ساتھ کی گئیں۔ (اس نو مسلم ذمّی کی زمین کے فَے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بدستور خراجی رہیں گے۔ اس کے مسلمان ہونے پر زمین کا حکم نہ بدلے گا کیونکہ اسے بوقتِ فتح قبضہ میں لایا گیا تھا۔ اور اس کا ایک شرعی حکم مقرر ہو گیا۔ اس مسئلہ کی تعریفات و تفصیلات میں اختلاف ہے، جس کے ذکر کا یہ محل نہیں)

۱۲۔ بَابُ الدَّفْنُ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ مِنْ ضَرُوْرَةٍ، وَ اِنْفَاذُ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عِدَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

دو آدمیوں یا زیادہ کو ایک قبر میں دفن کرنے کا بیان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کا بعد آپ کی وفات کے ابوبکر کے وفا کرنے کا بیان

۱۰۱۴۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ صَعْصَعَةَ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ: اَنَّ عَمْرَو ابْنَ الْجَمُوْحِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیَّیْنِ، ثُمَّ السَّلَمِیَّیْنِ، كَانَا قَدْ حَفَرَ السَّیْلُ قَبْرَهُمَا وَكَانَ قَبْرُهُمَا مِمَّا یَلِی السَّیْلَ. وَكَانَا فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ. وَهُمَا مِمَّنِ اسْتُشْهِدَ یَوْمَ اُحُدٍ. فَحُفِرَ عَنْهُمَا لِیُغَیَّرَا مِنْ مَكَانِهِمَا. فَوُجِدَا لَمْ یَتَغَیَّرَا، كَاَنَّهُمَا مَاتَا بِالْاَمْسِ. وَكَانَ اَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ، فَوَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی جُرْحِهٖ، فَدُفِنَ وَهُوَ كَذٰلِكَ. فَاُمِیْطَتْ یَدُهٗ عَنْ جُرْحِهٖ، ثُمَّ اُرْسِلَتْ، فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ. وَكَانَ بَیْنَ اُحُدٍ وَبَیْنَ یَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا، سِتٌّ وَاَرْبَعُوْنَ سَنَةً.

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَاْسَ اَنْ یُدْفَنَ الرَّجُلَانِ وَالثَّلَاثَةُ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ، مِنْ ضَرُوْرَةٍ. وَ یُجْعَلَ الْاَكْبَرُ مِمَّا یَلِی الْقِبْلَةَ.

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو خبر پہنچی ہے کہ عمرو بن الجموح انصاری سلمی اور عبداللہ بن عمروؓ انصاری سلمی کی قبروں کو سیلاب نے اکھاڑ دیا تھا۔ اور ان کی قبریں سیلاب کی گزرگاہ کے پاس تھیں۔ اور وہ دونوں ایک قبر میں تھے۔ اور جنگ اُحد کے شہیدوں میں سے تھے۔ پس انہیں ان کی جگہ تبدیل کرنے کے لئے ان کی قبریں کھودی گئیں۔ پس انہیں یوں پایا کہ بالکل متغیر نہیں ہوئے تھے گویا کہ ابھی کل مرے ہوں۔ اور ان میں سے ایک کو جب زخم لگا تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ لیا اور اسی طرح اسے دفنا دیا گیا۔ پس اس کا ہاتھ اس کے زخم سے ہٹایا گیا اور چھوڑ دیا گیا تو ہاتھ وہیں چلا گیا جہاں پہلے تھا۔ اور جنگ اُحد میں اور

ان کی قبر کے ازسر نو کھودے جانے میں ۴۶ برس کا فاصلہ تھا۔

شرح: ان میں سے دوسرا شخص یعنی عبداللہ بن عمروؓ بن حرام بن ثعلبہ خزرجی عقبی بدری مشہور صحابی جابرؓ کا باپ تھا۔ یہ واقعہ کئی کتابوں حدیث کی میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہوا ہے۔ اور اس حدیث میں سیل سے مراد وہ نہر ہے جسے حضرت معاویہؓ نے اپنی امارت کے دوسرے سال کھدوایا تھا۔ تاکہ اہل مدینہ کو پانی بہم پہنچایا جائے۔ یہ نہر اتفاق سے شہداء احد کی قبروں کے راستہ میں پڑتی تھی۔ عمرو بن الجموحؓ اور عبداللہ بن عمرؓ چونکہ دنیا میں دوست تھے۔ لہٰذا دفن کرتے وقت اس چیز کا لحاظ رکھا گیا اور انہیں اکٹھا ایک ہی قبر میں دفنایا گیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ مُردے کو دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے جب کہ یہ کسی شرعی مصلحت سے ہو۔ اور اس میں مُردے کی توہین نہ ہو یا اسے نقصان نہ پہنچے اور یہ صورت اس ممنوعہ صورت میں داخل نہیں ہے کہ جس میں نبش قبور (قبریں اکھاڑنا) سے منع کیا گیا ہے۔ اگر مُردے کی لاش متغیر ہو چکی ہو تو اسے کسی حالت میں کھودنا درست نہیں۔ جس شخص کا ہاتھ اپنے زخم پر تھا اور ہٹانے سے خون بہ پڑا اور چھوڑنے پر واپس وہیں چلا گیا۔ یہ جابر کے والد عبداللہ بن عمروؓ کا جسم تھا جس میں کہ کتب میسر ہیں اس کی صراحت موجود ہے۔ اور یہ واقعہ ابن سعدؒ اور ابن اسحاقؒ کے ہاں مفصل موجود ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ دو تین آدمیوں کو بوقت ضرورت ایک قبر میں دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ان میں سے بڑے کو قبلے کی طرف رکھا جائے۔ (صحاح میں حدیث موجود ہے کہ حضورؐ ایسے موقعہ پر اس شخص کو قبلہ کی طرف رکھنے میں ترجیح دیتے تھے۔ جو قرآن زیادہ پڑھ چکا ہو۔ اور جب دونوں اس فضیلت میں برابر ہوں تو بڑی عمر والے کو مقدم کرتے تھے۔)

۱۰۱۵ - حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ مَالٌ مِنَ الْبَحْرَيْنِ. فَقَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأْيٌ أَوْ عِدَةٌ، فَلْيَأْتِنِي. فَجَاءَهُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، فَحَفَنَ لَهُ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ.

ترجمہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؓ (ربیعۃ الرائی) نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس بحرین سے مال آیا تو انہوں نے کہا اعلان کرایا کہ جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد یا وعدہ ہو وہ آئے۔ پس جابر بن عبداللہؓ آئے تو ابوبکرؓ نے لپے تین لپ (دونوں ہاتھوں کے اجتماع کی مقدار) بھر کر دیئے۔

شرح: کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والی امر ابوبکرؓ تھے۔ لہٰذا ان کے وعدوں کا ایفا انہی کے ذمہ تھا۔ نیز وہ چاہتے تھے کہ حضورؐ ہی کی سیرت پر چلیں۔ انہی کا طریقہ اختیار کریں اور ان کے وعدوں کو وفا کریں۔

۲۲- كِتَابُ النُّذُورِ وَالْأَيْمَانِ

۱- بَابُ مَا يَجِبُ مِنَ النُّذُورِ فِي الْمَشْيِ

پیدل چلنے کی نذریں جو واجب ہیں ان کا باب

۱۰۱۶ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ، وَلَمْ تَقْضِهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اقْضِهِ عَنْهَا"

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا اور کہا، کہ میری ماں مرگئی ہے اور اس کے ذمہ نذر ہے، جسے اس نے پورا نہیں کیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی طرف سے تو پوری کردے۔

شرح: اس حدیث میں حضورؐ کا لفظ امر کا تھا مگر مقتضیٰ اس کا ندب واستحباب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اس آیت سے کسی نذر سے جو کچھ واجب ہوگا، وہ نذر کرنے والے پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔ اور دوسرا اس کی طرف سے جب ادا کرے گا تو یہ صرف بطور استحباب ہوسکتا ہے نہ کہ بطور وجوب۔ اگر یہ نذر مطلق تھی تو اس کا کفارہ وہی قسم کا کفارہ ہے اور یہ چیز مال سے متعلق ہے۔ اگر نذر مقید تھی تو یا تو مال کے ساتھ مختص تھی۔ جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا۔ یا پھر وہ بدن کے ساتھ خاص تھی۔ جیسے صلوٰۃ وصیام۔ یا اس کا تعلق جسم اور مال دونوں سے تھا مثلاً حج اور جہاد پس جو نذر صرف مال سے متعلق ہو، اس میں نیابت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ میت کی طرف سے جو بھی چاہے اسے اس نیت سے ادا کرے کہ یہ فلاں میت کی طرف سے ہے۔ اگر وہ چیز صرف بدن سے خاص ہو تو کوئی دوسرا اس میں نائب نہیں ہوسکتا۔ نہ اُسے میت کی طرف سے قضا کرسکتا ہے اور جن چیزوں کا تعلق بدن اور مال ہر دو سے ہے اس میں بھی نیابت ہوسکتی ہے۔

اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں کتاب الایمان والنذور کے بَابُ الرَّجُلِ يَمُوتُ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ میں روایت کیا ہے۔ محمدؒ نے کہا کہ جو نذر یا صدقہ یا حج ہو تو اسے اگر مُردے کی طرف سے پورا کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا یہی ابوحنیفہ

اور یہاں عام فقہا کا قول ہے۔

۱۰۱۷۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی بَکْرٍ، عَنْ عَمَّتِهِ، اَنَّهَا حَدَّثَتْهُ عَنْ جَدَّتِهِ اَنَّهَا كَانَتْ جَعَلَتْ عَلٰی نَفْسِهَا مَشْيًا اِلٰی مَسْجِدِ قُبَاءٍ. فَمَاتَتْ وَلَمْ تَقْضِهِ. فَاَفْتٰی عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ اِبْنَتَهَا: اَنْ تَمْشِیَ عَنْهَا.

قَالَ يَحْيٰی: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: لَا يَمْشِی اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے اپنی پھوپھی سے روایت کی کہ اس نے اس کی دادی یا نانی کی طرف سے حدیث سنائی کہ اس نے اپنے اوپر مسجد قبا کی طرف پیدل چلنا لازم کر لیا تھا۔ اور وہ یہ نذر پورا کئے بغیر مر گئی۔ پس عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی بیٹی کو فتویٰ دیا کہ وہ اس کی طرف سے پیدل چلے۔ مالکؒ نے کہا کہ کوئی کسی اور کی طرف سے پیدل نہیں چل سکتا۔

شرح: مالکؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ پیدل چلنا بدنی طاعت ہے اور اس میں نیابت نہیں چل سکتی۔ مالکؒ کے نزدیک پیدل چلنے کی نذر صرف مکہ کے لئے درست ہے۔ لہٰذا انہوں نے ان تمام احادیث کو درست تسلیم نہیں کیا جن میں قبا کی طرف پیدل جانے کی نذر کا بیان ہے۔ اگر ابن عباسؓ سے یہ فتویٰ ثابت ہے تو یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ قبا کو چل کر جانے کی حلف اور نذر درست نہیں۔ جہاں تک تطوّع کا سوال ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا کو پیدل چل کر اور سوار ہو کر جانا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

۱۰۱۸۔ وَحَدَّثَنِی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی حَبِيبَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِرَجُلٍ، وَاَنَا حَدِيثُ السِّنِّ: مَا عَلَی الرَّجُلِ اَنْ يَقُولَ عَلَیَّ مَشْیٌ اِلٰی بَيْتِ اللّٰهِ، وَلَمْ يَقُلْ عَلَیَّ نَذْرُ مَشْیٍ. فَقَالَ لِی رَجُلٌ: هَلْ لَكَ اَنْ اُعْطِيَكَ هٰذَا الْجِرْوَ، لِجِرْوِ قِثَّاءٍ فِی يَدِهِ، وَتَقُولُ: عَلَیَّ مَشْیٌ اِلٰی بَيْتِ اللّٰهِ؟ قَالَ فَقُلْتُ: نَعَمْ. فَقُلْتُهُ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ. ثُمَّ مَكَثْتُ حَتّٰی عَقَلْتُ. فَقِيلَ لِی: اِنَّ عَلَيْكَ مَشْيًا. فَجِئْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ فَسَاَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ لِی: عَلَيْكَ مَشْیٌ. فَمَشَيْتُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا الْاَمْرُ عِنْدَنَا۔

ترجمہ: عبداللہ بن ابی حبیبہ نے کہا کہ عنفوان شباب میں میں نے ایک شخص سے کہا کہ جو شخص کہے میرے ذمہ بیت اللہ کی طرف پیدل جانا ہے اور یہ نہ کہے کہ میرے ذمہ پیدل چلنے کی نذر ہے تو مجھ سے ایک اور شخص کہنے لگا، اگر میں تجھے یہ چھوٹی سی ککڑی دوں، جو اس کے ہاتھ میں تھی، تو کیا تم یہ کہوگے کہ میرے ذمے بیت اللہ کی طرف پیدل جانا ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے کہا ہاں۔ پس میں نے یہ کہہ دیا اور ان دنوں کم عمر تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو مجھ سے کہا گیا کہ واقعی تمہارے ذمے بیت اللہ کی طرف پیدل

پیدل چل کر جانا واجب ہے۔ پس میں سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تم پر جانا واجب ہے۔ پس میں پیدل گیا۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی امر ہے۔ یہ اثر اور پچھلا بھی مؤطائے امام محمد میں بَابُ الرَّجُلِ یَحْلِفُ بِالْمَشْیِ میں مروی ہے۔

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا یہی مختار ہے کہ جس نے اپنے اوپر بیت اللہ تک پیدل جانا لازم کیا تو وہ اس پر واجب ہے خواہ نذر کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ ابن حبیب سے جو کچھ منقول ہے وہ اس موجودہ روایت کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ نذر کا لفظ بولنا ضروری ہے ورنہ مشی لازم نہیں آئے گی چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت موجود ہے۔ لیکن معتبر روایت یہی مؤطا کی ہے۔ اور امام محمدؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

۲۔ بَابٌ فِيمَنْ نَذَرَ مَشْيًا إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ فَعَجَزَ

بیت اللہ تک پیدل جانے کی نذر ماننے کا باب

۱۰۱۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أُذَيْنَةَ اللَّيْثِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ جَدَّةٍ لِي عَلَيْهَا مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَجَزَتْ، فَأَرْسَلَتْ مَوْلًى لَهَا يَسْأَلُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ، فَخَرَجْتُ مَعَهُ. فَسَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: مُرْهَا فَلْتَرْكَبْ، ثُمَّ لْتَمْشِ مِنْ حَيْثُ عَجَزَتْ.

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: وَنَرَى عَلَيْهَا، مَعَ ذٰلِكَ الْهَدْيَ.

ترجمہ: عروہ ابن اُذینہ لیثی نے کہا کہ میں اپنی ایک دادی کے ساتھ نکلا، جس کے ذمہ بیت اللہ تک پیدل جانا واجب تھا۔ راستے میں وہ چلنے سے عاجز آگئی۔ پس اس نے اپنے ایک غلام کو عبد اللہ بن عمرؓ کی طرف سوال کرنے کو بھیجا اور میں بھی اس کے ساتھ گیا۔ اس نے عبد اللہ بن عمرؓ سے پوچھا تو عبد اللہؓ نے اُسے کہا، اسے کہو کہ سوار ہو جائے۔ پھر جہاں سے عاجز آئی ہے وہیں سے مشی کو قضا کرے۔ مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس پر اس کے ساتھ ساتھ ہدی بھی واجب ہے (یہ اثر مؤطائے امام محمدؒ میں بَابُ مَنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ الْمَشْيَ الخ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے کہا کہ بعض علمائے عبد اللہ بن عمرؓ کے فتویٰ کو اختیار کیا ہے اور اس قول سے زیادہ محبوب ہمیں علی بن ابی طالبؓ کا قول ہے۔ پھر امام محمد نے اپنی سند سے علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس صورت میں ہدی مشی کی جگہ پر ہو گی۔ یعنی وہ شخص سوار ہو جائے اور ایک اونٹ ذبح کرے یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔ اہل مکہ کا فتویٰ یہی ہے چنانچہ عطا سے یہی مروی ہے۔ مگر مدینہ والوں کا فتویٰ ابن عمر جیسا ہے۔

امام مالکؒ کو سعید بن المسیب اور ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے خبر پہنچی ہے کہ ان کا قول بھی عبد اللہ بن عمرؓ کی مانند تھا۔

۱۰۲۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ عَلَيَّ مَشْيٌ. فَأَصَابَتْنِي

حَاضِرَةٌ، فَرَكِبْتُ، حَتَّى أَتَيْتُ مَكَّةَ. فَسَأَلْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ وَغَيْرَهُ. فَقَالُوا: عَلَيْكَ هَدْيٌ فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ، سَأَلْتُ عُلَمَاءَهَا فَأَمَرُونِي أَنْ أَمْشِيَ مَرَّةً أُخْرَى مِنْ حَيْثُ عَجَزْتُ. فَمَشَيْتُ

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: فَالْأَمْرُ عِنْدَنَا فِيمَنْ يَقُولُ عَلَيَّ مَشْيٌ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ، أَنَّهُ إِذَا عَجَزَ رَكِبَ. ثُمَّ عَادَ فَمَشَى مِنْ حَيْثُ عَجَزَ. فَإِنْ كَانَ لَا يَسْتَطِيعُ الْمَشْيَ فَلْيَمْشِ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ. ثُمَّ لْيَرْكَبْ وَعَلَيْهِ هَدْيٌ بَدَنَةٌ أَوْ بَقَرَةٌ أَوْ شَاةٌ إِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا هِيَ.

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَقُولُ لِلرَّجُلِ أَنَا أَحْمِلُكَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ. فَقَالَ مَالِكٌ: إِنْ نَوَى أَنْ يَحْمِلَهُ عَلَى رَقَبَتِهِ، يُرِيدُ بِذَلِكَ الْمَشَقَّةَ، وَتَعَبَ نَفْسِهِ، فَلَيْسَ ذَلِكَ عَلَيْهِ. وَلْيَمْشِ عَلَى رِجْلَيْهِ. وَلْيُهْدِ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ نَوَى شَيْئًا، فَلْيَحْجُجْ وَلْيَرْكَبْ، وَلْيَحْجُجْ بِذَلِكَ الرَّجُلِ مَعَهُ. وَذَلِكَ أَنَّهُ قَالَ: أَنَا أَحْمِلُكَ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ. فَإِنْ أَبَى أَنْ يَحُجَّ مَعَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. وَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ.

قَالَ يَحْيَى: سُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِنُذُورٍ مُسَمَّاةٍ مَشْيًا إِلَى بَيْتِ اللَّهِ، أَنْ لَا يُكَلِّمَ أَخَاهُ أَوْ أَبَاهُ بِكَذَا وَكَذَا، نَذْرًا لِشَيْءٍ لَا يَقْوَى عَلَيْهِ. وَلَوْ تَكَلَّفَ ذَلِكَ كُلَّ عَامٍ لَعُرِفَ أَنَّهُ لَا يَبْلُغُ عُمُرُهُ مَا جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ ذَلِكَ. فَقِيلَ لَهُ: هَلْ يُجْزِيهِ مِنْ ذَلِكَ نَذْرٌ وَاحِدٌ أَوْ نُذُورٌ مُسَمَّاةٌ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: مَا أَعْلَمُهُ يُجْزِئُهُ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا الْوَفَاءُ بِمَا جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ فَلْيَمْشِ مَا قَدَرَ عَلَيْهِ مِنَ الزَّمَانِ. وَلْيَتَقَرَّبْ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِمَا اسْتَطَاعَ مِنَ الْخَيْرِ.

ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میرے ذمہ پیدل جانے کی نذر تھی لیکن میرے کولھے میں درد نکل آیا۔ تو میں سوار ہو کر مکہ پہنچا اور عطا بن ابی رباح وغیرہ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ تجھ پر ہدی واجب ہے۔ جب میں مدینہ گیا اور وہاں کے علماء سے پوچھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ جہاں سے عاجز ہوا تھا وہاں سے ازسرِنو پیدل جاؤں۔ پس میں پیدل گیا۔ (یہ اثر موطا امام محمد میں مروی ہے گفتگو اوپر ہو چکی) امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک جو شخص یہ کہے کہ میرے ذمے بیت اللہ تک پیدل جانا واجب ہے۔ ہمارے نزدیک امر یہ ہے کہ اگر وہ عاجز ہو جائے تو سوار ہو لے۔ پھر واپس آکر جہاں سے یہ سوار ہوا تھا۔ وہاں سے مشی شروع کرے۔ اگر وہ چلنے پر قادر نہیں تو جس قدر چل سکے چلے پھر سوار ہو جائے اور اس پر ہدی واجب ہے، اونٹ یا گائے کی۔ اور اگر نہ پائے تو بھیڑ بکری کی۔

اور مالکؒ سے پوچھا گیا کہ اس آدمی کا کیا حکم ہے جس کو دوسرے نے کہا کہ میں تجھے سوار کر کے بیت اللہ تک لے جاؤں گا۔

مالکؒ نے کہا کہ اگر قائل کی نیت یہ تھی کہ اپنی گردن پر اٹھا کر لے جائے گا اور وہ اس سے مشقت اور نفسانی تھکن پانا چاہتا ہے تو اس پر یہ واجب نہیں ہے۔ اسے اپنے پاؤں پر چلنا چاہئے اور ہدی دینی چاہئے اور اگر اس کی کوئی نیت نہ تھی، پس وہ حج کرے اور سوار ہو جائے۔ اور اس دوسرے آدمی کو حج اپنے ساتھ کرائے اور یہ اس لئے کہ اس نے کہا تھا ہیں تجھ کو بیت اللہ تک اٹھائے جاؤں گا۔ اور اگر وہ اس کے ساتھ حج کو جانے سے انکار کرے تو اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ اور جو اس کے ذمہ واجب تھا وہ اس نے ادا کر دیا۔

امام مالکؒ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو کئی نذروں کا نام لے کر ان کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔ مثلاً بیت اللہ تک پیدل جانا۔ یہ کہ وہ اتنی مدت تک اپنے بھائی یا باپ سے بات نہیں کرے گا۔ اور بعض ایسی چیزوں کی نذر کرتا ہے، جن کی اسے قوت نہیں ہے۔ اور اگر وہ ہر سال بھی بتکلف کوشش کرے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عمر بھر میں ان نذروں کو پورا نہ کر سکے گا۔ جن کو اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ تو امام مالکؒ سے کہا کیا ان میں سے اسے ایک نذر پوری کر لینا کافی ہے یا سب نذریں پوری کرنی پڑیں گی۔ جو اس نے اپنے اوپر لازم کی ہیں۔ جتنی دیر تک اسے قدرت حاصل ہے وہ پیدل چلے اور جس قدر نیکی کی استطاعت ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرے۔ (اس مسئلہ میں حنفیہ کا قول بھی امام مالکؒ جیسا ہے۔)

۳۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْمَشْيِ إِلَى الْكَعْبَةِ

کعبۃ اللہ کی طرف پیدل جانے کا عمل کس طرح کرے؟

حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فِي الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ. أَوِ الْمَرْأَةِ. فَيَحْنَثُ، أَوْ تَحْنَثُ. أَنَّهُ إِنْ مَشَى الْحَالِفُ مِنْهُمَا فِي عُمْرَةٍ فَإِنَّهُ يَمْشِي حَتَّى يَسْعَى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. فَإِذَا سَعَى فَقَدْ فَرَغَ. وَأَنَّهُ إِنْ جَعَلَ عَلَى نَفْسِهِ مَشْيًا فِي الْحَجِّ، فَإِنَّهُ يَمْشِي حَتَّى يَأْتِيَ مَكَّةَ. ثُمَّ يَمْشِي حَتَّى يَفْرُغَ مِنَ الْمَنَاسِكِ كُلِّهَا. وَلَا يَزَالُ مَاشِيًا حَتَّى يُفِيضَ.

قَالَ مَالِكٌ: وَلَا يَكُونُ مَشْيٌ إِلَّا فِي الْحَجِّ أَوْ عُمْرَةٍ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ اہل علم سے اس مرد کے متعلق جو بہترین بات سنی گئی جو عمرہ میں بیت اللہ کی طرف پیدل چل کر جانے کی قسم کھائے یا وہ عورت ہو۔ اور پھر وہ قسم توڑ دیں۔ امام مالکؒ نے کہا کہ صفا مروہ کی سعی کرنے تک ان میں جو پیدل چلے گا تو وہ اس سے فارغ ہو کر قسم کے ایفا سے بھی فارغ ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے اوپر حج میں پیدل چلنا لازم کر دانا ہو تو وہ مکہ پہنچنے تک پیدل چلے۔ پھر وہ تمام مناسک بھی پیدل ادا کرے اور طواف افاضہ کرنے تک پیدل ہی رہے گا۔ مالکؒ نے کہا کہ پیدل چلنا صرف حج یا عمرہ میں ہوتا ہے۔ (بقول ابو الولید الباجی اس قول کی رو سے کسی اور جگہ کی مشی کی نذر بے کار ہے اور اس سے کچھ

بھی واجب نہیں ہوتا۔)

۴۔ بَابُ مَا لَا يَجُوزُ مِنَ النُّذُورِ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

اللہ کی نافرمانی کی نذروں کے ناجائز ہونے کا باب

۱۰۲۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ، وَثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَحَدُهُمَا يَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ عَلَى صَاحِبِهِ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا قَائِمًا فِي الشَّمْسِ۔ فَقَالَ "مَا بَالُ هٰذَا؟" فَقَالُوا: نَذَرَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ، وَلَا يَسْتَظِلَّ مِنَ الشَّمْسِ، وَلَا يَجْلِسَ، وَيَصُومَ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ، وَلْيَجْلِسْ، وَلْيُتِمَّ صِيَامَهُ۔"

قَالَ مَالِكٌ: وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ بِكَفَّارَةٍ۔ وَقَدْ أَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتِمَّ مَا كَانَ لِلّٰهِ طَاعَةً، وَيَتْرُكَ مَا كَانَ لِلّٰهِ مَعْصِيَةً۔

ترجمہ: حمید بن قیس اور ثور بن زید دیلی نے مالکؒ کو خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کی اور ان کی روایت ایک دوسرے سے کم و بیش تھی، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑا دیکھا تو فرمایا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس نے نذر کی ہے کہ بولے گا نہ سائے میں جائے گا اور نہ بیٹھے گا اور روزہ رکھے گا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے حکم دو کہ سائے میں ہو جائے اور بات کرے اور بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

شرح: صحاح کی روایت میں، یہ شخص ابو اسرائیل تھا۔ پچھلی قوموں میں خاموشی کا روزہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ قرآن نے زکریا اور مریمؑ کے متعلق فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں مشرکین بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ اس امت کے لئے ایسا کوئی روزہ تجویز نہیں کیا گیا کیونکہ مباح کلام سے خاموشی اختیار کرنا ہرگز عبادت نہیں۔ حافظ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ کسی شخص کے لئے صبح سے شام تک خاموش رہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ایسے کلام سے خاموشی اختیار کرنا جس میں گناہ نہیں، یہ کوئی نیکی اور عبادت نہیں۔ اور جس کلام میں عبادت و قربت ہو اس سے خاموشی اختیار کرنا گناہ ہے۔ طاعت و قربت صرف یہ ہے کہ ایسے کلام سے خاموشی اختیار کی جائے جس میں گناہ ہو۔ اہل اسلام کو نیک کلام کرنے اور ذکر و تلاوت و نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ سب کام اس جاہلی رسم کے خلاف ہیں اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا، اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی باطل کلام سے پرہیز کرے۔ کیونکہ نجات اسی کے ساتھ وابستہ ہے نہ کہ کلام حق کو ترک کرنے کے ساتھ۔ ایک خاموش رہنے والی عورت نے حج کیا اور ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا تھا کہ تو کلام کر کیونکہ خاموش رہنا اہل جاہلیت کا طریقہ ہے اور حلال نہیں ہے۔

ایضاً۔ امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے یہ نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کسی کفارہ کا حکم دیا تھا اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا کہ جو چیز اللہ کی طاعت ہے اسے پورا کرے (یعنی روزہ) اور جو چیز اللہ کی نافرمانی ہے اسے ترک کر دے۔ (یعنی فی نفسہ وہ چیز اگرچہ معصیت نہ تھی، لیکن اس کے نذر ماننے سے وہ معصیت ہو گئی تھی اور اب اس کا ترک واجب تھا۔ شرح المہذب میں ہے کہ جب آدمی کوئی مباح نذر مانے، مثلاً پہننے کی یا سواری کی تو وہ منعقد نہ ہو گی۔ اور یہی قول مالک، ابو حنیفہ، داؤد ظاہری اور جمہور علما کا ہے اور امام احمد نے کہا کہ وہ منعقد ہے اور اس شخص کو قسم کا کفارہ دینا واجب ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ قربت و طاعت نہیں اور اس کا ایفا واجب نہیں ہے اجماعاً۔ لہذا یہ نذر منعقد نہیں ہوئی۔)

۱۰۲۲- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ أَتَتِ امْرَأَةٌ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَتْ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ ابْنِي. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا تَنْحَرِي ابْنَكِ وَكَفِّرِي عَنْ يَمِينِكِ. فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَكَيْفَ يَكُونُ فِي هٰذَا كَفَّارَةٌ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ - وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ - ثُمَّ جَعَلَ فِيهِ مِنَ الْكَفَّارَةِ مَا قَدْ رَأَيْتَ.

ترجمہ: یحیی بن سعید نے القاسم بن محمد کو کہتے سنا کہ ایک عورت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئی اور بولی کہ میں نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر کی ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تو اپنے بیٹے کو نحر نہ کر اور قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ ابن عباسؓ کے پاس ایک بوڑھا تھا، وہ بولا کہ اس میں کفارہ کیونکر ہوگا؟ پس ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ رکھا ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔

شرح: یعنی اللہ تعالیٰ نے ظہار کو مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا فرمایا۔ مگر اس کے باوجود اس میں ایک بڑا کفارہ رکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ناجائز فعل اور کفارہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ گویا ابن عباسؓ نے اس عورت کی نذر کو ظہار پر قیاس کرتے ہوئے اسے کفارہ یمین کا حکم دیا تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ المالکی نے ابن عباسؓ پر اعتراض کیا ہے کہ ظہار نذر نہیں ہوتا ہے اور معصیت کی نذر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نص آ چکی ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے اور ابن عباسؓ کے اثر سے حدیث جائز نہیں ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کی غرض محض یہ ثابت کرنا تھا کہ کسی چیز کا معصیت ہونا الگ بات ہے اور کفارہ کا وجوب الگ بات ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، جیسا کہ سورہ مجادلہ کا مطالعہ کرنے والوں پر واضح ہو جاتا ہے۔

ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس مسئلہ میں کفارہ ایک بھیڑ بکری کا ذبح کرنا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مینڈھے کو اسمٰعیلؑ کا فدیہ ٹھہرایا تھا۔ یہی قول ابو حنیفہؒ اور محمد ابن الحسنؒ کا ہے۔ ابو یوسفؒ اور زفرؒ نے کہا کہ اس قسم کی کوئی چیز درست نہیں، لہذا کوئی فدیہ یا کفارہ نہیں آتا۔

۱۰۲۳- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ الْأَيْلِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ

الصِّدِّيْقِ عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ".

قَالَ يَحْيٰى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: مَعْنٰى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ، اَنْ يَنْذِرَ الرَّجُلُ اَنْ يَمْشِيَ اِلَى الشَّامِ اَوْ اِلٰى مِصْرَ، اَوْ اِلَى الرَّبَذَةِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ. مِمَّا لَيْسَ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ. اِنْ كَلَّمَ فُلَانًا، اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ. فَلَيْسَ عَلَيْهِ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ، شَيْءٌ، اِنْ هُوَ كَلَّمَهُ، اَوْ حَنِثَ بِمَا حَلَفَ عَلَيْهِ. لِاَنَّهُ لَيْسَ لِلّٰهِ فِيْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ طَاعَةٌ. وَاِنَّمَا يُوْفٰى لِلّٰهِ بِمَا لَهُ فِيْهِ طَاعَةٌ.

ترجمہ: القاسم بن محمدؒ نے حضرت عائشہ امّ المومنینؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی (مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صدقہ، حج اور صوم وغیرہ) وہ بالضرور اللہ کی اطاعت کرے اور جس نے اللہ کی معصیت کی نذر مانی وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ (کیونکہ نذر کا پورا کرنا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے اور معصیت کی نذر جائز نہیں۔ لہذا اس کا ایفا واجب نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ کوئی کفارہ بھی ہے یا نہیں؟)

امام مالکؒ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ جس نے نذر کی کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا، تو اس کی نافرمانی نہ کرے، یہ مطلب ہے کہ آدمی یہ نذر کرے کہ شام تک پیدل جائے گا یا مصر یا ربذہ وغیرہ تک پیدل جائے گا تو یہ چیزیں اللہ کی اطاعت نہیں ہیں۔ اگر فلاں سے کلام کرے گا یا اس جیسی چیزیں تو اس پر ان چیزوں میں سے کچھ نہیں۔ اگر وہ اس سے کلام کرے یا اپنی قسم توڑ دے۔ کیونکہ ان چیزوں میں اللہ کی کوئی اطاعت نہیں ہے اور ایفا صرف اس چیز کا کیا جائے گا جس میں اللہ کی اطاعت ہو۔

شرح: قاضی ابو الولید الباجیؒ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے معصیت کی تفسیر ایسی چیزوں سے کی ہے جو فی نفسہٖ گناہ نہیں بلکہ مباح ہیں۔ اور انہوں نے انہیں اس لئے کہا ہے کہ نذر کے باعث وہ ان کے نزدیک معصیت ہو جاتی ہے۔ امام محمدؒ نے القاسم بن محمدؒ کی روایت کی حدیث اپنے موطّا میں درج کی اور اس پر لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ جس کسی نے معصیت کی نذر کی، لیکن اس کا نام لے کر وضاحت وصراحت نہ کی تو وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور یہی قول ابوحنیفہؒ کا ہے۔ پھر امام محمدؒ نے ابن عباس کے فتوے والا اثر روایت کیا۔ اور آخر میں لکھا ہے کہ ہم ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور اس کا مطلب وہ ہے جو میں نے تمہیں بتایا کہ جس نے حلف اٹھایا یا کوئی نذر مانی جو نافرمانی کی ہو تو وہ نافرمانی نہ کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔ پھر امام محمدؒ نے مالکؒ کی روایت سے ابوہریرہؓ کی وہ مرفوع حدیث بیان کی جس میں حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھائے پھر کسی اور چیز کو اس سے بہتر پائے تو اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اور وہ کام کرے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

۵۔ بَابُ اللَّغْوِ فِي الْيَمِينِ

لغو قسم کا باب

۱۰۲۴ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ: لَغْوُ الْيَمِينِ قَوْلُ الْإِنْسَانِ: (لَا وَاللَّهِ) وَ (بَلَى. وَاللَّهِ)

قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي هَذَا. أَنَّ اللَّغْوَ حَلِفُ الْإِنْسَانِ عَلَى الشَّيْءِ. يَسْتَيْقِنُ أَنَّهُ كَذَلِكَ. ثُمَّ يُوجَدُ عَلَى غَيْرِ ذَلِكَ. فَهُوَ اللَّغْوُ.

قَالَ مَالِكٌ: وَعَقْدُ الْيَمِينِ، أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَبِيعَ ثَوْبَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ. ثُمَّ يَبِيعُهُ بِذَلِكَ. أَوْ يَحْلِفَ لَيَضْرِبَنَّ غُلَامَهُ. ثُمَّ لَا يَضْرِبُهُ. وَنَحْوَ هَذَا. فَهَذَا الَّذِي يُكَفِّرُ صَاحِبُهُ عَنْ يَمِينِهِ. وَلَيْسَ فِي اللَّغْوِ كَفَّارَةٌ.

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا الَّذِي يَحْلِفُ عَلَى الشَّيْءِ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ آثِمٌ. وَيَحْلِفُ عَلَى الْكَذِبِ، وَهُوَ يَعْلَمُ، لِيُرْضِيَ بِهِ أَحَدًا. أَوْ لِيَعْتَذِرَ بِهِ إِلَى مُعْتَذَرٍ إِلَيْهِ. أَوْ لِيَقْطَعَ بِهِ مَالًا. فَهَذَا أَعْظَمُ مِنْ أَنْ تَكُونَ فِيهِ كَفَّارَةٌ.

ترجمہ: حضرت اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ لغو یمین یہ ہے کہ انسان کہے، لَا وَاللہ و بلیٰ واللہ۔ (امام محمدؒ نے اسے اپنے موطا باب اللغو من الایمان میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ لغو قسم یہ ہے کہ آدمی کسی چیز کو برحق جان کر قسم کھائے۔ بعد میں پتہ چلے کہ وہ ایسی نہ تھی، پس ہمارے نزدیک یہ بھی لغو میں سے ہے۔)
مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں جو بہترین بات میں نے سُنی تھی، وہ یہ ہے کہ لغو یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر اس یقین کے ساتھ قسم کھائے کہ وہ ایسی ایسی ہے، پھر وہ اس کے خلاف پائی جائے تو یہ لغو قسم ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ منعقد ہونے والی قسم یہ ہے کہ آدمی حلف اُٹھائے کہ وہ اپنا کپڑا دس درہم پر نہ بیچے گا۔ پھر وہ اتنے میں بیچ ڈالے یا قسم کھائے کہ اپنے غلام کی ضرور پٹائی کریگا اور پھر اس کی پٹائی نہ کرے اور اسی طرح کی چیزیں۔ پس یہی وہ چیزیں ہیں کہ قسم کھانے والا اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔ اور لغو قسم میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ جو شخص یہ جانتے ہوئے کہ وہ گنہ گار (جھوٹا) ہے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے اور جھوٹی قسم اس لئے کھاتا ہے کہ کسی کو راضی کرے یا کسی شخص کے سامنے عذر پیش کرے جس سے کہ معافی مانگی ہو، یا اس کے ساتھ وہ کوئی مال قطع کرے تو یہ قسم اس سے بڑی ہے کہ اس میں کفارہ ہو۔

شرح: یہ کسی گزری ہوئی بات کی قسم ہے اور منعقد ہونے والی قسم مستقبل کے لئے ہوتی ہے۔ پس اس سے شدید قسم

کا گناہ تو ہوگا مگر آدمی کی یہ قسم منعقد ہونے والی نہیں ہے کیونکہ اس میں انعقاد کی شرط موجود نہیں ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں یہ یمین غموس ہے۔ کیونکہ یہ قسم کھانے والے کو گناہ میں غوطہ دیتی ہے۔

۶۔ بَابُ مَا لَا تَجِبُ فِيهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْيَمِينِ

جن قسموں میں کفارہ نہیں ان کا باب

۱۰۲۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ. أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ قَالَ: وَاللهِ. ثُمَّ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ. ثُمَّ لَمْ يَفْعَلِ الَّذِي حَلَفَ عَلَيْهِ. لَمْ يَحْنَثْ۔

قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الثُّنْيَا أَنَّهَا لِصَاحِبِهَا. مَا لَمْ يَقْطَعْ كَلَامَهُ. وَمَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ نَسَقًا، يَتْبَعُ بَعْضُهُ بَعْضًا، قَبْلَ أَنْ يَسْكُتَ. فَإِذَا سَكَتَ وَقَطَعَ كَلَامَهُ، فَلَا ثُنْيَا لَهُ۔

قَالَ يَحْيَى: وَقَالَ مَالِكٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ: كَفَرَ بِاللهِ، أَوْ أَشْرَكَ بِاللهِ، ثُمَّ يَحْنَثُ: إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ. وَلَيْسَ بِكَافِرٍ، وَلَا مُشْرِكٍ. حَتّٰى يَكُونَ قَلْبُهُ مُضْمِرًا عَلَى الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ۔ وَلْيَسْتَغْفِرِ اللهَ. وَلَا يَعُدْ إِلٰى شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ. وَبِئْسَ مَا صَنَعَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جس شخص نے کہا واللہ، پھر کہا اِنْ شَاءَ اللہُ۔ پھر اس نے وہ کام نہ کیا جس پر قسم کھائی تھی تو وہ حانث نہیں ہُوا (یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹی)۔ امام محمدؒ نے یہ اثر بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِی الْیَمِیْنِ میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ جب کسی نے انشاء اللہ کہہ کر اسے اپنی قسم کے ساتھ ملا دیا تو اس کے ذمّہ کچھ نہیں اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ استثناء میں میں نے جو بہت اچھی بات سُنی ہے وہ یہ ہے کہ استثناء کرنے والے کا استثناء منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ کلام کو منقطع نہ کرے یعنی اس کو اپنے پہلے کلام کے ساتھ ملائے اور اس کی گفتگو اوّل سے آخر تک مربوط ہو اور یکے بعد دیگرے باتیں ہوں قبل اس کے کہ وہ خاموش ہو۔ پس اگر وہ خاموش ہوگیا اور اپنا کلام قطع کر دیا تو استثناء نہیں ہوتا۔ (یہ بالکل وہی بات ہے جو اوپر امام محمدؒ کی طرف سے گزری ہے۔ اس مسئلہ میں حنفی و مالکی مسلک ایک ہے۔)

امام مالکؒ نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے کہا کہ اس نے اللہ سے کفر کیا یا اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ پھر وہ حانث ہو جائے (قسم توڑ دے) تو اس پر کفارہ کوئی نہیں، نہ وہ کافر و مشرک ہے۔ حتیٰ کہ اس سے پہلے ہی دل میں کفر و شرک جمائے و چھپائے ہوئے ہو۔ اسے اللہ سے استغفار کرنا چاہئے۔ اور پھر کبھی ایسا کام نہ کرے۔ اور اس نے جو کچھ کیا بُرا کیا۔ (اور امام ابوحنیفہؒ اور ثوری نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کی بات کی، اُسے حلف سمجھا جائے گا اور حانث ہونے کی صورت میں اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس کی دلیل ابوہریرہؓ کی وہ مرفوع حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس شخص نے لات و عزیٰ کی قسم کھائی تو وہ کہے لا الٰہ الا اللہ اور جو دوسرے

سے کہے آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں تو وہ صدقہ دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر اس کے حلف کا کفارہ لاالٰہ اِلّا اللہ کہہ دینے کا حکم دیا ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کا کفارہ نہ ہو۔ کیونکہ یہ ایک مُغَسّر حلف ہے، جو نطق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نام وصفات سے خالی ہو۔ اور اس قسم کی قسم کا کفارہ نہیں ہوتا۔ مگر اس کے باوجود حضورؐ نے اس کا کفارہ بتایا ہے۔

٧- بَابُ مَا يَجِبُ فِيهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْأَيْمَانِ

جن قسموں پر کفّارہ واجب ہے

١٠٢٦- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "مَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ، فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا، فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ، فَلْيَفْعَلِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ".

قَالَ يَحْيَى: وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ، مَنْ قَالَ: عَلَيَّ نَذْرٌ، وَلَمْ يُسَمِّ شَيْئًا- إِنَّ عَلَيْهِ كَفَّارَةَ يَمِينٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: فَأَمَّا التَّوْكِيدُ فَهُوَ حَلِفُ الْإِنْسَانِ فِي الشَّيْءِ الْوَاحِدِ مِرَارًا، يُرَدِّدُ فِيهِ الْأَيْمَانَ يَمِينًا بَعْدَ يَمِينٍ كَقَوْلِهِ: وَاللّٰهِ أَنْقُصُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا، يَحْلِفُ بِذٰلِكَ مِرَارًا- ثَلَاثًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔

قَالَ فَكَفَّارَةُ ذٰلِكَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ- مِثْلُ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ- فَإِنْ حَلَفَ رَجُلٌ مَثَلًا فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا آكُلُ هٰذَا الطَّعَامَ- وَلَا أَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ- وَلَا أَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ- فَكَانَ هٰذَا فِي يَمِينٍ وَاحِدٍ- فَإِنَّمَا عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ- وَإِنَّمَا ذٰلِكَ كَقَوْلِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ: أَنْتِ الطَّلَاقُ إِنْ كَسَوْتُكِ هٰذَا الثَّوْبَ وَأَذِنْتُ لَكِ إِلَى الْمَسْجِدِ يَكُونُ ذٰلِكَ نَسَقًا مُتَتَابِعًا، فِي كَلَامٍ وَاحِدٍ- فَإِنْ حَنِثَ فِي شَيْءٍ وَاحِدٍ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ- وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِيمَا فَعَلَ، بَعْدَ ذٰلِكَ، حِنْثٌ- إِنَّمَا الْحِنْثُ فِي ذٰلِكَ حِنْثٌ وَاحِدٌ۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي نَذْرِ الْمَرْأَةِ، إِنَّهُ جَائِزٌ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا، يَجِبُ عَلَيْهَا ذٰلِكَ

وَيَثْبُتُ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِي جَسَدِهَا. وَكَانَ ذٰلِكَ لَا يَضُرُّ بِزَوْجِهَا. وَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ يَضُرُّ بِزَوْجِهَا. فَلَهُ مَنْعُهَا مِنْهُ. وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا حَتّٰى تَقْضِيَهُ.

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کوئی قسم کھائی، پھر اس سے بہتر کوئی چیز پائی تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور وہ اچھا کام کرلے۔

مالکؒ نے کہا کہ جو شخص کہے میرے ذمے نذر ہے اور کسی چیز کا نام نہ لے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ مالکؒ نے کہا کہ تاکیدی حلف یہ ہے کہ آدمی ایک چیز میں قسم کھائے اور قسم پر قسم کھاتا چلا جائے مثلاً وہ کہے کہ واللہ میں اس چیز کو اس سے اور اس سے کم نہ کروں گا۔ وہ کئی بار یہی قسم کھائے مثلاً تین بار یا اس سے بھی زیادہ۔ مالکؒ نے کہا کہ اس کا کفارہ ایک ہی ہے یعنی ایک قسم کا کفارہ جو کفارہ یمین کی طرح ہوگا

امام مالکؒ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی اور کہا واللہ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اور یہ کپڑا نہ پہنوں گا۔ اور اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ اور یہ سب اس نے ایک قسم میں کہا تو اس پر ایک کفارہ ہوگا۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے اگر میں تجھے یہ کپڑا پہناؤں تو تجھ پر طلاق، اور میں تجھے مسجد جانے کی اجازت نہ دوں گا۔ اور یہ مربوط کلام ہوا۔ اور ایک ہی بات ہو جو کہ مربوط کلام میں کہی گئی ہو۔ پس اگر وہ ان کاموں میں سے کسی میں حانث ہو تو اس پر طلاق واجب ہوگئی اور اس کے بعد وہ جو کچھ کرے گا اس میں اس پر کوئی حنث نہ ہوگا۔ اس میں حنث صرف ایک بار ہوگا۔ (یہ مسئلہ اتفاقی ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک عورت کی نذر میں جو امر ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے لئے خاوند کی اجازت کے بغیر جائز ہے یہ اس پر ثابت و واجب ہے۔ جب کہ اس کے اپنے جسم کے بارے میں ہو اور اس کے خاوند کو ضرر نہ پہنچائے اور اگر وہ اس کے خاوند کو نقصان پہنچاتی ہو تو وہ اس پر لازم ہے خواہ خاوند کی اجازت سے کرے خواہ اس سے بیوہ ہو کر یا مطلقہ ہو کر۔ (ان مسائل کی بعض فروع میں اختلاف ہے۔)

۸۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ

قسموں کا کفارہ کیونکر ادا کیا جائے؟

۱۰۲۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَوَكَّدَهَا، ثُمَّ حَنِثَ. فَعَلَيْهِ عِتْقُ رَقَبَةٍ أَوْ كِسْوَةُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ وَمَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَلَمْ يُؤَكِّدْهَا، ثُمَّ حَنِثَ. فَعَلَيْهِ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ. لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ حِنْطَةٍ. فَمَنْ لَمْ يَجِدْ، فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ.

ترجمہ: نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے، جس نے کسی یمین پر حلف اٹھائی اور اسے مؤکد کردیا

پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس کے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے یا دس مساکین کا لباس ہے۔ اور جس نے حلف اٹھائی مگر اسے موکد نہ کیا اور قسم توڑ دی۔ تو وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو ایک ایک مُد گندم دے اور جو یہ نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔

شرح: قسم کا کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کپڑے پہنائے یا تین دن کے روزے۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ نے ایک ربط میں بیان فرمایا ہے اور اس میں قسم کی تاکید یا عدم تاکید کا کوئی ذکر نہیں۔ پس ابن عمرؓ نے جو کچھ فرمایا کہ اس کفارے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا، ایک کا حکم یہ ہے اور دوسرے کا یہ۔ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ یہ اثر امام محمدؒ نے اپنے موطا میں روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ دس مساکین کا کھانا دونوں وقت کا ہے۔ اس کی مقدار نصف صاع گندم ہے یا ایک صاع جو اور کھجور ہے۔

۱۰۲۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُكَفِّرُ عَنْ يَمِينِهِ بِإِطْعَامِ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ مِنْ حِنْطَةٍ. وَكَانَ يَعْتِقُ الْمِرَارَ إِذَا وَكَّدَ الْيَمِينَ.

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَدْرَكْتُ النَّاسَ وَهُمْ إِذَا أَعْطَوْا فِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ، أَعْطَوْا مُدًّا مِنْ حِنْطَةٍ بِالْمُدِّ الْأَصْغَرِ. وَرَأَوْا ذَلِكَ مُجْزِئًا عَنْهُمْ.

قَالَ مَالِكٌ: أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يُكَفِّرُ عَنْ يَمِينِهِ بِالْكِسْوَةِ أَنَّهُ، إِنْ كَسَا الرِّجَالَ كَسَاهُمْ ثَوْبًا ثَوْبًا. وَإِنْ كَسَا النِّسَاءَ كَسَاهُنَّ ثَوْبَيْنِ ثَوْبَيْنِ. دِرْعًا وَخِمَارًا. وَذَلِكَ أَدْنَى مَا يُجْزِئُ كُلًّا فِي صَلَاتِهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلا کر دیتے تھے۔ ہر مسکین کو گندم کا ایک مُد۔ اور جب قسم کو موکد کرتے تو کئی غلام آزاد کرتے تھے۔ (امام محمدؒ نے موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آثار نقل کئے ہیں کہ کفارۂ یمین میں گندم کا نصف صاع دیا جائے۔ یہ آثار امام محمدؒ نے مالکؒ کے واسطے کے بغیر خود اپنی سند سے روایت کئے ہیں۔)

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ سلیمان بن یسار نے کہا میں نے لوگوں کو پایا کہ جب وہ قسم کا کفارہ دیتے تو وہ گندم کا ایک مُد چھوٹے مُد کے ساتھ دیتے اور اسی کو کافی جانتے تھے۔ (یہ اثر موطائے محمد میں بھی مروی ہے۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص مساکین کو لباس دے کر قسم کا کفارہ ادا کرے تو اگر مردوں کو لباس دے تو ایک ایک کپڑا دے اور اگر عورتوں کو دے تو دو دو کپڑے پہنائے۔ قمیض اور اوڑھنی۔ اور یہ لباس وہ کم از کم ہے جس میں کہ ان کی نماز جائز ہے۔

۹۔ بَابُ جَامِعِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے متفرق مسائل کا باب

۱۰۲۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ يَسِيرُ فِي رَكْبٍ، وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ. فَمَنْ كَانَ حَالِفًا، فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ".

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن الخطاب کو اپنے باپ کی قسم کھاتے پایا، جب کہ وہ ایک سواروں کی جماعت میں تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آبا کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔ پس جس کو قسم کھانی ہو تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ (کچھ لفظی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث موطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔)

شرح: حضرت عمرؓ کو ممانعت معلوم نہ ہوگی یا اس سے پہلے ممانعت تھی ہی نہیں۔ حلف اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے منعقد ہو جاتی ہے۔ قرآن کی حلف چونکہ کلام اللہ کی حلف ہے جو اللہ تعالیٰ صفتِ قدیم ہے۔ لہٰذا یہ حلف بھی منعقد ہو جاتی ہے۔

۱۰۳۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ "لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ".

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے، لَا مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔ مقلب القلوب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ (یعنی دلوں کو بدلنے والے قسم۔)

۱۰۳۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَفْصِ بْنِ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا لُبَابَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُنْذِرِ، حِينَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ. أَهْجُرُ دَارَ قَوْمِي الَّتِي أَصَبْتُ فِيهَا الذَّنْبَ، وَأُجَاوِرُكَ. وَأَنْخَلِعُ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ، وَإِلَى رَسُولِهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يُجْزِئُكَ مِنْ ذَلِكَ الثُّلُثُ".

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ اس کو خبر پہنچی ہے کہ ابو لبابہ بن عبد المنذر کی توبہ جب اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تو اس نے کہا یا رسول اللہ کیا میں اپنی قوم کا محلہ چھوڑ دوں جس میں کہ میں نے گناہ کیا تھا اور آنجناب کے قریب آ بسوں؟ اور میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف اپنے سارے مال میں سے بطور صدقہ بے دخل ہو کر نکل جاؤں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

کہ تمہارے لئے ⅓ مال کا صدقہ ہی کافی ہے۔

شرح : ابولبابہؓ بدری صحابی تھے۔ یہاں جس گناہ کا ذکر ہے وہ یا تو بنو قریظہ کو گلے کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا تھا کہ اگر تم اپنے قلعے سے اترو گے تو قتل کئے جاؤ گے۔ اور یا یہ جنگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اور حضورؐ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے انہوں نے اپنے بعض ساتھیوں سمیت اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ اور پھر ان کی توبہ قبول ہوگئی تھی۔ شدید گرمی میں سات دن رات تک یہ ستون سے بندھے رہے اور کھانا پینا بند کر دیا کہ یا تو توبہ قبول ہوگی یا اسی حال میں مر جاؤں گا۔ آخر میں یہ حال ہوگیا تھا کہ کان بہرے ہوگئے اور جسم بہت کمزور ہوگیا۔ جب توبہ قبول ہوئی تو حضورؐ نے حکم دیا کہ اسے کھول دو۔ ابولبابہؓ نے کسی اور کے ہاتھ سے کھولے جانے سے انکار کر دیا اور حضورؐ نے اپنے اس قیدی کو اپنے دستِ مبارک کے ساتھ کھولا۔

۱۰۳۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحَجَبِيِّ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، أَنَّهَا سُئِلَتْ عَنْ رَجُلٍ قَالَ: مَالِي فِي رِتَاجِ الْكَعْبَةِ۔ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: يُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِينَ۔

قَالَ مَالِكٌ فِي الَّذِي يَقُولُ مَالِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ يَحْنَثُ. قَالَ: يَجْعَلُ ثُلُثَ مَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ وَذٰلِكَ لِلَّذِي جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَمْرِ أَبِي لُبَابَةَ۔

ترجمہ : عائشہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ جو شخص کہے، میرا مال کعبہ کے مصالح میں وقف ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ حلف ہے اور اس کا وہی کفارہ ہے جو حلف کا ہوتا ہے۔ (امام محمدؒ نے یہ اثر بابُ الرجل یقول مالہٗ فی رتاج الکعبۃ میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہمیں یہی خبر ملی ہے۔ اور ہمیں یہ بہت پسند ہے۔ کہ وہ شخص اپنی نذر کو پورا کرے۔ سارا مال کعبہ کے لئے صدقہ کرے اور صرف قوتِ لایموت کو روک لے پھر جب اسے مال ملے تو جتنا رکھا تھا اس قدر صدقہ کر دے۔ یہی ابوحنیفہؒ اور عام فقہا کا قول ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص کہے کہ میرا مال فی سبیل اللہ ہے، پھر وہ قسم کو توڑ دے تو ⅓ مال فی سبیل اللہ خرچ کرے۔ اور یہ اس حدیث کے باعث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابولبابہؓ کے متعلق آئی ہے۔ (امام مالکؒ کے سوا دوسرے فقہا کے نزدیک اس شخص کو سارا مال خدا کی راہ میں دینا پڑے گا۔ ابولبابہؓ کو جو حضورؐ نے فرمایا تھا یہ بطور مشورہ تھا۔ اور اسے خصوصیت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔

۲۳۔ کِتَابُ الذَّبَائِحِ

۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّسْمِیَةِ عَلَی الذَّبِیحَةِ

ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنے کا باب

۱۰۳۳۔ حَدَّثَنِی یَحْیَی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِیهِ، أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقِیلَ لَهُ: یَا رَسُولَ اللهِ. إِنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِیَةِ یَأْتُونَنَا بِلُحْمَانٍ، وَلَا نَدْرِی هَلْ سَمَّوُا اللهَ عَلَیْهَا أَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "سَمُّوا اللهَ عَلَیْهَا، ثُمَّ كُلُوهَا"۔

قَالَ مَالِكٌ: وَذٰلِكَ فِی أَوَّلِ الْإِسْلَامِ۔

ترجمہ: عروہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ کہا گیا یا رسول اللہ کچھ صحرائی لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ کا نام لیتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔ مالکؒ نے کہا کہ یہ اسلام کی ابتدا میں تھا۔

شرح: اس کتاب کا نام کتاب الذکوٰۃ ہے۔ ذکوٰۃ بالذال کا معنی ہے ذبح کرنا۔ اس عنوان کو بعض نسخوں میں کتاب الذبائح بھی لکھا گیا ہے۔ ذبائح جمع ہے ذبیحہ کی بمعنی مذبوح۔ امام مالکؒ نے جو کچھ کہا ہے اس کو بعض علما نے اختیار کیا ہے کہ حدیث کا تعلق اس دور کے ساتھ ہے، جب کہ وَلَا تَاْكُلُوا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ کا حکم ابھی نہیں اترا تھا۔ لیکن یہ جواب بدو سبب غلط ہے۔ ایک یہ کہ یہ آیت مکی ہے، جب کہ واقعہ جو بیان کیا ہے یہ مدنی ہے۔ جو چیز مکہ میں حرام ہو چکی تھی اس کے مدینہ میں جواز کا کیا سوال ہو سکتا ہے؟ حافظ ابن عبد البر نے اس استدلال کی غلطی کو ایک طریقے سے واضح کیا ہے کہ خود اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ تم اس پر اللہ کا نام لے لو پھر اسے کھاؤ۔ پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ اگر آیت نازل نہ ہو چکی ہوتی تو اصحابؓ کو اس گوشت کے کھانے میں تردد کیوں پیش آتا؟ پس یہ تو طے شدہ ہے کہ اس واقعہ سے قبل خدا کا نام لے کر ذبح کرنے کا حکم آ چکا تھا۔ پس حدیث کا حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جو مسلم ہوں، جیسا کہ اس حدیث میں مذکور لوگ بدوی تھے، مگر مسلم تھے۔ اور عادت یہی ہے کہ مسلم بغیر اللہ کا نام لئے کبھی

بھی ذبح نہیں کرے گا یوں بھول چوک ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ پس اس حدیث میں در اصل یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب گوشت لے کر آنے والا ایسا شخص ہو جس کے متعلق ظن غالب یہی ہے کہ اس نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا ہو گا تو خواہ مخواہ وہم میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور بسم اللہ پڑھ کر ایسا گوشت کھالو۔

امام محمدؒ نے تو اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر کہا ہے کہ گوشت لے کر آنے والا اہل کتاب ہو (مشرک، بت پرست اور آتش پرست نہ ہو) تو اس کا لایا ہوا گوشت بھی کھانا جائز ہے۔ امام محمد نے کہا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ابو حنیفہ کا ہے۔ اگر کوئی مجوسی ایسا گوشت لائے اور کہے کہ اسے ایک مسلم یا کتابی نے ذبح کیا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کے کہنے پر وہ گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ (بَابُ الرَّجُلِ لِيَشْتَرِي اللَّحْمَ فَلَا يَدْرِيْ اَذَكِيٌّ هُوَ اَمْ غَيْرُ ذَكِيٍّ۔)

۱۰۳۴۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَيَّاشِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ الْمَخْزُوْمِيَّ اَمَرَ غُلَامًا لَهُ اَنْ يَذْبَحَ ذَبِيْحَةً فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَذْبَحَهَا قَالَ لَهُ: سَمِّ اللّٰهَ۔ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ، قَدْ سَمَّيْتُ۔ فَقَالَ لَهُ: سَمِّ اللّٰهَ۔ وَيْحَكَ۔ قَالَ لَهُ: قَدْ سَمَّيْتُ اللّٰهَ۔ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَيَّاشٍ: وَاللّٰهِ۔ لَا اَطْعَمُهَا اَبَدًا۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومی نے اپنے ایک غلام کو ایک جانور ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب اس نے وہ جانور ذبح کرنا چاہا تو اس سے کہا کہ اللہ کا نام لے۔ غلام نے کہا کہ میں لے چکا۔ عبد اللہ نے کہا، تیرا برا ہو اللہ کا نام لے۔ غلام بولا کہ میں نے لے لیا ہے۔ پس عبد اللہ بن عیاش نے کہا کہ واللہ میں اسے کبھی نہ چکھوں گا۔

شرح: صحابیؓ نے چونکہ اللہ کا نام لیتے غلام کو نہیں دیکھا تھا اور کہنے پر بھی اس نے تسمیہ نہیں کہا تھا۔ تو اسے یقین ہو گیا کہ اس نے قصداً تسمیہ کو ترک کر دیا ہے۔ لہذا اس کا ذبیحہ حلال نہ رہا۔ پچھلی حدیث میں جو صورت بیان ہوئی ہے وہ اور صورت ہے اور اس حدیث میں بیان ہونے والی صورت دوسری ہے۔ اگر غلام نے درست کہا تھا کہ میں نے اللہ کا نام لے لیا ہے تو بھی صحابیؓ نے ازراہ احتیاط یہ قسم کھائی ہے۔ ورنہ اگر کسی نے تسمیہ کہا ہو اور پھر ذرا سی دیر کے بعد ذبح کر دیا۔ زیادہ دیر نہ ہوئی ہو۔ تو وہ ذبیحہ جائز ہے جان بوجھ کر جو تسمیہ چھوڑ دے اس کا ذبیحہ حرام ہے اور شافعی کے سوا سب کا یہی مذہب ہے۔

۲۔ بَابُ مَا يَجُوْزُ مِنَ الذَّكٰوةِ فِيْ حَالِ الضَّرُوْرَةِ

ضرورت کے ذبح کی جو صورت جائز ہے

ذبح کی دو قسمیں ہیں، اختیاری اور اضطراری۔ اختیاری تو یہی ہے کہ قاعدہ شرع کے مطابق جانور کو ذبح کریں اضطراری یہ ہے کہ مجبوری اور ضرورت کے وقت جسم کے کسی حصے کو زخمی کر کے خون بہا دیں۔ کیونکہ اس وقت ذبح اختیاری ممکن نہیں ہوتا۔ شرعی قاعدے کے مطابق جس جانور کو سدھائے کتوں کے ذریعے سے شکار کریں یا دور سے کوئی تیز دھار آلہ پھینک کر زخمی کریں اور خون بہا دیں۔ بشرطیکہ کتوں کو چھوڑتے وقت یا وہ ہتھیار پھینکتے وقت تسمیہ پڑھ لیا ہو تو اس جانور کی ذکوٰۃ اضطراری ہو گی اور جائز و معتبر ہو گی۔

۱۰۲۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ، كَانَ يَرْعَى لِقْحَةً لَهُ بِأُحُدٍ. فَأَصَابَهَا الْمَوْتُ. فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ. فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ "لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ. فَكُلُوهَا"

ترجمہ: عطا ابن یسار سے روایت ہے کہ بنو حارثہ میں سے ایک انصاری اپنی ایک شیردار اونٹنی کو اُحد پہاڑ پر چرا رہا تھا۔ اس اونٹنی پر موت طاری ہوگئی تو اس نے اُسے ایک تیز دھار لکڑی سے ذبح کر ڈالا۔ اور پھر اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس میں کوئی حرج نہیں اسے کھاؤ۔ (یہ حدیث مؤطا امام محمد میں مروی ہے باب الذبائح)۔

شرح: جو ہڈی جسم سے جدا ہو اس کے ساتھ، گنّے کے چھلکے کے ساتھ، تیز پتھر یا لکڑی کے ساتھ۔ جسم سے اُترے ہوئے ناخن یا دانت کے ساتھ بھی ذبح و نحر جائز ہے۔ خاص کر ذبح اختیاری میں تو ان اشیا کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا قاعدہ یہ ہُوا کہ جو چیز خون کو جاری کر دے یعنی تیز ہو، دھار دار ہو تو اس کے ساتھ اضطراری ذکات جائز ہے۔

۱۰۲۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ سَعْدٍ، أَوْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، أَنَّ جَارِيَةً لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ كَانَتْ تَرْعَى غَنَمًا لَهَا بِسَلْعٍ. فَأُصِيبَتْ شَاةٌ مِنْهَا. فَأَدْرَكَتْهَا فَذَكَّتْهَا بِحَجَرٍ. فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ. فَقَالَ "لاَ بَأْسَ بِهَا. فَكُلُوهَا"

ترجمہ: معاذ بن سعدؓ یا سعد بن معاذؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالکؓ کی ایک لونڈی سلع میں اپنی بھیڑ بکریاں چرا رہی تھی۔ پس ان میں ایک بکری بیمار ہوگئی اور لونڈی کو پتہ چل گیا۔ پس اس نے ایک پتھر کے ساتھ ذبح کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو حضورؐ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں اسے کھاؤ۔ (سوال کرنے والا خود کعب تھا۔ جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ عورت کا ذبیحہ درست ہے۔ آزاد ہو یا غلام، چھوٹی ہو یا بڑی، پاک ہو یا ناپاک۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کوئی فرق و امتیاز نہیں فرمایا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ یہ حدیث موطائے محمد میں باب الذبائح میں مروی ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے اس پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ جو چیز بھی رگوں کو کاٹ دے اور خون بہا دے، تو اس کے ساتھ ذبح کرنے میں حرج نہیں۔ اس سے صرف دانت، ناخن اور ہڈی مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی چیز کے ساتھ ذبح کرنا مکروہ ہے۔ اور یہی ابو حنیفہؒ کا اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۱۰۲۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ ذَبَائِحِ نَصَارَى الْعَرَبِ؟ فَقَالَ: لاَ بَأْسَ بِهَا. وَتَلاَ هَذِهِ الآيَةَ ــ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ

ترجمہ: ثور بن زید دیلی سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عباسؓ سے نصارائے عرب کے ذبیحہ کے متعلق پوچھا گیا تو ابن عباسؓ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور انہوں نے یہ آیت پڑھی، اور جو تم میں سے ان کا دوست بن جائے تو انہی میں سے ہوگا۔

شرح: نصاریٰ عرب صرف بنی تغلب میں سے ہیں۔ لیکن نوویؒ نے کہا ہے کہ نصاریٰ عرب یہ لوگ ہیں۔ تنوخ، بہرا اور تغلب۔ سوال کا منشا یہ تھا کہ نصاریٰ عرب بنی اسرائیل میں سے نہیں اور اہلِ کتاب صرف بنی اسرائیل ہو سکتے ہیں۔ پس کیا یہ لوگ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ کا مصداق ہیں؟ ابن عباسؓ نے جواب اثبات میں دیا اور دلیل اس کی یہ بیان کی کہ تولّی کے باعث نصارائے عرب بھی نصاریٰ میں داخل ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو تم میں سے ان کے ساتھ دلی تعلق رکھے تو وہ انہی میں سے ہے۔ پس جو غیر بنی اسرائیل نصاریٰ کا دین اختیار کرے اور ان کی شرائع پر ایمان لے آئے وہ انہی میں سے ہو گیا۔ یہ مسئلہ طویل الذیل اور کثیر الاختلاف ہے۔ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں اس مسئلے میں نفیاً و اثباتاً بہت سی متضاد روایات درج کی ہیں۔ انہیں پڑھ کر آخری فیصلہ یہی کرنا پڑتا ہے کہ غیر اسرائیلی جب یہود و نصاریٰ کا منصب و شرع اختیار کریں تو انہی میں شمار ہوں گے۔ آج دنیا میں عیسائیوں کی جتنی تعداد موجود ہے۔ یہ سب غیر اسرائیلی ہے۔ اگر انہیں ان کے دعوے کے مطابق عیسائی نہ مانا جائے تو بے شمار قانونی، سیاسی اور معاشرتی الجھنیں پڑیں گی اور یہ سب کچھ ہم یہ تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ ازروئے انجیل کوئی غیر اسرائیلی عیسائی نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

۱۰۳۸- وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقُوْلُ: مَا فَرَى الْاَوْدَاجَ فَكُلُوْهُ۔

وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ: مَا ذُبِحَ بِهٖ، اِذَا بَضَعَ فَلَا بَاْسَ بِهٖ، اِذَا اضْطُرِرْتَ اِلَيْهِ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ جو چیز بھی رگوں کو کاٹ دے، اس کا ذبیحہ کھا لو۔ (چار رگیں ہیں، حلقوم، مری اور ہر جانب ایک ایک رگ جب ان چاروں میں سے تین کٹ گئیں تو ذبح ہو گیا۔)

ایضاً۔ یحییٰ بن سعیدؒ نے سعید بن المسیبؒ سے روایت کی کہ وہ کہتے تھے کہ جسے ذبح کیا گیا، جب اس کا خون بہا دے تو حالتِ اضطرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس اثر کو امام محمدؒ نے اپنے موطا میں درج کیا ہے اور اس پر لکھا ہے کہ ہم اسے اختیار کرتے ہیں جیسا کہ میں نے تمہیں تفسیر کر کے بتایا ہے۔ اور اگر دانت یا ناخن سے ذبح کیا جائے جو جسم سے جدا ہوں اور رگیں کاٹ دیں اور خون بہا دیں تو گو وہ مکروہ ہے پر اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ اگر یہ جسم سے جدا نہ ہوں تو ان کے ساتھ جس جانور کو ذبح کرو گے وہ قتل ہو گا۔ اور جانور مردار ہو گا۔ جسے کھایا نہیں جا سکتا۔ اور یہی ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔)

۳- بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الذَّبِيْحَةِ فِي الذَّكَاةِ

جو جانور ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتے

۱۰۳۹- حَدَّثَنِیْ يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنْ اَبِیْ مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ، اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ: عَنْ شَاةٍ ذُبِحَتْ فَتَحَرَّكَ بَعْضُهَا۔ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّاْكُلَهَا۔ ثُمَّ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ: اِنَّ الْمَيْتَةَ لَتَتَحَرَّكُ۔ وَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ عَنْ شَاةٍ تَرَدَّتْ فَتَكَسَّرَتْ. فَأَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَذَبَحَهَا. فَسَالَ الدَّمُ مِنْهَا وَلَمْ تَتَحَرَّكْ. فَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا كَانَ ذَبَحَهَا وَنَفَسُهَا يَجْرِي، وَهِيَ تَطْرِفُ، فَلْيَأْكُلْهَا.

ترجمہ: ابو مُرّہؒ نے ابوہریرہؓ سے ایک بکری کے متعلق پوچھا جسے ذبح کیا گیا تھا اور ذبح کے وقت اس کا ایک حصّہ (پاؤں) ہلا تھا تو ابوہریرہؓ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے زید بن ثابتؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ کبھی کبھی مُردار بھی ہلتا ہے اور اس کو کھانے سے روکا۔ (یہ اثر موطائے امام محمدؒ میں موجود ہے۔ اور امام محمدؒ نے اس پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ جب ایسا ذبیحہ ایسے طریقہ سے ہلے کہ ظن غالب ہیں وہ زندہ ہو تو اسے کھا لیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کا ہلنا اعضا کے اضطراب سے ہو، اور غالب ظن یہ ہو کہ یہ مُردہ ہے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ بَابُ الشَّاةِ وَغَيْرِهَا إِذَا تُذَكَّى قَبْلَ أَنْ تَمُوتَ)

ایضًا۔ امام مالکؒ سے ایک بکری کے متعلق پوچھا گیا جو اوپر سے گری اور اس کے اعضا ٹوٹ گئے۔ اس کے مالک نے اسے پالیا اور ذبح کیا۔ پس اس کا خون بہہ گیا مگر اس میں حرکت نہیں ہوئی۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جب اس حال میں اسے ذبح کیا، کہ ان کا خون جاری تھا۔ وہ آنکھ جھپکتی تھی تو اس کو کھالے۔ کیونکہ ان ہر دو علامات سے پتہ چلا کہ وہ ذبح کے وقت زندہ تھی۔

۴۔ بَابُ ذَكَاةِ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ

ذبیحہ کے پیٹ کا بچہ آیا ذبح کیا جائے؟

۱۰۴۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِذَا نُحِرَتِ النَّاقَةُ، فَذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِهَا فِي ذَكَاتِهَا. إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، وَنَبَتَ شَعَرُهُ. فَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَطْنِ أُمِّهِ، ذُبِحَ حَتَّى يَخْرُجَ الدَّمُ مِنْ جَوْفِهِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ جب اونٹنی کو نحر کیا جائے تو جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے وہ بھی ذبح شدہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا جسم مکمل ہو چکا ہو اور اس کے بال اُگ آئے ہوں۔ اور جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے زندہ نکلے تو ذبح کیا جائے گا۔ تاکہ اس کے پیٹ سے خون نکل جائے۔

۱۰۴۱۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ اللَّيْثِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: ذَكَاةُ مَا فِي بَطْنِ الذَّبِيحَةِ فِي ذَكَاةِ أُمِّهِ. إِذَا كَانَ قَدْ تَمَّ خَلْقُهُ، وَنَبَتَ شَعَرُهُ.

ترجمہ: سعید بن المسیبؒ کہتے تھے کہ پیٹ کے بچے کی ذکات اس کی ماں کی ذکات میں ہے۔ جب کہ اس کی خلقت مکمل ہو اور بال اُگ آئے ہوں۔ (یہ چیزیں حیات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس میں روح پھونک دی گئی تھی۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ ایک منفرد زندگی والا حیوان ہے۔ لہٰذا صرف اس وقت حلال سمجھا جائے گا، جب کہ زندہ نکلے اور اسے ذبح کیا جائے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ اگر وہ ماں کے پیٹ سے زندہ برآمد ہوا تو ذبح کئے بغیر حلال نہ ہوگا۔ بصورتِ ثانی اس کا پیٹ پھاڑا جائے

تاکہ خون بہ جائے اور وہ اپنی ماں کی ذکات سے ہی مذکیٰ ہو چکا ہے۔ اس مسئلہ میں ابو یوسفؒ اور محمدؒ دوسرے ائمہ کے ساتھ ہیں۔ یعنی اگر پیٹ کا بچہ زندہ نہ نکلے تو وہ حلال ہو چکا ہے۔ اس کی ماں کی ذکات کافی تھی۔ صرف اس کے پیٹ میں سے خون نکالا جائے گا۔ جیساکہ اوپر عبداللہ بن عمرؓ کے اثر میں گزرا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۔ کِتَابُ الصَّیْدِ

۱۔ بَابُ تَرْکُ اَکْلِ مَاقَتَلَ الْمِعْرَاضُ وَالْحَجَرُ

معراض اور پتھر سے قتل شدہ جانور کو کھانے کا ترک کرنا

۱۰۴۲۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّہٗ قَالَ: رَمَیْتُ طَائِرَیْنِ بِحَجَرٍ وَاَنَا بِالْجُرْفِ فَاَصَبْتُھُمَا۔ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَمَاتَ، فَطَرَحَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ۔ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَذَھَبَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ یُذَکِّیْہِ بِقَدُوْمٍ، فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ یُذَکِّیَہٗ فَطَرَحَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ اَیْضًا۔

ترجمہ: نافع نے کہا کہ میں نے دو پرندے ایک پتھر سے شکار کئے۔ جب کہ میں مقام جرف میں تھا۔ پھر میں نے انہیں پالیا۔ ایک جو مر چکا تھا، اسے عبداللہ بن عمرؓ نے پھینک دیا۔ دوسرے کو عبداللہؓ ایک تیشے کے ساتھ ذبح کرنے لگے۔ تو وہ بھی ذبح ہونے سے قبل ہی مر گیا۔ تو اسے بھی عبداللہ نے پھینک دیا۔ (کیونکہ ان میں کوئی بھی تیز دھار والے آلہ سے بسم اللہ پڑھ کر قتل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ جانور پتھر کے ساتھ مار گرائے گئے تھے)۔

۱۰۴۳۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ کَانَ یَکْرَہُ مَاقَتَلَ الْمِعْرَاضُ وَالْبُنْدُقَۃُ۔

ترجمہ مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ القاسم بن محمدؒ معراض اور غلیل کے قتل کئے ہوئے کو ناپسند کرتے تھے۔

شرح: معراض ایک بھاری ڈنڈا ہوتا تھا جس کے ایک طرف لوہا لگا ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ماری جانے والی چیز تیز دھار کے لوہے سے نہیں بلکہ چوٹ سے مرتی تھی۔ اور اسی طرح بندقہ یعنی کمان اور غلیل سے چلایا ہوا مٹی کا غلیلہ بھی زور سے جانور کو مار دیتا ہے، اپنی دھار کے باعث نہیں۔ لہذا اس کا شکار بھی ذبح کئے بغیر۔ اگر زندہ مل جائے ــ جائز نہیں۔

۱۰۴۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِکٍ، اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ سَعِیْدَ ابْنَ الْمُسَیَّبِ کَانَ یَکْرَہُ اَنْ تُقْتَلَ الْاِنْسِیَّۃُ بِمَا یُقْتَلُ بِہِ الصَّیْدُ مِنَ الرَّمْیِ وَاَشْبَاھِہٖ۔

قَالَ مَالِکٌ: وَلَا اَرٰی بَاْسًا بِمَا اَصَابَ الْمِعْرَاضُ اِذَا خَسَقَ وَبَلَغَ الْمَقَاتِلَ اَنْ یُؤْکَلَ۔ قَالَ

اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ـ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ قَالَ فَكُلُّ شَيْءٍ نَالَهُ الْاِنْسَانُ بِيَدِهٖ، اَوْ رُمْحِهٖ، اَوْ بِشَيْءٍ مِنْ سِلَاحِهٖ، فَاَنْفَذَهٗ، وَ بَلَغَ مَقَاتِلَهٗ فَهُوَ صَيْدٌ۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ سعید بن المسیب گھریلو جانوروں کو اس طرح قتل کرنا مکروہ جانتے تھے جس طرح کہ شکار قتل کیا جاتا ہے کوئی چیز پھینک کر اور اس طرح کی اور چیزوں کے ساتھ۔
مالکؒ نے کہا کہ معراض جب دھار سے لگے اور زخمی کر کے خون بہا دے اور قتل تک نوبت پہنچا دے تو اسے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
مالک نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اے ایمان والو اللہ تعالیٰ تمہیں شکار میں سے کسی چیز میں بالضرور آزمائیگا جسے تمہارے ہاتھ اور تیر پا لیں گے۔ مالکؒ نے کہا کہ پس (اس آیت کی رُو سے) ہر چیز جسے انسان اپنے نیزے یا اپنے ہاتھ یا اپنے کسی ہتھیار کے ساتھ پالے۔ اور وہ اس میں گھس جائے اور اس کی قتل گاہوں تک جا پہنچے تو وہ شکار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

شرح: گھریلو جانوروں کو صرف زخمی کرنا کافی نہیں بلکہ انہیں پکڑ کر ذبح کرنا ضروری ہے تب ان کا کھانا حلال ہوگا۔ اور یہ اس وقت تک ہے کہ یہ جانور وحشی نہ ہو جائیں۔ مثلاً کبوتر تھے تو اُڑ گئے اور اب گرفت سے باہر ہیں جب متوحش ہو جائیں تو ان کا حکم باقی جنگلی جانوروں جیسا ہے۔
معراض نے جب اپنی دھار کے ساتھ کسی جانور کو زخمی کیا تو دوسری شرائط کی موجودگی میں وہ شکار جائز ہے۔ یعنی جب بسم اللہ و اللہ اکبر کہہ مارا گیا ہو اور زخمی کر کے خون بہا دے اور زندہ ہاتھ نہ آئے۔ ورنہ ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

۱۰۴۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ اَهْلَ الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ: اِذَا اَصَابَ الرَّجُلُ الصَّيْدَ، فَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ، مِنْ مَاءٍ اَوْ كَلْبٍ، غَيْرِ مُعَلَّمٍ لَمْ يُؤْكَلْ ذٰلِكَ الصَّيْدُ۔ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ سَهْمُ الرَّامِيْ قَدْ قَتَلَهٗ۔ اَوْ بَلَغَ مَقَاتِلَ الصَّيْدِ۔ حَتّٰى لَا يَشُكَّ اَحَدٌ فِيْ اَنَّهٗ هُوَ قَتَلَهٗ۔ وَاَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ لِلصَّيْدِ حَيَاةٌ بَعْدَهٗ۔

قَالَ وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ: لَا بَاْسَ بِاَكْلِ الصَّيْدِ وَاِنْ غَابَ عَنْكَ مَصْرَعُهٗ، اِذَا وَجَدْتَ بِهٖ اَثَرًا مِنْ كَلْبِكَ، اَوْ كَانَ بِهٖ سَهْمُكَ۔ مَا لَمْ يَبِتْ۔ فَاِذَا بَاتَ، فَاِنَّهٗ يُكْرَهُ اَكْلُهٗ۔

ترجمہ: مالکؒ نے اہلِ علم کو کہتے سُنا کہ جب کسی آدمی نے شکار کو پا لیا اور دوسرے شخص نے پانی یا غیر معلم کُتے سے اس کی مدد کی تو وہ شکار نہیں کھایا جائے گا۔ مگر یہ کہ تیر چلانے والے شکاری کے تیر نے ہی اسے قتل کیا یا اس کے قتل کی نوبت پہنچائی۔

حتیٰ کہ کسی کو شک نہ رہا کہ اس نے ہی اسے قتل کیا ہے اور یہ کہ اس کے بعد شکار میں کوئی زندگی نہیں رہ سکتی تھی۔
امام مالکؒ نے کہا کہ شکار کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ اس کے گرنے کی جگہ تم سے غائب ہو۔ بشرطیکہ تم اس میں اپنے کُتے کا اثر پاؤ یا تمہارا تیر اس میں موجود ہو، جب تک کہ اس پر رات نہ گزرے۔ جب رات گزر جائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ (وقت کی پابندی یہ بتاتی ہے کہ مکروہ سے مراد یہاں مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر وہ شکار کی طلب سے باز نہ آیا اور برابر تلاش میں رہا تو جب بھی پالے اس کا کھانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مباح ہے۔ احادیث میں دو اور تین دن تک کا ذکر موجود ہے)

۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْمُعَلَّمَاتِ

سدھائے جانوروں کے شکار کا باب

سدھائے ہوئے جانوروں سے مراد کُتے، چیتے، باز، شکرے اور ریچھ وغیرہ ہیں، جن کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے۔ درندوں میں ہر کچلی والا جانور اور پرندوں میں سے ہر پنجہ مار کر شکار کرنے والا جانور بشرطیکہ اسے سدھایا گیا ہو، اس کا استعمال شکار کے لئے جائز ہے۔ جو جانور یہ زندہ پکڑ رکھیں اسے بہرحال حسب قاعدۂ شرعیہ ذبح کرنا واجب ہے۔ اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ یہ جارح جانور جس کو قتل کر دیں، اس کے جواز کی سات شرطیں ہیں۔ (۱) یہ کہ شکار کرنے والا اہلِ ذکات ہو یعنی مسلم یا کتابی ہو (۲) جارح جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر پڑھا جائے (۳) جارح جانور کو قصداً چھوڑا جائے، اگر وہ خود جا پڑے تو اس کا مارا ہوا شکار حلال نہیں (۴) یہ کہ جارح معلَّم ہو (۵) یہ کہ وہ جانور شکار میں سے نہ کھائے (۶) یہ کہ شکار کو زخمی کرکے اس کا خون بہائے۔ اگر گلا دبا دے یا صدمے سے اسے مار ڈالے تو حرام ہو گیا۔ (۷) یہ کہ شکاری اسے قصداً شکار پر چھوڑے۔ اگر اسے چھوڑتے وقت کوئی شکار سامنے نہ تھا مگر اتفاق سے اس نے کوئی چیز شکار کر لی تو وہ حلال نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ تعلیم کی تعریف اور حد کیا ہے؟ سو تعلیم یہ ہے کہ جب مالک اس جارح کو چھوڑے تو وہ چلا جائے، جب اسے ڈانٹے اور باز رکھے تو باز آ جائے اور جب شکار کو پکڑے تو اس میں سے نہ کھائے۔ لیکن یہ آخری شرط صرف کُتے کے متعلق ہے باز اور شکرے وغیرہ میں نہیں۔ یہی مذہب ابن عباسؓ، نخعیؒ، حمادؒ، ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اور اس مسئلہ میں بعض اختلافات کے ذکر کو ہم نے حذف کر دیا ہے۔

۱۰۴۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ يَقُولُ فِي الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ: كُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ. إِنْ قَتَلَ، وَإِنْ لَمْ يَقْتُلْ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سدھائے ہوئے کُتے کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ جس شکار کو تیرے لئے روک رکھے، اسے کھا لے خواہ وہ قتل کرے یا نہ کرے۔ (امام مالکؒ کے نزدیک تو اگر کُتا بھی شکار میں سے کچھ کھالے تو حرج نہیں۔ مگر دیگر ائمہ اس کو "تعلیم" کے خلاف کہتے ہیں۔)

۱۰۴۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ نَافِعًا يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: وَإِنْ أَكَلَ، وَإِنْ لَمْ يَأْكُلْ۔

ترجمہ: نافع کہتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: اگرچہ وہ شکار ریں سے کھالے یا نہ کھائے (تب بھی شکار جائز ہے)۔
شرح: اُوپر کا اثر مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہے اور اس پر امام محمدؒ لکھتے ہیں، ہمارا مختار یہی ہے کہ قتل کئے ہوئے شکار کو اسی صورت میں کھایا جائے اور قتل نہ کیا ہو تو اسے ذبح کیا جائے، بشرطیکہ اس میں سے جارح نے کھایا نہ ہو۔ ورنہ اسے نہ کھایا جائے۔ وجہ یہ کہ جارح نے اسے اپنے لئے روکا ہے نہ کہ مالک کے لئے۔ اور اسی طرح ہمیں ابن عباسؓ سے خبر پہنچی ہے اور یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ زیرِ نظر اثر میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ابن عمرؓ کا مسلک ہے۔ لیکن بخاری اور ابن ابی شیبہ کی روایتوں میں ابن عمرؓ سے جو کچھ منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ابن عمرؓ سے اس مسئلہ میں متضاد روایات ہیں۔

۱۰۴۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ إِذَا قَتَلَ الصَّيْدَ. فَقَالَ سَعْدٌ: كُلْ. وَإِنْ لَمْ تَبْقَ إِلَّا بَضْعَةٌ وَاحِدَةٌ۔

ترجمہ: مالکؒ کو خبر پہنچی ہے کہ سعد بن ابی وقاص سے سدھائے ہوئے کُتے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب وہ شکار کو قتل کر دے تو کیا حکم ہے۔ سعدؓ نے کہا کھالو۔ اگرچہ اس میں سے صرف ایک ٹکڑا باقی بچا ہو۔ (اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ جارح نے شکار کو ہڑپ کر لیا ہو اور صرف ایک حصّہ بچا رہا ہو تو بھی اس کا کھانا جائز ہے۔ سو یہ مطلب صحیحین کی حدیث عدیؓ بن حاتم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں صراحۃً اور وضاحۃً حضورؐ کا حکم موجود ہے کہ کُتا جس شکار میں سے کھائے، اُسے مت کھاؤ۔)

۱۰۴۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ، فِي الْبَازِي وَالْعُقَابِ وَالصَّقْرِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ: أَنَّهُ إِذَا كَانَ يَفْقَهُ كَمَا تَفْقَهُ الْكِلَابُ الْمُعَلَّمَةُ، فَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ مَا قَتَلَتْ، مِمَّا صَادَتْ. إِذَا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَى إِرْسَالِهَا۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الَّذِي يَتَخَلَّصُ الصَّيْدَ مِنْ مَخَالِبِ الْبَازِي، أَوْ مِنَ الْكَلْبِ ثُمَّ يَتَرَبَّصُ بِهِ فَيَمُوتُ، أَنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَا قُدِرَ عَلَى ذَبْحِهِ، وَهُوَ فِي مَخَالِبِ الْبَازِي، أَوْ فِي الْكَلْبِ، فَيَتْرُكُهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى ذَبْحِهِ، حَتّٰى يَقْتُلَهُ الْبَازِي أَوِ الْكَلْبُ. فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: وَكَذٰلِكَ الَّذِي يَرْمِي الصَّيْدَ، فَيَنَالُهُ وَهُوَ حَيٌّ، فَيُفَرِّطُ فِي ذَبْحِهِ حَتّٰى يَمُوتَ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَكْلُهُ۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَرْسَلَ كَلْبَ الْمَجُوسِيِّ الضَّارِيَ، فَصَادَ أَوْ قَتَلَ، إِنَّهُ إِذَا كَانَ مُعَلَّمًا، فَأَكْلُ ذَلِكَ الصَّيْدِ حَلَالٌ. لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ لَمْ يُذَكِّهِ الْمُسْلِمُ. وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ، مَثَلُ الْمُسْلِمِ يَذْبَحُ بِشَفْرَةِ الْمَجُوسِيِّ، أَوْ يَرْمِي بِقَوْسِهِ أَوْ بِنَبْلِهِ فَيَقْتُلُ بِهَا. فَصَيْدُهُ ذَلِكَ وَذَبِيحَتُهُ حَلَالٌ. لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ. وَإِذَا أَرْسَلَ الْمَجُوسِيُّ كَلْبَ الْمُسْلِمِ الضَّارِيَ عَلَى صَيْدٍ. فَأَخَذَهُ، فَإِنَّهُ لَا يُؤْكَلُ ذَلِكَ الصَّيْدُ. إِلَّا أَنْ يُذَكَّى. وَإِنَّمَا مَثَلُ ذَلِكَ، مَثَلُ قَوْسِ الْمُسْلِمِ وَنَبْلِهِ، يَأْخُذُهَا الْمَجُوسِيُّ فَيَرْمِي بِهَا الصَّيْدَ فَيَقْتُلُهُ. وَبِمَنْزِلَةِ شَفْرَةِ الْمُسْلِمِ يَذْبَحُ بِهَا الْمَجُوسِيُّ، فَلَا يَحِلُّ أَكْلُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: مالکؒ نے اہل علم کو باز، عقاب، شکرے اور اس قسم کی چیزوں کے متعلق کہتے سُنا کہ جب یہ جانور معلّم ہوں اور سدھائے ہوئے کُتوں کی طرح بات کو سمجھیں تو ان کے مارے ہوئے شکار کو کھانے میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ انہیں چھوڑتے وقت بسم اللہ الخ پڑھی گئی ہو۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جو شخص باز کے پنجوں میں سے یا کُتے کے مُنہ سے شکار کو چھڑائے پھر اسے رہنے دے (ذبح نہ کرے) حتّٰی کہ وہ مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ یہی حکم ہے ہر اس جانور کا جس کا ذبح کیا جانا ممکن ہو۔ اور وہ باز کے پنجوں میں ہو یا کُتے کے مُنہ میں ہو اور اس کا مالک اسے چھوڑ دے، حالانکہ وہ اس کے ذبح کرنے پر قادر ہے۔ اور اس اثنا میں کُتا اسے ہلاک کر دے یا باز مار ڈالے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ (ان مسائل میں اختلاف نہیں ہے)۔ امام مالکؒ نے کہا کہ اسی طرح وہ شخص بھی ہے جو شکار پر تیر پھینکے اور اسے زندہ پا لے۔ پس اس کے ذبح کرنے میں کوتاہی کرے۔ حتّٰی کہ وہ مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ (اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔)

امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس امر پر اجماع ہے کہ مسلم جب مجوسی کے کُتے کو چھوڑے جو شکار کا عادی ہو پس وہ شکار کرے یا اسے جان سے ہی مار ڈالے، تو جب وہ معلّم ہو تو اس شکار کا کھانا حلال ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ مسلم اسے ذبح کرے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ مجوسی کی چھری سے ذبح کرے یا اس کی کمان سے یا تیر سے شکار کرے۔ اور اس کا شکار مر جائے تو اس کا وہ شکار اور ذبیحہ حلال ہے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (یہی جمہور کا مذہب ہے)

امام مالکؒ نے کہا کہ جب مجوسی مسلم کے سدھائے ہوئے کُتے کو چھوڑے کسی شکار پر اور وہ اس شکار کو پکڑ لے تو وہ شکار نہ کھایا جائے گا۔ اِلّا یہ کہ اسے ذبح کیا گیا ہو۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ مسلم کی کمان اور تیروں کو مجوسی لے لے، اور شکار پر تیر پھینکے اور اسے مار ڈالے یا یوں کہو کہ مسلم کی چھری سے مجوسی جانور ذبح کرے تو ان میں سے کسی چیز کا کھانا جائز نہیں۔ (اس پر بھی اجماع ہے۔)

٣- بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبَحْرِ

سمندری شکار کا باب

حنفیہ کے نزدیک سمندر کی مخلوق میں سے مچھلی کے سوا کچھ حلال نہیں اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لئے دو خون حلال کئے گئے اور دو مُردے حلال کئے گئے۔ خون تو ہیں جگر اور تلی اور مُردار ہیں مچھلی اور ٹڈی۔ پس اس حدیث میں سے صرف مچھلی کی حلّت کا بیان ہے اور برّی شکار کتاب وسنت کے رُو سے حلال ہے جب کہ چار پایوں میں سے کچلیوں والا جانور اور پرندوں میں سے پنجے کے ساتھ شکار کرنے والا نہ ہو۔

١٠٥٠- وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي هُرَيْرَةَ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ، عَمَّا لَفَظَ الْبَحْرُ فَنَهَاهُ عَنْ أَكْلِهِ۔

قَالَ نَافِعٌ: ثُمَّ انْقَلَبَ عَبْدُ اللّٰهِ فَدَعَا بِالْمُصْحَفِ فَقَرَأَ - أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ۔

قَالَ نَافِعٌ: فَأَرْسَلَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ: إِنَّهُ لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے ان جانوروں (مچھلیوں) کے متعلق پوچھا جن کو سمندر باہر پھینک دے۔ عبداللہؓ نے اسے ان کے کھانے سے منع کیا۔ نافع نے کہا کہ پھر عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر واپس آئے اور مصحف منگوایا اور پڑھا، حلال کیا گیا تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا طعام۔ نافع نے کہا کہ پھر عبداللہؓ نے مجھ کو عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہؓ کی طرف بھیجا اور کہا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (موطّائے امام محمد میں یہ اثر موجود ہے۔)

شرح: جس مچھلی کو سمندر زندہ باہر پھینک دے۔ امام محمدؒ نے بَابُ مَا لَفَظَهُ الْبَحْرُ الخ میں لکھا ہے کہ ہم ابن عمرؓ کے آخری قول کو اختیار کرتے ہیں۔ سمندر جس مچھلی کو باہر پھینک دے یا پانی وہاں سے ہٹ جائے اور وہ مچھلی وہیں رہ جائے اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔ مگر وہ صرف وہ مچھلی ہے جو سمندر میں مر کر پانی پر تیرنے لگے۔ یہی قول ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا ہے۔ آیت قرآنی میں اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ دو چیزیں آئی ہیں۔ صید البحر سے مراد وہ مچھلی ہے، جسے محنت ومشقت سے بطور شکار پکڑا جاتا ہے۔ وطعامُہٗ اس قسم کی مچھلی ہے جسے سمندر باہر پھینک دے اور وہ طافی (مر کر تیرتا ہوئی) نہ ہو۔

١٠٥١- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ سَعْدٍ الْجَارِيِّ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، عَنِ الْحِيتَانِ يَقْتُلُ بَعْضُهَا بَعْضًا، أَوْ تَمُوتُ صَرَدًا۔ فَقَالَ لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ۔ قَالَ سَعْدٌ: ثُمَّ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

ترجمہ: سعد الجاری نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے ان مچھلیوں کے متعلق پوچھا جو ایک دوسری کو مار ڈالیں یا سردی سے مر جائیں تو انہوں نے کہا کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔ سعد نے کہا کہ پھر میں نے یہی مسئلہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا۔

شرح: یہ اثر امام محمدؒ نے مؤطا میں بَابُ السَّمَکِ یَمُوتُ فِی الْمَاءِ میں روایت کیا اور کہا کہ یہی ہمارا مختار ہے۔ مچھلیاں جب سردی یا گرمی سے مر جائیں یا ایک دوسری کو مار ڈالیں تو ان کے کھا لینے میں حرج نہیں ہے۔ لیکن جب کسی خارجی سبب کے بغیر خود بخود مر جائیں اور پانی کے اوپر تیر پڑیں تو وہ مکروہ ہیں۔ ان کے ماسوا کھانے میں حرج نہیں ہے۔ قاضی باجی نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۱۰۵۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، أَنَّهُمَا كَانَا لَا يَرَيَانِ بِمَا لَفَظَ الْبَحْرُ بَأْسًا۔

ترجمہ: ابوہریرۃؓ اور زید بن ثابتؓ اس مچھلی کو کھانے میں حرج نہیں جانتے تھے۔ جسے سمندر باہر پھینک دے۔ (یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔)

۱۰۵۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْجَارِ، قَدِمُوا فَسَأَلُوا مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ عَمَّا لَفَظَ الْبَحْرُ. فَقَالَ: لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ۔ وَقَالَ: اذْهَبُوا إِلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَاسْأَلُوهُمَا عَنْ ذٰلِكَ۔ ثُمَّ ائْتُونِي فَأَخْبِرُونِي مَاذَا يَقُولَانِ۔ فَأَتَوْهُمَا، فَسَأَلُوهُمَا. فَقَالَا: لَا بَأْسَ بِهِ۔ فَأَتَوْا مَرْوَانَ فَأَخْبَرُوهُ۔ فَقَالَ مَرْوَانُ قَدْ قُلْتُ لَكُمْ۔

قَالَ مَالِكٌ: لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْحِيتَانِ يَصِيدُهَا الْمَجُوسِيُّ۔ لِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْبَحْرِ "هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ۔ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ"۔

قَالَ مَالِكٌ: وَإِذَا أُكِلَ ذٰلِكَ، مَيْتًا، فَلَا يَضُرُّهُ مَنْ صَادَهُ۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ کچھ لوگ الجار کی بستی والے مروان بن الحکم کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ سمندر کی باہر پھینکی ہوئی چیز کا حکم کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس میں حرج نہیں اور تم زید بن ثابتؓ اور ابوہریرۃؓ کے پاس جا کر ان سے دریافت کرو اور پھر میرے پاس آکر مجھے بھی بتانا کہ ان کا جواب کیا ہے۔ پس وہ لوگ... یہ سن کر ان کے پاس گئے اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ پھر وہ مروان کے پاس گئے اور اسے بتایا تو مروان نے کہا کہ میں نے تو تمہیں یہی کہا تھا۔ (مروان اس وقت مدینہ کا حاکم تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس سے مسئلہ دریافت کیا۔ مروان کے متعلق اختلا

ہونے کے باوجود یہ بات تو مسلّم ہے کہ وہ عالم تھا اور علم کا شوقین بھی۔
ایضاً۔ امام مالکؒ نے کہا کہ ان مچھلیوں کو کھانے میں حرج نہیں، جنہیں مجوسی شکار کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سمندر وہ جگہ ہے کہ اس کا پانی پاک (اور پاک کنندہ) ہے اور اس کا مُردار (مچھلی) حلال ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ جب مچھلی مُردہ ہونے کی حالت میں (بلا ذبح و ذکات) کھائی جاتی ہے تو اس کا شکاری کوئی بھی ہو، اس میں حرج نہیں۔ (معلوم رہے کہ اس حدیث پر کچھ لوگوں نے لے دے کی ہے مگر یہ حدیث ہے اور مالکؒ اسے صحیح اور واجب العمل مانتے ہیں۔ اس پر کچھ گفتگو کتاب الطہارۃ میں ہو چکی ہے۔)

۴۔ بَابُ تَحْرِيمِ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

کچلیوں والے درندوں کی حُرمت کا باب۔

۱۰۵۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ"۔

ترجمہ: ابو ثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر کچلی والے درندے کا کھانا حرام ہے (یہ حدیث موطا امام محمدؒ میں بھی مروی ہے) اس کے علاوہ امام محمدؒ نے ابو ہریرہؓ کی اس مضمون کی حدیث درج کی اور یہ نوٹ لکھا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ ہر کچلی والا درندہ حرام ہے اور ہر پنجے سے شکار کرنے والا پرندہ بھی حرام ہے اور پرندوں میں سے مُردار خور جانور بھی حرام ہیں۔ خواہ ان کے شکاری پنجے ہوں یا نہ ہوں اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا اور ابراہیم نخعی کا قول ہے۔)

شرح: سباع جمع ہے سَبُعٌ کی۔ اپنی کچلیوں کے ساتھ دوسرے جانوروں کو پھاڑ کھانے والے جانور سَبُع کہلاتے ہیں۔ دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ انہیں سَبُع اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ سات ماہ تک اپنی ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ مادہ سات سے زیادہ بچے نہیں جنتی۔ اور مذکر اس وقت تک مادہ سے نہیں ملتا، جب تک کہ اس کی عمر پوری سات سال نہ ہو جائے۔ ابن عمرؓ سے ایک ضعیف روایت ہے کہ درندے حرام نہیں اور یہی قول شعبیؒ اور سعید بن جبیرؒ کا ہے۔ (تفصیل کے لئے مصنّف عبد الرزاق کا متعلقہ باب قابل دید ہے۔) اکثر علماء تابعین اور ائمہ فقہ درندوں کی حُرمت پر متفق ہیں۔ حلّت کے قائلین کا استدلال اس آیت سے ہے۔ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ الخ اور اس آیت سے کہ قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا الخ۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ ابو ثعلبہ خشنیؓ کی حدیث ثابت ہے۔ اس مضمون کی حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور یہ ایک نصِ صریح ہے جس سے کہ آیات کے عموم میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ اور اس حکم میں شیر، چیتا، ریچھ، بھیڑیا، کُتا، خنزیر وغیرہ سب درندے داخل ہیں۔

۱۰۵۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ، عَنْ عَبِيدَةَ بْنِ سُفْيَانَ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ حَرَامٌ"۔
قَالَ مَالِكٌ: وَهُوَ الْأَمْرُ عِنْدَنَا۔

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کچلیوں والے درندے کا کھانا حرام ہے (زرقانی کے سندی نسخوں میں یہاں پر یہ عبارت بھی درج ہے "مالکؒ نے کہا کہ ہمارے ہاں (مدینہ منورہ میں) یہ امر (یعنی حرمت) معمول بہ اور مشہور و معروف امر ہے۔")

۵۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ أَكْلِ الدَّوَابِّ

جن جانوروں کا کھانا مکروہ ہے ان کا باب

۱۰۵۶۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَحْسَنَ مَا سَمِعَ فِي الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ، أَنَّهَا لَا تُؤْكَلُ. لِأَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً. وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْأَنْعَامِ. لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ. وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى. لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ.

قَالَ مَالِكٌ: وَسَمِعْتُ أَنَّ الْبَائِسَ هُوَ الْفَقِيرُ، وَأَنَّ الْمُعْتَرَّ هُوَ الزَّائِرُ.

قَالَ مَالِكٌ: فَذَكَرَ اللّٰهُ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِلرُّكُوبِ وَالزِّينَةِ. وَذَكَرَ الْأَنْعَامَ لِلرُّكُوبِ وَالْأَكْلِ.

قَالَ مَالِكٌ: وَالْقَانِعُ هُوَ الْفَقِيرُ أَيْضًا.

ترجمہ: مالکؒ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کے متعلق بہترین بات جو سُنی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں کھایا نہیں جاتا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور گھوڑے اور خچر اور گدھے اس لئے ہیں کہ تم ان پر سوار ہو اور زینت پاؤ اور چار پایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان میں سے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض کو کھاتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تاکہ وہ اللہ کا نام لیں۔ ان بے زبان جانوروں پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور رزق دیئے ہیں۔ پس تم ان میں سے کھاؤ اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور مفلس کو۔

امام مالکؒ نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ البائس (مفلس و قلاش) وہی ہے جو فقیر (محتاج) ہو اور المعتر کا معنی ہے زائر یعنی مہمان۔

امام مالکؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کا ذکر سواری اور زینت کے لئے فرمایا اور انعام (چار پائے) کا ذکر سواری اور کھانے کے لئے فرمایا۔ مالکؒ نے کہا کہ القانع کا معنیٰ بھی فقیر ہے۔

تشریح: گھریلو گدھوں کی حرمت میں کئی صحیح احادیث موجود ہیں۔ خچر کی حرمت بھی گدھے کی حرمت پر مبنی ہے۔ کیونکہ خچر باپ کی طرف سے گدھا ہوتا ہے۔ کتاب الحج میں جنگلی گدھے کی حلت کا ذکر بار بار گزر چکا ہے۔ صحیحین میں حدیث اسمٰاء کے اندر حضورؐ کے عہد

میں مدینہ میں گھوڑے کے گوشت کا کھایا جانا ثابت ہے۔ کراہت اس میں نقطہ آلہ جہاد ہونے اور تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہونے کے باعث ہے ورنہ دلائل شرع کے لحاظ سے اس کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ امام مالکؒ نے ان کے آلہ رکوب و زینت ہونے سے جو ان کی حرمت پر استدلال کیا ہے، سبحان اللہ یہ بڑا عالمانہ اور لطیف و دقیق استدلال ہے۔ مگر دوسرے دلائل سے گھوڑے کی حلت صراحتہً نکلتی ہے۔ گو اس کے کھانے کا بوجوہ رواج نہ ہوا۔ اور یہ امر آخر ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي جُلُودِ الْمَيْتَةِ

مُردار کے چمڑے کا باب

اس مسئلے میں حنفی و شافعی فقہاء کا مذہب سوائے ایک فرع کے بالکل ایک ہے۔ وہ فرع کُتّے کا چمڑا ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ شوافع کے نزدیک کتے اور خنزیر کے سوا سب جانوروں کے چمڑے دباغت سے ظاہر و باطن میں پاک ہو جاتے ہیں اور ان کا استعمال خشک و تر حالت میں جائز ہے۔ اس مسئلے میں حلال و حرام جانوروں کا بھی کوئی فرق نہیں۔ حنفیہ کا صرف ایک چیز میں شوافع سے اختلاف ہے اور وہ ہے کتے کا چمڑا۔ حنفی فقہا ان احادیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں کہ كُلُّ إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ۔ ان میں خنزیر کا چمڑا اس لئے مستثنیٰ ہے کہ وہ نجس العین ہے اور آدمی کی کھال بباعث اکرامِ آدمیّت مستثنیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی کی کھال زیر بحث بھی نہیں۔ داؤد ظاہریؒ کے نزدیک سب جانوروں کا چمڑا، حتیٰ کہ خنزیر کا بھی دباغت سے ظاہر و باطن میں پاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال خشک و تر ہر دو حالت میں جائز ہے۔ اوزاعیؒ، ابن المبارکؒ ابو ثور اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک دباغت سے صرف حلال جانوروں کے چمڑے پاک ہوتے ہیں نہ کہ حرام کے اور اس مذہب کی رُو سے کسی حلال مُردہ جانور کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے ملک کے اکثر تاجرانِ چرم کو اپنے مسلک اور کاروبار پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اتفاق یہ ہے کہ یہ تاجر حضرات فقہ میں غیر مقلد کہلاتے ہیں اور ان کے علماء کا فتویٰ یہی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔

۱۰۵۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَيْتَةٍ كَانَ أَعْطَاهَا مَوْلَاةً لِمَيْمُونَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: "أَفَلَا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا؟" فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا مَيْتَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّمَا حُرِّمَ أَكْلُهَا"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مُردہ بکری پر گزرے، جو آپ نے حضرت میمونہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی کو عطا کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہ اُٹھایا؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو مُردہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم پر اس کا کھانا حرام ہے۔ امام محمدؒ نے یہ حدیث اپنے مؤطا میں باب "باغ الميتة" میں روایت کی ہے اور اس پر لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ جب مُردار کا چمڑا رنگا جائے تو وہ پاک ہو گیا اور یہی اس کی زکات ہے۔ اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں حرج نہیں اور نہ اس کی بیع میں کوئی حرج ہے۔ یہی قول

امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا ہے۔)

۱۰۵۸۔ وَحَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ ابْنِ وَعْلَةَ الْمِصْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ"۔

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کچا چمڑا رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہوگیا۔ (یہ حدیث بھی مؤطائے امام محمد کے مذکورہ بالا باب میں مروی ہے۔)

۱۰۵۹۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا دُبِغَتْ۔

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مکرمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردار کے چمڑوں سے نفع اُٹھانے کا حکم دیا جب کہ ان کی دباغت ہو جائے۔ (یہ حدیث بھی مؤطائے امام محمد میں مروی ہے)

۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُضْطَرُّ إِلَى أَكْلِ الْمَيْتَةِ

مُردار کھانے پر مضطر ہونے والے کا باب

جمہور کے نزدیک اضطرار کی حد یہ ہے کہ بھوک کے باعث ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے یا ایسی بیماری کے پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے جس کے باعث موت کا ڈر ہو۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ مُردار میں ایک زہریلا مادّہ ہوتا ہے جسے اگر بلا سبب استعمال کیا جائے تو اس کے مُہلک ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا شرع نے اس میں حالتِ اضطرار کا اعتبار کیا تاکہ بھوک کے باعث مُردار کی سمّیت کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ اضطرار میں یہ شرط بھی ہے کہ آدمی ایسی جگہ پر ہو، جہاں اس مُردار کے سوا اور کچھ نہ ملے۔ یا اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اس مردار کو استعمال کرے۔ ورنہ اسے ہلاک کر دیا جائے یا اس کا کوئی عضو ضائع کر دیا جائے گا۔ ضرورت سے یہی مراد ہے۔ ایسی حالت میں جان بچانے کی خاطر بقدر سدِّ رمق مُردار میں سے کھا لینا جائز ہے تاکہ اس کی جان بچ جائے۔ اور اگر ضرورت طویل و ممتد ہو تو سیر ہو کر کھا لینا بھی جائز ہے۔ پھر ایسی حالت میں آیا مُردار کو کھا لینا جائز ہے یا واجب؟ مشہور تو یہی ہے کہ جائز ہے۔ لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ واجب ہے۔

۱۰۶۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، أَنَّ أَحْسَنَ مَا سُمِعَ فِي الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى الْمَيْتَةِ: أَنَّهُ يَأْكُلُ مِنْهَا حَتَّى يَشْبَعَ، وَيَتَزَوَّدُ مِنْهَا۔ فَإِنْ وَجَدَ عَنْهَا غِنًى طَرَحَهَا۔

وَسُئِلَ مَالِكٌ، عَنِ الرَّجُلِ يُضْطَرُّ إِلَى الْمَيْتَةِ۔ أَيَأْكُلُ مِنْهَا، وَيَجِدُ ثَمَرَ الْقَوْمِ أَوْ زَرْعًا

أَوْ غَنَمًا بِمَكَانِهِ ذٰلِكَ؟ قَالَ مَالِكٌ: إِنْ ظَنَّ أَهْلُ ذٰلِكَ الثَّمَرِ، أَوِ الزَّرْعِ، أَوِ الْغَنَمِ، يُصَدِّقُونَهُ بِضَرُورَتِهِ، حَتّٰى لَا يُعَدَّ سَارِقًا فَتُقْطَعَ يَدُهُ، رَأَيْتُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ أَيِّ ذٰلِكَ وَجَدَ، مَا يَرُدُّ جُوعَهُ وَلَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْئًا. وَذٰلِكَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْكُلَ الْمَيْتَةَ. وَإِنْ هُوَ خَشِيَ أَنْ لَا يُصَدِّقُوهُ وَأَنْ يُعَدَّ سَارِقًا بِمَا أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ، فَإِنَّ أَكْلَ الْمَيْتَةِ خَيْرٌ لَهُ عِنْدِي. وَلَهُ فِي أَكْلِ الْمَيْتَةِ عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ سَعَةٌ. مَعَ أَنِّي أَخَافُ أَنْ يَعْدُوَ عَادٍ مِمَّنْ لَمْ يُضْطَرَّ إِلَى الْمَيْتَةِ، يُرِيدُ اسْتِجَازَةَ أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ وَزُرُوعِهِمْ وَثِمَارِهِمْ بِذٰلِكَ، بِدُونِ اضْطِرَارٍ.

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ.

ترجمہ: امام مالکؒ نے کہا کہ جو آدمی مُردار کھانے پر مجبور ہو وہ اس سے سیر ہو کر بھی کھا سکتا ہے اور بطور زادِ سفر بھی رکھ سکتا ہے۔ پھر جب اس سے بے نیاز ہو جائے تو اسے پھینک دے۔ (حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف بقدر سدِ رمق کھا سکتا ہے شافعیؒ اور احمدؒ سے اس مسئلہ میں دو دو روایات ہیں۔)

امام مالکؒ سے مُردار کی طرف مضطر ہونے کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر ایسا شخص پھل یا اناج یا بھیڑ بکری پائے تو کیا پھر بھی اس کے لئے حالتِ اضطرار مانی جائے گی؟ امام مالکؒ نے کہا کہ اگر اس پھل یا اناج یا ریوڑ والے اس کی بات کی تصدیق کریں (اس کا یہی گمان ہو کہ وہ تصدیق کریں گے۔) تاکہ چور ٹھہرا کر اس کا ہاتھ ہی نہ کٹ جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے جو چیز بھی وہ بھوک دور کرنے کو پا لے، اسے کھا لے مگر اپنے ساتھ نہ اُٹھائے اور یہ بات مجھے مُردار کھانے کی نسبت محبوب تر ہے۔ اور اگر اسے خوف ہو کہ لوگ اس کی تصدیق نہ کریں گے اور ان میں سے کوئی چیز لینے کی صورت میں اسے چور قرار دیں گے تو میرے نزدیک اس کے لئے مُردار کھانا بہتر ہے اور مُردار کھانے میں اس کے لئے گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ کچھ لوگ جو مضطر نہیں، محض لوگوں کا مال کھانے اور ان کے غلّے اور پھل اڑا جانے کا ارادہ کریں گے۔ لہذا اس کے لئے مُردار کھا لینا ہی بہتر ہے۔

امام مالکؒ نے کہا کہ یہ بات ان سب سے بہتر ہے جو میں نے سُنی ہے۔

۲۵۔ کِتَابُ الْعَقِيْقَةِ

۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَقِيْقَةِ

عقیقہ میں جو احکام آئے ہیں ان کا باب

عامۂ اہل علم کے نزدیک عقیقہ سنت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ عقیقہ بدعت ہے۔ حافظ عینیؒ نے کہا ہے کہ یہ امام صاحب پر بہتان ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ عقیقہ گو مباح ہے لیکن سنتِ مؤکدہ و ثابتہ نہیں ہے۔ گویا بالفاظ دیگر ان کے نزدیک عقیقہ ایک نفل ہے۔ لیث بن سعدؒ، داؤد ظاہریؒ اور الحسنؒ نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ اسی باب کی پہلی روایت جو ابھی آ رہی ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ عقیقہ نہ واجب ہے نہ سنت موکدہ، بلکہ صرف ایک مستحب فعل ہے۔

۱۰۶۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي ضَمْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ؟ فَقَالَ: "لَا أُحِبُّ الْعُقُوقَ"، وَكَأَنَّهُ إِنَّمَا كَرِهَ الْاِسْمَ. وَقَالَ: "مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ"۔

ترجمہ: زید بن اسلم نے بنی ضمرہ کے ایک مرد سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا، میں عقوق (والدین کے ساتھ بدسلوکی) کو پسند نہیں کرتا۔ گویا کہ آپؐ نے صرف اس نام کو ناپسند کیا۔ اور فرمایا کہ جس کے بچہ پیدا ہو وہ اپنے بچے کی طرف سے قربانی دینا پسند کرے تو ایسا کرے۔

شرح: اس حدیث کی متعدد اسناد ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔ ورنہ "بنی ضمرہ کا ایک مرد" مجہول ہے اور جب تک اس کی جہالت دُور نہ ہو صحابی کا ابہام دُور نہ ہو گا۔ پس یہ سند منقطع بلکہ معضل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے عقیقہ کے نام کو عقوق کے سبب سے ناپسند فرمایا ہے۔ ابو حنیفہؒ کی طرف سے جو عقیقہ کا انکار منسوب ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہے تو شاید اس کی بنیاد یہ حدیث ہو۔ پھر اس حدیث میں اختیار کے الفاظ سے بس استحباب ثابت ہوتا ہے نہ سُنیت نہ وجوب۔ یہ حدیث مؤطائے امام محمد میں بھی مروی ہے۔

۱۰۶۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ: وَزَنَتْ فَاطِمَةُ

بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعَرَ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ، وَزَيْنَبَ وَأُمِّ كُلْثُومٍ، فَتَصَدَّقَتْ بِزِنَتِهِ ذٰلِكَ فِضَّةً۔

ترجمہ: جعفر بن محمدؒ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ اور حسینؓ اور زینبؓ اور اُمّ کلثومؓ کے بالوں کا وزن کیا اور اس کے برابر چاندی کا صدقہ کیا۔ (اس بنا پر بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ مستحب شمار کیا گیا ہے) یہ اثر مؤطائے امام محمدؒ میں بھی مروی ہے۔

۱۰۶۳۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ، أَنَّهُ قَالَ وَزَنَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَعَرَ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ، فَتَصَدَّقَتْ بِزِنَتِهِ فِضَّةً۔

ترجمہ: محمد بن علی بن حسین (الباقر) نے کہا کہ فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ اور حسینؓ کے بالوں کا وزن کیا اور ان کے برابر چاندی کا صدقہ کیا۔ (یہ اثر بھی موطائے امام محمدؒ میں مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے ان آثار کی روایت کے بعد فرمایا ہے کہ جہاں تک عقیقہ کا تعلق ہے اس کے متعلق ہمیں خبر پہنچی ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی اس پر عمل کیا گیا۔ پھر اَلْاَضْحٰی (قربانی) نے ہر اس ذبح کو منسوخ کر دیا، جو اس سے پہلے تھا۔ اور ماہ رمضان کے روزے نے اپنے سے قبل ہر روزے کو منسوخ کر دیا۔ اور غسلِ جنابت نے ہر غسل کو منسوخ کر دیا جو اس سے قبل تھا۔ اور زکوٰۃ نے ہر صدقہ منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا۔ ہمیں اسی طرح خبر پہنچی ہے۔ امام محمدؒ کی اس عبارت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان منسوخ شدہ چیزوں کی حیثیت واجب کی نہیں رہی۔ اوپر کے تینوں آثار میں سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنے کا ذکر صرف پہلے میں آیا ہے۔

۲۔ بَابُ الْعَمَلِ فِي الْعَقِيقَةِ

عقیقہ کے مسائل کا باب

۱۰۶۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يَسْأَلُهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ عَقِيقَةً، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهَا. وَكَانَ يَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ بِشَاةٍ شَاةٍ عَنِ الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کے گھر والوں میں سے کوئی بھی ان سے عقیقہ کرنے کو کہتا تو وہ عقیقہ کا جانور دیتے اور اپنے بچوں کی طرف سے ایک ایک بکری ۔ مذکر اور مؤنث ہر دو کی طرف سے ۔ دیتے تھے۔ (ابن عباسؓ کی روایت میں مذکر کی طرف سے دو اور مؤنث کی طرف سے ایک کا ذکر آیا ہے۔ اور علما نے اسے مستحب کہا ہے۔ اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی مضمون کی روایت آئی ہے۔)

۱۰۶۵۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَسْتَحِبُّ الْعَقِيقَةَ، وَلَوْ بِعُصْفُورٍ۔

ترجمہ: محمد بن ابراہیم بن الحارث تیمی نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کو عقیقہ کو پسند کرتے سنا۔ گو وہ ایک چڑیا کے ساتھ ہی۔ (اس قسم کا کلام مبالغے اور تاکید و تشدید کے لئے آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تو بکری کا ذبح کرنا اس باب میں افضل ثابت ہوتا ہے۔ مگر نسک ہونے کی جہت سے اور گائے بھینس کا جواز بھی نکلتا ہے۔)

۱۰۶۶۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّهُ عُقَّ عَنْ حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ ابْنَيْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ۔

ترجمہ: مالک کو خبر پہنچی ہے کہ علیؓ بن ابی طالب کے بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کا عقیقہ ہوا تھا۔ (مگر عقیقے کے جانور کی تعداد میں روایات مختلف ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔)

۱۰۶۷۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، أَنَّ أَبَاهُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَعُقُّ عَنْ بَنِيهِ، الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ، بِشَاةٍ شَاةٍ۔

قَالَ مَالِكٌ: الْأَمْرُ عِنْدَنَا فِي الْعَقِيقَةِ، أَنَّ مَنْ عَقَّ فَإِنَّمَا يَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ بِشَاةٍ شَاةٍ، الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ۔ وَلَيْسَتِ الْعَقِيقَةُ بِوَاجِبَةٍ۔ وَلٰكِنَّهَا يُسْتَحَبُّ الْعَمَلُ بِهَا۔ وَهِيَ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَلَيْهِ النَّاسُ عِنْدَنَا۔ فَمَنْ عَقَّ عَنْ وَلَدِهِ فَإِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ النُّسُكِ وَالضَّحَايَا۔ لَا يَجُوزُ فِيهَا عَوْرَاءُ وَلَا عَجْفَاءُ وَلَا مَكْسُورَةٌ وَلَا مَرِيضَةٌ۔ وَلَا يُبَاعُ مِنْ لَحْمِهَا شَيْءٌ، وَلَا جِلْدُهَا، وَيُكْسَرُ عِظَامُهَا وَيَأْكُلُ أَهْلُهَا مِنْ لَحْمِهَا۔ وَيَتَصَدَّقُونَ مِنْهَا۔ وَلَا يَمَسُّ الصَّبِيُّ بِشَيْءٍ مِنْ دَمِهَا۔

ترجمہ: عروہ بن زبیرؓ اپنی اولاد کی طرف سے ایک ایک بکری عقیقہ دیتے تھے۔ خواہ مذکر ہوں یا مؤنث۔
امام مالکؒ نے کہا کہ عقیقہ میں ہمارے نزدیک مدینہ میں عمل اس پر ہے کہ مذکر و مؤنث ہر دو کی طرف سے ایک ایک بکری دی جائے اور عقیقہ واجب نہیں لیکن اس پر عمل مستحب ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن پر مدینہ میں برابر عمل ہوتا رہا ہے پس جو شخص اپنی اولاد کا عقیقہ دے تو یہ قربانی کی مانند ہے، جس میں یک چشم، کمزور، ٹوٹے سینگ والی، بیمار جائز نہیں ہوتی۔ اس کے گوشت میں سے کچھ فروخت نہ کیا جائے۔ اور نہ اس کا چمڑا بیچا جائے۔ اور اس کی ہڈیاں توڑی جائیں (بلکہ اس کا ڈرانا زمانہ جاہلیت میں اس کی ہڈیاں توڑنا معیوب ہوتا تھا۔) اور گھر والے اس کا گوشت بے شک کھائیں اور صدقہ بھی کریں اور اس

کا خون بچے کو بالکل نہ لگائیں۔ (یہ رسم بھی جاہلیت کی تھی۔ ابوداؤد)

۲۶۔ کتاب الضّحایا

۱۔ بَابُ مَا یُنْهٰی عَنْهُ مِنَ الضَّحَایَا

قربانی میں ممنوع جانوروں کا باب

قربانی کتاب وسنت اور اجماع اُمّت سے مشروع ہے۔ کتاب اللہ کا حکم ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ سنّت سے اس طرح ثابت ہے کہ صحاح کی حدیث کے مطابق ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر تک برابر قربانی دی۔ اہل اسلام کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ پھر بعض کے نزدیک تو یہ سنت مؤکدہ ہے اور ابوحنیفہؒ، مالکؒ، ربیعہؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ اور لیثؒ نے اسے واجب کہا ہے۔

۱۰۶۸۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَیْدِ بْنِ فَیْرُوْزٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: مَاذَا یُتَّقٰی مِنَ الضَّحَایَا؟ فَاَشَارَ بِیَدِهٖ، وَقَالَ "اَرْبَعًا" وَكَانَ الْبَرَاءُ یُشِیْرُ بِیَدِهٖ وَیَقُوْلُ: یَدِیْ اَقْصَرُ مِنْ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْعَرْجَاءُ الْبَیِّنُ ظَلْعُهَا۔ وَالْعَوْرَاءُ الْبَیِّنُ عَوَرُهَا۔ وَالْمَرِیْضَةُ الْبَیِّنُ مَرَضُهَا۔ وَالْعَجْفَاءُ الَّتِیْ لَا تُنْقِیْ"۔

ترجمہ: براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، قربانی کے کون سے جانوروں سے پرہیز کیا جائے؟ پس حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرکے فرمایا چار جانوروں سے۔ اور براء بن عازبؓ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے چھوٹا ہے (حقیقتہً یا ازراہ ادب کہا) ایک تو لنگڑی جس کا لنگڑا پن واضح ہو۔ دوسری وہ یک چشم جس کا کانا ہونا واضح ہو۔ تیسری وہ بیمار جس کا بیمار ہونا واضح ہو۔ چوتھی وہ کمزور قربانی جس میں مغز (مُخ) نہ رہا ہو۔ یعنی بہت بوڑھی اور ضعیف۔ (یہ عیوب جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے، اگر اس مقدار سے کم ہو تو وہ قربانی سے مانع نہیں ہوتے۔

۱۰۶۹۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ یَتَّقِیْ مِنَ الضَّحَایَا

وَالْبُدْنِ، الَّتِي لَمْ تُسِنَّ، وَالَّتِي نَقَصَ مِنْ خَلْقِهَا

قَالَ مَالِكٌ: وَهٰذَا اَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ.

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ قربانی کے جانوروں اور اونٹوں میں سے جو پوری عمر کے نہ ہوں اور جن کی پیدائش میں نقص ہو۔ مالکؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں میں نے جو کچھ سنا ہے یہ اس سبب میں سے پسندیدہ تر ہے۔ ششِ ماہہ مینڈھا حدیث میں آچکا ہے۔ لہذا وہ کم عمر شمار نہیں کیا جاتا۔ امام محمدؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ کتابُ الضحایا بابُ مَا یُجْزِئُ مِنْھَا۔

۲۔ بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الضَّحَايَا

قربانی کے مستحب جانوروں کا باب

امام محمدؒ نے براء بن عازبؓ کی حدیث (نمبر ۱۰۶۸) کو اپنے موطا کے باب مَا یُکْرَہُ مِنَ الضَّحَایَا میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارا اس پر عمل ہے۔ مگر لنگڑی جب اپنے پاؤں پر چل سکے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ یک چشم کی بصارت اگر نصف سے زائد باقی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اگر نصف یا اس سے زائد ضائع ہو گئی ہو تو جائز نہیں۔ بیماری کے باعث نہایت کمزور اور فاسد بکری وغیرہ جائز نہیں اور نہ وہ بوڑھی جائز ہے جس میں مخ (مغز) نہ رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے کسب میں سے پاکیزہ چیزوں کو خرچ کرو۔

۱۰۷۰۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ضَحَّى مَرَّةً بِالْمَدِينَةِ. قَالَ نَافِعٌ: فَأَمَرَنِي أَنْ أَشْتَرِيَ لَهُ كَبْشًا فَحِيلًا أَقْرَنَ. ثُمَّ أَذْبَحَهُ يَوْمَ الْأَضْحَى، فِي مُصَلَّى النَّاسِ. قَالَ نَافِعٌ: فَفَعَلْتُ. ثُمَّ حُمِلَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، فَحَلَقَ رَأْسَهُ حِينَ ذُبِحَ الْكَبْشُ وَكَانَ مَرِيضًا لَمْ يَشْهَدِ الْعِيدَ مَعَ النَّاسِ. قَالَ نَافِعٌ: كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَقُولُ: لَيْسَ حِلَاقُ الرَّأْسِ بِوَاجِبٍ عَلَى مَنْ ضَحَّى. وَقَدْ فَعَلَهُ ابْنُ عُمَرَ.

ترجمہ: نافع سے روایت کہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ مدینہ میں قربانی دی۔ نافع نے کہا کہ عبداللہؓ نے مجھے حکم دیا۔ کہ میں ان کے لیے ایک موٹا تازہ نر مینڈھا خرید لاؤں جو سینگ دار ہو۔ پھر میں اسے عید کے دن عیدگاہ میں ذبح کروں۔ نافع نے کہا کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ ذبح شدہ جانور اٹھا کر عبداللہ بن عمرؓ کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے سر اس وقت منڈوایا جب مینڈھا ذبح کیا گیا۔ اور وہ بیمار تھے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ عید میں حاضر نہ تھے۔ نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ قربانی دینے والے پر سر منڈوانا واجب نہیں، لیکن خود عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (یعنی قربانی کرنے والے پر حجامت وغیرہ کروانا واجب نہیں۔ مسئلہ صرف استحبابی ہے۔ امام محمدؒ نے یہ اثر اپنے موطا میں روایت کر کے لکھا ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ مگر ایک بات میں ہمارا اختلاف ہے۔ ششماہہ مینڈھا جب کہ بڑا ہو تو ہدی اور قربانی میں جائز

ہے۔ آثار میں یہی آیا ہے۔ قربانی کا خصی جانور بھی غیر خصی کی طرح جائز ہے۔ سرمنڈوانے کا جہاں تک سوال ہے، اس میں ہمارا قول عبداللہ بن عمرؓ جیسا ہے کہ سرمنڈوانا حاجی کے سوا کسی پر واجب نہیں یہی ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا قول ہے۔

۳۔ بَابُ النَّهْيِ عَنْ ذَبْحِ الضَّحِيَّةِ قَبْلَ انْصِرَافِ الْإِمَامِ

امام کی فراغت سے قبل قربانی ذبح کرنے کی ممانعت

۱۰۷۱۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، أَنَّ أَبَا بُرْدَةَ بْنَ نِيَارٍ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهُ، قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَضْحَى۔ فَزَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يَعُودَ بِضَحِيَّةٍ أُخْرَى۔ قَالَ أَبُو بُرْدَةَ: لَا أَجِدُ إِلَّا جَذَعًا يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: "وَإِنْ لَمْ تَجِدْ إِلَّا جَذَعًا فَاذْبَحْ"۔

ترجمہ: بشیر بن یسارؒ سے روایت ہے کہ ابوبردہ بن نیارؓ نے عید قربان کے دن اپنی قربانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ذبح کر ڈالا۔ ابوبردہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوسری قربانی کرنے کا حکم کیا۔ ابوبردہؓ نے کہا کہ مجھے سوائے ایک سالہ بکری کے نہیں ملتی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تجھے ایک سالہ کے سوا نہیں ملتی تو اسی کو ذبح کر دے۔

شرح: امام کے نماز عید سے فارغ ہونے سے قبل کوئی شخص قربانی نہیں کر سکتا۔ دیہات کا معاملہ البتہ دوسرا ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضورؐ نے ابوبردہؓ سے فرمایا تھا، تو تو قربانی کرے مگر تیرے بعد کسی اور کی طرف سے اس عمر کا جانور جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامرؓ کو بھی حضورؐ نے خاص اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ یہ واقعہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے۔

۱۰۷۲۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، أَنَّ عُوَيْمِرَ بْنَ أَشْقَرَ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يَغْدُوَ يَوْمَ الْأَضْحَى۔ وَأَنَّهُ ذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَعُودَ بِضَحِيَّةٍ أُخْرَى۔

ترجمہ: عبّاد بن تمیم سے روایت ہے کہ عویمرؓ بن اشقر نے قربانی کے دن عیدگاہ جانے سے قبل قربانی ذبح کر دی۔ اور اس نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ وہ دوسری قربانی کرے۔ (امام محمدؒ نے اس حدیث کو اپنے مؤطا میں باب الرَّجُلِ يَذْبَحُ أُضْحِيَّتَهُ الخ میں روایت کیا ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب آدمی شہر میں ہو جہاں عید پڑھی جاتی ہو اور وہاں اس نے امام کی نماز سے قبل ہی قربانی ذبح کر دی۔ تو وہ گوشت کی بکری ہے قربانی نہیں۔ شہر میں نہ ہو بلکہ بادیہ میں ہو یا شہر سے دُور دیہات میں ہو تو وہ طلوع فجر یا طلوع آفتاب کے وقت اگر جانور ذبح کر دے تو اس کے لئے کافی ہے اور یہی قول ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

۴۔ بَابُ اِدِّخَارِ لُحُوْمِ الْاَضَاحِیْ

قربانیوں کے گوشت کا ذخیرہ کرنا

ایک بار خاص مصلحت کی بنا پر قربانی کے گوشت کا ذخیرہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ بعد میں اجازت دے دی تھی۔

۱۰۷۳۔ حَدَّثَنِیْ یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ الْمَکِّیِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الضَّحَایَا بَعْدَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ۔ ثُمَّ قَالَ، بَعْدُ: "کُلُوْا، وَتَصَدَّقُوْا وَتَزَوَّدُوْا، وَادَّخِرُوْا"۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ سلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع فرما دیا تھا۔ پھر آپ نے بعد میں فرمایا، کھاؤ اور جمع کرو۔ اور ذخیرہ کرو۔ (موطا امام محمدؒ میں بابُ لُحُومِ الْاَضَاحِی میں یہ حدیث مروی ہے۔)

شرح: امام محمدؒ نے کہا کہ ہمارا اختیار یہی ہے کہ تین دن کے بعد قربانی کے گوشت کو بچا کر محفوظ رکھنے اور ذخیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمانے کے بعد اجازت دے دی تھی اور آپ کا دوسرا قول پہلے کا ناسخ تھا۔ لہذا ذخیرہ بنانے اور جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا ہے۔ پہلی ممانعت کا سبب آگے آتا ہے۔

۱۰۷۴۔ وَحَدَّثَنِیْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ وَاقِدٍ، اَنَّہٗ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الضَّحَایَا بَعْدَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ: فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمْرَۃَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَتْ: صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ: دَفَّ نَاسٌ مِنْ اَھْلِ الْبَادِیَۃِ حَضْرَۃَ الْاَضْحٰی، فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِدَّخِرُوا الثَّلَاثَ۔ وَتَصَدَّقُوْا بِمَا بَقِیَ"۔ قَالَتْ: فَلَمَّا کَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ، قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ کَانَ النَّاسُ یَنْتَفِعُوْنَ بِضَحَایَاھُمْ، وَیَجْمِلُوْنَ مِنْھَا الْوَدَكَ، وَیَتَّخِذُوْنَ مِنْھَا الْاَسْقِیَۃَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ: "وَمَا ذٰلِكَ؟" اَوْ کَمَا قَالَ۔ قَالُوْا: نَھَیْتَ عَنْ لُحُوْمِ الضَّحَایَا بَعْدَ ثَلَاثٍ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: "اِنَّمَا نَھَیْتُکُمْ مِنْ اَجْلِ الدَّافَّۃِ الَّتِیْ دَفَّتْ عَلَیْکُمْ۔ فَکُلُوْا، وَتَصَدَّقُوْا، وَادَّخِرُوْا"۔

يَعْنِيْ بِالدَّافَّةِ، قَوْمًا مَسَاكِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن واقد سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد تک کھانے سے منع فرمایا تھا۔ عبداللہ بن ابی بکر راوی نے کہا کہ میں نے یہ بات عمرہ بنت عبدالرحمان سے بیان کی۔ تو اس نے کہا کہ اس نے سچ کہا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ کو فرماتے سُنا تھا کہ کچھ صحرائی لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانی کے دنوں میں مدینہ آ جمع ہوئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دن کے لئے ذخیرہ کرو۔ اور اس کے بعد جو گوشت بچ جائے اس کا صدقہ کر دو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ لوگ اپنی قربانیوں سے نفع پاتے تھے اور ان کی چربی کو پگھلاتے تھے اور ان سے مشکیں بناتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا پھر کیا ہوا؟ یا کوئی ایسی بات فرمائی۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ نے قربانی کے گوشت کا تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنا روک دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس آنے والی جماعت کے بارے میں روکا تھا، جو عید الاضحیٰ کے دنوں میں آئی تھی۔ پس کھاؤ اور صدقہ کرو اور جمع بھی کرو۔ یحییٰ نے کہا کہ اس حدیث میں دافّہ سے مراد وہ مسکین لوگ تھے جو مدینہ میں آئے تھے۔ (امام محمدؒ نے اسے باب لُحُومِ الْأَضَاحِي میں روایت کیا ہے۔)

شرح: یحییٰ کی روایت میں یہ حدیث مُرسل ہے مگر امام محمدؒ نے عبداللہ بن واقد کے بعد عبداللہ بن عمرؓ کا نام لیا ہے۔ اس طرح یہ طرح یہ حدیث متصل ہو گئی ہے۔

۱۰۷۵۔ وَحَدَّثَنِيْ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَقَدَّمَ إِلَيْهِ أَهْلُهُ لَحْمًا. فَقَالَ: أُنْظُرُوْا أَنْ يَكُوْنَ هٰذَا مِنْ لُحُوْمِ الْأَضْحٰى. فَقَالُوْا: هُوَ مِنْهَا. فَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: أَلَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا؟ فَقَالُوْا إِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَعْدَكَ أَمْرٌ. فَخَرَجَ أَبُوْ سَعِيْدٍ، فَسَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ. فَأُخْبِرَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "نَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْأَضْحٰى بَعْدَ ثَلَاثٍ. فَكُلُوْا، وَتَصَدَّقُوْا، وَادَّخِرُوْا. وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ الْإِنْتِبَاذِ، فَانْتَبِذُوْا. وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ. وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا. وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا"

يَعْنِيْ لَا تَقُوْلُوْا سُوْءًا۔

ترجمہ: ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر سے واپس آئے تو ان کے گھر والوں نے ان کے سامنے گوشت پیش کیا۔ ابوسعیدؓ نے کہا دیکھو، کہیں قربانی کا گوشت نہ ہو۔ گھر والوں نے کہا کہ یہ وہی ہے۔ اس پر ابوسعیدؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں

دوسرا حکم دیا تھا۔ پس ابوسعیدؓ گھر سے نکلے اور اس مسئلہ کے متعلق پوچھا تو ابوشہید کو بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے روکا تھا، اب اسے کھاؤ اور صدقہ بھی کرو اور جمع بھی رکھو۔ اور میں نے نبیذ بنانے سے روکا تھا۔ اب تم نبیذ بھی بناؤ مگر ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا۔ پس ان کی زیارت کرو لیکن قبیح بات مت کہو یعنی کوئی بُری بات مت کہو۔

شرح: سدِ ذرائع کے طور پر ان چیزوں کو ناجائز ٹھہرایا گیا تھا۔ قربانی کے گوشت کا مسئلہ تو اوپر گزر چکا کہ ایک سال کچھ بادیہ نشین مدینہ میں آ وارد ہوئے۔ لہذا حضورؐ نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد نہ کھایا جائے مقصد یہ تھا کہ ان بادیہ نشینوں کی مدد کی جائے۔ شراب جب حرام ہوئی تو اس کے لئے استعمال ہونے والے برتن بھی کچھ دیر تک ممنوع ٹھیرائے گئے تاکہ پچھلی عادت بھول جائے۔ بعد میں اس حکم کو واپس لے لیا گیا۔ زیارت قبور سے پہلے شرک میں ہونے کے خدشے کی بنا پر منع فرمایا گیا اور بعد میں واپس لے لیا گیا۔ مگر بین کرنا، اللہ کی ناشکری اور کفر کی باتیں مُنہ سے نکالنا حسبِ سابق حرام رہا۔

۵- اَلشَّرِكَةُ فِي الضَّحَايَا، وَعَنْ كَمْ تُذْبَحُ الْبَقَرَةُ وَالْبَدَنَةُ

قربانیوں میں شرکت کا باب

اکثر اہل علم کا قول یہی ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں۔ یہی عائشہؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور عطاءؒ، طاؤسؒ، سالمؒ، الحسنؒ، عمرو بن دینارؒ، ثوری اوزاعیؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، شافعیؒ اور ابوثورؒ کا یہی مذہب ہے۔

۱۰۷۶- حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّهُ قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہؓ نے کہا کہ ہم نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ سات کی طرف سے اور گائے سات کی طرف سے ذبح کی تھی اور اس مسئلہ میں یہی جمہور کا مذہب ہے۔ مالکیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۱۰۷۷- وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عُمَارَةَ ابْنِ يَسَارٍ، أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ، قَالَ: كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ يَذْبَحُهَا الرَّجُلُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعْدُ، فَصَارَتْ مُبَاهَاةً۔

قَالَ مَالِكٌ: وَأَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ وَالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ، أَنَّ الرَّجُلَ

يَنْحَرُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ الْبَدَنَةَ. وَيَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَالشَّاةَ الْوَاحِدَةَ، هُوَ يَمْلِكُهَا. وَيَذْبَحُهَا عَنْهُمْ وَيُشْرِكُهُمْ فِيهَا. فَأَمَّا أَنْ يَشْتَرِيَ النَّفَرُ الْبَدَنَةَ أَوِ الْبَقَرَةَ أَوِ الشَّاةَ، يَشْتَرِكُونَ فِيهَا فِي النُّسُكِ وَالضَّحَايَا. فَيُخْرِجُ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ حِصَّةً مِنْ ثَمَنِهَا. وَيَكُونُ لَهُ حِصَّةٌ مِنْ لَحْمِهَا. فَإِنَّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ. وَإِنَّمَا سَمِعْنَا الْحَدِيثَ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَكُ فِي النُّسُكِ. وَإِنَّمَا يَكُونُ عَنْ أَهْلِ الْبَيْتِ الْوَاحِدِ۔

ترجمہ: ابوایوب انصاریؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایک بکری قربان کرتے تھے۔ آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا۔ پھر لوگوں نے قربانی کو ذریعہ فخر بنا لیا (اور اس کے خلاف ہونے لگا)۔

شرح: اس حدیث کا تعلق مختلف فیہ مسئلے سے نہیں۔ اختلاف اس میں نہیں کہ گھر کا سربراہ سب کی طرف سے ایک قربانی کرے تو سب کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس میں ہے کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے (چاہے وہ سب اپنے اپنے خاندان کے سربراہ ہوں) آیا وہ اُونٹ اور گائے میں ایک سے زیادہ تعداد میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ پس اوپر کی حدیث سے یہ اشتراک جائز ثابت ہوتا ہے۔ رہا ابوایوبؓ کا قول کہ پھر لوگوں نے اسے ذریعہ فخر بنا لیا تو وہ اب بھی ہے کہ بعض لوگ چھوٹی قربانی کے بجائے از راہ فخر و مباہات بڑی ذبح کرتے ہیں۔ اس میں اگر کراہت ہے تو صرف شہرت طلبی اور ریاکاری کے باعث ہے۔ نہ یہ کہ اصل مسئلہ ہی بدل گیا ہے امام محمدؒ نے موطا میں بَابُ مَا يُجْزِئُ مِنَ الضَّحَايَا عَنْ أَكْثَرَ مِنْ وَاحِدٍ کے اندر یہی حدیث درج کی اور اس پر لکھا ہے کہ آدمی حاجت مند ہوتا تھا پس وہ ایک بکری ذبح کرتا تھا، خود کھاتا اور گھر والوں کو کھلاتا تھا۔ مگر ایک بکری دو یا تین اشخاص کی طرف سے (جن پر الگ الگ قربانی واجب ہو) بطور قربانی ذبح کی جائے تو یہ جائز نہیں۔ بلکہ ایک قربانی ایک کی طرف سے دی جائے۔ اور یہی قول ہے ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ایک حیدر آبادی صاحب نے کراچی کے مطبوعہ موطا کے ۵۵۵ صفحہ پر جو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بیان کیا ہے۔ یہ محض لاعلمی کی بنا پر کیا ہے۔ یہ حنفی مذہب کی بالکل برعکس نمائندگی ہے۔ حنفی مسلک کو امام محمدؒ سے بڑھ کر کون جانتا ہے اور کون بیان کر سکتا ہے؟ اس کے بعد امام محمدؒ نے اسی باب میں جابر بن عبداللہ کی حدیث بیان کی ہے کہ ہم نے حدیبیہ میں اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی اور اس پر یوں لکھا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اونٹ اور گائے قربانی میں اور حج کی ہدی سات کی طرف سے جائز ہے۔ خواہ یہ لوگ متفرق ہوں، خواہ ایک ہی خاندان کے ہوں یا کئی خاندانوں کے۔ (یعنی ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی قربانی الگ دے رہا ہو۔) اور یہی قول ابوحنیفہؒ اور ہمارے عام فقہا کا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حیدر آبادی علامہ صاحب نے یا یہ عبارت دیکھی نہیں یا دیکھی ہے مگر اس کا مطلب نہیں سمجھا۔

ایضاً۔ امام مالکؒ نے فرمایا میں نے اونٹ گائے اور بکری کے متعلق جو احسن بات سُنی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کرے اور گائے ذبح کرے اور ایک بکری ذبح کرے جس کا وہ مالک ہو اور اسے ان کی طرف سے ذبح کرے اور انہیں اس میں شریک کرے۔ لیکن یہ صورت کہ وہ اونٹ خریدے یا گائے یا بکری اور وہ سب اس میں حج کے نسک اور قربانی میں شریک ہوں۔ پس ہر انسان اس کی قیمت کا حصہ ادا کرے اور اس کے گوشت میں سے اسے حصہ مل جائے تو یہ مکروہ ہے اور ہم نے جو حدیث

سُنی ہے، وہ یہ ہے کہ نسک میں شراکت نہیں ہوسکتی۔ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک گھر والوں کی طرف سے ایک جانور ذبح ہوا اور وہ سب اجر و ثواب میں شریک ہو جائیں۔ رجس حدیث کا مالکؒ حوالہ دیتے ہیں، وہ جابرؓ کی گزشتہ حدیث ہے یا ابو ایوبؓ کی گزشتہ حدیث مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا سب توحید کی شہادت دینے والوں کی طرف سے قربان کیا اور ایک اپنی اور گھر والوں کی طرف سے۔

۱۰۷۸۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا نَحَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا بَدَنَةً وَاحِدَةً، أَوْ بَقَرَةً وَاحِدَةً۔ قَالَ مَالِكٌ: لَا أَدْرِي أَيَّتَهُمَا قَالَ ابْنُ شِهَابٍ۔

ترجمہ: ابن شہابؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے صرف ایک اونٹ قربان کیا یا ایک گائے قربان کی۔ لواس مضمون میں حضرت اُم المومنین عائشہؓ کی حدیث موجود ہے کہ حضورؐ نے آخری حج کے سال آلِ محمدؐ کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔ اس پر گفتگو کتاب الحج میں بھی ہو چکی ہے۔ غالباً اس سے مراد نفلی قربانی ہے نہ کہ واجب۔ امام مالکؒ نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں ابن شہابؒ نے کیا لفظ بولا تھا، آیا ایک اونٹ یا ایک گائے۔

۶۔ بَابُ الضَّحِيَّةِ عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ، وَذِكْرُ أَيَّامِ الْأَضْحَى

عورت کے پیٹ کے بچے کی طرف سے قربانی اور ایام قربانی کا بیان

۱۰۷۹۔ وَحَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: الْأَضْحَى يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحَى۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، مِثْلُ ذَلِكَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ قربانی عید الاضحیٰ کے دن سے دو دن بعد تک ہے۔ مالکؒ کو علی بن ابی طالبؓ سے بھی یہی خبر ملی ہے۔

شرح: جمہور کا مذہب یہی ہے۔ ابو حنیفہؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور احمدؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ شافعیؒ نے کہا کہ قربانی کے ایام چار ہیں ایک دس ذی الحجہ اور تین اس کے بعد۔ جمہور کا قول حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور انسؓ کے قول کے مطابق ہے۔

۱۰۸۰۔ وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَكُنْ يُضَحِّي عَمَّا فِي بَطْنِ الْمَرْأَةِ۔

قَالَ مَالِكٌ: الضَّحِيَّةُ سُنَّةٌ وَلَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ۔ وَلَا أُحِبُّ لِأَحَدٍ مِمَّنْ قَوِيَ عَلَى ثَمَنِهَا، أَنْ يَتْرُكَهَا۔

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اس بچے کی طرف سے قربانی نہ دیتے تھے جو عورت کے پیٹ میں ہو۔ مالکؒ نے کہا کہ قربانی سُنت ہے واجب نہیں اور جو اس کی قیمت دینے پر قادر ہو، میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کر دے۔

شرح: یہ مسئلہ بارہا گزر چکا ہے کہ حنفیہ اور دیگر ائمہ کی اصطلاح میں واجب اور سنت کے متعلق کچھ فرق ہے۔ دیگر ائمہ واجب کا لفظ فریضہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور حنفیہ کے ہاں واجب کا درجہ سنت مؤکدہ اور فریضہ کے مابین ہے۔ یہ فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ بہت سی الجھنوں سے بچاؤ ہو سکے زیر نظر اثر میں پیٹ کے بچے کی طرف سے عبداللہ بن عمرؓ نے جو قربانی نہ دینے کا عمل اختیار کیا بالکل یہی جمہور کا مذہب ہے اور اس کے خلاف اگر کوئی کرے تو شاذ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قربانی عملی واجب ہے۔ جس کا ثبوت سُنت سے ہوا ہے۔ اگر مالکی علماء کی عبارتوں پر غور کیا جائے تو اس مسئلہ میں حنفی اور مالکی مذہب میں اختلاف ہے۔